

امداد الفتاویٰ

حکیمُ الامّت مجدّ الامّت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس

بترتیب جدید

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ

بانی جامعہ دارالعلوم کراچی و مفتی اعظم پاکستان

مکتبہ دارالعلوم کراچی

www.ahlehaq.org

میسوب

امداد الفتاویٰ

حصہ سوم

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

تبویب جدید
حضرت مولانا محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان

مکتبہ دارالعلوم کراچی

باہتمام : محمد قاسم گلگتی
طبع جدید : شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ جولائی ۲۰۱۰ء
فون : 5049455 - 5042280
ای میل : mdukhi@gmail.com

www.ahlehaq.org

ملنے کے پتے

مکتبہ دارالعلوم احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی ﴿ناشر﴾

- ✽ ادارۃ المعارف احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی
- ✽ مکتبہ معارف القرآن احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی
- ✽ ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور
- ✽ دارالاشاعت اردو بازار کراچی
- ✽ بیت الکتب گلش اقبال نزد اشرف المدارس کراچی

فہرست امداد الفتاویٰ مبوب جلد سوم

کتاب البیوع

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۱	قبالہ میں روجہ کا نام درج کر دینا۔	۱۹	احکام یعنی غلہ وغیرہ کو گرائی کے استعارے میں روکنے کے احکام۔
۳۲	بیع مراہجہ میں مشیت ثمن کی شرط	۲۰	بیع کے وقت قیمت کو دو مشقوں میں دائر کرنا
۳۳	تعاہل جس کا فقہاء نے اعتہا کر لیا ہے اسکی تحقیق	۲۱	قیمت میں رعایت کرنا یا بالکل چھوڑ دینا موجب ثواب ہے۔
۳۴	مورث کی جائیداد کی بیع قبضہ سے پہلے	۲۲	بائع کو پیشگی روپے دیکر بیع کو تنہا تصویب دھوکا
۳۵	ایسے شخص کو زمین فروخت کرنا جس میں مندرجہ	۲۳	قصا ب کو پیشگی روپے دے کر گوشت نرغ مقرر کرنا
۳۶	کسی زمین پر کفار کے قبضہ کا موجب ملک ہونا اور	۲۴	گوشت کی خریداری بعض شرائط پر
۳۷	ایسی زمین پر درخت لگانے والا درختوں کا مالک ہوگا	۲۵	نرغ و غلہ در ترانج نرغ و کم کردن قیمت بترشی
۳۸	فسخ میں لکھی ہوئی دواؤں کی مقدار سے کم دینا یا تیار	۲۶	بیع کے بعد کچھ چھوڑنا دینا
۳۹	شدہ دواؤں میں سے کچھ رکھ لیتا	۲۷	بیع بشرط عمل بائع الن
۴۰	بائع و مشتری کی موجودگی میں بیع کا ایک تبہ تو لیتا کافی	۲۸	رشوت دادن کارکنان بائع را کہ مال جید بند
۴۱	خریدین جائیداد بنام شخصے دیگر۔	۲۹	بیع کے بعد بائع سے زر ثمن واپس لیتا جائے نہیں
۴۲	کسی دوسرے کے نام جائیداد خریدنا۔	۳۰	مگر کافر عربی سے اس کی ہٹا کے ساتھ جائز ہے
۴۳	کسی کے نام جائیداد خریدنے سے اسکی ملک نہ ہونا	۳۱	حل شبه متعلقہ بتدل حکم بتدل ملک
۴۴	نرغ ٹھہرا کر بائع قبول بیع پر قبضہ کر لیتا کافی ہے	۳۲	عدم جواز بیع بدست تا بالغان بوسط غیر ولی
۴۵	کشتل کا مسلم خریدنا۔	۳۳	تا بالغ کی جائیداد کو اس کی ماں یا چچا فروخت
۴۶	بیع و شرائط کا عدم حکم میں بیع و شرائط کے نہیں	۳۴	نہیں کر سکتے۔
۴۷	مال تجارت لانے کے لئے اجیر بنا یا پھر اجیر کے ہاتھ فروخت کرنا	۳۵	تا بالغ کی جائیداد کے بیچنے کا عدم جواز
۴۸	ویل بالشرا نے موکل کے مال کے ساتھ کچھ اپنا مال لگایا	۳۶	بیع یا رہن جائیداد مشترک
۴۹	خریدا اب اس کو موکل کو بطور مراہجہ خریدنا جائز نہیں	۳۷	عربی کافر اگر کسی رشتہ دار کو فروخت کرے۔
۵۰	اجیر مال لانے والے کے ہاتھ نفع بر مال فروخت کرنا اور	۳۸	حفاظت جائیداد کی غرض کسی کے نام بیع کرنا
۵۱	ثمن کی میعاد مقرر کرنا۔	۳۹	مہر یا بیع فرعی بنام بیٹے ورنہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۸	کھوٹے سکے کو سوئے کی قیمت میں ادا کرتا۔	۴۴	نابالغ بلا اذن ولی اوصار کوئی چیز خرید تو مٹن
۵۸	عقد بیع کے بعد قبضے سے پہلے جو عیب بیع میں پیدا ہو جائے اسکی وجہ کی بیع کی واپسی		بعد بلوغ واجب ہوگا یا نہیں۔
۵۹	اراضی فلسطین کی بیع یہودیوں کے ہاتھ	۴۴	بیع دارت جائداد را کہ در آن حق موصی نہ باشد
۶۱	شریدین جلد یا کم حیوان قبیل ذبح		بیع میں جتنے عیوب ہوں سب کٹ نہا ہر کرنا واجب ہے
۶۱	زمیندار اپنی رعایا کے قصابوں سے امانت فرخ		بیع زمین مستاجرہ
	پر گوشت خریدیں اس کا حکم		کتابیں پڑھنے کے بعد ان کی بیع
۶۲	زمینداروں کا شکاروں سے شادی کے موقع	۴۴	عدم انقطاع بیع بعد اذن بیع نامہ
	پر گئی ہنر امانت خریدنا غیر معین مقدار پر	۴۵	تحریر در رجسٹری بیع نامہ بلا اطلاع
۶۲	کھڑی ہوئی گھاس کی بیع بعض اعذار پر	۴۵	بیع غلہ واجب فی الذمہ بدست صاحب حق
۶۳	جواز بعض صور صفقہ فی صفقہ		بشرط قبض ثمن و رجسٹری
۶۴	گھاس کی بیع و شرا غیر مسلم سے	۴۶	پمچلی کی بیع کی مختلف صورتیں
۶۴	کاشت کی ہوئی گھاس کو فروخت کرنا	۴۸	تالاب میں پمچلی کی بیع
		۵۰	حکم بیع سمک و تالاب
۶۵	اقالہ (واپسی بیع) اور بیع بالخیار		پمچلی کی بیع تالاب میں
۶۵	تعریف اقالہ و بیع بالخیار	۵۱	نعم البدل بودن مسلم و بنک زمینداران
	تحقیق حدیث خیال مجلس	۵۳	حکم بنک زمینداران
۶۶	دھوکہ سے معاملہ بیع کا کر لیا تو مشتری کو خیانت نہیں	۵۴	عدم جواز معاملہ بنکنگ
۶۶	مشتری ہائے کو بیع کی حالت بیان کرنے میں حکم		منافع بنک
۶۸	تمتہ سوال سابق		ہینڈی و نوٹ میں بٹہ لینا
		۵۵	حکم کمی و بیشی در نوٹ یا ہینڈی وغیرہ
۷۰	بیع سلم (بدھنی)		بنک زمینداران
۷۰	مسلم الیہ کو بیع کئے وکیل بتانا اور بدھنی کے		سیونگ بنک اور ڈاکخانہ میں روپیہ رکھنے
	وقت سلم فیہ کے موجود ہونے کی شرط		اور سود لینے کا حکم
۷۱	بدھنی میں مشتری کے مرنے سے معاملہ قائم رہتا ہے	۵۶	بیع کی قیمت کم کرنے کے لئے بائع کی رضا شرط ہے
	بائع کے مرنے سے باطل ہو جاتا ہے۔		اور بیع مراجمہ میں اس کا اظہار ضروری ہے۔
۷۱	روپیہ پیسہ میں بیع کا عدم جواز		تحقیق حکم بیع المضطر
۷۱	ایخون کی بیع سلم	۵۷	جو کتاب کتب خانہ میں موجود نہ ہو اسکی بیع کا وعدہ
			پھر کتاب خرید کر نفع کے ساتھ فروخت کا حکم

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	اور گولے کی بیع میں ادھار ناجائز ہے۔	۷۲	تحقیق معنی انقطاع در بیع سلم
۸۲	عدم جواز لسیہ در پارچہ منسوج بد صلب		بیع صرف اور رائج الوقت سکوں
۸۳	جس عمامہ میں تھوڑا سا کلابتون شامل ہو	۷۳	نوٹوں کی بیع (سونے چاندی کی بیع)
	اسکی بیع میں ادھار ناجائز ہے۔		روپیہ کا تبادلہ پیسوں سے اور کچھ پیسوں
۸۴	گولہ کو نوٹ کے عوض بیع کرنے کی تدبیر	۷۳	پر قبضہ۔
۸۴	سنا رکھ کر دیوار بنانے کے لئے روپیہ دیدینا	۷۴	پیسوں کا بدلہ روپوں سے
۸۵	سنا رکھ کر قیمت چاندی کی دینا۔	۷۴	صفائی معاملات
۸۶	روپیہ یا چاندی کی بیع چاندی کے سوا دوسرے	۷۵	پیسوں کا بدلہ روپے سے
	سکوں سے بطور ادھار۔	۷۵	کی زیادتی کے ساتھ نوٹ کی بیع میں ایک
۸۷	اضرار کفار کے لئے ان کے مال کی خرید و		طرف پیسے ملا لینا کافی نہیں۔
	فروخت کا حکم۔	۷۵	مبادلہ روپیہ بریز گاری وقت تفاوت زن
۸۸	اضرار کفار کے لئے ان کی بنائی ہوئی چیزوں	۷۶	حکم کی پیشی در نوٹ و ہنڈی یا در مبادلہ
	کی تجارت ترک کرنا۔		
۸۸	متعلق سوال نمبر ۷۳ صفحہ ۷۳		
۸۹	بیع فاسد		ماریون کا مال قرض کے طور پر نہ لے کر خریدنا
		۷۷	نوٹ کی بیع کی صورتیں
۸۹	مسئلہ دار خریدن و فروختن ملک کا رفاہ ہے	۷۷	نوٹ کا سکہ ہونا
	تجارت،	۷۷	حکم کی پیشی در نوٹ و ہنڈی یا در مبادلہ
۹۰	بیع کے معلوم ہونے کی شرط اور اس کی توضیح		اشرفی،
۹۰	ایسی جائیداد جس پر قبضہ نہ کر سکے اسکی بیع	۷۸	تدبیر حفظ از بیع نوٹ برکئی ادعا کنندہ سال
۹۱	بیع میں دھرم کھانا کی شرط	۷۹	حرمت بیع و شرائط بنقصان و زیادة
۹۲	خود راہ خریدنے کے لئے پیشگی قیمت دیدینا	۷۹	حکم خریدن نوٹ و سادرن
۹۲	جمع بین العمل والصنع	۷۹	تدبیر جائز بودن خریداری گولہ از نوٹ
	اگر بیع میں یہ شرط کی جائے کہ قیمت میں	۸۰	حقیقت مبادلہ نوٹ بروپیہ
	اتنا حصہ واپس کرنا پڑے گا تو بیع فاسد	۸۰	بٹہ پر نوٹ
	اور بیع فاسد بحکم سود ہونا۔	۸۰	حکم شرائطیم بعض نوٹ
۹۳	روٹی کا مبادلہ کتے ہوئے سوت کے ساتھ	۸۰	عدم جواز فروخت گنی بعض نوٹ و تدبیر عزاز
	جائز ہے۔	۸۱	سونے چاندی کے تاروں کے پٹے پھٹے کپڑوں

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۱۳	سرکاری درختوں کا ملازم سرکار کو نیلام میں خریدنا	۹۳	کپڑے کی بیع بموض نقد اور سوت کے
۱۱۳	مندروں کے اوقاف خریدنا	۹۵	عدم جواز بیع معدوم
۱۱۳	مندروں کے وقف کو اس کے متولی سے خریدنا	۹۵	پھلوں اور پھولوں کی بیع
۱۱۴	کافر نے جو برتن کسی مسلم سے اصل اور سود کے عوض	۹۶	آم کے پھول رکھرا کی بیع کافر کے ہاتھ
۱۱۵	خریدے ہوں وہ دوسرے مسلم کو اس کی خریداری	۹۶	دارالحرب میں کافر مالک باغ سے درختوں کا پھول
۱۱۵	مریض کی قرآن ش پر دوا تیار کرنا اور لاگت سوزاند	۹۶	رکھرا خریدنا۔
۱۱۵	قیمت لینا۔	۹۶	بیع شمار بر بعض شروط مروجہ
۱۱۶	آب و زمزم کی تجارت کا جواز	۹۶	بیع شمار قبیل ظہور
۱۱۶	مردار جانوروں یا مخلوط جانوروں کی چربی	۹۶	پھل خریدنے والے سے کچھ مقدار جس کی مقرر کرنا
۱۱۶	خریدنا۔	۹۸	اشتراط بعض ثمرات مع ثمن ثمرات
۱۱۶	غیر طبیب کو دوائیں بیچنے کا حکم	۹۹	جو پھل ظہور سے پہلے فروخت کر گئے ہوں مالک اس کی کو
۱۱۶	حکم بیع نکلی جس کے جلانے سے سانپ کی تقو	۹۹	ان کی خریداری حلال ہے۔
۱۱۶	بن جاتی ہے۔	۹۹	پھلوں اور پھولوں کی بیع
۱۱۷	بیع مریض برضا مرتہن۔	۱۰۶	گنا پیدا ہونے سے پہلے اس کی خریداری کا حکم
۱۱۸	مرتہن کا شمار مریض کو فروخت کرنا۔	۱۰۶	زمین مع بلخ انہ ٹھیکہ پر ہو تو اس کا پھل کھانا
۱۱۹	کارخانوں کے فروخت کرنا۔	۱۰۶	بیع بالوفا
۱۲۰	حوادث الفتاویٰ	۱۰۶	بعض صورتیں جو بیع بالوفا سے مشابہ ہیں جائز ہیں
۱۲۰	جدید آلات اور جدید معاملات کے احکام	۱۰۷	حکم بیع بالوفا
۱۲۰	بخاری کا رخانوں کے ٹکٹ کی سلسلہ وار خرید	۱۰۸	حکم مواضعت قبل عقد در بیع الوفا
۱۲۱	فروخت۔	۱۱۰	جائز و ناجائز یا مکروہ معاملات بیع
۱۲۱	جواز خرید نیلام	۱۱۰	آلات معاصی، مزامیر یا آلات سینما وغیرہ کی بیع
۱۲۲	حکم نیلام حاکم	۱۱۳	تحقیق حدیث مصراۃ
۱۲۲	درزیوں کی مشین قسط پر خریدنا	۱۱۳	اسٹامپ کی بیع
۱۲۳	خرچہ عدالت وصول کرنا اور حکومت نیلام کی	۱۱۳	اسٹامپ کو اس کی مقررہ قیمت سوزاند پر فروخت کرنا
۱۲۳	حکم دعویٰ زوجہ ناشزہ بر شوہر ہونے نان و نفقہ		
۱۲۳	گدا شہ و آئندہ دعویٰ شوہر ہونے پر ہونے		
۱۲۳	خصمی و خرچہ مقدمہ۔		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۳۷	دیوروی پی کی حقیقت، اور نقصان کی صورت میں ضمان کس پر ہے۔	۱۲۵	ایک غیر مسلم شخص متوفی کا حرمہ اور ورثہ
۱۳۸	ماہوار رسالہ یا اخبار کا کھانا نہ سے ضائع ہو جائے تو مکرر لیٹا جائز ہے۔	۱۲۸	کسی کی اشیاء کو روپیہ دے کر قرقی سے بچالیا تو یہ چیز روپیہ دینے والے کی ملک نہ ہوں گی۔
۱۳۸	بیع تعاطی اور پابچہ جس کے اطراف یکساں ہوں اس میں بقدر موصوف بیع کا انعقاد حکم مرمت گراموفون	۱۲۹	ہمانت کمیشن پر ایجنٹ بتانا۔
۱۳۹	فونو گراف اور آلات لہو و لعب کی اجرت پر مرمت کرنا۔	۱۲۹	تجارت پیشہ ہندو مسلمانوں میں یہ طے ہونا کہ کوئی جز مساجد اور مندروں میں خرچ کیا جاوے گا۔
۱۳۹	سرکاری نرخ پر غلہ خریدنا	۱۳۰	کپڑا یا روئی، ریلوے اور ٹرام کے حصص خریدنا
۱۴۰	بعض سرکاری جماع میں تجارت اہل ہندو سے مٹھائی خریدنا۔	۱۳۰	حصص کمپنی
۱۴۱	دندان ساز کو پیشگی قیمت و اجرت لینا۔	۱۳۱	گورنمنٹ کو قرضہ دینے کا حکم
۱۴۱	مشتری مرحائے تورقم بیع نہ کی واپسی۔	۱۳۱	ریل پر آئے ہوئے مال کو نیلام پر خریدنا
۱۴۲	کتاب الربوا	۱۳۱	بلا طلب کوئی اخبار یا رسالہ بھیجے بیع نہ ہوتا
۱۴۲	حکم منی آرڈر و حل بعض شبہات متعلقہ منی آرڈر	۱۳۲	اشتراط مشیت ثمن در مراہم
۱۴۲	حل شبہات متعلقہ منی آرڈر	۱۳۲	قیمت پیشگی ادا کرنا
۱۴۵	تحقیق منی آرڈر	۱۳۳	اخبار غیر معلوم مدت کے لئے کسی مقرر قیمت کے بدلہ میں جاری کرتا جائز نہیں۔
۱۴۶	تدبیر حفظ از بیع نوٹ برکمی و ادا عا گمہ سالہ	۱۳۳	نقلی چیزوں کو نقلی ظاہر کر کے فروخت کرنا
۱۴۷	دفعہ شبہ برات سود و ہندہ الگتہ	۱۳۳	اشتہاری کتابوں کو قیمت مندرجہ اشتہار سے زیادہ پر فروخت کرنا۔
۱۴۸	حکم رقمی کہ بنام سود ملا زمانہ و ادا سرکار بدست آید محکمہ مل میں ملازمین کی تنخواہ کا کوئی جز جو کٹ جاتا ہے اور وہ مع سود ملتا ہے اس کا حکم۔	۱۳۳	خرید و عسلہ کے وقت نرخ طے نہ کرنا۔
۱۴۹	ایضاً	۱۳۴	پارسل ٹکستہ ہو جائے تو نقصان بائع کے ذمہ ہے یا مشتری کے۔
۱۴۹	"	۱۳۴	دوسرے کے نام پر فرضی طور سے خریدی ہوئی چیز اس کی ملک نہیں ہوتی۔
۱۵۰	"	۱۳۵	جو کتاب اپنے پاس نہ ہو اور فہرست میں درج کر دی جائے اس کا حکم۔
۱۵۱	"	۱۳۵	بیع مراہمہ مع توکیل اور بعض معاملہ کا حکم سود نہ ہوتا
		۱۳۶	رشوت دے کر سرکاری مال ملازمین سرکار سے خریدنا
		۱۳۷	سکہ غالیہ کا عرف کے ساتھ مقید ہونا۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۵۱	تحقیق حکم اخذ زیادت بر رقم ضمانت سرکاری	۱۵۲	نفع پرامیسری نوٹ
۱۵۱	وصول خرچہ مقدمہ بعنوان سود سرکاری	۱۵۳	ربوا ہندوستان
۱۵۲	حکم مبادلہ از یہ سیم نسیم	۱۵۵	”
۱۵۲	حرام سود بودن نفع بوجہ قرض	۱۵۵	رسالہ رافع الضنک عن منافع البنک
۱۵۲	ربوا		
۱۵۲	تمتہ سوال بالا	۱۵۵	حکم سود از بنک
۱۵۳	جاری کردن اخبار عوض نفع رقم خاص	۱۶۰	دفع شبہ علت سود بعلت افلاس مسلمانان
۱۵۳	حکم جمع کردن روپیہ بلا سود در ڈاک خانہ و حکم سود گرفتن	۱۶۰	حکم ہمہ کسپی
	از ڈاک خانہ باز تصدق کردن	۱۶۱	حکم تبادلہ آلو و شکر قند بغلہ نسیم
۱۵۴	نوٹ کا سک نہ ہونا بلکہ سند قرض ہونا	۱۶۲	دفع شبہ خبث بر مال حاصل برضائے حربی
۱۵۴	سند قرض بودن نوٹ سرکاری	۱۶۳	ابطال جملہ سود بفلوس دادن و روپیہ گرفتن
۱۵۵	خلط کردن اہل انجن آرد یک دیگر را	۱۶۳	رعایت در کرایہ بشرط وصول پیشگی
۱۵۵	حکم امانت زر در بنک در صورت خاصہ	۱۶۳	تقسیم انعام از رقم سود در بعضی اسکول
۱۵۶	عدم موثر بودن عموم بلوی در باب ربوا وغیرہ	۱۶۴	تحقیق تساوی و تفاوت سود دہندہ و گیرندہ
۱۵۶	سوال تمتہ بالا	۱۶۴	طریق جائز تجارت مرغان
۱۵۸	سود گرفتن ضامن از ملازم کہ ضمانت نش کرده	۱۶۵	دائن کا دین کو کسی کے ہاتھ کم میں بیچنا
۱۵۸	عدم جواز تخفیف اجرت زمین بسبب قرض	۱۶۵	حکم او اگر دن قرض سکے انگریزی بسکہ حیدر آبادی
۱۵۹	کشف الدجی عن وجہ الربوا	۱۶۶	استعانت در امور خیر از رقم سود گیرندہ
۳۰۳	کسی کو اس لئے قرض دے کہ وہ اس کو سود حاصل کرے	۱۶۶	وقت جائز بود بیع مکراتبہ
۳۰۴	متحد القدر مختلف الجنس میں تشبیہ نہ ہونے پر شبہ	۱۶۷	مدرس کو سود کے حساب کی تعلیم دینا اگرچہ اس میں
۳۰۵	جو پانی کا نل سود کے روپے سے لگایا گیا ہو اسکا حکم		عنوان سود کا ہو جائز ہے۔
۳۰۵	کاشتکار موروثی سے سود لیتا	۱۶۷	سوال بر جواب سابق
۳۰۶	کاشتکار روپیہ کا تبادلہ غلہ ادھار کرنا حکم	۱۶۸	سود روپے کے دعوے میں اسی کی ڈگری ہو اور میں
۳۰۶	ربا کا معاملہ بیع قاسد ہے یا باطل		سود کے میں تو جائز ہے یا نہیں۔
۳۰۷	عقد ربوا سے جو مال حاصل ہوا کی دو صورتیں	۱۶۹	ڈگری کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں۔
۳۰۷	سیونگ بنک وغیرہ سے سود لینے کا حکم	۱۶۹	تحقیق ائم باخذ سود از مسلم و کافر
”	ایضاً	۱۷۰	سود سے روپے میں خبر نہ آتا۔
			دار الحرب میں بیت سود استدلال پر شبہ اور جواب

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۲۲	مبادلہ حوالہ اقل نقد یا کثر نسیم	۳۱۰	چہار کے بیمہ کرنے کی صورتیں اور ان کا جواز یا عدم جواز
۳۲۲	دوسرے پر دین کا حوالہ کرنا۔	۳۱۲	سود سے نجات کیلئے سودے کی قیمت بڑھا دینا
۳۲۳	کتاب الودیعت	۳۱۲	جائزہ ہے۔
۳۲۳	جواز گرفتن مال تلف شدہ از مودع بلا جرمیہ	۳۱۲	حربی کو سود دینے حکم
۳۲۳	توکیل مودع مودع را	۳۱۳	کتاب الوکالۃ
۳۲۴	غائب کے قبضہ سے نابالغ کی امانت ٹکالنے کا حکم	۳۱۳	صرف کرنے سے قبل وکیل سے روپیہ واپس لینے کا جواز
۳۲۴	اہل چندہ کی مرضی کے خلاف متولی کا چندہ وصول کرنا	۳۱۳	فضولی کا بیع کے دوران نفع درمیان میں رکھنے کا حکم
۳۲۵	ضمان مودع المودع	۳۱۵	ادائے قرض کے واسطے نابالغ کے مال فروخت
۳۲۶	حکم دستیابی قطعات اسٹامپ	۳۱۵	کرنے کی توکیل
۳۲۶	کتاب الضمان	۳۱۵	توکیل مذکور میں وکیل کو ثمن میں کمی بیشی کا اختیار نہ
۳۲۶	تلف و دیعت مع مال مودع بالغیر آں	۳۱۵	مہتمم مدرسہ معین چندہ کی طرف سے وکیل ہے الخ۔
۳۲۶	اجنبی کے ہاتھ امانت بھیجنے میں امین ضمان ہو	۳۱۶	عدم ضمان وکیل مصروف بالا ذن را بعد موت موکل
۳۲۸	ضمان نوٹ گم شدہ الخ	۳۱۶	استیفائے دین اور وکیل بقبض آں
۳۳۲	واجب بودن ضمان الخ	۳۱۶	مہتمم کے لئے مدرس کی رعایت کا حکم
۳۳۳	کتاب العاریت	۳۱۶	زمینداروں اور نمبرداروں کے بلکہ کا حکم
۳۳۳	بطالان عاریت بموت و ضمان عاریت	۳۱۸	اسکول کے متفرق مد کے صرفہ کا حکم
۳۳۳	بتعدی۔	۳۱۹	عدم جواز مخالفت موکل برائے وکیل الخ
۳۳۴	کتاب الابارہ	۳۱۹	وکالت کی آمدنی کے عدم جواز پر شبہ کا جواب
۳۳۴	طاعات پر اجرت کا حکم	۳۱۹	وکالت کے پیشہ کے جواز کی توجیہ و شرائط،
۳۳۴	ایضاً	۳۲۰	کتاب الکفالة
۳۳۵	تحقیق مسئلہ مستفسرہ کجور	۳۲۰	دعویٰ مہر بکفیل
۳۳۵	اچارہ فاسد کے معصیت ہونے کی تحقیق	۳۲۱	ریلوے کمپنی سے ضمان لینا۔
۳۳۶	اجرت زانیہ کی تحقیق	۳۲۱	کتاب الحوالہ
		۳۲۱	حوالہ میں میل و محال علیہ کی وضاحت شرط ہے
		۳۲۱	ایک کا قرض دوسرے پر حوالہ کرنے کا حکم۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۵۰	زمین موروثی اور اس کے منافع کا حکم		السرالمکتون
۳۵۰	موروثی کا شتکار غاصب پر اس کا مرتبہ بھی		
	غاصب کے حکم میں ہے۔	۳۳۸	سرکمون متعلقہ مسئلہ مذکورہ
۳۵۱	حق موروثی کا حکم	۳۴۰	جواز اجرت تاذین و امانت وغیرہ الخ
۳۵۱	اپنی زمین موروثی کا شتکار سے رہن پر	۳۴۱	پہرہ اوہ گرنے اگر اس کو تا مکمل چھوڑ دیا ہو تو اجرت
	لینے کا حکم		میں کمی کا حکم
۳۵۲	موروثی کا شتکار کو اپنا حق لینے کے لئے جو	۳۴۱	شفاعت پر اجرت کا حکم
	رقم دی اس کی واپسی بحیلہ	۳۴۲	حکم لائی متعارف
۳۵۲	زمین دار کے ہاتھ فروخت کرنے کے بعد سگری	۳۴۲	نصف قیمت پر گائے وغیرہ کی پرورش کا حکم
	زمین میں موروثیت کا دعویٰ	۳۴۳	پرندے منافع میں شرکت کی شرط پر پرورش
۳۵۳	مالک کی اجازت کے بعد موروثی زمین کی کاشت		کے لئے دینے کا حکم
	کا حکم	۳۴۳	تالیات وغیرہ کے شعیکی داروں کی اجرت کا حکم
۳۵۳	موروثی کا شتکار سے اپنا حق وصول کرنا	۳۴۴	اوقات مدرسہ میں اسباق میں غور و فکر کا وقت
۳۵۴	گورنمنٹ کا قانون بابت موروثی کا حکم		مسوب ہو یا نہ الخ
۳۵۵	مالک کے بیان پر اعتماد کرنیکی صورت میں کمی بیشی	۳۴۵	زمین کے محصول کی ادائیگی میں مہلت پرندانہ
	اراضی الخ		کا حکم
۳۵۵	دفتر کے اوقات میں نجی خطوط لکھنا جائز نہیں	۳۴۶	خطیب کو عمامہ اور نقد دینے کا حکم
۳۵۶	ملازمت کے اوقات میں ذاتی کام کر دینا حکم	۳۴۶	کلائے کا بیج مالک کے حق میں حلال ہونے کی صورت
۳۵۶	علاوہ کار ملازمت دوسرا کام کرنا اور اس کی	۳۴۷	شاگرد بنانے کے وقت شیری لینے کا حکم
	اجرت کا حکم	۳۴۷	ایام بیماری کی تنخواہ اور وظیفہ لینے کا حکم
۳۵۶	اجیر خاص کو دوسرا کام اجرت پر کرتا جائز نہیں	۳۴۸	ایام بیماری کی تنخواہ کے استحقاق کی تحقیق
۳۵۷	کسی عجیب جالود کو دکھانے کی فیس لینے کا حکم	۳۴۸	ایام تعطیل کی تنخواہ لینے ادا یا م رخصت کی تنخواہ
۳۵۸	ملازم ریلوے کا کسی کو اپنا آدمی ظاہر کر کے سفر		وضع ہونے کا حکم
	کراتے کا حکم		ایقناً
۳۵۸	مالک کے مال سوچوری شدہ رقم کو تنخواہ کی		
	ادائیگی کا حکم	۳۴۹	
۳۵۹	عہدہ قضائے نکاح کا حکم	۳۴۹	مدین کی رخصت رعائتی کے زمانہ کی تنخواہ کا حکم
۳۶۰	جائز صورت میں شتکار کو بیحد مل نہ کرنے پر نذرانہ	۳۴۹	کفار کی موروثی زمین کا حکم

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۸۰	زمینداری کے حقوق کا بیان	۳۶۱	لازمت مدرسہ کے لئے ترجیح کس کو ہو جبکہ ایک
۳۸۰	ایضاً		جگہ کی رقم سود کی ہو الخ
۳۸۱	"	۳۶۱	غیر حاضری یا کی طلبہ کی صورت میں استحقاق اجرت
۳۸۱	"		کی تحقیق،
۳۸۱	"	۳۶۱	چندہ کی کوشش کرنے پر تنخواہ مقدم ہونی عدم سی
۳۸۲	روپیہ کے عوض مدت معلومہ تک زمین		کے وقت کا حکم۔
	کی پیداوار معاف کرنے کا حکم	۳۶۲	کاشتکار سے سرکاری مالیانہ سے زائد لینے کا حکم
۳۸۳	غلط شرع نوکری کا ترک کرنا۔	۳۶۲	دلال کے متعلق بعض احکام کا بیان
۳۸۳	گائے چرانے کی اجرت ایک دن کا دودھ	۳۶۲	سماعت قرآن پر اجرت کا حکم
۳۸۳	کام سے پہلے مزدور کو اجرت دینے کا حکم	۳۶۲	تعلیم قرآن یا تبلیغ احکام پر اجرت کا حکم
۳۸۵	ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی پر اجرت لینا	۳۶۸	کاشتکار سے زمیندار کے کارندوں کا دودھ لینے
۳۸۶	شاہ عبدالعزیز حسنا کے فتویٰ اجرت جواز		کا حکم
	پر استدلال کا جواب۔	۳۶۹	الصراح فی اجرت النخل
۳۸۶	تاڑی تکاٹنے کے لئے کھجوروں کو اجارہ	۳۶۹	اجرت نخل خوانی کے حکم کی تحقیق
	پر لینے کا حکم،	۳۶۹	عمارت بنانے کے لئے کرایہ پر زمین لینے کا حکم
۳۸۶	ایضاً	۳۶۵	وصول شدہ چندہ کے کچھ حصہ کی ادائیگی بیلور
۳۸۶	کرایہ دار میعاد مشروط سے پہلے مکان خالی	۳۶۶	اجرت کا حکم
	کرنے تو کتنا کرایہ ہوگا۔		پھیلی اجرت پر پکڑوانے کا حکم
۳۸۶	اجیر خاص کا کسی اور شخص کا کام کرنے کا حکم	۳۶۶	ایضاً
۳۸۸	مزدور کا دھوکہ دے کر مالک کو زیادہ روپیہ	۳۶۶	ماہی گیر کو نوکر رکھنے کا حکم
	وصول کرنا۔	۳۶۶	حرام کمانی والوں کی نوکرن کرنے یا ان کے ہاتھ
۳۸۸	امامت اور وعظ پر اجرت لینے کا حکم		سامان بیچنے کا حکم
۳۸۹	جائیداد ٹھیکہ پر دینا اور رقم ٹھیکہ پیشگی	۳۶۸	مال حرام سے اجرت لینے اور دندان سازی کے
	وصول کرنا۔		وقت عورت کو چھوٹنا۔
۳۸۹	موزوٹی کاشتکار سے زمین ٹھیکہ پر لینے	۳۶۸	مرکشی کی تنخواہ کی حلت و حرمت کا بیان،
	کا حکم الخ	۳۶۸	آبدکاری کے محکمہ کی نوکری کا حکم
۳۹۰	ہندو کی زمین کو اجارہ پر لینے کا حکم	۳۶۹	کاشتکار پر عطا سرکار سے زمینداری کے حقوق
۳۹۰	کھجور و تاڑ کا ٹھیکہ		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۰۳	الک جہاز سے ملک کی زائد قیمت واپس نہ ہونے کا حق کیسے لے -	۳۹۰	کام اور وقت میں کر کے اجیر رکھنے کا حکم
۳۰۳	متعلقہ مسئلہ بلا	۳۹۱	ثلث غولینے کی شرط پر کسی کا قرضہ وصول کر دینا
۳۰۳	جھاڑ پھونک کی اجرت مقدّمہ کے لئے لینا کیسے	۳۹۱	بند و چچی کو نوکر رکھنا -
۳۰۴	منگنی کے لئے آئینہ والوں کی حیافت جائز ہے	۳۹۱	سر لے موقوفہ کے کرایہ و محرر کا تنخواہ وضع کرنا -
۳۰۴	کارندہ کا حق -	۳۹۲	جو قرآن خوانی کی اجرت طلب کرے اس کے پیچھے پڑیج کا حکم،
۳۰۴	ایضاً	۳۹۳	رشتہ مقرر کرنے کی کوشش پر اجرت لینا،
۳۰۴	رعایا سے کرایہ لینے کا حکم	۳۹۳	مویشی خانہ کا ٹھیکہ
۳۰۴	اجارہ میں کاشتکار سوزیندار کا متفرق معین	۳۹۳	ایضاً
۳۰۴	اشیاء کا لینا،	۳۹۴	مدارس کی فیس کا حکم
۳۰۴	زمیندار کی بعض حقوق اور نفع کے وقف	۳۹۵	سود کے بجائے آڑھت کی مقدار زیادہ کرنا
۳۰۴	کی شرائط - الخ	۳۹۵	ریل میں مال کے غلط اندراج کا حکم
۳۰۵	حقوق زمینداری بذرہ کا شتکار	۳۹۵	چنگی کی ملازمت کا حکم
۳۰۶	ایام غیر حاضری کی تنخواہ ادا کرنے کی تدبیر الخ	۳۹۶	سبق یادہ کرنے کے سبب تاغہ کی تنخواہ کا حکم
۳۰۶	دلال کو زائد رقم منافع رکھنے کی اجازت نہیں ہے	۳۹۶	نصف کمائی پر مشین اجرت پر لیتا،
۳۰۶	اسٹامپ انسپکٹر کی ملازمت جائز ہے	۳۹۷	عمال مزارعین کے عمل اجرت کی عدم تعیین کی تحقیق
۳۰۶	تا جائز ملازمت سرکاری کا حکم	۳۹۷	مختلف شرائط پر اجرتوں کا مشروط کرنا -
۳۰۹	چند ٹکٹوں میں ایک کے سامان ریل میں لیجانا جائز نہیں	۳۹۸	کرایہ سواری جو معینہ وقت کیلئے ہوا اور وقت کو پہلے
۳۱۰	قریقین سے قاضی یا گواہوں کو اجرت دلوانا حکم		واپس کر دی جائے۔
۳۱۰	طیب و عطار میں چوتھائی کمیشن کا معاملہ	۳۹۸	زمیندار کا راہدی مقرر کرنے کا حکم
۳۱۰	فیس مقدمات کا حکم	۳۹۸	طابع کی پلیٹ پر زائد نسخے کی طباعت کا حکم
۳۱۱	تقسیم تنخواہ سوار و مالک کے درمیان	۳۹۹	نقل نویسی کی اجرت کا حکم
۳۱۱	لقافہ بیرنگ ہونے سے بچ جائے اس کا حکم	۴۰۰	حرام کام کی اجرت حرام ہے -
۳۱۲	کتاب الدعوی	۴۰۱	حکم ملازمت رجسٹری نکاح وغیرہ
۳۱۲	بیع عقار کے وقت سکوت کے بعد قاریب کا دعویٰ کا حکم،	۴۰۳	پٹواریوں کو نقل کھانا کی اجرت لینا کیسا ہے،
۳۱۲	کسی نام نامزد کرنے سے چیز ملک سے نہیں نکلتی	۴۰۲	پیشہ وکالت کے جواز کی توجہ اور شرائط
		۴۰۲	مدت ناقص ہونیکے باوجود پوری تنخواہ لینے اور
			فیس داخلہ و خارجہ کا حکم -

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۱۳	قاضی کے فیصلہ کے نفاذ سے متعلق شبہ کا جواب	۴۱۳	ایضاً
۴۱۴	ضمیمہ متعلقہ مسئلہ بالا	۴۱۵	غیر جس سے اپنا حق حیلہ کے ساتھ وصول کرنا
۴۱۴	طلاق پر مجبور کرنے کے لئے حاکم کے جبر کا حکم	۴۱۶	بعد میں عدم سماعت دعویٰ کی تحقیق
۴۱۴	کتاب القاضی الی القاضی کی شرائط و عیدین میں فرق	۴۱۷	کتاب الصلح
۴۱۴	غیر مسلم حکومت کا مسلمان حاکم بمنزلہ قاضی کے ہر	۴۱۷	تحقیق کفایت تکمیل اجمالی الخ
۴۱۴	کتاب الشہادت	۴۱۸	بطلان ابرار عن الاعیان
۴۱۴	قتل کی گواہی فسق کی وجہ سے روئے ہوئی صورت کا حکم	۴۱۹	بطور صلح مار پیٹ کے عوض روپیہ لینے کا حکم
۴۱۶	پس دیوار سکر طلاق وغیرہ کی گواہی دینے کا حکم	۴۱۹	کتاب المضاربت
۴۱۷	باپ کے ملازمین کی گواہی اولاد کے حق میں	۴۱۹	مضارب سے نفع کی خاص مقدار ٹھہرنے کا حکم
۴۱۷	حقوق کے معاملہ میں صرف عورتوں کی گواہی مقبوض نہیں	۴۲۰	مضارب کی شرکت و مضاربیت کا حکم
۴۱۷	دعویٰ کے متفرق اجزاء کے بار میں علیحدہ علیحدہ گواہی کا حکم	۴۲۱	مضاربیت کے نام پر دہریہ تجارت دکنے کا حکم
۴۱۸	واقعہ کی سماعتی شہادت بھائی نہیں	۴۲۱	ایضاً
۴۱۸	ظاہر خلاف دعویٰ کرنے والے کے گواہ مقدم ہوں گے	۴۲۱	عقد مضاربیت
۴۱۸	وکیلوں کی جرح کے در سے گواہی چھپانے کا حکم	۴۲۲	مضارب سے متعلق سوال کا جواب
۴۱۹	بلا تحقیق گواہی لکھنے کے متعلق حکم	۴۲۲	کتاب القضاء
۴۱۹	بعض مواقع پر شہادت زور کا حکم	۴۲۳	غائب کے متعلق بضرورت فیصلہ کرنی کا حکم
۴۱۹	عدالت سے گواہ کی خوراک لینے کا حکم	۴۲۳	ایلا معروف میں حاکم کے قسم لینے کا حکم
۴۱۹	ایضاً	۴۲۴	غیر مسلم حکومت کی طرف سے مسلمان قاضی کے تقرر کا حکم
۴۲۰	کتاب الشفعہ	۴۲۸	زوجہ مفقودہ الزوج کیلئے صرف فتویٰ لینا کافی نہیں
۴۲۰	استحقاق شفعہ زمین بے عوض کمی سلاق الخ	۴۲۸	فریقین سے گواہوں وغیرہ کو اجرت دلانے کا حکم
۴۲۱	شریکین میں معاملہ کے وقت کسی شریک کے شفعہ کا حکم	۴۲۸	کافر کا حلف
۴۲۱	عدم استحقاق شفعہ بالمتصل بالمتصل	۴۲۸	فیصلہ سے پہلے ثالث کو معزول کرنی کا حکم
۴۲۲	حکم شفعہ کی ایک صورت	۴۲۹	غیر مسلم عدالت کی تجویز پر ثالث کی اجرت کا حکم
۴۲۳	کتاب الغصب	۴۲۹	ہر فریق کا ایک ایک ثالث مقرر کرنی کا حکم
۴۲۳	مالک کی اطلاع کے بغیر ادا حق سے ممانعت کا حکم	۴۳۰	غیر مسلم حکومت کے قانون کی مطابقت فیصلہ کا حکم
۴۲۳	ریاست کی اس خواہ کا حکم جو مال معصوبہ دیکھائے		
۴۲۵	پرنالہ کا حق		
۴۲۵	گارڈ کی اجازت سے بلا ٹکٹ ریل کے سفر کا حکم		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۶۶	کافر کی مملوک مرہونہ زمین میں کاشت کا حکم	۴۴۶	اپنا حق جلس حق سے وصول کرنا جائز نہیں کیا جائز
۴۶۶	کتاب الطہیرہ	۴۴۶	مالک زمین کی اجازت کے باوجود موروثی زمین سے انتقال ناجائز
۴۶۶	قرآن سے ہیہ کا حکم	۴۴۷	اراضی خرید شدہ کے منافع کا حکم
۴۶۷	ایضاً	۴۴۷	نابالغ کی حالت میں نقصان کیا گیا اسکی تلافی کا بیان
۴۶۷	کسی وارث کو اپنا حصہ چھوڑ دینا	۴۴۸	گم شدہ پارسل کے مصارف وصول کرنے کا حکم
۴۶۷	روپیہ اشیا وغیرہ منقسمہ میں سے ہے۔	۴۵۰	متعلقہ سوال بالالا
۴۶۸	زوجہ کو ہیہ کے قرآن کی تحقیق	۴۵۱	ناحق گڑھا کھودنے والے پر تلافی کا ضمان ہوگا
۴۶۹	بیوی کا شوہر کی عمارت میں زیور صرف کرنا	۴۵۲	کسی کے تالاب سوٹی لینے یا آب پاشی کا حکم
۴۶۹	بعض اولاد کو دینے میں زیادتی کا بیان	۴۵۲	غیر کی زمین سے لئے ہوئے گھیسوا استعمال کو یہ حکم
۴۷۰	لینے دینے میں بعض اولاد کو کم دینے کا بیان	۴۵۳	مالکوں کی اجازت کے بغیر کوئی چیز استعمال کرنا منع
۴۷۰	بعض اولاد کو دینے اور بعض کو محروم کرنا	۴۵۳	زمینداروں کا کاشتکاروں کے ملہ پر قبضہ کا حکم
	بیان۔	۴۵۳	مدرسہ کی سیاہی سے مدرس کو خط لکھنا وغیرہ کا حکم
۴۷۱	قبضہ میں توقف صحت ہیہ اور شرائط رجوع	۴۵۴	کتاب الرہن
	ہیہ کا بیان۔	۴۵۴	شے مرہونہ سے انتفاع ناجائز ہے۔
۴۷۲	ہیہ سے رجوع حرام نہ ہونے کی دلیل	۴۵۴	مرتبہ کے ورثہ کاشے مرہونہ سے اپنا حصہ چھوڑ لینے کا حکم
۴۷۲	رفع تعارض در عبارات فقہیہ الخ	۴۵۶	سرکار کی ضبط شدہ زمین کے ٹک رہن کا حکم
۴۷۳	رد ہیہ یا عاریت	۴۵۶	ترکہ میں مہر وغیرہ پر مرتبہ کا حق مقدم ہے
۴۷۵	مال مسروقہ مہرہ کا واپس کرنا واجب ہے	۴۵۷	عدم تک رہن پر بیع کو معلق کرنے کا حکم
۴۷۵	لڑکی کو جائیداد ہیہ کرنے کا حکم	۴۵۹	راہن کا مرتبہ کو رعایت دینے کا حکم
۴۷۶	داخل خارجی سبب ہیہ ہے یا نہیں	۴۵۹	جلد تحصیل مصلحت عقد رہن
۴۷۶	وقت ہیہ مہرہ و بیع مشترک متقی بعد میں اسکا حکم	۴۶۰	مدت معینہ کیلئے رہن ادا منتفاع کی شرط کا حکم
۴۷۷	تمتہ سوال بالالا	۴۶۱	مرتبہ کا ارض مرہونہ کو کاشت کیلئے رہن کو دینا کا حکم
۴۷۷	اپنی بیوی کو زیور دینا اور مالک بنانے کی تصریح نہ کرنا	۴۶۱	مرتبہ کا رہن کے سوا کسی اور کو شے مرہونہ دینے کا حکم
۴۷۷	زمین مہرہ و بیع بالعیوض میں شرط الخ		کا حکم۔
۴۷۹	دوسرے کے نام کر دینے سے اپنی ملک سہ شے	۴۶۱	مرتبہ کو رہن سے منتفع ہونے اور رہن کو الخ
	کا خامس نہ ہوتا	۴۶۲	شے مرہونہ سے انتفاع کے متعلق شد کا جواب
۴۷۹	کم سن کو بغیر قبضہ کے ہیہ بھیج ہوتا	۴۶۳	موروثی زمین مرہونہ سے انتفاع کا عدم جواز
۴۸	بچوں کو جو عطیات ملے جاتے ہیں ان کا حکم	۴۶۵	حکم صورت رہن مذکورہ سوال

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۱۹	کتاب القسمة	۴۸۰	جرمانہ سے کارندہ کو انعام دینا
۵۱۹	تقسیم مشترک کا حکم	۴۸۰	بلا اطلاع گورنمنٹ افسران سے انعام لینا
۵۱۹	مشترک پھیلی بغیر وزن تقسیم کرنے کا حکم	۴۸۱	تمتہ سوال بالا
۵۲۰	کتاب الزراعة	۴۸۱	دیوالی (کرسمس) وغیرہ پر مشرکین کے ہدیہ کا حکم
۵۲۰	کاشتکار کے درختوں پر زمیندار کا حق نہیں ہے	۴۸۲	یتیم کے مال سوا سکی تعلیم کی خاطر اتنا کو ہدیہ
۵۲۰	سوالات متعلقہ جواب بالا		دینے کا حکم
۵۲۱	مزارع اور زمیندار کی بیع میں شرکت کا حکم	۴۸۳	بلا عذر ہدیہ قبول نہ کرنا غیر پسندیدہ فعل ہے
۵۲۳	نذرانہ میں تخم ریزی وغیرہ کاشتکار کے ذمہ نہیں ہے	۴۸۳	وہم و انفع ماند کہ پدران رانی رسد الخ
۵۲۳	مزارعت و شرکت کی چند صورتوں کا حکم	۴۸۳	ہبہ بالعوض میں بھی شرائط الخ
۵۲۳	گھاس پھوس کا نصف پر معاملہ کرنے کا حکم	۴۸۴	کتاب الشریکۃ
۵۲۴	تخم نہ دینے کے باوجود بھوسہ مقرر کرنے کا حکم	۴۸۴	اگر قرض کی رقم میت کے کسی ایک وارث کو
۵۲۴	درخت لگانے میں بٹائی کا حکم		دیئے تو الخ
۵۲۴	کچے پھل خدمت کی شرط پر بیع و نصف شرکت کا حکم	۴۸۵	مال نقدیہ میں شرکت کی شرط اور نفع غیر میل الخ
۵۲۴	مال حرام سے خرید کردہ بیل سوکھیتی کرنے کا حکم	۴۸۶	انقص لسنی فی حکم حصص کسبی
۵۲۵	کاشتکار موروثی سے سود لینے کا حکم	۵۱۳	محض قرآن سے شریک پر خیانت کا الزام
۵۲۵	ہندوستان کی زمین میں کاشت بیع و شرا کا حکم		نہیں آئے گا۔
۵۲۶	لگان کے بدلے کاشتکار کا گنیم چھوڑنے کا حکم	۵۱۳	مشترک جائیداد سے حاصل شدہ منافع کا
۵۲۸	سوال بالا کے تمتہ جات		شرکاء میں حکم
۵۲۹	کاشتکاری متعلق استعقادیہ کی صورتوں کا بیان	۵۱۵	اہل خانہ کی مشترک کمائی کے مال کا حکم
۵۳۰	زمیندار کی زمین میں درخت لگانے کا حکم	۵۱۵	شرکاء میں منافع کے تفاوت کی شرط کا حکم
۵۳۱	موروثی کاشتکار کو زمیندار کے اجاد دیہی شرائط کا حکم	۵۱۶	بغیر حکم حاکم ایک شریک کا دوسرے شریک پر
۵۳۲	کتاب الشرب		رجوع کا حکم
۵۳۲	چھوٹے گرنے کے پانی پینے سے جبکہ اس میں مملوکہ	۵۱۷	مشترک قبرستان میں کسی شریک کو دفن سے روکنے
	پھلیاں ہوں روکنے کا حکم		کا اختیار نہیں۔
۵۳۲	بڑے تالاب کے پانی سے روکنے کا حکم جس میں مملوکہ و	۵۱۷	عقد شرکت میں ایک شریک کے کام کرنے کی شرط
	غیر مملوکہ پھلیاں ہوں۔		کا حکم
۵۳۲	کتاب الذبائح والاضحیہ والصید والعقیقہ	۵۱۸	ایضاً
۵۳۲	میت کی طرف سے قربانی ادا اس قربانی کے گوشت کا حکم	۵۱۸	تجارت میں مال حرام کی شرکت کا حکم

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۴۶	غیر مرز کی کے ذبیحہ کا حکم	۵۳۲	ایضاً
۵۴۶	ذبیحہ کی جگہ معین کرنے کا حکم	۵۳۳	”
۵۴۶	چھری تیز کرنے اور آلہ ذبح کا حکم	۵۳۳	قربانی کی کھال مدارس میں اس کے ختم کرنے اور طلائی کو
۵۴۶	ذبح کے وقت بسم اللہ واجب ہونے کا حکم		دینے کا حکم
۵۴۶	ذبح کر نیوالے کے مددگار پر بسم اللہ واجب ہونے کا حکم	۵۳۴	سوال مثل بالا
۵۴۶	اعلاط العوام کی ایک عبارت پر ضیہ کا جواب	۵۳۴	مدارس میں چرم قربانی کا حکم
۵۴۸	عورت اور بچے کے ذبیحہ کا حکم	۵۳۵	قربانی کے کھال کے صرف کا حکم
۵۴۸	کھال نکلنے والے کو اجرت میں قربانی کی کھال وغیرہ	۵۳۶	ایضاً
۵۴۸	اجرت میں قربانی کی کھال دینا جائز نہیں	۵۳۶	”
۵۴۹	شرکاء قربانی کا تقسیم سے قبل کسی چیز کے ہبہ کرنے کا حکم	۵۳۶	فوق العقده ذبح کرنے کا حکم
۵۴۹	خصی جانوروں کی جملہ اقسام کی قربانی جائز ہے	۵۳۷	ایضاً
۵۴۹	ایضاً	۵۳۷	”
۵۵۰	”	۵۳۷	”
۵۵۰	چوری کے جانور کے حرام و حلال کا حکم	۵۳۸	”
۵۵۰	کافروں کو قربانی کا گوشت دینے کا حکم	۵۳۸	”
۵۵۰	قربانی کی کھال کی قیمت بہر صورت قید کرنی چاہئے	۵۳۹	ایک قبیحہ کی کھال بیکر دو سال جانور خریدنے کا حکم
۵۵۱	قربانی کے دن گند جانے کے بعد چرم قربانی دینے کی تفصیل	۵۴۰	جھاڑیلوے میں چندہ کے طور پر کھال کی قیمت
۵۵۲	قربانی کی کھال اپنے اعزہ اور کافروں کو دینے کا حکم		دینے کا حکم
۵۵۲	بلی سے چھڑائی مرغی وغیرہ ذبح کرنے کا حکم	۵۴۰	ناپاک دودھ پر پرورش یافتہ جانور کا حکم
۵۵۲	ایضاً	۵۴۱	کابخی ہاؤس سویلام میں خریدے جانور کی قربانی کا حکم
۵۵۳	چرم کا روپیہ نیز زکوٰۃ ہلال احمر کو بطور چندہ دینے کا حکم	۵۴۱	ایضاً
۵۵۳	جس کا روپیہ تجارتی کمپنی میں لگا ہوا اس کے قربانی کرنا حکم	۵۴۲	خول اترے ہوئے سینک والی کائے کی قربانی کا حکم
۵۵۳	قربانی کا گوشت فروخت کرنا حکم الخ	۵۴۲	قربانی کے جانور کا سینک ٹوٹنا عیب ہی یا نہیں
۵۵۴	قربانی کی نذر سو قربانی ہی واجب ہے یا تصدق	۵۴۲	سینک اگر منتر تک ٹوٹ گیا ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں
۵۵۴	نذر کی قربانی کے گوشت کا حکم	۵۴۲	سینک اگر جیسے ٹوٹ جائے اس کی قربانی کا حکم
۵۵۴	قربانی کی نذر کی صورت میں قیمت مدرسہ میں پنہ کا حکم	۵۴۳	فقیر پر جانور معین کی قربانی کی نیت سے بھی قربانی واجب نہیں
۵۵۴	قربانی کی قیمت ترک مجروحین کی ادا دینے کا حکم الخ	۵۴۳	اہل کتاب اور اہل یودپ کے ذبیحہ کا حکم
		۵۴۴	ایضاً

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۶۸	جانور کی عمر میں ایک ہفتہ کی کمی بھی مانع جواز ہے	۵۵۵	باوجود قدرت کے قربانی چھوڑ کر قیمت چندہ میں دینے کی تفصیل
۵۶۸	ایضاً	۵۵۶	اضطراری ذبح کا طریقہ
۵۶۸	مذہب یا بطور شکر و بیہوشی کا حکم	۵۵۶	ذبیحہ کی گردن پر پیاؤں رکھنے کا حکم
۵۷۱	مختل جانور کی قربانی کا حکم	۵۵۷	یکچھوٹے سے مچھلی کے شکار کا حکم
۵۷۲	قربانی کی کھال اور گوشت کے بعض مصارف کی تحقیق	۵۵۷	مچھلی کے شکار کی خاطر کیچڑوں کو مارنے کا حکم
۵۷۲	جو تیل قربانی کی کھال کے عوض خریدا ہو اسکا استعمال جائز نہیں۔	۵۵۸	بسم اللہ بھول جانے والے کے ذبیحہ کا حکم
۵۷۳	قربانی کی کچی کھال کا تبادلہ رنگی ہوئی سو جائز ہو بشرطیکہ	۵۵۸	جس تک کیلئے جانور کا ذبیحہ منقول ہو وہاں بیہوشی نفل نہیں ہے
۵۷۳	چرم پختہ بعض چرم قربانی کے جواز کا استدلال	۵۵۹	ذایح یا ذبیحہ کس کا منہ قبلہ کی طرف ہو۔
۵۷۳	تبادلہ میں لی ہوئی چرم پختہ کی قیمت صدقہ کرنی چاہئے	۵۵۹	باغیچہ یا حاملہ گائے کی قربانی کا حکم
۵۷۳	فوت شدہ اشخاص کو قربانی کے ایک حصہ میں شریک کرنے کا حکم،	۵۵۹	مسافر پر قربانی واجب نہیں صدقہ فطر واجب ہے
۵۷۳	ایضاً	۵۶۰	مالدار کو قربانی کی کھال دینے کا حکم
۵۷۴	میت کی طرف قربانی کرنے کے باوجود میت سے ساقط نہیں ہوگی۔	۵۶۰	متولی یا امام مسجد کو قربانی کی کھال دینے کا حکم
۵۷۴	ایضاً	۵۶۱	قربانی کی کھال میں تملیک کی شرط وغیرہ
۵۷۵	نابالغوں کی طرف سے ماں باپ پر قربانی واجب نہیں	۵۶۲	کئی آدمی کئی بکریاں مشترک قربانی کرتا چاہیں ان کا حکم
۵۷۵	نفل قربانی سے رضائے الہی کی تحقیق	۵۶۲	تھن کٹی گائے کی قربانی کا حکم
۵۷۵	خرید شدہ چرم قربانی اگر مشترک ہو تو جواز کی تحقیق	۵۶۳	مذہب کی قربانی کے گوشت سے امیر کو کھانے کا حکم
۵۷۵	پختہ چرم کے عوض خریدی ہوئی چرم قربانی کی قیمت استعمال کرنا جائز ہے	۵۶۳	تنگ دست اپنے جانور کی قربانی کا گوشت کھا سکتا ہے
۵۷۶	رسالہ الاعتصام بجبل شعرا الاسلام	۵۶۳	قربانی کی کھال کا تبادلہ گوشت سوکھنے کا حکم
۵۷۶	بطور تبرع معلم کو چرم قربانی دینے کا حکم	۵۶۴	آدم علیہ السلام کے زمانہ سے ذبیحہ جانور کی تحقیق
		۵۶۴	ذبح میں مدد دینے والے پر تسمیہ کا حکم
		۵۶۵	فقیر پر قربانی کا دوسرا جانور خریدہ شدہ بھی واجب ہے
			امیر پر نہیں۔
		۵۶۶	قربانی کی کھال کی قیمت مسجد میں صرف نہ کرنے کا حکم
		۵۶۶	مسجد میں چرم قربانی وقف کرنے کا حکم

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۶۱۱	قربانی کے جانور کی عمروں کے متعلق شبہات کا جواب	۵۹۷	بلے ہوئے بالوں والے جانور کی قربانی جائز ہے
۶۱۴	جیورکشٹ نامی رسالہ پر تنقید	۵۹۷	قربانی کے لئے کسی بھی جگہ عید کی نماز ہو جانا کافی ہے
۶۱۵	مالدار کی خاطر چرم قربانی کے متعلق حدیث کی تشریح۔	۵۹۷	غیر کے قربانی کر دینے سے اپنے ذمہ سے ساقط نہیں ہوتی۔
۶۱۷	گائے کا گوشت کھانے سے منع کے متعلق حکم	۶۰۰	چوری کا جانور غیر علم خرید لیا اس کی قربانی کا حکم
۶۱۸	فصل فی الصيد والعقیقہ	۶۰۰	کافر کو قربانی کے گوشت دینے میں اخلاق کا بیان
۶۱۸	کھردار خرگوش کا حکم	۶۰۱	مالدار کو چرم قربانی کی قیمت لینا حرام ہے
۶۱۸	کتے کے مارے ہوئے شکار کی علت پر شبہ کا جواب	۶۰۲	وقت ذبح بسم اللہ سنت ابراہیم طویل اللہ کہنے سے
۶۱۹	بندوق کی گولی سے مرا ہوا جانور حلال نہیں	۶۰۲	ذبیحہ جائز رہتا ہے۔
۶۱۹	ایضاً	۶۰۲	پرورش کے لئے حصہ پڑے ہوئے جانور کی قربانی کا حکم
۶۱۹	عقیقہ کی کھال سے فائدہ اٹھانے کا حکم	۶۰۲	شبہ کے وقت قربانی کے جانور کے متعلق تحقیق ضروری ہے
۶۱۹	ایضاً	۶۰۳	قربانی کے ایک مسئلہ میں رجوع سے متعلق سوال کا جواب
۶۲۰	عقیقہ کے گوشت کی ہڈیاں توڑنے کا حکم	۶۰۳	قربانی کے جانور پر مریض کے ہاتھ پھیرنے کا حکم
۶۲۰	عقیقہ میں گائے کرنے کا حکم	۶۰۴	قربانی کا ثواب میت کو پہنچانے کی صورت
۶۲	ایضاً	۶۰۴	یہود کے ذبیحہ کا حکم
۶۲۱	گائے اور اونٹ کی روایت بابت عقیقہ	۶۰۴	اہل بدعت کے ذبیحہ کے کھانے سے احتراز چاہئے
۶۲۲	مالک ہونے کے بعد مچھلی لینے دینے کا حکم	۶۰۵	جانور کو مشین سے ذبح کرنے کا حکم
۶۲۲	عقیقہ میں مقررہ تعداد سے زائد جانور کرنے کا حکم	۶۰۶	ذبح سے پہلے جانور کو بیہوش کرنے کا حکم
۶۲۲	خاتمہ	۶۰۸	شیعہ کے ذبیحہ کا حکم
		۶۰۸	ان اللہ ہو اعلیٰ البکیہ پڑھ کر ذبح کیا وہ حلال ہے
		۶۰۸	نفل قربانی غیر کی طرف سے جائز ہے۔
		۶۱۰	قربانی کی کھال کا آمدہ روپیہ چوری ہو جانے کا حکم

جلد سوم

امداد الفتاویٰ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کتاب البیوع

احتکار یعنی غلہ وغیرہ کو گرائی کے | سوال را، کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین کہ
انتظار میں روکنے کے احکام | زید نے فصل پر شہر کے شہر میں گندم ہزار پانسو روپے کے خرید
کر کے بھر رکھے، کہ عندالموقع فروخت کروں گا، اس عرصہ میں ایسا موقع بھی ہوا کہ اگر فروخت کرتا تو
اس کو نفع ہوتا، تاہم انتظار گرائی ہے، سو یہ احتکار ہوا یا نہیں؟ اور اگر یہ احتکار نہیں ہے تو احتکار
کی کیا تعریف ہے، اور کیا حکم ہے اس کی نسبت؟

الجواب، اگر اس کے روکنے سے لوگوں کو کچھ ضرر ہو تو احتکار ہوا، ورنہ نہیں ہوا، کیونکہ احتکار کے
معنی روکنا غلہ کا وقت ضرورت فلاں نظر گرائی اور اس کی مدت میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک ایک ماہ
بعض کے نزدیک چالیس روز، غرض یہ کہ جب لوگوں کو ضرورت پڑنے لگے اور روکنے سے ضرر ہونے
لگے احتکار ہو جاتا ہے، ثم المدة اذا قصرت لا يكون احتكار العدة الضرر واذا طالت يكون احتكارا
مکروہا لتحقق الضرر ثم قيل هي مقدرة بربعين يوما وقيل بالشهر هداية مختصر کتاب
الکراہۃ ۱۲ اور احتکار پر حدیث میں بڑی سخت وعیدیں نعت و جذام و افلاس وغیرہ کی آئی ہیں۔
عن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الجالب مرزوق والمحتکر ملعون، عن عمر بن الخطاب
قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول من احتکر علی المسلمین طعاما لم یضر به
اللہ بالجذام والافلاس۔ مشکوٰۃ کتاب البیوع واللہ اعلم فقط

۲۸ سوال نمبر ۳ (امداد ثالث ص ۱)

سوال (۲) ایک شخص اپنا مال نقد ایک روپیہ کو فروخت کرتا ہے اور ادھار دو شقوں میں دائر کرتا سترہ آنے کو بیچتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، اس کی دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ وقت بیع کے ثمن کی تعیین نہیں کی، بلکہ مشتری سے تردید کے ساتھ کہا کہ اگر اس کی قیمت اسی وقت دو گے تو ایک روپیہ لوں گا، ورنہ سترہ آنے لوں گا یہ تو بوجہ جہالت ثمن کے جائز نہیں۔

دوسری شکل یہ ہے کہ اول مشتری سے طے کر لیا ہو کہ نقد لیتے ہو یا ادھار، اگر اس نے نقد لینے کو کہا تب تو ایک روپیہ قیمت ٹھیرائی، اگر ادھار لینے کو کہا تو سترہ آنے ٹھیرائے، یہ جائز ہے فی العالمگیریہ رجل باع علی انہ بالنقد بكذا وبالنسیئة بكذا والی شہر بكذا والی شہرین بكذا والی بكذا فی الخلاصۃ انھی جلد ثالث ص ۱۵۴ مطبوعہ نو لکھنوی، فقط والشراعلم، (امداد ثالث ص ۱)

سوال (۳) اگر کوئی شخص سودے میں خریدار کو بغرض ثواب کم قیمت پر مال دیدے، مثلاً مٹکے کوڑی کا مال بیٹلے روپے میں دیدے تو کیا اس کی قیمت پر ثواب ملے گا، یا قیمت پوری لے کر اور پھر اس میں سے کچھ معاف کرے، اس پر ثواب ملے گا، فقط

جواب۔ دونوں عمل موجب ثواب ہیں، رعایت فی المعاملہ بھی، اور برابر و معافی بھی، اور ہر ثواب جدا نوع کا ہے، فقط، ۳۰ ذیقعدہ ۱۳۳۴ھ (تمت خامسہ ص ۷۶)

سوال (۴) ان قصبات میں اکثر دودھ جو بدھا جاتا ہے قیمت اس میں بیع کو تھوڑا تھوڑا وصول کرنا کبھی پہلے کبھی پیچھے دی جاتی ہے، اور متفرق طور سے وہ دودھ مالک سے وصول ہوتا ہے، یہ جائز ہے یا ناجائز، اگر جائز ہو تو کچھ شرائط بھی اس میں ملحوظ ہیں یا نہیں؟

الجواب۔ یہ معاملہ مسلم نہیں ہے، لعدم اجتماع شرائط فیہ، بلکہ اگر بعد میں روپیہ دیں تب تو بیع نسیتہ ہے، اور بلا تکلف جائز ہے، اور اگر پیشگی دیدیں تو اس کے ذمہ قرض ہو جاتا ہے جس کو تھوڑا تھوڑا کاٹ دیتا ہے، اس کو فقہاء نے مکروہ فرمایا ہے۔ والشراعلم، یکم ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ (امداد ثالث ص ۷۶)

سوال (۵) یہاں یہ دستور ہے کہ بکر قصاب کو کچھ روپے پیشگی دیدے گوشت کا نرخ مقرر کرنا، اور گوشت کے دام فی سیر ٹھیرائے جو بازار کے نرخ سے کچھ کم ہوتا ہے مثلاً بازاریں ۴ سیر بکتا ہے، لیکن ۳ سیر ٹھیرالیا، اور گوشت اتارا، اس کی یادداشت رکھ لی، اور ختم ماہ پر حساب کر دیا، اور کی بیٹی پوری کر کے بیباقی کر دی، اور آئندہ ماہ کے لئے پھر نقد روپیہ دیدیا اور نیا معاہدہ

بھاؤ کا کر لیا، کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بازار کا بھاؤ ۳۰ روپے ۳ اور ۲ روپے جاتا ہے، مگر یہ مقرر شدہ نرخ بدلا نہیں جاتا، اس کا اگلے مہینے میں لحاظ کر کے بھاؤ مقرر کرتے ہیں، قصاب کو یہ نفع ہوتا ہے کہ اس روپیے بکریاں خریدتا ہے اور گوشت بچتا ہے، اس کو کسی دوسرے سے روپیہ قرض لینے کی ضرورت نہیں ہوتی، اب عرض یہ ہے کہ کیا یہ جائز ہے؟

الجواب۔ یہ معاملہ حقیقہ کے نزدیک ناجائز ہے، اس لئے کہ جو کچھ پیشگی دیا گیا ہے وہ قرض ہے اور یہ رعایت قرض کے سبب کی ہے، اور بیع سلم کہہ نہیں سکتے اس لئے کہ اس میں کم سے کم مہلت ایک ماہ کی ہونی چاہئے، اور امام شافعیؒ کے نزدیک چونکہ اجل شرط نہیں، اس لئے کہ اس میں داخل ہو سکتا ہے، چونکہ اس میں ابتلا عام ہے لہذا امام شافعیؒ کے قول پر عمل کی گنجائش ہے۔

۱۷ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۱۲۲)

سوال (۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں بکر قصاب بعض شرائط پر، ۱۲ سیر گوشت فروخت کیا کرتا ہے، زید نے بکر قصاب سے یہ کہا کہ دو ڈھائی سیر گوشت روزانہ ہم کو دیا کرو لیکن فی سیر کے حساب سے لوں گا، بکر قصاب نے کہا کہ فقہ قیمت پیشگی لوں گا، اور گوشت برابر دیا کروں گا جس وقت پورا فقہ کا گوشت ہو جاوے گا، اور ہم تم برابر ہو جاویں گے۔ اس کے بعد اب پھر دوبارہ نے سرے سے بعض قیمت گوشت کے پچاس روپے پیشگی لوں گا، اور یہ بھی اقرار ہوا کہ اگر تمہارے پاس روپیہ نہ ہوا تو بلا پیشگی قیمت کے گوشت برابر دیا کروں گا ایسا لین دین شریعت میں درست ہے یا نہیں، اس سوال کا جواب خالدیہ دیتا ہے کہ ایسا لین دین درست نہیں ہے، قرض دے کر قرض والے سے فائدہ اٹھانا سود ہے۔ اور عمر و اس کا جواب یہ دیتا ہے کہ یہ قرض نہیں ہے، یہ قیمت گوشت کی ہے، اگر کسی قسم کا قرض ہوتا تو وعدہ پر واپس لینے یا بلا وعدہ ہی واپس لینے کا اختیار زید کو رہتا، اور اس میں واپس لینے کا اختیار زید کو نہیں ہے، یہ شرعاً درست ہے، مولانا صاحب کس کا جواب صحیح ہے اور کس کا غلط ہے؟

تمتہ سوال، بکر قصاب نے سب شرط سوال اول کے موافق کیا، لیکن فرق اتنا کیا کہ بغیر پیشگی قیمت کے گوشت نہ دوں گا،

الجواب بعد ضم التمتہ المذكورة، بعد ضم تمتہ مذکورہ جواب یہ ہے کہ یہ معاملہ درست نہیں، اگر یہ قرض ہے تب تو خالدی کی دلیل سے درست نہیں، اور اگر یہ قیمت ہے جیسا عمر و کہتا ہے تو اس میں عقد سلم کی شرائط موجود نہیں، اور دوسرا کوئی عقد صحیح نہیں، اس لئے درست نہیں،

۱۷ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ (تمتہ خامسہ ص ۳۱۲)

سوال (۷) میں نے ایک گاڑی نمک کے لئے مبلغ پانسو تریپن روپیہ
 فسخ وعدہ در تراج نرخ | خزانہ سرکار میں جمع کئے تھے، اور رسید نمک محکمہ نمک میں بھیج دی تھی، اذیل
 وکم کردن قیمت تراخی | ابھی وہاں سے روانہ نہیں ہوا تھا، کہ اتنے میں قیمت نمک سرکار نے کم کر دی، یعنی فی گاڑی سو روپے
 کم کر دیئے اور بجائے پانسو تریپن کے چار سو تریپن قائم رکھے، اس لئے نرخ نمک کا تمام تجارت کانوں میں
 ارزاں ہو گیا، تو میں نے سرکار میں عرضی بھیجی، کہ نرخ ارزاں ہونے سے ہمارا سو روپیہ کا نقصان ہو گیا، اور
 سرکار نے بلا اطلاع پہلے دیئے ہوئے محصول کم کر دیا، اور مال ہمارا روانہ نہیں ہوا ہے، اس لئے ہم کو سو
 روپیہ واپس ملنے چاہئیں، اس پر یہ جواب آیا، کہ کچھ عرصہ کے بعد مبلغ سو روپیہ واپس دئے جاویں گے
 تو بندہ کو یہ دریافت کرنا ہے کہ روپیہ واپس لینا شرعاً درست ہے یا نہیں، اور سرکار مثل ہمارے اور
 تاجروں کو بھی روپیہ واپس دے گی؟

الجواب، اول تو صرف روپیہ کے ساتھ درخواست خریداری بھیجنے سے بیع نہیں ہوتی، بلکہ
 لئے بائع و مشتری ہر دو کو نفس عقد سے یا وعدہ نرخ خاص سے انکار و امتناع جائز ہے، اور اگر اس سے
 قطع نظر کی جاوے اور کسی طریق سے بیع متحقق ہو جاوے تب بھی خط ثمن تراخی جائز ہے، اور صورت
 مسئلہ میں تراخی ثابت ہے، لہذا دونوں تقدیر پر روپیہ کی واپسی جائز ہے۔

۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۱ھ (امداد ثالث، ص ۶)

سوال (۸) بعد سودا خریدنے کے جو بائع بچوں یا بڑوں کو کچھ دیدیتا ہے
 بیع کے بعد کچھ چیز زائد دینا | جس کو روٹنگا کہتے ہیں وہ مطلقاً ناجائز ہے یا بلا اجبار درست ہے؟
الجواب، یہ زیادۃ فی المبیع ہے، اور حسب تصریح فقہاء، مباح ہے، بشرط تراخی فقط
 واللہ اعلم ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۲۱ھ (امداد ثالث ص ۷۵)

سوال (۹) یہاں دستور و عرف ہے کہ جب بقال سے ایک روپیہ یا زائد کا
 بیع بشرط حمل بائع الخ | غلہ خریدا جاوے تو وہ مشتری کے مکان تک پہنچا دیتا ہے یا مہ دوری اس کی دیدیتا ہے یہ بیع صحیح ہی نہیں
الجواب۔ اصل قاعدہ سے بائع کا پہنچانا درست نہیں مگر جہاں عام عادت ہو جاوے
 وہاں تعامل کے سبب جواز کی گنجائش ہے اور منظروری دیدینا ایک تاویل سے جائز ہے اور وہ
 تاویل خط ثمن ہے۔ ۳ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

سوال (۱۰) جو نمک سرکاری طور سے آتا ہے وہ ہر ایک آتا ہے،
 رشوت دادن کارکنان بائع را | اور موٹے نمک کی قدر زیادہ ہے، بلکہ یوں کہا جائے کہ موٹے نمک کے ہونے
 کر ماں جیتد دہند،

باریک کو کوئی نہیں لیتا، اور کبھی اتفاقاً موٹا بھی آجاتا ہے، میں اس کے لئے خوشاں ہوں کہ کسی تدبیر سے نمک موٹا ہی آیا کرے، تاکہ جلد مال نکلے، میں نے دو ایک شخصوں سے جو کان نمک کے قرب میں رہنے والے ہیں اس کا ذکر کیا تو انھوں نے موٹا نمک آنے کی یہ تدبیر بتلائی کہ جو نمک کے بھرانیوالے وہاں ملازم سرکاری ہیں ان سے میل کر لیا جاوے اور فی گاڑی ان کو کچھ دیدیا جایا کرے اور کہدیا جاوے کہ ہمارے لئے گاڑی میں نمک موٹا بھر دیا کریں، تو وہ ایسا ہی کریں گے، کیونکہ اور تاجرین ایسا ہی کرتے ہیں تو بندہ کو اس بارہ میں یہ دریافت کرتا ہے کہ ایسا کرنا داخل رشوت ہے یا نہیں؟

الجواب (مقدمہ اولیٰ) عقد میں اطلاق ہونے سے کہ خواہ سرکار موٹا نمک دے یا یا ایک مشتری کا حق خاص نمک کے ساتھ متعلق نہیں ہوتا اور تقييد سے کہ موٹا لیا جاوے خاص موٹے کے ساتھ متعلق ہو جاوے گا۔ (مقدمہ ثانیہ) کسی کا حق نہ دینا ظلم ہے (مقدمہ ثالثہ) دفع ظلم کے لئے رشوت دینا جائز ہے، مقدمہ ثالثہ سے ثابت ہو گیا کہ اطلاق میں یہ رشوت دینا حرام ہے اور تقييد میں جائز۔

۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ثالث ص ۷)

سوال (۱۱) جب قیمت نمک کم ہوئی تو میرے ہاں ایک گاڑی مال رکھا ہوا تھا، بوجہ نرخ ارزاں ہو جانے کے قریب انٹی روپیہ کے میرا نقصان ہوا، اور سرکار نے نوٹس یعنی اطلاع کم قیمت ہونے کی پہلے سے تہیں دی تھی اس وجہ سے تلاش کر کے سرکار سے ہرجہ کار روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگوں نے اس کی بھی تائید کر رکھی ہے، میں بلا آپ سے دریافت کئے ایسا نہیں کروں گا۔

الجواب فی الہدایۃ نقصان السعر عبارة عن فتور مرغبات الناس وذلك لا یعتبر فی البیع حتی لا یتثبت بہ الخیار فی الکفایۃ یعنی اذا تغير سعر لمشتري قبل القبض لا یتثبت الخیار جب قبل القبض مشتری کا کوئی حق نہیں، تو بعد القبض رد بعض ثمن کا کب حق ہے، البتہ اگر بائع غیر اہل اسلام وغیر اہل فرمہ ہو، اور اپنے قانون کے موافق برضا مندی کچھ دے، گو کسی عنوان سے ہو ایسے اموال کی اباحت کی بنا پر درخواست کرنا اور لے لینا سبب جائز ہے،

۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ثالث ص ۷)

سوال (۱۲) مسئلہ تبدیل عین بہ تبدیل ملک میں کچھ اشتباہ ہے، اگر اس کے یہی معنی ہیں جو فتاویٰ اشرفیہ میں بحوالہ قصہ حضرت بربرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا منقول ہیں کہ اول کے پاس اس طریق حلال سے وہ شے آئی جو دوسرے کے لئے گویا حلال نہ ہو مگر اس کیلئے

جائز ہے، تو اکثر مسائل فقہیہ جو اسی پر متفرع ہیں لغو ہو جائیں گے خصوصاً بیوع فاسدہ، بائع مشتری اور کو بوجہ فساد بیع اقالہ ضروری ہے اور دوسرے کو نہیں، مثلاً انیہ خام درخت پر خریدے گئے اور ملک متبايعین کے اشتراک کے باعث یا صفقہ فی صفقہ یا شرط فی بیع کے باعث بیع میں فساد آیا، تو اقالہ ضروری ہے، اور اس مشتری کو پختہ ہونے پر ان انیہ کا استعمال ناجائز، مگر بارادوں میں فروخت ہوتے اور لوگ خرید کر کھاتے ہیں، ان کے لئے بوجہ تبدیل ملک حلت کا فتویٰ ہے، آجکل جب کہ بیوع فاسدہ عموماً شائع ذائع ہیں، کوئی شے بھی قابل استعمال نہ رہے گی۔

جواب شاید تبصر میں کچھ کوتاہی ہوگئی ہو، عجب نہیں میرا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے جو مطلقاً سمجھ کر کھا ہے کہ گو کیسی ہی حرام چیز ہو، مگر دوسرے کے پاس پہونچ کر حلال ہو جاتی ہے، یہ محض غلط ہے کیونکہ اموال غلو طہ جس میں اکثر حصہ مضروب یا ربوا یا رشوت ہو بتصریح فقہاء دوسرے کے لئے بھی لسی، ہی حرام ہیں، جیسے پہلے کے لئے، حالانکہ تبدیل ملک یہاں بھی ہے، اس لئے اس قاعدہ کی تفسیر کرنا مقصود ہے، جس سے غرض ابطال عموم و اطلاق حکم حلت ہے، خلاصہ اس تفسیر کا یہ ہے کہ جو شے اول کے لئے با صلہ حلال ہوگی، بوضفہ کسی عارض سے اس میں کراہت پیدا ہو جاوے، وہ دوسرے کے لئے حلال ہوگی، اور چونکہ دوسری جگہ وہ عارض نہیں ہے اس لئے وہ جہت عارضی بھی نہ ہوگا اور بیوع فاسدہ میں یہی قصہ ہے، اور جو اول کے لئے با صلہ حرام ہو وہ حرمت برابر متعدی رہے گی جیسے بیوع باطلہ، اور ربوا اور رشوت قبل الخلط یا بعد الخلط بشرط الاکثریہ والشداعلم و علمہ اتم۔

۶ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ثالث ص ۱۱)

سوال (۱۳) زید نے اپنے دو یتیم بھتیجیوں کے ہاتھ ایک مکان بیو لیت ان کی ماں کے مندرخت کیا، بعد تھوڑے زمانہ کے اسی مکان میں بیع کے متصل تھوڑی زمین ایک دوسرے شخص سے خرید کی، اور اس دوسرے شخص سے اپنے مکان بیع کی تھوڑی زمین اس بیع نامہ میں لکھ والی، اب جبکہ دونوں بھتیجے بالغ ہوئے تو اس پہلی بیع کو جو کہ ان کے چچا نے ان کے ہاتھ مندرخت کیا ہے جائز رکھتے ہیں اور دوسری بیع کو جو ان کے چچا نے اسی جائداد بیعہ سابقہ کا ایک جز۔ اس دوسری زمین مبیعہ کے ساتھ خرید لی ہے ناجائز رکھتے ہیں اور اپنا پورا حق طالب کرتے ہیں تو زید کہتا ہے کہ اس پر میرا عرصہ سے قبضہ چلا آتا ہے، ان دونوں بیعوں کے جواز و عدم جواز کیا شرع شریف کا کیا حکم ہے، اور اس قبضہ کا کچھ اعتبار ہے یا نہیں؟

الجواب :- فی الدر المختار کتاب الماذون فی احکام الصبی و ولیہ ابوہ ثم وصیہ۔

بعد موتہ ثم وصی وصیہ القہستانی عن العمدیۃ ثم بعدہم جیدہ الصغیرہ وان علا
ثم وصیہ ثم وصی وصیہ زاد کما فی القہستانی والزلیعی ثم الوالی بالطریق الاولی ثم
القاضی او وصیہ دون الامار و وصیہا فی رد المحتار تحت قولہ ودلیہ ابوہ ای الصبی
وفی الہندیۃ والمعتوۃ الذی یعقل البیع یا ذن لہ الاب والوصی والجلا دون الاخر
والعمد وحکمہ حکم الصبی وفی الدر المختار فصل احکام الفضولی کل تصرف صدر منہ
ولہ مجیز حال وقوعہ انعقد موقوفاً وما لا یجیز لہ حالۃ العقد لا ینعقد اصلاتی
رد المحتار عقد عقد امما لوقوعہ ولیہ فی صیباہ لہ یجز علیہ فہذا کلہا باطلۃ وان اجازۃ
الصبی بعد بلوغہ لہ یجز لانہ لو مجیز لہا وقت العقد قلہ تتوقف علی اجازۃ ان روایات
سے معلوم ہوا کہ ام اور تم ولی فی المال نہیں ہیں۔ اس لئے یہ تصرف فضولی کا ہے، اور چونکہ اس کا
کوئی مجیز فی الحال نہ تھا لہذا وہ باطل ہوا، پس بعد بلوغ کے بیع اول کا جائز رکھنا مقبر نہیں،
پس وہ مکان مبیع سابق بدستور زید کا ہے، اور زید پر واجب ہے کہ زرخش واپس کر دے،
البتہ اگر بتراضی بیع کریں تو جس مقدار سے بیع کریں گے صحیح ہو جاوے گی، واللہ اعلم و علمہ اتم
۱۲ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ (امداد ثالث ص ۱۲)

سوال (۱۳) ماں کو اپنی اولاد صغار کی جائداد صحرائی و کھیتی
بخوف تلف یا تنگی اخراجات کی وجہ سے کہ سوائے اس جائداد
نابالغ کی جائداد کو اس کی ماں یا
چچا فروخت نہیں کر سکتے
کے کوئی ذریعہ ان کے نان و نفقہ کا نہیں ہے فروخت کر دینا اس جائداد اور اس کی قیمت کا صرف کرنا
ان کے ضروریات نان و نفقہ میں جائز ہے یا نہیں؟

جواب فی الدر المختار مع رد المحتار باب الوصی و جاز بیعہ (ای الوصی) عقار
صغیر من اجنبی لا من نفسہ بضعف قیمتہ او لنفقۃ الصغیر او دین المیت او وصیۃ
مرسلۃ لا نفاذ لہا الا منہ او لکون غلاتہ لا تزید علی مؤنتہ او خوف خرابہ او نقصان
او کونہ فی ید متغلب درو اشباہ ملخصاً قلت وهذا والبیائ ثم وصیاً لا من قبل
امر و اخر فانہما (ای الامر والاخر) لا یملکان بیع العقار مطلقاً ولا شراء غیر طعام و
کسوة ولوالبیائ ثم ابا فان محمودا عند الناس او مستورا لحال یجوز ابن کمال فی
رد المحتار قولہ مطلقاً ای ولو فی ہذا المستثنیات و اذا احتاج الحال الی بیعہ یرفع
الامر الی القاضی ط جلد ۵ ص ۶۹۔ اس روایت سے ثابت ہوا کہ ماں کا بیع کرنا جائداد غیر کو

فی نفسہ جائز نہیں، بلکہ حاجت کے وقت حاکم مسلم کی طرف رجوع کیا جاوے اور حاکم مسلم کے نہ ہونے کے وقت کے متعلق جزیئی نظر سے نہیں گذری لیکن چونکہ حاجت متحقق ہے اور حرج مدفوع ہے، لہذا بضرورت جائز معلوم ہوتا ہے، واللہ اعلم۔

۲۵ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ (امداد ثالث ص ۱۵)

سوال (۱۵) زید مثلاً فوت ہوا، اور دو پسر بکر اور عمرو نابالغ چھوٹے بیچنے کا عدم جواز اور کچھ زمین وغیرہ مال چھوڑا، بعدہ بکر و عمرو پسران زید متوفی چونکہ بیع و شراء کو بخوبی جانتے تھے یعنی عاقل تھے، لہذا اپنی والدہ کے مشورہ اور اجازت سے کچھ حصہ زمین بیع کر دیا، اور زینن اپنے باپ زید متوفی کے واسطے مساکین کو صدقہ دیدیا، بعد اس بیع کے تخمیناً گیارہ سال گذرے ہوں گے کہ پسران زید متوفی میں ایک کی عمر ۱۵ سال کی یا زیادہ ہوئی اور دوسرے کی عمر ۱۵ سال یا زیادہ ہوئی تو عدالت میں بیع مذکور کی منسوخی کا دعویٰ کرنا چاہا جس کا مضمون مختصر یہ ہے کہ ہم پسران زید چونکہ بیع کے وقت نابالغ تھے، اب ہم بالغ ہو گئے ہیں، لہذا یہ بیع منسوخ ہونی چاہئے، ہم اس بیع پر راضی نہیں، مگر یہ دعویٰ انھوں نے لوگوں کے برائیکھنے کرنے سے کیا، اب یہ گزاش ہے کہ بیع مذکور اس حالت میں شرعاً منعقد ہوئی یا نہیں، اور ان کی والدہ کو بر تقدیر نہ ہونے اور اولیا، عصبہ کے ولایت اجازت بیع کی ہے یا نہیں، اگر نہیں تو یہ بیع باطل ہوگی یا صحیح موقوف ہوگی، اور پسران زید کو خیال بلوغ ہوگا اگر خیال بلوغ ہو تو مثل مخیر کے موقوف ہوگا یا متوسع ہوگا، جب چاہیں منسوخ کر لیں؟ اور اگر پسران زید کے اولیا، عصبہ ہوں، لیکن ان کی جانب سے صریح اجازت جواز بیع کی نہ ہو لیکن صریح انکار بھی نہ ہو مثلاً جب اولیا، عصبہ پسران زید کو پسران زید کی بیع کرنے کی اطلاع ہو گئی، لیکن اولیا نے سکوت کیا، عرصہ گیارہ سال تک سکوت کی بے بیع کی بابت اقرار یا انکار نہ کیا، تو یہ سکوت ان کا شرعاً اجازت ہوگی یا اجازت نہ ہوگی یعنی شرعاً اس سکوت سے بیع مذکور جائز نافذ ہو جائے گی یا نہ ہوگی؟ اور اگر اولیا پسران زید نے زینن اپنے ہاتھ سے پسران زید کے باپ زید متوفی کے واسطے صدقہ کر کے مساکین کو دیئے تو کیر ان کا یہ اپنے ہاتھ سے تصرف کرنا شرعاً اجازت ہے یا نہیں، اگر اس سکوت یا اس تصرف کی وجہ سے بیع نافذ ہو جائے تو پھر پسران زید کو بیع منسوخی کا دعویٰ کرنے کا استحقاق ہوگا یا نہ ہوگا؟ اور اگر بعد گزرنے گیارہ سال کے اولیا، پسران زید بیع مذکورہ کی اجازت دیوں یا اس سے انکار کریں تو باوجود سکوت کے زمانہ سابق میں اور اس تصرف کے جس کا ذکر بالا ہو چکا یہ اقرار یا انکار معتبر ہوگا یا وجود

بالغ ہو جانے پسران زید کے یا بعد بلوغت پسران زید کے ان کے اولیاء کا انکار یا اقرار معتبر نہ ہوگا۔
 بر تقدیر صحت دعویٰ بیع منسوخی کے زمر میں جو کہ مشتری سے پسران زید نے وصول پائے تھے، مشتری کس کس سے
 وصول کرے گا، کیا پسران زید بلا ادائے زمر میں زمین پر قبضہ کر سکتے ہیں یا بعد ادائے زمر قبضہ
 کر سکیں گے، اور شرعاً حد بلوغ ۵ سال ہیں یا ۱۰ سال، مفتی یہ قول کو نسا ہے، برائے مہربانی مفصل جواب
 عنایت فرمادیں مع حوالہ کتب کے برائے قطع نزع مخالفین کے جو کہ بالکل جاہل ہیں کل احتمالات مجوزہ غیر
 مجوزہ دسج کئے گئے ہیں اور فریقین کی تسلی اسی میں ہوگی، اگر ممکن ہو تو جلدی جواب عنایت فرمادیں،
 اللہ تعالیٰ جناب کو اس کا اجر عطا فرمادیں۔

الجواب۔ نا بالغ کی عقار کی بیع کا چونکہ اولیاء کو بھی اختیار نہیں، لہذا یہ بیع باطل ہوگی موقوف
 وہ عقد ہوتا ہے جس کا بالفعل کوئی مجبر ہو، اور یہاں یہ شرط نہیں پائی جاتی، لہذا باطل ہوگی، بلوغ
 کے اگر وہ بیع استینافاً کریں تو صحیح ہے، ورنہ اجازت دینے سے بھی صحیح نہ ہوگی، اور جو روپیہ مشتری نے
 بیع میں صرف کیا ہے اس کا ضمان اس شخص پر ہے جس کے ہاتھ میں وہ روپیہ پہنچا ہے، اس کی وجہ سے
 نا بالغوں کے حق کا جس مشتری کو جائز نہیں، اس تقریر سے انشاء اللہ تعالیٰ سب حقوق و احتمالات کا
 جواب ہو گیا، واللہ اعلم ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۴۹)

بیع یا رہن جائداد مشترک | سوال (۱۶) کیا فرماتے ہیں علماء دین دین باب کہ ایک بیوہ مسلمان
 کل ترکہ جدی شوہر متوفی اپنے کو باوجود موجودگی چند اشخاص وراثت متوفی رہن یا بیع کر سکتی ہو یا نہیں؟
 اگر کوئی ایسی بیوہ مثل جائداد مذکور کو بیع یا رہن کر دیوے تو وہ باطل سمجھی جائے گی یا صحیح، بینوا توجروا،
 الجواب۔ اس مبیع یا مرہون میں جس قدر حصہ شرعاً دوسرے ورثہ کا ہے، اور وہ ورثہ اس بیع
 ورہن سے رضا مند نہیں ہیں، ان دوسروں کے حصہ میں تو بیع ورہن بالکل باطل ہے، اور جتنا اس بیوہ
 کا شرعی حصہ ہے اس کا حکم یہ ہے کہ رہن تو باطل ہے اور بیع ہو جاوے گی، پس قلاصہ یہ ہوا کہ یہ رہن
 تو بالکل ناجائز ہوا، اور بیع اپنے حصہ کی ہو گئی، غیروں کے حصے کی نہیں ہوئی، البتہ اگر جائداد منقسم ہوتی
 تو رہن بھی اپنے حصہ کا درست ہو جاتا۔ فی الدر المنقار المختار بخلاف قن ضم الی مدبر و نحوہ فاند
 یصح ادق غیرہ اہ وہ وہ قبضۃ المرہن محوذاً مینزل الامشا عاۃ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم،
 ۴ رمضان ۱۳۲۳ھ (امداد ثالث ص ۱۵)

سوال (۱۷) خدادادی ملک من اهل الحرب الی مسلمہ ہدایت من
 حر بنی کافر اگر اپنے کسی
 حصہ دار کو فروخت کرے

احد ہما بنہ ثواخرجه الی دارنا قہرا ملک و اکثر المشائخ علی انہ لا یملکھہ فی دارہم و ھو
الصحیح و عن محمد انہ یملکہ حتی لا یجبر علی الرد عن ابی یوسف یجبر و قال الکونجی ان کالوا
یرون جواز البیع فالبیع جائز و الا فلا کما فی المحيط و فیہ اشعار بان الکفار فی دارہم
احرار و لیس کذلک فانہم ارقاء فیہا و ان لم یکن فذلک لاحد علیہم علی ما فی غنائق
المستصفی و غیرہ اہ جامع الرموز نو لکثوری ص ۵۲۶ - تنبیہ فی النہر عن منیۃ المفق
اذ اباع الحربی ہناک ولدہ من مسلم عن الامام انہ لا یجوز ذلک یجبر علی الرد عن ابی یوسف
انہ یجبر اذا خاصم الحربی و لو دخل دارنا بامان مع ولدہ فباع الولد لا یجوز فی الروایات اہ
ای لان فی اجازۃ بیع الولد نقض امانہ کما فی ط عن الرواجیۃ اہ شامی مجتہائی ج ۳ ص ۳۴۳
و فی المحيط مسلم دخل دار الحرب بامان فجاء رجل من اهل الحرب بامہ او بام ولدہ .
او بعتہ او بخالۃ قد قہرہا یبیعہا من المسلم المستامن لا یشتربہا من کان الحربی ان ملکها بالقی
فقد صارت حرۃ فاذا باعہا فقد باع الحرۃ و لو قہر حربی بعض احرار ہم ثم جاء بہم الی المسلم
المستامن فباعہم منہ ینظر ان کان المحکم عندہم ان من قہرہم منہم صاحبہ فقد صار ملک
جواز الشراء لانہ باع المملوک و ان لم یملک لا یجوز کانہ باع الحر اہ بحوالہ السائق ج ۵ ص ۵
جامع الرموز اور شامی کی عبارت سے واضح ہے کہ بیع صحیح ہو جاتی ہے یا کہ رد کرنا واجب نہیں ہے
البتہ احرار ایدار الاسلام کو بعض نے شرط لکھا ہے۔ اس کی نسبت آں حضرت کی کیا رائے ہے۔ بحوالہ
کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جائز نہیں، کیونکہ اگر قہر سے مالک بھی ہو گیا تو ذی رحم محرم کی وجہ سے
آزاد ہو جاوے گا اس لئے بیع حربی یہ عجیب ہے، اس لئے کہ فردع میں کفار حربی مخاطب نہیں پس
ذی رحم محرم کے مالک ہونے سے وہ آزاد کیسے ہو جاوے گا و لو فرہنا آزاد ہو گیا تو پھر مسلمان کے قبض
سے ملک ہو جاتا ہے، غایتہ ما فی الباب بیع صحیح نہ ہو، غرض کہ کچھ پوری تفسی نہیں ہوتی۔

الجواب، تامل سے معلوم ہوتا ہے کہ روایات میں تعارض نہیں البتہ اجمال اور ایک میں ایک
قید کا دوسری میں دوسری قید کا اہمال ہے، اور مجموعہ کے اعتبار سے مقصود متحد ہے، جامع الرموز میں
جو استثنایا ہے الا اذا کان قرابۃ لہ اس میں لہ کی ضمیر ملک کی طرف معلوم ہوتی ہے، اور یہ استثنا
یعنی اس پر ہے کہ قرابت محرمیتہ موجب عتق ہے لیکن اس میں قیدیہ ہوگی کہ جب اہل حرب کا یہ
مذہب ہو کہ کوئی شخص اپنے ذی قرابت کا مالک نہیں ہوتا، جیسا کہ کونجی کے قول میں اور بحری آخر
عبارت میں تصریح ہے اور یہ شبہ کہ استیلا مسلم تو اس پر پابا گیا بایں وجہ مدفوع ہے کہ یہ استیلا

دارالاسلام میں حاصل ہوا ہے، اور بطور قہر نہیں ہوا، البتہ دارالحرب میں اگر ہوتا یا دارالاسلام میں قہراً ہوتا موجب ملک ہو سکتا تھا، اور شامی کی عبارت میں جو لایچود کہا ہے اس میں بھی وہی قید معلوم ہوتی ہے، کہ جب وہ اہل حرب اس مع کو جائز نہ سمجھتے ہوں، اور غالباً ان قائلین کو اپنے زمانہ کے عربین کا خیال ثابت ہو گیا ہوگا، اور لایجبر کی وجہ یہ ہے کہ یہاں استیلا مسلم کا دارالحرب میں ہوا ہے، جو کہ موجب ملک ہے، اور بحر میں جو لایشر یہاں اور باع الحرحہ کہا ہے وہ بھی مقید اسی قید مذکور کے ساتھ ہے، اور اس میں نفی مطلق ملک کی نہیں بلکہ قواعد سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم بوجہ قبض کے مالک ہوگا لیکن چونکہ مستامن کا ایسا فعل کہ جس کو وہ لوگ اس کے لئے ناجائز سمجھتے ہوں اور اس کے ایسے امور کا التزام بدالات حال کر لیا ہے، یہ فعل عذر ہے، اس لئے لایشر یہاں کہتے ہیں، اور قروع کا مخاطب ہونا ہماری طرف سے ہوگا، نہ یہ کہ عودان کے معتقدات بھی ان پر رجحان ہوں اور یہ کہ احراز دارالاسلام شرط ہے یا نہیں ظاہر قواعد سے اشتراط راجح معلوم ہوتا ہے۔ جیسا غنائم کے احکام سے مفہوم ہوتا ہے امید ہے کہ جمیع اشکالات رفع ہو گئے ہوں، اور اگر کچھ باقی ہو تو اعادہ فرمائیے، واللہ اعلم۔

اس تحریر سے فتویٰ مقصود نہیں کیونکہ وہ محتاج نقل ہے۔ بلکہ توجیہ عبارات مقصود ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ (امداد جلد سوم ص ۱۶)

سوال (۱۸) مورث نے قرض خواہ مہاجن سے محفوظ رکھنے کے خیال سے اپنی زوجہ کے نام اپنی جائداد کا بیع نامہ لکھ دیا، اس میں عرصہ گزر گیا، بعد انتقال اس شوہر اور زوجہ کے بوجہ نہ ہونے اولاد پسری کے بجائے اس زوجہ کے بندوبست میں نام دختر وں کا بانتظام سرکار بلا تحریک دختران کے چڑھا، اور عرصہ دراز تک اس جائداد کا حاصل ان دختران کے بنی عم وصول کر کے ان کو دیتے رہے وہ اپنے صرف میں لاتی رہیں، اب تین دس سال کے بعد بعض بنی عم خواہشمند اس امر کے ہوئے کہ اس جائداد سے ہم کو حصہ ملنا چاہیے، مقصود یہ ہے کہ یہ بیع تا جو اس مصلحت سے اس شخص نے اپنی زوجہ کے نام کیا، اور عرصہ تک اسی کے نام رہا، شوہر زوجہ کے رد برو انتقال کر گیا تھا، اس کی دختران کے نام جائداد منتقل ہوئی، اور عرصہ تک وہی اس کے نفع اٹھاتی رہیں، تو اب بنی عم کو کچھ ملے گا یا نہیں، اور یہ کل معاملہ درست رہا یا نہیں؟

الجواب۔ یہ بیع ہزل ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر متعاقدین اس کے ہزل ہونے پر متفق ہوں تب تو وہ بیع بائع کی ملک سمجھی جاوے گی، اور اس کی وفات کے بعد اس کے سب ورثہ تقسیم ہوگی۔ اور اگر متعاقدین متفق نہ ہوں، مثلاً جس کے نام بیع ہے وہ یا اس کے مرنے کے بعد

اس کے ورثہ کی بیع حقیقی ہونے کے مدعی ہوں تو وہ بیع صحیح نافذ سمجھی جاوے گی اور جس کے نام بیع ہوئی ہے اس کی ملک سمجھی جاوے گی، اور اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثہ کو ملے گی، پس صورت مسئلہ میں اگر زوجہ کے ورثہ بشرطیکہ بالغین ہوں تسلیم کر لیں کہ یہ بیع فرضی تھی، تب تو شوہر کے انتقال کے بعد زوجہ اور دختران کے ساتھ ان دختروں کے بنی عم بھی بقدر حصص شرعیہ کے وارث ہوں گے اور اگر زوجہ کے ورثہ اس کو تسلیم نہ کریں بلکہ اس کو بیع واقعی کہتے ہوں، تو ان بنی عم کو میراث ملے گی، بلکہ صرف زوجہ کے ورثہ میں کل جائداد تقسیم ہوگی، نقطۃ اللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم۔

۲۹ ذی الحجہ ۱۳۲۸ھ (امداد ثالث ص ۱۷)

سوال (۱۹) زید نے بھالت صحت و ثبات عقل اپنی مملوکہ مقبوضہ جائداد غیر ہبیہ یا بیع فرضی
بنام بیعے ورثہ متقولہ زرعی و سکنی کو بمخلہ چار ذکور و تین اناث اولاد صلی کے صرف لڑکوں کے نام ہبیہ نامہ لکھ دیا، اور حبشہ کر دیا، لڑکیوں کے رنجیدہ ہونے پر مذہبی یہ ظاہر کیا کہ لڑکیوں کو محروم الارث کرنا مقصود نہیں ہے، بصلحت ایسا کیا گیا ہے، ہبیہ نامہ حبشہ کر دینے کے بعد زید جب تک زندہ رہا موہوبہ جائداد پر خود ہی قابض رہا، اور ہر چار موہوبہ لہم میں جائداد مشترک رہی، نہ موہوبہ لہم قابض ہوئے نہ باہمی حصص منقسم ہوئے، اب زید کا انتقال ہو گیا، اور لڑکیاں میراث کی خواہشمند ہیں شرعاً حصہ مل سکتا ہے یا نہیں؟

سوال ثانی، صورت مذکورہ میں بجائے ہبیہ نامہ کے اگر لڑکوں کے نام باپ تے فرضی بیع نامہ لکھ کر حبشہ کر دیا، اور باقی صورت بحسنہ ہے پس یہ ہبیہ یا بیع فرضی شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب عن الاول فی الدر المختار وھب اثنا دار الواحد صم و بقلبہ لکیرین لا عند الشیوخ فیما یحتمل لقسمتہا مالا یحتمل کالبیت فیصم اتفاقاً قیداً بالبکیرین لانه لو ھب لکیر و صغیر فی عیال البکیر اولادینہ صغیر و کبیر لہم بجز اتفاقاً فی در المختار قولہ لہم بجز و الحیلۃ ان یسلع الدار الی البکیر و یبہا منہا، بزانیہ و افا دانہا للصغیرین تصم لعدم المرجح لسبق قبض احدھما و حیث اتحد ولیھما فلا شیوع فی قبضہ ۷۶ ص ۷۶ عبارت بالاسے معلوم ہوا کہ صورت مسئلہ عتہا میں سب موہوبہ لہم وقت ہبیہ کے اگر نابالغ تھے، تب تو یہ ہبیہ صحیح ہو گیا، اور صرف و اہب کا یہ کہنا کہ بصلحت ایسا کیا گیا ہے معتبر نہیں، اور اس صورت میں جائداد موہوبہ میں میراث جاری نہ ہوگی، اور اگر سب کبیر یعنی بالغ تھے یا بعض کبیر اور بعض صغیر تھے، تو یہ ہبیہ بوجہ فقدان شرائط صحت ہبیہ کے صحیح نہیں اور اس صورت میں زید کی لڑکیاں بھی مستحق میراث ہیں۔

الجواب عن الشانی فی الدر المختار بیع التلجیۃ قبیل کتاب الکفالتہ دلوتبایع فی العلانیۃ ان اعترفا ببنائہ علی التلجیۃ فالبیع باطل لا تقاۃ لہما ہذا کابہ والافلازم اس نفی سے ثابت ہوا کہ اگر شخص جس کے نام بیع یا ہبہ ہے اقرار کرتا ہو کہ یہ فرضی تھی تو بیع و ہبہ کا عدم ہے، ورنہ نافذ ہے، واللہ اعلم، ۱۷ صفر ۱۳۲۷ھ (امداد ثالث ص ۹۷)

سوال (۲۰) زید نے اپنے بیوی سے مکان خریدا اور قبالہ میں نام اپنی زوجہ ہندہ درج کر دینا، کسی مصلحت سے بائع سے لکھوایا، اور ایجاب و قبول مابین بائع اور مشتری کے ہوا، اور اس کاغذ کی رجسٹری بھی ہو گئی، بعدہ ہندہ فوت ہو گئی، اور مہر ہندہ معاف کر چکی تھی، اس صورت میں مکان خرید شدہ زید کا ہے یا ورنہ ہندہ کا (رسولوی راغب اللہ از پانی پت)

الجواب، رکن بیع کا ایجاب و قبول ہے، جن میں ایجاب و قبول واقع ہوا ان کے ہی درمیان بیع متحقق ہوئی، تو جب ایجاب و قبول زید نے کیا تو ملک اس کی یقیناً ثابت ہوئی، اب انتقال ملک غیر کسی عقد صحیح معتبر تام کے نہیں ہوگا تو صرف اس سے کہ کسی مصلحت سے بیوی کا نام درج کر دیا، زید کی ملک زائل اور بیوی کی ملک ثابت نہیں ہوگی، تا وقتیکہ کوئی عقد صحیح معتبر مفید انتقال ملک واقع نہ ہو، حالانکہ ہمیشہ تصرفات مالکانہ خود کرتا رہا۔ اور اب بھی اپنے آپ کو مالک بتلاتا ہے پس اس میں ورنہ ہندہ کو کچھ دعویٰ نہیں پہنچتا، ہاں اگر ہبہ صحیح یا اقرار صحیح گواہوں سے ثابت کر دیں اس وقت دعویٰ درست ہوگا، و بیع التلجیۃ دھوان یظہر عقد ادھما لا یرید ان یرلجا الیہ بخوف عدوہ لیس ببیع فی الحقیقۃ بل کا لھزل، جلد ۴ ص ۲۴۲ توجب تلجیۃ میں عاقد کے لئے عقد صحیح نہیں ہوتا تو غیر عاقد کے لئے تو بدہجہ اولیٰ ثابت نہ ہوگا، واللہ اعلم فقط اللہم اعف عنی وعن جمیع المسلمین (امداد ثالث ص ۲۶)

سوال (۲۱) اس طرف یہ رواج ہے کہ لوگ کپڑا دو طریقے سے خریدتے ہیں بیع مرابحہ میں مثلیت | **ثمن کی شرط**، ایک یہ کہ اس کی قیمت میں نقد روپیہ دیتے ہیں، دوم یہ کہ روپیہ بھی دیتے ہیں اور سوت بھی بازار کے نرخ سے ذرا زیادہ قیمت کے حساب سے دیتے ہیں، تو جس صورت میں کہ صرف روپیہ دیتے ہیں تو ایک تھان مثلاً چودہ آنہ کو لیتے ہیں، اور اگر روپیہ و سوت دونوں دیتے ہیں تو ساڑھے چودہ آنہ کو لیتے ہیں تو کیا حکم ہے، پس جس شخص نے کہ کپڑا روپیہ و سوت دونوں یکم خریدا ہے اس سے اگر کوئی کپڑا فی تھان مثلاً ایک آنہ منافع دے کر خریدے تو وہ منافع چودہ آنہ پر لے گا، یا ساڑھے چودہ آنہ پر، اور اصل قیمت کون معتبر ہوگی؟

الجواب، یہ بیع مباح ہے، یہ اسی وقت صحیح ہے جب تمام ثمن نقد یا مثلی ہو اور دوسرا مشتری وہی دیتا ہو، پس جس صورت میں کچھ نقد اور کچھ سوت کی عوض تھان لیا ہے اور دوسرا مشتری سب نقد دیتا ہے نفع پر بیچنا درست نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، وعلیہ، آمین و احکم،

۲۵ محرم ۱۳۲۲ھ (امداد ثالث ص ۱۸)

تعالیٰ جس کا فقہار نے اعتبار | سوال (۲۲) ایک امر یہ بھی قابل تحقیق ہے کہ فقہاء اکثر مسائل کیا ہے اس کی تحقیق | میں مثل استئذان وغیرہ لکھا کرتے ہیں کہ تعالیٰ کا اعتبار ہے، تعالیٰ سے کیا مراد ہے، اور کس زمانہ کا تعالیٰ مقبر ہے، بعض بعض جزیئین ایسی ہیں جو صحابہؓ تابعینؓ کے زمانہ میں موجود نہ تھیں، ان میں تعالیٰ کا اعتبار ہو سکتا ہے یا نہیں، جیسے مطیع کہ کتاب چھپوانے میں استئذان کا اعتبار کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب، قال فی نود الانوار وتعالیٰ الناس ملحق بالاجماع وقیہ ثم اجماع من بعدہم ای بعد الصحابۃ من اهل کل عصر۔ اس سے معلوم ہوا کہ تعالیٰ بھی مثل اجماع کسی عصر کے ساتھ خاص نہیں البتہ جو اجماع کا رکن ہے وہی اس میں بھی ہونا ضروری ہے، یعنی اس وقت کے علماء اس پر تکیہ نہ رکھتے ہوں، اسی طرح فقہاء نے بہت سے نئے جزیئات کے جواز پر تعالیٰ سے احتجاج کیا ہے۔ کما فی الہدایہ فی البیع الفاسد ومن اشتری نعلًا علی ان یحذہ وہ البائع الی قولہ یجوز للتعامل فیہ فصار کصبغ الثوب وللتعامل جوزنا الاستئذان وقیہا فی المسلمان استئذان الی قولہ للاجماع الثابت بالتعامل اہ پس اس بنا پر کتاب چھپوانا استئذان میں داخل ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم، وعلیہ آمین و احکم، ۲۶ محرم ۱۳۲۲ھ (امداد ثالث، ص ۱۹)

سوال (۲۳) بعد سلام مسنون التماس ہے کہ ایک شخص فوت ہوا، چند بیع قبضہ سے پہلے | وارث چھوڑے، منجملہ کل وارثوں کے ایک وارث نے مال متروک زمین اور باغ اور مکان وغیرہ ہے، قبضہ کے قبل اپنا حصہ بیع دوسرے شخص کے ہاتھ کر دیا، مشتری اور وارثان قابض نے بابت غنہ مبیع علیحدہ علیحدہ فتویٰ طلب کیا ہے، اول دونوں فتاویٰ نقل علیحدہ علیحدہ ترسیل خدمت واسطے تصدیق کے ہے خادمانہ دست بستہ عرض ہے کہ جواب سے جلد سرفراز کیا جائے کہ رفع تردد ہو (نقل استنفا، وارثان قابض مع فتویٰ) کیا فرماتے ہیں علمائے دین

سے اس مسئلہ کے تین جواب ہیں تین مجیبوں کے یہاں لکھے گئے ہیں، تیسرا جواب حضرت مولانا صاحب مدظلہم کا

ہے اور دہ پہلے اس لئے نقل کئے گئے ہیں کہ جواب ثالث میں ان سے ترمیم کیا گیا ہے ۱۲

اس مسئلہ میں کہ جو شے کسی کے قبضہ میں نہ ہو اس کو بیع کرے؟

الجواب، حرام ہے، نہیں جائز ہے بیع، جیسا کہ مشکوٰۃ کی کتاب البیوع باب النبی عنہا من البیوع میں ہے: وعن حکیم بن حزام قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ابیع مالیس عندی رواہ الترمذی وعن ابن عباس قال اما الذی فی عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فهو الطوام ان یباع حتی ان یقبض قال ابن عباس فلا احسب کل شیء الا مثله فقط (کتبہ عبدالرشید رسدراحت آریہ)

نقل استقنائے مشتری کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مورث چند وارثان کو چھوڑ کر یقنائے الہی قضا کر گیا، ترکہ پر مجملہ وارثوں کے ایک وارث کا قبضہ نہیں ہوا، اور کل ترکہ مورث دوسرے وارثوں کے قبضہ میں رہا جس وارث کا قبضہ ترکہ مورث پر نہیں ہوا اس نے اپنا حصہ غیر مقبوضہ کسی کو بیع لکھ دیا، ایسی صورت میں بیع جائز ہوئی یا نہیں؟ ترکہ مورث جو چھوڑ گیا وہ صرف زمین کا خشت اور مکان اور درخت وغیرہ ہے (ہوا المصوب) قبل قبضہ کے بیع غیر منقول کا صحیح ہے بشرط عدم خوف ہلاکت کے، کما فی الدر المختار صفحہ ۱۷۹ مطبوعہ مصر جلد رابع، علی حاشیہ رد المحتار ص ۱۷۹ بیع عقار کا یغشی ہلاکہ قبل قبضہ من بائعہ و فی رد المحتار قولہ من بائعہ متعلق بقبض کا بیع ایضا

رد مختار کے اسی صفحہ پر ہے فلا یصح بیع منقول قبل قبضہ عالمگیری کی جلد ثالث صفحہ ۱۰ میں ہے من حکم المبیع اذا کان منقولاً ان لا یجوز بیعہ قبل قبضہ و ایضاً فی اہل ایتہ صفحہ ۷۷ مطبوعہ لکھنؤ، یجوز بیع العقار قبل القبض عند ابی حنیفہ رحمہ و ابی یوسف رحمہ مذکورہ بالا کتب مفتی بہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیع مثل زمین، مکان وغیرہ جو غیر منقول ہے قبل قبضہ کے جائز ہے جب کہ ہلاک ہو جانے کا خوف نہ ہو، کتبہ محمد عمر اس جواب سے کما حقہ تشفی نہیں ہوئی، کیونکہ اس میں یہ عبارت ہے (جب کہ ہلاک ہو جانے کا خوف نہ ہو) اس کا مطلب نہیں معلوم ہوا، کیونکہ ہلاک کا خوف ہے، اور کس طرح نہیں ہے۔ نقطہ

مکرر عرض آں کہ اس مسئلہ کے حل کرنے کی بابت بہشتی زیور کا پانچواں حصہ دیکھا گیا اس میں در بیان بیع باطل و فاسد یہ مسئلہ ہے (مسئلہ) زمین اور گاؤں اور مکان وغیرہ کے علاوہ جتنی چیزیں ہیں ان کے خریدنے کے بعد جب تک قبضہ نہ کرے تب تک بیچنا درست نہیں، اس سے وراثت کی شے غیر مقبوضہ منقول خواہ غیر منقول کا بیچنا جائز و ناجائز درست ہونا معلوم نہ ہوا، امید کہ جواب سے مع حوالات کتب فقہ خواہ حدیث کے سرفراز فرمایا جاوے۔

الجواب، صورت مسئلہ میں بیع عقار ہے، جو میراث میں بائع کو پہنچی ہے، اور یہ جو علماء میں اختلاف ہے کہ قبل قبض بیع اس شے کی جائز ہے یا نہیں جس میں امام محمد مطلقاً ناجائز کہتے ہیں، اور امام

ابو حنیفہؒ والیوسفؒ منقول میں ناجائز کہتے ہیں، اور عقار میں جائز، بشرطیکہ اس میں ہلاک کا خوف نہ ہو اور خوف یہ کہ مثلاً وہ مبیع مکان کا بالائی درجہ ہے، جبکہ درجہ زیرین نہ بیچا جاوے پس اگر درجہ زیرین گر جاوے تو درجہ بالائی بالکل ایسا ضائع ہوگا کہ پھر مالک اس کے بنانے پر قادر نہیں ہوگا، یا وہ مکان یا زمین کسی دریا کے کنارے پر ہے کہ اس میں دریا بہرہ ہونیکا احتمال ہے، یا کوئی ایسا موقع ہو کہ جہاں ریگ میں دب جانے کا احتمال غالب ہے، کما فی الدر المختار ورد المحتار الجلد الرابع فصل بالتصرف فی المبیع والتمن، تو یہ سب اختلاف اس شے کی بیع میں ہے جو کسی عقد میں عوض قرار دی گئی ہو جیسا اس ضابطہ سے معلوم ہوتا ہے، کل عوض ملک بعقد ینفسخ بھلا کہ قبل قبضہ فالتصرف فیہ غیر جائز وما لا یجائز عینی کذا فی الدر المختار الجلد المذكور الفصل المذكور، اور خود فتویٰ ثانی میں جو روایات منقول ہیں ان میں بھی تصریح ہے کہ مقصود دنیا کرنا ہے حکم بیع مالک بالبیع قبل القبض کا، اور صورت سنو کہ میں یہ بیع کسی عقد سے ملک میں نہیں آئی بلکہ میراث سے ملک میں آئی ہے جس میں انفساخ کا احتمال ہی نہیں، پس ایسی شے محل خلاف علماء ہی نہیں، بلکہ ائمہ موصوفین کے نزدیک یا لاجماع مطلقاً اس میں یہ بیع درست ہو خواہ مبیع منقول ہو یا غیر منقول لہذا بلا خلاف امام محمدؒ کے یہ بیع جائز ہوگی، اما الحدیث المنقول فی الفتویٰ الادنیٰ فهو ایضاً محصول علی ما ذکر کما یفسر ما أخرجه النسائی فی سننہ الکبریٰ (کما فی تحفہ الزیلعی) عن حکیم بن خزام قال قلت یا رسول اللہ ان رجلاً ابتاع هذه البیوع وابتاعها فما یحل لمنها وما یحرم قال لا تبیع شیئاً حتی تقبضہ واما تأییدہ بالمعقول فلان علتہ هذا ان النہی کما فی ہذا ایتہ غرر انفساخ العقد علی اعتبار الہلاک لانہ اذا ہک قبل القبض ینفسخ البیع وعاد الی قديم ملک البائع فیکون المشتري بائعاً ملک غیرہ الخ کذا فی الکفاۃ والحديث الذی فیہ النہی عن بیع ما لم یقبض معلول بہ علی حدیث لکن لیس فی الہدایۃ باب المراجحة والتولية وظاہر ان هذا الخبر منتف في المملوۃ بحکم الارث لعدم احتمال الانفساخ فیہ کما هو ظاہر فلا یشملہ الحدیث ولا قول محدث فانہو وتامل، خلاصہ جواب یہ کہ اگر مبیع اشیا منقولہ بھی ہوتیں تب بھی بیع جائز ہوتی اور اگر غیر منقول فی معرض ہلاک ہوتی تب بھی جائز ہوتی، تو یہاں بدرجہ اولیٰ بلاشبہ بیع درست ہوگی، البتہ اگر یہ بیع ایسے شخص کے قبضہ میں ہو کہ نہ بالغ اس سے بدون تالش کے لے سکتا ہے، اور نہ مشتری بدوئی تالش کے لے سکتا ہو، تو بوجہ غیر مقدمہ التسلیم ہونے کے بیع جائز نہ ہوگی، علی الاختلاف بین کونہ فاسداً او باطلاً کما فی الدر المختار ورد المحتار ص ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶ من جلد الرابع سنہ ۱۳۳۵ھ

سوال (۲۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک ایسے شخص کو زمین فروخت کرنا جو اس میں سند بنائے اراضی بضرورت حوائج خانہ داری وادائے قرض وغیرہ ایک ہندو کے ہاتھ فروخت کرنا چاہتا ہے، اور غالب ہے کہ ہندو مذکور اس میں شوالہ وغیرہ بنائے، ایسی صورت میں زید کو اراضی مذکور کا اس ہندو کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب جائز ہے، ولا بأس ببيع العصیر من یعلم انه یخذلہ خمرًا و من اجمعت الیتخذ ذلک بیت نارًا و کنیستہ او بیعۃ او بیاع فیہ الخمر یا السواد فلان باس برہدایہ ج ۲ ص ۴۵۶ والشرع

۴ شعبان ۱۳۳۵ھ (امداد ج ۳ ص ۲۶)

سوال (۲۵) ایک سڑک سرکار کی جانب سے نکالی کسی زمین پر کفار کے قبضہ کا موجب ملک ہوتا اور ایسی زمین پر درخت لگانے والا درختوں کا مالک ہوگا، اور اس کا معاوضہ زمینداروں کو نہیں دیا گیا، اور زمیندار کو معاوضہ نہ دینے کی یہ وجہ بیان کی گئی کہ سڑک پبلک عینی عوام کی ہے، قاعدہ کی رو سے معاوضہ نہیں مل سکتا اور سڑک کے کنارے درخت لگانے کی اجازت عام لوگوں کو بایں شرط دی جاتی ہے کہ درخت لگانے والا پھل کا مالک رہے اور درخت خشک ہو جانے کے بعد ٹکڑی کاٹ کرے جاسکتا ہے اور درخت شاداب اور کھڑا سرکار کا ہے، آیا درخت لگانے والا اس کے پھل کو بطور ملکیت خود فروخت کر سکتا ہے شرعاً جائز ہے یا نہیں، بینوا تو جبروا،

الجواب، استیلا، سرکار سے اس سڑک کی زمین اصلی مالک کی ملک سے خارج ہو گئی۔ جب با اجازت سرکار کسی نے اس میں درخت لگایا، اس کا پھل بھی ملوک اس ہی لگانے والے شخص کا ہے، اس لئے اس پھل کا فروخت کرنا جائز ہے، جبکہ پھل نمودار ہو گیا ہو، اور کام میں لانے کے قابل ہو گیا ہو، ۱۱ صفر ۱۳۳۵ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۱۴۹)

سوال (۲۶) ایک حکیم صاحب کی زیر نگرانی ایک نسخہ میں لکھی ہوئی دواؤں کی مقدار سے کم دینا یا تیار شدہ دواؤں میں سے کچھ رکھ لیستہ عطار ادویہ مفرد و مرکب فروخت کرتا ہے اس طریق پر کہ حکیم صاحب مریض کے حسب حال نسخہ لکھ کر اس عطار کو دیدیتے ہیں، مریض کو اس امر اطلاع بھی نہیں ہوتی کہ کیا ادویہ میرے واسطے تجویز ہوئی ہیں، بس عطار نے جو کچھ ادویہ دیدیں وہ بخوشی لیکر قیمت نسخہ لے گئے، اس صورت میں اگر عطار حکیم صاحب کے لکھے ہوئے اوزان سے قصداً یا بلا قصد ادویہ کم دیکے تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟ اور قیمت نسخہ بتلاتے وقت عطار یہ بھی کہہ دیتا ہے کہ جس قدر دوا تم کو دی جاوے گی اس کی قیمت ہوگی۔ اور ایک اس عطار کا یہ بھی معمول ہے کہ جب حکیم صاحب کسی کے واسطے کوئی معجون یا خمیرہ یا علوا

تجویز فرماتے ہیں تو یہ عطار اس آدمی سے کہہ دیتا ہے کہ تمہارے واسطے حکیم صاحب نے معجون یا حلوا وغیرہ تجویز فرمایا اور سب کی لاگت وغیرہ تین روپے یا پانچ روپے ہوتی ہے سو تم اس قدر دام جمع کر دو تو یہ حلوا وغیرہ تیار کر دیا جاوے۔ جب مریض دام دیتا ہے تب عطار دوا تیار کر دیتا ہے اور دوا تیار ہونے کے بعد کچھ معجون وغیرہ خود بھی رکھ لیتا ہے، اور جس معجون کی تین روپے لاگت تیار ہیں وہ اہل لاگت دو روپے ہیں مگر عطار نے دوا پیسنے کو ٹٹے بنانے کی محنت وغیرہ لگا کر قیمت کل تین روپے بتلائے ہیں اور اس بات کو مریض بھی جانتا ہے کہ عطار نے اپنی محنت وغیرہ تمام اس میں لگائی ہے یہ تمام صورتیں جو عرض کیں اس میں کون سی جائز و کون سی ناجائز ہے، اور قیمت حلوا وغیرہ کی پیشگی لیکر بعد میں تیار کر دینا کیسا ہے؟

الجواب، کم دینا دھوکہ ہے، کیونکہ مریض کو یہی خیال ہے کہ نسخہ کے موافق ادویہ دی ہیں البتہ اگر یہ کہہ دے کہ نسخہ سے دوا میں کم ہیں تو کچھ مضائقہ نہیں، اور جو دوا دام لیکر بنائی ہے، اس کا حساب پورا بتانا واجب ہے اور وہ سبب بنی ہوئی دوا ملک مریض ہے، اس میں سے خود رکھ لینا حرام ہے، (تمہ اولیٰ ص ۱۵۸)

سوال (۲۷) اختیار موزونہ اگر بائع و مشتری کی موجودگی میں ذن بیع کا ایک مرتبہ تولنا کافی ہے؟ کی گئی تو مشتری کو بلا اعادہ وزن صرف کرنا اور بیعتا جائز ہی یا نہیں؟

الجواب، جائز ہے، فی الخانیۃ نو اشتری کیلیا مکایلة او موزونا موازنۃ نکال لبائع بحضرة المشتري، قال الامام ابن الفضل، یکفیہ کیل البائع و یجوز لہ ان یتصرف فیہ قبل ان یکیلہ ۱۷ شامی ج ۴ ص ۲۵۵، فقط۔ (تمہ اولیٰ ص ۱۶۰)

سوال (۲۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین رحمہم اللہ تعالیٰ اجماعاً خریدن جائداد بنام شخص دیگر اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید نے اگر اپنے بیٹے عمرو کے نام کسی مصلحت سے بوجھ اپنے مال کے کوئی سٹا خریدی جیسا کہ فی زمانہ اکثر رائج اور عرف میں بنام اسم فرضی مشہور ہے تو آیا وہ سٹا زید کی ملک ہوگی یا عمرو کی اور بھی زید کو اس میں اختیار نقل و تصرف مثل بیع و ہبہ وغیرہ کا ہو یا نہیں، مینوا تو جروا،

الجواب، رکن بیع کا ایجاب و قبول ہے، جن کے درمیان ایجاب و قبول ہوا بیع اسی کی ملک ہوگی، پس زید نے اگرچہ مصلحت اپنے بیٹے کے نام سے سٹا خریدی زید ہی کی ملک ہوگی، نیز اس کی بیع تمبیہ ہے کہ در شخص کسی وجہ سے بیع ظاہر کریں، اور مقصود بیع نہ ہو، سو وہ بیع مفید ملک نہیں ہوتی جب باوجود ایجاب و قبول کے بوجہ عدم قصد ثبوت حکم کے ملک نہیں ہوتی تو جس کے ساتھ ایجاب و

قبول تک نہیں ہوا اور نہ اس کے ہاتھ بائع کا بیچنے کا قصد ہے نہ اس کے لئے مشتری کا خریدنے کا قصد ہے اس کی ملک کیونکر ہو سکتی ہے، فی الدار المختار و بیع التلجیة و هو ان ینظر اعداء و ہذا لا یرید انہ لہ خوف عدا و وہو لیس بیع فی الحقیقۃ بل کا لھزل او پس مشتری ہی کی ملک ہوگی اور اس کو تصرفات مالکانہ جائز ہوں گے، تا وقتیکہ کوئی سبب صحیح موجب انتقال ملک جس سے عمر کی ملک ہو جائے نہ پایا جائے، ہاں بعض اشیاء میں بوجہ عرف کے نفس اشتراء سے مشتری لہ کی ملک ہو جاتی ہے، جیسے چھوٹے بچے کے لئے کپڑے بنائے جا دیں نفس انتحاض اس کی ملک ہو جاتے فی الدار المختار عن الخلاصۃ و فیہا اتخذ لولد اول تلیدہ ثیاباً شہادۃ دنعہا لغيرہ لیس لہ ذلک مالہ بین وقت الاتخاذ اھا عادیۃ انھی، نہ اس وجہ سے کہ اشتراء لہ موجب ملک ہے، بلکہ اس وجہ سے کہ قرآن دال ہیں یہ پر اور یہہ للصغیر میں باپ کا ایجاب اگرچہ دلالت ہو کافی ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر عارہ کی تصریح کر دے تو صغیر کی ملک نہیں ہوتی، کما مر اور یہی وجہ ہے کہ کبیر کے لئے اگر کپڑے بنائے تو قبل تسلیم اس کی ملک نہ ہوں گے، فی الدار المختار تحت قولہ لولد ای الصغیر و اما الکبیر فلا بد من التسلیم کما فی الجامع الفتاویٰ انھی، اور زمین وغیرہ خریدنے میں جب قرآن عدم یہہ پر دال ہیں تو یہہ بھی صحیح نہیں ہوا، پس نہ بیعانہ بہہ کسی طرح بیٹے کی ملک نہیں خواہ صغیر ہو یا کبیر الشاہ علم و انہما اطلنا الکلام فی ہذا المقام کاندہ من مطارح الاعلام فکرم من اقدام فیہ ذلت و کرم من افہام فیہ ضلت واللہ ولی العصمۃ۔ (امداد ثالث ص ۱۰۲)

خریدن جائد و بنام شخصے دیگر | سوال (۲۹) ما قولکم حکم اللہ تعالیٰ دین کہ زید نے اپنے ایک سو بچے ایک موضع میں اپنے ایک پسر یعنی عمرو کے نام جو وقت اشتراء نابالغ تھا بقدر ۳۳ روپے پائی کے حصہ خرید کر دیا اور اسی طرح ۴ حصہ دوسرے پسر یعنی کے بحالت نابالغی خرید کر دیا ہے۔ یہ ہر دو پسران بطن زوجہ اولیٰ سے ہیں۔ اور چند عرصہ تک ولایت اپنے زیر انتظام رکھ کر کئی سال قبل از مات خیر و حصص خرید کر وہ مذکور عمرو و یکہ کو دیدیا، اب عند الشرح یہ حصص مملوکہ عمرو و بکر کے ہیں یا ترکہ زید؟

الجواب، کسی کے نام خرید کرنے سے تو خود ہی مالک ہوا تھا، مگر جواب ان لڑکوں کو دیدیا تو وہ لڑکے یعنی عمرو و بکر مالک ہو گئے، ترکہ زید میں داخل نہیں، البتہ یہ دنیا اگر موافق شرائط شرع کے نہ ہو تو موجب ملک نہیں ہوگا، اور اس صورت میں ترکہ زید میں داخل ہوگا،

۳۰ ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ

(تمہ اولیٰ ص ۱۹۲)

کسی دوسرے کے نام جائیداد خرید کرنا | سوال (۳۰) ایک شخص نے جائیداد کا کچھ حصہ اپنے لڑکے کے نام سے خرید کر انتقال کیا تو وہ حصہ سب ورثہ میں تقسیم ہوگا یا کیا کسی کے نام سے خریدنا ہیہ سمجھا جاسکتا ہے، یا یہ فعل مہل ہے، آج کل یہ معاملہ بکثرت رائج ہے، اس کی طرف پوری توجہ ضروری ہے۔

الجواب۔ کسی کے نام سے جائیداد خریدنے کے بارہ میں میں نے بہت دفعہ غور کیا، اور غالباً ایک دو بار لکھا بھی ہے، ہیہ تو یہ کسی طرح ہو نہیں سکتا، کیونکہ ہیہ تو ہوتا ہے بعد ملک کے اور یہاں پہلے سے ملک نہیں، اس اشتراہی سے خود مالک ہی ہوا ہے، اور بعد اشتراہ کوئی عقد پایا نہیں گیا البتہ اگر بعد اشتراہ کے کوئی تصرف موجب تملیک پایا جاوے، تو بیشک ملک اس کی ہو جاتی، واذلیس فلیس، اس لئے یہ فعل مہل ہے، اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ یہ اشتراہ فضولی ہے تو اس مشتری لڑکی اجازت کے بعد اس کی ملک ہو جانا چاہئے، جواب یہ ہے کہ بیع للغیر میں تو اجازت غیر سے اس غیر پر نفاذ ہوتا ہے، مگر اشتراہ للغیر میں خود مشتری پر نفاذ ہوتا ہے، کذا فی الدر المختار، پس اس غیر کی تملیک کے لئے عقد جدید کی حاجت ہوگی فقط، آپ بھی غور کیجئے۔

۵۱ سوال ۳۳۳ (حوادث اول دثانی ص ۱۲۱)

کسی کے نام جائیداد خریدنے سے اس کی ملک نہ ہونا | سوال (۳۱) زید مرحوم نے اپنی وفات سے ایک سال قبل اپنی زوجہ مسماۃ ہندہ کے نام سے دہلی میں ایک مکان خریدا، وثیقہ میں محض مسماۃ مذکورہ ہی کا نام ہے، پھر مسماۃ مسطورہ نے تقریباً ایک سال ہوا کہ مکان مذکور کو بیع بھی کر دیا، اب بمنزلہ زرخن جو کچھ باقی تھا اس کو عمرو برادر کلاں زید مرحوم اور بکر داماد زید مرحوم اور خالد و بشیر برادران علاقائی زید مرحوم نے مسماۃ ہندہ سے جبراً لیکر زید کے پاس اپنی طرف سے بطور امانت رکھوا دیا ہے، اور ہندہ زوجہ زید مرحوم مشتریہ و مالکہ مکان کو جس کا عقد ثانی بعد عدت قدیر سے ہو گیا تھا کہا ہے کہ ہم فتویٰ لینے کے بعد جس جس وارث کو جو جو پہنچتا ہوگا خود دیں گے، کیونکہ روپیہ صرف زید مرحوم کا تھا، تیرا نہ تھا، وہ ان کے وراثہ میں تقسیم ہونا ضروری ہے وہ ترکہ ہے، یہ بھی لحاظ ہے کہ زید مرحوم کی تین لڑکیاں اس وقت موجود ہیں، ایک شادی شدہ صاحب اولاد ہے، اور دو نا بالغات، اب ارشاد ہو کہ بروئے شریعت عزا کیا ہونا چاہئے بینوا تو جروا۔

الجواب۔ کسی کے نام جائیداد خریدنے کی حقیقت یہ ہے کہ اس کو ہیہ کرنا مقصود ہوتا ہے اور ہیہ کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ مہر و ہب وقت ہیہ ملک و اہب میں ہو، اور ظاہر ہے کہ ملک بعد اشتراہ کے ثابت ہوگی، سو اس سے بعد کوئی عقد دال علی التملیک ہونا چاہئے، اور بدون اس کے

وہ مشتری نہ مالک نہ ہوگا بلکہ وہ بدستور ملک مشتری کی رہے گی۔ پس اس بنا پر یہ جائداد ملک زید مرحوم کی قرار پا کر داخل ترکہ ہوگی، اور مثل دیگر ترکہ کے ۲/۳ سہام پر منقسم ہو کر ہندہ کو ۳ اور اور دونوں دختروں کو ۸، ۸ اور عمرو کو ۵ ملیں گے، اور خالد اور بشیر مرحوم ہیں، اور یہ تقسیم میراث بعد تقدیم حقوق متقدّمہ علی الارث مثل ادائے مہر و دیگر ترہ و غیرہ کے ہوگی،

۲۱ رجب ۱۳۲۶ھ (تمہ اولیٰ ص ۱۹۸)

سوال (۳۲) اگر بیع میں ایجاب و قبول نہ ہوا بلکہ مشتری نے نرخ
نرخ ٹھیک کر بلا ایجاب و قبول بیع پر قبضہ کر لینا کافی ہے
ٹھہرا کر اور قیمت بتلا کر کہ اس قدر داموں کی دید و بائع سے غنّے مبیعہ یکم
اپنے قبضہ میں کر لی تو قبل انا، ثمن مشتری کو مبیع کے واپس کرنے کا اختیار ہے اور بیع نا تمام سمجھی جاتی ہے یا نہیں؟
الجواب بیع تمام ہوگئی، واپسی کا اختیار نہیں، فی الدر المختار و رد المحتار علی من احداً بالجابین
علی الاصح فتح بہ یفتی فیض النہ و مثل لہ فی رد المحتار ج ۱ ص ۱۶۰ فقط

۱۱ شعبان ۱۳۲۹ھ (تمہ اولیٰ ص ۱۶۰)

سوال (۳۳) کھل کا مسلم خریدنا
کھل کا مسلم خریدنا
حالت میں اس کو خریدنا مباح ہے یا نہیں؟

الجواب اگر کوؤں کا کوئی خاص عدد خرمن ٹھہرایا جاوے تو اس کی بیع مسلم کی درست ہے
خواہ کم نکلے یا زیادہ، فقط (تمہ اولیٰ ص ۱۶۰)

سوال (۳۴) بیع و شرائط و عہدہ حکم میں
بیع و شرائط و عہدہ حکم میں
عمر و نے زید سے کہا کہ تم مجھ کو ایک صد روپیہ کا مال جفت
پاپوش منگادو، میں تم سے صہ کا منافع دے کر ادھار ایک ماہ کے واسطے خرید
کر لوں گا، یا جس قدر مدت کے واسطے تم دو گے اسی حساب سے منافع دوں گا، یعنی پانچ روپے یک صد روپیہ
کا منافع ایک ماہ کے واسطے ہو، جب مال آجاوے گا اس وقت مدت ادھار و منافع کی معین ہو جاوے گی۔
اس کے جواب میں زید نے کہا کہ میں منگا دوں گا، مگر اطمینان کے واسطے بجائے یک صد کے دو صد کا رقبہ
لکھاؤں گا تا کہ تم خلاف عہدی نہ کرو، عمر و نے منظور کیا؟

الجواب اس میں دو مقام قابل جواب ہیں، ایک یہ کہ زید و عمر و میں جو گفتگو ہوئی یہ وعدہ
معنہ ہے کسی کے عہدہ حکم عقد لازم نہیں، اگر زید کے منگانے کے بعد بھی عمر و انکار کر دے تو زید کو مجبور کر نیکا

۵ کل ترکہ ۲ سہام پر منقسم ہو کر ہندہ کو ۱۹ اور تین دختروں میں سے ہر ایک کو ۱۶، ۱۶ اور عمرو کو ۱۵

ملیں گے ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

کوئی حق نہیں، پس اگر عرف و عادت میں عمرو مجبور سمجھا جاتا ہو تو یہ معاملہ حرام ہے، ورنہ حلال، اسی طرح عمرو کو اوٹل عمرو کے زید کو بھی یہ اختیار حاصل ہے کہ وعدہ بیع پر قائم رہنے کی صورت میں منافع کی مقدار میں تیزی تبدیل کر دیں، یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ایک ماہ کے ادھار کی صورت میں پانچ روپے سیکڑہ نفع کا ٹھہرا تھا، باقی زیادہ لکھانا یہ بیع ہزل فی مقدار لٹمن ہے، اگر عمرو کی بد عہدی کی صورت میں بھی زیادہ مقدار واقعی ٹمن سے زیادہ وصول نہ کرے تو جائز ہے ورنہ حرام ہے، نیز زید پر واجب ہوگا کہ ورنہ کو اس کی اطلاع کرے تاکہ زید کے بعد وہ عمرو کو پریشان نہ کریں۔ (۲۰ محرم سنہ ۱۳۳۵ھ - تتمہ اولیٰ ص ۱۶۱)

سوال (۳۵) عمرو نے زید کو مبلغ سو روپے واسطے خریدنے جفت پاپوش بیع و شراء کا وعدہ حکم میں کے دیئے اور کوئی اجرت بطور معاوضہ خریداری کے قرار نہیں پائی، متعاقبین میں اجرت کی نسبت ذکر بھی نہیں آیا، اور قبل خریداری مال اور دینے زر کی قیمت کے باہمی یہ امر طے ہو چکا تھا کہ یہ مال مبلغ سوا چھ روپے سیکڑہ کے منافع سے بیع کا ایک مہینے کے تم کو دیدیں گے، مال دس اور سے خرید کر زیادہ لے گھر لے آیا، اور عمرو کو بلا کر مال دکھلا کر جوڑ دیا یعنی شمار کر دیا، اور دونوں نے سمجھ لیا کہ یہ مال مبلغ سو روپے کا ہے، اس کے بعد عمرو نے زید سے دریافت کیا کہ تم یہ مال ہم سے کس قدر مدت کے واسطے بشرح منافع نکالنا چاہتے ہو، زید نے کہا کہ ایک ماہ کے واسطے لیتا ہوں، عمرو نے اس کو قبول کیا، بعد ختم ہونے مدت ایک ماہ کے عمرو نے زید سے اصل روپیہ مع منافع طلب کیا، زید نے صرف منافع مبلغ سوا چھ روپے عمرو کو دے کر اصل روپیہ کی نسبت عذر کیا کہ میرے پاس اس وقت موجود نہیں ہے بلکہ کچھ مال موجود ہے کچھ نقد ہے اور کچھ ادھار میں ہے عمرو نے کہا کہ اگر تمہارے پاس زر اصل موجود نہیں ہے تو تم اس کے عوض میں اس قدر کا مال آئندہ کے لئے مجھ کو دے کر اور جوڑو اگر پھر ہم سے اس کو خرید لو، زید نے مبلغ سو روپے کا مال اپنے پاس دکھلایا، اور عمرو کو دے کر جوڑو دیا، اور پھر بشرح منافع بالا عمرو سے خرید لیا، اور مدت کبھی ایک ماہ تراضی طرفین سے قرار پاتی ہے، اور کبھی زائد،

الجواب - یہاں دو بیعیں علی سبیل التاقیب ہیں، ایک وہ کہ زید نے عمرو سے مال خریدا اس کا حکم یہ ہے کہ اگر زید عمرو کو اور عمرو زید کو بیع و شراء پہ بنا بر وعدہ سابقہ مجبور نہ کرے تو جائز ہے، اور اگر مجبور کرے ناجائز ہے، دوسرے بیع وہ جو سو روپیہ بقیہ زرفٹمن کے عوض میں زید نے عمرو کو دیا، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس میں یہ شرط ٹھہری کہ پھر عمرو سے زید اس کو خریدے گا تو حرام ہے، اور اگر یہ شرط ٹھہری پھر اگر خریدے آزادی سے جدید لئے سے خریدے تو جائز ہے،

(تتمہ اولیٰ ص ۱۶۲)

سوال (۳۶) زید نے عمرو سے کہا کہ میں تم کو روپیہ دیتا ہوں اور پھر اجیر کے ہاتھ فسخ کرنا۔ **الجواب** مال تجارت لانے کے لئے اجیر بنانا۔
 پھر اجیر کے ہاتھ فسخ کرنا۔ تمہارے لانے کی اور بار برداری کی اجرت دیکر یہ دیتا ہوں، تم میرے اجیر بن کر مال لانے کا کہ پھر تم اس مال میں نقص نہ بتاؤ۔

الجواب، اس کہنے سے عمرو کا حق مال کو ناقص بتلانے کا وقت بیع مراجمہ فیما بینہما زائل نہیں ہوا، عمرو کو مثل مشتری اجنبی کے تمام حقوق حاصل ہیں، البتہ زید کو یہ اختیار ہے کہ جس وقت عمرو اجیر وکیل ہوئے کی حیثیت سے مال لایا ہے اگر ناقص مال لانے سے منع کر دیا تھا تو ناقص ہونے کی صورت میں عمرو سے بوجہ مخالفت کرتے کے روپیہ لے لے مگر جب مال کو قبول کر لیا تو زید کو تو کوئی حق نہیں رہا، مگر عمرو کو یہی حق حاصل ہے، (تمہ اولیٰ ص ۱۶۲)

سوال (۳۷) زید نے عمرو کو روپیہ دیا اور عمرو مال خرید کر لایا اور اپنے گھراتارا۔ **الجواب** وکیل بالشرا نے مؤکل کے مال کے ساتھ کچھ اپنا مال بھی خریدا۔
 اب اس کو مؤکل سے بطور مراجمہ خریدنا جائز نہیں! دیا اور عمرو مال خرید کر لایا اور اپنے گھراتارا۔ اس میں اپنا بھی ذاتی مال اور زید کے روپیہ کا بھی شامل ہے پھر اس کو تقسیم کیا، تقسیم کر کے زید کے روپے کا مال زید کے سپرد کر دیا، اور شمار کر دیا زید نے قبضہ کر کے عمرو سے کہا کہ تم اپنے وعدہ کے موافق اگر خرید کرتے ہو تو کس قدر مدت کے واسطے ادھار خریدتے ہو، عمرو نے کہا ایک ماہ کے واسطے خریدتا ہوں اور پانچ روپے منافع کے قسط وار ہر ہفتہ ایک روپیہ دیتا رہوں گا، غرض آخر ماہ تک منافع کا روپیہ بے باقی کر دوں گا اور اصل دیدوں گا۔

الجواب۔ (قولہ زید نے عمرو کو الیٰ قولہ تقسیم کیا) اقوال اگر باذن زید روپیہ شامل ہوا ہے تو یہ بیع تو زید کے ذمہ لازم ہو گئی، مگر پھر زید و عمرو میں جو بیع مراجمہ ٹھہری ہے وہ جائز نہیں ہاں مستقل بیع بلا قید مراجمہ ہو تو جائز ہے، البتہ اگر زید کے روپے کا مال بالکل الگ خریدا ہے، اور الگ ہی رکھا تب مراجمہ جائز ہے (قولہ تقسیم کر کے الیٰ قولہ اصل دیدوں گا) اقوال اگر زید کے روپیہ کا خریدا ہوا مال بالکل علیحدہ ہوتا تب یہ بیع درست ہوتی، (۲۰ محرم ۱۳۳۳ھ) (تمہ اولیٰ ص ۱۶۲)

سوال (۳۸) عمرو اپنے عہد کے موافق ایک ماہ کے بعد اور ثمن قسط وار دینے کا وعدہ پورا نہ کیا۔ **الجواب** زید کو روپیہ نہیں دیتا، اور روپیہ جمع کر رکھا ہے، اور اس روپے سے اب خود مال لاتا ہے اور فروخت کرتا رہتا ہے، منافع اٹھاتا ہے، کبھی ڈیڑھ ماہ میں کبھی دو ماہ میں، غرض خلاف عہد زیادہ مدت میں روپیہ اصل مع منافع کے دیتا ہے، مگر جس قدر مدت عہد سے زیادہ ہوتی ہے نہ اس کا منافع طلب ہوتا ہے نہ دیا لیا جاتا ہے،

الجواب۔ جب زیادہ نہیں لیا جاتا زید پر کوئی گناہ نہیں، عمرو پر وعدہ خلافی کا گناہ

ہوگا، ۲۰ محرم ۱۳۳۳ھ (تمہ اولیٰ ص ۱۶۲)

سوال (۳۹) عمرو نے زید کو مبلغ ستانوے روپے واسطے خرید لے کرنا اور ثمن کی معاد مقرر کرنا۔

زید کو دیدیئے، زید نے دساور سے مال جفت پاپوش کا قیمتی ستانوے روپے کالا کر جوڑوا دیا، اور مال اپنے ہی مکان پر لا کر اتار عمر کے مکان یا دکان پر نہیں اتارا، عمرو نے قبل منگوانے مال کے یہ شرط کر لی تھی کہ جس وقت تم مال ہمارا جوڑوا دو گے ہم کو اختیار ہوگا خواہ ہم تم کو دیدیں گے یا اپنی دکان یا مکان پر لے جائیں گے، اور تم کو نہیں دیں گے، عمرو نے بعد جوڑ لیسنے کے زید سے دریافت کیا کہ تم یہ مال کس طریقہ سے لیتے ہو زید نے کہا کہ پانچ ماہ کے لئے لیتا ہوں، اور مبلغ اٹھارہ روپے منافع کے دوں گا، اور زر اصل و منافع دونوں ملا کر جوڑ تم ہوگی مثلاً صورت موجودہ میں ستانوے اصل اور اٹھارہ منافع کے کل مبلغ ایک سو پندرہ روپے ہوئے، اس کو پانچ روپے بارہ آنہ ہفتہ کے حساب سے ادا کروں گا۔

الجواب، یہ بیع مباح بتاجیل لٹمن ہے، اور بقیہ مذکورہ سوال درست ہے،

۲۰ محرم الحرام ۱۳۳۳ھ (تمہ اولیٰ ص ۱۶۵)

سوال (۴۰) نابالغ نے کوئی چیز خریدی بلا اذن ولی اور ثمن تو ثمن بعد بلوغ واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب، اگر بعد بیع کے ولی نے اذن دیدیا تب تو بیع صحیح ہوگی، اور ثمن واجب ہو گیا، بعد بلوغ کے بھی ادا کرنا ہوگا، اور اگر اذن نہیں دیا اور وہ شے ہلاک ہوگئی تو ادا کرنا واجب نہ ہوگا، فی الدر المنقار اول کتاب الحجج الصبی المحجور مواخذ بافعالہ الی قولہ الا فی مسائل وعند منہ ما بیع منہ بلا اذن اھ وجہہ ان التسلیط وجد من المالك، (تمہ اولیٰ ص ۱۶۷)

سوال (۴۱) زید بالغ عمرو مشتری کے ہاتھ اس جائیداد کو جس میں وصیت کی گئی تھی در حق موصی نہ باشد اور جس کو موصی لہم نے قبول کر لیا تھا بغیر ادائے حق موصی لہم فروخت کر کے کل زر ثمن اپنے تصرف میں کیا، اور موصی لہم کو ان کا حق نہیں دیا، تو اس صورت میں موصی لہم کا مطالبہ عمرو مشتری سے ہوگا کہ جائیداد اس کے قبضہ میں ہے یا زید بالغ سے فقط۔

الجواب، دوسرے شخص کی ملک کو بلا اس کے اذن کے بیچنا بیع فضولی ہے، جس کے فسخ اور اجازت کا مالک کو اختیار ہے، پس اگر اس بیع کو موصی لہم جائز رکھیں تو ان کا حق ثمن میں متعلق ہوگا جس کا

زید بائع سے مطالبہ کریں گے، اور اگر اس بیع کو موصلیٰ لہم مذکور دیں تو پھر اختیار ہے، خواہ زید بائع سے جائد کا مطالبہ کریں کہ وہ غاصب ہے اور خواہ عمر و مشتری سے اور پھر وہ اس کا ثمن زید بائع سے لے لیگا، اور اگر بعض موصلیٰ لہم جائز رکھیں اور بعض جائز نہ رکھیں تو ہر ایک کے لئے تفصیل بالا جدا جدا حکم ہوگا۔ فی الدر المختار والاصح انہ رای العقار یضمن بالبیع والتسلیم الخ۔ ۸ شعبان ۱۳۳۱ھ

(تمتہ ثانیہ ص ۶۳)

سوال (۲۲) گھوڑے میں شرعاً کوئی عیب نہیں ہے مگر عرفاً اس کے عیوب سب کو ظاہر کرنا واجب ہے۔ بہت بتلائے جاتے ہیں، مسلمان کو گھوڑا بیچنے کی ضرورت ہے اگر اس عرفی عیب کو ظاہر کرتا ہے تو نقصان کا اندیشہ ہے، اگر اس عیب کو ظاہر نہ کرے تو شرعاً گنہگار تو نہ ہوگا؟

الجواب، فی الدر المختار باب الخيار العیب عن القنیتہ لو ظہر ان الدار مشومۃ یتبغی ان یمکن من الرد لان الناس لا یرغبون فیہا ھ، اس سے معلوم ہوا کہ عیوب عرفیہ کو بھی ظاہر کرنا واجب ہے یا یوں کہہ دے کہ ہم کسی عیب کے ذمہ دار نہیں، (تمتہ ثانیہ ص ۱۲۶)

سوال (۲۳) اگر کوئی شخص اپنی زمین کا کسی شخص کو ٹھیکہ دیدے، اور زر ٹھیکہ پہلے سب وصول کر لے، تو ایسی صورت میں مالک زمین کو فروخت کر سکتا ہے یا نہیں، کیونکہ مشتری کو قبضہ بعد گزینے میعاد ٹھیکہ کے اس صورت میں ملے گا اس سے قبل نہیں مل سکتا، تو بروقت بیع کے قبضہ نہ حاصل ہونے کی وجہ سے یہ بیع جائز ہے یا نہیں، اور اگر بائع کو اس نقصان کے عوض مشتری کو اس قدر سالوں کی آمدنی جتنے سالوں اس کا قبضہ نہیں ہونے کا بروئے حساب ٹھیکہ یا بطور تخمینہ کے دینی گوارا کرے تو یہ رقبہ لینا مشتری کو جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب، فروخت نہیں کر سکتا کہ دوسرے کا ضرر ہے، اور یہ بیع موقوف رہے گی، اور جو چیز قبضہ میں نہ آئے اس کا نفع لینا جائز نہیں تو اس نفع کا عوض بھی درست نہیں، اور مشتری پر ادائے ثمن بھی واجب نہیں، بعد انقضائے مدت اجارہ بیع نافذ ہو جاوے گی، اور مشتری کو استحقاق قبضہ کا ہوگا اور بائع پر تسلیم بیع اور مشتری پر تسلیم ثمن واجب ہوگا، فی الدر المختار ویوقف بیعہ الی انقضائے مدتھا رای الاجارہ) ھو المختار، ۵۶ ص ۵۷، ۵۸، ۵۹، صفر ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۲۸)

سوال (۲۴) کتاب پڑھ کر فروخت کرتا جائز ہے یا ناجائز وجہ شبہ یہ کہ اس کا پڑھنا ہی اس کا استعمال ہے بہر استعمال کے دام کم ہوتے ہیں۔

الجواب، اگر استعمال سے کچھ رونق وغیرہ میں کمی ہوگئی ہو تو مشتری کو اطلاع کر دینا

بوقت بیع کے واجب ہے، ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۳۶)

سوال (۴۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس
عدم انعقاد بیع بآدن بیع نامہ | مسئلہ میں کہ زید نے اپنا مکان متصل مسجد بیعتا تھا پارہ لے پور متولیان مسجد مذکور کے ہاتھ مسجد کے مصرف کیلئے
بیع کرنے کا معاہدہ کر کے دس روپے پیشگی لے کر رسید لکھ دیا اور بقیہ قیمت مبلغ سالانہ ۳ روپیہ وصول پانے
پر بیع نامہ لکھ کر تکمیل رجسٹری کا اقرار کیا، لیکن ایک ہی دو روز کے بعد زید نے اس مکان کو بکر کے نام
بہ کر دیا اور یہ نامہ کو رجسٹری کرادیا، شرائط یہ نامہ یہ تھے کہ بکر تاجین حیات زید اس کے اخراجات کا
کفیل رہے اور اگر زندگی اور قوت قائم رہے تو زید کو حج کرنے کا پورا خرچ دے اور بصورت موت
اس کے تجہیز و تکفین فاقہ چہلم وغیرہ کا بلا اپنے ذمہ لے، اس تحریر یہ نامہ کے بعد زید چند مہینہ تک
زندہ رہا اور متولیان مسجد نے نہ اپنے دس روپے پیشگی کا تقاضا کیا، اور نہ تکمیل تحریر بیع نامہ کس لئے
زید کو مجبور کیا، زید نے وہ دس روپے کی رقم اپنے ایک ہی خواہ کے پاس تحریر رسید کے وقت امانت
رکھا تھا اور وہ شخص مسجد کے انتظامیہ انجمن کا ایک جوشیلہ ممبر ہے، اور بیع نامہ کرانے کے لئے رسید لکھا لے
کا محرک بھی تھا، زید کا انتقال ہو گیا، مگر یہ رقم دس روپے کی ممبر مذکور سے واپس نہیں لی، اور نہ اس
رقم کے لئے کوئی زبانی وصیت کی، بعد انتقال زید متولیان مسجد نے بکر کو تجہیز و تکفین
نہ کرنے دیا، اور اپنے خیال کے مطابق یہ نامہ کو ناجائز سمجھ کر اس دس روپیہ کی رسید کو مکمل بیع نامہ
کہ بقیہ رقم سالانہ ۳ میں سے قریب ساٹھ روپے کے زید کی تجہیز و تکفین فاقہ چہلم وغیرہ میں صرف
یہ، بلکہ نے مجبور ہو کر فاقہ چہلم وغیرہ کیا، مگر تجہیز و تکفین سے بکر ممبران مسجد باز رہا۔ اور اس سختی کے
برتاؤ سے رنجیدہ ہو کر ایک شخص غیر خالہ کے ہاتھ مکان مذکور کا مبلغ دو سو روپیہ پمذ بیع کہہ کے رجسٹری
کرادیا، اور قبضہ دخل بھی دیدیا، اب ممبران مسجد عدالت سے چارہ جو ہیں کہ زید کے معاہدہ کی بنا پر
تلافی میں سے دس روپیہ زید نے رسید لکھتے وقت نقد لئے تھے اور نہ اس کی تجہیز و تکفین و فاقہ وغیرہ
میں صرف ہوا، اس لئے بقیہ سالانہ ۳ روپے میں سے خرچہ نالاش وغیرہ وضع کرنے کے بعد بقیہ قیمت پر خالہ بیع نامہ
کر دینے پر مجبور کیا جاوے پس استفسار یہ ہے (۱) آیا معاہدہ زبانی و تحریر رسید بنام ممبران مسجد حکم بیع نامہ کا
رکھتا ہے، اگر حکم بیع نامہ کا رکھتا تو قیمت مکان بعد زید کے انتقال کے کس کو دی جاوے اس لئے کہ زید نے
اپنا کوئی وارث نہیں چھوڑا ہے، اور نہ معلوم ہے کہ دنیا میں اس کا کوئی وارث موجود ہو یا نہیں، کیوں کہ
یہ بذات خاص کسی غیر جگہ سے آکر آباد ہوا تھا، اور کچھ پتہ و نشان نہیں بتلایا (۲) اور اگر یہ معاہدہ بیع نامہ نہیں
ٹھہرتا تو بکر کے نام یہ نامہ جائز ہو یا نہیں، اور اگر خالہ سے از سر نو رجسٹریشن مقرر کر کے یہ مکان مسجد کی رقم سے ممبران

مسجد خریدیں تو یہ زمین تو بیع مسجد و دیگر مصرف مسجد میں لائی جاسکتی ہے یا نہیں، بینوا تو جردا،
الجواب، یہ معاہدہ جو قیامین زید و متولیان مسجد کے ہوا یہ بیع شرعی نہیں محض وعدہ ہے جس کا بلا وجہ
 خلاف کرنا اعتدالاً موجب مواخذہ ہوتا ہے، لیکن قضاء اس میں مجبور نہیں کیا جاسکتا خاص کر جب کہ قبل
 تکمیل وہ وعدہ کرنے والا بھی مر جائے، پس جب یہ بیع نہیں ہے تو اس کو شرعاً اختیار تھا کہ بکر کے نام مہبہ
 کر دے، اور گوچن شرائط مذکورہ فی السؤال پر مہبہ کیا ہے، یہ شرائط فاسد ہیں، مگر مہبہ شرائط فاسد
 فاسد نہیں ہوتا، خود وہ شرائط ہی باطل اور لغو ہو جاتی ہیں، پس اگر دوسری شرائط صحت مہبہ کی پائی گئی
 ہوں تو وہ مکان بکر کی ملک ہو گیا، اور اگر شرائط صحت کی نہ پائی گئی ہوں تو مکان زید کی ملک بدستور رہا۔
 لیکن متولیان مسجد کے کسی حال میں اس مکان کا کوئی تعلق نہیں رہا، جیسا ان کا غلط خیال ہے، اور اس لئے
 اس غلط خیال کی بنا پر جو کچھ انہوں نے خرچ کیا ہے اس کے ذمہ دار وہ خود ہیں، وہ اس رقم کو نہ بخوبی مسجد
 وصول کر سکتے ہیں نہ کسی اور شخص سے، اس کا تاوان خود ان پر پڑے گا، پھر آگے جو بکر کے خالد کے نام بیع
 کر دیا ہے اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر مکان زید کی ملک تھا تب تو یہ بیع درست نہیں ہونی اور بدستور زید
 کی ملک رہا، اور اگر بکر کی ملک تھا تو اب خالد کی ملک ہو گیا بہر حال مکان اب بکر کی ملک تو نہیں ہے
 یا تو زید کی ملک ہے اور یا خالد کی، پس اگر خالد کی ملک ہے تب تو اس سے کسی قسم کا جبر خالد پر جائز
 نہیں ہاں اس کی رعنا سے خریدنا درست ہے، اور اگر زید کی ملک ہے اور کوئی اس کا وارث معلوم نہیں
 تو اول اس کے کرایہ وغیرہ سے مسجد کے دس وصول کئے جاویں اور اس کے ورثہ کو تلاش کیا جاوے
 جب یا اس ہو جاوے تو اس وقت بکر سوال کیا جاوے، کہ لا وارث مال کا شرعاً کیا حکم ہے،

۱۸ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۸۶)

سوال (۴۶) میاں بی بی میں قیل تحریر بیعنامہ کوئی قرار دیا یا ایجاب و قبول
 بیعنامہ بلا اطلاع نہیں ہوا بعد تحریر بیعنامہ و رجسٹری بی بی کو معلوم ہوا۔

الجواب، یہ شرعاً بیع نہیں ہوئی۔ ۱۴ شعبان ۱۳۳۳ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۶۶)

سوال (۴۷) جناب عالی محصل اراضی کاروبار پیہ جو بدمہ کاشتکار
 صاحب حق بشرط قبض ثمن در مجلس زمیندار کا ہوتا ہے، اسی روپے کے عوض برضا مندی فریقین اگر غلط یا
 کوئی جنس پیداوار فصل کی خرید بکری جاوے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ جائز ہے، بشرطیکہ جتنی کی خریداری ٹھہری ہے، وہ سب فوراً وصول کر لیا جاوے
 یہ جائز نہیں کہ نرخ مقرر کر کے نصف اب لے لیا، اور نصف اس کے ذمہ سمجھا گیا، اگر ایسا اتفاق ہو تو

جس قدر غلہ وہ کاشتکار فی الحال دے سکتا ہے، صرف اسی کا معاملہ کیا جاوے، باقی کا پھر ایسے ہی وقت کیا جاوے، جب کہ وہ غلہ ادا ہو سکے، اور یہی حکم ہے اس کا کہ کاشتکار کے ذمہ غلہ تھا اور اس کے عوض روپیہ لے لیا، ۸ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ (تمہ ثالثہ، ص ۳۰)

سوال (۴۸) ولا يجوز بيع السمك قبل ان يضطاد لانه باع
مالا يملكه ولا في خطيرة اذا كان لا يؤخذ الا بصيد لا نه غير مقدر التسليم ومعه اذا اخذته ثم القاه
فيها ولو كان يؤخذ من غير حيلة جاز الا اذا اجتمعت فيها بانفسها ولم يسد عليها المدخل بعد الملك
زيد الا اذا اجتمعت فيها من خطيرة صغيرة مراد لیتا ہے، اور اپنے استدلال میں عبارت عنایہ کو جو اس کی شرح
سے پیش کرتا ہے، قوله اذا اجتمعت الخ استثناء من قوله جاز یعنی الخطيرة اذا كانت صغيرة اخذ من
غيره حيلة جاز الا اذا اجتمعت فيها بانفسها ولم يسد عليها المدخل فانه لا يجوز بعد الملك وهو
استثناء منقطع لكونه غير مستثنى من الماخوذ الملقى في الخطيرة والمجتمعة بنفسه ليس بداخل
فيه وفيه اشارة الى انه لو سد صاحب الخطيرة عليها ملكها ما بمجرد الاجتماع في ملكه فلا كما لو با من
الطير في ارض انسان او فرخت فانه لا يملك لعدم الإحراز اس بنا پر اس اطراف میں جو تالاب
ہوتے ہیں جن کو یہاں کے عرف میں پوکھرا بولتے ہیں، ان کی بیع سمک کو باطل ٹھہراتا ہے، کیونکہ یہ
خطیرہ کبیرہ ہیں، اور ان تالابوں کی مقدار مختلف ہوتی ہے، کوئی تالاب بیس بیگہ کا اور کوئی اس سے
بھی زیادہ اور کوئی آٹھ بیگہ اور کوئی دس بیگہ کا، غرض کہ اس کی کوئی خاص مقدار معین نہیں ہے، اور پھر
اس میں بھی دو طرح کے تالاب ہیں، بعض کو متصل ندی کے جن کا مدخل اس ندی میں ہوتا ہے، اور بعض بارش
کے اس کے مدخل کو باندھ دیتے ہیں، یا خود بخود اس مدخل سے ندی کا پانی متصل ہو جاتا ہے اور بعض
تالاب وہ ہیں جو بعض بارش کے پانی سے بھر جاتے ہیں، اور ابھر ادھر سے پھلیاں آ جاتی ہیں، اب
پوچھنا یہ ہے کہ ان دونوں قسموں کے تالاب کا حکم جدا گانہ ہے، یا ایک یعنی مالک زمین تالاب ان دونوں
کی پھلیوں کو اپنی ملک سمجھ کر عند الشرع فروخت کر سکتا ہے یا نہیں تردید، اس شرح عنایہ کی وجہ سے
یہ سمجھ رہا ہے کہ جو تالاب کہ جن کی مقدار پہلے مذکور ہوئی ہے حکم خطیرہ صغیرہ کا نہیں رکھتے، لہذا بہر صورت
تالاب کی پھلیاں بوجہ سد مدخل کے مالک زمین کو فروخت کرنا اور دوسروں کو منع کرنا درست نہیں
جانتا ہے اور عبارت (یعنی) وقيد به لانه لو سد موضع الدخول حتى صار بحيث يعتذر
على الشرع فقد صار اخذاً له بد نزلة مالو وقع في شيكته فيجوز بيعه كخطيرة صغیرہ پر محمول کرتا ہے
تاکہ یعنی اور عنایہ میں موافقت ہو جائے، تردید کا اس عبارت مذکورہ سے یہ سمجھنا صواب ہے یا خطا، اور

دوسرے استدلال میں یہی ہستی زلیور اور صفائی معاملات جس میں تالاب کی پھلیوں کی بیع مطلقاً باطل اور حرام ٹھہرائی گئی ہے پیش کرتا ہے، اور زید یہ بھی کہتا ہے کہ خطیرہ صغیرہ جب مراد ہے تو زمین چاہے کسی کی ہو باندھنے والا ہی مالک سمجھا جائیگا نہ کہ صاحب زمین، جیسا کہ عنایہ کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے وفيہ اشارة الى انه لو سد صاحب الخطيرة عليها ملكها اما بوجود الاجتماع في ملكه فلا كما لو باض الطير في ارض انسان او فرخت فانه لا يملك بعدم الاحراز اور خطیرہ صغیرہ کے مدخل کو جب بند کر دیا جاوے تو مالک اس کا باندھنے والا ہے، اسی طرح اگر کبیرہ ہو تو محض بند ڈال دینے سے باندھنے والا مالک ہو جاتا ہے یا نہیں، اگر مالک ہو جاتا ہے تو ایک ندی قرض کی جائے کہ خطرات سے نکلی اور کئی کوس تک جا کر کسی بڑے دریا میں مل گئی، اب اس ندی کو چار پانچ کوس کے بعد عرضاً باندھ دیا تو جس قدر آب محاط کے اندر پھلیاں ہیں ان سے زید لوگوں کو روک سکتا ہے اور مالک اس کا عند الشرع قرار دیا جاتا ہے یا نہیں اور خطیرہ صغیرہ کی عند الشرع کیا مقدار ہے۔

الجواب، یہاں دو حکم الگ الگ ہیں، ایک تو پھلی کا ملک میں داخل ہونا دوسرا ملک میں داخل ہونے کے بعد بیع کا جائز ہونا، سو حکم اول کے لئے قبضہ و احراز شرط ہے جس کی ایک صورت یہ ہے کہ پھلی کو پکڑ کر ڈال دے، اور ایک صورت یہ ہے کہ ان کے از خود جمع ہو جانے کے بعد بند لگا دے، جس سے وہ خروج پر قادر نہ ہوں، یعنی کی عبارت مذکورہ فی السؤال اس کے متعلق ہے اور اس میں صغیرہ و کبیرہ کی کوئی قید نہیں، اور حکم ثانی کے لئے قدرت علی التسليم شرط ہے جس کی ایک صورت یہ ہے کہ خطیرہ سے نکال کر کسی طرف میں رکھی ہوئی ہو دوسری صورت یہ ہے کہ خطیرہ صغیرہ میں ہو کہ جیتا ہیں بلا تکلف پکڑ لیں عنایہ کی عبارت مذکورہ فی السؤال اس کے متعلق ہے اور اس میں صغیرہ کی قید پس عینی اور عنایہ میں تطابق موقوف نہیں ہے اس پر کہ عینی میں بھی صغیرہ مراد لیا جائے، پوری عبارتیں دیکھنے سے یہ امر بالکل واضح ہے، پس پوچھ رہے جن کا ذکر سوال میں ہے ان میں تفصیل یہ ہے کہ جو ندی سے متصل ہیں اور ندی سے اس میں پھلی آنے کے بعد اس کے مدخل کو بند کر دیتے ہیں اس کی پھلی ملک میں داخل ہو جاتی ہے کہ اس کا ذکر

فی العنايين والعينى اوسد صاحب الخطيرة عليها ملكه اه ولو سد موضع الدخول حتى صهارا بحيث لا يقدر على الخادج فقد صارا اخذ الـ اه اور جو بند نہیں کیا خود ندی سے اس کا اتصال جاتا رہا تو اس میں دیکھنا چاہئے کہ اس تالاب کو آیا اس غرض کے لئے پہلے سے ہٹا کیا گیا تھا یا نہیں اگر ہٹا کیا گیا تھا تو بدون بند کئے ہوئے بھی ملک میں داخل ہو جاوے گی، ورنہ نہیں، فی حجة القديروان كما نفع له خطيرة قد دخلها السبك فاما ان يكون اعد هادن لك او كان كان اعد هادن لك

فساد خلها ملکہ و لیس لاحد ان یاخذہ الی قوله وان لم اعدھا لک کایملاک ما یدخل
فیہا فلا یجوز بیعہ لعدم الملک الخ اور جوندی سے متصل نہیں بارش کے پانی سے بھر جاتے ہیں اور مچھلیاں
یا تو ان میں پیدا ہو جاتی ہیں یا ادھر ادھر سے جمع ہو جاتی ہیں، ان میں بند لگانے کا تو تحقق ہی نہیں ہوتا
اب صرف یہ دیکھا جاوے گا کہ آیا اس کو پہلے سے اس کام کے لئے مہیا کر رکھا تھا یا نہیں صورت
اولیٰ میں مچھلی ملک میں داخل ہو جاویں گی، اور صورت ثانیہ میں نہیں، وقد ذکر دلیلہ آنفاً۔

تفصیل ہونی مچھلیوں کے مملوک و غیر مملوک ہونے میں، اب جواز بیع بمعنی صحتہ وعدم فساد
کے مملوک ہونے کے بعد یہ شرط ہے کہ وہ مقدور التسلیم ہو، چونکہ خطرہ کبیرہ میں یہ قدرت نہیں ہے اس لئے
اس کے لئے خطرہ کا صغیر ہونا شرط ہوگا، چنانچہ فتح القدیر میں بھی بعد عبارت لیس لاحد ان یاخذہ
کے جو دال ہے ملک کے مملوک ہو جانے پر یہ عبارت ہے، ثم ان کان یؤخذ بغیر حیلة اصطیاد جاز
بیعہ لہ مملوک مقدور التسلیم مثل السمکۃ فی جب وان لم یکن یؤخذ الا بحیلة لا یجوز بیعہ
لعدم القدرة علی التسلیم عقیب البیع اھ باقی ہشتی زیور و صفائی معاملات کی عبارت مختصر اور متعلق
بعض صورتوں کے ہے، اس سے شبہ نہ کرنا چاہئے، ان دونوں رسالوں میں تفصیل نہیں لکھی، بعض کثیر لکھا
صورتوں کو لکھ دیا، باقی یہ بات کہ اگر خطرہ کی (صغیرہ کانت او کبیرہ کما مر) زمین کسی کی ہو اور
بند ڈالنے والا دوسرا شخص ہو تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر زمین والے نے اس زمین اور خطرہ کو اس
کیلئے مہیا کر رکھا تھا تو اس سے وہی مالک ہوگا، بند ڈالنے والا مالک نہ ہوگا، اور اگر اس نے مہیا
نہیں کر رکھا تھا تو مقتضاً قواعد کا یہ ہے کہ یہ بند ڈالنے والا مالک ہو جاوے، اقد اگر اس میں اختلاف ہو
تو زمین والے کا قول معتبر ہوگا کہ میں نے مہیا کر رکھا تھا اور جس صورت میں بند ڈالنے والا مالک ہو جائے
تو مالک زمین کو اس پر جبر جائز ہے، کہ فوراً میری زمین خالی کر دے کہ غیر کی ملک کو مشغول کرنا بدون
اس کی رضا کے جائز نہیں۔ اورندی مذکور فی آخر السؤال کو عرضاً باندھ دینے کی صورت سمجھ میں نہیں آتی،
مگر قواعد مذکورہ فی الجواب سے اس کا حکم کال لینا چاہئے، اور خطرہ صغیرہ کی حکمی پیمائش سے نہیں، یہی مد
کہ یمکن الاخذ منها بلا مکلّف واحتیال کما فی العنایۃ اول عبارتھا الذکور فی السؤال،

۲۔ صفر ۱۳۳۳ھ (حوادث ثالثہ ص ۲۷)

تالاب میں بھل کی بیع | سوال (۴۹) تالاب میں بھل فروخت کرنے کی مسئلہ کی کیا تحقیق ہونی جائز
ہے یا ناجائز مطلع قرا کر سرفراز فرماویں اگر ناجائز ہو تو فتح القدیر کی روایت کے کیا معنی اور اگر
جائز ہو تو جو اذکت ابوں میں ناجائز لکھا ہے اس کی کیا توجیہ فقط،

الجواب ولا يجوز بيع السك قبل الاصطيا دلائل باع مالا يملكه ولا في حظيرة اذا كان لا يؤخذ الا بصيد لا غير مقدور التسليم ومعاذ اذا اخذته ثم الفاه فيها ولو كان يؤخذ من غير حيلة جاز الا اذا اجتمعت فيها بانفسها ولحم يسد عليها المدخل لعدم الملك هداية اخيرين اول باب البيع الفاسد وايضا فيها اخر المسائل المنتشرة واذا افرغ طير في ارض رجل فهو لمن اخذته وكذا اذا باض فيها وكذا اذا تكنس فيها طير الى قوله صاحب الارض لو بعد ارضه لذلك فصار كنصب شبكة للحقاق وكما اذا دخل الصيد داره او وقع ما نثر من السكر والدرهم في ثيابه لم يكن له ماله يملكه او كان مستعدا له ام وفي فتح القدیر علی القول الاول المذكور للهداية فان كانت له حظيرة قد دخلها السك فاما ان يكون اعداها لذلك لا يملك ما يدخل فيها فلا يجوز بيعه لعدم الملك الا ان يسد الحظيرة اذا دخل فح يملكه ولو لم بعد هالذالك ولكنه اخذنا ثمر ارسله في الحظيرة ملكه اه مختصرا بتاثير وايات مذكورة کے اس مقام میں دو کلام ہیں ایک مچھلی کے مملوک و غیر مملوک ہونے کے متعلق دوسرے اس کے جواز بیع و عدم جواز کے متعلق سوا مراد میں تین صورتیں ہیں اور ہر صورت کا جدا حکم ہے۔ ایک صورت یہ کہ مچھلی پکڑ کر یا خرید کر تالاب میں چھوڑے اس کا حکم یہ ہے کہ وہ مچھلی اور اس کی نسل سب اس چھوڑنے والے کی مملوک ہیں دوسرے کو بلا اذن پکڑنا درست نہیں دوسری صورت یہ کہ خود پکڑ کر یا خرید کر نہیں چھوڑی لیکن مچھلیوں کے آنے کی کوئی خاص تدبیر کی ہے یا آجانے کے بعد ان کے روک لینے کا کوئی خاص سامان کیا ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اس اعداد اور اس سامان انسداد سے بھی اس شخص کی ملک ہو جاتی ہے مگر صرف نیت کر لینے کو اعداد نہ کہیں گے۔ لان معاذ سامان کردن لا محض قصد کردن۔ تیسری صورت یہ کہ ان دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت نہیں ہوئی بلکہ تدریجی طور پر مچھلیاں پیدا ہو گئیں یا آگئیں نہ ان کے جمع کرنے کا کوئی اہتمام کیا اور نہ ان کے منع یعنی روک دینے کا کوئی انتظام کیا اس کا حکم یہ ہے کہ قبل پکڑنے کسی کی ملک نہ ہوگی۔ یہ تو امر اول میں تفصیل تھی اور اردوم میں تفصیل یہ ہے کہ جن صورتوں میں کہ مچھلی داخل ملک ہی نہیں ہوئی اس میں تو ہر دن پکڑے ہوئے بیع کرنا مطلقاً جائز نہیں اور جن صورتوں میں داخل ملک ہوگی اس میں دیکھنا چاہئے اگر پکڑنے کے لئے کچھ حیلہ و تدبیر کی ضرورت ہے تب بھی بیع جائز نہیں لانه غیر مقدور التسليم اور اگر بلا کسی تدبیر کے پکڑنا آسان ہو تو بیع جائز ہے مثلاً کسی چھوٹے گڑھے یا برتن میں ہو کہ ہاتھ ڈال کر پکڑ سکیں اور جن کتب میں مطلقاً ناجائز

لکھا ہے مراد اس سے خاص صورتیں عدم جواز کی ہیں، ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

سوال (۵۰) ہمارے اطراف میں پوکھرے ندی کے قریب ہوتے ہیں جب موسم بارش کم ہوتا ہے تو مالک پوکھرے اس کا مخرج و مدخل بند کر دیتا ہے یعنی باندھ ڈال کر ندی کے جدا کر لیتے ہیں ایسی صورت میں مالک پوکھرے کو دوسروں کو پھلی کے شکار سے روکنا درست ہو یا نہیں اگر ناجائز ہو تو ہدایہ کی اس عبارت کا کیا منشا ہے۔ الا اذا اجتمعت بانفسہا ولہ یسد علیہا المدخل منشا شہ یہ ہے کہ اگر لخر یسد کی جگہ یسد علیہا المخرج ہو تو اس کے لئے کیا حکم ہے۔

الجواب۔ یہاں دو حکم جدا جدا ہیں ایک تو پھلی کا مالک ہو جانا سو اس کا قاعدہ یہ ہے کہ بند لگا دینے سے ملک میں داخل ہو جاتی ہے اور اس کی فرع یہ ہوگی کہ اس کا روکنا جائز ہوگا۔ دوسرا حکم مملوک پھلی کا بیع کرنا سو اس کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر وہ مملوک پھلی مقدور التسلیم ہو تو بیع جائز ہے ورنہ نہیں دلیل ہذا کلمہ مافی الہدایۃ ولا یجوز بیع السمک قبل ان یصطاد لانه بلع ما لا یملکہ ولا فی حظیرۃ اذا کان لا یؤخذ الا بصید لانه غیر مقدور التسلیم ومقتاہ اذا اخذہ ثمر القاعہ فیہا ولو کان یؤخذ من غیر حیلۃ جازا الا اذا اجتمعت فیہا بانفسہا ولہ یسد علیہا المدخل لعدم الملك فی العین وقید بہ لانه لو سد موضع الدخول حتی صار بحیث لا یقدر علی الخروج فقد صار اخذ الہ بمنزلۃ مال ووقع فی شبکہ فیجوز بیعہ

۲ صفر ۱۳۳۲ھ

سوال (۵۱) صفائی معاملات میں ایک مسئلہ مرقوم ہے وہ یہ ہے کہ تالاب پھلی کی بیع تالاب میں یا نہ یا ماہی گیروں کو دیدیا جاتا ہے اور دوسروں کو اس تالاب سے پھلی پکڑنے نہیں دیتا یہ بیع باطل ہے؟ و قیہ بعد سطرین بلکہ سب کو پھلیاں پکڑنے کا شرعاً حق حاصل ہے، اذیں مسئلہ زید میگوئے کہ بدون اطلاع مالک تالاب خفیہ اگر تالاب کے پھلیاں پکڑ لائے تو کچھ گناہ نہیں ہوگا، کیونکہ شرعاً اس میں سب کا حق ہے تو حضرت یہ قول زید کا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب، زید کا قول صحیح ہے اور خفیہ پھلی پکڑنا تالاب سے درست ہے، لیکن اگر مالک تالاب نے پھلیاں کہیں سے لاکر اپنے ہاتھ سے چھوڑی ہوں تو وہ پھلیوں کا مالک ہوگا، اور پھر خفیہ پکڑنا درست نہیں، لیکن بیع کرنا بدون پکڑے ہوئے پھر بھی درست نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۶ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ

(انداد ثالث ص ۱۹)

نعم البدل بودن مسلم | سوال (۵۲) یہاں یہ رواج ہے کہ کاشتکاران تخم ریزی کے وقت
ازبنک زمینداران | مہاجنوں سے غلہ قرض لیتے ہیں، اور یہ شرط ہوتی ہے کہ فصل کٹنے کے بعد پورے

یا سوایا غلہ واپس دیں گے، یہ طریقہ کاشتکاران کی تباہی کا باعث ہوتا ہے اور مہاجن حساب وزن
وغیرہ میں بھی طرح طرح کی زیادتی کرتے ہیں جس کو کاشتکاران اہل غرض ہونے کی وجہ سے پورا کرتے
ہیں (۲) اکثر زمینداروں کو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اپنی رعایا کو اس مصیبت و نقصان سے بچانے
کی کوئی جائز تدبیر ہو تو اس پر عمل کیا جاوے۔ ساتھ ہی اس کے اپنا روپیہ لگانے کا کچھ حاصل اور
فائدہ تجارتی بھی ضرور حاصل ہوتا چاہئے، تاکہ نقصان نہ اٹھانا پڑے، اور جو فائدہ غیروں کو ہوتا ہے
وہ خود حاصل کریں (۳) بجانب سرکار رعایا و کاشتکاران کی امداد کے لئے ایک طریقہ دیہاتی
بنکوں کا جاری ہے جس کو آپریٹیو بینک کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اس میں مشترکہ سرمایہ
ہوتا ہے، اور چار آنے اس کی ممبری کی فیس ہے جو لوگ ممبر ہوتے ہیں ان میں سے ہم قوم دس آدمی
ایک ساتھ قرض لیتے ہیں اور اس کی ادائیگی کی ذمہ داری مشترکہ و منفردہ طور پر دسوں آدمیوں
پر ہوتی ہے اور چھ روپے فی صدی سے زیادہ سود نہیں لیا جاتا، درحقیقت ایسے بنکوں کا قیام
کاشتکاران کے لئے بہت مفید ہے، لیکن افسوس یہ ہے کہ مسلمان زمینداران بوجہ شرعی ناجوازی
کے ایسے بنک نہیں قائم کر سکتے اور اس لئے وہ اپنی رعایا کی امداد کرنے سے مجبور ہو جاتے ہیں۔
(۴) لہذا سوال یہ ہے کہ وہ کونسا طریقہ اختیار کریں جو شرعاً جائز ہو، اور ان کے کاشتکاران بجائے
مہاجنوں کے پنجوں میں پھنسنے اور تباہ ہونے کے خود اپنے زمینداران سے اپنی ضروریات
کے لئے قرض لیں، اور اس کے شرائط ایسے ہوں کہ زمیندار کو اپنے سرمایہ لگانے سے تجارتی فائدہ بھی
ہو اور کاشتکار یا رعایا مہاجنوں کی سخت شرائط کے نقصان سے بھی محفوظ رہیں، (۵) ایک تدبیر
جو خیال میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ تخم ریزی یا اور ضروریات کے موقع پر نقد و بیہ زمیندار سے کاشتکاران
لیں، اور اپنا کام چلا دیں، جس وقت نئی فصل کاٹی جاوے اس وقت نرخ بازار کے حساب جو اس وقت
غالب ارزاں ہوگا بہ نسبت اس وقت کے جب کہ تخم ریزی ہوتی ہے غلہ دیں۔ ایسی صورت میں ارزانی و
گرانی میں جو فرق ہوگا وہی قرض دہندہ کا نفع ہوگا آیا ایسی صورت شرعاً اپنے کاشتکاران کو
فائدہ پہنچانے اور خود فائدہ حاصل کرنے کی جائز ہے یا نہیں ہے، اور اگر نہیں ہے تو وہ دوسری اور
کون صورت ہے جس کے اختیار کرنے سے زمیندار قرض دہندہ اور کاشتکار قرض گیرندہ کو نفع حاصل
ہو، چونکہ یہ مسئلہ بہت ضروری ہے اور اس کی ضرورت عام طور پر محسوس کی جاتی ہے، اور بعد

بحث و مباحثہ اس کے مفید ہونے پر سرکار اور عوام سب کو اتفاق ہے، اور ہزار ہا بنک ایسے قائم ہو چکے ہیں اور ہوتے جاتے ہیں، اور محتاج سرکار بہت تو یہ ہے اور ترغیب دلائی جاتی ہے کہ اس طریقہ سے کارکنان کی مدد زمیندار کریں۔ اور ہا جنوں کے پنجہ ظلم سے ان کو نجات دلائی جائے، ساتھ ہی اس جو شخص اپنا روپیہ پھنسا بیگا اس کو بھی کچھ فائدہ جب تک نہ ہو کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ اپنا روپیہ اس میں لگائے، اور روپیہ نہ لگانے میں نقص پڑتا ہے کہ اگر ہماری زمیندار کوئی بنک کھولے تو اس کی رعایا خوش حال اور فارغ البال ہوتی ہے بخلاف اس کے ہم اگر اپنی رعایا کی مدد نہ کریں تو بوجہ شرعی ناجوازی کے ہماری رعایا اس فائدہ سے محروم ہو جاتی ہے، اور اس کا بہت بُرا اثر پڑتا ہے، لہذا مسلمان زمینداران کے لئے کوئی جائز طریقہ ضرور علماء کرام و ظہم کو ایسا تجویز فرمانا چاہئے جس میں فائدہ تو دوسا حاصل ہو جو دیہاتی بنک قائم کرنے کا مقصد ہے، لیکن اس میں معصیت نہ ہو، جواب باصواب سے سرفراز فرمائیے۔

الجواب۔ جو تندرست سوال کے یہ میں لکھی ہے وہ بعد کسی قدر ترمیم کے شریعت کے موافق جائز ہو سکتی ہے، یعنی تخم ریزی کے وقت جو نقد روپیہ کا شکاروں کو دیا جاوے اس کا غلہ فصل لے لیا کریں، مگر نرخ بوقت روپیہ دینے کے معین ہو جاوے یعنی یہ نہ ہو کہ بازار میں جو اس وقت نرخ ہوگا اس سے اتنا زیادہ لیں گے، بلکہ اس طرح معین ہو کہ ہم دس سیر یا بارہ سیر کا لیں گے خواہ بازار کا نرخ کچھ ہی ہو، اور اپنے نزدیک تخمینہ کر کے اسی حساب کے موافق ذہن میں سمجھ لیں، اگر کسی قدر کمی بیشی بھی ہوئی تو بمقابلہ جواز شرعی اور غالب اوقات میں جانہیں کی مصالح کے مرعی ہونے کے ایسی کمی بیشی کوئی چیز نہیں، اس کو شریعت میں بیع سلم کہتے ہیں، اس کے جواز میں اور بھی بعض سہل شرائط ہیں رسالہ صفائی معاملات میں ملاحظہ فرمائی جاویں، جس میں ایک شرط جو بوجہ ابتلائے عام کے زیادہ اہتمام کے قابل ہے یہ بھی ہے کہ وقت موعود پر اگر غلہ موعود وصول نہ ہو سکے تو اس کے عوض میں نہ تو دوسری جنس لینا درست ہے اور نہ روپیہ مقدار بڑھا کر لینا درست ہے، بلکہ اگر روپیہ تو جس قدر دریا تھا اس کا قدر لے لے، اور اگر جنس لے تو وہی لے اور وہ اگر اس وقت میسر نہ ہو سکے تو مہلت دیدے، اور بعد مہلت پھر وہی لے جو ٹھہری تھی، اور اگر اب بھی کسی جز میں شبہ باقی رہے تو مستفاد کر لیا جاوے، واللہ اعلم۔

۱۲ رجب الاول ۱۳۳۳ھ

(تتمہ رابعہ ص ۶۴)

حکم بنک زمینداران | سوال (۵۳) جالندھر شہر میں ایک اکٹن بنام خادمان اسلام عرصہ سات سال سے منعقد ہے اس کے زیر آوروہ ایک اسلامیہ ہائی اسکول ہے جس میں انگریزی عربی فارسی حساب وغیرہ کے علاوہ ابتدائی جماعتوں یعنی پرائمری حصہ میں قرآن شریف اعداد و احوال اور ہائی جماعتوں میں فقہ و حدیث شریف بھی پڑھائی جاتی ہے، لیکن دیگر مضامین بہ نسبت و بیانات غالب ہیں، اس کا اجراء قوم کی مختلف قسم کی امداد و عطیات، بیاہ شادی و زکوٰۃ و صدقات و گاہ بگاہ زمیندار بنکوں کے منافع یعنی سودی پیسہ روپے سے بھی ہے لیکن تقسیم و تنخواہ و اخراجات میں کوئی تیز نہیں ہے، تمام قسم کا روپیہ پیسہ یک جا جمع ہو کر اس سے تنخواہیں وغیرہ، سامان تعلیم وغیرہ خریدا جاتا ہے، ایسے مدرسہ میں تعلیم کام وغیرہ کے لئے ملازمت کرنا اور اجراء مدرسہ کے لئے مذکورہ صورتوں کی آمدنی کا ہتیا کرنا گناہ تو نہیں، مہربانی فرما کر جواب با صواب سے مطلع فرمادیں تاکہ میرے دل کی تسلی کا موجب ہو، کیونکہ خاکسار انجمن ہذا کے دفتر میں محرر کا کام اور روپیہ پیسہ کی وصولی کا کام کر رہا ہوں۔

اس سوال کے جواب میں صاحب فتاویٰ نے مضمون ذیل بھیجا،
زمیندارہ بنک کی کیا صورت ہے اس کا جواب اس تحقیق پر موقوف ہے۔ آ۔

اس کے جواب میں پھر ذیل کا سوال آیا۔

محرر کا کام یعنی بیرون جات میں وصولی چندہ کے لئے خط و کتابت کرنا وصولی چندہ ماہواری چندہ دہندگان سے روپیہ پیسہ وصول کر کے باقاعدہ حساب رکھنا، زمیندارہ بنک کی صورت، پنجاب میں زمیندار قوم یا دیگر مسلمان کہلانے والے لوگ آپس میں مل کر روپیہ جمع کر کے ایک بنک بنالیتے ہیں، اس جمع شدہ روپے میں سے جس شخص کو ضرورت ہو وہ ایک پیسہ فی روپیہ ماہوار سود دے کر روپے لیجاتا ہے، ادائیگی قرضہ کے وقت سود بشرح صدر شمار کر کے اصل زرے سود ادا کر جاتا ہے، سال بھر بعد روپیہ کا حساب ہوتا ہے، جتنی رقم سود کی بڑھ جائے وہ آپس میں ممبران بنک میں تقسیم ہو جاتی ہے، اس بڑھوتری یعنی سود میں سے کچھ رقم مدرسہ ہذا کے اجراء کے لئے بھی پہنچ جاتی ہے، غرضیکہ مدرسہ ہذا کا اجراء مختلف قسم کی آمدنی پر موقوف ہے۔

الجواب، اس بنک کی آمدنی تو حرام ہے باقی جس مدرسہ میں اس سے مدد کی جاتی ہے، اگر دوسری حلال آمدنی غالب اود یہ حرام آمدنی مغلوب اور کم ہے، تب تو اس مدرسہ کی نوکری اود مجموعہ سے تنخواہ لینا حلال ہے ورنہ حرام، ۳ محرم ۱۳۳۳ھ

(نمٹہ رابعہ ۵۹)

سوال (۵۴) رہا بکنگ کا کاروبار جائز ہے یا نہیں، کوئی آدمی اگر کوئی بھاری کاروبار یا چار باغیچہ کھولنا چاہے تو کسی کمپنی سے وہ بندوبست کرتا ہے، جتنے خرچ کی سال بھر میں اس کاروبار یا چار باغیچہ میں ضرورت ہوگی وہ کمپنی اسے دیتی جائے گی، لیکن جتنی چار کی سال بھر میں اس خرچ میں آمدنی ہوگی وہ سب کی سب اس کمپنی کو بھیجی ہوگی، کمپنی مذکور اس چار کو فروخت کرتی ہے، جتنا کمپنی کا خرچ سال میں ہوتا ہے چار بیچ کر وصول کر لیتی ہے، اور کمپنی مذکور نے جو اصل روپیہ دیا تھا اسکا سود بھی اس سے لیتی ہے، باقی روپیہ بچت رہ جاتا ہے، تو اس باغیچہ والے کو بھیجتی ہے۔ تو اس قسم کا بکنگ کا کاروبار جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، اس سوال کا حاصل تو صرف اتنا ہے کہ کوئی شخص بڑی تجارت کرنا چاہتا ہو اور سرمایہ اس کے پاس ہے نہیں، اس لئے وہ کسی سے قرض سودی لیتا ہے اور اس تجارت میں اس کو جتنی آمدنی ہوتی جاتی ہے، وہ آمدنی اس شخص کو دیتا رہتا ہے پھر اخیر میں حساب ہونے سے اس کے پاس اگر اصل اور سود سے زائد کچھ رقم پہنچ گئی وہ اس کو واپس کر دیتا ہے، بس اصل سوال تو اتنا ہے، اور اس کا جواب ظاہر ہے کہ سودی قرض لینا حرام ہے، باقی اس سوال میں جو مثال فرض کی گئی ہے اس میں علاوہ اس سوال کے دو امر قابل تعرض ہیں، ایک یہ کہ باغیچہ چار کا خریدنا جائز ہے یا نہیں۔ سو ایک مستقل مسئلہ ہے، اگر اس کو مقصود اپوچھا جاوے، اور سوال میں پوری حقیقت معاملہ کی ظاہر کیا جائے تو اس کا جواب ممکن ہے۔ دوسرا امر یہ کہ اس مال کو مقرض یعنی قرض خواہ بچتا ہے، یہ جائز ہے یا نہیں، سو اس میں تفصیل یہ ہے کہ آیا مقرض کا بیچنا عقد کے اندر داخل و شرط ہے یا اتفاقاً بلا جبر یکے بعد دیگرے ایسا اتفاق ہو جاتا ہے، شق اول پر یہ معاملہ فاسد ہے، اور شق ثانی میں جائز ہے،

۲۴ شعبان ۱۳۳۵ھ (حوادث خامسہ ص ۲۶)

سوال (۵۴) اگر بینک گھر میں روپیہ جمع کیا جاوے تو اس کے سود سے منتفع ہونے والا جائز ہے یا نہیں، مگر صاحب بینک قوم نصرانی ہیں۔

الجواب۔ سود نصوص قطعیہ سے حرام ہے، اور اطلاق نصوص سے اس میں نصرانی وغیرہ نصرانی سب برابر ہیں، وایضا الشئ لا یتلزم جواز العقد بہ فانہم واللہ تعالیٰ اعلم وعلیہم السلام،

۱۳ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ (امداد ج ۳، ص ۳۶، حوادث ۱ و ۲، ص ۸۸)

سوال (۵۵) ہنڈی و نوٹ میں بٹ لینا دینا درست ہے یا نہیں۔

الجواب۔ نہیں۔

سوال (۵۶) السلام علیکم۔ ہم لوگ بیہواری اور تاجر ہیں اکثر ہنڈی کا لین دین کرنا پڑتا ہے۔ اور اس پر دو چار آنے یا کم و زیادہ کا بٹ لینا دینا بھی پڑتا ہے اس لئے دریافت کرتے ہیں کہ از روئے شرع سود تو نہیں ہے۔ دوسرے نوٹ یا اثرفیوں پر بعض دفعہ دو چار آنے دینے پڑتے ہیں اور ایسے ہی ہم کبھی لے بھی لیتے ہیں مثلاً ایک اشرفی کے پندرہ روپے دیں گے اور اس کے بدلے میں ایک اشرفی اور ایک آن لیں گے تو یہ بھی جائز ہے یا نہیں۔ براہ نوازش مطلع فرمادیں۔

الجواب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ ہنڈی کا بٹ اگر ویسا ہی ہے جیسا نوٹ پر لیا دیا جاتا ہے تب تو حکم یہ ہے کہ اس میں اور نوٹ میں کمی بیشی نا جائز ہے اور اشرفی کو پندرہ روپیہ سے کم پر یا زیادہ پر فروخت کرنا درست ہے اس شرط پر کہ عوہین دست بدست قرض میں کمی بیشی درست نہیں۔ ۲۲ صفر ۱۳۳۳ھ

سوال (۵۷) زمینداران بینک زمینداری بینک جو دیہات میں کھولے گئے ہیں اور اس کا قاعدہ یہ ہے کہ پانچ یا دس یا بیس روپے جس قدر قدرت ہو بینک میں پیشتر سے بنام زر حصص داخل کرائے جاتے ہیں جو ایسی امانت رکھتا ہے وہ حصہ دار تصور کیا جاتا ہے، یعنی وہ اس بینک سے لین دین کر سکتا ہے، اور روپے کا جو اس نے پیشتر سے جمع کیا ہے بعد دس سال کے سود ملے گا، وہ اس طرح ہو گا کہ سرکاری سود ساٹھ روپے سال ہے اور زمینداروں سے ساٹھ روپے سال وصول کیا جاتا ہے چار روپے سال کی جو بچت ہے بعد دس سال کے منقسم کی جاوے گی، اس کی کوئی شرح مقرر نہ ہوگی، بلکہ بچت پر منحصر ہے جو کچھ حصہ رسی ہو گا مل جاوے گا، اور چونکہ انہیں سے چار روپے سال کے حساب سے زیادتی وصول کی، جا کر بچت ہوتی ہے، لہذا یہ طریقہ از روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب۔ چونکہ سرکار اس میں وکیل ہے زمینداروں کی، اس لئے یہ ایسا ہے جیسے خود زمیندار باہم سود لیتے ہیں، پس بالکل جائز نہیں، ربیع الاول ۱۳۳۳ھ (حوادث ادب ص ۱۳۳)

سوال (۵۸) سیونگ بینک اور ڈاک خانہ میں سیونگ بینک اور ڈاک خانہ میں بعض لوگ سیونگ بینک میں پیسہ رکھتے روپیہ رکھنے اور سود لینے کا حکم ہیں اور سالانہ سود بھی لیتے ہیں، کیا مسلمان کے لئے یہ جائز ہے؟

الجواب۔ یہ فعل معصیت ہے مگر اس سے جو مال حاصل ہو وہ مباح ہو سکتا ہے اور اس مسئلہ میں اختلاف بھی ہے، ۱۳ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۲ھ

(تمہ ادلی ص ۱۵۵)

میں کی قیمت کم کرنے کے لئے بائع کی رضا شرط ہے | سوال (۵۹) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع اور بیع مزاج میں اس کا اظہار ضروری ہے | متین اس مسئلہ میں کہ ہم تاجر لوگ کارہیگروں سے جو مال خرید کرتے ہیں ایک پیسہ روپیہ کٹوتی کاٹ کر مال کی قیمت دیتے ہیں، اور اس بات کا اعلان کارہیگروں سے پہلے کر دیا گیا ہے، اس صورت میں یہ بیع شرعاً جائز ہے یا ناجائز، صورت ثانی اگر بائع کٹوتی سے رہی ہو تو کیا حکم اور تاراض ہو تو کیا حکم؟ صورت ثالث یہ ہے کہ پیسہ روپیہ کاٹ کر جو مال خریدا جاتا ہے بیوپاری کو پورا ایک روپیہ کا بتد کر نفع فی روپیہ لیا جاتا ہے، یعنی بیوپاری کو کٹوتی مجرا نہیں دی جاتی یہ امر جائز یا ناجائز؟

الجواب پہلا اعلان کافی نہیں، خریداری کے وقت بائع کو اطلاع کرنی چاہئے کہ ایسا کیا جاوے گا اور اگر خریداری کے وقت نہ کہا تو پھر اس کا جو از بائع کی رضا مندی پر موقوف ہے، اور ثانی رضا مندی کے ناجائز ہے، اور حقیقت اس کٹوتی کی حط ثمن ہے، اور اس کٹوتی کے بعد بیوپاری کو بھی اس کی اطلاع ضروری ہے، جبکہ نفع پر معاملہ ہو پورا روپیہ بتلانا حرام ہے، کیونکہ حط ثمن اصل عقد کے ساتھ ملحق ہو جاتا ہے، گویا اپنے سولہ آنہ پر اول ہی سے معاملہ ہوا، ۱۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۳ھ

(تتمہ رابعہ ص ۷۳)

تحقیق حکم بیع المضطر | سوال (۶۰) وقتیکہ نمایاں در جلسہ مدرسہ عبد الرب صاحب مرحوم تشریف آورده بودید پس در اینجا و ذال صاحب یک دوست بندہ تفتیش کرده بود کہ بیع مضطر بغین فاحش یا شرأ دے بغین فاحش جائز است یا نہ، جناب در جواب فرمودہ کہ بیع و شرأ مضطر غیر مکروہ جائز بیع مست دریا بارہ عرض کرده می شود کہ در مختار درأ فریغ الفاسد فرمودہ و فی التفت بیع المضطر و شرأ فاسد و صاحب رد المحتار زیر این قول تحقیق کرده و بعد از ان تحقیق بیع و شرأ مضطر بغین فاحش فاسد گردانید چونکہ عبارت دے طویل بود ازین وجہ نقل نموده شدہ طحاوی حاشیہ در مختار تحت قول مذکور فرمودہ هو ان يضطر الرجل الى طعام او شراب او لباس او غیرها فلا یبیعها البائس الا باكثر من ثمنها بكثير و کذا فی الشراء منته کذا فی المنہ انتہی حلی، یہود شرح الاوطار حاشیہ در مختار بزبان اردو در اسعدال برفساد بیع و شرأ مذکور حدیث شریف نقل کرده کہ مروی است از علی کرم اللہ وجہہ فی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع المضطر و شرأ، زابوداؤد اقوال مذکور الصدر دلالت می کند بر فساد پس بر تقدیر صحت دستخط کردہ واپس ارسال فرماید و اگر برخلاف آن جناب یا روایت راجع معلوم میشود آن را تحریر کردہ عنایت فرماید عند الشطح و عتد اناس شکور خواهد گردید۔

الجواب ، در ذہن من ہماں بود کہ ذبانی جواب دادہ بھدم غالباً ہمیش اقوال شراح مدیغ است
 کما قال المخطیٰ ہذا یکون من وجہین احدہما ان یضطر الی العقد من طریق الاکراه علیہ
 و ہذا بیع فامید لا ینعقد والشافی ان یضطر الی البیع لدین ركبہ او مؤنتہ ترہقہ فی بیع
 مافی یدہ بالوکس بالضرورۃ و ہذا سبیل فی حق المذین والمرورۃ ان لا یباع علی ہذا الوجہ ولکن
 یعان ویقرض الی المبسرۃ ویشتري سلعة بقیمتہا فان عقد البیع مع الضرورۃ علی ہذا الوجہ
 صح لم ینفسخ مع کواہتہ اهل العلم لم یص علی ابی داؤد و فی المرقاۃ من النہایت مثله و فی
 اللغات المراد بہ المکرہ ای لا ینبغی ان یشتري ویبتاع من المکرہ وقیل یجوز ان
 یراد من المضطر المحتاج الذی اضطر الی البیع لدین ركبہ او موتہ لحقہ فی بیعہ رخصاً
 بحکم الضرورۃ فالمرورۃ تقتضی ان لا یشتري منہ ویعان ویقرض مثلاً اھ الحال در مختار و رد المحتار
 را مطالعہ نمودم و ازان تردید پیدا شد لیکن بعد تامل راجع ہماں قول خود مینماید و عمل قول در مختار
 و رد المحتار صورتی خاص معلوم می شود و آن آنست کہ دریں عبارت مذکور ہست و مثلاً مالوا الزمہ
 القاہی بیع مالہ لا یقواء دینہ اھ الزم الذی بیع مصحف او عبد مسلم و نحو ذلک اھ
 یعنی صورتیکہ دران بیع مال از حاکم معین کردہ شود و معنی نحو ذلک ہین ست و قرینہ بریں حل آن قول
 مصنف ست کہ صاحب المختار بطور استدراک نقل کردہ و لو صادرة السلطان ولم یعین بیع
 مالہ فباع صح اھ پس بنا بریں تقریر حاجت آن جواب نیست علامہ شامی بصیغہ تمییز نقل کردہ فرمود
 فتامل هذا عندی فان لم یطمئن قلبکم فارجعوا الی اکابر و لست بمصر علی ذلک -

۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (تمتہ خامسہ ص ۶)

سوال (۶۱) زید را بکر گفتم مرا کتاب شرح و قایہ می
 دہدہ پھر کتاب خرید کر نفع کے ساتھ فروخت کا حکم
 وی پی طلبیدہ بقیمت خویش یعنی از بکر چیزے نگر فتمہ بلکہ برز خویش قیمتش ادا نمودہ بکر را بنفع قلیل یا
 کثیر بیع نمود مثلاً چہار روپیہ قیمت وی پی ادا نمودہ بہ بیع روپیہ بکر را دادہ ایں جائز ست یا نہ وجہ
 شبہ ایں کہ چونکہ طلبش زید طلبیدہ است بہماں قیمت او را دادن ضروری باشد یا نہ و اگر ظاہر نماید کہ
 بہ بیع روپیہ آمدہ دریں صورت ناجواز ش معلوم و ظاہر است ، ۳ جمادی الاخری ۱۳۳۹ھ

الجواب ، چونکہ احتمال غالب ست کہ بکر را ہیں گماں باشد کہ زید برائے من خریدنی کند
 و بناء علیہ مرا بہماں ثمن میدہد کہ خود خرید کردہ و سکوت در موضع بیان مثل بیان باشد لہذا شرط جواز

تین روپیہ گہر قن آنست کہ زید تصریح نماید کہ من برائے خود خریدی کسی کم یا نہ بشما معاملہ می نمایم و چون معاملہ بشما جدید باشد شمارا اختیار خواہد بود کہ خرید کنیدی یا نہ کنیدی و مرا اختیار خواہد بود خواہ ثمن خرید خود بدست شما فروشم خواہ نفع ہم گیرم و بدون این تصریح جائز نمی نماید، (تمتہ خامسہ ص ۱۹۰)

کھوٹے سکہ کو سودے | سوال (۶۲) محرر دکان نے غلطی سے ایک کھوٹی اکٹی لے لی، جسے میں نے کی قیمت میں ادا کرنا | علیحدہ رکھ دیا، اور اس کے چلانے کی ممانعت کر دی، لیکن انھوں نے خیر خواہ سمجھ کر اسے چلا دیا اور مجھے خوشخبری سنائی میں تاراہن ہوا اور جہاں وہ اکٹی چلائی گئی تھی دوسری کھر اکٹی بھیج دی کہ کھوٹی واپس کر دو اس نے یہ جواب دیا کہ وہ ہمارے یہاں سے بھی چل گئی، اس صورت میں اس ایک آنہ کو کیا کرنا چاہئے، خود تو استعمال کرنا جائز نہ ہوگا، کیونکہ اگر غلطی سے ہم نے کسی سے دھوکا کھایا تو اب یہ حلال نہیں کہ ہم کسی کو دھوکہ دیں۔

الجواب۔ جہاں وہ کھوٹی اکٹی چلائی گئی ہے، چونکہ اس سے اس کا حق واجب ادا نہیں ہوا اس لئے یہ کھری اکٹی شرعاً اسی کا حق ہے، باقی اس کا واپس کر دینا چونکہ اس کی بنا فاسد ہے اس لئے یہ واپسی معتبر نہیں، اب اس صاحب حق کو کھر اطلاع دی جاوے کہ تمہارا حق ہمارے ذمہ ہے، اور وہ حق کھوٹی اکٹی سے ادا نہیں ہوا البتہ اگر اس کھوٹی اکٹی کو تم برضاے خود اپنے حق کا عوض سمجھو تو پھر حق ادا ہو گیا، اس اطلاع کے بعد اگر وہ اس کھوٹی پر راضی ہو جاوے تو وہ کھری اکٹی آپ کا ہے، صرف کیجئے، اور اگر وہ اس کھری کو لینا چاہے تو اس کو دیدی جاوے، اور اس دوسری صورت میں اس شخص پر رد و امر واجب ہیں، ایک کھوٹی اکٹی کو واپس کرنا جس کے معاف کر دینے کا آپ کو اختیار ہے، دوسرے جہاں وہ کھوٹی اکٹی اس نے چلائی ہے اس کو اطلاع دینا، اور دوسری اکٹی دینا، اور یہ دوسرا امر ہر حال میں اس کے ذمہ واجب ہے، اور یہ کھوٹی اکٹی جس کے ہاتھ بھی آوے اس کو کنوئیں میں پھینک دینا چاہئے، اور جو معلوم نہ ہو کہاں گئی تو ضرور جہاں یہ اول بار چلی ہے اس کے ذمہ کسی کا حق رہا ہے، وہ نقطہ ہے صاحب حق کی نیت سے اس کو تصدق کر دے۔ ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۰۴)

عقد بیع کے بعد قبضہ سے پہلے جو عیب بیع میں پیدا ہو جاوے اس کی وجہ سے بیع کی واپسی | سوال (۶۳) حکم شرعی اس مسئلہ میں کیا ہے کہ میں نے ایک راس بھینس خریدی، نہ قیمت ادا کر دیا، بھینس جنگل میں پائے کے قبضہ میں تھی، اس نے شام کو دینے کا اقرار کیا تھا، جنگل میں میرا لڑکا اس کو دیکھنے گیا، اور وہاں سے اس کو لانا چاہا، لیکن وہ نہیں آسکی اور بھاگ کر جنگل میں پائے کے قبضہ میں رہی، شام کو مالع اس بھینس کو لایا کہ اس نے کچھ دیدیا ہے جس سے وہ خراب ہو گئی، اور اس بھینس کی وہ حیثیت نہیں رہی جو خریدتے وقت

تھی، بائع کا یہ بھی بیان ہے کہ یہ بھینس جنگل میں میرے لڑکے کے لانے کی وجہ سے جو بیہاگی ہے اس سے بچہ ڈال دیا ہے، مگر اس کی کوئی تصدیق نہیں ہے، اب یہ بھینس کس کی ہے؟ آیا بائع کے قبضہ میں ہے اس کی ہی یا میری ہے، بھینس اب تک بائع کے پاس ہے۔

الجواب، فی الہدایہ باب الخیار العیب تحت قول محمدؐ فاذا اقام حلف بالله انما نصل لان العیب قد یحدث بعد البیع قبل التسليم وهو موجب للرد۔ بنا بر روایت عائشہؓ کو فکے حکم یہ ہے کہ اگر اس بھینس پر لڑکے کو قبضہ کر دیا گیا تھا، پھر اس کے ہاتھ سے نکل کر بھاگ گئی تب تو وہ بھینس مشتری کی ہو گئی، اور اگر لڑکے کو قبضہ نہیں کرایا گیا تو بھینس بائع کی ہے۔ (النور شعبان ۱۳۵۷ھ ص ۵)

السوال (۶۴) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، مَا حُكِمَ الشَّرِیْعَةُ الْاِسْلَامِیَّةَ اَرَضِیْ فِلَسْطِیْنِ كِیْ بَیْعِ - یهودیوں کے ہاتھ
المطهرة فی بعض المسلمین الذین یبیعون الارضی بلاد فلسطین المقدسة او یتوسطون بیعها لليهود الطامعون الذین یقصدون من شراء هذه الارضی والعقارات بجلاء المسلمين عن هذه البلاد المقدسة والاستيلاء على المسجد الاقصى الذی بارك الله حوله وانشاء كنيسة لهم الهيكل مكانه وتشكيل دولة يهودية فی فلسطین بمساعدة بعض الدول المعاونة للاسلام والتي تبذل كل جهد فی محاربة وما هو الراجع لهم عن هذا العمل المتكر، وهل اذا اتفق بعض العلماء بكفر من باع ارضه لليهود او توسط بیع ارض غیره لهم لمساعدة اهل الكفر علی المسلمین والموالاة لليهود الذین یعلنون لیلاً ونهاراً لطرط المسلمین وابعادهم عن بلاد فلسطین والمسجد الاقصى الذی اسرى الله بوسوله محمد صلی الله علیه وسلم اليه وحرمانهم من الملة علیهم ومن الدفن فی مقابر المسلمین ونحو جزمهم عن الاسلام وبقیه عبرة لغيرهم ممن تسول له نفس اقتراف مثل خطیئتهم، فما قولكم فی فتواهم، واذا كان هناك ذایراً خلافتها ذكرا قید وقا ولكم من الله الاجر والثواب۔

الجواب۔ وهو الموفق للتصدق والثواب، اما عن الجزء الاول فلنمهد اولاً الدلائل ثوب نشیہ بها السائل، ففي الدال المختار فصل الجزية احكام اهل الذمة مانصة ولا یعمل بسلام فی رد المختار ولا یستعمل ولا یحمل لانه عزوكل ما كان كذلك یدعون عنه قلت ومن هذا الاصل تعرف احكام كثيرة دد منتفی اه وهذا اصل کلی وھنا جزئیات تسر وھا نفی الدال المختار الذی اذا اشتری دالا ای اراد شراء عھا رد فی المصرا لا یتبغی از تباع منه فلو اشتری یجبر علی بیعھا من المسلم وقیل لا یجیر الا اذا کثر درر، فی رد المختار قوله

الذی فی اذا اشتری دارا الخ قال الشرح السیونان مصر الامام فی ارضیهم للمسلمین
 کما مصرهم رضی الله عنه البصر والکوفة واشتری بها اهل الذم مدورا وسکنوا مع المسلمین لم یمنعوا
 من ذلك فان بئنا منهم عقد الذم لم یحققوا علی محاسن الذین قصی ان یومئوا واختلاطهم بالمسلمین
 والسکن معهم یحقق هذا المعنی وكان شیخنا الامام قمی الائمة الحلواتی، یقول هذا اذا قلنا
 وكان یجوز لا تعطل جماعا المسلمین ولا تنقل الجماعه بسکناهم هذه الصفة فاما اذا کثروا علی
 وجہ یؤدی الی تعطل بعض الجماعات او تقلیلها من ذلک وامروا ان یسکنوا ناحیه لیس
 فیها للمسلمین جماعه وهذا محفوظ من ابی یوسف فی الامالی اھ نعم فی الدر المختار بعد اسطر
 رواذا تکاری اهل الذم مدورا فیما یلین المسلمین لیسکنوا فیها فی المصر رجاز لعود نفعه
 الیتا ولیروا تعاملنا فی سماءنا بشرط عدم تقلیل الجماعات بسکناهم شرطه الامام
 الحلواتی فان لزم ذلك من سکناهم امر وایلا عزال عنهم والسکني بنا حیر لیس فیها
 مسلمون) وھم محفوظ عن ابی یوسف یجوز عن الزخیری، وفي رد المحتار تحت القول
 الاتی من الدر المختار کن رده الخ مانصه فتحصل من مجموع کلام الحلواتی لتمر قاشی
 انه اذا لزم من سکناهم فی المصر تقلیل جماعا امر وایلا السکني فی ناحیه خارج المصر لیس
 فیها جماعه للمسلمین وان لم یلزم ذلك لیسکنوا فی المصر بیلین المسلمین مقهورین لافی
 محلہ خاصه لانه یلزم منه ان یشترط لیسکنوا فی مصر المسلمین منع کمنعہ المسلمین بسبب
 اجتماعهم فی محلہم فافهم ثم فی رد المحتار بعد اسطر یجوز التنبیه مانصه قال فی الدر المختار
 وكذا یمنعون عن التعلی فی بنائهم علی المسلمین ومن المساواة عند بعض العلماء نعم یشترط لیسکنوا
 ثم قال بعد بحث طویل والحدیث الشریف لا یقید ان لیسکنوا من العز والشرف بل فی
 المعاملات من العقود ونحوها لادلة الدالة علی الزامهم الصغار وعدم التمسک للمسلمین وصرح
 الشافعی بان منعهم عن التعلی واجب واز ذلك الخ قوله تعالی وتعلیم دینہ فلا یباح برضا
 الجار المسلم او قواعدنا لا تباہ ولقد مر انه یجوز تعظیمه ولا یخفی ان الرضا باستعلاء تعظیم
 له هذا مالی فی هذا المحل والله تعالی اعلم اھ قلت وفي الباب آیات لا تحذر لاتعد و فیما ذکرنا اننا
 انشاء الله تعالی واذا کان هذا حکم الکراء والشراء للدار، والتعلی فی البناء والحد ان فکیف
 حکم ببع المسلمین ارضیهم من الکفار وھو اقوی اسباب العزۃ والشوکه والقوة والصولة
 واذا کان هذا حکم الذمیین وھم مقهورون تحت حکم الاسلام فکیف حکم غیر الذمیین الذی لیس

فی شئ من الاستسلام وهو كما قال الله تعالى لا يالونكم خيالا وكما قال تعالى لا يرقون في مؤمن
الاول كما قال الله تعالى ان يتفقوكم يكونوا الكفرة اعداء وييسطوا اليكم ايديهم بالسنة
بالسوء ووردوا الوتكفرون، والله درالقائل ۵

احبا بقا توب الزمان كشيرة وامر متطارفة السفهاء
فمقن يفيق الدهر من سكراته ورأى اليهود بذلة الفقهاء
واما عن الجزء الثاني فان كان اهل هذه الفتاوى من اهل البصيرة والكياسة فاقرب
محايلها هي السياسة، والعلماء لهم في امثالها خيرا والياسة، وهذا اخر الجواب في هذا
الباب والله اعلم بالصواب -

کتبہ اشرف علی التھانوی من الھند المحقق الفاروقی عفی عنہ للثلاث الاول في رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ
(النور شعبان ۱۳۵۲ھ ص ۹)

خریدن جلد یا لحم حیوان قبل ذبح | سوال (۶۵) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس
مسئلہ میں کہ بکری یا گائے وغیرہ کی کسی شخصوں نے قبل ذبح کے اگر گوشت کا اندازہ کر کے ان کی قیمت
طے کی اور چمڑے کی قیمت علیحدہ دوسرے شخص سے طے کرائی اور اسی وقت قیمت بھی سب دمیوں دیدی
یا ٹھر کر دی اور دوسری صورت یہ ہے کہ قبل ذبح کے فقط گوشت یا فقط چمڑے کی قیمت طے کی اگر
قبل ذبح کے ایسی صورت کی جائے تو اس کا گوشت بعد ذبح کے خریدنا یا کھانا جائز ہے یا نہیں بینوا توجہ
الجواب، فی الدار المختار صور البیع القاسد وکتا اکل ما انصالح خلق کجلد
حیوان و نوى تمر و بزر بطیخ اھ اس سے معلوم ہوا کہ یہ بیع قاسد تھی اور بیع قاسد میں گوشتا قد
گنہگار ہوتے ہیں مگر بیع بعد قبضہ کے مملوک ہو جاتی ہے پس گوشت بھی مملوک ہو گیا اس لئے بعد
ذبح کے اس گوشت کا خریدنا جائز ہے۔ ۲۹ رمضان ۱۳۳۲ھ

زمیندار اپنی رعایا کے قصابوں سے | سوال (۶۶) قصاب رعایا میں ہمیشہ سے یہ دستور ہے کہ بمقابلہ دیگر
انڈاں نرخ پر گوشت خریدیں اس کا حکم | اشخاص کے زمیندار کو کم نرخ پر گوشت دیتے ہیں، اور بعض جگہ ایک
آنہ سیر معین ہے خواہ نرخ کچھ ہو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، ایک طرح جائز ہے کہ وہ قصاب اس زمیندار کے مکان میں مثلاً رہتا ہو یا اور کوئی
انتقل اس سے ایسا حاصل کرتا ہو جس کی اجرت لیتا شرعاً جائز ہو اور اس اجرت میں یہ بٹا ٹھہر جاوے کہ
ہر ماہ اس قدر گوشت ہم اتنے نرخ پر لیں گے اور مہینے میں اس مقدار سے زیادہ نہ بڑھیں، کم رہے تو

مضائق نہیں اس طرح درست ہے، جتنا احتمال مہینہ بھر میں ہو اس سے کچھ زیادہ مقدار ٹھہرائینے میں
خطو نہ رہے گا، مگر حساب یاد رکھنا ہوگا، ۳ صفر ۱۳۳۳ھ (تمہ رابعہ ص ۶۳)

زمینداروں کا کاشتکاروں سے شادی | سوال (۶۷) زمینداروں میں دستور ہے کہ شادی کے وقت کاشتکاروں
کے موقع پر گھی بنرغ ارزاں خریدنا غیر معتاد پر سے فی ہل ایک روپیہ دے کر گھی لیتے ہیں، اور کاشتکار ایک روپیہ
لے کر سوار روپے کا گھی دیتے ہیں۔

الجواب، یہ ناجائز ہے کیونکہ اس کی مجموعی مقدار معین نہیں، کہ کتنا گھی ایک سال میں مثلاً

لیا جاوے گا، ۲۶ سوال ۱۳۳۳ھ (حوادث ثالثہ ص ۱۵۸)

کھڑی ہوئی گھاس کی بیع | سوال (۶۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں
بعض اعذار کی حالت میں | مافقہ کی کتابوں میں بیع باطل و فاسد کے بیان میں لکھا ہوا ہے کہ کھڑی

ہوئی گھاس بیچنا درست نہیں ہے جبکہ زمیندار نے قبل جمنے کے پانی نہ دیا ہو اور خود رو ہو، جو زمین قابل
مزدورہ کے نہیں ہوتی و نہ از نشیب ہوتی ہے، اور بارش میں ڈوب بھی جاتی ہے، اس زمین پر علی العموم گھاس
جما کرتی ہے اور زمیندار لوگ پانی تو نہیں دیتے مگر اس کی نگرانی و حفاظت کرتے ہیں، اور سرکار مزدورہ سے
کم لگان تشخیص کر کے مالگداری بھی لیتی ہے، اور زمینداروں کو اس کی مالگداری دینی پڑتی ہے، اور جب کہ
زمیندار کو چرائی لینا ناجائز ہو تو ایسی صورت میں زمیندار بلا وجہ نقصان اٹھاتا ہے، اور گرد و نواح کے
لوگ مویشیان تجارتی رکھتے ہیں، یعنی گلے اور بھینس بکثرت پالتے ہیں، اور اس کا گھی اور دودھ اور بیل
و بھینسا جو اس سے پیدا ہوتا ہے فروخت کرتے ہیں، اور چند روز کے بعد وہی مالکان مویشیان اپنا
استحقاق قائم کرتے ہیں، کہ ہم عرصہ دراز سے بلا معاوضہ چراتے ہیں، مالک زمین کو روکنے کا کوئی حق نہیں ہے
زمیندار دو نقصان اٹھاتا ہے، ایک تو سرکار کو مالگداری ادا کرتا ہے۔ دوسرے بعد چندے زمین پر اس کا کوئی استحقاق
خاص بہ نسبت اور لوگوں کے باقی نہیں رہتا، بلکہ کسی وقت میں اگر زمین قابل مزدورہ کے ہو جاتی ہے، اور
زمیندار اس کو مزدورہ کرنا یا کرانا چاہتا ہے تو وہی مالکان مویشیان نالش فوجداری میں کہتے ہیں، اور بچاؤ
بلا وجہ مفت پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور جس قدر ایسی زمین پر تہی کے گرد و نواح میں کھیت رہتے ہیں
ان کھیتوں کو بھی مویشیان نقصان پہنچاتے ہیں، زمیندار مالگداری سرکار کہاں سے ادا کرے، ایسی صورت
میں زمیندار کو کیا چارہ کار ہے، یعنی اس زمین پر تہی کی چرائی لینا اور بغرض تحفظ استحقاق آئندہ مویشیوں
کو روکنا جائز ہے یا ناجائز،

۲ اور ایسی قسم کی زمین پر تہی پر گھاس جمتی ہے، اور مویشیوں کو چھونے وغیرہ سوز کا جاتا ہے، اور

حفاظت کی جاتی ہے، مگر زمیندار پانی نہیں دیتا ہے، اور جب وہ گھاس بڑی ہو جاتی ہے، اس کو گھاس کلاں اور کھر بھی کہتے ہیں، اور وہ دیہاتوں میں نہایت کارآمد ہوتی ہے، یعنی کل مکانات آدمیوں کے رہنے اور مویشیوں کے رہنے کے اور کل ضرورتوں کے مکانات اسی سے چھائے جاتے ہیں، علاوہ اس کے اور کوئی شے ایسی نہیں ہے کہ جس سے مکانات دیہات کے چھائے جائیں، اور وہ گھاس کلاں یعنی کھر قیمتی ہوتا ہے، تو ایسی صورتیں پر تہی نہیں کی گھاس کی حفاظت کرنا اور بیع کرنا جائز ہے یا ناجائز، اور اگر علی العموم پر تہی زمین کی گھاس ہر شخص چروا دیا کرے اور حفاظت نہ کرے تو دیہات میں مکانات چھانے کی ضرورت کیونکر رفع ہو سکتی ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب، جو گھاس سیدھی کھڑی ہو جائے، یعنی تہ دار ہو، جیسے پولا جس میں سینکیں نکلتی ہیں وہ ہر حال میں زمیندار کی ملک ہے، اور جو ایسی نہ ہو بلکہ زمین پر پھلتی ہو اس میں تفصیل ہے، کہ اگر وہ اس شخص کے پانی دینے سے پیدا ہوئی ہے تب بھی اس کی ملک ہے اور جواز خود پیدا ہوئی ہے وہ ملک نہیں اور محض حفاظت سے ملک نہیں ہوتی پس ایسی گھاس بدون کاٹے ہوئے بیچنا یا کسی کو اس کے لینے سے روکنا جائز نہیں اور مالگذازی دینے سے اس کا جواز لازم نہیں آتا۔ لان اخذا الخراج ان کان بحق مظاہر وان کان بغیر حق فلان المظلوم لا یظلم غیرہ، البتہ اگر مواشی کو اس میں چرنے کی اجازت دینے سے کوئی ضرر متین ہو جیسا سوال میں لکھا ہے فی قولہ ہی مالکان مویشیان الخ تو اس صورت خاص میں اس سے تو روکنا جائز ہے، لیکن بیع یا اجارہ جائز نہیں، بلکہ اگر مواشی والوں کو گھاس کی ضرورت ہو اور قریب موقع پر مفت گھاس سیر نہ ہو تو اس مالک گیارہ سے کہا جائے گا کہ یا تو گھاس چرانے کی اجازت دو یا گھاس کٹا کر دو، البتہ اگر اجازت میں زمیندار کا کوئی معتد بہ ضرر ہو اور ممانعت میں عامہ کا معتد بہ ضرر نہ ہو تو امید ہے کہ فقہار کے کھئے ہوئے میلہ پر عمل کرنے میں ممانعت نہ ہوگی، اور وہ میلہ یہ ہے کہ جس زمین میں گھاس ہے اس کو کسی شخص کے ہاتھ کسی اور کام کیلئے اجارہ پر دیدے، مثلاً اس میں مواشی کو کھڑا کیا کریں گے و مثل ذلک پس وہ دام کرایہ کے ہوں گے، گھاس کے نہ ہوں گے، کذا فی الدر المختار و رد المحتار باب البیع القاسد باب الشرب،

۲۷ شعبان ۱۳۳۷ھ (تمتہ ثانیہ ص ۶۶)

سوال (۶۹) نہی عن صفقتہ فی صفقتہ کے ظاہری معنی کے لحاظ سے بعض امور ناجائز معلوم ہوتے ہیں حالانکہ بکثرت خاص و عام میں شائع ہیں مثلاً گھڑی کی مرمت کہ ٹوٹے ہوئے پرزے کو نکال کر صحیح پرزہ لگا دے گا تو اس پرزہ کی توجیح ہے اور نکلنے کا اجارہ۔
۲ چار پائی بنوانا اور بان اپنے پاس سے نہ دینا اس میں بان کی بیع ہے اور بیع کا اجارہ، ۳ سقے سے

پانی لینا کہ جب اس نے کنوئیں سے پانی نکال کر اپنے ظروف میں لیا تو اس کی ملک ہو گیا سو پانی کی بیع ہوئی اور وہاں سے لانے کا اجارہ نیز بیع مالیں عندہ بھی ہے ملک کوئی زیور یا انگوٹھی جڑے کو دینا کہ نگینوں کی بیع ہے اور گمانے کا اجارہ وغیر ذلک من المعاملات الرباعیۃ۔

الجواب، تعامل کی وجہ سے کہ بلا تکثیر شائع ہے جو ایک نوع کا اجارہ ہے یہ معاملات جائز ہیں پس نص عام مخصوص البعض ہے جیسا فقہانے صباغی و خیاطی میں اس کی اجازت دی ہے کہ صیغ اور ضبط صانع کا ہوتا ہے اور اس میں اجارہ بھی ہوتا ہے۔ وھذا ظاہر جدا۔ فقط واللہ اعلم،

سوال (۷۰) ۱۔ گھاس خود رو کو کفار یا میرکار سے خریدنا کیسا؟
۲۔ اور کفار کے ہاتھ بیچنا کیسا ہے؟

الجواب۔ ۱۔ درست نہیں، ۲۔ بعض کے نزدیک درست ہے،

۹ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ ص ۲۰)

سوال (۷۱) کاشت کی ہوئی گھاس کو فروخت کرنا۔
فرمایا ہے کہ البتہ اگر پانی دے کر سینچا اور خدمت کی ہو تو اس کی ملک ہو جائے گی

اب بیچنا بھی جائز ہے، اور لوگوں کو منع کرنا بھی جائز،

خدمت کی صراحت فرمادی جائے کہ کس طور کی خدمت یا مالک زمین اگر گھاس کا پھول ڈالے جس کی وجہ سے گھاس اُگے، آیا اس صورت میں بھی گھاس اس کی ملک ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب۔ بدرجہ اولیٰ ملک ہو جائے گی سقی سے غرس کو اس کے حصول میں زیادہ دخل ہے

فی رد المحتار و انھن من ذلک کله وھوان یحتش الکلاء و انبتہ فی ارضہ فھو ملک لہ و لیس

لاحد اخذہ بوجہ محصولہ یکسبہ ذخیرہ و غیرھا ملخصا ج ۱۵ ص ۳۵۳،

۱۰ رمضان ۱۳۳۱ھ (تمتہ خامسہ ص ۹)

اقالہ (واپسی بیع) اور بیع بالخیار

تعریف اقالہ و بیع بالخیار | سوال (۵۲) بیع اقالہ اور بیع بالخیار کی کیا تعریف ہے، اور کیا فقہ میں اس سے بحث کی گئی ہے؟

الجواب، اقالہ یہ ہے کہ ایک بیع تام ہو گئی، پھر مشتری یا بائع پچھتا یا اور دوسرے سے واپسی بیع کی درخواست کی، اور اس نے خوشی سے واپس کر لیا اور بیع بشرط الخیار یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ ہم کو اسی مدت تک واپس کر لینے کا اختیار ہے، یہ تو تعریف ہے، رہی بحث سو بہت سے مباحث اس کے متعلق لکھے ہیں، اگر کوئی خاص امر دریافت کیا جائے تو جواب ممکن ہے۔

۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ثالث ص ۱)

تحقیق حدیث خیار مجلس | سوال (۴۳) روی البخاری فی ص ۲۰۲ حدیث ثنائیۃ ثنائیت عن نافع عن ابن عمر عن رسول اللہ ﷺ انہ قال اذا تبایع الرجلان فکل واحد منهما بالخیار ما لم یتم قرا وکان جمیعاً او یخیر احدهما الآخر (فان خیر احدهما الآخر نسائی) فتبایعا علی ذلک فقد وجب البیع وان تم قرا بعد ان تبایعا ولم یتراء واحد منهما البیع فقد وجب البیع ص ۱۰۱ کتاب البیوع وھذا الروایت مرأھا النسائی بعین ھذا السند ومنتہی سویان زاد لفظ الشرط ثم روی البخاری فی تلك الصفحة عن عبد اللہ بن عمر قال بعث من امیر المؤمنین عثمان الی قولہ قلما تبایعنا رجعت علی عقبی حتی خرجت من بیتہ خشیہ ان یراد فی البیع وکان السنتان المتبایعین بالخیار حتی یتفرقا الخ فقی ھاتین الروایتین المرفوعتین حقیقۃ وحکماً بیان واضعاً لثبوت خیار المجلس وقاطع لكل تاویل ولا یعارضہ ما رواہ النسائی ص ۱۵۵، من عمرو بن شعیب عن ابيه عن جد ان النبی ﷺ قال المتبایعان بالخیار ما لم یتم قرا الا ان یراد صفة خیار ولا یحل لہ ان یفارقھا جبہ خشیۃ ان یرد فیہ ادلان ھذا متکلم فیہ ولو سلمہ نہو لا یعارض الصحیح، ولو سلمہ فھی اشارۃ والاولیٰ کالصریح ادھر یم والاشیاء لا تفوق الصراحتہ واما قول ابن عمر ما درکت الصفۃ حیاً مجموعاً فہو من المتبایع رواہ البخاری ص ۲۰۲ فھذا ان احتمل بہ الطحاوی فہو غیر تام وغیر مفید لنا لانہ لا نقول بمقا اذا الہولاء قبل القبض عندنا یوجب فسخ البیع وكون الهالك من مال البائع لا من

المبتاع فما لا نقول به كيف نختار به فلا يفيدنا الاثبات المتألفه بلين قوله وقطعه فلهما وان تعافيا
بقيت روايته سالمة بل ينبغي ان يؤل هذا الاخير ويؤاد بالصفت الصفت التامة باعتبار
جميع شرائطه ومن شرائطه التفوق بالابدان فنعني هذا القول ما اوردت الصفت بعد
التفريق بالبدن حيا مجموعا فهو من المبتاع فيجوز قول النخعي في الحديث الصحيح مرفوعا
وموقوفاً يهجه الطبع وليستفكره ولا تريد من جابك ذكر ما رواه الشراح او الاحقاف اذ هو من
الحديث الصحيح لا غير بل معاملته مع عثمان تدل على ان تلك السنة كانت مستمرة عندهم
الجواب، هذه الشبهة من شبهات القديمة ولا شك في ان ظاهر الاحاديث هو ثبوت
خيار المجلس لكن لا يصح الحكم بكون المذهب المحتق مخالفاً لاحاديث يقيتاً مادامت
الاحاديث تعقل التأويل ولو كان فيه شيء من البعد ولا يسلم احد من اهل المذاهب
المقبولة عن هذه التأويلات كما حصل بعض الشافعية قوله عليه السلام فاقراً ما تيسر
من القرآن على المقاتلة فانها متيسرة واقرب كالمثل الخفية قوله عليه السلام لا يحل له ان
يفارق حشيتة ان يستقيل رواه الخمسة الا بن ماجه ودرواه الدارقطني كذا في النيل ج ٥
من فقيه دليل ان صاحبه لا يملك الفسنة الا من جهة الاستقالة واما قول المخالفين
انه لو كان المراد حقيقة الاستقالة لم تمنع من المفاصلة لانها لا تمنع ببل جس العقد
فالجواب عنه ان قرب العهد بالعقد لم يدخل مشاهد في تأثر كل من المتعاقدين بالتقاس
الاخر اما قوله لا يحل فمحمول على الكراهة من حيث ان لا يليق بالمرورة وحسن معاشرته السلم
كما اضطر اليه ايضا القائلون بخيار المجلس فان حل المفاصلة اجبا على عندنا وعندهم جميعاً
واما كونه متكلماً فيه فيعتبر فلو كان معارضاً للصحيح ولم يعارض بعد تأويل الصحيح واقرب
التأويلات حمل التفريق بالابدان على الاستحباب تحسيتاً للمعاملة مع المسلم كما ذكر في
تقرير حديث الاستقالة واما قول المخالفين انه لو كان المراد تفريق الاقوال فخلا الحديث
عن القائل وذلك ان العلم محيط بان المشاوي ما لم يوجد منه قبول المبيع فهو بالخيار وكذلك
البائنة خياره في مسكنا ثابت قبل ان يعقد البيع اه فغير ملتفت اليه لان يمكن ان يكون مقصوداً
الشارع نفي بعض يروع الجاهلية من نحو الملاسة والمنازلة فلم يكن غالياً عن الفائدة
واما دعوى كون بعض الفاظ الحديث غير محتمل للتأويل كقوله عليه السلام فان خير احد
الاخر فتبايعا على ذلك فقد وجب البيع وان تفرقا بعد ان تبايعا ولم يترك واحد منهما

البيع فقد وجب البيع اه فمتنوعة لان معنى قوله فقد وجب البيع في الاول اي بشئ الخيار حيث خيار واحد هما الاختار وفي الثاني اي البيع البات حيث لم يشترط فيه الخيار وليس لفظ اصح منه وليس الامام متفرد في هذا بل قد ذهب اليه المنعني والمالكية، والثوري والليث وزيد بن علي وغيرهم كما في النزيل ج ۵ ص ۴۷ و الله اعلم، ۱۰ ربيع الآخر ۱۳۳۳ھ (تمت رابعاً)

سوال (۴۴) ہمارے اطراف میں بساں اس طرح دیا جاتا ہے کہ ایک نرخ میں تو مشتری کو خیار نہیں | کر کے فی روپیہ کے حساب سے چیت کے ادھار غلہ دیا جاتا ہے، اور چیت میں روپیہ لیا جاتا ہے، اس سال بھی ایسا ہی ہوا، مگر سامیوں نے یہ دھوکہ دیا کہ ہماری بڑی پٹی کا یہ حوالہ دیا کہ ان کے یہاں فی روپیہ چھ سیر گندم دیا گیا ہے، اس لئے میں نے بھی اسی نرخ پر دیدیا، مگر اسی روز سہ پہر کو معلوم ہوا کہ مجھے دھوکہ دیا گیا، اور جانچنے پر معلوم ہوا کہ بڑی پٹی میں ساڑھے پانچ سیر گندم فی روپیہ لیا گیا ہے، اب میں چھ سیر کی جگہ ساڑھے پانچ سیر نرخ فی روپیہ رکھ سکتا ہوں یا نہیں، غلہ میرے قبضہ سے نکل گیا ہے، مگر ابھی سامیوں نے کھیت میں نہیں ڈالا ہے، بلکہ گھر پر موجود ہے، میں نے یہ کہلوادیا ہے کہ بڑی پٹی میں ساڑھے پانچ سیر دیا گیا ہے، اب میں نے بھی ساڑھے پانچ سیر بھاؤ کر دیا ہے جس کو یہ بھاؤ منظور ہو رکھے ورنہ میرا گندم واپس کر جاوے، لیکن کسی نے واپس نہیں کیا،

الجواب، في هذه اية فيما يكره من البيوع وعن تلقى الجلب وهذا اذا كان يضرب باهل البلد فان كان لا يضرب فلا بأس به الا اذا ليس السعر على الواردين فحينئذ يكره لما فيه من الغرر والضرر الى قوله وكل ذلك يكره ولا يفسد به البيع لان الفساد في معنى خارج زائد لا في صلب العقد ولا في شرائط الصحة ج ۲ ص ۵۱، اس روایت سے معلوم ہوا کہ سامیوں کو اس دھوکہ دینے سے گناہ ہوا لیکن بیع صحیح ہوگئی، آپ کو نہ غلہ کا واپس کرنا جائز ہے اور نہ دام زیادہ لینا، آپ ان کی تروت کی تحقیق خود کر سکتے تھے، ان پر کیوں اعتماد کیا۔، ۱ محرم ۱۳۳۳ھ (تمت رابعاً ص ۶۱)

سوال (۵۵) کیا حکم شریعت کا ہے اس صورت میں کہ زید پانی پت میں رہتا | مشتری بائع کو بیع کی حالت میں ہے اور عمر دگیا میں، زید نے عمر سے کہا کہ تمہاری جائداد جس کا غلہ لکھا ساٹا کا وصول ہوتا ہے، پانی پت میں ہے، اور پانی پت میں نرخ غلہ ارزاں ہو گیا ہے، ان کے باہمی عقد بیع ہو گیا، بعد بیع عمر کو معلوم ہوا کہ زید نے مجھ کو فریب دیا، غلہ ارزاں فروخت نہیں ہوتا، نوبت بعد اہل پہونچی، عمر نے عدالت میں بیان تحریری دیا کہ زید نے مجھ کو فریب دیا، اور مجھ سے کہا کہ پانی پت میں غلہ منوال ۴۴ نار کا فروخت ہوتا ہے، اور اب معلوم ہوا کہ غلہ دو من سے بھی کم فروخت ہوتا ہے، اس کے بعد یہ

مقدمہ ثالثوں کے پاس آیا، ثالثوں سے عمرو نے بیان کیا کہ زید نے مجھے فریب دیا تھا اور کہا تھا کہ غلہ چار پانچ من فی صدی فروخت ہوتا ہے، اور شہادت سے بھی عمرو نے یہ بات ثابت کر دی کہ زید نے عمرو سے بیشک یہ کہا تھا کہ پانی پت میں چار پانچ من غلہ فی صدی فروخت ہوتا ہے، پس اس صورت میں عمرو کے دونوں بیان جو ظاہر متعارض معلوم ہوتے ہیں، اس کے اثبات دعویٰ کے بھی مقرر اور شہادت کے مسقط ہیں یا نہیں، یعنی فریب چار پانچ من فی صدی کا جو شہادت سے ثابت ہو وہ ثابت رہے گا، یا اول بیان کے معارض ہونے سے ساقط ہو جائے گا، اور شہادت ساقط ہوگی، یا دوسریاں کی مثبت رہے گی۔

الجواب۔ عبارت سوال کی ناکافی ہے، رہانی بیان سے معلوم ہوا کہ مطلب یہ ہے کہ جس من میں اس قدر غلہ حاصل ہوتا ہے یعنی دو من چونٹیس سیر یا دو من سے بھی کم یا چار پانچ من مثلاً وہ جائداد سو روپے کو فروخت ہوتی ہے اور میرے نزدیک عمرو کے ان دونوں بیانات کا تعارض مضر نہیں، کیونکہ جب مقدمہ ثالثوں کے سپرد بتراضی طریق ہو گیا، تو مجلس فقہاء اب اس حکم کی مجلس ہوگی، اور پہلا بیان مجلس قضا سے خارج ہوگا جس کا اعتبار نہیں، اور اس مجلس میں دعویٰ کیا ہے، وہ اور شہادت متوائف ہیں، لہذا پہلے بیان کا تعارض مضر نہیں، لیکن باوجود مضر نہ ہونے کے عمرو کے اصل مقصود کو نافع نہیں، کیونکہ اصل مقصود اس کا خیار فسخ کا حاصل کرنا ہے، جیسا کہ خود اس سوال کی بھی عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔ اور دوسرے پرچے سے جو اس کے ساتھ جواب کی غرض سے آیا ہے زیادہ واضح ہوتا ہے، اس میں بائع کا نام زید فرض کیا گیا ہے، اور اس میں عمرو اس دوسرے پرچے میں خیار فسخ بائع کے لئے نہ ہونا مدلل و مفصل مذکور ہے والشرع واللیل هذا فی الہدایۃ الشہادۃ اذا وافقت الدعوی قبلت دان خالفتمہا لم تقبل و فی حاشیہا بوم من مل علی قولہ کتاب الدحوی فی عرف الفقہاء عبارة عز مطالبۃ حق مجلس من لم الخلاص عند ثبوتہ الی قولہ شرط صحۃ مجلس القضاء فالل دعوی فی غیر مجلس القضاء لا تصح الخ واللہ اعلم، یوم عرفہ ۲۲ شعبان ۱۲۸۳ھ (امداد ثالث ص ۱۲)

تم سوال سابق | سوال (۶)، کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید کی ملکیت کی جائداد جس کا ہے، غلہ سال بھر میں آتا ہے، پانی پت میں عمرو کے قبضہ اور تصرف میں ہے، اور زید گنیا میں رہتا ہے، زید سے عمرو نے گنیا میں جا کر کہا کہ تمہارا غلہ میرے پاس بمقدار بلعہ موجود ہے، زید نے اس کو بلعہ سمجھ کر چودہ سو کو عمرو کے ہاتھ فروخت کر دیا، بعدہ زید کو معلوم ہوا کہ سیری جائداد کی آمدنی میں سے زیادہ ہے، اب عمرو چاہتا ہے کہ یہ بیع باطل قرار دی جائے اور زید کہتا ہے کہ مجھ سے

مقدار کمیت میں تفریب کیا گیا ہے، مجھے خیال فرمے، میں اب اس بیع کو قائم رکھنا نہیں چاہتا
 عمر کا خیال ہے غایہ مافی الباب یہ ہے کہ جو زائد غلہ اس کا ہے اس کی قیمت اسی طرح دلا دی جائے
 کیونکہ بیع ہو چکی تھی، اس مسئلہ کی بابت علماء دین سے سوال ہے کہ اس صورت میں زید بائع کو یہ
 سبب غبن فاحش خیال فرمے یا نہیں؟

سوال دوم یہ ہے کہ نرخ کے اندر فریب دینے سے حق فسخ حاصل ہوتا ہے، یا مقدار بیع کے
 اندر فریب دینے سے بھی حق فسخ حاصل ہوتا ہے؟

الجواب، عبارت سوال کی تکافی ہے، زبانی بیان سے معلوم ہوا کہ صورت سوال یہ ہے کہ بیع
 جائداد کی ہوئی ہے، اور اس کی آمدنی زیادہ غلہ کی ہے، اور مشتری نے دھوکہ دے کر بائع کو کم بتلائی
 جس سے گراں چیز ارزاں فروخت کر دی، اس صورت میں جواب یہ ہے کہ عمر و کو گناہ بہت ہوا، لیکن
 زید کو خیال فرمے حاصل نہیں، البتہ عمر و پر فیما بینہ و بین الشرا و جب ہو کہ زید کی رضا و طیب نفس حاصل کرے،
 ولا مثل هذه في الهداية ومزاياع ما لم يره فلا خيار له، وكان ابو حنيفة يقول اولاً له الخيار اعتباراً
 الخيار القيب وخيار الشرط وهذا لان لزوم العقد بتمام الرضا زوالاً وثبوتاً ولا يتحقق ذلك الا
 بالعلم بما وصف المبيع وذلك بالرؤية فلم يكن البائع راضياً بالزوال ووجه القول المرجوع اليه
 انه معلق بالشراء لما روي في لا يثبت دونه وروى قال الزيلعي اخبرني الطحاوي ثم البیهقي عن علقمة
 ابن ابی وقاص ان عثمان بن عفان رضي الله تعالى عنه باع ارضاً بالبصرة من طلحة بن عبد الله في قيل
 لطلحة انك قد غبت فقال لي الخيار لاني اشتريت مالاً ره وقيل لعثمان انك قد غبت فقال لي
 الخيار لاني بعت مالاً ره فحكما بينهما جبير بن مطعم فقضى بالخيار لطلحة وكان ذلك بحضور من حضر
 اه قلت لما لم يثبت الخيار للبائع مع عدم رويته لذات المبيع ففي عدم روية الوصف الذي هو
 الربيع اولى كما هو ظاهر فيها وان تلقى الجلب وهذه اذا كان يضر باهل البلدة فان كان لا يضر
 فلا بأس به الا اذا البس السعر على الواردين فحينئذ يكره لما فيه من الغرر اه قلت ومطلو القحى و
 الكراهة يفيد التحريم وهذا دليل كونه فعل هذه المشتري حراماً وفي الحديث الا لا يجل مال
 امرئ الا بطيب نفسه قلت والى لا يحضر في مخرجه الا زهود ليل على وجوب رضا البائع ثم
 ديانة والله اعلم۔

(جواب سوال دوم) اگر یہ سوال بھی متعلق سوال اول کے ہے جیسا کہ ظاہر ہے تو سمجھ لینا چاہئے
 کہ یہ فریب نرخ ہی میں ہوا ہے، مقدار بیع میں نہیں ہوا اور اس کا جواب گزر چکا، اور اگر مقدار بیع کو مستقلاً

پوچھنا ہے تو جواب یہ ہے کہ اگر بیع جائداد بیعتی عقار ہے اور ثمن جملہ ٹھیکہ ہے تو بعد میں مقدار زیادہ معلوم ہونے سے بائع کو خیار نہیں ہوتا۔ فلیہذا یترو من اشتری ثوباً علی انہ عشرۃ اذرع بعشرۃ او ارضا علی انہا مائۃ ذراع فوجدھا اقل فالمشتری بالخیار ان شاء اخذھا بجملۃ الثمن و ان شاء ترک و ان وجدھا اکثر من الذراع الذی سماہ فهو للمشتري ولا خیار للبائع ثم الخ، واللہ اعلم
یوم عرفہ ۱۳۲۲ھ (امداد ثالث ص ۱۳)

بیع مسلم (بدھنی)

مسلم الیہ کو بیع کے لئے وکیل بنانا اور بدھنی | سوال (۷۷) یہاں شیرہ کی تجارت کی صورت یہ کہ کھنسل کے وقت مسلم فیہ کے موجود ہونے کی شرط والوں کو قبل فصل شیرہ کے پیشگی روپیہ دیدیا جاتا ہے، اور نرخ اسی وقت قرار پاتا ہے کہ ہم فصل میں اس نرخ سے فیہ لیں گے، اور اتنا روپیہ دیتے ہیں، اس روپیہ کا اس نرخ سے زیادہ لیں گے، یہ بات قرار پاتی ہے، جب فصل آئی اور جو بھی نرخ ہوا مالک شیرہ خود ہی جتنا شیرہ نکلتا جاتا ہے، خود اس ہی نرخ سے فروخت کرتا رہتا ہے، اور تعداد میں فروخت ہو جانے پر حساب کر دیتا ہے، مثلاً زید نے عمر کو سو روپے دیئے اور یہ بات قرار پائی کہ چھ سیر کا شیرہ چھ سو سیر ہمارا رہا، جب فصل آئی اور شیرہ اب میں سے نکلتا گیا اور نرخ تین سیر ہو گیا تو مالک اس کو بحساب تین سیر فروخت کرتا رہا، جب چھ سو سیر نکل چکا تو اس نے حساب کر دیا؟
الجواب، فی الدر المختار فی السامع شرط دوام وجودہ و فیہ شرط حملہ الی منزلہ بعد الایفاء فی المكان المشترط المیصع لاجتماع الصفتین الاجارۃ والتجارۃ و فیہ لا یجوز التصرف الی قولہ ولا لرب المسلم فیہ قبل قبضہ، پس اولاً قبل فصل سلم ٹھیکہ جاتا جائز نہیں للروایۃ الاولیٰ اور اگر بعد فصل ٹھیکہ میں تو جب تک شیرہ پر خود رب المسلم قبضہ نہ کرے اس میں تصرف کرنا جیسے بیع کرنا خواہ خود خواہ بذریعہ وکیل غیر قابض جائز نہیں، اور یہاں وکیل بائع ہے جس کا قبضہ بجائے خود رب المسلم نہیں، اسلویہ بیع من جانب رب المسلم نہیں، للروایۃ الثالثہ، اور اگر خود رب المسلم بھی قبضہ کرے تب بھی یہ شرط ٹھیکہ ان کہ مسلم الیہ بیع کرایا کریگا، شرط زائد ہے، اور صفقہ تو وکیل کا صفقہ سلم کے ساتھ جمع کرنا ہے، اس لئے جائز نہیں، للروایۃ الثانیۃ، البتہ اگر فصل میں مسلم فیہ موجود ہو اور وکیل مشرطہ ہو، اور بعد تیاری شیرہ قبضہ کر کے بتوکیل جدید مسلم الیہ کو وکیل بنا دے، فقط واللہ اعلم، ۴ شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد ثالث ص ۱۳)

سوال (۷۸) زید نے بدھنی کی یعنی بیس روپے اس عقد بائع کے مرنے سے معاملہ قائم رہتا ہے | پر عمرو کو دیئے کہ پانچ سال میں فی سال دو من گیہوں کے حساب سے دس من گیہوں ادا کرے، ایک سال کے بعد دو من گیہوں کچا اناج ادا کر کے زید کا انتقال ہو گیا اب سوال یہ ہے کہ زید کے ورثہ عمرو سے آئندہ چار سال میں عقد سابق کے موافق آٹھ من گیہوں وصول کر سکتے ہیں یا نہیں، غرض احدا المتعاقدين کی موت سے معاملہ و معاہدہ سابق فسخ ہو جائے گا یا باقی رہے گا اسی طرح عمرو کے انتقال ہونے سے عمرو کے ورثہ پر زید کا تقاضا چلے گا یا نہیں یا دونوں صورتوں میں اصل روپیہ کا مطالبہ اور ادا واجب ہوگا؟

الجواب، فی الدار المختار، ویبطل الاجل بموت المسلم الیہ لا بموت رب المسلم فیؤخذ المسلم قبضہ من ترکته حالاً لبطلان الاجل بموت المدا یون لا الدائن الخ اس روایت سے معلوم ہوا کہ صورت مسئلہ میں زید کے مرنے سے کہ وہ رب المسلم ہے عقد بجالہ رہے گا زید کے ورثہ عمرو سے موافق عقد کے وصول کریں گے، اور عمرو کے مرنے سے کہ وہ مسلم الیہ ہے میثاق باطل ہو جائے گی، بقیہ گیہوں عمرو کے ترکے سے وصول کر لئے جائیں گے، (تمتہ اولیٰ ص ۱۶۶)

سوال (۷۹) روپیہ پیسے میں بیع سلم درست ہے یا نہیں یعنی ایک شخص نے کسی مدیون کو آج دس روپے دئے، ایک سال بعد پچاس روپے کے پیسے دینا ہوگا، اسی طرح کا بیع سلم درست ہے یا نہیں، اس مسئلہ میں نزاع ہے لہذا جواب کو مع حوالہ کتب تحریر فرمائیے۔

الجواب، اگر مقصود صرف مبادلہ فلوس و روپے ہی کا ہوتا، تو بوجہ عدم بائع کے یہ بیع درست ہوتی، لیکن مقصود تو یہاں دوسرا ہے، یعنی سود ایک حیلہ سے لینا اس لئے یہ جائز نہ ہوگا، جس طرح فقہاء نے بیع علیتہ کو باوجود انطباق علی قواعد الجواز کے اسی وجہ سے حرام کہا ہے، و ہذا ظاہر جہداً،

۲۲ سوال منسلک (تمتہ اولیٰ ص ۱۶۷)

سوال (۸۰) ایفون کی کھیتی کرنا اس طریقہ سے کہ اس کا خریدنے والا انگریز جو اس تخم بربری کے زمانہ میں پیشگی کچھ خرچ دیتا ہے، اور جب پھول تیار ہوتا ہے تو پھلوں کو توڑ کر مٹی کے تادہ میں جو مثل تنور کے ہے گرم کر کے اس پر پھلوں کو بچھا کر کپڑوں کی گڈی سے اس کو دباتے ہیں تو بھاپ سے وہ یا ہم سمٹ جاتا ہے، مثل روٹی کے تو اس کو دھوپ میں سکھلاتے ہیں اور جب ایفون تیار ہوتا ہے تو ایفون اور روٹی دونوں اس کے طلب پر تول کے حساب سے فروخت

کراتے ہیں، اور وہ اپنا دیا ہوا پیشگی لے لیتا ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جبروا عند الجلیل،
الجواب - یہ سلم ہے، اگر سب شرائط جواز پائی جاویں تو جائز ہے،

۱۸ جمادی الثانی ۱۳۳۷ھ (حوادث اول ص ۱۰۰)

تحقیق معنی انقطاع | **سوال** (۸۱) دیار بنگالہ کے آدمی وہاں پر بیع سلم کرتے ہیں، ساتھ ساتھ
در بیع سلم معین مع شرائط مذکورہ شرع کے، لیکن ان ملکوں میں ایسا کوئی بازار نہیں ہے، کہ ہر روز
ہر وقت میں بیع و فروخت کی جائے، البتہ اندرون ہفتہ کے جلے واحد میں دو دن بازار قائم ہوتا ہے،
اور اطراف و جوانب کے بازاروں کے حساب سے ہر روز بازار بھی پایا جاتا ہے، اور اکثر مقررہ بازاروں
میں وقت معین پر شالی وغلہ کثرت سے بیع و فروخت ہوتا ہے اور بعض بازاروں میں نہیں، اور کوئی بازار
اور کوئی دکان اور گدام ایسا نہیں ہے کہ جہاں ہر روز وہر وقت خرید و فروخت کی جاوے، البتہ وقت
خاص اور معین پر موجود ہوتا ہے، لیکن ہر محلہ اور ہر بستی میں ہر وقت بلا قیل و قال خرید و فروخت
جاری ہے جس وقت چاہے اس وقت بل سکتا ہے، اور بہت لوگ بہ نیت تجارت کے اپنے گھروں
میں خرید کر گدام معمور رکھتے ہیں، اور فروخت بھی کرتے ہیں، اور کوئی عالم علمائے سلف و خلف سے
آج تک مانع و غیر مجوز نہیں ہوا، بلکہ علمائے محققین سابقین و حال کے فقہی و تحریرات جائز اور درستگی
پر پائے جاتے ہیں، مگر اس وقت ایک شخص ان ملکوں کی بیع و سلم کو بالکل حرام و ناجائز بیان کرتا ہے
اور دلیل لاتا ہے کہ بازار میں گدام ہونا شرط ہے، اور اس گدام میں ہر وقت خرید و فروخت پایا جانا
ضروری ہے، اور محلوں اور گھروں کے گدام کی خرید و فروخت کو درست جائز نہ ہوگا، اب علماء محققین
کی خدمت میں التماس ہے کہ اس صورت مرقومہ الصلہ کے ساتھ ان ملکوں کی بیع سلم وہاں پر درست
و جائز ہو سکتی ہے یا نہیں، بحوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمادیں، بینوا تو جبروا۔

الجواب، فی الدار المختارہ منقطع لا یوجد فی الاسواق من وقت العقد الى وقت الاستحقاق
ولو انقطع فی اقلیم دون اخر لم یجز فی المنقطع، فی الدار المختارہ من الانقطاع ان لا یوجد فی الاسواق
وازکان فی البیوت کذا فی التبیین، شریب اللہ و مثله فی الفتح والبحر والفرق فیہ لم یجز فی المنقطع
ای المنقطع فیہ لانه لا یمکن احضارہ الا بشقۃ عظیمۃ فیعجز عن التسليم بحجۃ ۴، ص ۳۱۴، ۳۱۵
اس روایت سے معلوم ہوا کہ صورت مسکول عنہا میں سلم جائز ہے، اور فی البیوت کے معنی ہیں کہ اس کا
بقیمت ملتا سہل نہ ہو، اور جب وہ ہر وقت بقیمت مل سکتی ہے تو جائز ہے، بلکہ فی اقلیم دون آخر سے معلوم
ہوتا ہے کہ اگر خاص اس بستی میں بھی نہ ملے مگر قرب و جوار میں مل سکے تب بھی جائز ہے، ۳ محرم ۱۳۳۷ھ (تمہ البیوع ص ۳۱۵)

بیع صرف اور الج الوقت سکوں نوٹوں کی بیع

(سوئے چاندی کی بیع)

روپیہ کا تبادلہ پیسوں سے | سوال (۸۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں اور کچھ پیسوں پر قبضہ کہ مبادلۃ الرہیہ بالفلوس بایں طور کہ احد المتعاقدين نے روپیہ بالفعل دیا، اور آخر نے روپے کے کچھ پیسے بالفعل دیئے، اور کچھ پیسے ادھار رکھے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، یہ مسائل مصرح و مسلم ہیں۔ بیع معدوم باطل ہے بجز سلم کے یا سلم کے شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اقل مدت اس میں تسلیم سلم فیہ کے لئے ایک ماہ ہونا چاہئے، اور سلم فیہ بالفعل نہ دیا جاوے، یا قدر و جنس میں سے اگر دو چیزیں ایک وصف میں بھی متحد ہوں تو تفاضل جائز اور نسبیہ حرام ہے، ملا جو مباح ذریعہ غیر مباح کا بنے ناجائز ہے، عہ قرض میں مطالبہ مثل کا استحقاق ہوتا ہے، اب مبادلہ مسئلہ میں کئی صورتیں ہیں، ایک یہ کہ روپیہ قرض دیا گیا، اور یہ شرط بھی کی کہ اس کے عوض میں اتنے پیسے لیں گے یہ ناجائز ہے، خواہ پیسے کم ہوں یا زیادہ حسب مسئلہ ۵، دوسرے یہ کہ قرض نہیں دیا گیا، بلکہ مبادلہ مقصود ہے، اور دوسرے شخص کے پاس پیسے موجود نہیں ہیں یہ بھی ناجائز ہے خواہ پیسے کم ہوں یا زیادہ حسب مسئلہ ۷ تیسرے یہ کہ پیسے موجود ہیں مگر اس وقت کسی وجہ سے لئے نہیں، پس اگر تانبے کا وزنی ہونے کا لحاظ کیا جاوے تو روپیہ اور پیسے متحد القدر نہ ہوں گے، ان میں نسبیہ جائز نہیں خواہ پیسے کم ہوں یا زیادہ حسب مسئلہ ۳ اور اگر اس کے وزنی ہونے کا اعتبار نہ کیا جاوے خواہ اس وجہ سے کہ اصطلاحاً یہ محدث ہے، خواہ اس وجہ سے کہ اس کے وزن کے باٹ چاندی تولنے کے باٹ سے مختلف ہیں تو یہ مبادلہ جائز ہے کما اختلف الشیخان و محمد، چوتھے یہ کہ مبادلہ سلم مقصود ہے، لیکن کچھ پیسے اس وقت لئے لئے یا ایک ماہ سے کم مدت مقرر ہوئی یا کچھ مدت مقرر نہیں ہوئی تب بھی ناجائز ہے حسب مسئلہ ۷، پانچویں یہ کہ دونوں طرف موقوف علیہ موجود ہوں، اور اس کے وزنی ہونے کا لحاظ نہ کیا جاوے لیکن زیادہ لینے میں فتح باب ربو کا اندیشہ ہو تب بھی ناجائز ہے حسب مسئلہ ۷، چھٹے یہ کہ صورت سلم میں اندیشہ ربو کا نہ ہو تب جائز ہے لعدم الحاضر، واللہ اعلم، ۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۵ھ (امداد خاص) ۲

پیسوں کا بدلہ روپیوں سے | سوال (۸۳) تعلیم الدین کے صفحہ ۳ میں ہے، اکثر روایح، کہ روپیہ دے کر کچھ پیسے لیتے ہیں، اور کچھ پیسے گھنٹہ بھر کے بعد لیتے ہیں، یہ معاملہ جائز نہیں ہے، انتہی، اور نظامہ یہ مخالف درمختار اور عالمگیری کے ہے، بالتفصیل ارقام فرمایا جاوے۔ عبارت عالمگیری یہ ہے ص ۱۶

جلد ثالث مطبع کشوری فی الفصل الثالث فی بیع الفلوس واذا اشتری الرجل فلوساً بدراهم
ونقد الثمن ولم یکن الفلوس عند البائع فالبیع جائز وکک لو افرقا بعد قبض الفلوس قبل
قبض الدراهم کذا فی المبسوط وردی الحسن عن ابی حنیفۃ رھ اذا اشتری فلوساً بدراهم ولیس
عند هذا فلوس وکذا عند الاخر دراهم ثمان احد همد فم وتفرق جلد واز لھرینقد واحد منها
حتی تفرقا لم یجز کذا فی المحيط النقی وعبارت در مختار این ست جلد ثالث باب الربو باع فلوساً
بمثله اوبد دراهم اوبد نانیلر فان نقد احد همد اجازاً نقی اور اس مقام پر شامی میں کچھ تفصیل ہے
وہ بھی ذرا بسط سے ارقام فرمائیے۔

الجواب، اصل میں اس مسئلہ میں قدمے تفصیل ہے جس کو باعتبار عادت غالبہ کے غیر ضروری سمجھ کر
مصرح نہیں لکھا، وہ تفصیل یہ ہے کہ کچھ پیسے اور دھارہ بدلنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اس شخص کی ملک
میں پیسے موجود ہیں، مگر بالفعل اس کے پاس اپنی اس کے قیضہ میں نہیں، دوسرے یہ کہ خود ملک ہی میں نہیں
حکم عدم جواز کا جو میں نے لکھا ہے، وہ دوسری صورت کا ہے، کیوں کہ یہ بیع المعدوم ہے، جس میں
صرف بیع سلم کی اجازت ہے، اور یہاں شرائط سلم متحقق نہیں، اور پہلی صورت میں چونکہ بیع المعدوم
لازم نہیں آتی، لہذا وہ جائز ہے، یہ تفصیل ہوئی، باقی اس کی تصریح نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عوام کی عادت
غالب یہی دوسری صورت ہے، اس لئے سداً للذائع مطلقاً لکھ دیا ہے، باقی روایات جو نقل فرمائی
گئی ہیں ان کا حاصل صرف اتنا ہے کہ تقابض شرط نہیں، سود میں بھی اس کا قائل ہوں، چنانچہ صورت
اولیٰ کو جائز کہتا ہوں، اور تقابض کے عدم اشتراط سے بیع کے مملوک للبائع ہونے کا عدم اشتراط لازم
نہیں آتا اور دوسری صورت میں یہی لازم آتا ہے، پس ملازمتی کا بیع المعدوم ہونے کا اشتراط تقابض،
واللہ اعلم، ۱۸ ربيع الثاني ۱۳۲۵ھ رتمة اولیٰ ص ۱۵۱

سوال (۸۴) صفائی معاملات مسئلہ سطرہ پر تحریر ہے۔ اسی طرح جس جگہ
صفائی معاملات چاندی کو چاندی کے بدلے یا سونے کو سونے کے بدلے کم و زیادہ کر کے بیچتا ہو مگر حیلہ جواز کے لئے
کم جانب میں ایک پیسہ یا ایک پائی مثلاً ملا لیں کہ جس کی قیمت اس قدر نہ ہو جس قدر دوسری طرف
زیادہ مال ہے یہ بھی مکروہ ہے کذا فی الہدایہ اور بہشتی زیور میں کسی جگہ در باب بیان سود یہ تحریر ہے
کم جانب پیسہ ملا لیں یا دونوں شخص ایک ایک پیسہ ترا دو کے پلٹے میں رکھ دیں تو جائز ہوگا ان
دونوں عبارتوں کا مطلب اور فرق کیا ہے۔

الجواب، اس میں تفصیل یہ ہے بدین کی قیمت عرفاً اگر متقارب ہو اس وقت تو یہ حیلہ

جائز ہے اور اگر متفاوت بتفاوت فاحش ہو تو ناجائز ہے، ہدایہ میں۔ دوسری صورت ہے۔
کمایدل علیہ قولی جس قدر دوسری طرف زیادہ مالی ہے اور بہشتی زیور میں پہلی صورت۔

۱۸ رجب ۲ ۱۳۳۹ھ

سوال (۸۵) پیسوں کا بدلہ روپے سے | بقال نقد روپیہ لے کر پیسے ۱۳ گنڈے دیتے ہیں اور
ادھار ہو تو ۱۳ گنڈے دیا کرتے ہیں۔ دو آتی چو آتی نہیں دیتے اس کا کیا حکم ہے،
الجواب، پیسے بیع اور روپیہ شمن قرار دینے سے یہ صورت جائز ہے۔

۱۰ رمضان ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالث ص ۱۴۶)

سوال (۸۶) کسی زیادتی کے ساتھ نوٹ کی بیع | چاندی خریدنے میں جس طرح روپیہ کے ساتھ
میں ایک طرف پیسے لالینا کافی نہیں | بحیال تبدیل جنس پیسہ ملا لیا کرتے ہیں، ایسے ہی اگر نوٹ یا کوٹھی
کے روپیہ جمع شدہ کی بیع میں کریں، نیز ریزگاری خریدنے میں جو صرف کے یہاں وہ جاوے، اسے پیسہ
تصور کریں تو کیا قباحت ہے، فقط

الجواب یہ حیلہ تو بیع بدایہ میں ہو سکتا ہے کہ اس میں مماثلت شرط نہیں، اور نوٹ
اور کوٹھی کے جمع شدہ روپیہ کی بیع درحقیقت حوالہ ہے، کہ قرض میں داخل ہے جس کا حکم مماثلت ہے
اور اس خیلہ میں وہ قائم ہے، لہذا درست نہیں، یہ جب ہی کہ کسی پیشی پر معاملہ کیا جاوے ورنہ علی السواء
مضانقہ نہیں کہ عدم مماثلت عقد میں شرط نہیں ٹھہرائی اور ادا کے وقت استبدال جائز ہی ہے، اور
ریزگاری کے معاملہ میں اگر بقیہ کو پیسہ تصور کیا جاوے تاہم معدوم ہے لہذا قیاس مع القارق ہے (تمتہ اولیٰ ص ۱۵۱)
سوال (۸۷) مبادلہ روپیہ ریزگاری | روپے کی ریزگاری مثلاً ایک انٹنی اور ایک چونی اور ایک
وقت تفاوت وزن | دو ٹی لیستا جائز ہے یا نہیں، جب کہ روپے کے مقابلہ میں ان ریزگاری کا وزن برابر ہو؟

الجواب، چونکہ اصل وضع میں ریزگاری اسی انداز سے بتائی جاتی ہے کہ ایک روپے کے برابر
ہو اور تفاوت کسی عارض فرسودگی وغیرہ کی بہت شاذ و نادر ہوتا ہے جو یقینی نہیں پھر وہ بھی اس قدر
قلیل کہ اس کی کوئی متعذوبہ قیمت نہیں۔ اس لئے بقاعدۃ الیقین لا یزول بالشک والتا در کامل معدوم
وجزئیہ در مختار و ذرۃ من الذهب و فضۃ مما لا یدخل تحت الوزن بمثلہا فجاز الفضل لفقد
القدار مصریہ ۲۷ ص ۲۸۰، اس تفاوت کا اعتبار نہیں اور اگر کسی مقام پر زیادتی یقینی ہو تو زیادہ
کو زبان سے معاف کر لے فالمدار المختار عن العاصمۃ دیباع درہما بدرہم واحد ہما اکثر و ذنا فحللہ

زیادہ جاز الخ ۲ ص ۲۸۵ ۱۹ محرم ۱۳۳۲ھ (حوادث ۱ و ۲ ص ۱۲۶)

حکم کی بیشی درنوٹ دہندی | سوال (۸۸) کیا ارشاد فرماتے ہیں علماء دین و حامیان شرع متین اس باب میں کہ زید نے عمرہ کے ہاتھ ہزار روپے کے نوٹ گیارہ سو روپے کے بدلے

فروخت کئے، اور عمرہ مشتری نے زید بائع سے کہہ دیا کہ ان نوٹوں کا زر ثمن یعنی گیارہ سو روپے چھ ماہ کے بعد اکڑوں گا تو ارشاد فرمائیے کہ یہ بیع جائز ہے یا نہیں، اور زید کے لئے سو روپے زائد سود ہونگے یا نہیں اور یہ بیع باطل ہے یا فاسد، یا جائز، ایک صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ جنس بدل گئی اس لئے یہ معاملہ جائز ہے، اور زید کو عمرہ سے گیارہ سو روپے چھ ماہ کے بعد لینا جائز ہے؟ غایت فرما کر مفصل بجوالہ کتب جواب با صواب تحریر فرمائیے، فقط ملینوا، توجروا،

(۲) اگر سو روپے کے کوئی شخص نوٹ یا بیڈ کسی کے ہاتھ سو سے کم یا زیادہ کو بدلے یا فروخت کرے تو کیسا ہے، بینوا توجروا،

الجواب، معاملہ نوٹ حوالہ ہے بیع نہیں، اس لئے یہ دونوں صورتیں حرام اور سود ہیں، کمی بیشی جائز نہیں، اور یہ بہت ہی ظاہر ہے، حوادث اول ص ۸

حکم کی بیشی درنوٹ دہندی | سوال (۸۹) ایک شخص مسلمان مالدار ہے، جب کوئی شخص اس سے مثلاً نقدی قرض ایک سو ساٹھ روپے لینے کے واسطے آتا ہے تو وہ اس طریق سے قرض دیتا ہے کہ ایک پڑا جس کی قیمت دس روپے ہے، پچاس روپے اور بڑھا کر گویا ساٹھ روپے میں خرید کر کو دیتا ہے، حالانکہ مشتری بھی اس بات کو جانتا ہے کہ یہ چیز دس روپے کی ہے، اس کے ساتھ میں ایک سو روپیہ اور دیتا ہے۔ پھر پوچھ مقررہ یہ جملہ ایک سو ساٹھ روپے لیا جاتا ہے، شخص مذکور کو کپڑے کی ضرورت نہیں ہوتی، مگر وہ مجبوراً طریقہ مذکورہ بالا کو اپنی حاجت روائی کے لئے منظور و قبول کر لیتا ہے۔ اور دوسری صورت قرض مسطورہ شرح صدر یہ ہے کہ ایک سو روپے کا نوٹ ایک سو ساٹھ روپے میں دیا جاتا ہے، ان دونوں صورتوں میں یہ مزید روپیہ لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب، قصد و نیت تو بالکل سود لینے کی ہے، اس لئے باطناً بھی حرام ہے اور مشروط بقبول البیوع بھی اس لئے ظاہراً بھی حرام ہے، غرض کسی طرح یہ معاملہ حلال نہیں اور نوٹ کا مذکورہ فی السؤال کا حرام ہونا تو اس سے زیادہ صریح ہے، فقط

۲ زیج الاول ۱۳۲۷ھ (تمہ اولیٰ ص ۱۶۸)

مدیون کا مال قرض کے طور پر | سوال (۹۰) زید کا روپیہ اصل عمرہ کے ذمہ باقی ہے اور مدت رعایت سے منسوخ نہ ہو۔ مہلت گزر چکی، زید نے کہا کہ اگر تمہارے پاس روپیہ نہیں ہے تو مال تمہارا

پاس بہت موجود ہے، ہمارے پاس روپیہ نہیں ہے تم قرض اپنا مال ہم کو دیدو مگر مال ہم خود دیکھ کر لیں گے اور جو ہم نے دیا تھا وہ مال نہ لیں گے، اس وقت جو مال تمہارے پاس موجود ہے اس میں سے چھانٹ لیں گے، اور نہ تمہاری خرید پر لیں گے بلکہ جیسا چچے گا وہ لیں گے، عمرو نے کہا اچھا لیلو زید نے عمر سے مال خریدا اور کہا کہ قرض ہمارے ذمہ ہے، ہم دو چار روز میں اس مال کا روپیہ دیدیں گے، عمرو نے کہا کہ اچھا پھر زید نے کہا کہ اب ہمارے اس مال کو اگر تم منافع سے خریدتے ہو تو خرید لو، عمرو نے کہا کہ میں ص کے منافع سے خریدتا ہوں مگر روپیہ ایک ماہ میں دوں گا، زید نے کہا اچھا لے لو، زید نے اپنے قبضہ سے عمرو کے قبضہ میں دیدیا شمار کرادیا۔

الجواب، یہ حرام ہے کہ ادھار کی یہ رعایت (جیسے کہ زید کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے، اگر تمہارے پاس روپیہ نہیں ہے تو مال تمہارے پاس بہت موجود ہے ہمارے پاس روپیہ نہیں ہے، تم قرض اپنا مال ہم کو دیدو) بوجہ عمرو کے بدلے ہونے کے ہے البتہ یہ جائز ہے کہ زید کا جتنا روپیہ عمرو کے ذمہ رہ گیا ہے اس کے عوض میں مال اس طرح خرید کرے کہ وہ روپیہ مجرا ہو جاوے پھر عمرو کو اختیار ہے خواہ اس مال کو خریدے یا نہ خریدے، ۲۰ محرم ۱۳۳۳ھ (تمہ اولیٰ ص ۱۶۳)

نوٹ کی بیع کی صورتیں | سوال (۹۱) نوٹ کی بیع تین طرح سے کی جاتی ہے، پہلا طریقہ دس کا نوٹ دس کو، دوسرا طریقہ دس کا نوٹ پونے دس کو، تیسرا طریقہ پونے دس کا نوٹ دس کو، نوٹ روپے بارہ آنے کے پیسے اس میں کون سی صورت جائز ہے؟

الجواب، اول جائز، ثانی اور ثالث ناجائز، (تمہ اولیٰ ص ۱۶۹)

نوٹ کا سک ہونا | سوال (۹۲) نوٹ کاغذی سکتا ہے، مثل اور سکوں کے یا نہیں؟

الجواب، نہیں، ۱۱ رجب المرجب ۱۳۳۳ھ (تمہ اولیٰ ص ۱۶۹)

حکم کی بیشی درنوٹ و ہنڈی | تتمہ سوال (۹۳) و علیٰ ہذا ان دونوں کو دے کر ان کی قیمت یا درمبادلہ اشرقی، دو چار روز کے بعد لینا؟

الجواب، یہ درست ہے۔ (تمہ اولیٰ ص ۱۶۹)

سوال (۹۴) والد صاحب قبلہ نے ایک عرصہ سے منی آرڈر بھجنا چھوڑ دیا ہے بجائے اس کے نوٹ بھیجتے ہیں، نوٹ جہاں جاتے ہیں وہ اس کو فی سیکڑا کچھ آٹوں کی کمی سے لیتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب۔ نوٹ کمی سے لینا دینا دونوں ناجائز ہیں۔ مگر میرے نزدیک اس کی تبدیلی میں

حرمت و خباثت پیدا نہیں ہوتی، اس کی وجہ محتاج تطویل ہے ورنہ لکھ دیتا (امداد ثالث ص ۳۱)

سوال (۹۵)۔ عہد کے یہاں نمک کی تجارت ہوتی ہے، اور تین جگہ کارخانہ ہے، ایک آڑتی

بہت معتبر مل گیا ہے، اس نے روپے بھیجنے کی سبیل یہ رکھی ہے کہ جب مال فروخت ہو جاوے تو نوٹ بھیج دیتا ہے، ایک بار میرے ذمہ اس کے روپے چاہتے تھے بوجہ دیر میں پہنچنے روپے کے اس نے سود لگایا تو بندہ نے اس کو سود نہیں دیا اور یہ لکھا کہ ہمارے مذہب میں سود لینا اور دینا دونوں ناجائز ہیں اس لئے ہم معاملہ سود کا ہرگز نہیں کر سکتے، اس نے لکھا کہ ہم سود نہیں لیں گے، اور یہ بھی معاملہ طے ہو گیا کہ سود کا لین دین کبھی نہ ہوگا، البتہ جب نوٹ بھیجتا ہے تو کمی کے ساتھ بھیجتا ہے، مثلاً فی سیکرہ دولہ یا تین آنہ کا ٹکڑا ہے، ان کے یہاں کٹ کی شرح مختلف اوقات میں مختلف طور سے معین ہوتی ہے، اور کچھ حصہ ہمارے روپے میں سے گو سالہ کے نام کا بھی کاٹتا ہے، اور ہماری ہی تخصیص نہیں، بلکہ ان کے یہاں کا قاعدہ ہر ایک سے بھی ہے، سو بندہ یہ دریافت کرتا ہے کہ یہ امر دونوں جائز نہیں معلوم ہوتے، اس کے بارہ میں کیا کیا جاوے۔۔۔۔۔۔ اگر اس سے یہ کہا جاوے کہ یہ معاملہ ہم نہیں کریں گے تو وہ ہرگز نہ مانے گا، کیونکہ نوٹ میں کمی ان کے یہاں سود میں شمار نہیں، اور گو سالہ کی نسبت بھی نہیں مان سکتا کیونکہ صرف ہمارے لئے قانون جدید نہیں معین کرے گا، تو اب کیا حیلہ کیا جاوے جس سے معاملہ شریعت کے موافق رہے، اور یہ بھی تحریر فرمائیے کہ اگر وہ یہ معاملہ رکھے تو مجھ پر مواخذہ اخروی ہے گا یا نہیں اور نوٹ میں کمی زیادتی صرف مسلمانوں کے درمیان ناجائز ہے، یا جب ایک جانب مسلم ہو اور دوسری جانب کافر تو بھی جائز ہے یا نہیں؟ جملہ امور کو مفصلاً تحریر فرمادیجئے۔

الجواب۔ نوٹ کی حقیقت حوالہ ہے، اور حوالہ میں کمی بیشی جب معروف یا مشروط ہو

رہو البتہ اگر بلا مشروط عرف ہو تو بعض صورتوں میں تاویل صلح کی ہو سکتی ہے، مگر اب ممکن نہیں، میری سمجھ میں تو اس کی تدبیر بجز اس کے کہ نقد روپیہ اس سے لیا جائے اور کچھ نہیں آتی، یا اس پر یہ بات ثابت کر دی جاوے کہ ہمارے مذہب میں یہ سود ہے یا اس کی کچھ آڑھت بڑھا کر حق ٹھیرا دیا جاوے اور یہ کہہ دیا جاوے کہ نوٹ برابر برابر لیا جاوے گا، اور تمہاری کمی اس اضافہ سے پوری کر دی جائیگی اور یہ تدبیر غالباً سہل ہے، رہا گو سالہ کا قصہ سو اگر وہ آڑھتی آپ کا مشتری ہوتا اور آپ اس کے بائع ہوتے تب تو تاویل حط ثمن کے یہ جائز ہو سکتا تھا گویا اپنے روپیہ وہاں دیتا ہے، اور آپ کو ثمن کم دیتا ہے، لیکن آڑھتی وکیل ہوتا ہے وہاں یہ تاویل ممکن نہیں، اس لئے میرے نزدیک اسے یوں سمجھا دیا جاوے کہ حق آڑھت اور حصہ گو سالہ یہ سب مجموعہ حق آڑھت میں شمار کرنا چاہئے، پھر خواہ

تدبیر حفظ از بیع نوٹ بکری و از عاقبت گو سالہ

وہ بھی میں کسی طرح لکھ سکے کچھ حرج نہیں، فقط والشرائع علم، (امداد ثالث ص ۳۱)

سوال (۹۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک جگہ پر مسجد کا روپیہ جمع ہے، انجمن کا خیال ہے کہ کوئی جیلہ ایسا قائم ہو جس سے اس روپے کی ترقی ہو، اور انجمن کو نفع ہو، لیکن سود تو اس روپے کا لے نہیں سکتے وہ تو بالکل حرام ہے، لیکن عمر و کہتا ہے کہ صورت مستفسرہ میں نوٹ کا لین دین بحیثیت بیع و شراہ ہے تو چونکہ نوٹ اور روپیہ دونوں ایک جنس سے نہیں، اس لئے اگر ہزار روپے کا نوٹ گیارہ سو روپے یا کم و بیش نقد میں یا ہزار روپیہ نقد گیارہ سو یا کم و بیش کے نوٹ میں ایک مدت معین کے وعدہ پر ادھار خریدایا بیچا جاوے تو اس کا خریدنا جائز اور اس کا نفع حلال ہے فتح القدیر میں، ولوباع کاغذہ بالف بجز ذلک لیکرہ امزید کہتا ہے اوپر کے مسئلہ کی صورت بیاج کی ہے، اس لئے حرام ہے، اس مسئلہ کی سخت ضرورت ہے، بہت جلد جواب دیں، مع ثبوت حدیث و فقہ کے مولانا..... صاحب و مولانا..... صاحب جائز کہتے ہیں، قاضی صاحب مفتی بھوپال حرام کہتے ہیں، اس لئے حضور سے دریافت کی ضرورت ہوئی۔

جواب: مفتی صاحب بھوپال کا قول حق ہے اور فتح القدیر کی عبارت کے استدلال باطل ہے وہاں کاغذ بیع ہے، اور نوٹ بیع نہیں ہے، سند حوالہ ہے، ۱۲ جمادی الثانیہ ۱۳۱۳ھ (تمہ فامہ ص ۵۴) **سوال (۹۷)** حکم خریدن نوٹ و سادرن کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ معروضہ تحت میں وہو ہذا، زید کو ضرورت نوٹ اور سادرن سکے رائج کی ہے، نوٹ سو روپے کا خالی روپے بارہ آنے کو اور سادرن پندرہ روپے کی سولہ روپے چار آنہ کو ملتی ہیں، نوٹ کی خرید سے فیصدی چار آنے کا نفع اور سادرن کی خرید پر فی سادرن ایک روپیہ چار آنہ کا نقصان ہے۔ یہ بیع و شراہ جائز ہے یا نہیں؟ **جواب:** نوٹ کا یہ معاملہ ناجائز ہے اور سادرن کا جائز ہے بشرطیکہ قیمت سادرن کی دست بدست فوراً مل جاوے، (تمہ فامہ ص ۵۴)

سوال (۹۸) عرض یہ ہے کہ آج کل نقد روپیہ نہیں ملتا ہے، ہر جگہ نوٹ کا چلن ہو گیا ہے ہم لوگوں کو اکثر گورنمنٹ کنٹری خریدنا ہوتا ہے، جس کے عوض بجز نوٹ کے اور کوئی صورت نہیں ہو سکتی ہے نہ اس شخص کے پاس روپیہ ہوتا ہے کہ اس سے لیکر خرید کر لیں۔ اور یہ روپے کی عوض میں اس کو نوٹ دیں جیسا کہ آپ نے کسی کتاب میں لکھا ہے۔ اس لئے دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس کے سوا اور کیا صورت کی جاوے، جس سے یہ معاملہ عتدالشرع صحیح ہو جاوے،

الجواب: یا تو تھوڑی دیر کے لئے کسی اور سے نقد روپیہ لے لیا جاوے، اور یا اگر یہ بھی نہ ہو سکے

ترجمت بیع و شراہ نوٹ بقتضائے ضرورت

تدوین جابر بھونو خریداری کوئی نوٹ

تو کسی ایسی چیز کے عوض میں درست بدست گوٹ کناری خرید جاوے جس کی قیمت اتنے روپیوں کی ہو مثلاً کسی کپڑے کے عوض میں پھر اس کپڑے کو عوض نوٹ کے خرید لیا جاوے، اگر دوسرے عاقد کو پہلے سے سمجھا دیا جاوے تو وہ اس طرح کرنے پر راضی ہو جاوے گا، مسئلہ ۳۳۳ھ (حوادث خامسہ ص ۳۴) حقیقت مبادلہ نوٹ بروپیہ | سوال (۹۹) امر دریافت طلب یہ ہے کہ "الامداد" بابت ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۹ھ کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ نوٹ نہ حقیقتاً نقد ہے نہ حکماً بلکہ سند نقد ہے، اگر ایسا ہی تو ختم ہوتا ہے کہ نوٹ کی بیع بالعوض روپے کے جائز نہ ہو، اس لئے کہ بیع صرف میں لین دین درست بدست شرط ہے، اور یہاں ایک جانب سے حوالہ ہے، جواز کی کیا صورت ہے؟

جواب، مبادلہ مقصود نہیں، جس میں یاد ابید شرط ہے، بلکہ ایک شخص سے قرض لیتا ہے اور اس کو خزانہ پر حوالہ کر کے نوٹ دیتا ہے، قرض میں یاد ابید شرط نہیں، ۲۵۱ (حجۃ ۱۳۳۶) مسئلہ ۳۳۶ بٹ پر نوٹ | سوال (۱۰۰)، نوٹ خواہ ہندوی کا لیتا بدست ہے یا نہیں یعنی نوٹ کبھی کبھ زیادہ کو بکتا ہے اور کبھی کچھ کم کو جیسے سو روپیہ کا نوٹ ہے تو کبھی ننانوے روپے آٹھ آنے کو بکتا ہے اور کبھی سو روپے چار آنے کو علیٰ ہذا القیاس ہندوی میں بھی کمی یا زیادتی ہوتی رہتی ہے پس آیا یہ یا پانی دہی داخل رہو اسے یا نہیں اور نوٹ و روپیہ کو ایک جنس سے سمجھا جاوے گا یا دو جنس علیٰ ہذا ہندوی | الجواب، نوٹ کے ہم جنس یا غیر جنس ہونے کی تحقیق اس وقت مفید ہے جب وہ خود بیع ہو نوٹ کا لین دین بیع نہیں بلکہ حوالہ ہے اور ظاہر ہے محال ہے میں کمی بیشی رہو اسے لہذا یہ بٹ حرام ہے، ۹ سوال ۳۳۲ھ۔

حکم شراہیم | سوال (۱۰۱) اگر پانچ روپیہ کی چاندی بھٹ کو خریدنا منظور ہے، اور میں نے بجائے عوض نوٹ | پانچ روپے کے پانچ روپے کا نوٹ دیدیا، اور یوں کہا کہ اس نوٹ کی جو پانچ روپے کا ہے مجھ کو چاندی دیدو اور اس نے نوٹ لے کر وزن میں ساڑھے سات روپے بھر چاندی مجھ کو دی، یہ سود تو نہ ہوگا،

الجواب۔ نوٹ سے چاندی خریدنا درست نہیں، اول اس نوٹ کو کسی سے بھٹالے، پھر روپے سے چاندی خریدے اور رہو اسے بچنے کی وہی مشہور تدبیر کرے کہ کم چاندی کی طرف سے لے لے، ۱۹ محرم ۱۳۳۲ھ (حوادث ۲، ص ۱۲۶)

عدم جواز فروخت گنتی | سوال (۱۰۲) ایک مسئلہ درپیش ہے، اور اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً بیسی عوض نوٹ و تدبیر جواز | میں ایک گنتی رائج ہے چمدہ روپے کی، اور اس گنتی کا نرخ دہلی میں مثلاً ستر روپے

۵، اور کلکتہ میں چودہ روپے، اور ایک نوٹ ہی چند روپے کا جو کہ سب جگہ ایک ہی طرح پر چلتا ہے، اب ایک شخص کلکتہ میں ایک گنتی چودہ روپے میں خریدی اور دہلی میں اس کو بعض ستر روپے نوٹ کے بیچ ڈالا، یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، قاعدہ سے تو جائز نہیں معلوم ہوتا، البتہ نوٹ والا اپنے نوٹ ستر روپے کے بیچ کر خواہ اسی گنتی والے ہی کے ہاتھ بیچ ڈالے پھر ان روپیوں سے گنتی درست کر لے یہ درست ہے،

۳ صفر ۱۳۳۵ھ (حوادث خامسہ ص ۳۲)

سوال (۱۰۳) مولوی محمد احسن صاحب | سونے چاندی کے تاروں سے بٹے ہوئے کپڑوں اور گولے کی بیچ میں ادھارنا جائز ہے،

مرحوم نے رسالہ نافعہ خریداران، بیان بیع صرف میں بتا رہی کپڑے جن میں سچے کلابتوں لگے ہیں ان کو سیف محل پر قیاس کر کے بیع نسیمہ کا ناجواز تحریر فرمایا ہے اور میں جو غور کرتا ہوں تو ناجواز سمجھ میں نہیں آتا، لہذا جناب سے استفسار دریافت کرتا ہوں، دینی معاملہ متعلق بحلال و حرام ہے بہت جلد ایک نظر غائر ڈال کر میری فہم کی تصحیح و تغلیط فرماویں، علامہ شامی نے ذیل قول درمختار والاصل انه مقبیع نقد مع غیرہ کمفضض ومزکش بنقد من جنسہ شرط زیادة الثمن فلو مثله ادا قل او جهل بطل ولو بغیر جنسہ شرط التقابض فقط، تنبیہ کر کے ایک مبسوط عبارت بذکر حکم اعلام الثوب تحریر کی ہے، اس کو پورے طور پر آپ ملاحظہ فرماویں، اس میں کی عبارت مندرجہ ذیل سے مجھے جواز بیع نسیمہ پار چہائے بنارسی مثل کمخواب، ساڑی، دوپٹہ سوت وغیرہ جن میں سچے کلابتوں لگتے ہیں سمجھ میں آیا ہے،

(۱) بخلاف علم الثوب والابریسم فی الذہب فانه لا یعتبر لانه تبع محض ۱ھ،

(۲) وحاصل کلام اعتبار المنسوج قولا واحدا واختلاف الروایة فی ذہب السقف

والعلم وان المعتمد عدم اعتبارہ فی المنسوج ۱ھ،

(۳) ولا كذلك علم الثوب لان الشرع اهدا اعتبارہ حجة حل استعمالہ

جلد ۴ ص ۳۶

یہ تینوں عبارات شامی میں ذیل تنبیہ ہیں، آیا ان عبارات سے جواز بیع نسیمہ ثابت ہوتا ہے یا نہیں امید کہ بہت جلد مفصل جواب سے مطمئن فرماویں۔

الجواب، معلوم ہوتا ہے آپ نے قولاً واحداً کے معنی یہ سمجھے کہ یہ اقوال مختلفہ میں سے ایک قول ہے اور ان المعتمد کو اس کا قول مقابل سمجھے، اگر یہ مطلب ہوتا تو

جواز کا سمجھنا ٹھیک تھا، مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے، بلکہ قولاً و اعداً کے معنی ہیں کہ ان میں بس ایک ہی قول ہے، کسی کا اس میں اختلاف نہیں، اس لئے اس کے متصل ہی اس کا مقابل اختلاف الروایۃ الخ آیا، مطلب یہ ہے کہ اس میں تو ایک ہی قول ہے، اور مذہب سقف و علم میں اختلاف ہے، چنانچہ اس سے اوپر کی عبارت میں ان دونوں کا مختلف فیہ ہونا بھی نقل کیا گیا ہے، فی قولہ ان فی اعتبار الذہب فی السقف

ردایتین فلا یعتبر العلم فی الثوب ومن ابی حنیفۃ و ابی یوسف انہ یعتبر اھ، اور اگر وہ مطلب ہوتا جو جہتی ہے سوال کا تو قطع نظر اس سے کہ قولاً و اعداً اس معنی میں مستعمل نہیں دیکھا گیا اس پر یہ اشکال واقع ہوگا کہ اوپر کی عبارت میں یہ مضمون کہیں بھی نہیں گزرا کہ ان المعتمد عدم اعتبارہ فی المنسوج، پھر اس کو حاصل کے ذیل میں بیان کرنا کہاں صحیح ہوگا، دوسرے اس صورت میں حق عبارت کا یہ تھا ان المعتمد عدم اعتبار المنسوج، تاکہ مقابل ہوتا اوپر کی عبارات اعتبار المنسوج کا، تیسرے اس صورت میں عدم اعتبارہ کی ضمیر مجرور کا مزج کون ہوگا اور جو اس کا واقعی مطلب ہے اس پر یہ ضمیر راجع ہے علم کی طرف، یعنی منسوج میں علم کا اعتبار نہ ہونا معتد ہے، اور اس طرح علم کا غیر معتبر ہونا اوپر مذکور ہو چکا ہے، جو کہ منسوج کے علم کو بھی شامل ہے، پس منسوج کا حکم عدم جواز ہی رہا،

۲۲ ربیع الآخر ۱۳۳۳ھ در حوادث ثالث ص ۱۳۴

سوال (۱۰۴) میرے سچے گوٹے کی دکان ہے، جس میں بعض میں چاندی زائد ہوتی ہے اور بعض میں ریشم زائد ہوتا ہے، تحقیق طلب یہ گزارش ہے کہ اس کو قرض اور قضا ضلاً بیچنا اور خریدنا جائز یا نہیں، یہاں کے بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس کو قرض وغیرہ بیچنا ناجائز ہے، اس کا حکم مطلقاً چاندی کے مثل ہے، اور ریشم تو علیحدہ رہتا ہے، اس میں ملتا نہیں ہے، اور بعض فرماتے ہیں کہ گوٹہ کی بیع قرض اور کم و بیش اس لئے جائز ہے کہ اس کی تکمیل ریشم سے ہوتی ہے، اور اس کو قرض اور نقد ہر طرف بیچنا جائز ہے، اب تردید ہے کہ کس پر عمل کرنا ضرور اقدس کے ارشاد گرامی کا منتظر ہوں اور اس پر آمادہ ہوں کہ اگر فی الحقیقت اس کو قرض خریدنا وغیرہ جائز نہیں تو گوٹہ کی دکان چھوڑ کر کوئی اور کام شروع کر دوں گا؟

الجواب، فی الدر المختار والاصل اند متی بیع نقد مع غیرہ کہ فی فضض و مزکش بنقد

من جلس شرط زیادة الثمن فلو مثله ادا قل او جهل بطل ولو بغير جنه شرط
التقابض فقط فی رد المحار عن التاتارخانیة بخلاف علم الشوب و الابولیس
فی الذہب فانه لا یعتبر رای لا یعتبر العلم فی الاول فیموز ولا یعتبر الابولیس فی
الثانی فلا یموز (۱۲) لانه تبع مرض اه و فیه ایضا حاصل هذا کلمه اعتبار المنسوج
قولاً واحداً الی قوله ومثله المنسوج بالذہب فانه قائم بعینه غیر تابع بل هو
مقصود بالبیع الخ (باب الصف) یہ روایات صریح ہیں عدم جوازیں، اور تصریح
فقہاء کے مقابلہ میں ہمارا قیاس معتبر نہیں، لیکن اگر کم و بیش یا نسبتہ معاملہ کرنے کا موقع
پیش آجائے تو اس کا ایک حیلہ ہو سکتا ہے، کم و بیش میں تو دونوں طرف دو دو پیسے
مٹا لائے جائیں، اور نسیہ کی صورت میں اپنے پاس سے خریدار کو روپیہ قرض دے کر
قیمت میں لے لیا، پھر وہ قرض اس کے ذمہ رہا، ۱۹ رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ
(النور جہادی الثانیہ ص ۳۵ ص ۵)

جس عامر میں تھوڑا سا کلابتون شامل ہو | سوال (۱۰۵) ہمارے یہاں شہر میں پگڑیاں
اس کی بیچ میں ادھار ناجائز سے بنی جاتی ہیں، ان میں کلابتون بنا جاتا ہے دونوں
پلوں پر ماشہ، دو ماشہ، ۶ ماشہ تک بلکہ تولہ بھرتک، دہلی وغیرہ کے خریدار آتے ہیں،
پگڑیاں عموماً ادھار لے جاتے ہیں، یعنی ساتھ روپیہ نہیں لاتے، گھر سے جا کر ادا کرتے
ہیں، پگڑی میں کلابتون نسبتاً اصل پگڑی سے کم و بیش کم قیمت کا ہوتا ہے، مثلاً دو دو
کی پگڑی ہوئی تو اس میں کلابتون ایک آنہ سے لیکر ۲۰ آنک کا ہوتا ہے، بڑی دقت
یہ ہے کہ خریدار اتنا بھی پیشگی نہیں لاتے اور نہیں دیتے کہ کلابتون کی قیمت کی مقدار
نقد وصول ہو جایا کرے، خریدار ہندو مسلمان دونوں ہوتے ہیں، ہندو بکثرت مسلمان
بالکل کم، تجارت پیشہ مسلمان سخت ابتلا میں ہیں، جس سے بعض مخلص بندگانِ خدا حیران
و ششدر ہیں، کہ کیا کریں، لہذا عرض ہے کہ کیا کوئی شرعی مخلص ہے کہ اس بٹے ہوئے
کلابتون کی بیع تبعاً پگڑیوں کے ساتھ ادھار بیچنا جائز ہو، جناب کی مستنبط رائے
ہو تو مستدل اور فقہی روایت ہو تو اصل عبارت یا حوالہ کتاب مع صفحہ و باب بھی
معلوم کرنا چاہتا ہوں۔

الجواب، فی الدر المنقار باب الصرف والاصل انه متی بیع نقد مع

غیرہ کمفَض و مز رکش بنقد من جنسہ شرط زیادة الثمن فلو مثله اواقل او
 جہل بطل ولو بغیر جنسہ شرط التقابض فقط، فروح المظار تحت قوله کمفَض
 و مز رکش عن التا تاریخائیه بخلاف علم الثوب والا بریشم فی الذہب فانہ
 لا یعتبر لانہ تبع محض اہ دقیقہ بعد اسطر و مثله المنسوج بالذہب رای
 الخالص بلا بریشم) فانہ قائل یعینہ غیر تابع بل هو مقصود بالبیع کالحلیۃ
 والطوق و بہ صار الثوب ثوباً و لذ الیسوی ثوب ذہب بخلاف البسولانہ مجر
 لون لایعین قائمۃ و بخلاف العلم فی الثوب فانہ تبع محض فاذا ن الثوب یسمی
 بہ ثوب ذہب الخ ج ۲ ص ۳۶، مطبوعہ مصر ۱۲۹۲ھ،

ان روایات سے معلوم ہوا کہ صورت مسئلہ میں ادھار بیچنا جائز ہے،

۲۳ ربیع الثانی ۱۳۳۹ھ (تمہ خامسہ ص ۸۸)

سوال (۱۰۶) عرض یہ ہے کہ آجکل نقد
 روپیہ نہیں ملتا ہے، ہر جگہ نوٹ کا چلن ہو گیا ہے، ہم لوگوں کو اکثر گوٹہ کناری
 خریدنا ہوتا ہے جس کے عوض بچہ نوٹ کے اور کوئی صورت نہیں ہو سکتی ہے، نہ اس شخص
 کے پاس روپیہ ہوتا ہے کہ اس سے لیکر خرید کر لیں، اور یہ روپے کے عوض میں اس کو
 نوٹ دیدیں، جیسا کہ آپ نے کسی کتاب میں لکھا ہے، اس لئے دریافت طلب یہ امر
 ہے کہ اس کے سوا اور کیا صورت کی جاوے جس سے یہ معاملہ عند الشرع صحیح
 ہو جاوے؟

الجواب، یا تو تھوڑی دیر کے لئے کسی اور سے نقد روپیہ لے لیا جاوے،
 اور یا اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کسی ایسی چیز کے عوض بدست بدست گوٹہ کناری خرید
 جاوے جس کی قیمت اتنے روپیوں کی ہو، مثلاً کسی کپڑے کے عوض میں پھر اس کپڑے
 کو بوض نوٹ کے خرید لیا جاوے۔ اگر دوسرے عاقد کو پہلے سے سمجھا دیا جاوے
 تو وہ اس طرح کرتے پر راضی ہو جاوے گا، ۳۳۸ھ (حوادث خامسہ ص ۳۴)
سوال : احقرنے ایک شخص کو سونے کی بالیاں پرانی
 روپیہ دیدینا بغرض فروخت دی تھیں اور ذکر تھا کہ از سر نو بنیں گی، انہوں
 نے ان کو صے روپے کو فروخت کر کے سارے روپیہ دیدیا، اور کہہ دیا کہ اس میں تھوڑا

سہ یہ مال غلطی سے مکرر درج ہو گیا پہلے صفحہ ۷۹ پر یہ سوال و جواب آچکا ہے۔ "نہانی"

سونا اور ڈال کر: تولہ کی نئی بالیاں بنا دے حساب بعد میں کر دیا جاوے گا، چنانچہ اس نے اتنے ہی وزن کی بنا دیں یہ صورت ناجائز ہوتی ہے۔ ایک صاحب یہ تاویل کرتے ہیں کہ صہ، جو پیشگی دئے گئے ہیں وہ سنا کے پاس امانت یا قرض سمجھے جائیں، اور دست بدست ملحقہ کو خریداجائے، اس میں نسبہ نہ ہوگا۔ اب چونکہ صہ ہندو سنا واجب الادا ہیں اس لئے وہ مقدار ساقط کر کے سنا اور اس کو دیدو، یا یوں کرو کہ ملحقہ روپے نقد دے کر دست بدست اس سے زیور لے لو، پھر اپنے صہ کا مطالبہ اس سے کرو اور ایک صاحب یہ تاویل کرتے ہیں کہ سنا تمہاری طرف سے ملحقہ روپیہ کا سونا خریدنے کے لئے وکیل ہے، صہ تم سے پیشگی لے چکا ہے، اور دس کا سونا اپنے پاس سے خرید لایا ہے، اس کا مطالبہ اب کرتا ہے، حضور اس میں کیا فتویٰ دیتے ہیں؟

الجواب، تاویل ثالث تو چل نہیں سکتی، کیونکہ وکالت بلا توکیل کیسے ہوگی، اور توکیل یہاں ہے نہیں، لہذا یہ بالیاں جدید سنا کی ملک ہوں گی، اور اب ان کی بیع جدید ہوگی، پس اگر وہ صہ بعینہ سنا کے پاس موجود ہیں تو قرض کی تاویل نہیں ہو سکتی کیونکہ نہ تصریحاً قرض دیا نہ تصرف کی وجہ سے اس کے ذمہ دین ہوا، پس لا بد امانت ہوگی اور امانت میں روپیہ معین ہوتا ہے، تو عقد متعلق اس روپیہ سے ہوگا، اور وہ مجلس میں موجود تھیں تو نسبہ لازم آنے سے ناجائز ہوگا، پس جب نہ قرض ہوا نہ امانت سے عقد کا متعلق ہوتا جائز ہوا، اس صورت میں صرف یہ صورت جائز ہو سکے گی کہ اپنی امانت اول واپس کر لے اور اس میں دس روپے اور ملا دے اور دست بدست خرید لے، اور اگر وہ صہ ہندو اس کے ضمان میں داخل ہو گیا ہے، خواہ بوجہ صرف کر ڈالنے کے یا بوجہ مخلوط کر دینے کے، تو البتہ وہ دین ہو گیا ہے، اس صورت میں تاویل اول چل سکتی ہے اور تاویل ثانی بے تکلف صحیح ہے، فقط واللہ اعلم (امداد ثالث ص ۳۲)

سوال (۱۰۸) اگر کسی ہندو سنا کو دس روپے نقد اور آٹھ آنے کے پیسے دے کر کہا کہ اس کی جس قدر چاندی آوے لا کر فلاں قسم کا زیور بنا دینا، اور اس زیور کی مزدوری بعد تیار ہونے کے اس معاملہ میں کوئی گناہ تو لازم نہیں آوے گا؟

الجواب، اگر دو امر کا یقینی اطمینان ہو تو جائز ہے، ایک یہ کہ سنا چاندی اپنے پاس سے نہ لگاویگا، دوسرے یہ کہ انہیں داموں سے خریدیگا بدلے کا نہیں، مگر چونکہ اس کا

سنا کو قیمت چاندی کی دینا،

اطمینان مشکل ہے، اس لئے یہ بہتر ہے کہ ان دس روپے اور پیسوں کی چاندی خود خرید کر
خواہ اس سارے یا دوسرے کسی سے خرید کر پھر اس سارے کو دیدے، اور بتوائی ٹھیرالے
یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ (تمہ اولیٰ ص ۱۷۱)

روپیہ یا چاندی کی بیچ چاندی کے سوال (۱۰۹) ۱۷ سوائے ان چند اشیاء کے
دوسرے سکوں سے بطور ادھار جن کا ذکر حدیث شریف میں ہے (سونا چاندی، گہروں
جو، کھجور، نمک) دیگر اشیاء کی خرید و فروخت زیادتی کمی کے ساتھ درست بدست یا بطور قرض
جائز ہے یا ناجائز؟

۱۷ ایک نقری روپیہ سکہ مروجہ وقت کی فروخت بالنسیہ بالعوض میں آنہ سکہ تانبہ
مروجہ وقت یا بالعوض میں اکتیوں کے جائز ہے یا ناجائز؟
۱۸ ایک تولہ چاندی کی خرید و فروخت بالعوض میں آنہ کے سکہ کے جو تانبہ کا ہو بالنسیہ
جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب (۱) فی الهدایہ الربو ما محرم فی کل مکمل او موزون اذا بیع
بجنسہ متفاضلا وفيها اذا اعدم الوصفان بالجنس والمعنى الضموم اليه
حل التفاضل والنساء واذا وجد احرم التفاضل والنساء واذا وجد احل
وعدم الآخر حل التفاضل وحرم النساء (ص ۶۱، ۶۳ ج ۲) اس میں تصریح
ہے کہ بجز ان چھ چیزوں کے بھی تمام کمالات و موزونات میں رلو جاری ہوتا ہے، اس
تفصیل سے کہ ان میں جو چیزیں ہم جنس ہیں ان میں کمی بیشی بھی اور نسیہ بھی حرام ہے، اور جو
چیزیں ہم جنس نہیں ہیں مگر موزوں یا مکمل ہونے کے وصف میں شریک ہیں، ان میں کمی بیشی تو جائز
ہے، مگر نسیہ حرام ہے، البتہ انہی ہم جنس چیزوں میں اور اسی طرح عددی متقارب چیزوں
میں قرض لینا دینا جائز ہے، مگر حکم قرض کا یہ ہے کہ اس کا مثل واپس کرنا واجب ہوتا ہے
قرض دینے کے وقت غرض کی شرط حرام ہوتی ہے گو قرض ادا کرتے وقت بتراضی طریق
اس کی عوض دوسری چیز لے لی جائے، مثلاً روپیہ قرض لیا تو اس وقت دوسری چیز کا شرط
ٹھہرانا کہ اس کے عوض گنتی یا اتنی اکتی لیں گے یہ حرام ہے، پھر خواہ ادا کرتے وقت باہمی
رضا مندی سے جو کہ ابھی حاصل ہوئی ہے، گنتی یا بہت سی اکتی لے لی، اور دیدی جاویں،
فی المختار القرض عقد مخصوص یرد علی دفع مال مثلی لا یرد مثله وصح القرض

فی مثلی لا فی غیرہ فیصح استقراض الدرہم والدنانیر وکذا کل ما یقال ویوزن
ادبہد متقارباً ۱۶ ملخصاً (ص ۴۴، ۴۵، ۲۳)

(۲) اس کا جزو اول حرام ہے للروایات المذكورة فی جواب السؤال الاول ادبہد
جزو میں یہ تفصیل ہے کہ اگر بطور قرض کے بابت تو حرام ہے، للروایات السابقة، اور اگر بطور بیع
کے ہے تو یہ سلم ہے، اور سلم میں علاوہ دیگر شرائط کے ایک حکم ضروری یہ ہے کہ اگر سلم الیہ کو سلم
قیمہ پر قدرت نہ ہو تو رب السلم کو اپنا اصلی اس المال واپس کر کے اس کے بدل میں دوسری چیز
لیتا جائز نہیں، فی الہدایۃ ولا یجوز التصرف فی رأس مال السلم والمسلم فیہ
قبل القبض الخ (ص ۸۱، ۲۳)

(۳) اس میں وہی تفصیل ہے جو جواب سوال دوم کے جزو دوم میں ہے اور سوال
دوم کے جزو دوم اور سوال اخیر میں سلم کی اجازت یہ جب ہے کہ مقصود اس حیلہ سے سود نہ
ہو، اور نہ اس کا حکم مثل بیع عینہ کے ہے، جس کی نسبت ہدایہ میں ہے وہ مکروہ، اور کفایہ
میں ہے اختراعہ اکلہ الربوا، اور فتح القدیر میں ہے وقال محمد هذا البیع فی قلبی
کامثال الجبال ذمیر الخ (ص ۱۰۷ ج ۲) اور فتح القدیر حاشیہ ہدایہ میں ایسے ہی ایک حیلہ
کی نسبت ہدایہ کے قول فح الکراہۃ پر لکھا ہے، انہا کرہ لانہما باشرء الحیلۃ السقوط
الربوا کبیع العینۃ فانہ مکروہ بهذا اور اس کے بعد لکھا ہے ینبغی ان یکون
قول ابی حنیفۃ ایضاً علی الکراہۃ کما هو ظاہر اطلاق المضاف من غیر ذکر
خلاف اور اس کے قبل لکھا ہے قیل لمحمد کیف تجده فی قلبک قال
مثل الجبل (ص ۹۲، ۲۳) اور مکروہ سے مراد ایسے مقام پر مکروہ تحریمی ہے،
جو قریب حرام کے اور عادت کرتا اس کا حرام ہے اور عادات ناس سے یہ امر متعین ہے
کہ وہ اس کو بجائے سود کے استعمال کرتے ہیں اس لئے اس کو حرام لکھا جاوے گا،

۲۳ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۴۴)

اضرار کفار کے لئے انہ | سوال (۱۱۰) طرابلس پرائیٹی کا قیضہ ہو جانے سے ہندوستان
کے مسلمانوں میں جس قدر بے چینی ہے ایک گونہ اثر اس کا دہلی میں بھی ہے چنانچہ دہلی کے
ایک جلسہ میں یہ بھی کہا گیا کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ اٹلی کے ساتھ تجارتی لڑائی کریں اٹلی
سامع کے کل سامان کا استعمال ترک کر دیں خرید و فروخت بالکل چھوڑ دیں جو ایسا کریگا

وہ کافر ہے سلطان کا خیر خواہ نہیں اٹلی کا حامی ہے اور اس کا عملی نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے اسی جلسہ میں اٹلی ساخت کی ترکی ٹوپیاں اتار اتار کر جلادین میری دوکان پر سامان اکثر فینسی ہوتا ہے جس میں بہت سی چیزیں اٹلی ساخت بٹوا، قینچی، چاقو، بٹن، استرہ وغیرہ وغیرہ بھی ہوتے ہیں لوگوں نے بہت تنگ کرنا شروع کیا کہ ان چیزوں کا فروخت کرنا چھوڑ دو فقط

الجواب، کافر ہونے کی تو کوئی وجہ نہیں اور بلکہ بیع ناجائز بھی نہیں۔ لیکن افضل یہی ہے بشرطیکہ اپنا ضرر اور اتلاف مال نہ ہو ورنہ افضل کیا جائز بھی نہیں فقط
۱۸ ذی قعدہ ۱۳۲۹ھ

سوال، طرابلس پر اٹلی کا قبضہ ہو جانے سے الخ
(یہ مضمون بعینہ اس صفحہ کے قبل صفحہ پر درج ہو چکا ہے)

سوال، (۱۱۱) عمر دے زید سے اپنا روپیہ طلب کیا مع منافع کے اور زید نے دیدیا پھر اسی جگہ بیٹھے بیٹھے زید نے کہا کہ اگر دوبارہ پھر مال خرید کر ہم کو ادھار دیدو تو ہم وہی منافع ایک ماہ کا (۵۰ روپیہ) دیں گے اس نے کہا کہ ہم اور کہیں سو ال نہیں منگاتے کیونکہ ہمارا خود جانا نہیں ہوتا اور تم کو وکیل یا اجیر بنانے میں ہم کو خیال ہے خیانت کا البتہ تمھارے پاس اگر مال موجود ہو تو ہمارے ہاتھ فروخت کر دو اور اس کی قیمت ہم سے لے لو پھر اس مال کو ہم سے خرید لیتا، ادھار کی جو مدت معین کرو گے۔ یہ بات قرار پا کر عمرو نے زید سے مال خرید کر قیمت دیدی پھر اسی جگہ بیٹھے بیٹھے عمرو نے کہا کہ تم اس مال کو خریدتے ہو خرید لو زید نے کہا میں خریدتا ہوں جو منافع پانچ روپیہ کا پہلے دیا تھا اسی منافع سے ایک ماہ کی مہلت سے لیتا ہوں عمرو نے دیدیا اور زید نے منظور کیا۔

الجواب، یہ معاملہ یعنی جو یہ پر جس کا حرام ہونا اوپر مذکور ہوا ہے پس یہ بنا الفاسد علی الفاسد ہے، پھر یہ تمام صورتیں بیع کی غیر مقصود ہیں اس لئے کہ مدیون ان صورتوں میں مجبور کیا جاتا ہے مقصود اس ظاہری صورت سے نفع حاصل کرنا، بلا رضا مندی صاحب مالہ کے اس لئے بھی ناجائز ہے۔ ۲۰، محرم الحرام ۱۳۳۱ھ

۱۔ اصل کتاب میں چند سوالوں کا سلسلہ تھا تو بیب کی مناسبت سے وہ مختلف ابواب میں منقسم ہو گئے اور جس سوال کا یہ لکھا ہے وہ بسبب امداد الفتاویٰ جلد سوم میں ۵۲، ۵۳ پر آیا ہے ۱۲ محمد شفیع

بیع فاسد

سوال (۱۱۲)، آجکل بعض انگریزی تجارتوں کا یہ حال ہے کہ سلسلہ خرید و فروخت ٹکٹ کا رخا ہائے تجارت | کاغذ فروخت کرتے ہیں، اور اس میں چار ٹکٹ لگے ہوتے ہیں جس کو وہ شخص اسی قیمت کو مثلاً ایک روپیہ پر چار اشخاص کے ہاتھ فروخت کر ڈالتا ہے، اور ان اشخاص سے وہ روپیہ وصول کر کے اور ان کا پتہ کمپنی کو لکھ کر بھیجتا ہے، صاحب کمپنی ایک گھڑی اس شخص کو بھیجتا ہے، اور ان چار اشخاص کے نام ایک ایک کاغذ ویسا ہی بھیجتا ہے، جس میں ویسے ہی چار ٹکٹ بھی ہوتے ہیں، جس کو وہ چاروں شخص لوگوں کے ہاتھ اسی قیمت کو مثلاً ایک روپیہ کو پھر بیچ ڈالتے ہیں جب روپیہ ان لوگوں کے پاس آجاتا ہے تو وہ لوگ بھی صاحب کمپنی کے نام روپیہ اور جن کے ہاتھ وہ ٹکٹ فروخت کئے ہیں ان کا پتہ وغیرہ لکھ کر بھیجتے ہیں، صاحب کمپنی ایک ایک گھڑی ان کے نام بھیجتا ہے اور ایک ایک کاغذ ویسا ہی جن کے نام انھوں نے ٹکٹ فروخت کئے ہیں صاحب کمپنی بھیجتا ہے پھر وہ لوگ بھی ویسا ہی عمل کرتے ہیں۔ اور اسی طرح اس کا اجرا رہتا ہے ہاں البتہ جس شخص کے ٹکٹ فروخت نہ ہوں گے وہ البتہ نقصان اٹھائے گا، تو شرعاً یہ بیع جائز ہے یا نہیں، اور شرعاً ایسا کرنا کیسا ہے،

الجواب، حاصل حقیقت اس معاملہ کا یہ ہے کہ بائع مشتری اول سے بلا واسطہ اور دوسرے مشتریوں سے بواسطہ مشتری اول یا ثانی یا ثالث وغیرہم کے یہ معاہدہ کرتا ہے کہ تم نے جو روپیہ بھیجا ہے اگر تم نے خریدار پیدا کر لو تو اس روپیہ مسئلہ کے عوض ہم نے تمھارے ہاتھ گھڑی فروخت کر دی، ورنہ تمھارا روپیہ ہم ضبط کر لیں گے، سو اس میں دونوں شرطیں فاسد و باطل ہیں، دوسرے خریداروں کے پیدا کرنے کی تقدیر پر فروخت کرنا بھی کہ وہ تجزیہ بیع کے وقت (مقرون بشرط فاسد مخالف مقتضای عقد ہونے کی وجہ سے) عقد فاسد حکم بلوہی اور تعلیق کے وقت (تعلیق الملک علی الخط ہونے کی وجہ سے) قمار ہے، اور بلوہ اور قمار دونوں حرام ہیں اسی طرح دوسری شرط یعنی خریدار پیدا نہ کرنے کے تقدیر پر روپیہ کا ضبط ہو جانا بھی کہ صریح اکل بالباطل ہو اور یہ تاویل ہرگز مقبول نہیں ہو سکتی کہ روپیہ کے عوض ٹکٹ دیا ہے کیونکہ ٹکٹ یقیناً مبیع نہیں ہے، ورنہ بعد خرید ٹکٹ معاملہ ختم ہو جاتا، ٹکٹ فروخت کر کے

گھڑی کا استحقاق ہرگز نہ ہوتا جیسا تمام عقود میں لایا ہوتا ہے، پس صاف ظاہر ہے کہ مکنت
مبیع نہیں بلکہ روپیہ کی رسید ہے، جب دونوں شرطوں کا فاسد و باطل ہونا ثابت ہو گیا تو ایسا
مواضع بھی بالیقین حرام اور متضمن ربا اور قمار و اکل بالباطل ہی، اور کسی طرح اس میں جواز کی گنجائش
نہیں، قال اللہ تعالیٰ احل اللہ البیوع وحرم الربوا وقال اللہ تعالیٰ انما الخمر والمیسر
الی قولہ من عمل الشیطان الآیۃ وقال تعالیٰ ولا تأکلوا اموالکم بینکم بالباطل
الآیۃ، وقال صلی اللہ علیہ وسلم کل شرط لیس فی کتاب اللہ قہویا طل دہی علیہ السلام عن

بیع وشرط فی جمیع الکتب الفقہیہ صرحوا بعدم جواز جمیع مشروط بما لا یقتضی العقد
ولا یلائمہ و فیہ نفع لاحد ہذا کما لا یخفی علی من طالعہا، واللہ اعلم (امداد ثالث ص ۴)

مبیع کے معلوم ہونے کی شرط | سوال (۱۱۳) زید کپڑے کی بند گھڑی خریدتا ہے، گھڑی
اور اس کی توضیح میں جس قدر کپڑا ہے اس کا نمونہ اور مقدار سب بتادی گئی ہے

مگر مقدار کل بتائی گئی ہے یہ نہیں معلوم کہ پار چار اور ٹکڑا کتنے کتنے گز کا ہے، بیع جائز ہے یا نہیں؟
الجواب، مبیع کا معلوم ہوتا شرط ہے خواہ بیان تقدیر سے یا اشارہ سے، اول تو

یہاں مقدار بھی بتلا دی ہے، اور اگر اس کو معتبر نہ سمجھا جاوے تو مثالیہ تو ضروری ہے، لہذا
یہ بیع جائز ہے، ۱۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۷ھ رمداد ثالث ص ۱۱

ایسی جائداد جس پر قبضہ | سوال (۱۱۴) ایک شخص نے اپنی جائداد مقبوضہ غیر منقولہ کے شامل
نکر کے اس کی بیع، اس جائداد غیر مقبوضہ غیر منقولہ (جو مکان و زمین کاشت ہی) کو بھی بیع کر دیا

جو بعد موات مورث کے بائع کے قبضہ میں وراثت آئی، بلکہ ہنوز دوسرے کے اوارثان کے
قبضہ و تصرف میں ہے، اور زمین اس کا اس طور سے ہوا کہ جو جائداد مقبوضہ بیع ہوئی، اس کا زمین
تو ایک مقدار میں مشتری سے بائع نے وصول پایا، مگر جائداد غیر مقبوضہ جو شامل اس کے بیع کی گئی ہے
اس کے زمین کی نسبت فیما بین بائع و مشتری یہ معاہدہ قرار پایا کہ اس دخل و قبضہ کرنے میں مشتری
قبل از بیع جو کچھ خرچ کر چکا ہے، اور پھر تکمیل بیع خرچ کرے گا، وہ سب مجرادے کر جو کچھ زمین
میں سے باقی رہے گا اس میں سے صرف نصف حصہ بائع کو مشتری ادا کرے گا اور نصف حصہ مشتری
ہضم کرے گا، اور اگر مشتری قبضہ دخل میں ناکام یا رہا تو اس صورت میں مشتری بائع کو کچھ
اس زمین میں سے نہیں دے گا، اور جو کچھ مشتری قبضہ کرنے میں جائداد مذکور کے خرچ کر چکا ہے
اس کی ذمہ داری صرف مشتری کے ذمہ رہے گی بائع سے اس کا مطالبہ نہیں ہوگا، ایسا ہی

شرط کی وجہ سے ہنوز تقابض البدلین نہیں ہوا ہے، یعنی مشتری کو بیع نامہ نہیں ملا ہے پس ایسی شرطیہ بیع جائز ہے یا ناجائز، اور مشتری کو دعویٰ کرنے کا حق ہے یا نہیں، اور یہ رب جائداد ہے، مکان وزمین و کاشت ہے، اور وہ کجاری شے مبیعہ جو یکے از دارثان کے قبضہ میں ہنوز غیر منقسم ہے،

الجواب، فی الہدایہ و کذا الوارسلہ رای الطیر من یدل لانه غیر مقدور التسلیم و فیہا ومن جمع بین حرد عبد او شاة ذکیتہ و میتة فبطل البیع فیہما ومن جمع بین عبد و مدبر او بین عبدًا و عبد غیرہ صم البیع بخصۃ من الثمن و فیہا کل شرط لا یقتضیہ العقد و غیر منفعة لاحد المتعاقدين او للمعقود علیہ و هو من اهل الاستحقاق یفسدہ و فیہا بخلاف ما اذا لم یسم ثمن کل واحد لانه معجہول، ان روایات سے یہ امر ثابت ہوئے ہے اول عبارت سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جائداد غیر مقبوضہ کا اس وارث قابض کے ہاتھ سے چھڑانا امر مشکوک ہے، پس اگر ایسا ہے تو بوجہ غیر مقدور التسلیم ہونے کے اس کی بیع صحیح نہیں ہوتی، ۱۔ جو جائداد مقبوضہ بیع کی گئی ہے اس کی بیع درست ہوگئی، ۲۔ جائداد غیر مقبوضہ اگر مقدور التسلیم بھی ہو تب بھی بوجہ غیر متعین ہونے ثمن کے اس کی بیع درست نہیں ہوتی، خلاصہ جواب یہ ہے کہ جائداد مقبوضہ کی بیع درست ہوگئی اور غیر مقبوضہ کی بیع دو وجہ سے درست نہیں ہوتی، بوجہ عدم قدرت علی التسلیم اور عدم تعیین ثمن، واللہ اعلم، ۳ صفر ۱۳۲۵ھ (امداد ثالث ص ۲۲)

بیع میں دھرم کھانہ کی شط | سوال (۱۱۵) زید نے خالد کے ہاتھ کوئی شے فروخت کی، بایں الفاظ کہ میں یہ صندوق مثلاً تمہارے ہاتھ فروخت کیا اس شرط پر کہ ہر سیکڑے پر ایک یا دو پیسہ لشد کے خرچ کے واسطے ہم کو دو روپہ میں نہیں دوں گا، اس قسم کی بیع و شراء شرعاً درست ہے یا نہیں، اگر درست ہو تو دینے والے کا ثواب زیادہ ہے یا خرچ کرنے والے کا؟ اور درصوت جائز ہونے کے یہ بھی علی التفصیل بیان فرمائیے کہ یہ لینا دینا کسی خاص قوم کے ساتھ ہے یا عام ہے کہ ہنود ہو یا مسلمان ہو یا کوئی کتابی ہو؟ مفصل بیان سے ممنون و مشکور فرمائیے اور اس مال کے مصارف مسجد و گورستان و مدرسہ ہو سکتے ہیں یا نہیں، اگر نہیں تو کس کس مقام میں صرف ہو سکتے ہیں؟

الجواب، چونکہ بیع میں بعد طے ہو جانے ثمن کے بھی ثمن میں زیادت درست ہے

اس لئے یہ صورت اس تاویل سے جائز ہو سکتی ہے۔ مگر اس تاویل کی بنا پر یہ ایکس پیسہ یا دو پیسہ اس بائع کی ملک ہوں گے، اس کو اختیار ہوگا خواہ اس مصرف میں صرف کرے یا صرف نہ کرے، اس پر کسی کا جبر نہ ہو سکے گا، اور جب اس کی ملک ہے تو ثواب اس کے صرف کا صرف بائع کو ہوگا مشتری کو نہ ہوگا، اور جب ملک ہی تو یہ اختیار بھی بائع کو ہے کہ جہاں چاہے صرف کرے بشرطیکہ مصرف معصیت نہ ہو،

۱۸ سوال ۳۲۵ (تمتہ اولیٰ ص ۱۵۶)

خوراک خریدنے کے لئے پیٹنگی قیمت | سوال (۱۱۶) مدرسہ میں طلبہ سے خوراک کی دیدیتا جمع بین العمل و الصنع جولی جاتی ہے یہ کس عقد میں داخل ہے، آیا بیع ہے؟ تو پیٹنگی معاوضہ لیتا کراہت سے خالی نہ ہوگا، یا کہ یہ استصناع ہے کسی اور عقد میں تو داخل ہونا دشوار معلوم ہوتا ہے، نیز گھڑی بنوانا... یا چارپائی بنوانا جن میں بیع اور عمل دونوں شامل ہیں، آیا ان کے جواز کی گنجائش ہے کہ استصناع میں داخل کر کے جائز کہہ دیا جاوے، اور بلا نکیس سب کا کرتا تعامل سمجھا جاوے گا یا عقد فی عقد کے سبب سے منع کیا جاوے آج کل بکثرت ایسے معاملات ہیں جن میں عقد فی عقد یا کہ بیع اور عمل دونوں شامل ہوتے ہیں؟

الجواب، طلبہ کی خوراک بیع استخار میں داخل ہے، شامی نے اس کے جواز میں مبسوط بحث بھی ہوا فقہاء نے بیع اور عمل کے جمع کرنے کی بعض صورتیں متعارف کچھ کراہت دی ہے یہ بھی اسی میں داخل ہے جیسے خیاط کہ عمل اور تاگہ دونوں اس کے ذمہ ہوں، یا صباغ کہ عمل اور بیع دونوں اس کے ذمہ ہوں۔

۱۹ جمادی الاولیٰ (حوادث اول ثانی ص ۲)

اگر بیع میں یہ شرط کی جائے کہ قیمت کا اتنا حصہ آپس | سوال (۱۱۷) حضور یہاں ایک اصول ہے کرنا پڑیگا تو بیع فاسد ہے اور بیع فاسد کا حکم سو ہونا جس پر محکو سود ہونے کا شبہ ہوتا ہے، بلکہ یہاں ایک مولوی صاحب سے دریافت بھی کیا، لیکن انہوں نے فرمایا کہ سود تو نہیں ہے لیکن بیع کے خلاف ہے، ان کے فرمانے سے میری طبیعت کو اطمینان نہیں ہوا وہ اصول یہ ہے کہ مثلاً سو روپے کا مال فروخت کیا پندرہ یوم کی میعاد پر یعنی سو روپے کا مال پندرہ یوم کیلئے قرض دیا اب اگر لیئے والا پندرہ ہی یوم میں دے گا تو اس کو دو روپے دیں گے کٹوتی کے، اگر اس نے پندرہ یوم میں نہ دیئے ایک ماہ میں دیئے تو اس کو بجائے دو روپے کے ایک روپیہ دیں گے،

اگر اس نے ایک ماہ میں بھی نہ دیئے تو اس کو نہیں دیتے، القرض دو روپے سیکڑہ کٹوتی ہے پندرہ یوم تک؟

الجواب۔ عرف کے سبب یہ شرط ہے اور قاسد ہے، اور شرط قاسد سے بیع قاسد ہو جاتی ہے اور بیع قاسد بتصریح فقہاء ربو العینی معاملہ سود میں داخل ہے،

۱۲ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ (تمتہ خامسہ ص ۱۰۴)

سوال (۱۱۸) اکثر عورتیں چرخہ چلانے لگی ہیں، اور سوت کو سوت کے ساتھ ناجائز ہے روئی سے بدلتی ہیں اس طور سے کہ سیر بھر سوت دے کر ڈیڑھ سیر روئی اس کے بدلہ میں لیتی ہیں، اور فاضل روئی ان کو جو آدھ سیر بدلہ میں لیتی ہے وہ اپنی مزدوری سمجھتی ہیں اور جو اس طور کا معاملہ کرتے ہیں وہ بخوشی ادلا بدلا کرتے ہیں، اس طور کے بدلے میں سود تو نہیں ہوتا ہے، اور اگر سود ہوتا ہے تو پھر کون سی صورت اس سے بچنے کی اختیار کریں، اور اپنی محنت کس طور سے وصول کریں؟ اس کی کوئی صورت بچنے کی سہل بتلائی جاوے تاکہ ان کو اس مسئلہ سے آگاہ کر دیا جاوے، چونکہ اس طرف اس طور سے سوت کو روئی سے بدلنے کا رواج ہے، اس لئے چرخہ جو چلاتی ہیں ایسا ہی کرتی ہیں، اس میں ان کو نفع ہوتا ہے،

الجواب، فی الہدایہ واختلفوا فی القطن بغزلہا قال العیسیٰ ای فی بیع القطن

لغزل القطن متساویا وزنا قال بعضهم یجوز لان اصلہما واحد وکلاہما موزون قال بعضهم لا یجوز والیہ ذهب صاحب خلاصۃ الفتاوی لان القطن ینقص اذا غزل فصار کالحنطۃ مع الدقیق اھ، اس روایت سے معلوم ہوا کہ صورت منقول عنہا جائز نہیں صرف ایک حیلہ جواز کا ہو سکتا ہے کہ سوت اور روئی کا مبادلہ نہ کریں بلکہ سوت کو دھوئوں کے عوض بیچیں پھر ان دھوئوں کے عوض روئی لے لیں یا روئی کو دھوئوں کے عوض بیچیں پھر ان دھوئوں کے عوض سوت لیں، ۱۸ رمضان ۱۳۳۹ھ (تمتہ خامسہ ص ۱۹۵)

سوال (۱۱۹) کیا فرماتے ہیں علماء دین و شرع متین امور مستفسرہ ذیل میں نقد اور سوت کے قصبہ مؤید میں کپڑے کے خریدار اس قسم کے زیادہ ہیں جو مال کی قیمت میں نصف سوت اور نصف زر نقد دیا کرتے ہیں، اگر اسامی یعنی بائع چاہے کہ مال کی قیمت بلا سوت کے کل زر نقد ملے تو خریدار مال خریدنے سے باز رہے گا، لیکن کل زر نقد دے کر مال خریدنا قبول نہیں کریگا اور اسامی یعنی بائع کا حرج ہونے لگے گا اس صورت میں سامی اپنا مال نصف سوت اور

نصف زر نقد پر فروخت کرے تو یہ بیع جائز ہے یا ناجائز، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک سو روپے کا مال فروخت ہوگا تو پچاس روپے کا سوت اور پچاس روپے زر نقد سے مال کی قیمت ادا کی جائے گی لیکن اس امر کا ذکر بائع اور مشتری کے درمیان خرید و فروخت کے وقت نہیں کیا جاتا ہے، مال کی قیمت طے کر لیتے ہیں کہ چالیس روپے کا ہو یا پچاس روپے کا ہو اور سوت کا نرخ بعض وقت قبل سے معلوم رہتا ہے اور بعض وقت مال فروخت ہو جانے کے بعد طے ہوتا ہے، اس معاملہ میں بائع اور مشتری دونوں رضامند ہو جاتے ہیں تو اس میں کیا قباحت ہے

اس کا جواب بہت جلد عطا ہو (تم سوال) تنقیح کی گئی !

پھر یہاں اس پر یہ تنقیح کی گئی !
یہ دست بدست ہوتا ہے یا اول قیمت دی جاتی ہے، پھر ایک میعاد کے بعد مال یا اس کا عکس اور میعاد معین ہوتی ہے یا نہیں۔ (تم لتقیح)

اس تنقیح کا یہ جواب آیا

واضح ہو کہ بائع جس وقت مال اپنا فروخت کرتا ہے، اس کے مال کی قیمت میں کبھی اسی وقت دست بدست نصف سوت اور نصف زر نقد سے دام مل جاتے ہیں، لیکن اکثر خریدار دام دینے میں تاخیر کرتے ہیں، اور تاخیر کی میعاد ایک ہفتہ سے چار ہفتہ تک ٹھہرائی گئی ہے یعنی ایک ہفتہ یا چار ہفتہ میں اس کے مال کی قیمت میں نصف سوت اور نصف زر نقد سے دام ملے گا، لیکن مال کی قیمت میں بائع کو جو سوت ملتا ہے، وہ اصلی نرخ سے کسی قدر گراں پڑتا ہے، یعنی فی ہنڈل دو آنہ یعنی اگر اصلی نرخ یا زار کے آٹھ روپے ہنڈل ہوگی، تو مال کی قیمت میں جب سوت دیں گے تو دو آنہ اوپر آٹھ روپے ہنڈل کا نرخ کر کے دیں گے، اس طرح ہر کہ سولہ روپے مال کی قیمت ہوگی تو آٹھ روپے دو آنے کا ایک ہنڈل سوت دیں گے اور سات روپے چودہ آنے نقد دیں گے، اس طرح پر بیع و شراء درست ہے یا نہیں، فقط ؟

الحمد للہ خریدار ہندو مارواڑی اور مسلمان بھی ہیں قصبہ کے اندر جو کھڑا کارگا ہوں میں تیار ہو کر سوت والے خریدار کی دکان پر فروخت ہوتا ہے اسی کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس کا جواب حسب ذیل دیا گیا

الجواب، ہاقتضائے المعروف کا لشروط یہ تو یقینی ہو گیا کہ ٹن دو چیزوں کا مجموعہ ہے، نقد اور سوت، پس یہ کہنا کہ سولہ روپے قیمت ہے مثلاً اس کے معنی مصطلح بقاعدہ بالا یہ ہیں کہ اس کی قیمت آٹھ روپے نقد اور آٹھ روپے کا سوت ہے مثلاً سو اگر مجلس ہی میں تقابض ہو جاوے یعنی خریدار نے کپڑے پر قبضہ کر لیا، اور بائع نے ٹن، یعنی نقد اور سوت پر تب تو بلا تکلف یہ بیع جائز ہے، اور اگر کل ٹن مجلس میں نہیں دیا گیا یا سوت نہیں دیا تو اس صورت میں بیع کے جائز ہونے کی یہ شرط ہے۔ کہ عقد کے وقت سوت کا نرخ اور یہ کہ کتنا سوت دینا ہوگا تصریحاً مقرر ہو جاوے، کیونکہ یہاں سوت جزء و ٹن ہے، اور ٹن کا معلوم ہونا صحت بیع کی شرط ہے، اما نفس الجواز فلما فی الدار المختار جاز بیع کریاس بقطن وغزل مطلقاً، کیفما کان لاختلافها جنساً و قلت و یستثنیٰ منه ثوب یمکن نقصه فیعود غزل لا فانہ یشترط فیہ التقابض کما فی رد المحتار ج ۳ ص ۲۸۵، ۲۸۶۔

۱۵ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ (تمہ قاسمہ ص ۲۰۲)

سوال (۱۲۰) چچی فرما یند علمکے دین و مفتیان شرع اندیز
مسئلہ کہ شخص بقیعت دو آنہ چیزے خریدہ یک روپیہ بدست بائع دادا و فلوس ہشت آنہ
مشری را دادہ گفت کہ مابقی شش آنہ بعد چند ساعت بگیرید و نیز بائع از ہنود دست
اکنوں ایں بیع و گرفتن فلوس مابقی شرعاً روا یا شد یا نہ بینوا بالکتاب تو جروا عند الملک
الجواب، فلوس مبیع است و بیع معدوم شرعاً جائز نیست الا السلم بشرائط، البتہ
اگر فلوس موجود باشد گو قبض موخر باشد جائز است لکن عوام رعایت ایں شرط نمی کنند
لہذا منع ازاں مطلقاً اصلح است و ہذا کلام ظاہر، ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ (تمہ ثانیہ ص ۹۸)

پھلوں اور پھولوں کی بیع

سوال (۱۲۱) اگر آم کا مول (یعنی پھول) کسی کافر نے مسلمان
بیع کافر کے ہاتھ مالک بارغ سے خرید کیا تو اس کافر سے اور مسلمانوں کو آم لینے جائز ہیں یا نہیں
اور ان کا کھانا کیسا ہے ؟

الجواب ، جائز نہیں ؟ (تمتہ اولیٰ ص ۱۶۶)

دار الحرب میں کافر مالک باغ سے **سوال** (۱۲۲) اگر کسی کافر مالک باغ سے مسلمانوں درختوں کا پھول رکھ کر خریدنا نے مول خرید کیا تو ان مسلمانوں سے اور مسلمانوں کو خرید کرنا اور کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ، جائز ہے ، (تمتہ اولیٰ ص ۱۶۶)

بائع مشتری دونوں غیر مسلم ہوں اور وہ **سوال** (۱۲۳) اگر مالک باغ بھی کافر ہے اور کہہ کی بیع کریں تو مسلمانوں کو اس کا پھل خریدنا خریدنے والا مول کا بھی کافر ہے تو ان سے اور مسلمانوں کو آم لے کر کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ، جائز ہے ، (تمتہ اولیٰ ص ۱۶۶)

بیع ثمار بر بعضی شروط مرقوم **سوال** (۱۲۴) باغ کا غیر پختہ پھل کسی کو قیمت کر کے بیچ دیا جائے ، اس شرط پر کہ پختہ ہونے تک پانی صاحب باغ دیا کرے گا باقی پختہ مشتری کرے گا ، مدت معروفہ پختہ ہونے تک مہلت ہوتی ہے ، جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ، فی الدر المختار وان شرط ترکھا علی الاشجار فسد البیع کشرط القطع علی البائع حاوی وقیل (قائلہ محمد) لا یفسد اذا اتناھت الثمرة المتعار فان شرطاً یقتضیہ العقد وبہ یفتی بمعون الاسراء الخ فی رد المحتار قبل القول المذکور تحت قوله وافتی الحلوانی بالجواز لو الخارم اکثر بعد بحث طویل قلت لکن ینغنی تحقق الضرورة فی زماننا ولا سیما فی مثل دمشق الشام کثیرة الاشجار والثمار الی آخر ما قال واطال بہ ۴ ص ۵۹ فی الدر المختار ولا بیع بشرط الی قوله ولم یجوز العرف بہ الخ وفیہ اوجری العرف بہ الی قوله استحسننا للتعامل بلانکیر فی رد المحتار بعد کلام طویل ومقتضی هذا انه لو حدث عرف فی شرط غیر الشرط فی النعل او الثوب والقبقاب ان ینکون معتبرا اذا المر یؤد الی المناذعة الخ ، ص ۱۸۶ تا ص ۱۹ ، ان روایات سے معلوم ہوا کہ فی نفسہ تو یہ معاملہ فلاق قاعدہ ہے ، لیکن اگر کہیں ایسا عرف عام ہو جائے تو درست ہے ، اور جو عرف عام نہ ہو درست نہیں ،

۲۸ رمضان ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثانیہ ص ۷۹)

بیع ثمار قبل ظهور | سوال (۱۲۵)، اگر قرضدار کو باغ کا پھل دو تین سال ۵۰۰ روپے میں لکھ دیئے جاویں جو پیداوار ہو کیسا ہے؟

الجواب، فی الدر المختار اما قبل الظهور فلا یصح اتفاقاً فی رد المحتار عن الفتاویٰ خلاف فی عدم جواز بیع الثمار قبل ان تظہر الخ جلد ۴ ص ۱۵۸ اس سے معلوم ہوا کہ یہ معاملہ مطلقاً ناجائز ہے، ۲۸ رمضان ۱۳۳۳ھ (تمہ ثانیہ ص ۷۶) پھل خریدنے والے سے کچھ | سوال (۱۲۶) جناب کے بہتی زیور میں نے یہ مسئلہ دیکھا ہے کہ مقدار جنس پھل کی مقرر کرنا | اگر بہار باغ بیع کی جاوے تو نقد قیمت کے ہمراہ کچھ مقدار آم کی بطور جنس لینے کے طے کر لی جاوے تو جائز ہے، پیشتر سے مجھ کو یہ علم تھا کہ قیمت کے ہمراہ جنس ناجائز ہے لہذا مثلاً کسی شخص نے اپنا باغ بیع کیا مبلغ سو روپے کو، یعنی مشتری سے یہ کہا کہ کل بہار کے سو روپے لوں گا اور دس من آم بھی اسی باغ کے تم سے بذریعہ قیمت کے لوں گا، گویا بالکل قیمت سو روپے نقد اور دس من آم ہوئے تو یہ جنس علاوہ نقد جائز ہوگی یا نہیں، امید کہ جواب باصواب کے مطلع فرمایا جاوے، بینوا تو جروا، فقط۔

الجواب، میں نے یہ مسئلہ ایک تاویل سے لکھا تھا کہ گویا یہ مقدار بیع سے مستثنیٰ ہوگی اور استثنا بیع سے مقدار معلوم و معین کا جائز ہے اور اس کو لکھ کر ایک محقق عالم صاحب الفتاویٰ کو بھی دکھالیا تھا، انھوں نے بھی موافقت فرمائی، مگر بعد چندے ایک دوسرے گذشتہ بزرگ کا فتویٰ اس کی ممانعت کا مجھ سے ایک ثقہ نے نقل کیا، اور وہ ممانعت بھی ایک قاعدہ برہنی معلوم ہوئی، وہ یہ کہ یہ کیا معلوم کہ پھل اتنا ہاتھ آجاوے گا کہ اس میں سے اس قدر دے کے گا تب سے اس مسئلہ میں تردد ہو گیا، بہتر یہی ہے کہ یہی سوال و جواب دیوبند و سہارنپور بھیج کر مسئلہ کی تنقیح کر لی جاوے اس وقت تو یوں سمجھ میں آ رہا ہے کہ اگر یہ مقدار اس قدر ہو کہ یقیناً بل جاوے گی اور کوئی نزع نہ ہوگا تو کچھ حرج نہ ہوگا ورنہ منع کیا جاوے، ۲۷ جمادی الثانیہ ۱۳۳۲ھ (تمہ ثانیہ ص ۱۵۰) پھل خریدنے والے سے کچھ | سوال (۱۲۷) کیا حکم ہے شرع شریف کا اس مسئلہ میں کہ لوگ اپنا مقدار جنس پھل کی مقرر کرنا | باغ پھل ظاہر ہونے پر جس وقت فروخت کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ قیمت لیں گے اور اس قدر یعنی ہزار پانسوا نہ ہم لیں گے، خریدار اپنا سمجھوتہ مابہ قیمت کر کے خرید لیتا ہے، اور انہ دینے پر بھی راضی ہو جاتا ہے، اب دریافت طلب یہ بات ہے کہ یہ انہ لینے جائز ہیں یا نہیں اگر ناجائز تو صورت جواز کیا، اور جائز ہے تو مطلقاً یا کسی خاص درخت کے انہ کی تعیین کرے،

اکثر باغ والے اس صورت سے فروخت کرتے ہیں کہ ہم باغ خود کو کھا نہیں سکتے اس صورت سے کھا بھی لیتے ہیں اور فروخت بھی کر دیتے ہیں، دیوبند کو لکھا تھا، مفتی صاحب نے لکھا کہ تعداد انہ ہزار پانچ سو کرے خاص درخت کی تعیین نہ کرے یہ جائز ہے، درختار میں ہے، حسب اتفاق مراد آباد کے نوجوان علما، یہاں ایک تقریب میں آئے ان کے سامنے بھی ذکر ہوا تو انہوں نے فرمایا ناجائز ہے، بیع مجہول ہے، صفقہ فی صفقتین ہے، اس سے فلجان ہو گیا، لہذا گزارش ہے کہ حضرت بھی اس کا جواب تحریر فرما دیں تاکہ کسی امر کا وثوق ہو جاوے، فقط۔

الجواب، اول اس عقد کی حقیقت سمجھنا ضروری ہے، سو اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ انہ مہودہ کو بدل قرار دیا جاوے یعنی مشتری بدل میں دو چیزوں کے دینے کا وعدہ کرے، ایک اتنا روپیہ دوسرا اتنا انہ، یہ تو ظاہر ہے کہ ناجائز ہے، دوسرا احتمال یہ کہ اتنی تعداد کے انہ بیع سے مستثنیٰ سمجھے جاویں سو اس میں بھی یہ قدر ہے کہ اول تو انہ مقدار میں متفاوت کوئی چھوٹا کوئی بڑا، اس میں نزاع کا احتمال دوسرے ممکن ہے کہ کل انہ اتنے ہی پیدا ہوں تو استثنا کہاں صحیح ہوگا تیسرے جب یہ مستثنیٰ ہوا تو غیر بیع ہوگا، پھر مشتری کے ذمہ اس کی حفاظت کیسے ہوگی، لیکن تعاملاً عام کے سبب یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب عادتاً نزاع نہ ہوا اور غالباً انہ زیادہ ہوں تو جائز کہندے اور اگر کسی خاص درخت کو پورا مستثنیٰ کر لیں تو اس کے جوانہ میں کوئی شبہ نہیں، ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ

رہتمہ خامسہ ص ۱۹۸

سوال، (۱۲۸) کیا فرماتے ہیں علما، دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بہار باغ سو روپے میں فروخت کی مشتری نے پچاس روپے نقد وقت بیع کے دیدیئے اور پچاس روپے کا اختتام بہار پر وعدہ کیا، یہ روپیہ جو اختتام بہار پر دیا جائے گا اس پر بایع مشتری سے روپیہ سیکڑہ ڈالی کے آم لے گا یہ آم لینے جائز ہیں یا نہیں؟

دوسری صورت یہ ہے کہ کل روپیہ وقت بیع لے لیا، اس پر بھی کسی قدر آم مشتری سے لئے جاتے ہیں لیکن اس صورت میں روپیہ سیکڑہ نہیں لیا جاتا ہے، بلکہ اس سے کم جو طے ہو جائے یہ جائز ہے یا نہیں، ڈالی کے قائم کرنے نہ کرنے میں ثمن کی کمی بیشی بھی ہوتی ہے،

الجواب، یہ اس تاویل سے جائز ہو سکتا ہے کہ جتنے انہ مقرر ہوئے ہیں گویا بیع سے مستثنیٰ ہیں اور استثنا میں مستثنیٰ کا اس طرح معلوم ہونا چاہئے، کہ تنبا عین میں نزاع نہ ہو، سو اگر ایسی ہی تبیین ہو جاوے تو گنجائش ہے۔ اور ہر چند کہ آم ذوات لقیم ہیں، لیکن بضرورت

اختلاف بعض ثمرات مع ثمن ثبات

تقابل ان کے اشجار کی تعیین سے جو تقارب ان کے احادیث سے اس سے وہ لمحق بذوات الامثال ہو سکتا ہے، ۲۹ رجب ۳۳۳ھ (حوادث اول و ثانی ص ۱۰۸)

جو پھل ظہور سے پہلے فروخت کئے گئے ہوں | سوال (۱۲۹) میرے والد کے پاس گلوں مالک اصلی کو ان کی خریداری حلال ہے | میں کچھ بلغ جن کا ٹھیکہ تین چار سال ہوئے کہ والد

صاحب نے دس سال کے واسطے رجسٹری کرادیا ہے، اور اس ٹھیکہ دار سے علاوہ نہ مقررہ کے کچھ آم بھی بطور ڈالی کے ٹھہر گئے ہیں، اب یہ فرما دیجئے کہ یہ ڈالی کے آم جب گھر آویں تو میں اپنے صرف میں لاسکتا ہوں یا نہیں، علاوہ اس کے اس گلوں میں کچھ جزو میرا بھی ہے مگر غیر تقسیم شدہ اور وہ بالکل والد کے قبضہ میں ہے، اور میرا اس وجہ سے ہے کہ مجھے میراث میں بلا ہے، فقط

الجواب، بیع باطل تھی، اور آم سب مالک اصلی کی ملک ہیں، پس اس میں سے جو آم ڈالی میں آویں گے وہ بھی مالک ہی کی ملک ہیں، اس لئے حلال ہیں، لیکن جس جگہ عوام اس دقیقہ کو نہ سمجھ سکیں تو ایسے شخص کو نہ کھانا چاہئے جس سے عوام پر اثر پہونچے،

۲۹ جمادی الثانیہ ۳۳۲ھ (حوادث اول و دوم ص ۱۴۲)

پھلوں اور پھولوں کی بیع | سوال (۱۳۰) فی الدر المختار (ومن باع ثمرة بارزة) اما قبل

الظہور فلا یصح اتفاقاً و ظہر ملاحھا و لا یصح فی الاصل و لو بزر بعضها ذن بعض لا یصح (فی ظاہر المذہب) و صحیحہ السنن و فی الحوائی بالجوادل و الخارج اکثر زیلعی (و یقطعها المشتري فی الحال) جبراً علیہ (وان شرط ترکھا علی الاشجار قسداً) البیع کشر الفطم علی البائع حاوی (و قیل) قائلاً محمد (لا یفسد اذا تدهت) الثمرة للتعارف فکان شرطاً یقتضیہ العقد (وبہ یفتی) بموجب الاسرار لکن فی الفہستائی عن المضمومات انہ علی قولہا القسداً فتنبہ قید باشرط الترتک لانه لو شرھا مطلقاً و ترکھا باذن البائع طالب له الزیادة وان یغیر اذ نہ تصدق بها زاد فی ذاتھا وان یعد ما تناهت لہ یتصدق بشئ و از استاجر الشجر الی وقت الادراک بطلت الجارة و طابت الزیادة لبقاء الذر و لو استاجر لایضا لترك الزرع فسدت لجهالة المدة و لم یطلب الزیادة ملتقى الابحر لفساد الذر و فساد العمارة بخلاف الباطل کما حذرناک فی شرح مطلب فساد المتضمن یوجب فساد المتضمن و الحيلة ان یأخذ الشجرة معاملة علی ان لجزء من الف جزء و ان یشتري اصول الرطبة کالبان و اشجار البغیض و الخیار کوز الحادث للمشتري و فی الزرع

والحشيش يشترى الموجود ببعض الثمن ويستاجر الارض مدة معلومة يعلم فيها
الادراك بباقي الثمن وفي الاشجار الموجود ويجعل له البائع ما يوجد فان خاف ان يرجع يقول
على انى متى رجعت فى الاذن تكون ما ذوتنا فى التراب شمنى ملخصاً وفى رد المحتار تحت
قوله ظهر صلاحها او لا مانع وعندها ان كان بحال لا ينتفع به فى الاكل ولا فى علف
الدواب فيه خلاف بين المشائخ قيل لا يجوز ونسبه قاضى خان لعامة مشائخنا
والصحيح انه يجوز لانه مال منتفع به فى ثنائى الحال ان لم يكن منتفعاً به فى الحال
والجواز فى جواز بائنا المشائخ ان بيع الكثرى اول ما يخرج مع اوراق الشجر فيجوز
فيها تبعاً لاوراق كانه ورق كله وان كان بحيث ينتفع به ولو علقا للدواب فالبيع
جائز باتفاق اهل المذهب اذ اباع بشرط القطع او مطلقاً وفيه قولان فتنى لحولى
بالجواز وروى عنه مروى عن اصحابنا وكذا حكى عن الامام الفضلى وقال استحسن فيه
لتعامل للناس وفى نزاع الناس عن عادتهم خرج قال فى الفتح وقد رأيت رواية فى نحو هذا
عن محمد بن بيع الورد على الاشجار فان الورد متلاحق وجوز البيع فى الكل وهو قول مالك اه
وفيه بعد اسطر قلت لكن لا يخفى تحقق الضرورة فى زماننا ولا سيما فى مثل
دمشق الشام كثيرة الاشجار والثمار فانه لغلبة الجهل على الناس لا يمكن الزامهم
بالتخلص باحد الطرق المذكورة وان امكن ذلك بالنسبة الى بعض افراد الناس لا يمكن
بالنسبة الى عامتهم وفى نزاعهم من عادتهم خرج كما علمت ويلزم تحريم اكل الثمار
فى هذه البلدان اذ لا يتباع الا كذلك والنبي صلى الله عليه وسلم انهار خص فى السلم
للضرورة مع انه بيع المعدوم فحيث تحققت الضرورة هنا ايضاً امكنها معه بالسلم
بطريق الدلالة فلم يكن معادماً للنص فلذا جعلوه من الاستحسان لان القياس عدم
الجواز والظاهر كلام الفتح الميل الى الجواز ولذا اورد له الرواية عن محمد بن تقى
از الحلو فى رواه عن اصحابنا وما ضاق الامر الا اتسع ولا يخفى ان هذا مسدود للعدول
عن ظاهر الرواية كما يعلم من رسالتنا المسماة نشر العرف فى بناء بعض الاحكام على العرف
فليجمعها قوله لوال خارج اكثر ذكر فى البحر عن الفتح ان ما نقله شمس الائمة عن الاجماع
الفضلى لم يقيد عنه بكون الموجود وقت العقد اكثر بل قائل عنه اجعل الموجود اصلاً
وما يحدث بعد ذلك تبعاً قوله جبراً عليه مقداره انه لا خيار للمشتري فى ابطال البيع اذا

امتنع البائع عن ابقاء الثمار على الاشجار وفيه بحث لصاحب البحر والنهر سید کریم الشارح
 اخر الباب وروى في اخر الباب هكذا قال في النهر ولا فرق يظهر بين المشتري والبائع
 في رد المقار اصله لصاحب البحر وحاصله البحث انه ينبغي على قياس هذا انه لو باع
 ثمرة بدون للشجر ولم يرض البائع باعادة الشجر ان يخيّر المشتري ايضا ان شاء بطل
 البيع او قطعها لان في القطع اتلاف المال وفيه ضرر عليه الخ قوله فتنه انشأ به الى
 اختلاف التصحيح وتخيير المفتي في الافتاء بايهما شاء لكن حيث كان قول ماحد هو
 الاستحسان يترجم على قولها تامل وفيه تحت قوله كما حررناه في شرحهما نصه و
 حاصل الفرق كما في الفقه وغيره ان الفاسد له وجود لانه فائت الوصف دون الاصل
 فكان الاذن ثابتا في ضمنه فيفسد بخلاف الباطل فانه لا وجود له اصلا فلم يوجد
 الاذن قوله وان يشتري الخ، هذه حيلة ثالثة وبيناها ان المشتري اما ان يكون ميا يوجد
 شيئا فشيئا وقد وجه بعضه اوله يوجد من شيء كالبازنجان والبطيخ والخيار او يوجد
 كله لكنه لم يدر كذا كذا كذا او يكون وجد بعضه دون بعض كثر الاشجار المختلفة
 الانواع، ففي الاول يشتري الاصول ببعض الثمن ويستاجر الارض مدة معلومة سببا في الثمن
 لتلايا مرة البائع بالقلم قبل خروج الباقي او قبل الادراك، وفي الثاني يشتري الموجود من
 الحشيش والزرع ويستاجر الارض كما قلنا وفي الثالث يشتري الموجود من الثمر بكل
 الثمن ويحل له البائع ما سيوجد لان استيجار الارض لا يتاقي هنالان الاشجار
 باقية على ملك البائع وقيامها على الارض مانع من صحتها استيجار الارض مع ٣٠٠٠

روايات بالاسم امور ذيل مستفاد هوے۔

- ۱۔ پھل جب تک نکل نہ آوے اس کی بیع مطلقاً ناجائز ہے، اور میلہ سلم کا اس لئے نہیں ہو سکتا کہ اس میں سلم فیہ کا وقت عقد کے اس جگہ پایا جانا شرط ہے،
- ۲۔ پھل نکل آنے کے بعد بیع جائز ہے، اگر قابل اتفعا ہو تو اتفاقاً ورنہ اختلافاً،
- ۳۔ اگر کچھ ظاہر ہو اور کچھ ظاہر نہیں ہوا اس کو امام فضلی نے جائز کہا ہے۔
- ۴۔ بعد صحت بیع کے بائع نے مشتری کو پھل کے درخت پر رہنے دینے کی اجازت دی، یہ پادلالہ تو پھل حلال رہے گا،
- ۵۔ اگر بائع اس اذن پر راضی نہ ہو تو بعض کے نزدیک مشتری بیع کو فسخ کر سکتا ہے۔

- ۶۔ جو پھل تھوڑا تھوڑا آتا ہو جیسے امرود تو بعض کے ظاہر ہونے کے بعد بیع درست ہے۔
 ۷۔ اسی طرح گلاب وغیرہ کے پھولوں کا یہی حکم ہے کہ بعض کا ظاہر ہو جاتا کافی ہے، اور اگر یہ احکام مذکورہ میں سے بعض میں اختلاف بھی ہے، مگر ابتلائے عام میں گنجائش ہے۔
 زمین مع باغ انہ ٹھیکہ پر ہو | سوال (۱۳۱) اگر کسی باغ کا ٹھیکہ مع زمین کے کاشت پر ہو
 تو اس کا پھل کھانا۔ اور اس کے ساتھ بہار باغ انہ کا بھی ٹھیکہ ہو تو اس باغ کے آم کھانا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ نہیں۔

ضمیمہ مضمون بالا

ان اشیاء کے متعلق ہمارے افہام میں ایک رسم ہے کہ بائع شمار مشتری سے ختم کے علاوہ ایک مقدار خاص سے کچھ ٹھہرنا بھی ٹھہرا لیتا ہے، مثلاً پختی پر ہم اتنے وزن سے ٹھہرنا یا اتنی تعداد سے ٹھہرنا بھی تم سے لیں گے، اور وہ اس کو منظور کر لیتا ہے، اور وقت پر دیدہ پتا ہے کبھی یکبارگی اور کبھی متفرق کر کے، اور اس میں نزاع و اختلاف بھی اکثر نہیں ہوتا، اور کبھی پھل کی پیداوار میں کمی ہوتی ہے تو بعض بالبعین اس مقدار میں بھی کمی کر دیتے ہیں، اور اس کو اصطلاح میں جتس کہتے ہیں، پس یہ مسئلہ بھی قابل بحث ہے، سو ایک توجیہ تو اس کے جواز کی اس کو استثنا میں داخل کرنے سے محتمل ہے مگر یہ اس لئے صحیح نہیں کہ اس تقدیر پر مشتری فی الفور بائع سے مطالبہ کر سکتا ہے، کہ اپنا پھل غیر بیع میرے بیع پھل سے تقسیم کر کے متمیز کر دو اور وہ انکار نہیں کر سکتا اور بائع اس کو ایک وقت خاص تک اس کی حفاظت کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا، حالانکہ یہ عرف اور شرط اور مقصود کے خلاف ہے،

اور ایک توجیہ یہ محتمل ہے کہ ثمن دو چیزوں کو کہا جاوے، ایک تو روپے کی رقم، دوسرا اتنا پھل، لیکن یہ اس لئے صحیح نہیں کہ ایک تو خود بیع کے ایک جزو کو ثمن ٹھہرانا جائز نہیں، دوسرے اس صورت میں ثمن وقت بیع کے مقدور تسلیم نہیں، پس یہ دونوں توجیہیں قواعد منطبق نہیں ہوتیں، مگر اس میں ابتلائے عام ہے، اس لئے ضرورت معلوم ہوتی ہے اس کو کسی کلیہ منطبق کہنے کی، سو احقر کے خیال میں یہ توجیہ آتی ہے کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ بعد تکمیل بیع کے بھی ترہی

متعاقبین سے ٹمن میں بھی اور بیع میں بھی زیادت جائز ہے، اور حط یعنی کمی بھی جائز ہے، جیسا زیادہ کے خریدار کو کمیشن واپس کرنا جس کی حقیقت حط ٹمن ہے عام طور سے رائج ہے، اسی طرح اس کو حط بیع میں داخل کہا جاوے، یعنی بیع تو ہو گئی کل کی، مگر بیع میں یہ شرط ٹھہر گئی کہ مشتری اس قدر بیع پھر بائع کو قلاں وقت واپس کر دے گا، اور سہر خپد کہ وقت کی شرط قواعد سے اس پر لازم نہیں، مگر فقہ میں اس کی بھی تصریح ہے، کہ جو وعدہ ضمن عقد میں ہو وہ لازم ہو جاتا ہے اس لئے اس کو لازم بھی کہا جاوے گا، اب صرف اس میں دو شبہ رہ گئے۔ ایک یہ کہ شاید اتنا پیدا نہ ہو، دوسرے اگر پیدا بھی ہو تو اس کے احاد متفاوت ہوتے ہیں تعین کیسے ہوگی، جواب اس کا یہ ہے کہ ہم اس کا التزام کر لیں گے کہ یہ مقدار عین کی اتنی ہونا چاہئے کہ اس میں یہ شبہ نہ رہے، اور تفاوت کا تدارک یہ ہے کہ مودی کا وصف بیان کر دیا جاوے کہ بڑا ہو گا یا چھوٹا، یا مخلوط، جس میں نزاع نہ ہو، اور جہالت بسیرہ کا بہت جگہ تحمل کر لیا گیا ہے نقطہ اشرف علی یکم صفر ۱۳۳۳ھ

مضمون مذکور پر یہ سوالات کئے گئے جو مع اجوبہ ذیل میں منقول ہیں

سوال ۱۔ عبارت بالا کے شروع میں ہے ”افق الحلوانی بالجواز لولوا الخ“ اکثر اور اس کے بعد ہے ”قوله وافق الحلوانی بالجواز ذر عنہ“ مودی عن اصحابنا وکذا حکى عن الفضلی“ ان عبارات سے معلوم ہوا ہے کہ قول بالجواز مشروط بخروج الاکثر ہے، لیکن امر از امور مستفادہ میں یہ قید رہ گئی ہے اس سے اطلاق مفہوم ہوتا ہے،

الجواب، حلوانی کی اس قید کے خلاف امام فضلی سے منقول ہوا ہے جو اوپر کی اس عبارت میں مذکور ہوا ہے ذکر فی البحر عن الفتح ان ما نقلہ شمس الانمہ عن الامام الشافعی الخ تتمہ سوال ۱۔ نیز اس کے متعلق دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ صورت آیا ایک ہی درخت کے ساتھ مخصوص ہو یا ایک باغ میں بھی جاری ہوگی، جب کہ اس کے اکثر درختوں میں پھل آگیا ہو اور بعض میں بالکل نہ آیا ہو والظاہر ہو الاول،

الجواب، نعم الظاہر هو الاول عند من اعتبر هذا القيد وقد علمت الکلام فیہ

سوال ۲۔ لا یغنی تحقق الضرر فی زماننا ولا سیمافی دمشق الشام کثیرۃ الاعیاض والثمار فانه لغلبة الحیل علی الناس لا یمكن الزامهم بالتخصص باحد الطریق المشہورۃ

وغیرہ عبارات منقولہ سے دو امر مستفاد ہوتے ہیں ایک یہ کہ عموم بلوی بھی قیاس کو چھوڑ دینے کے لئے کافی ہے، اور اس کا اثر صرف نجاست و طہارت تک محدود نہیں بلکہ تحلیل و تحریم پر بھی اس کا اثر ہے، کیونکہ تعامل مذکور فی عبارات المنقولہ تعامل مصطلح تو ہے نہیں اس لئے کہ اول تو تعامل مصطلح اجماع کی قسم ہے، اور اجماع مجتہدین کا معتبر ہے، نہ کہ عام علماء و فقہاء کا، پھر اگر ہو بھی تو نہ تمام علماء کا عملاً اس کے جواز پر اتفاق ہو اسے نہ قولاً تو لا محالہ تعامل مذکور بمعنی تعارف ہوگا، ویدل علیہ ایضاً نص السلم اذ لا اجماع فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بل ہناک الابتلاء العام وضرورة الناس والخرج فقط بلکہ اگر غور کیا جاوے تو تعامل قسم اجماع کوئی مستقل دلیل جواز نہیں بلکہ اصل وجہ تعامل و تعارف ناس ہے، پس جبکہ مجتہدین نے ابتلاء عام دیکھا اور ممانعت کو مفضی الی الخرج سمجھا جو کہ دلیل ہے جواز کی، اس لئے انہوں نے عملاً و قولاً اوسکو تا عوام سے اتفاق کیا، پس اصل دلیل جواز تعامل ناس ہی ہوا جو کہ سند اجماع ہے، دوسرے یہ کہ ترک قیاس کیلئے کسی خاص خطہ میں وہاں کے عوام کا ابتلاء عام جس کا السداد مفضی الی الخرج اور قریب قریب ناممکن ہو کافی ہے، اس کی ضرورت نہیں کہ ابتلاء تمام عالم میں ہو کما یدل علیہ قولہ لایسا فی دمشق الشام الخ اس کا ایک جواب سمجھ میں آیا تھا وہ یہ کہ اگر اصحاب مذہب میں کسی سے کوئی غیر ظاہر روایات بھی منقول ہو تو اس وقت عموم بلوی کا لحاظ کر کے اس پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے، لیکن جبکہ کوئی روایت ہی نہ ہو تو ایسا نہیں کیا جاسکتا، لیکن اس جواب میں یہ خدشہ ہے کہ یہ اس وقت ہو سکتا ہے کہ اس روایت غیر ظاہرہ کے لئے کوئی اور وجہ علاوہ عموم بلوی اور ضرورت ناس کے ہو لیکن اگر ضرورت ناس اور حرج ہی اس کا سبب بھی ہو تو پھر وہی صورت پیدا ہو جاتی ہے، پھر عبارت النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما رخص فی السلم للضرورة مع انه یبع المعدوم فحیث تحقق الضرورة ہینا ایضاً امکان الحاقہ بالسلم بالادلة فلم یکن مصادماً للنص اس تاویل و توجیہ سے آئی ہے، کیونکہ جب یہ اصول مقرر ہو گیا تو اس کی ضرورت نہ رہی کہ کوئی روایت اصحاب مذہب سے صریحاً منقول ہو کہ فلاں امر جائز ہے، کیونکہ صراحۃً و نصاً موجود نہ ہونے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ان کے زمانہ میں ایسی صورت ہی پیش نہ آئی ہو یا پیش آئی ہو اور ضرورت ناس نہ ہو، اس لئے مطابق قیاس حکم بیان کیا گیا ہوا و تقدیراً تو مذکور ہے ہی، کیونکہ کلمہ کل ما تحقققت الضرورة فیہ فهو جائز عندنا بذلالتہ نص السلم موجود ہے، پس اس کبریٰ کے ساتھ معفرتی

سہلۃ الحصول ہذا یا تحقق فیہ الضرورة ملائے سے ہذا جائز عندنا بدلالة النص المسلم نتیجہ صریح ہے، اگر کہا جاوے کہ ضرورت کی تشخیص و تقدیر کے لئے ضرورت ہے اجتہاد کی، تو یہ کچھ دل کو نہیں لگتا کیونکہ ابتلائے عام اور حرج مشاہدہ اور تجربہ سے معلوم ہو سکتا ہے اس کے لئے کسی اجتہاد کی ضرورت نہیں و ایضاً لا یساعده نص المسلم، پس اس اصول کی بنا پر بہت سے مسائل کے حوالہ کا حکم کرنا پڑے گا جیسے باغوں کا پھل آنے سے پہلے بیچنا وغیرہ،

الجواب، خود ضرورت عامہ دلیل مستقل نہیں، جب تک کسی کلیہ شرعیہ میں وہ صورت داخل نہ ہو جیسا عبارات مذکورہ سوال میں صرف ضرورت کو جو انہ کے لئے کافی نہیں سمجھا بلکہ ضرورت کہ داعی قرار دیا کسی کلیہ میں داخل کرنے کا مثل الحاق بالمسلم وغیرہ کے، اور بیع قبل تہود الثمار میں یہ الحاق ہو نہیں سکتا، اسی طرح کوئی دوسرا کلیہ بھی نہیں چلتا، فلا یقاس احدہما علی الآخر، اور مسلم میں اس کا داخل نہ ہونا ظاہر ہے، کیونکہ اگر اشتراط وجود مسلم فیمن وقت العقد الی حلول الاجل سے قطع نظر کر کے شافعی کا مذہب بھی لے لیا جاوے کہ ان کے نزدیک صرف وجود وقت الحلول کافی ہے، تب بھی یہ اس لئے مسلم نہیں کہ اولاً مقدار شمار کی متعین نہیں، ثانیاً کوئی اجل معین نہیں، ثالثاً اجل پر مشتری بالغ سے مطالبہ نہیں کرتا، بلکہ بالغ اول ہی سے اشجار کو مشتری کے سپرد کر دیتا ہے، اور وہ اسی وقت سے اس پر قابض ہو جاتا ہے، پھر خواہ ثمر قلیل ہو یا کثیر ہو اور خواہ نہ ہو، رابعاً اکثر شمار عددی متقارب یا وزنی متماثل نہیں، خامساً اکثر پورا ثمن پیشگی یک مشت بھی تسلیم نہیں کیا جاتا، غرض یہ مسلم کسی طرح نہیں ہو سکتا۔

سوال ۳ تحریر فرمایا گیا ہے کہ احقر کے خیال میں یہ توجیہ آتی ہے الخ اس میں شبہ یہ ہے کہ حظ و زیادۃ فی الثمن او فی المبیع اگرچہ بعد تمامی بیع ہوتا، ہم اصل عقد کے ساتھ ملحق ہوتے ہیں یعنی پہلا ثمن اور مبیع، ثمن و مبیع نہیں رہتے، بلکہ بعد الزیادۃ و الحظ اصل ثمن و مبیع قرار پاتے ہیں پس جبکہ یہ قاعدہ مسلم ہے تو اگر اصل عقد ہی میں حظ مبیع متحقق ہو گیا، تو گو عملدرآمد اور قبض کسی وقت ہو لیکن یہ حظ استثناً ہی سمجھا جاوے گا لان الاستثناء ہوا خراج الداخل و كذلك الحظ اور اگر اس طرح شرط کی گئی ہے کہ اس وقت تو ہم کل تمہارے ہاتھ بیچ ڈالتے ہیں، لیکن وقت مہود پر تم کو اس قدر واپس کرنا ہوگا تو یہ ایک ایسی شرط ہے جو مفقضی عقد کے خلاف بھی ہے۔ لان مقتضاه ہوا استبدال مشتری بالتصرف فیہ کیف شاء، اور اس میں احد المتعاقدين کا نفع بھی ہے۔ پس شرط مذکور مفسد بیع ہوگی، نہ ہا بعد تمام

البيع حط کا جائز ہونا، سو یہ مستلزم اس کے جواز اشتراط کو نہیں، چنانچہ بائع کا بعد قبض ثمن برضا مندی مشتری مبیع کو کچھ عرصہ تک اپنے پاس رکھنا اور اس سے منتفع ہونا جائز ہے، مگر شرط جائز نہیں، اور حط فی نفس العقد استثنائے ہے، فحیث ما يجوز الاستثناء بحبر الحط واینا لا فلا۔۔۔
الجواب، یہ شبہ صحیح ہے، لیکن بیع بشرط الوفاء میں ایسے ہی اشتراط کو جائز کہا گیا، اگرچہ مقتضی عقد کے خلاف تھا، اور چونکہ بائع کا بعد قبض ثمن برضا مندی مشتری مبیع کو اپنے پاس رکھنا اس میں ابتلا نہیں ہے، اس لئے اس میں کسی تاویل کی کوشش کی ضرورت نہیں، اگر ابتلا ہوتا اور کوئی تاویل چل بھی جاتی تو اس میں بھی ایسا حکم کر دیا جاتا اور صرف ضرورت بدون تمشیہ کسی تاویل کے کافی نہیں، کما مرن فی الجواب عن ثانی الشانی فقط،

اشرف علی ۱۴ صفر ۱۳۳۳ھ (ترجیح ثالث ص ۲۲۵)

سوال، (۱۳۲) آج کل یہ دستور ہو گیا ہے کہ پیداوار ایک کھیتی رس کا اس کی خریداری کا حکم معاملہ خرید ایسے وقت ہو جاتا ہے کہ کہیں ایک کھ بونی بھی نہیں جاتی ہے، کہیں کچھ کچھ بونی جاتی ہے، اگر نہیں خریدی جاتی تو عین وقت پر حباب کہ رس تیار ہوتی ہی نہیں اس صورت میں خسری خریداری کھنڈ سال کی اجادت ہو سکتی ہے یا نہیں، اگر اجازت نہ ہو تو غالباً کھنڈ سال ہی نہ ہو یا بہت ہی زراعت قیمت دینے پر شاید ملے۔

الجواب، عقد سلم میں بیع کا وقت میعاد تک برابر پایا جانا حنفیہ کے نزدیک شرط ہے۔ اگر یہ شرط نہ پائی گئی تو عقد سلم جائز نہ ہوگا، لیکن شافعی کے نزدیک صرف وقت میعاد پر پایا جانا کافی ہے، کذا فی الہدایہ، تو اگر ضرورت میں اس قول پر عمل کر لیا جائے تو کچھ ملامت نہیں رخصت ہے، ۲۷ رجب ۱۳۳۵ھ (تمتہ خامسہ ص ۱۵۱)

بیع بالوفاء

سوال (۱۳۳) زید اپنی جائداد غیر منقولہ عمرو کے ہاتھ چند بعض صورتیں جو بیع بالوفاء سے مشابہ ہیں نا جائز ہیں
 شروط پر بیع کرتا ہے اولاً جائداد مذکورہ ایک مقررہ مدت تک (مثلاً دس یا پندرہ سال تک) موافق بیع کے عمرو کی کہلائے گی، ثانیاً اس کے کل منافع مدت معینہ تک عمرو ہی کے ہوں گے، ثالثاً تاریخ شرط کے اختتام پر بائع ثمن معطی مشتری کو واپس دے کر مبیع لے لیگا، رابعاً بائع نے اگر تا تاریخ معینہ میں ثمن نہ دیا یا نہ دے سکا تو مبیع

مشتري کی ہو جائے گی، یہ بیع صحیح ہوگی یا نہیں، اگر نہیں تو کون سی قسم میں داخل ہے، اور مدت مقرر کر کے واپس لینا کیسا ہے، جمیع عرصہ کے کل منافع مشتري کے لئے جائز ہوں گے، یا ایذا ثمن وقت معینہ میں ادا کرنے کی صورت میں پکتے طور پر بیع مشتري کی ہو جاتی ہے، اس کے پیشتر معاملہ مذہب رہتا ہے، ایسا معاملہ کیسا ہے،

الجواب۔ یہ شرائط موجب فساد بیع ہیں، اس لئے یہ عقد حرام ہے، آگے رہنا، الفاسد علی الفاسد یہ صورت بگاڑی ہوئی بیع بشرط الوفا کی ہے، مگر اس کا طریق دوسرا ہے پھر وہ بھی اصل مذہب میں جائز نہیں۔

۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۳۹)

عکم بیع بالوفاء | سوال، (۱۳۴) ایک شخص زید اپنا گاؤں فروخت کرتا ہے، لیکن اس شرط پر کہ ایک میعاد معین کے اندر اگر نہ رٹن واپس کر دے، تو گاؤں مبیعہ واپس لے لے ایسا معاملہ اور استفادہ اس گاؤں سے مشتري کو شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۲ ایک شخص اپنے گاؤں کو واسطے اطمینان قرضہ کے دائن کے قبضہ میں دیتا ہے، اور یہ معاہدہ ہوتا ہے، فریقین میں کہ تا ادائیگی قرضہ کے وہ اس گاؤں پر قابض اور متصرف رہے اور اس کا انتظام اور حفاظت اور سرکاری مطالبہ اور جملہ نفع و نقصان جو کچھ بھی ہو وہ دائن کے ہوگا، مدیون کو نفع و نقصان سے کچھ سروکار نہ ہوگا، اور حال یہ ہے کہ ایسی صورت میں بظاہر اکثر فائدہ اور گاہے نقصان ہوتا ہے۔ مثلاً خشک سالی ہو جاوے، مزارعاً فرار ہو جائیں، سرکاری مطالبہ دینا پڑے۔ لہذا ایسا معاملہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، صورت مندرجہ سوال اول ظاہراً بیع وقصد رہن ہے، اور صورت مندرجہ سوال ثانی صریح رہن ہے، سورہن صریح میں تو اگر انتفاع مرہن کا مشروط یا معروف ہو بلا اختلاف حرام ہے، فی الدار المختارہ نقل عن التہذیب انہ یکرہ للمرہن ان ینتفع بالرہن وان اذن له الراهن قال المصنف دعلیہ یحمل ما عن محمد بن اسلم من انہ لا یحمل للمرہن ذلك ولو باکلاذن لانه رجوا قلت وتعلیلہ یفید انہا تحریبیتہ فتاملہ اہ قلت ہذا فی المشروط وقد تقریر ان المعروف کا مشروط اور رہن قصداً و بیع ظاہراً کو بیع الوقار کہتے ہیں سو اصل قواعد مذہب کی رو سے یہ بھی رہن ہے، اور انتفاع اس سے حرام ہے اور اگر وہ بیع ہے تو

بوجہ مشروط ہونے کے بیع فاسد ہے، تب بھی حرام ہے، لیکن بعض متاخرین نے اجادت دی ہے، پس بلا اضطرار شدید تو اس کا ارتکاب نہ کرے، اور اضطرار شدید میں بائع کو اختیار ہے کہ فتویٰ متاخرین پر عمل کرے، اگرچہ مشتری کو کوئی اضطرار نہیں، والتفصیل فی الدر المختار قبیل کتاب الکفالة، فقط والشرع اعلم،

یکم ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ (امداد ج ۳ ص ۸۸)

حکم مراضعت قبل عقد | سوال (۱۳۵) فتاویٰ قاضی خاں ج ۲ ص ۴۸۸ مطبوعہ
در بیع الوفاء، نول کشور میں ہے۔ واختلفوا فی بیع الوفاء او البیع الجائز
الی ان قال وان ذکر البیع من غیر شرط شہ ذکر الشرط علی وجه المواعدة جازا البیع
ویلزمو الوفاء بالوعد لان المواعدة قد تكون لازمة لحاجة الناس اھ اس
عبارت کا مطلب کیا ہے آیا یہ بھی جائز ہے کہ بائع سے مشتری کہدے کہ تم بیع تو ہمارے
ساتھ بلا شرط کر دو، مگر ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ اتنی مدت میں اگر تم چاہو گے تو ہم تمہاری
شے اسی قیمت میں واپس کر دیں گے یا اس قدر نفع کے ساتھ تمہارے ہاتھ بیچ ڈالیں گے
اس پر بائع رضا مند ہو جاوے، اور کہدے کہ میں نے بلا شرط تمہارے ہاتھ فلاں شے
اتنی قیمت میں بیچی، مشتری قبول کرے اور وعدہ کی پختگی کے لئے دستاویز لکھدے
یا صرف یہی جائز ہے کہ بیع بلا شرط بلا کسی قرار داد کے ہو اور بعد البیع مشتری بائع کی درخواست
پر بلا درخواست واپس کر دینے کا وعدہ کرے، صرف دوسری صورت کے جواز سے حاجت
ناس منفع نہیں ہوتی، کیونکہ اول تو بائع کا واپسی کی درخواست کرنا ہی مستبعد ہے
جبکہ وہ بلا توقع واپسی کے بیع کر چکا ہے، دوسرے مشتری کا ایسی درخواست کو مان لینا
یا اپنی طرف سے وعدہ میں پیش قدمی کرنا اور بھی مستبعد ہے، اس سے حاجت ناس منفع
نہیں ہوتی۔

الجواب، آپ کا شبہ صحیح ہے واقعی بدون اس کے کہ عقد کے قبل یا عقد کے
ساتھ شرط وفا کا ذکر کیا جاوے، حاجت منفع نہیں ہوتی، اور ان دونوں صورتوں
میں اصل مذہب فساد عقد ہے، کہانی السداد المختار شہان ذکر الفسخ فیہ اذ قبلہ
او زعماء غیر لازم کان بیعا فاسدا ولو بعدہ علی وجه الميعاد جائز ولو لم یوف
به الخ اور بعض کے نزدیک عقد کے قبل ذکر کی ہوئی شرط کا اعتبار ہی نہیں اور عقد

فاسد نہ ہوگا، لیکن وہ بیع بشرط الوفا نہ ہوگی، کما فی الدر المنقار لو تواضعا علی الوفاء قبل العقد ثم عقد أخالیا عن شرط الوفاء فالعقد جائز ولا عبرة للمواضعة ج ۴ ص ۳۸۱
لیکن کثیر من المتأخرین کا فتویٰ ہے کہ قبل عقد ذکر کی ہوئی شرط بھی معتبر اور عقد جائز ہے، لضرورة الناس وفي رد المحتار وقد سئل الخیر الرملی عن رجلین تواضعا علی بیع الوفاء قبل عقدہ وعقد البیع خالیا عن الشرط فأجاب بأنه صرح فی الخلاصة والفیض والتاریخانیة وغیرہا بأنه یكون علی ما تواضعا، ج ۴ ص ۱۸۴، فقط ۱۴ رمضان ۱۳۳۳ھ

سوال، پہلے سوال کے جواب کے ضمن میں ارشاد ہوا ہے، لیکن کثیر من المتأخرین کا فتویٰ ہے کہ قبل ذکر کی ہوئی شرط معتبر اور عقد جائز ہے، لضرورة الناس وفي رد المحتار وقد سئل خیر الرملی عن رجلین تواضعا علی بیع الوفاء قبل عقدہ وعقد البیع خالیا عن الشرط فأجاب بأنه صرح فی الخلاصة والفیض والتاریخانیة وغیرہا بأنه یكون علی ما تواضعا ج ۴ ص ۱۸۴، انتہی، اس میں دریافت طلب یہ امر ہے کہ خیر رملی کے جواب سے جہاں تک میں سمجھتا ہوں نہ تو اس بیع کا جواز ہی معلوم ہوتا ہے اور نہ عدم جواز ہی کیونکہ کیوں علی ما تواضعا سے صرف اس قدر ظاہر ہوا کہ مواضعت پیشین غیر معتبر نہیں ہوگی کما زعم البعض بلکہ معتبر ہوگی اور عقد صورتہ مطلق عن الشرط ہوگا ومعنی مقید بہ مگر یہ نہ ظاہر ہوا کہ یہ عقد صورتہ مطلق عن الشرط ومعنی مقید بالشرط ہی بنا علی اہل المذہب قاسد ہے یا لضرورة الناس جائز، ایسی حالت میں اس کے نقل کرنے سے جو مقصد ہے وہ معلوم نہ ہوا۔
الجواب، واقعی یہ عبارت جواز عقد سے ساکت ہے، مقصود زیادة اس کے نقل کرنے سے شرط کے معتبر ہونے پر استدلال ہے، بمقابلہ زعم بعض کے، اور جواز عقل کی دلیل لضرورة الناس ہے اور نقلی دلیل اس کی دوسری روایات فقہیہ ہیں جن کی طرف لضرورة الناس میں اشارہ ہو گیا، مثلاً در مختار میں ہے فیہا القول السادس فی بیع الوفاء انه صحیح
لحاجة الناس فراراً من الربا وقالوا ما ضاق علی الناس امر الا تسمع حکمہ فی رد المحتار
قولہ فیہا ای فی البزازیة وهو من کلام الامثباہ، ج ۴ ص ۳۸۶

۲۹ رمضان ۱۳۳۳ھ (حوادث ثلثہ ص ۱۲)

جائز و ناجائز یا مکروہ معاملات بیع

آلات معاصی و مزامیر | سوال (۱۳۶) اشیاء بجنے والی مثل گھونگر و ٹالی وغیرہ و اشیاء مستعملہ
یا آلات سینما وغیرہ کی بیع | موسیقی مثل تار لوہا و پیٹل وغیرہ و اشیاء مستعملہ ہنود مثل بندے و ستارے
وغیرہ کسی مسلمان یا کافر کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۲۔ جو مسلمان یا کافر گلے ناچتے کا پیشہ کرتے ہیں ان کے ہاتھ کوئی سودا بیچنا درست
ہے یا نہیں؟

۳۔ ایسے معاملات میں کافر اور مسلم برابر ہیں یا کچھ فرق ہے؟
۴۔ کفار مشرک اگر اپنی عبادت گاہ کی تعمیر کے واسطے یا بتوں کی پرستش کے لئے
کوئی چیز کسی مسلمان سے خریدیں یا کسی مسلمان کو اجرت پر رکھیں تو اس چیز کا ان کے ہاتھ
فروخت کرنا یا اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

۵۔ بتوں پر چڑھی ہوئی چیزیں مثل میوہ جات یا کوئی اور شے پھر خرید کر اس کی تجارت
کرنا یا اس کو خود کھانا اور استعمال میں لانا جائز ہے یا نہیں، بینوالتوجروا،
الجواب، گھونگر و ٹالی وغیرہ کا استعمال اگر بغرض اظہار شان و شوکت ہو تو
ناجائز ہے، اور اگر اس کے باندھنے سے جانور کو چلنے میں نشاط اور آسانی ہوتی ہو یا راہ
چلنے والوں کی اطلاع کی غرض سے کہ وہ سامنے سے ہٹ جاویں باندھا جاوے تو جائز
ہے، فی العالمگیریہ الباب السابع عشر من الکراہیۃ قتال محمد فی السیرۃ ما کان
فی دار الاسکام و فیہ منفعۃ لصاحب الراحۃ فلا بأس بقال و فی العجوس منفعۃ جمۃ
اور اشیاء مستعملہ موسیقی کا استعمال مطلقاً ناجائز ہے اور بندے و ستارے وغیرہ کا
استعمال عورتوں اور لڑکیوں کے لئے جائز ہے گو پیٹل وغیرہ کی ہوں، ان چیزوں کی صرف
انگوٹھی ناجائز ہے، فی الدر المنثور قبیل النظر والمس من کتاب الکراہیۃ ولا یتختم
الا بالفضۃ فیحرم بغيرها کحجر و ذهب و حديد و صفر و دھواں و غیرہا لیس
فاذا ثبت کراہیۃ لبسها للختتم ثبت کراہیۃ بیعها و وضعها لما فیہ من الاعانة
علی ما لا یجوز و کل ما اوی الی ما لا یجوز لا یجوز اھ قلت و یستثنی الذہب ایفا

للنساء ویبقى الباقي على العموم وفي رد المحتار تمت قوله فيحرم لغيرها عن الجوهر
والتختر بالمحديدا والصفر والنحاس الرصاص مكروه للرجال والنساء اهل قلت
وتخصيص التختر ببيع لبسها لا للتختر للنساء، جب وجوه استعمال میں جائز و ناجائز
کی تعیین ہوگئی تو اب حکم بیع کا جاننا چاہئے، سو اس باب میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس چیز کی
عین سے معصیت قائم ہو اس کا بیع کرنا ممنوع ہے، اور جس چیز میں تغیر و تبدل کے بعد
معصیت کا آلہ بنایا جاوے اس کی بیع جائز ہے، گو خلاف اولیٰ ہے۔ فی الدر المختار
فصل البیوع من کتاب الکراہیۃ وجاز بیع عصیر عنب ممن یعلم ان یتخذہ
خمر الا ان المعصیۃ لا تقول بعینہ بل بعد تغیرہ وقیل یکرہ لاعانتہ علی المعصیۃ
بخلاف بیع امر و ممن یلوط بہ و بیع سلام من اهل الفتنة لان المعصیۃ تقوم
بعینہ فی رد المحتار فی تفصیل هذه العبارة و علم من هذا انه لا یکرہ بیع ما لم تقوم
المعصیۃ به کبیع الجاریۃ المغنیۃ والکبش النطوم والحمامۃ الطیارۃ والعصیر
والعشب ممن یتخذ منه المغازف اھ پس صورت مسئلہ میں گھونگر و ٹالی جب کہ تفاخر
کے لئے مستعمل نہ ہوں، اور بندے سارہ مطلقاً اور تار و غیرہ جو آلات موسیقی میں کام
آویں خلاف اولیٰ فروخت کرنا جائز نہیں اور جواز و عدم جواز بیع میں مسلمان کافر کا
ایک حکم ہے، فی رد المحتار فی المقام المذكور والاصح خطابہم و علیہ فیکون
اعانتہ علی المعصیۃ فلا فرق بین المسلم والكافر فی بیع المعصیۃ بینہما اھ،
(جواب سوال دوم) جائز نہیں جب کہ ظاہر اسی آمدنی سے دام دیں فی
الدر المختار۔ فصل البیوع من الکراہیۃ وجاز اخذ دین علی کافر من ثمن خمر لصحة
بیعہ بخلاف دین علی المسلم لبطانۃ اھ اقول علل الجواز بالصحة و حرمة
الرقص والغناء عام فلا یثبت الجواز،

(جواب سوال سوم) برابر ہیں جیسا گذر چکا،

(جواب سوال چہارم) امام صاحب کے نزدیک جائز ہے، صاحبین کے
نزدیک ممنوع ہے، لہذا احتیاط بہتر ہے، اور جو کوئی غریب مبتلا ہو اس پر دار و گیر
نہ کرے، فی الدر المختار بعد مسئلۃ العصیر وجاز تعمیر کنیۃ وحمل خمر ذمی بنفسہ
ادابۃ باجوہ لا عصرها لقیام المعصیۃ بعینہ فی رد المحتار قوله وحمل خمر

سوال (۱۳۹)۔ لیسنس دار جو اسٹامپ خزانہ سے بیچنے کیلئے قیمت سے زائد پر فروخت کرنا لاتے ہیں تو ان کو ایک روپے پترن پیسے کمیشن کے طور پر دیئے جاتے ہیں یعنی ایک روپے کا اسٹامپ سوا پندرہ آنہ پر ملتا ہے، اور لیسنس داروں کو یہ ہدایت قانوناً ہوتی ہے کہ وہ ایک روپے سے زائد میں اس اسٹامپ کو نہ بیچیں، اب قابل درخت یہ بات ہے کہ اگر یہ شخص ایک روپے والے اسٹامپ کو مثلاً ایک روپے یا سترہ آنے میں فروخت کرے تو شرعاً جائز ہوگا یا ناجائز۔

الجواب، حقیقت میں یہ بیع نہیں ہے، بلکہ معاملات کے طے کرنے کے لئے جو عمل درکار ہے اس عمل کے مصارف اہل معاملات سے ہدیں صورت لئے جاتے ہیں کہ انہی کے نفع کے لئے اس عمل کی ضرورت پڑی اس لئے اس کے مصارف کا ذمہ دار انہی کو بنانا چاہئے اور لیسنس دار بھی مصارف پیشگی داخل کر کے اہل معاملہ سے وصول کرنے کی اجازت حاصل کر لیتا ہے، اور اس تعجیل ایفا کے صلہ میں اس کو کمیشن ملتا ہے، پس یہ شخص عدالت کا کیل ہے، بیع کا ثمن لینے والا نہیں، اس لئے مؤکل کے خلاف کر کے زائد وصول کرنا حرام ہوگا، فقط، ۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۵۹)

سوال (۱۴۰)۔ سرکاری درخت جو سرٹک کے کناروں نیلام میں خریدنا پر کھڑے ہوتے ہیں جس وقت خشک ہو جاتے ہیں نیلام کر دیئے جاتے ہیں اور ان کی قیمت بحق سرکار داخل خزانہ ہو جاتی ہے، ایسے درخت یا عام طور پر کل سرکاری چیزوں کے لئے قانوناً ممانعت ہے کہ کوئی سرکاری ملازم خواہ کسی مرتبہ اور حیثیت کا ہو نیلام میں نہ خریدے، اگر کسی افسر نیلام کنندہ نے بلا رو رعایت ایک درخت کو نیلام کیا اور جلسہ عام میں جتنی قیمت اس کی بولی میں آسکتی تھی وہ بولی گئی اور پھر اس نے اخیر قیمت پر کچھ اضافہ کر کے دوسرے کے نام سے بولی بلوائی اور خود خرید لیا یعنی اتنی قیمت پر خرید لیا کہ پھر اس سے زیادہ کسی نے نہیں قیمت بڑھائی تو کیا اس نیلام کنندہ کا یہ فعل شرعی طور پر جائز ہوگا یا نہیں، اور اگر وہ ایسا کر چکا ہے تو اس درخت خرید شدہ کے ساتھ اب اس کو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب، جب ممانعت ہے تو خریدنا جائز نہیں، البتہ یہ درست ہے کہ کوئی آؤ خریدے، پھر یہ ملازم اس سے خریدے مگر اس خریدار کے ساتھ رعایت درست نہیں، کہ

درحقیقت مقصود اپنے نفس کے ساتھ رعایت ہے فقط ، ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ (تمہ اولیٰ ص ۱۶)
مندروں کے اوقاف خریدنا | سوال ، (۱۴۱) چونکہ کفار کا مندروں وغیرہ پر وقف
کرنا موقوف ثلث کو ملک و اوقاف سے خارج نہیں کرتا ہے پس اس صورت میں اس قسم کی
کوئی زمین وغیرہ خرید کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب - جائز ہے ، (تمہ اولیٰ ص ۱۶۵)

مندروں کے وقف کو | سوال ، (۱۴۲) در صورت جواز کسی زمین کا جو کسی کافر نے اپنے
اس کے متولی کو خریدنا | اعتقاد کے مطابق کسی مندر پر وقف کر کے کسی دوسرے کافر کو
اس زمین موقوف کا متولی بنا دیا ہو مگر وہ زمین بخر ہونے کی وجہ سے مذکور متولی اس زمین کو
فروخت کر کے مبلغ مذکور مندر کے لئے کسی دوسرے ذریعہ آمدنی میں داخل کر دینا چاہتا ہے ،
چوں کہ یہ زمین آئندہ درست ہونے کی امید ہے بالفعل جو قیمت دی جائے گی اس سے بہت زیادہ
قیمتی ہونے کی امید ہے ، پس اس زمین کو کسی مسلمان کا متولی سے خرید کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

۲ - در صورت جواز بصورتیکہ واقف کا کوئی وارث موجود ہو اور وہ اپنے اعتقاد کے
موافق موقوف ملک خود کو کوئی حق نہیں خیال کرتا ہو متولی غیر وارث کے پاس سے خریدنا جائز ہی نہیں ؟
الجواب ، متولی مالک نہیں اس لئے اس سے خریدنا بدون اذن اصل مالک کے
جائز نہیں ۔

۲ - اس سے اوپر جواب گذر چکا ، (تمہ اولیٰ ص ۱۶۵)

کافر نے جو برتن کسی مسلم سے اصل اور سود کے | سوال ، (۱۴۳) یہ مسلم نے کسی ہندو مہاجن کے یہاں
قرض خریدے ہوں دوسرے مسلم کو اس کی خریدائی | اپنا برتن رکھ کر کچھ قرض سودی لیا ، زید نے کچھ بت تک
قرض ادا نہ کر سکنے کے بعد مہاجن سے کہہ دیا ، یا اس کو مجبوراً کہتا پڑا کہ اب تم میرے برتنوں اصل
مع سود کے معاوضہ میں لے لو ، کیونکہ حساب لگانے سے اصل مع سود قیمت برتن سے کہیں زیادہ
ہو گیا ہے ، چنانچہ مہاجن نے اپنی رقم وصول کرنے کے لئے برتنوں کو خالد مسلم کے ہاتھ فروخت
کر ڈالا ، اب امر دریافت طلب یہ ہے کہ خالد مسلم کو ایسے برتنوں کا خریدنا جائز ہو گا یا نہیں ،
جواب ، جائز ہے ،

سوال نمبر سوال بالا ، دوسرے یہ کہ اگر راہن غیر مسلم ہو تو مسئلہ کی کیا صورت ہوگی ؟
جواب نمبر جواب بالا ، باقی واقعہ اگر یہی ہے تو حکم ہے ۔

سوال ضمیمہ سوال بالا، یا اگر زید نے اپنے برتنوں کی نسبت مہاجن سے کچھ نہ کہا ہو تو خالد کا مہاجن سے ان برتنوں کا خریدنا جائز ہو گا یا نہیں؟

جواب۔ ضمیمہ بالا، نہیں، ربيع الاول ۱۳۳۵ھ (تمہ خامسہ ص ۱۴۱)

مریض کی فرمائش پر دوا تیار کرتا | سوال (۱۴۳) میرے پاس نسخہ آشک کا نہایت مجرب اور لاگت سے زائد قیمت لیتا ہے، ایک مدت سے میں نے سیکڑوں آدمیوں کو بنا دیا قریب قریب سب اچھے ہو گئے، طریقہ بنانے کا میں یہ کرتا رہا اور اب بھی کرتا ہوں کہ اصل قیمت سے زیادہ دام مریض سے لے لیا گیا، اور لے لیتا ہوں۔ اور باقی نہ ام اپنے صرف میں لایا گیا اور لاتا ہوں اب تک اس طرف اس کے جائز اور ناجائز ہونے کا خیال نہ تھا، اب خود بخود یہ خیال ہے کہ اس طرح سے قیمت لے لینا جائز ہے یا ناجائز ہے، طبیعت کو کچھ کراہت سی محسوس ہوتی ہے، اگر ناجائز ہے تو آئندہ کے لئے تدارک ممکن ہے، مگر گزشتہ کے لئے جس کی تعداد سیکڑوں ہزاروں آدمیوں کی ہے کیا تدارک ہو سکتا ہے، اور خدا جانے کہاں کہاں کے آدمی آئے اور دوا لے گئے، اطلاعاً گزارش ہے، جو ارشاد ہو اس پر عمل کیا جاوے،

الجواب، اگر صاحب فرمائش کو اس امر کی اطلاع اور اطلاع کے بعد اذن و رضا ہو تب تو نیک ہی ہوئی رقم صرف میں لاتا یا جائز ہے، ورنہ ناجائز ہے، کیونکہ یہ معاملہ بیع نہیں تھا کہ دیئے ہوئے داموں کو ٹمن کہا جاوے، کیونکہ بیع معدوم ہے، سلم و استعناع بھی نہیں، کیونکہ اس کے شرائط مفقود ہیں، اجارہ بھی نہیں کہ اجرت مجہول ہے، محض توكيل ہے اور وکیل محض این ہی پس بچی ہوئی رقم اصل صاحب فرمائش کی ملک ہے، اس لئے اس میں تصرف کرنا مشروط باذن ہے، باقی یہ کہ اہل حقوق غیر معلوم ہیں اور حقوق کی مقدار بھی مجہول، سو جہاں تک یاد آوے ادا یا طلب ابراہ ضروری ہے، اور جو یاد نہ آوے تخمینہ کر کے مالکوں کی طرف سے ان داموں کا تصدق کیا جاوے، ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ (تمہ خامسہ ص ۲۱۰)

آب زمزم کی تجارت کا جواز | سوال (۱۴۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مکہ معظمہ سے آب زمزم تجارت کے واسطے لاسکتے ہیں یا نہیں؟ وہاں سے بھر بھر کر لائیں یہاں اس کی تجارت کریں اور قصود یہ ہے کہ نفع بھی ہو اور ثواب بھی ملے، تو یہ صورت اس متبرک پانی کی تجارت کرنے کی جائز ہے یا نہیں؟ جائز ہونے کی صورت میں ہندو کا فر کے ہاتھ بھی بیچ سکتے ہیں یا نہیں، مفصل جواب لکھیں،

الجواب، بظاہر اس تجارت سے کوئی امر مانع جواز نہیں، مستقیم بھی ہے، احراز سہ ملک میں بھی داخل ہو جاتا ہے، اور بلا تکریم زم زمیاں بیچنے کا تعامل بھی ہے، جس میں دونوں چیزیں بیع ہو جاتی ہیں، اور متبرک ہونا بھی مانع نہیں ہو سکتا، قرآن مجید ربیعہ زیادہ متبرک ہو، اور اس کی بیع و شرا ب جائز ہے، اور مشتری کا کافر ہونا بھی بظاہر مانع صحت بیع نہیں، ہاں احتمالاً محال حرام ہونی کی بنا پر خلاف ادنیٰ یا مکروہ کہا جاسکتا ہے، باقی ثواب ہونا محتاج نقل ہے و لمجد نقل،

۲۳ ربیع ثانی ۱۳۳۸ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۳۶)

سوال، (۱۴۶) چربی کی تجارت کا دستور ہے، اور اس میں سر مروار جالودوں یا مخلوط جانوروں کی چربی خریدنا ہوئے حلال جانوروں کی بھی چربی اور ذبح کئے ہوئے جانوروں کی بھی چربی حلال کر خرید و فروخت کی جاتی ہے، یہ خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں، اور فقط مرے ہوئے حلال جانور کی چربی کی تجارت کا کیا حکم ہے، جائز ہے یا حرام؟

الجواب، مخلوط کا خریدنا اور اس سے انتفاع غیر اکل میں جائز ہے، جب کہ قالین حلال کی نہ ملتی ہو لیکن بیچنا جائز نہیں، اور صرف مرے ہوئے حلال جانور کی چربی کی بیع اور اس سے انتفاع ہر قسم کا حرام ہے، اور اگر حلال جانور کی چربی بدوین قصد خلط بالنبس کے اتفاقاً نجس ہو تو اس کی بیع بھی جائز ہے، اور انتفاع بھی غیر اکل میں، فی الدار المختار و شعرا لغتہ برالی قولہ حتی لو لم یوجد بلا ثمن جاز الشراء للضرورة ذکرہ الیمیم فلا یطیب ثم نہ و قیہ و نجیز بیع الدھن المتنجس والانتفاع به فی غیر الاکل بخلاف الودک فی رد المحتار ای دھن المیتة الخ ج ۵، ص ۱۴۵، ۱۴۶،

۵ ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ رجاوٹ اول و ثانی ص ۶۳

سوال (۱۴۷) باوجود حکیم و طبیب باقاعدہ نہ ہونے کے اور باوجود شخص مرہن وغیرہ کر کے علاج نہ کرنے کے کتب طب سے ادویہ مرکبہ و کشتہ جات کے نسخے دیکھ کر ان کا تیار کرنا اور ان کے اوصاف اثرات کا اشتہار دیکر ان کی تجارت کرنا کیسا ہے؟

الجواب، نفع مشروط کو غیر مشروط بنانا حرام ہے، اس لئے یہ تجارت ناجائز ہے،

(النور، ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ ص ۱۰)

سوال، (۱۴۸) انگریزی دوائے ایک مکلی تیار کی جاتی ہے، اس کو باجس سے جب جلایا جاتا ہے تو جل جل کر مثل زرد سانپ کے

نکلنا شروع ہوتا ہے اور دیکھتے ہیں وہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بل سے سائب مکتا آ رہا ہے، حالانکہ وہ چلی ہوئی راکھ ہوتی ہے ایسی ٹکائیاں بنا کر فروخت کرنا کیسا ہے۔

الجواب، کیا یہ ٹکلی بجو سانپ بنانے کے اور کسی کام میں آ سکتی ہے، اگر ایسا ہے تو اس کا فروخت کرنا جائز ہے، آگے تصویر بنانے کے کام میں لانا یہ فاعل مختار کا فعل ہے، سبب کی طرف اس کی نسبت نہ ہوگی، اگرچہ خلاف تقویٰ اس صورت میں بھی ہے، اور اگر صرف اسی کام میں آتی ہے تو اعانت علی المصیۃ کی وجہ سے فروخت کرنا حرام ہے، اور وہ مصیبت سانپ کی تصویر بنانا ہے، اور تصویر کا سامان کرنا بحکم تصویر ہی ہے، جیسا فولو سے تصویر بنانے کا حکم ہے کہ تصویر بخود آتی ہے، مگر سامان ہوتا کرتا ہے فولو گرافر،

۴ جمادی الاخریٰ ۱۳۵۵ھ والنور ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ

بیع مرہون برضار مرہن | سوال (۱۴۹) ایک ہندو کے دو بسوہ سہی غلام جیلانی خاں کی پاس پچاس پچاس سال کے واسطے رہن دخلی تھے، سہی زید نے اسی ہندو سے ان بسووں کا بیع نامہ لکھا لیا، اور غلام جیلانی خاں کے روپے کی دہانید کرالی، اور اس خیال سے کہ شریعت محمدیہ میں شے مرہون سے نفع اٹھانا جائز ہے غلام جیلانی خاں کو آمادہ کر کے اقرار نامہ لکھا لیا کہ اور وہ شریعت کے پنج جو فیصلہ کر دیں گے فریقین کو قبول و منظور ہوگا، زید نے بعد اس کے مدت سے یہ فیصلہ بھی حاصل کر لیا کہ مشتری یعنی زید کی بیعت مالک ہونے کے اور غلام جیلانی خاں مرہن ہونے کے تحصیل وصول کر سکتے ہیں، اور جبکہ زید تحصیل وصول کرے تو غلام جیلانی خاں اور وہنے کا غذات بٹواری زید سے کل آمدنی سال بسال لے لیا کریں، فریقین میں اس کی مدت تک نزاع رہا، پھر زید نے عمرو سے کچھ معاملہ تجارت کا کیا، اس کی بابت زید کے ذمہ کچھ روپیہ عمرو کا ہو گیا اس کی ادائی میں زید کو دشواری ہوئی، اس لئے انھیں دو بسووں کا بیع نامہ زید نے عمرو کے نام کر دیا، اور وعدہ کیا کہ دو بسووں کی تحصیل وصول کر کے میں تم کو ادا کروں گا، اتفاق سے غلام جیلانی کا غصہ ہوا اور زید کو تحصیل وصول دشوار ہوئی، عمرو نے زید سے کہا کہ ہمارا روپیہ تو بالکل معرض تلف میں آیا چاہتا ہے، اس لئے ہمارے روپے کی کچھ سبیل ہونا چاہئے زید نے عمرو کے روپیہ کا یہ انتظام کیا کہ ایک دوسرے کیست کا طرفہ کے نام بیع نامہ کر دیا، یہ کیست دو بسووں سے علاحدہ ہے اور یہ اقرا کیا کہ مبلغ ایک سو باسٹھ روپے جو فاضل رہتے ہیں ان کو ادا کروں گا، اس کیست کے بیع نامہ کے وقت یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ کیست ایک کیست کی پاس

ایک روپیہ ماہواری سود پر رہن ہے، چنانچہ یہ روپیہ کا لستہ کا مع سود کے عمرو کو دینا پڑا اب یہ ارشاد ہو کہ یہ تینوں بیعنامے از روئے شریعت محمدیہ جائز ہوئے یا نہیں، فقط

الجواب: بیع اول جو کہ درمیان ہندو اور زید کے ہوئی وہ بجاالت مرہون ہونے اس زمین کے ہوئی ہے، اور چونکہ غلام جیلانی مرتہن اس بیع پر رضامند ہے لہذا وہ بیع صحیح اور نافذ ہوگی، وہو الشرط فی صحۃ بیع المرہون، اور نہ رہن غلام جیلانی کا بزمہ ہندو کے طے اور رہن ہندو کا بزمہ زید چاہے، اور زید نے جو رہن کا دینا اپنے ذمہ رکھ لیا یہ حوالہ ہو اور چونکہ زید اور غلام جیلانی دھند و سب اس حوالے پر راضی ہیں۔ لہذا یہ حوالہ بھی صحیح ہو گیا، وہو الشرط فی الصحۃ المحوالہ اور غلام جیلانی نے جو کچھ روپیہ اس رہن سے وصول کیا ہے، اس کا حکم چونکہ پوچھا نہیں گیا لہذا قسٹم انداز کیا جاتا ہے، اور چونکہ اس بیع پر رضا المرہن سے رہن ٹوٹ چکا ہے، لہذا غلام جیلانی مرتہن نہیں رہا، لہذا یہ فیصلہ عدالت کا شرعاً جائز نہیں۔ البتہ حوالہ کی وجہ سے غلام جیلانی زید سے اپنے زیر رہن کا مطالبہ کر سکتا ہے، اور جس طرح بن پرٹے وصول کر سکتا ہے، یہ کلام تھا بیع اول میں، اور بیع ثانی جو کہ درمیان زید کے اور عمرو کے ہوئی اس کی صحت بالکل ظاہر اور یہ وعدہ کہ بسودوں کی تحصیل کے الخ محض لغو ہے، بلکہ اگر یہ شرط داخل عقد ہوتی تو بیع کو فاسد کر دیتی، مگر سوال میں یہ امر محل اور مبہم رہ گیا کہ زید کے ذمہ جو روپیہ عمرو کا تھا ان دو بسودوں کا بیعنامہ اس روپے کے عوض میں برابر برابر ہوا یا اس سے زائد روپیہ کی عوض میں ٹھہرایا اس سے کم روپے کی عوض میں ٹھہرا برابری اور بیشی کی صورت میں یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر کھیت کا بیعنامہ کر کے بیع اول کا اقالہ کیا گیا یا نہیں، اور کمی کی صورت میں آیا وہ کمی اس کھیت کی بیع سے پوری ہوئی یا نہیں، اگر ہو گئی تو فاضل روپے کو کیا معنی، اس ابہام کے سبب بیع ثالث پر مفصل کلام نہیں ہو سکتا، مجلاً اس قدر لکھا جاتا ہے، اگر یہ کالیستہ اس بیع پر راضی تھا تو بیع صحیح ہو گئی اور رہن فسخ ہو گیا، اور کالیستہ کا ذین عمرو کے ذمہ نہیں تھا، اور اگر یہ اس ادا میں مجبور تھا تو جس قدر روپیہ کالیستہ کو دیا ہے وہ زید سے وصول کر سکتا ہے، واللہ اعلم، ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد ثالث ص ۲۴)

مرتہن کا خمار مرہونہ کو **سوال (۱۵۰)** باغ مرہون کے پھل مشتری کو جائز ہیں یا نہیں، اگر فروخت کرنا، ناجائز ہیں تو کیوں، اس لئے کہ مرتہن تو مامور ہے کہ آثار فروخت کرے

قیمت جمع رکے اور غنّے مرہون کے ساتھ واپس کرے، پھر اس کا خریدنا اور کھانا کیوں ممنوع ہے، یہاں فساد عقد و مشتری بہ بیع فاسد کا ہدیہ جائز ہے۔

الجواب، مرہن کے مامور بالبیع ہونے میں راہن کا وہ اذن معتبر ہے، جو بہ تیرت تملک باطل مرہن کے نہ ہو ورنہ وہ ربوا ہے، اور وہ اذن غیر معتبر ہے، لہذا وہ تصرف غیر مملوک میں ہوگا، جس طرح متعارف سود میں ماہوار بنام نہاد سود جو دیا جاوے حالانکہ برائے حساب اصل میں شمار کیا جانا واجب ہے، مگر پھر بھی جب تک اس نام سے لیا جاوے گا محرم الاستعمال ہے، بخلاف مقیس علیہ کے کہ وہ تصرف اپنی ملک میں ہے، اس لئے مقیس میں مشتری کے لئے بھی ناجائز ہے، اور مقیس علیہ میں ہدیہ لیسا مثلاً جائز ہے، والشرع اعلم،

۲۰ ربيع الاول ۱۳۲۲ھ (امداد ثالث ص ۹۱)

سوال (۱۵۱)۔ بر خوردار فلاں سلمہ کی خواہش ہے کہ مجھ کو کلکتہ کی دکان کا نام علیحدہ علیحدہ علاوہ اپنے بھائیوں کے دیدیا جاوے، اور مطیع فلاں سلمہ کو دیا جاوے مال کی برابری تقسیم چاہتے ہیں اس میں شرعاً جیسا کہ میں نے بذریعہ میقاتہ مینوں لڑکوں کو برابر دیا ہے، اس میں کمی بیشی نہیں چاہئے، نہ میں دے سکتا ہوں، وہ کام اپنا علیحدہ کرنا چاہتے ہیں اس تقسیم میں صرف نام ان کو دینا ضرر گناہ نہ ہوگا؟ اگر شرعاً کوئی گناہ نہ ہو تو سوچوں گا کہ تقسیم کو دینا اچھا ہے، قانوناً نام تنہا ان کو دینے میں کچھ معاوضہ زرعہ ان کو دینا ہوگا، اور میں متجانب دیگر بھائیوں تا بالغ بحیثیت پدر و ولی ہونے کے معاوضہ تجویز کر سکتا ہوں اور مال تقسیم تو غالباً برابر کرنے میں کچھ حرج نہ ہوگا،

الجواب۔ نام ایک حق محض ہے جو شرعاً متقوم نہیں اور اس کا عوض لینا بھی جائز نہیں بحق الشفۃ لیکن غلامہ شامی نے حموی سے بعض حقوق کے عوض لینے کے جواز کی بعض فروع سے تائید کی ہے۔ حیث قال لکن قال الحموی وقد استخرج شیخ مشائخنا نور الدین علی المقدس حجة الاعتیاض عن ذلک فی شرحہ علی نظر الکفر من فرع فی مبسوط الشیخی وھو ان العبد الموصی برقبۃ لشخص وبخدا متکافراً لی قولہ ولکنہ اسقاط الحق بہ کما لو صالح موصی لہ بالرقبۃ علی مال دفعہ للموصی لہ بالخدا متکافراً العبد لہ ۱ھ قال فربما یشہد هذا اللزوم عن الوظائف ببال ۱ھ، اس کے بعد حق شفۃ میں اور اس میں کچھ فرق کیا ہے، حیث قال ولقائل ان یقول هذا حق جطہ الشرع لدفع الضرر و

ذَلِكَ حَقُّ فِيهِ صَلَٰةٌ وَلَا جَامِعٌ بَيْنَهُمَا فَافْتَرَقَا وَمَا الَّذِي يَظْهَرُ لِي قَوْلُهُ وَهَذَا كَلَامٌ جَدِيدٌ لَا يَخْفَى عَلَى نَبِيِّهِ ثُمَّ إِلَى قَوْلِهِ إِنَّ عَدَمَ جَوَازِ الْأَعْتِيَاضِ عَنِ الْحَقِّ لَيْسَ عَلَى الْإِطْلَاقِ مَحْمُولٌ^{۲۶۶} اور نام کارخانہ بھی مشابہ حق و ظالم کے ہے کہ ثابت علی وجہ الامالہ ہے نہ کہ دفع ضرر کیلئے اور دونوں بالفعل امور اضافیہ سے ہیں، اور مستقبل میں دونوں ذریعہ ہیں تحصیل مال کے پس اس بنا پر اس کے عوض دینے میں گیناٹش معلوم ہوتی ہے گولینے والے کے خلاف تقویٰ ہے، مگر ضرورت میں اس کو بھی اجازت ہو جاوے گی،

۲۰ ربیع الآخر ۱۳۳۳ھ رتہ رابعہ ص ۶۹

خوارشات الفتاویٰ

جدید آلات اور جدید معاملات کے احکام

سوال (۱۵۲) آجکل بعض انگریزی تجارتوں کا یہ حال سلسلہ وار خرید و فروخت ہے کہ کاغذ فروخت کرتے ہیں، اور اس میں چار ٹکٹ لگے ہوتے ہیں، جس کو وہ شخص اسی قیمت کو مثلاً ایک روپے پر چار اشخاص کے ہاتھ فروخت کر ڈالتا ہے، اور ان اشخاص سے وہ روپیہ وصول کر کے اور ان کا پتہ کمپنی کو لکھ کر بھیجتا ہے، صاحب کمپنی ایک گھڑی اس شخص کو بھیجتا ہے اور ان چار اشخاص کے نام ایک ایک کاغذ ویسا ہی بھیجتا ہے، جس میں ویسے چار ٹکٹ بھی ہوتے ہیں جس کو وہ چاروں شخص لوگوں کے ہاتھ اسی قیمت کو مثلاً ایک روپیہ کو پھر بیچ ڈالتے ہیں، جب روپیہ ان لوگوں کے پاس آجاتا ہے تو وہ لوگ بھی صاحب کمپنی کے نام روپیہ اور جن کے ہاتھ وہ ٹکٹ فروخت کو نہیں ان کا پتہ وغیرہ لکھ کر بھیجتے ہیں، صاحب کمپنی ایک ایک گھڑی ان کے نام بھیجتا ہے، اور ایک ایک کاغذ ویسا ہی جن کے نام انھوں نے ٹکٹ فروخت کئے ہیں صاحب کمپنی بھیج دیتا ہے، پھر وہ لوگ بھی ویسا ہی عمل کرتے ہیں، اور اسی طرح اجرا رہتا ہے، ہاں البتہ جس شخص کے ٹکٹ فروخت نہ ہوں گے وہ البتہ نقصان اٹھاوے گا تو شرعاً یہ بیع جائز ہے یا نہیں اور شرعاً ایسا کرنا کیسا ہے؟

الجواب، حاصل حقیقت اس معاملہ کا یہ ہے کہ بائع مشتری اول سے بلا واسطہ اور دوسرے مشتریوں سے بلا واسطہ مشتری اول یا ثانی یا ثالث وغیرہم کے یہ معاہدہ کرتا ہے کہ تمہیں

سے یہ سوال غلطی سے کر دینا ہو گیا۔ پہلے صفحہ ۱۱۹ پر یہ سوال و جواب آچکا ہے۔ "فتاویٰ"

جو روپیہ بھیجا ہے اگر تم اتنے خریدار پیدا کر لو تو اس روپے مسئلہ کے عوض ہم نے تمہارے ہاتھ گھڑی فروخت کر دی ورنہ تمہارا روپیہ ہم ضبط کر لیں گے، سو اس میں دونوں شرطیں فاسد اور باطل ہیں، دوسرے خریداروں کے پیدا کرنے کی تقدیر پر فروخت کرنا بھی کہ وہ بخیریع کے وقت (مقرون بشرط فاسد مخالف مقتضائے عقد ہونے کی وجہ سے) عقد فاسد بحکم رہا ہے، اور تعلیق کے وقت تعلیق الملک علی الخطر ہونے کی وجہ سے) قمار ہے اور ربوا اور قمار دونوں حرام ہیں، اسی طرح دوسری شرط یعنی خریدار نہ پیدا کرنے کی تقدیر پر روپیہ کا ضبط ہو جانا بھی کہ صریح اکل بالباطل ہے، اور یہ تاویل ہرگز قبول نہیں ہو سکتی کہ روپیہ کے عوض ٹکٹ دیا ہو کیونکہ ٹکٹ یقیناً بیع نہیں ہے، ورنہ بعد خرید ٹکٹ معاملہ ختم ہو جاتا ٹکٹ فروخت کر کے گھڑی کا استحقاق ہرگز نہیں ہوتا، جیسا تمام عقود میں یہی ہوتا ہے، پس صاف ظاہر ہے کہ ٹکٹ بیع نہیں ہے، بلکہ روپیہ کی رسید ہے، جب دونوں شرطوں کا فاسد اور باطل ہونا ثابت ہو گیا تو ایسا معاملہ بھی بالیقین حرام اور متضمن ربوا اور قمار و اکل بالباطل ہے، اور کسی طرح اس میں جواز کی گنجائش نہیں، قال اللہ تعالیٰ احل اللہ البیوع وحم المرابوا، وقال اللہ تعالیٰ انما الخمر والمیسر الی قولہ رجس من عمل الشیطان الایہ وقال اللہ تعالیٰ ولا تأکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ایتہ وقال صلی اللہ علیہ وسلم کل شرط لیس فی کتاب اللہ فهو باطل ونفی علیہ السلام عن بیع بشرط فی جمیع الکتب الفقہیۃ صرحوا بعدم جواز بیع مشروط بما لا یقتضیہ العقد ولا یتلایہ وفیہ نفع لاحد ہما کما لا ینفخ علی من طاعہما واللہ اعلم، (حوادث اول و ثانی ص ۴۲)

جواز خرید نیلام | سوال (۱۵۳) نیلام سرکاری خریدنا جائز ہے یا نہیں، وجہ شبہہ یہ ہے کہ بائع اور اور بیع اور کی

الجواب، فی الدر المختار فصل الحبس وابد حبس المومر کانه جزاء الظلم قلت وسمی فی الحجزانہ یباع مالہ لدینہ عند ہما وبہ یفتی وچینٹنڈ فلا یتا بس قنیہ ثم قال فی کتاب الحجز لا یبیع القاضی عرضہ ولا عقارہ للذین خلافا لہما وبہ ای بقولہما ببیعہما للذین یفتی اختیار و صححہ و تمجیدہ القدوسی پس کسی حق واجب کے استیفاء کے لئے کسی کا مال نیلام کر دینا ظالم کو بقول صاحبین کے جائز ہے، اور اس کے مفتی بہ ہونے کے سبب اسی پر عمل ہے۔ (تمہ اولی ص ۱۵۱)

سوال ۱۵۴ حکم نیلام حاکم (جو چیز کہ نیلام ہوتی ہے تو وہ غیر کی ہوتی ہے، اور کم دام میں فروخت ہوتی ہے، تو اس کا خریدنا جائز ہے یا نہیں، مسجد یا غیر کے لئے یا اپنے لئے، بیواؤں کے،

الجواب، خریدنا جائز ہے، اما اذا كان برضاء المالك فظاهر، واذا كان بغير

رضاه فان كان البائع حاكما مسلما فلما في الدار المختار لا يبيع القاضى عرض ولا عقاراً
للدین خلاف الہدایہ یفوق اختیار اوصحہ فی تفہیم القدوری وفی رد المحتار ومسلکہ فی
الملتقى (ج ۴، ص ۱۴۵) وان كان حاکماً غیر مسلماً فلو لنفسه فالجواز للاستیلاء
لانہ بہ یتماک فی بیع ملک نفسه ولولغیرہ فالجواز للضررۃ کما فی رد المحتار فی
نفاذ قضاء المرتشی مانصہ وینبغی اعتمادہ للضررۃ فی هذا الزمان والابطال جمیع
القضایہ بالواقعة الآن الی قولہ فیلزم تعطیل الاحکام وفیہ لو اعتبر العدالت لانسد
باب القضاء فکذا یقال ہنا (ج ۴، ص ۱۴۵) قلت فکما حکم بالنفاذ مع قیام المانع
ہنا یحکم فیما نحن فیہ كذلك، فقط، ۸ شعبان ۱۳۳۳ھ (حوادث ثالث ۱۳۴)

سوال ۱۵۵ درزیوں کی مشین (۱۵۵) خیالوں میں یہ طریقہ بکثرت مروج ہے کہ کمپنی سے کپڑے
قسطوں پر خریدنا | سینے کی مشین قسط پر لیتے ہیں، یعنی مشین کمپنی سے لیتے وقت کمپنی کو ایک کرایہ
نامہ تحریر کر دیتے ہیں، اور پانچ روپے ماہوار ادا کرتے ہیں، حتیٰ کہ قیمت مشین کی اصلی قیمت سے کچھ
بڑھ جاتی ہے، مگر چونکہ یک مشین ڈیڑھ سو روپیہ دینا گراں معلوم ہوتا ہے، اور یہ ماہوار
قسط پونے دو سو روپے کچھ معلوم نہیں دیتا، جب کہ پورا روپیہ ہو جاتا ہے تو بیع نامہ ہو جاتا ہے،
اور اگر پانچ روپے بھی باقی رہ جاتے ہیں تو کمپنی مشین زبردستی اٹھا لیتی ہے، تو اب یہ صورت اس
پر قسط وار روپیہ ادا کر کے جو کہ نقدی قیمت سے تیس چالیس روپیہ زیادہ ہوتا ہے (دو یا نہیں)
الجواب، معاملہ مذکور ناجائز ہے، مگر ناجائز ہونے کی وجہ یہ نہیں کہ ادھار میں قیمت

زیادہ لے لی، کیونکہ نہ یہ میں بہ نسبت نقد کے زیادہ قیمت لے لیتا جب کہ مجلس عقد میں
نقد یا ادھار ہونا متعین ہو جائے جائز ہے، بلکہ ناجائز ہونے کی وجہ دوسری ہے وہ یہ کہ یہ
معاملہ بیع ہے یا اجارہ، اگر بیع ہے تو یہ بشرط فاسد ہے کہ ادنیٰ جزو قیمت رہ جائے روپے
کر لیں گے، اور ادخال رقم کو کالعدم سمجھا جاوے گا، اور اگر اجارہ ہے تو یہ شرط فاسد ہے کہ زبرد
کرایہ کے عوض میں بیع کر دیں گے، اور ایسا کوئی معاملہ شریعت میں نہیں کہ ایک صورت
میں بیع ہو اور ایک صورت میں اجارہ، ۱۰ رجب ۱۳۳۶ھ (تمہ خامسہ ص ۳۶۸)

سوال (۱۵۶) عدالت جو خرچہ قانون (یا کسی احیاناً رقم حربہ) فریق
 ناکام سے کامیاب کو دلاتی ہے، بشرطاً لینا جائز ہے یا نہیں، اگرچہ
 کل مصارف مقدمہ کا صرف قانونی خرچہ ملتا ہے، اور اکثر خرچہ نہیں ملتا، ہمارے مقدمہ کی جو صورت
 ہے کہ مجبوراً اپنے حق کی حفاظت کے لئے نالش کرنا پڑی، اور فریق مخالف کی طرف سے بالکل
 منصفانہ کارروائیوں کی وجہ سے بہت سے ہم کو مصارف برداشت کرنے پڑے، یہ کل مصارف
 ان کے اس واقعی شرعی حق سے جو بعد کامیابی ہم کو ادا کرنا چاہئے اگر ہم منہا کر لیں تو جائز
 ہوگا یا ناجائز؟ نیز یہ کہ مکان متنازعہ بدون ہماری کسی قسم کی کوشش کے (صامصہ) کو مثلاً
 نیلام ہو گیا (ممکن ہے کہ خریدار نے کم بولی پر چھڑا لیا ہو) لیکن آٹھ روز تک بولی ہوئی، ایک
 دن خود مکان پر عندالموقع ہوئی، لیکن اس سے زائد قیمت نہ لگی مدیون نے عذر داری کی کہ قیمت
 دو ہزار کی ہے کم پر دیدی گئی۔ مگر عدالت نے یہ عذر تسلیم نہ کیا خارج کر دیا۔ پھر عذر داری کی کہ
 ہم سے رقم مطالبہ اب لیلیٰ جائے، اور نیلام جو کہ کم ہو گیا ہے منسوخ کیا جائے، وہ بھی خارج
 ہوئی گویا عدالت نے قطعاً (صامصہ) ہی کا مکان قرار دیا، اگر ہماری طرف مقدمہ نہ لڑایا جائے
 تو اتنی ہی رقم میں غیر کے ہاتھ قطعی بیع ہو چکا ہے، ایک جتہ بھی مدیون کو زائد نہ ملے گا، تو ہماری
 کامیابی کی صورت میں ہم اسی قدر قیمت مکان میں سے فریق مخالف کا حق شرعی ادا کرنے کے
 پابند ہوں گے یا اس کی قیمت مطلوبہ کے؟

الجواب، جب کسی کو اپنے حق کی حفاظت کے لئے مجبوری نالش کرنا پڑے اور فریق
 مخالف کی طرف سے بالکل منصفانہ کارروائیوں کی وجہ سے بہت سے مصارف برداشت کرتا
 پڑے تو اس صورت میں خرچہ کار وہیہ بہت سے علماء کے نزدیک (وہم مولانا رشید احمد صاحب
 رحمہ اللہ تعالیٰ) جائز ہے، یا اگر کسی حساب میں منہا ہو سکیں تو ان علماء کے نزدیک یہ بھی جائز ہوگا
 اور عدالت کا نیلام گویا رضائے مدیون ہو جاوے نافذ ہے، پس سب حسابوں میں اسی قیمت
 کا اعتبار ہوگا، جس پر وہ حکم عدالت نیلام ہوا ہے، ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ

(حوادث اول و ثانی ص ۲۰)

سوال (۱۵۷) حامد اور معلیٰ و سلمیٰ،
 گذشتہ دائرہ و دعویٰ شوہر بر زوجہ سہمی و خرچہ مقد
 مسئلہ میں کہ ایک زن و شوہر میں بعد نکاح تین سنا پندرہ سال تک اتفاق و اتحاد قائم رہا

اور اب عرصہ تحیننا تو سال سے نزاع قائم ہے، اور مذکورہ نے اپنے والدین کے مکان پر رہ کر اپنے شوہر سے مہر بھل بھی وصول کر لیا، دین مہر وصول کیلئے سے پہلے اور بعد شوہر مذکورہ اپنی زوجہ کو اپنے مکان پر سولانے کی ہر کوشش کرتا رہا تا کہ وہ حقوق زوجیت ادا کرے مگر زوجہ مذکورہ چند شرائط کے ساتھ آتا چاہتی ہے، یعنی یہ کہ میں نے جتنی مدت تک بہنو والدین کے گھر رہ کر کھایا ہے، اور پیسا ہے، وہ ادا کر دے، اور آئندہ خور و نوش کے ایسے انتظام پر مصروفی کہ شوہر اپنی جائداد میرے نام منتقل کر دے یا مکفول کر دے تاکہ بروقت ضرورت میں جہاں چاہوں رہ کر وصول کرتی رہوں، حالانکہ یہ امر شوہر کے اختیار میں نہیں رہا تھا، کیونکہ شوہر مذکورہ اپنی تمام جائداد وقف علی الاولاد کر چکا ہے، اور وقف نامہ کے ذریعہ سے زوجہ مذکورہ کے نان و نفقہ کا انتظام بھی اس کے حصہ شرعی کے موافق اس طرح کر دیا، کہ وہ شوہر کے گھر رہ کر نان و نفقہ وصول کرتی رہے، مگر اس انتظام کو زوجہ مذکورہ نے قبول نہیں کیا، نوبت بائجا رسید کہ فریقین نے اپنا اپنا دعویٰ عدالت مجاز میں دائم کر دیا۔ شوہر کا یہ دعویٰ ہے کہ زوجہ دلائی جائے اور خیرہ مقدمہ کا دلایا جاوے۔ اور زوجہ کا یہ دعویٰ ہے کہ گذشتہ نان و نفقہ جو اپنے والدین کے گھر رہ کر کھایا ہے دلایا جاوے، اور آئندہ نان و نفقہ کا انتظام اس طرح پر شوہر کی جائداد سے کرایا جاوے کہ میں جہاں چاہوں رہ کر وصول کرتی رہوں، اب فریقین نے اپنے معاملات مذکورہ عدالت سے اٹھا کر سپرد ثالثی کر دیئے ہیں، جو ثالث صاحب مقبول فریقین مقرر ہوئے ہیں، اور فریقین چاہتے ہیں کہ معاملات مذکورہ بروئے شرع محمدی طے ہو جاوے۔ معاملات مذکورہ بالائیں شرع محمدی کا کیا حکم ہے؟ اور کیا فیصلہ بروئے شرع ہونا چاہئے؟

الجواب: زوج کا دعویٰ صحیح ہے، زوجہ دلائے جانے کا تو بالاتفاق، اور خیرہ دلائے جانے کا علی الاختلاف بین العلماء، اور زوجہ کا دعویٰ باطل ہے، کیونکہ یہ ناشزہ ہے، اور ناشزہ کا نفقہ زمان نشوز کا واجب نہیں، البتہ بہر بھل ملنے سے پہلے کا نان و نفقہ واجب تھا، کیونکہ مہتری سے الکار کرنے کا حق امام صاحب کے نزدیک بعد نکاح کے بھی عورت کو حاصل ہے، اسی

معنی العقود المدیہ جلد اولنا شریعتی فتاویٰ من منزل الردی بغیرا ذہ فہذہ تسقط نفقتہا وکسوتہا کذا فتی قادی الہدایہ وافتی ایضاً بان لہا ان تمنع من النفقة، مع لبتیہ لصداقہا الجواز ما لم یتم او الکسوة فلیس لہا الانتفاع بسبہا فان امتنعت بسبہا فی ناشزہ لان نفقہ لہا ولا کسوة مادامت علی ذلک قال فی البحر والبراد بالخروج کوئنا فی غیر منزل بغیرا ذہ فی مثل ما اذا امتنعت عن الجئی الی منزلہ ابتداء بعد ایفا بمہر لہا و مثله فی النہر جلد ۳ ص ۱۲۴

طرح مرد کے گھر آنے سے انکار کرنے کا بھی، اور نفقہ واجب رہے گا، لیکن جو زمانہ گزر جاتا ہے، اس کا نفقہ ساقط ہو جاتا ہے، البتہ اگر حکم حاکم یا برضا مندی جائزین کوئی مقدار نفقہ کی متعین ہو جاوے تو در صورت وجوب نفقہ زمانہ گزشتہ کا بھی دلایا جاتا ہے، فی العالمگیریہ دان نشرت فلا نفقة لها حتى تعود الى منزلها والناشرة هي الخارجة عن منزل زوجها المانعة نفسها منه (ای بغیر حق) ثم بعد اسطر ان كانت سلمت نفسها ثم امتنعت الاستيفاء المهر لم تكن ناشرة في قول ابی حنیفة كذا في فتاویٰ قاضی خان، ثم بعد اسطر اذا تغيبت المرأة عن زوجها ادابت ان تتحول مع حبيبت يريدها من البلدان وقد افهاها معها، فلا نفقة لها عليها وان لم يعطها مهرها وباقي المسئلة بحالها فلها النفقة، هذا اذا لم يدخل بها واذا دخل بها فذلك الجواب في قول ابی حنیفة وفي الهداية اذا مضت مدة لم يتفق الزوج عليها وطالبته لذلك فلا تنقض لها الا ان يكون القاضي فرض لها النفقة او صالحت الزوج على مقدار نفقتها فيقضي لها بنفقة ما مضى تفصيل تو عورت کے پہلے مطالبہ میں ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مہر مل جانے کے بعد کے زمانہ کا نفقہ تو واجب ہی نہیں، اور مہر لینے سے پہلے کا نفقہ واجب تھا، لیکن اگر اس کی کوئی مقدار پہلے سے عدالت یا رضا سے معین تھی، تو یہ واجب دلایا جاوے گا، ورنہ حاکم یا ثالث نہ دلاوے گا، آخرت کا مواخذہ باقی رہے گا، اور دوسرا مطالبہ عورت کا وہ محض باطل ہے عورت کا نفقہ آنا فانا واجب ہوتا ہے اس کے عوض جائداد لکھ دینا شوہر واجب نہیں،

عشرین من ذی الحجۃ ۱۳۳۹ھ (تمتہ قاسمہ ص ۲۰۸)

ایک غیر مسلم شخص متونی | سوال، (۱۵۸) ایک غیر مسلم شخص مرا اور اس کا ترکہ اس کی بیوی کا ترکہ اور دربار، کو پہنچا اس کے مرنے کے سات سال بعد ایک بیوی کے لڑکی ہوئی جسکو ڈاکٹروں نے اسی کا حمل بتلایا اور گورنمنٹ نے اس کو جائداد دلوا دی، پھر اس لڑکی کے ایک لڑکا ہوا اور اس لڑکے کو اس کی نانی نے متبنی کر لیا اس لئے وہ قابض جائداد کا رہا پھر اس نے والے کے ایک دور کے رشتہ دار نے جائداد کا دعویٰ کیا اور وکیلوں کی معرفت ان ورثہ سے مقدمہ کیا اور مختارہ وکلاء کا یہ ٹھہرا کہ اگر کامیابی ہوگی تو کل جائداد میں سے ۹ حصہ وکیلوں کو دیں گے اور اس کا ایک معاہدہ لکھا گیا اتفاق سے اس وقت جائداد کا مقدمہ خارج ہو گیا اور زبانی وکیلوں سے معاہدہ فتح کر دیا گیا۔ مگر اس عہد نامہ کی واپسی یا

رسید وغیرہ نہیں لی گئی کچھ دن کے بعد اس دعویٰ دار نے اپیل کیا اور اس میں اُس کو کامیابی ہو گئی تو اس رجسٹری شدہ عہد نامہ کی بنا پر روکیلوں نے اس پر حصہ زمین کا لے لیا اس زمین کو مسلمان مزارع پہلے سے کاشت کرتے چلے آئے ہیں اور بوجہ موروٹی ہونے کے رگان بہت کم ہے اب حسبِ فیل سوائیڈر ۱۷ صورت بالائیں یہ وکیل مالک زمین کے ہو گئے یا نہیں۔

۱۸ اگر موروٹی کاشتکار زمین پر قبضہ رکھے تو جائز ہے یا نہیں اور ناجائز ہونے کی تقدیر پر آمدنی اس کی موروٹی کاشتکار کے لئے جائز ہے یا نہیں۔

۱۹ اگر یہ کاشتکار زمیندار سے زمین خریدنا چاہے اور بوجہ اپنی موروثیت کے کم دام میں زمین خرید لے تو اس میں گنہگار تو نہ ہوگا اور زمین کا مالک ہو جاوے گا یا نہیں۔

۲۰ اور حکومت کے قانون میں موروٹی اور مالک اگر مل کر زمین کو فروخت کریں تو روپیہ نصف نصف ملتا ہے تو کیا یہ روپیہ موروٹی کو لینا جائز ہے۔

۲۱ ، قبضہ حرام ہونے کی تقدیر پر گذشتہ قبضہ سے توبہ کا کیا طریق ہے۔

الجواب ، من المولوی عبدالکریم الگمتھادی ، ۱۸ یہ وکیل اس زمین کے مالک ہو گئے ہیں خواہ وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہی کیوں نہ ہوں ، کیونکہ اس معاہدہ کا زبانی نسخہ قانوناً معتبر نہیں اور اس عہد نامہ کے مطابق جو زمین لی گئی ہے وہ قانون کے مطابق ہے۔

۱۹ ، موروٹی قبضہ کا رکھنا جائز نہیں ہے ، البتہ جو آمدنی حاصل ہو چکی وہ جائز ہے بوجہ استیلا کے لیکن اب اس زمین کا واپس کر دینا لازم ہے۔

۲۰ ، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تو اس کو کم داموں پر خریدنا جائز نہیں ہے اور ان کا قول احوط و اسلم ہے ، البتہ امام محمدؒ کے قول پر یہ صورت جائز ہے ، پس اگر کوئی اُن کے قول پر عمل کرے تو اس کی گنجائش ہے مگر یہ خلاف احتیاط۔

تنبیہ :- اس پر معاملہ سود کو قیاس نہ کیا جاوے۔

۲۱ ، اس کا حکم بھی مثل ۱۷ کے ہے۔

۲۲ ، فقط قبضہ اٹھالینا کافی ہے و نیز توبہ کرنا باقی رہا تدارک قبضہ گزشتہ کا سو اس کی ضرورت نہیں ہے فقط۔

والدلائل ہذا

۱۸ فی شرح السیر الکبیر (۳/۳۳۳) ، علیٰ ہذا الغضب بعضہم فالانفا اسلموا و اختصموا

فی ذلك فان القاضی ينظر فی حکمهم قبل ان یسلموا فان علم ان من حکمهم لعن الغاصب یملك المغصوب لحدی الغاصب برود شی الخ اس سے معلوم ہوا کہ اہل حرب جو کچھ موافق قانون غصب وغیرہ کریں سب موجب تملک ہے۔

۲۔ منافع کا استیلا کی وجہ سے مالک ہو جانا تو بالکل ظاہر ہی ہے اور زمین پر قبضہ کا جائز نہ ہونا اس واسطے ہے کہ مجرد قبضہ کی وجہ سے استیلا تو ثابت نہیں ہوا جبکہ قانوناً اصل مالک کو مالک قرار دیا جاتا ہے اور عقد اجارہ ختم ہو چکا پس یہ قبضہ نہ کسی عقد شرعی کے تحت میں ہے نہ استیلا کا تحقیق ہوا اس واسطے ناجائز ہے۔

۳۔ فی شرح السیر الیضار (۲۹) وکذا لک لواء علی المسلم المستامن

عبدانی ید بعضہم باطلا و اقام بدینہ فاخذہ ملکهم من الحربی و دفعہ الیہ ثم اسلم فہولہ لتام احرازہ بحکم ملکهم و لکن ینبغی لہ ان یردہ علی صاحبہ لان ہذا عذر منہ ینزلہ صالواخذ مال بعضہم سرا فخرجہ و ہناک یفتی بالرد لانہ اتما عذربا مان نفسہ فہذا مشلہ ۱۰

اس سے معلوم ہوا کہ اگر استیلا کی وہ صورت اختیار کی جاوے جو قانون سلطان حرب کے خلاف نہ ہو تو پھر امام محمد کے نزدیک ایسی کافتویٰ بھی نہ دیا جاوے گا رگو شرعاً وہ صورت ممنوع ہو کیونکہ یہ جزئیہ مذکورہ غصب کے جزئیہ کے بعد ہے۔

ادامام ابویوسف کا قول مجھے نہیں ملا مگر امداد الاحکام میں مورخہ ۱۸ صفر ۳۳۹ھ

عبارت ہے، واما علی قول ابی یوسف فلا یجوز للمسلم فی دار الحرب ما لا یجوز فی دار الاسلام اور ربو میں جو اختلاف ہے وہ اس کا موید بھی ہے۔ واللہ اعلم

۵۔ ہذا کلمہ ظاہر۔ التصدیق الجواب الذی کتبہ المولوی عبدالکریم صبح

اشرف علی ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ

سوال متعلق جواب بالا، قاضی دریں ملک چنانچہ فرموند مفقود دست لاکن

حاکم وقت علاقہ ما بعض وقت اسسٹنٹ و تحصیلدار و جج کسے نہ کسے مسلمان می باشند اما او شان چنین فیصلہ قضایہ فی فتح نکاح ہرگز ہرگز نمی کنند و اگر عقدہ را کنند و نخواہند کرد مگر علایاں ایں طرف نیم علم خطرہ ایمان بالکل بے علم و کم فہم و متعصب اند ایں حاکمان را حکم کفر دہ پردہ و عاٹان را کفر ظاہر خواہند داد و علی ہذا القیاس قاضی متقی مقرر سرکار دعوام مردم کہ در ضلع

دیگر باشد از خوف خلاف مذہب قطعاً حکم نسخ نکاح مفقود الزوج نخواہد کرد آری دریں جا
شہرے قاضی حنفی بود اہل حدیث شدہ است لکن بر فیصلہ ہا اجرت بے اندازہ می گیرد اگر
جائز باشد از فتویٰ گرفتن مفقود الزوج از حکم گیرد و دیگر عالم اہل حدیث ہم است چیزے
نخواہد گرفت و قریب است اگر جائز باشد از حکم گیریم و اگر جائزے این چنین قاضی لایق فتویٰ
معلوم باشد اطلاع فرمایند تا از رجوع کردہ شود؟

الجواب، اگر قاضی عرفیت شرعاً قاضی نیست و اگر قاضی شریعت کہ برائے
فصل خصومات مقرر کردہ شد قضائش نافذ می شود اگرچہ اجرت گرفتن اورا جائز نباشد فی ردالمحتا
واما اذا ارتشى الى قوله فعلى ما في المحمادية فيه ثلثة اقوال قيل ان قضاءه نافذ فيما
ارتشى فيه وفي غيره والا دل اختار البزهدى واستحسنه في الفقه الى ان قال و
ينبغي اعتماده للضرورة في هذا الزمان اه مختصراً لكن محض فتوى گرفتن از کسے کافی
نیست کما نقلہ المفتی سعد اللہ المرحوم الرامقودی فی فتاواه و عبارتہ ہکذا قال البزاد
فی فتاواه قال السرخسی هذا شرط اخر وهو ان يصير حادثه فيجری بین یدی القاضی
من خصم على خصم حتى لو فات هذا الشرط لا يتقضى القضاء كانه فتوى اه۔۔۔ شہان المسعودی
کسی کی خیا، کور و پیرے کر قرق سے بچالیا **اسوال**، (۱۵۹) زید و عمرو با ہم معاشرت کرتے رہے
تو یہ چیزیں زید پر دینے والے کی ملک نہ ہوں گی | زید نے چند درخت نصب کئے، عمرو کا ایک مکان تھا،
اتفاقاً عمرو نے کسی کوری کے پانی کو روک دیا، کوری نے مقدمہ دائر کیا، اس کی ڈگری ہو گئی،
اس کے بعد کوری نے اپنے کھیت کے نقصان میں عمرو کی چیزوں کو قرق کر دیا، اس میں درخت
و مکان مذکور سب قرق ہو گئے، اس کے بعد زید نے ایک جگہ سے روپیہ قرض لا کر دیا اور سب
چیزوں کو قرق سے بچالیا، اور قرض مذکور کو زید نے ادا کیا، عمرو کا روپہ سے معذور تھا، اب
وہ سب چیزیں زید کی ہوں گی یا عمرو کی؟

الجواب، چونکہ کوئی سبب اسباب ملک سے نہیں پایا گیا، لہذا یہ چیزیں زید کی
ملک نہیں ہوئیں، البتہ اگر یہ قرض زید نے عمرو کے کہنے سے ادا کیا ہے تو اپنی رقم کا مطالبہ
عمرو سے کر سکتا ہے اور اگر بدون اس کے کہے ادا کر دیا تو مطالبہ رقم کا بھی نہیں ہو سکتا، اور
چیزیں بہر حال میں عمرو کی ہیں واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۹ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ (تمہ ادنیٰ ص ۱۵۱)

ضمانت کمیشن پر ایجنٹ بنانا | سوال، (۱۶۰) زید غیر مسلم ساکن ملک امریکہ نے عمر و مسلم ساکن ہند سے کہا کہ اگر تم مجھے دو ہزار روپیہ بطور ضمانت دیدو تو میں تم کو اپنا مال فروخت کرنے کے لئے ایجنٹ مقرر کر دوں گا اور فی عدد ایک آنہ کمیشن دوں گا، عمر و نے منظور کر کے دو ہزار روپیہ زید کو دیدیا، اور دو ہزار روپے سے دو چند سو چند مال فروخت کے واسطے دینے کا وعدہ کر کے دیتا ہے، اور عمر و اس کو فروخت کرتا ہے، یہ صورت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس غیر مسلم کو جو روپیہ بطور ضمانت دیا ہے اس سے دینے والے کی یہ اجازت نہ ہو کہ اس سے تجارت وغیرہ کر کے منتفع ہو، اگر وہ بدون اس کی اجازت کے ایسا کرے گا تو اس کا بار خود اس کے ذمہ ہوگا، ۱۶ رمضان ۱۳۲۷ھ

(تمہ اولیٰ ص ۱۵۲)

سوال، (۱۶۱) ایک بازار میں یہ رواج قدیم بائین کوئی جسز مساجد اور مندر میں خرچ کیا جاتا ہے ہندو و مسلمان مقرر ہے کہ ہندو و مسلمان گارڈیاں اپنا مال یعنی قند سیاہ یا ہرے لاکر وہاں کے تجارت پیشہ ہندو مسلمان کا رخانہ چینی والے کے ہاتھ بیچتے ہیں تو کل قیمت اپنی لیکر اس میں سے ایک آنہ حسب رواج وہاں کے بغرض مصارف مدرس و امام مسجد و پوجاری شوالہ بخوشی دیتے ہیں، جس کو امام مسجد و پوجاری لیکر اپنے تصرف میں لاتے ہیں، خواہ وہ خریدار مال ہندو ہو یا مسلمان ہو، اس رقم کو اپنے پاس امانت رکھتا ہے، اور کل رقم وصول شدہ اپنے موقع پر یعنی بوقت طلب پوجاری و امام کو دیتا ہے، نہ ہندو کا رخانہ والوں کو مسلمان مدرس و امام کے دینے میں عذر ہے نہ مسلمان کا رخانہ والوں کو ہندو پوجاری کے دینے میں رقم معلومہ کے کوئی حجت پیش ہوتی ہے، اسی طرح سے ایک زمانہ دراز سے سلسلہ انتظام قائم ہے، اب اس وقت بعض مسلمانوں کو یہ تردید پیش ہے کہ اس طرح کی رقم امانت کا ہندو و مسلمان کو اپنے پاس رکھنا اور ان کے پوجاری کو یا مدرس و امام مسجد کو دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں، اور ایسی مشارکت دینی کاموں میں روا ہے یا نہیں

الجواب، درست نہیں سب مل کر اس انتظام کو اس طرح بدل دیں کہ ہندو صرف ہندوؤں سے لیا کریں اور مساجد میں خرچ نہ کریں، اور مسلمان صرف مسلمانوں سے لیا کریں اور پوجاریوں پر خرچ نہ کریں، اور جب تک ایسا انتظام مقرر نہ ہو تو مسلمان ایسا کریں کہ اگر ہندوؤں سے ان کو لینے کا موقع آدے تو نہ لیں کہ اختیاری بات ہے اور جب نہیں لیں گے تو ان سے

کوئی سچاری بھی نہیں مانگ سکتا، اور مانگے تو یہ جواب دے سکتا ہے کہ ہم نے خود ہی ہندوؤں سے نہیں لیا ہے تو ہم تم کو کیسے دیں، اور اگر ہندوؤں کو وہ ایک آنہ دینے کا موقع پڑے اور وہ مجبور کر کے لینا چاہیں تو یوں کرے کہ دام پورے وصول کر کے ایک آنہ واپس نہ دے بلکہ اس سے یوں کہے کہ مجھ کو ایک آنہ قیمت مجوزہ میں کم دیدو، اور نیت یہ رکھے کہ میں ایک آنہ اس کو معاف کرتا ہوں، اور مسلمان سے لینا بھی جب درست ہے کہ وہ خوشی سے دے، اور جو شخص کہ محض اس رسم کی پابندی سے دیتا ہو اس سے لینا جائز نہیں۔

۲، ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۵۱)

سوال ۱۶۲، (۱۶۲) اے کپڑے اور روئی بنانے کے بلوں کے شیر
کے حصص خریدنا
یستی حصص کپنی مذکورہ کے خریدنا درست جائز ہے یا نہیں؟

۲ اور ٹرام ریلوے کے حصص خریدنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب ۱، ۲، اگر حصہ صرف نقد روپیہ تھا تب تو اس کے خریدنے کیلئے برابر سراسر ہونا شرط ہے، اور اگر حصہ میں آلات کا جزو بھی ہے تو بدون اس شرط کے بھی درست ہے۔

۱۴ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۵ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۵۵)

سوال ۱۶۳، (۱۶۳) اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ شریک ہو کر کپنی بناتے ہیں، اور تجارتی کاروبار کرتے ہیں، ان کمپنیوں کے حصص اکثر فروخت ہوتے رہتے ہیں، جو لوگ حصص خریدتے ہیں ان پر سالانہ منافع جس قدر کمپنی کو ہو تقسیم کر دیا جاتا ہے، کبھی کم کبھی زیادہ اسی طرح اگر کمپنی کو نقصان ہو تو حصہ داران اپنے حصص کی نسبت سے نقصان کے ذمہ دار ہوتے ہیں، ایسے حصص خرید کرنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب، تجارتی کمپنی جس میں مختلف کاروبار ہوتے ہیں اور سودی معاملات بھی ہوتے ہیں اور جس کے حصے فروخت ہوتے ہیں اس کا حکم یہ ہے کہ چونکہ ہر حصہ دار اپنے حصہ کا مالک ہے، اور عملہ کاروبار میں ان حصہ داروں کا وکیل ہوتا ہے، اور شرعاً ان کا فعل حصہ داروں کی طرف منسوب ہوگا، اگر وہ کوئی ناجائز تجارت کریں گے اور یقیناً کرتے ہیں حتیٰ کہ مسلمانوں سے بھی سود لیا جاتا ہے تو ایسا ہی ہوگا جیسے خود حصہ دار کریں اس لئے ایسی کمپنی میں شرکت ناجائز ہے، اسی طرح حصص خریدنا چونکہ یہ روپیہ کا مبادلہ روپیہ سے ہے، اور درست بدست نہیں

۱۵ کمپنیوں کے حصص بصورت عروض تجارت یا غیری ہوتے ہیں اس لئے روپیہ کا مبادلہ روپیہ ہی نہیں بلکہ عروض سے ہے جو کہ نیزہ بھی جائز ہے ۱۶ رشید احمد عفی عنہ۔

اس لئے جائز نہیں، اور قرض کی تاویل بھی قواعد پر منطبق نہیں ہوتی۔ (النور بیع الاول ص ۵۲)

سوال (۱۶۴) اکثر گورنمنٹ یہ اعلان کرتی ہے کہ ہمیں اس قدر قرض کی ضرورت ہے، اور اتنی مدت میں یہ قرضہ ادا کیا جائے گا۔ جب تک قرضہ ادا ہوگا اس قدر فی صدی سود دیا جائے گا، یہ سود جائز ہے یا ناجائز، بالفناظ دیگر یہ کہتا چاہے کہ گورنمنٹ سے سود لینا جائز ہے یا نہیں، میرے خیال میں گورنمنٹی بینک میں روپیہ رکھ کر سود لینے میں اور مندرجہ بالا صورت میں فرق ہے، جو خاص فرق میرے خیال میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ گورنمنٹی بینک میں پیسے کے اور لوگ بھی حصہ دار ہوتے ہیں مسلمان بھی اس کے حصہ دار ہوتے ہیں، ایک دو مثال میرے ذہن میں بھی ہیں، یہ ضرور ہے کہ اور لوگوں کا حصہ نسبتاً بہت قلیل ہوتا ہے، ہندوستان میں کوئی بینک ایسا نہیں ہے جس کی مالک خاص گورنمنٹ ہو، گورنمنٹ کو سود پر قرضہ دینے میں اس سے یہ خاص فرق ہے کہ ایسی صورت میں جو سود آئے گا وہ قطعاً گورنمنٹ کے خزانہ سے آئے گا، گورنمنٹ نے ہمارا لگان خلاف معاہدہ کم کر دیا، اور حسب قانون ساختہ خود مالگذاڑی اسی نسبت سے کم نہیں کی، تو کیا گورنمنٹ سے ہم سود بھی نہیں لے سکتے، میں نہیں کہہ سکتا کہ مندرجہ بالا دلیل کچھ اہمیت شرعاً رکھتی ہے یا نہیں؟

الجواب، گورنمنٹی بینک جس میں پیسے کے اور لوگ بھی شریک ہوتے ہیں، گوا اور تو کا حصہ قلیل ہوتا ہے، اس کی حقیقت بھی مثل صورت بالا کے ہے اور حکم بھی مثل حکم بالا کے۔

خاص گورنمنٹ کو قرض دینا، جس میں سود خاص گورنمنٹی خزانہ سے آتا ہے یہ مسئلہ اس میں داخل ہے کہ غیر مسلم غیر ذمی سے سود لیا گیا، یہی مسئلہ ہے جو علماء میں مختلف فیہ ہے، جس میں اجتہاد تو ریع ہے، اور اتکا ب توسع ہے، واللہ اعلم، ۲ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ (النور بیع الاول ص ۵۲)

سوال (۱۶۵) قانون ریلوے میں ایک مدت مقرر ہے، کہ اگر اس عرصہ میں مالک مال بل گیا تب تو اس کو مال دیدیا جاتا ہے، ورنہ بعد گزرنے مدت کے اگر پھل وغیرہ ہوتے ہیں تو تیسرے دن نیلام کر دیئے جاتے ہیں، سو اس مال کا خریدنا قائم شرعی سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، اگر یہ معلوم ہو کہ وہ دام مالک کو دیئے جاتے ہیں تو خریدنا جائز ہے والا لا۔

سوال (۱۶۶) عرصہ ایک سال کا ہوا کہ ایک ہندو نے میرے بیچنے سے بیع نہ ہونا! پاس ایک رسالہ بھیجا جس میں وید کی قدامت لکھی تھی، اور کچھ نسخہ

جات بھی تھے، میں نے اس کو رکھ لیا اور وہ رسالہ ماہوار آتا رہا، اور میں نے انکار نہیں کیا سال گزرنے پر ایک پرچہ ویلو دور روپیہ کا آیا میں نے اس کو واپس کر دیا، اور لکھ دیا کہ چونکہ آپ بلا طلب پرچے بھیجتے تھے، اس لئے میں انکار کرتا ہوں، انہوں نے بطور ہدایت یہ بھی لکھا تھا جو کہ پہلے پرچے کے بھیجنے پر انکار نہ کریں گے ان کے نام پرچہ جاری رہے گا، تو اب یہ پوچھتا ہوں کہ قیمت میرے ذمہ واجب عند الشرع ہے یا نہیں؟

الجواب، آپ کو انکار کر دینا واجب تھا، خواہ خط بھیج کر خواہ پرچہ واپس کر کے اب قیمت تو واجب نہیں ہوئی لیکن سب پرچوں کا واپس کر دینا واجب ہے، وہ آپ کی ملک نہیں۔
۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ (تمہ اولیٰ ص ۱۶۵)

اضطرار مثلیت ثمن درمراجہ | سوال، (۱۶۷) اس طرف بہ رواج ہے کہ لوگ کپڑا دو طریقہ سے خریدتے ہیں ایک یہ کہ اس کی قیمت میں نقد روپیہ دیتے ہیں، تو جس صورت میں کہ صرف روپیہ دیتے ہیں تو ایک تھان مثلاً چودہ آنے کو لیتے ہیں اور اگر روپیہ و سوت دونوں دیتے ہیں تو ساڑھے چودہ آنے کو لیتے ہیں تو کیا حکم ہے، پس جس شخص نے کپڑا و سوت دونوں دے کر خرید لیا ہے اس سے اگر کوئی کپڑائی تھان مثلاً ایک آنہ منافع دے کر خریدے تو وہ منافع چودہ آنے پر لگایا ساڑھے چودہ آنے پر، اور اصل قیمت کون معتبر ہوگی؟

الجواب، یہ بیع مراجعت ہے، یہ اسی وقت صحیح ہے جب تمام ثمن نقد یا مثلی ہو، اور دوسرا مشتری وہی دیتا ہو، پس جس صورت میں کچھ نقد اور کچھ سوت کی عوض تھان لیتا ہے، اور دوسرا مشتری سب نقد دیتا ہے، نفع پہنچنا درست نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم،

۲۵ محرم ۱۳۳۲ھ (حوادث اول و ثانی ص ۱۲)

قیمت پیشگی ادا کرنا | سوال، (۱۶۸) بعض اہل مطایع اشتہار دیتے ہیں کہ فلاں کتاب کے طبع کرنے کا انتظام کیا گیا ہے، جو صاحب اس قدر قیمت پیشگی بھیج دیں گے وہ اس رعایت کے مستحق ہوں گے یہ معاملہ کیا ہے؟

الجواب، متاخرین نے جائز رکھا ہے اور اس کی تفصیل بیع استجرا میں صاحب الریاء نے ذکر کی ہے، ج ۴ ص ۱۸ و بعض عبارتہ ہذا و ہذا (ای دفع در اہم الی الخیار و الاخذ کل یوم خمسة امنا) حلال دان کان نیتہ وقت الدفع الشراء لانه بمجرد النية لا ینعقد البیع

وانما یعتقد البیع الآن بالتعامی والآن المبیع معلوم فینعتقد البیع صحیحاً اقلت
کذا یقال فی هذا ان المبیع لما وجد انعقد البیع فلم یلزم بیع المعدوم،

۳ ربیع الثانی ۱۳۳۴ (حوادث اول و ثانی ص ۱۱)

سوال (۱۶۹) بعض مالک اخبار کی جانب سے اشتہار
قیمت کے بدلے میں جاری کرنا جائز نہیں ہوتا ہے کہ اس قدر روپیہ داخل کر دینے سے تمام عمر کے واسطے

اخبار جاری کر دیا جاوے گا یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، جائز نہیں کیونکہ بیع مجہول ہے،

۳ ربیع الثانی ۱۳۳۴ (حوادث اول و ثانی ص ۱۱)

سوال (۱۷۰) قمی، عنبر، مشک وغیرہ مصنوعی تیار کیا جاوے
اور یہ کہہ کر یہ اصلی نہیں مصنوعی ہے کم قیمت پر اس کو فروخت کیا

جاوے کیا یہ بھی دھوکہ و خداع و ناجائز ہے یا نہیں؟

الجواب، یہ دھوکہ نہیں ہے جائز ہے، البتہ ورع کے خلاف اس لئے ہے کہ

مشری سے خداع کا احتمال ہے، اور اس کی بیع ایک درجہ میں اس کا سبب ہے، (حوادث اول و ثانی ص ۱۱)

سوال (۱۷۱) کسی کتاب کا رعایتی اشتہار شائع کر دینے کے

اشتہار سے زائد بمذہب فروخت کرنا بعد ایسے شخص سے جس کو وہ اشتہار نہیں ملا اور بدیں وجہ وہ سابق پور

قیمت پر کتاب کی فرمائش کرتا ہے، پوری قیمت لے لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، ایسا اشتہار ایک وعدہ عام ہے، جس میں کسی کی اطلاع و عدم اطلاع بڑا

ہے پس جو حکم اشتہار دیکھنے والے کا ہے وہی نہ دیکھنے والے کا یعنی دونوں صورتوں میں بیع حلال ہے

اور خلف وعدہ کی کراہت لازم ہے، (حوادث اول و ثانی ص ۱۱)

سوال (۱۷۲) اکثر دیہات میں یہ قاعدہ ہو گیا ہے کہ غلہ خواہ بغرض

نرخ طے نہ کرنا، تجارت یا بغرض خرچ یومیہ کا شتکار سے خرید کر و تو وہ نرخ جس وقت اکتیج کا

نرخ مقرر ہو اس وقت طے کرتے ہیں، بغیر طے ہونے خرچ اکتیج کے کا شتکار ہرگز نرخ طے نہیں کرتے

ہیں، میں نے کچھ غلہ امسال خریدا باوجودیکہ میں زمیندار ہوں مگر کا شتکاروں نے نرخ طے نہیں کیا

اور غلہ دیتے رہے، جب اکتیج گرد و نواح میں طے ہو گئی تب کہا کہ اکتیج کے بھاؤ دیں گے، میں نے

انکار کیا یعنی غلہ نرخ اب طے کروں گا، غرض کہ اس وقت کوئی فیصلہ نہیں کیا، ایسے موقع پر اکتیج کا

نرخ جائز ہو سکتا ہے، اب تو عام رواج یہی ہو گیا ہے؟

الجواب، لفظ اکتع سمجھ میں نہیں آتا، بہر حال دوسرے وقت پر اس کا رکھنا اور

بیع کے وقت طے نہ کرنا حرام ہے، ۱۹ شعبان ۱۳۳۳ھ (حوادث اول و ثانی ص ۱۱۴)

اس کی تحقیق کہ اگر پارسل ٹکستہ ہو جائے | **سوال**، (۱۷۳) میں نے ایک دوا فروش سے کچھ ادویات
تویہ نقصان بالغ کے ذمہ ہے یا مشتری کے | مرکب منگائیں تھیں، اس پارسل کی ادویات مجھ کو ٹوٹ پھوٹ
کر وصول ہوئیں، چونکہ بذریعہ ویلو پارسل بھیجی گئی تھیں یہ نقصان کس کا ہوگا؟

الجواب، آپ کا ہوا، اگر مرسل نے پارسل بنانے میں متعارف احتیاط کی تھی،

۲۴ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ (حوادث اول و ثانی ص ۹۸)

ریاست سے سوختہ خریدنا | **سوال**، (۱۷۴) تمام ریاستوں میں خواہ وہ ہندو کی ریاست ہو
یا مسلمان کی محکمہ جنگلات قائم ہیں اور ان میں خود رو گھاس اور خود رو چھوٹے بڑے درخت کٹوا کر
جمع کرائے جاتے ہیں، اور رعایا کے ہاتھ فروخت کئے جاتے ہیں، یہ لین دین شرعاً کیسا ہے؟

الجواب، جب ریاست نے کٹوا کر قبضہ کر لیا وہ ریاست کی ملک ہو گئے، اب

اگر رعایا کے ہاتھ فروخت کریں جائز ہے، ۹ شوال ۱۳۳۳ھ (حوادث اول و ثانی ص ۱۲۱)
جو چیز کسی دوسرے کے نام پر فرضی طور سے | **سوال** (۱۷۵) قاضی محمد یعقوب و قاضی محمد یوسف

خریدی جاوے وہ اس کی ملک نہیں ہوتی | و قاضی محمد اسحاق تین بھائی تھے، قاضی محمد یعقوب

نے ایک علاقہ اپنی لڑکی اور اپنے ایک بھتیجے عبدالسلام ابن قاضی محمد اسحاق کے نام خرید
کیا، اور داخل خارج بھی انہیں دونوں کے نام کر دیا، قیمت اس علاقہ کی اس طریقہ پر ادا

کی کہ بالغ کے حق میں ایک دستاویز لکھ دی جس میں انہوں نے یہ نہیں لکھا کہ یہ دستاویز قیمت
ہے اس علاقہ کی جو ان کی لڑکی اور بھتیجے کے نام خرید گیا ہے، بلکہ یہ لکھا کہ یہ قرضہ میں اپنی

ذاتی ضروریات کے لئے مثلاً ادائیگی مالگزاری و قرضہ ذاتی و دیگر ضروریات فائگی کے لئے رہا
ہوں، اور اپنی ذاتی جائیداد وغیرہ اس قرضہ کی علت میں موقوف و مستغرق کر دیا دستاویز

بیع نامہ و دستاویز قرضہ غالباً ایک ساتھ ہی لکھی گئی یا دو تین روز کا فرق ہوگا، قاضی محمد یعقوب
صاحب کا انتقال ہو گیا، انہوں نے علاوہ اس علاقہ کے اور جائیداد بھی چھوڑی ہے، اب یہ

سوال ایسا پیدا ہوا ہے۔ (۱۷۶) آیا اس علاقہ میں جو خریدا گیا ہے ان کے ورثا، شرع محمدی کی
رہمت سے حصہ لے سکتے ہیں یا نہیں؟ (۱۷۶) اگر حصہ ان کو نہیں مل سکتا تو کیا وہ قرضہ کے ذمہ دار ہوتے

ہیں یا نہیں؟

الجواب، کسی کے نام جائیداد خریدنے سے شرعاً اس کی ملک نہیں ہوتی، کیونکہ خریدنے کے قبل تو دوسرے کی ملک تھی غیر کی ملک میں تصرف ہبہ وغیرہ کا مافذ نہیں ہوتا، اور بعد خریدنے کے کوئی عقد موجب انتقال پایا نہیں گیا، اس بنا پر شرعاً وہ جائیداد قاضی محمد یعقوب کی ملک ہے، افندہ ثمن بھی انہیں کے ذمہ ہے، جس کے واسطے دستاویز قرضہ کی لکھی ہے، پس بائع کا قرضہ ادا کر کے باقی جائیداد مشتری کی سب ورثہ شرعی کو ملے گی، بقدر حصص شرعیہ۔ فی الدر المختار بیع الفضولی قید بالبیع لانہ لو اشتری لغیرہ نفذ علیہ۔

امشرف علی ۹ محرم ۱۳۳۲ھ (حوادث ۲۱ ص ۱۲۷)

سوال (۱۷۶) کتاب موجود نہ ہو فہرست میں اس کا نام ال میں درج کر دی جائے اس کا حکم دینا کہ اہتمام کر کے فرمائش پر دیدیں گے، جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب، یہ معاملہ اس تاویل سے صحیح ہو سکتا ہے کہ فرمائش کو ایجاب نہ کہا جاوے، کیونکہ اس وقت بیع ملک بائع سے معدوم ہے، بلکہ بائع کی روانگی کو ایجاب اور صاحب فرمائش کے وصول کو قبول کہا جاوے، البتہ اس پر یہ التزام کرنا پڑے گا کہ اگر صاحب فرمائش وصول نہ کرے بلکہ واپس کر دے تو بائع اس پر جبر نہیں کر سکتا،

۲۵ ربيع الثاني ۱۳۳۲ھ (حوادث ۱، ۲ ص ۱۳۷)

سوال (۱۷۷) زید اپنی آسامیوں سے کہہ دیتا ہے کہ قرب جوار معاملات کا بحکم سود ہوتا میں مویشیاں گائے، بیل، بھیتس، بکری وغیرہ تلاش کر کے اپنی اپنی پسند کا جانور ملے کر آؤ، پھر ہم روپیہ کی چلیں گے، نقد خرید کر کے اپنی ملک کر لیں گے، بعدہ فوراً روپیہ ہم نفع جوڑ کر اودھار بوعده ایک سال تم کو دیدیں گے، جس جانور کو جو شخص قیمتاً ملے کر آوے گا، وہ جانور اسی شخص کو اودھار نفع پر دیا جاوے گا، اس طرح آسامیوں کی مدد سے خرید کر اودھار دینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب، اس کی چند صورتیں ہیں اور ہر ایک کا حکم جدا ہے، ایک صورت یہ کہ زید نے آسامی کو خریدنے کا وکیل بنا دیا، اور آسامی نے زید کے لئے خریدا، اس صورت میں سواشی ملک زید کی ہوگی، اور زید کو اس کے بعد اختیار ہوگا خواہ آسامی کے ہاتھ فروخت کرے یا نہ کرے، اور اسی طرح آسامی کو اختیار ہوگا کہ خواہ زید سے خریدے یا نہ خریدے

کوئی کسی کو مجبور نہیں کر سکتا، تو اس صورت میں اگر آسامی اپنی خوشی سے زید سے نفع پر خریدے تو جائز ہے، اس میں سود وغیرہ کا کوئی شبہ نہیں، دوسری صورت یہ کہ زید نے آسامی کو وکیل خریدنے کا نہیں بنایا، صرف پسند کرنے کے لئے بھیج دیا، اور آسامی نے مالک مواشی سے کوئی گفتگو جس سے خریداری سمجھی جاوے نہیں کی، یہاں تک کہ مالک مواشی بھی سمجھتا ہے کہ ابھی مجھ سے نہیں خریدا ہے میں بھی بیچنے نہ بیچنے کا مختار ہوں، اور دوسرا بھی خریدنے نہ خریدنے کا مختار ہے۔ اس کے بعد زید نے اگر خود خریدا اور پھر خرید کر نفع پر آسامی کے ہاتھ ان کی خوشی سے بیچ دیا، اور مثل پہلی صورت کے یہاں بھی ہر ایک بیچنے اور خریدنے میں آزاد ہے یہ صورت بھی جائز ہے، کوئی شبہ نہیں، تیسری صورت یہ ہے کہ آسامی نے اپنے طور پر جا کر مواشی کو اپنے لئے خرید لیا، اور زید نے صرف جا کر اس کی قیمت آسامیوں کے کہنے سے ادا کر دی، اس صورت میں ابتداء ہی سے وہ مواشی ملک آسامی کی ہوگا۔ اور زید کو ادائے ثمن کرنا یہ گویا آسامی کو روپیہ قرض دینا ہوگا، جب قرض ہے تو ظاہر ہے کہ نفع لینا صریح سود ہے اور حرام ہے،

۱۰۔ رمضان ۱۳۳۲ھ (حوادث ۲۱ ص ۱۲۵)

سوال (۱۴۸) ایک شخص ملازم انگریزی رشوت دے کر ملازمین سرکار سے حسد پیدا ٹھیکہ بنانے ظروف آہنی کا لیتا ہے اور چند روز استعمال سرکاری کے بعد بلا ناقص ہوئے ان ظروف کو ناقص کر کے اداں تیلام کر دیتا ہے، اور وہ شخص ٹھیکہ دار خود ہی خرید کر اور کچھ روغن وغیرہ سے ان کو نیا ظاہر کر کے اسی ملازم سرکاری کی معرفت پکڑا موں کو فروخت کرتا ہے، اس شخص کا مال فعل حرام رشوت دھوکہ دہی سے حرام ہوگا، یا مکروہ، ایک عالم فرماتے ہیں کہ اس کا فعل حرام موجب گناہ ہے۔ مگر اس بیع کے ثمن میں کچھ نقصان کراہت نہیں، اس لئے کہ عقد صحیح ہے۔ اور ملازم سرکاری وکیل بیع ہے، اور وکیل بیع کو قیمت سے کم ثمن پر بیع کرنے کا اختیار ہے، ایک صاحب فرماتے ہیں کہ اس کے مال میں کراہت تحریم ہے اور شخص مذکور کے مال مذکور میں بیع جائز و اجرت جائز کا بھی مال ملا ہوا ہو تو اس کی دعوت کھانی بلا کراہت تحریم جائز ہے یا نہیں، اور مال مذکور میں جائز مال نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ اس مال کی دینی واجب ہے یا نہیں؟

الجواب، یہ فعل بھی حرام ہے اور وہ ثمن بھی حرام ہے، اور یہ سمجھنا علی الاطلاق غلط ہے

کہ دکیل بالبیع کو قیمت سے کم ثمن پر بیع کرنے کا اختیار ہے، یہ اختیار تو مستفاد ہوا ہے مؤکل ہی سے، جس امر کا مؤکل نے اختیار نہ دیا ہو ہرگز اختیار نہ ہوگا، اور یہاں دلیل قائم ہے اس کی کہ اس بیع بالاقول اور اسی طرح اشترا، بعد التمویہ کی اجازت مؤکل نے نہیں دی، کیونکہ اگر اس کو معلوم ہو کہ اس طور پر یہ بیع و بشر، ہوتا ہے ہرگز اس کو جائز نہ رکھے گا، پس اس امر کا یقیناً معلوم ہونا دلیل ہے عدم اذن کی، پس یہ مال حرام ہوگا، لیکن مملوک ہو جانے کی وجہ سے زکوٰۃ واجب ہوگی، اور دعوت اس وقت جائز ہے جب اس مال سے زائد حلال ہو،

۵ رمضان ۱۳۳۲ھ (حوادث ۱، ۲ ص ۱۲۷)

سوال (۱۷۹) مؤمن اکثر گورکھپوری پیسہ چلتا ہے کبھی تو ایک روپے کے ساتھ مقید ہونا کا بیس گنڈہ ملتا ہے، تو ایک آنے کے پانچ پیسے ہوئے، اور کبھی اکیس گنڈے تو ایک آنے کے ۵ پیسے ہوئے اور مؤ کے خریداروں کا قاعدہ ہے کہ ہر صورت میں ایک آنے کے پانچ پیسے دیں گے، اور کوڑی ہرگز نہ دیں گے، البتہ اگر تین دو کڑے سے زیادہ کوڑی ہو جاوے تو ایک پیسہ ملے دیں گے، اور اگر اس سے کم ہو تو کچھ نہیں دیں گے، اور یہ بات درمیان بائع اور مشتری کے پنچائتوں میں طے ہو چکی ہے، ساتھ ہی اس کے اکثر بیچنے والوں کو بوجہ کوڑی نکل جانے کے افسوس ہوتا ہے بعض دفعہ تو کچھ کہہ بھی دیتے ہیں، تو آیا اس کوڑی لیسنے سے معاوضہ قیامت کے روز کا باقی رہے گا یا نہیں، اور یہ سلب حق الخیر ہے یا نہیں، اور المعروف کا مشروط کے قاعدے سے یہ بیع کیسی ہے؟

الجواب، اگر یہ عرف مشہور عالم ہے تو المعروف کا مشروط کے قاعدے سے یہ بیع اسی طریق کے ساتھ جائز ہے، اور کچھ مواخذہ نہیں، اور اگر مشہور عالم نہیں ہے تو قبل بیع اس کا ظاہر کر دینا واجب ہے، ۹ شوال ۱۳۳۲ھ (حوادث ۱ ص ۵۵)

سوال (۱۸۰) میں نے ایک فرمائش بذریعہ ویلیو صورت میں ضمان اس کا کس ہے اس کی تحقیق ڈگوارہ ضلع چھپرہ خوب محل خمیر فروش کے پاس روانہ کیا، مال ریل میں تین تھان نکل گیا، اس کا نقصان محکمہ دینا ہوگا یا خوب محل خریدار مال کو، دوسرے یہ کہ میں نے ہر خریدار سے کہہ دیا ہے کہ ریل میں جس کسی کا مال چوری جائے گا میں نہیں دوں گا، مگر مذکورہ بالا خریدار سے یہ اقرار نہیں ہے شرع شریف کا کیا حکم ہے۔

الجواب، عرف تجارت سے خصوص اس امر کہ ویلیو کے ضمانت ہونے کے وقت مال کا

مطالبہ مال بھیجنے والا ہی کرتا ہے منگوانے والا نہیں کرتا، یہی معلوم ہوتا ہے کہ اہل ڈاک ڈیل
بائع کے ہیں مشتری کے نہیں، جب یہ لوگ مشتری کو دیتے ہیں اس وقت بیع ہوتی ہے، تو اس کے
قبل چونکہ وہ مال بائع کا ہے اس لئے جو نقصان ہوگا اسی بھیجنے والے کا ہوگا،

۱۸ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (حوادث ۱ و ۲ ص ۱۶۲)

سوال، (۱۸۱) رسائل ماہواری جو ارسال ہوا کرتے ہیں وہ
ضائع ہو جائے تو کمر لینا جائز ہے | اگر ڈاک میں ضائع ہو جاویں تو مشتری بائع سے دوبارہ طلب
کر سکتا ہے یا نہیں، شرعی حکم اس باب میں کیا ہے۔

جواب، پورا شرح صدر تو ہے نہیں لیکن قواعد سے رجحان اس طرف ہے کہ دوبارہ
طلب کر سکتا ہے لان الظاهر ان عملة البو مسطرة وكلاء للبائع لا للمشتري، فليدراجع
الى العلماء الآخرين فقط۔

۱۴ محرم ۱۳۳۳ھ (حوادث خامہ ص ۲۴)

سوال، (۱۸۲) پانچ آنے گز کے حساب کے تین گز کپڑا خریدا
یکساں ہون میں بقدر وضو صبح کا انفاق | مشتری نے ایک روپیہ جیسے نکال کر مالک کو دینے کی نیت سے
پھینکا، مالک گفتگو میں مشغول تھا، مشتری نے باقی چار پیسے واپس مانگے، مالک نے نوکر سے واپسی
کے پیسے کا عدد دریافت کر کے مشتری کو دیا، مشتری نے وہ پیسے لئے اور کپڑا اٹھا لیا، بیع صحیح ہوا یا نہیں؟
الجواب، یہ بیع تعاطی ہے گویا بان سے ایجاب و قبول نہیں ہوا مگر بیع صحیح ہو گئی، فقط۔

یکم محرم روز جمعہ ۱۳۳۳ھ رستمہ ثالثہ ص ۱۲۶

سوال، (۱۸۳) خاکسار کا پیشہ گھڑی سازی ہے اس کے علاوہ
گراموفون باجہ کی بھی مرمت کیا کرتا تھا، گرمیرے ایک کرم دوست نے کہا کہ گراموفون کی مرمت کرنا
از روئے شرع شریف ناجائز و ممنوع ہے، باجہ مذکور میں مندرجہ ذیل مرمت کی جاتی ہے۔

(۱) اسپرنگ ٹوٹ جائے تو اسے جوڑ دینا یا نیا اسپرنگ لگا دینا (۲) باجے کے چکروں کے دانٹوں
میں یا چولوں میں کچھ خرابی ہو تو درست کر دینا یا نیا چکر لگا دینا (۳) باجے میں گھڑ گھڑا ہٹ کی آواز
یدا ہو جائے جس سے ریکا رڈ کی آواز میں خلل پیدا ہوتا ہو تو اسے مٹا دینا، الخصاصہ کیا اس آلہ ہو
دب کی مرمت کرنے سے راقم الحروف کا شمار بھی ہو و لعب میں مشغول رہنے والوں کی مدد
کرنے والوں میں محسوب ہوگا، اور گناہوں میں برا بھلا شریک، نامشروعیت کی یہی دلیل میری ہے

بیان کی ہے، لہذا اس مسئلہ میں جو حکم از روئے شرع شریف ہو بیان فرما کر عند اللہ ماجور اور عند الناس مشکور ہوں؟

الجواب، فی الہدایۃ ومن کسر لمسلم یولطا ووطبلاً او من ماراً الی قولہ فہو ضامن وبيع هذه الاشياء جائز وهذا عند ابی حنیفۃ وقال ابو یوسف ومحمد لا یضمن ولا یجوز بیعہا الی قولہ دلابی حنیفۃ انہا اموال لصلاحیتہا لما یحل من وجوہ الانتفاع وان صلحت لما لا یحل فصارت کالامۃ المغنیۃ وهذا لان الفساد بفعل فاعل مختار فلا یجب سقوط التقوم وجواز البیع والتضمین مرتبان علی المالیۃ والتقوم ثم قال وتجب قیمتہا غیر صالحة للہو کما فی الجاریۃ المغنیۃ والکبش النطوح والحمامۃ الطیافۃ والذیک المقاتل الخ اخر کتاب الغصب، فیہا من اجر بیتا لیتخذ فیہ بیت ناراً الی قولہ ادیباع فیہ الخمد بالسوا فلا بأس بہ وهذا عند ابی حنیفۃ وقال لا یلغی ان یکریہ لشیء من ذلك لانه اعانة علی المعصیۃ ولان الاجارۃ ترد علی منفعة البیت ولهذا تجب الاجرة ببجود التسلیع ولا معصیۃ فیہ وانما المعصیۃ بفعل المستاجر وهو مختار فیہ فقطع نسبتہ عنہ (فصل فی البیع) روایات مذکورہ اپنی علت سے صورت سوال کو مدلول روایات کے ساتھ ملحق کر رہی ہیں، اس لئے یہ صورت بھی مختلف فیہ ہے پس جس شخص کی دوسری وجہ معاش کافی ہو اس کو تو منع کے قول پر عمل کرنا چاہئے، اور جس شخص کی دوسری وجہ معاش کافی نہ ہو، وہ جواز کے قول پر عمل کر سکتا ہے، ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ (تمتہ خامسہ ص ۶۰۶)

سوال، (۱۸۴) فدوی آہنگری کا کام کرتا ہے، اس میں بعض فوٹو گراف اور آلات ہولوب | **سوال**، (۱۸۵) فطیح میں غلہ کا درخ پانچ سیر، پونے پانچ سیر کا تھا، اب اس کا کی باجرت مرمت کرانا | لوگ اشیاء غیر مشروعہ بھی برائے مرمت لے آتے ہیں، مثل نقارہ و فوٹو گراف وغیرہ تو آیا ان کی مرمت کر دینا عند الشرع جائز ہے یا نہیں، اور جو ان کی اجرت ہوگی وہ کسب حلال سمجھی جائے گی یا حرام؟

الجواب، ان اشیاء کی مرمت درست نہیں،

، ربيع الاول ۱۳۳۷ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۸۳، حواد ص ۴۰)

سوال، (۱۸۵) فطیح میں غلہ کا درخ پانچ سیر، پونے پانچ سیر کا تھا، اب اس کا درخ بخانب گورنمنٹ چھ سو اچھ سر شتا ہمارا ہے، ہماری شریعت مقدسہ اس میں یہ حکم فرماتی ہو اس زیادتی کے ساتھ خرید جائے یا نہ خرید جائے، تو ان کی نیت میں تو غلہ خریدتے وقت یہی بات

ہوتی ہے کہ گراں ہوگا تب بچیں گے، جو ارشاد عالی ہو تعمیل کی جائے۔

جواب، فی الدر المختار لا یسعر خا کو الا اذا تعدی الارباب من القيمة تعدیاً فاحشاً یتسعر بمشورۃ اهل الرائے وقال مالک علی الوالی التسعیر عام الغلاء وفي الاختیار ثم اذا سعر خاف البائع ضرب الإمام لونه نقص لا یحل للمشتري فی رد المختار قوله ولا یحل للمشتري ای لا یحل له الشراء بما سعر الإمام لان البائع فی معنی المکره كما ذكره الزیلعی اقول وفيه تأمل لانه مثل ما قالوا فیمن صادرة السلطان بمال وله یعین بیع ماله فصاری بیع املاکہ بنفسه ینفذ بیعہ کانه غیر مکره علی البیع وھہنا كذلك لان لم ان لا یبیع اصلاً ولذا قال فی الھدایۃ ومن باع منهم بما قدره الإمام صح لانہ غیر مکره علی البیع الخ لان الإمام لو با مرہ بالبیع وانما امرہ ان لا یزید الثمن علی کذا و فرقی ما بینھما فلیتأمل ھ (ج ۵، ص ۳۹۲، ۳۹۵) اس مجموعی عبارت سے معلوم ہوا کہ صورت مسئلہ میں جواز متردد فیہ ضرور ہے لیکن اخذ بالجواز میں گنجائش ہے اور اگر کوئی احتیاط کرے تو اس کی ہمت ہی، فلا صد یہ کہ فتویٰ جواز پر ہے، وانا اختار شق الجواز لضعف ہمتی، اور تقویٰ تحریر میں ہے، وبعض اجابانی اختار شق التقویٰ لقوة ہمتہ، فقط (حوادث خامسہ ص ۷۳)

بعض سرکاری مجامع میں | سوال (۱۸۶) ایک شخص رائے دیتے ہیں کہ دربار انگریزی کی نمائش تجارت میں جو بہاہ جنوری آئندہ دہلی میں ہونے والا ہے، کوئی دوکان مراد آبادی برتنوں یا اور کسی مال کی کھوٹی جائے، یا دربار کے کسی کام کا ٹھیکہ لیا جاوے، اھترنے جواب میں کہا کہ دربار کے کام کا ٹھیکہ اعانت مجمع کفار ہے، اور نمائش بھی ایسی ہے، اس کے جواب میں وہ کہتے ہیں کہ دربار کا ٹھیکہ اعانت ہے، نمائش ایسی نہیں، کیونکہ نمائش بعد ختم دربار ہوگی اس سے غرض دربار کی آرائش نہیں ہے بلکہ ملک کی صنعت و حرفت کی جانچ منظوری ہے، جس طرح دیگر اوقات میں مختلف مقامات میں نمائشیں ہوا کرتی ہیں، اس میں حضور کا کیا ارشاد ہے، اگر شرکت ایسے مجموعوں کی ناجائز ہے تو اپنے دواخانہ کے اشتہارات تقسیم کرنا درست ہیں یا نہیں،

الجواب، کفار کا مجمع مطلقاً معصیت نہیں ہے، بلکہ صرف جو کسی معصیت یا کفر کی غرض سے منعقد کیا جائے ایسے مجمع کی شرکت و اعانت سب حرام ہے، اور جو کسی غرض مباح سے ہو جیسے مجمع سلول عنہ کہ محض ترانید سرور و دستکام امر حکومہ کے لئے ہوگا، میرے، نزدیک رکا یہ حکم نہیں، ہاں اگر کسی معتد کی شرکت سے یہ احتمال ہے کہ عوام الناس میری سند پکڑ کر دوسرے

نا جائز مجامع کو اس پر قیاس کر کے بد احتیاطی کرنے لگیں گے، وہاں اس عارض کی وجہ سے سداً للذرائع خاص ایسے شخص کو بچنا واجب ہوگا، اور اشتہار تقسیم کرنا تو ہر حال میں جائز ہے، اسکو تکثیر سواد سے کچھ مس نہیں واللہ تعالیٰ اعلم (حوادث اودھ ص ۷۵)

اہل ہندو سے مٹھائی خریدنا | سوال (۱۸۷) اہل ہندو کی دکان سے مٹھائی وغیرہ خریدنا اور ان کے یہاں کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں، اگر ہے تو کس طرح؟

الجواب، اگر ظاہر کوئی نجاست نہ ہو تو جائز ہے، لیکن اگر اس پر بھی اپنی بھائی مسلمان کو لفع پہنچا دے تو زیادہ بہتر ہے، ۸ رمضان ۱۳۳۳ھ (حوادث اودھ ص ۱۱۶)

دندان ساز کو پیشگی | سوال (۱۸۸) دندان سازی میں ہمارے لوگوں کا قاعدہ ہے کہ قیمت و اجرت لینا دانت بنوانے والے صاحب سے کام شروع کرتے وقت نصف یا نصف سے کم قیمت پہلے روز پیشگی لے لیتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر وہ شخص دانت بنوا کر لگوانے نہ آئے تو بالکل ہمارا ہی نقصان نہ ہو بلکہ کچھ یا نصف اس کا بھی ہو، کیونکہ ایک شخص کے منہ کی ناپ کے مطابق بنائے ہوئے دانت دوسرے شخص کے منہ میں کبھی نہیں آسکتے۔ گویا یہ امر ناممکن ہے، چنانچہ ایک شخص کے دانت بنانے شروع کئے تھے، جن کی قیمت اٹھارہ روپے مقرر ہوئی تھی، اور پانچ روپے بیان لے کر کام شروع کیا، اب وہ شخص مر گیا ہے، مگر دانت اس کے تیار نہ ہوئے ہیں، تو اب اس کے پانچ روپے ہم رکھ سکتے ہیں یا اس کے وارثوں کو واپس کر دینے چاہئیں؟

الجواب، فی الہدایۃ مسائل الاستصناع، والصحیح انہ یجوز بیع الاعداء والمعدوم قد یعتبر موجوداً حکماً الی قولہ وهذا کلمہ ہوا الصمیم فی الکفایۃ فان قیل لو کان بیعاً لما بطل یموت الصانع او المستصنع، قلنا انما ان روایات سے یہ امور مستغفراً ہوئے، اول یہ معاملہ وعدہ نہیں بیع ہے، تو بنوانے والا لینے سے انکار نہیں کر سکتا، اور انکار کی صورت میں صانع زندہ نہیں رکھ سکتا ہے، دوم یہ کہ ایک کے مرجانے پر وہ معاملہ منسوخ ہو جاوے گا، اس صورت میں وصول شدہ روپے کا صانع کے ذمہ واپس کرنا ضروری ہے،

قرب ۱۳۳۸ھ (حوادث فاس ص ۳۲)

مشری مرجانے تو | سوال (۱۸۹) اب ایک اور بات دریافت طلب ہے کہ ایک شخص رقم بیعہ کی داپسی دانت تیار کرنے کو کہہ گیا اور پانچ روپے پیشگی بطور بیان دے گیا تھا، اور

دانت تیار ہونے پر آیا اور منہ میں لگوائے، مگر دانتوں میں ایک نقص رہ گیا تھا، دانت درست کرنے کی غرض سے پھر اتار لئے گئے، چنانچہ درست شدہ دانت لینے آنے سے پہلے وہ شخص فوت ہو گیا، اب اس جگہ کیا مسئلہ ہے روپیہ وارثوں کو واپس کروں یا نہ کروں؟

الجواب، میرے نزدیک جب وہ بنے ہوئے دانت لے چکا اور وہ موافق فرمایش کے تھے اور ایسی خفیہ کی جو عرف کی موافق ہو موافقت فرمایش کے خلاف نہیں ہے، تو وسیع کامل ہو گئی اور بنوائے والا دانت کا مالک ہو گیا، اس لئے بنانے والا بقیہ دام کا مستحق ہے اور بقیہ کا وہ مطالبہ کرے گا۔

قرب ۳۳۸ (حوادث فامہ ص ۳۳)

کتاب الربوا

حکم منی آرڈر و مل بعض شبہات | سوال، (۱۹۰) زید اور عمرو میں منی آرڈر کے ذریعہ سے روپیہ متعلق منی آرڈر بھیجنے میں گفتگو ہے، زید کہتا ہے کہ منی آرڈر کے ذریعہ سے روپیہ بھیجنا جائز ہے، اور جواز کی دلیل یہ بیان کرتا ہے کہ ہر چیز میں اصل اباحت ہے، عمرو کہتا ہے کہ چونکہ منی آرڈر کے ذریعہ سے روپیہ بھیجنا کسی معاملہ شرعی کے تحت میں داخل نہیں اس لئے ناجائز ہے، زید کہتا ہے کہ یہ معاملہ شرعی کے تحت میں داخل ہے، اور داخل ہونے کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ اگر کوئی کسی حال سے کام لے اور اجرت پیشگی دیدے تو جائز ہے، عمرو کہتا ہے کہ منی آرڈر کے ذریعہ سے روپیہ بھیجنے میں اور حال سے کام لینے میں اور پیشگی اجرت دینے میں فرق ہے۔ پہلی صورت کو دوسری صورت پر قیاس کرنا صحیح نہیں، کیونکہ منی آرڈر میں تو شرط ہے کہ روپیہ پہنچانے کی اجرت پیشگی لے لی جاوے اور حال کو پیشگی اجرت دینا شرط نہیں بلکہ دینے والی کا احسان ہے، اگر پیشگی اجرت نہ دے تو حال شرعاً یا عرفاً تقاضا نہیں کر سکتا، اور منی آرڈر تو اس وقت تک روانہ ہی نہیں ہو سکتا جب تک پیشگی اجرت نہ دے، اس کے علاوہ ناجائز ہونے کی وجہ عمرو ایک اور بھی بیان کرتا ہے، وہ کہتا ہے حال پر قیاس کرنا اس وجہ سے بھی صحیح نہیں کہ حال کے پاس جب تک وہ بوجھ ہے وہ اس کا امین ہے، اگر حال سے وہ بوجھ کھو جاوے تو تاوان نہ لیا جاوے گا، جیسا امین سے نہیں لیا جاتا، اور منی آرڈر کا روپیہ ڈاک خانہ والوں کے پاس سے کھو جاوے تو اس کا تاوان لیا جاتا ہے، اور ڈاک خانہ سے

گو یا شرط ہے کہ اگر روپیہ کھوجاوے تو تاوان دے گا، اس کے علاوہ ناجائز ہونے کی وجہ ایک اور بھی بیان کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ حال پر قیاس کرنا اس وجہ سے بھی صحیح نہیں کہ حال کے پاس جب تک وہ بوجھ ہے وہ اس کا این ہے، اور این پر واجب ہے کہ جو چیز امانت میں دی جائے بعینہ وہی واپس کرے اور منی آرڈر میں سب جانتے ہیں کہ وہی روپیہ بعینہ نہیں ملتا بلکہ اس کی مثل دوسرا روپیہ ملتا ہے، زید کہتا ہے کہ عموم بلوی و دفع حرج اور تعامل علماء و صلحا کی وجہ سے بعض ناجائز چیزیں بھی جائز ہو جاتی ہیں اور یہ تو مباح الاصل ہے یہ کیونکر ناجائز ہوگا، مثلاً غلہ کی بالیوں کو بیلوں سے پامال کرتے ہیں اور بیل اس میں بول و برادر کرتے ہیں۔ اس کو سب جانتے ہیں، پھر عموم بلوی و دفع حرج اور تعامل علماء و صلحا، یا تعامل خلایق کی وجہ سے اس کو سب حلال جانتے ہیں، اور اس غلہ کا سب استعمال کرتے ہیں، اسی طرح اگر منی آرڈر بھی بالفرض ناجائز ہو تو جائز ہو جاتا ہے اب ادروئے شرع شریف اس گفتگو کا فیصلہ فرمائیے، اور قول فیصل ارشاد فرمائیے تاکہ قلب کو تسکین ہو۔

الجواب، قاعدہ کلیہ ہے الا قراض تقضی با مثالیہا، اور منصوص ہے کہ قرض میں کمی بیشی کی شرط ربوا ہے، اب سمجھنا چاہیے کہ منی آرڈر کا روپیہ جو ڈاک خانہ میں جمع کیا جاتا ہے آیا وہ امانت ہے اور اہل ڈاک اجیر، یا قرض ہے اور اہل ڈاک مستقرض، سو چونکہ یقیناً معلوم ہے کہ وہ روپیہ بعینہ نہیں بھیجا جاتا، اور نیز قانون ہے کہ اگر ڈاک خانہ سے وہ روپیہ اتفاقاً ضائع ہو جاوے تو اہل ڈاک اس کا ضمان دیں گے ہیں ان دونوں امر سے معلوم ہوا کہ وہ امانت نہیں، بلکہ قرض ہے جو دوسری جگہ ادا کیا جاتا ہے، پس فیس بھی جزو قرض ہوا، اور مقام وصول پر چونکہ بوجھ فیس ادا کیا جاتا ہے، اس لئے قرض میں کمی بیشی لازم آئی، یہ وجہ اس کے ممنوع ہونے کی ہے، بلکہ اگر یہ فیس بھی نہ ہو تب بھی حسب قاعدہ کلیہ کل قرض جہ نفعہا فہو ربوا بوجہ منفعت سقوط خطر طریق کے داخل سبقت ہو کر مکروہ ہے، فی الدلائل المختار کتاب الحوالہ و کراہت السفیہ، اور چونکہ یہ عقد اجارہ نہیں ہے جیسا اوپر مذکور ہوا، لہذا مسئلہ حال سے اس کو کوئی مت نہیں، کما ہوتا ہلور عموم بلوی طہارات و نجاسات میں مؤثر ہے، نہ حلت اور حرمت میں اور تعامل اس کو نہیں کہتے، بلکہ وہ ایک قسم کے اجماع کی، اور اس میں شرائط اجماع کا پایا جانا ضروری ہے، ہنملہ اس کے یہ بھی کہ

علماء عصر واحد بلا تکثیر اس کو قبول کر لیں، متنازع قیہ میں یہ امر مفقود ہے، اس لئے یہ تعامل نہیں ہے ایک رواج عامیہ نہ ہے، جو شرعاً حجتہ نہیں، اس سے سب نظائر مذکورہ زید کا جواب نکل آیا، واللہ اعلم البتہ بہت عرق ریزی سے اس قدر تاویل کی گنجائش ہو سکتی ہے کہ فیس کو اجرت کتابت و روانگی فارم کی کہا جاوے، اس سے حرمت تفضل تو دفع ہو جاوے گی، مگر کراہت سفتجہ کی باقی رہی، واللہ اعلم، ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ (امداد ج ۲ ص ۲۷ و حوادث اول ص ۱۲)

ص شبہات متعلقہ | سوال (۱۹۱) آیا جواز منی آرڈر کی یہ تاویل ہو سکتی ہے یا نہیں کہ اس معاملہ کو اجارہ اور فیس کو روپیہ پہنچانے کی اجرت کہا جائے، اور اس پر جو دو شبہ ہوتے ہیں، ایک یہ کہ روپیہ بعینہ نہیں پہنچایا جاتا، دوسرے ہلاک سے ڈاک خانہ پر ضمان مشروط ہوتا ہے، ان کا آیا یہ جواب ہو سکتا ہے یا نہیں کہ روپیہ بوجہ نقد ہونے کے تعین سے مستحضر نہیں ہوتا بلکہ ہر مثل کا یہی حکم ہے، کہ اس میں تعین نہیں ہوتی جیسے انڈا کہ خلقتاً مثلی ہے، اور چھتری کہ عتقاً مثلی ہے، اور ضمان اجیر مشترک پر ایسی صورت میں کہ ہلاک بفعل اجیر نہ ہو گودہ ہلاک نمکن اور حراز ہو، صاحبین کے نزدیک مشروع ہے، بینوا تو جروا،

الجواب، یہ تاویل صحیح نہیں، انہیں دو شبہوں کی وجہ سے جو سوال میں مذکور ہیں، اول کے جو جواب دیئے گئے ہیں ان میں سے اول کا جواب تو بالاجماع صحیح نہیں، کیونکہ یہ عدم تعین صرف عقود میں ہے، یا قی امانات و غصب میں نقد بھی متعین ہیں، یہی وجہ ہے کہ کسی کا روپیہ کسی کے پاس امانت ہو تو اس کو بلا اذن مالک کے یہ جائز نہیں کہ اس روپے کو خرچ کرے کہ دوسرا اس کا عوض دیدوں گا، البتہ اگر اذن سے ایسا کیا تو بچرودہ قرض ہو جائے گا، اسی طرح اگر کسی کا روپیہ غصب کر لیا، اور اس کے موجود رہتے ہوئے چاہے کہ یہ واپس نہ کروں اپنے پاس سے دوسرا دیدوں تو مالک کو انکار کر دینے کا اور بعینہ اپنا روپیہ لینے کا حق حاصل ہے، اور دوسرے مثلیات غیر نقد میں تو یہ حکم بہت زیادہ ظاہر ہے، مثلاً کسی نے کسی کے پاس مرغ کے دس انڈے امانت رکھے، یا یہ کہ اس نے اس سے غصب کر لئے اور ان کے ہوتے ہوئے وہ امین یا غاصب بدون رضائے مالک کے یہ چاہے کہ وہ انڈے نہ دوں، بلکہ دوسرے انڈے پاس سے دیدوں تو اس کو یہ حق حاصل نہیں، اور اگر رضائے مالک ہو تو وہ لہذا امانت یا رد مقصوب نہ رہے گا، بلکہ مبادلہ اور بیع میں داخل ہو جائے گا، اور ذوات الیقیم میں یہ حکم اور بھی زیادہ ظاہر ہے، گو نظر ظاہری میں کوئی چیز مثلی معلوم ہوتی ہو، مثلاً کسی نے کسی کے پاس کسی خاص نمبر کی چھتری امانت

رکھی یا اس نے اس سے غصب کر لی۔ یہ امین یا غاصب اگر یہ چاہے کہ وہ چھتری خود رکھ کر دوسرے کسی نمبر کی دیدوں تو یہ حق اس کو حاصل نہیں جس کی وجہ صرف یہی ہے کہ وہ متعین ہے، بہر حال مانا دغصوب میں خود نقود بھی متعین ہوتے ہیں۔ تا بغیر نقد شلی یا قیمتی چہ رسد فقہاء نے اس قاعدہ کی تصریح بھی کی ہے۔ اور الفاظ حدیث علی السدا ما اخذت بھی اس پر صاف دال ہیں پس جواب مؤدل کا صحیح نہیں ہوا۔

اور دوسرے شبہ کا جواب اول تو امام صاحب کے قول پر صحیح نہیں دوسرے اگر روپیہ بعینہ جاتا تو صاحبین کے قول پر صحیح ہو سکتا تھا، اور جب یہ نہیں تو وہ اجارہ ہی ہیں جو ڈاک خانہ کو اجیر مشترک کہا جاوے، اس لئے صاحبین کے قول پر بھی یہ جواب نہ چلا، تیسرے اگر اس سے قطع نظر بھی کر لی جائے تب بھی پہلا شبہ تو ہر حال میں باقی ہے، سو اس معاملہ کے اجارہ نہ ہونے پر جو دلیلیں تھیں غایۃ مافی السباب ایک منطقی ہو جاوے گی۔ مگر جواب آتی ہے وہ بھی اثبات دعویٰ کے لئے کافی ہے، کیونکہ دعویٰ کے لئے مطلق دلیل کی حاجت ہے، نہ کہ دلیل خاص کی، یہی وجہ ہے کہ اہل فن نے اس کی تصریح کی ہے کہ نفی دلیل خاص مستلزم نفی مدلول کو نہیں کیونکہ خاص کی نفی سے عام کی نفی لازم نہیں آتی، قلا صد یہ ہے کہ جواز منی آرڈر کی وہ تادیل جو سائل نے نقل کی ہے صحیح نہیں اور یہ معاملہ قراض اور استقراض ہی میں داخل ہے، اگرچہ متعاقدین کا یہ قصد نہ ہو جس طرح سے کہ امانت کے باذن صرف کر دینے سے وہ قرض ہو جاتا ہے گو اس کا قصد نہ ہو، البتہ فیس کو اجرت کتابت و روانگی فارم کی کہہ کر حرمت تفاضل کو رفع کیا جاسکتا ہے، لیکن کراہت سفتہ کے رفع کی کوئی وجہ خیال میں نہیں آتی، گو ابتلائے عام کی وجہ سے دل ضرور چاہتا ہے کہ اس کی بھی کوئی وجہ نکل آوے۔ اور اکثر غور بھی کیا جاتا ہے، اور اس کا بھی انتظار رہتا ہے کہ کوئی دوسرا صاحب علم مطلع فرمادیں حتیٰ کہ اگر یہ بھی نقل صحیح سے معلوم ہو جائے کہ سفتہ کے جواز کی طرف ائمہ ربیع میں سے کوئی امام گئے ہیں تب بھی بصورت اس پر عمل کرنے کو جائز کہا جاوے گا، لیکن قواعد حقہ سے خروج کی جرات نہیں ہوتی اور حدیث اجروہم علی الفتیا اجروہم علی التار سے ڈر لگتا ہے، کتبہ اشرف علی

۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۳ھ (حوادث ۲ ص ۲۴)

تحقیق منی آرڈر | سوال (۱۹۲) منی آرڈر کے ذریعہ سے جو روپیہ روانہ کیا جاتا ہے تو یہ معاملہ نہ تو اجارہ ہے، کیونکہ یہ روپیہ بعینہ نہیں پہنچتا اور نہ قرض اس صورت میں منی آرڈر کرنا کیونکہ درست ہوگا، اور اگر منی آرڈر کرنا درست نہ ہو تو اس میں حرج عظیم ہے کیونکہ ہندوی اگر لکھائی جاوے

تو اولاً اس کا لکھنا مکروہ ہے، اور اگر نہ بھی ہو تو وہ بڑے اکثر ملتی ہے، علیٰ ہذا القیاس نوٹ اور اکثر دفعہ بڑے پر بھی نہیں ملتی ہی پس اس صورت میں نہایت مشکل ہے، اور اگر تھوڑی رقم مثلاً پانچ روپے کم روانہ کرنا ہو تو نہ اس کا نوٹ مل سکتا ہے نہ ہنڈی، اس صورت میں بحر اس کے اور کیا صورت ہوگی کہ بھیجنے والا خود روپیہ لیکر جاوے اور اس میں نہایت تنگی ہے تو اس صورت میں کیا کیا جاوے؟

الجواب منی آرڈر مرکب ہے دو معاملوں سے، ایک قرض جو اصل رقم سے متعلق ہو دوسرے اجارہ جو قارم کے لکھنے اور ددانہ کرنے پر بنام قیس کے دی جاتی ہے، اور دونوں معاملے جائز ہیں پس دونوں کا مجموعہ بھی جائز ہے اور چونکہ اس میں ابتلائے عام ہے اس لئے تاویل کر کے جواز کا فتویٰ مناسب ہے، ۹ شوال ۱۳۲۲ھ (حوادث ۲۰۱، ص ۱۵۴)

سوال (۱۹۳) بندہ کے یہاں نمک کی تجارت ہوتی ہے داز اعانت گوسالہ، اور تین جگہ کارخانہ ہے، ایک آڑتی بہت معتبر مل گیا ہے، اس نے روپیہ بھیجنے کی سبیل یہ رکھی ہے کہ جب مال فروخت ہو جاوے تو نوٹ بھیجتا ہے، ایک بار میرے ذمہ اس کے روپے چاہتے تھے، بوجہ دیر میں پہنچے روپے کے اس نے سود لگایا، تو بندہ نے اس کو سود نہیں دیا، اور یہ لکھا کہ ہمارے مذہب میں سود لینا اور دینا دونوں ناجائز ہیں، اس لئے ہم معاملہ سود کا ہرگز نہیں کر سکتے، اس نے لکھا ہے کہ ہم سود نہیں لیں گے اور یہ بھی معاملے ہو گیا کہ سود کا لین دین کبھی نہ ہوگا، البتہ جب نوٹ بھیجتا ہے تو کمی کے ساتھ بھیجتا ہے مثلاً فی میکروہ دو آنہ تین آنہ کا ٹٹا ہے، ان کے یہاں کٹ کی شرح مختلف اوقات میں مختلف طور سے معین ہوتی ہے، اور کچھ حصہ ہمارے روپے میں سے گوسالہ کے نام بھی کاٹتا ہے، اور یہ ہماری ہی تنصیص نہیں، بلکہ ان کے یہاں کا قاعدہ ہر ایک سے یہی ہے، سو بندہ یہ دریافت کرتا ہے کہ یہ امر دونوں جائز نہیں معلوم ہوتے، اس کے بارے میں کیا کیا جائے اگر اس سے یہ کہا جاوے کہ یہ معاملہ ہم نہیں کریں گے۔ تو وہ ہرگز نہ مانے گا کیونکہ نوٹ میں کمی ان کے یہاں سود میں شمار نہیں اور گوسالہ کی نسبت بھی نہیں مان سکتا، کیونکہ صرف ہمارے لئے قانون جدید نہیں معین کرے گا، تو اب کیا حیلہ کیا جاوے، جس سے معاملہ شریعت کے موافق رہے، اور یہ بھی تحریر فرمائیے کہ اگر وہ یہ معاملہ رکھے تو مجھ پر مواخذہ اخروی رہیگا یا نہیں، اور نوٹ میں کمی زیادتی صرف مسلمانوں کے درمیان ناجائز ہے یا جب ایک

جانب مسلم ہوا اور دوسری جانب کافر تو بھی جائز ہے یا نہیں، جملہ امور کو مفصلاً تحریر فرمادیجئے۔

الجواب، نوٹ کی حقیقت حوالہ ہے، اور حوالہ میں کمی بیشی جب معروف یا مشہور ہو رہا ہے۔ البتہ اگر بلا شرط و عرف ہو تو بعض صورتوں میں تاویل صلح کی ہو سکتی ہے، مگر اب ممکن نہیں، میری سمجھ میں تو اس کی تدبیر بجز اس کے کہ مرد پیہ اس سے لیا جائے اور کچھ نہیں آتی، یا اس پر یہ بات ثابت کر دی جائے کہ یہ طریقہ ہمارے مذہب میں سود ہے یا اس کی کچھ آڑھت بڑھا کر حق ٹھیرا دیا جاوے، اور یہ کہہ دیا جاوے کہ نوٹ برابر لیا جاوے گا اور تمھاری کمی اس اضافہ سے پوری کر دی جاوے گی، اور یہ تدبیر غالباً آسان ہے، رہا گو سالہ کا قصہ سواگر وہ آڑھتی آپ کا مشتری ہوتا اور آپ اس سے بائع ہوتے تب تو تاویل حیط ثمن کے جائز ہو سکتا تھا، گویا اپنا روپیہ وہاں دیتا ہے اور آپ کو ثمن کم دیتا ہے، لیکن آڑھتی وکیل ہوتا ہے، وہاں یہ تاویل ممکن نہیں، اس لئے میرے نزدیک اسے یوں سمجھا دیا جاوے، حق آڑھت اور حق گو سالہ یہ سب مجموعہ حق آڑھت میں شمار کرنا چاہئے، پھر خواہ وہ بھی میں کسی طرح لکھے، کچھ حرج نہیں، واللہ اعلم۔ (حوادث ۲ ص ۸۴)

سوال (۱۹۴) ایک شخص سود لیتا ہے، اور لوگ اس سے سود پہ لیتے دفعہ شبہ برأت سود دہندہ | ہیں وہ غرض پہ لیتے ہیں، جب ان لوگوں کو بیچاروں کو کوئی سامان نہیں ازگتہ | ہوتا یا کوئی دستگرداں نہیں دیتا تب وہ مجبوراً قرض سود پر روپیہ لیتا ہے تب ایسی حالت میں دلوں سود لینے والا اور دینے والا کیونکر گنہگار ہوگا وہ بیچارہ تو مجبوری کو لیتا ہے، جب کوئی سامان نہیں ہوتا ہے ورنہ نہیں لیتا، جب کوئی شخص دوسرا قرض بے سود کے دیدیوے تب کیونکر لے تب ایسی حالت میں صرف لینے والا گنہگار ہوگا دینے والا کیوں ہوگا؟

جواب، جو لوگ سودی روپیہ لیتے ہیں جہاں تک دیکھا گیا ہے فضول کے لئے لیتے ہیں اور جو ضرورت میں بھی لیتے ہیں تو اپنے گھر کے ذخیرہ کو زیور اسباب کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں کہ یہ بھی اپنے پاس رہے اور قرض سے کام چل جاوے، پس یہ بھی ضرورت میں لینا نہ ہوا، وہ ضرورتیوں بھی پوری ہو سکتی ہے کہ اول سب چیزیں اپنی بیڈالیں، یا اپنی شان اور وضع محفوظ رکھنے کے واسطے مزدوری محنت کرنے کو عار سمجھتے ہیں، سو عقلاً و خیر غایہ ضرورتیں قابل اعتبار نہیں، پھر ان سب کے بعد ایسے اضطرار کے وقت مردار کھانا بھی کھا مانگ لینا درست ہے، پس سود پر قرض لینے کی کسی

حالت میں ضرورت نہیں ہے، اس لئے یہ گنہگار ہوگا، فقط والشر اعلم

۲۵ شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد، ج ۳، ص ۳۳)

سوال (۱۹۵) چند لوگ گورنمنٹی نوکر ہیں، یعنی رسالہ میں حکم رقمیہ کہ بنام سود ملازماں را از سرکار بدست می آید نوکر ہوئے، کسی کو سولہ برس ہوئے اور کوئی اٹھارہ برس کا نوکر ہو اور کوئی بیس برس کا نوکر ہے۔ اور جب نوکر ہوئے تھے تو یہ قاعدہ نہ تھا، جواب دو چار سال کر نیا جاری ہوا ہے، یعنی ہر ایک سوار کافی ماہ پانچ روپے سرکار کاٹ لیتی ہے، تعداد اٹھائی سو روپے کی ہے، جبکہ ڈھائی سو روپیہ پورا ہو جاتا ہے، پھر نہیں کاٹا جاتا ہی، اور وہ روپیہ بنک میں جمع ہو جاتا ہے۔ اور اس روپیہ کا سود ہر ماہ سرکار دیتی ہے، اور جو لوگ کہ سود لینے میں انکار کرتے ہیں تو سرکار ان سے دستخط کرا لیتی ہے، اور سود کا روپیہ بھی اصل روپیہ میں ملا دیتی ہے، اور وہ روپیہ اپنے صرف میں آتا ہے، یعنی اگر سوار کا گھوڑا مر جاتا ہے تو سوار کو سرکار اسی روپیہ گھوڑا خرید کر دیتی ہے، اور جس کا گھوڑا نہیں مرنے لگا ہے تو اس کو سرکار ہر ماہ سود دیتی ہے، غرض کوئی بچنے کی صورت نہیں، کہ اس کا روزگار بھی قائم ہے اور سود سے بھی بچے مگر گھوڑا نہ مرے تو جس وقت نوکری چھوڑ کر آوے اس وقت اس کا روپیہ جمع و سود کل سرکار دیتی ہے اور اگر وہ چاہے کہ میں جمع لے لوں اور سود نہ لوں تو اس کی جمع کا روپیہ بھی مارا جاتا ہے اور تنخواہ مبلغ نہ روپیہ ماہوار کی ہے ؟

الجواب - خاص اس صورت میں سرکار جو سود کے نام سے دیتی ہے وہ سونہ نہیں ہے اسکا لینا درست ہے، لیکن خدا را دو سری صورتوں کو اس پر قیاس نہ کیا جاوے لان ماہم مباح بر مقام و استمالحق فی بعض الصور اثم العقد ولا عقد بالجبر، لیکن اگر یہ مقدار سود مذکور کی مساکین میں صرف کر دی جائے تو خوب ہے، دفع تالیف یک الی مالایر یک فقط،

۲۴ صفر ۱۳۲۱ھ (امداد، ج ۳، ص ۳۳ و حوادث ۲۰۱، ص ۸۴)

سوال (۱۹۶) محکمہ ریل میں جن ملازمین کو پندرہ کھٹ جاتا ہو اور وہ مع سود ملتا ہو اس کا حکم روپے ماہوار یا اس سے زیادہ تنخواہ ملتی ہے، ان کی تنخواہ کا بار ہواں حصہ کاٹ لیا جاتا ہے، اور سرکار میں جمع رہتا ہے یعنی ایک سال میں ایک ماہ کی تنخواہ کٹ کر سرکار میں رہتی ہے، اس روپیہ پر منافع ریلوے کی آمدنی کے حساب ملتا ہے، بعض وقت اس رقم کے برابر بعض وقت زیادہ بھی اور بعض وقت کم، غرض کہ جس قدر منافع ہو اس قدر ہوتا ہے یہ منافع ملازم

کو ملتا نہیں، بلکہ ریلوے میں جمع رہتا ہے، ان دونوں رقموں پر سود بھی ملتا ہے تین روپے فی صدی یا چار روپے فی صدی، اس ریاست کی ریلوے میں جس قدر مسلمان ہیں ان میں سے تمام یہ منافع لیتے ہیں اور سود اکثر نہیں لیتے ہیں اور بعض لیتے بھی ہیں، تنخواہ کا بارھواں حصہ انہیں لوگوں کا ملنا جاتا ہے جن کی ملازمت مستقل ہو اور پندرہ یا پندرہ سے زیادہ تنخواہ ہو، غیر مستقل اور پندرہ روپے کو کم تنخواہ والوں سے نہیں کاٹا جاتا، یہ تمام روپیہ صرف اس وقت ملتا ہے جب ملازم ملازمت ترک کرے اور کوئی حرکت ایسی نہ کی ہو جو بدنامی کے ساتھ علحدہ کیا جاوے ورنہ نہیں ملتا، ملازمت کے زمانہ میں اگر کوئی وصول کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا، ملازمت گورنمنٹ میں پنشن ملتی ہے، ریلوے میں پنشن نہیں بجائے پنشن یہ روپیہ ملتا ہے، ملازم کو بہ مجبوری یہ روپیہ کٹوانا پڑتا ہے، اس کا اختیار نہیں کہ کٹوائے یا نہ کٹوائے، آپ اس منافع کی رقم کے بارے میں کیا فرماتے ہیں، یہ سود میں تو شمار نہیں، یہ قاعدہ ہر ایک ریلوے میں ہی،

الجواب، لیتا اس کا جائز ہے اور یہ سود نہیں ہے، وجہ اس کی تحریر سے سمجھ میں نہیں آسکتی، ۲۷ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۷ھ (حوادث ۲۱ ص ۳۳، تتمہ اولیٰ ص ۱۶۸)

سوال (۱۹۷) گورنمنٹ دریافت کرتی ہے کہ ہر ملازمین سرکار اپنی تنخواہ میں سے ۶ ۱/۲ سے ۱۲ ۱/۲ روپیہ صدی کے حساب سے ہر مہینہ میں خزانہ سرکار میں جمع کریں، اور وہ کل رقم بعد علحدہ ہونے نوکری سرکاری کے خواہ پنشن ہونے پر یا خود نوکری چھوڑ دے اس وقت کل روپیہ اس کا بمعہ چار روپے فی صدی سود کے سرکار واپس دے گی؟

الجواب، جواب مسئلہ کا یہ ہے کہ تنخواہ کا کوئی جزو اس طرح وضع کر دیتا اور پھر وصول کر لیتا اگرچہ اس کے ساتھ سود کے نام سے کچھ رقم ملے یہ سب جائز ہے، کیونکہ حقیقت وہ سود نہیں ہے اس لئے کہ تنخواہ کا جو جزو وصول نہیں ہوا وہ اس ملازم کی ملک میں داخل نہیں ہوا پس وہ رقم زائد اس کی مملوک شے سے منتفع ہونے پر نہیں دی گئی، بلکہ تبرع ابتدائی ہے، گورنمنٹ اس کو اپنی اصطلاح میں سود ہی کہے، فقط، ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

(حوادث ۲۱ ص ۳۳ و تتمہ اولیٰ ص ۱۶۰)

سوال (۱۹۸) ریلوے ملازموں کو پنشن نہیں ملتی ہے، بجائے اس کے وہاں یہ قانون ہے کہ ملازم کی تنخواہ سے مثلاً فی صدی دو روپے کاٹ لیتے ہیں، اور یہ وضع تنخواہ حسب قانون ریلوے ملازم ہے، چاہے کوئی راضی ہو یا نہ ہو، اور جس قدر ماہ بہ ماہ وضع کرتے

ہیں اسی قدر کمپنی یا گورنمنٹ اپنی طرف سے اس شخص کے لئے نام زد کر دیتی ہے اور پھر یہ مجبوعہ جو ماہ ب ماہ اس کی تنخواہ سے اور کمپنی کی طرف سے ہی اس کو تجارت میں لگا دیتے ہیں، اور اس کے اصول مقررہ کے مطابق اس کے نفع کو جس کو وہ سود کہتے ہیں برابر اس کے لئے رکھتے جاتے ہیں، جب ملازمت کا زمانہ ختم ہو جاتا ہے تو یہ سب روپیہ اس کو یکمشت دیدیتے ہیں تنخواہ سے جو کچھ وضع کر لیتے ہیں وہ تو اس کا حق ہے، اس کی حلت میں تو کوئی شبہ نہیں اور کمپنی اپنی طرف سے جو ڈیل روپیہ اس کے لئے نام زد کرتی ہے وہ بھی عطاء سلطانی یا انعام کہا جاسکتا ہے، رہا وہ سود تو کیا اس کو سود کہہ کے لینا حرام کہا جاوے یا وہ بھی محسوب انعام میں ہوگا، کمپنی والے اس کو سود ہی کہتے ہیں، چنانچہ ہر سہ ماہی میں اس کا حساب بھیجتے رہتے ہیں، کیا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ سب انعام اور جائزہ ہے وہ چاہے اس کو سو کہیں یا جو چاہے کہیں، بندہ نے اس مسئلہ میں بہت غور کیا تو اس طرف زیادہ خیال باتا ہے، حضور جوارشاد فرمادیں ؟

جواب، بندہ کا مدب سے یہ خیال تھا کہ یہ بھی صلہ ہے، تسمیہ سے حرمت نہیں آتی،

ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ (حوادث خامسہ ص ۳۶)

سوال (۱۹۹) بعض سرکاری ملازم گورنمنٹ سے بذریعہ کاغذات طے کر لیتے ہیں کہ ہماری تنخواہ سے دس روپے مثلاً وضع کر لیا جاوے اور مثلاً بیس برس بعد اس روپے سے جتنا جمع ہو یکمشت ہم کو دیا جائے، اب سرکاری دستور العمل یہ ہے کہ روپیہ وضع ہونا شروع ہو جاتا ہے، اگر یہ ملازم بیس برس تک زندہ رہا تو یکمشت اپنا جمع شدہ روپیہ وصول کر لیتا ہے اس سے قبل کچھ وصول نہیں کر سکتا، لیکن اگر مر گیا تو بغیر شرط کے خود گورنمنٹ وارثان میت کو اتنا روپیہ دیدیتی ہے جتنا اس ملازم کا بیس برس میں جمع ہوتا، اگرچہ ملازم یہ کارروائی کرنے کے دو ماہ بعد ہی مر جائے اور زندہ رہنے کے تقدیر میں جمع شدہ پر کچھ فائدہ بھی ملتا ہے، بعض لوگ اس کو قمار میں داخل کرتے ہیں، حالانکہ تعریف صادق نہیں آتی، کیونکہ مال من الجانبین نہیں ہے، اس لئے کہ تنخواہ کا حصہ غیر مقبوض ابھی تک ملک میں داخل نہیں جیسے جناب کے حوادث الفتاویٰ صفحہ ۳۵ سے ظاہر ہوتا ہے، اب اس مسئلہ کے متعلق جواز و عدم جواز کی تصریح فرمادیں اور نیز یہ شبہ بھی رفع فرمادیں کہ موافق کتب فقہیہ جواز میں اجرة شرط ثلاثہ میں سے ایک شرط پائے جاتے سے مملوک ہو جاتی ہے تعجیل یا شرط

تبعیل، یا استیفاً منافع، اب لازم جب ایک ماہ کام کر چکا تو ایک ماہ کے منافع کا تو استیفا ہو گیا، لہذا ایک ماہ کی اجرت بھی ملوک ہوتی چاہئے اگرچہ قبضہ نہ ہوا ہو، علاوہ اس کے شرط تبعیل اگرچہ نہیں ہے، المعروف کا لشرط کا قاعدہ جو فقہار کام میں لاتے ہیں یہاں کیوں نہ جاری کیا جائے۔ حالانکہ دستور العمل بھی تائید کرتا ہے، کہ ماہواری تنخواہ باقاعدہ نہ ملنے سے ملازمت ترک کر دی جاتی ہے، اب حصہ غیر مقبوض جو ملوک نہیں ہے، اس کو مدلل و موید فرمانے کی تکلیف دی جاتی ہے اور یہ بھی معلوم کرنا مقصود ہے کہ مطلقاً اجارات کا یہ قاعدہ ہے یا ملازمت ہی کے ساتھ یہ مختص ہے؟

الجواب، اصل مدار اس معاملہ کے جواز کا ایا قہ مال حربی برضا ہے جو علماء اس کو جائز رکھتے ہیں، ان کے نزدیک اس میں سب مذکورہ صورتیں داخل ہو گئیں، باقی میں نے یہ چاہا تھا کہ کسی عقد غیر مختلف فیہ میں اس کو داخل کر لیا جاوے، اس وقت حوادث دالی توجہ خیال میں آئی، اور استیفاً معقود علیہ سے ملوک ہو جانا ذہن میں نہیں رہا، مگر کبھی کبھی کھٹک ہوتی تھی، آج آپ کی تنبیہ سے (جزء اکم اللہ تعالیٰ) کتاب دیکھی۔ وہ بنا میری غلط ثابت ہوئی (کذا فی الہدایۃ باب الاجر مستی لستحی) اب یہ توجہ مدار جواز نہ رہی، صرف بنا، اول ہی باقی رہی، جو مختلف فیہ ہے، اور علاوہ میں جو آپ نے تبعیل کی نسبت لکھا ہے وہ مفہوم نہیں ہوا، کیونکہ تبعیل سے مراد یہ ہے کہ استیفاً منافع سے قبل دیا جاوے، یہاں یہ نہیں ہے

۱۹ جمادی الاول ۱۳۳۲ھ (ترجمہ خامس ص ۱۳)

السوال (۲۰۰) بعض محکموں میں گورنمنٹ جبراً تنخواہ سے کچھ کاٹ لیتی ہے اور جتنا کاٹتی ہے قریب قریب اتنا ہی اپنے پاس سے بنام سود جمع کرتی رہتی ہے پھر پنشن کے بعد وہ سب روپیہ ملتا ہے، درمیان میں اگر کوئی ضرورت واقع ہو تو تین ماہ کی تنخواہ کی مقدار تک بل سکتا ہے جس کو ۲ ماہ میں باقسط وصول کر لیا جاتا ہے، لیکن سود بھی دینا پڑتا ہے (لیکن وہ سود بھی اسی کے حساب میں لگا دیا جاتا ہے، تاکہ روپیہ نکالنے کی وجہ سے جو سود میں کمی واقع ہوگی تھی وہ پوری ہو جاوے، اور روپیہ نکالنے کی وجہ سے اس رقم میں کوئی فرق واقع نہ ہو جو بند پنشن کے ملے گی) شرعاً اس طرح روپیہ نکالنا جائز ہے یا نہیں، کیونکہ اس میں سود دینا پڑتا ہے

مہ جب اجرت قبیل اعیان سے ہو تو استیفاً منافع سے اجرت کا ملوک ہو جانا مقبول ہو اور اگر نقد میں ہو کما فی صدرۃ السوال تو اس کا ملوک ہونا مقبول نہیں کما فی ثمن البیع، لہذا بنام سود ہی ہونی رقم حلال ہے، خرید و فروخت

گودہ اپنے ہی حساب میں جمع ہو جاتا ہے؟

الجواب، اس سوال میں دو جزو قابل تحقیق ہیں، ایک اپنی تنخواہ کی رقم پر گورنمنٹ سے سود لینا، سو یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، اس لئے ایسے شخص کو خصوصیت کے ساتھ گنجائش ہو جس کی تنخواہ جبراً وضع کر لی جاوے، دوسرا جزو جو رقم درمیان میں لی جاتی ہے اس پر سود دینا، سو یہ اس مسئلہ مختلف فیہ میں تو داخل نہیں، کیونکہ وہ مسئلہ اخذ سود کا ہے۔ اور یہ اعطاء سود ہے جس کی حرمت منصوص علیہا ہے، لیکن اس میں ایک تاویل ہو سکتی ہے۔ وہ یہ کہ یہ شخص گورنمنٹ سے قرض نہیں لیتا۔ بلکہ اس کا جو قرض گورنمنٹ کے ذمہ ہے، اس کے ایک حصہ کا مطالبہ کرتا ہے، جس کا اس کو شرعاً حق ہے، پھر جس وقت اس رقم کو واپس کرتا ہے یہ واپسی ادا کے قرض نہیں بلکہ مثل دیگر رقم جمع شدہ کے یہ بھی گورنمنٹ کو قرض ہی دیتا ہے، اور جب واپس کردہ رقم خود اس کی ملک ہے، اور سود ہوتا ہے دوسرے کی ملک رقم پر، اس لئے یہ جو سود کے نام سے دیا گیا ہے سود نہیں ہے، پس اس کا دینا اعطاء سود بھی نہیں اس لئے اس کو ناجائز نہ کہا جاوے گا، بلکہ اخذ مذکور کی حلت تو مختلف فیہ بھی ہے اور اس اعطاء کی حلت اس تاویل پر متفق علیہ ہوگی، البتہ پھر اس رقم پر جو اخیر میں گورنمنٹ سے سود لیا جاوے گا وہ پھر اخذ مختلف فیہ ہوگا کما سبق والشرع علم۔ ۲۱ سوال (۲۰۱) انگریزی پرائیسری نوٹ کے منافع کا لینا گورنمنٹ سے جائز ہے یا ناجائز، بینوا تو حروا،

الجواب، فی الہدایۃ ولاریب بین المسلم والحربی دلت ہذا الروایۃ بعد تفصیلہا بتعلیلہا علی کون المال الذی حصل من حربی برضاہ بلا عذر ولویا العقود الفاسدة او الباطلة مباحا عند ابی حنیفۃ وایباحہ المال لا یتلزم ایباحہ العقد کما اذا باع الحر من المستقرض الجاحد لاستیقا، حققوا الوعد الوارد فی النصوص لم ینحصر فی اکل المال بل یعمر الاکل والعقد والاعانتہ کما روی لعن اللہ اکل الربوا مؤکلہ وشاھد یہ وکاتبہ الحدیث فاقضی ہذا المجموع ان المال فی الصورة المسئول منہا مباح فہذا العقد حرام اثم فالأخذ من المسلم والذی یأثم بالثمین ومن حربی یاثم واحد ہذا اذا ثبت کون الدار حرب ولہ یثبت قوۃ دلیل الجنہ ہورد الا فلا مساع لا یباحہ المال ایضا واللہ، ۹ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ

(امداد، ج ۳، ص ۳۴، حوادث ادا ۲ ص ۸۶)

ربوہا ہندوستان | سوال (۲۰۳) ہندوستان میں یہود اور نصاریٰ سے سود لینا حسب رائے مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ درست معلوم ہوتا ہے، اور حسب تحریر مولانا عبدالحی صاحب علیہ الرحمۃ تا درست ہے، اندوئے تحقیق کس کا قول معتبر ہے؟

جواب۔ احقر نے دونوں بزرگوں کی تحریر نہیں دیکھی ورنہ شاید ان کے متعلق کچھ کہہ سکتا بہر حال نفس مسئلہ میں جو کچھ میری سمجھ میں آیا ہے وہ یہ ہے لایباً ۲ العقد لکون ربواً فی غنہ فصلاً قطعاً ویباً ۳ المال الماخوذ لان مال الحربی، مباح برضاہ بلا عن ذہب و لہم ادا حد امن اصحاب الفتاویٰ حکم بحل العقد مقصوداً واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ
اتھ، ۱۶ شعبان ۱۳۲۲ھ

سوال متعلق سوال بالا

توضیح سوال مذکور: اقول یجتلہ فی قلبی اما اولاً فان العلامة الدہلوی قد صرح بجواز اخذ الربوا من الحربی کما یدل علیہ کلامہ المنقول ولم یقل صراحة ولا اشارۃ ان المال مباح دون العقد واما ثانیاً فلان العقد الربوی من الحربی لا یخلو عن ان یکون اما صحیحاً او فاسداً وایلاً فعلى الاول لا یصح المحکم بعدم اباحتہ العقد کما هو ظاہر وعلی الثانی المحکم بعدم اباحتہ العقد صحیح اما المحکم باباحتہ المال فغیر صحیح لان فساد العقد یورث خبائثۃ فی المال کما هو مصرح فی الفقہ وعلی الثالث فحکم العقد والمال ظاہر ولم تجد فی الکتب نوعاً من العقد بحیث یکون العقد فاسداً او باطلاً والمال حلالاً واما ثالثاً فان النص المحرم قولہ تعالیٰ احل اللہ الیمیم وحرّم الربوا قطعی والخبر لا ربوا الحدیث لیس متواتراً ولا مشهوراً قباۃ حجة خصص اصحابنا قطعاً فیلیم الجواب بالدلیل لیشقی العلیل، مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ کی عبارت محررہ ذیل میں مذکور ہے،

مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالعزیز قدس سرہ ج اول ص ۳۲ (سوال) تمام ایام نصاریٰ بافتاق دار الحرب ہست یا نہ اگر ہست اہل اسلام را از ان نصاریٰ سو گرفتہ جائز است (جواب) بشرطیکہ در دار الحرب در روایات فقہیہ مذکور است ملاحظہ

باید نمود چنانچه بر مے ازان درین قرطاس ثبت خواهد شد درین تسلیم آن شروط باید هست اگر
متحقق شدند پس دار الحرب قرار یافت و حکم اذا ثبت الشئ ثبت بلوازمه هرگاه دار الحرب شد بلوا
گرفتن و دادن بکفره آنجا جائز شد، زیرا که در هدایه مذکور است ولا بلوا بین المسلم والحربی فی دار الحرب
وقاعده مقرر است کہ الاطلاق فی الروایات نفی عن تقسیم پس هر دو صورت اخذ و اعطاء در نفی داخل
لیکن مسلمان را باید کہ در دادن سود بحربی احتیاط کند بے ضرورت ندهد، ایضاً فی ص ۲۴ (سوال)
سود دادن بحربیان درست است یا نه (جواب) عبارات کتب فقہیہ عام واقع شده اند و
و گرفتن را شامل اند مثل لا بلوا بین المسلم والحربی فی دار الحرب، وقاضی ثناء الله صاحب پانی پتی در سالہ
توجیہ دادن سود نیز نوشته اند ایں وقت فقیر را یاد نیست لیکن ایں قدر ظاہر است کہ گرفتن سود
از حربیان بایں وجه حلال است کہ مال حربی مباح است اگر دشمن آن نقض عہد بتا شد حربی
چون خود بخود بدید بلا شبهه حلال خواهد بود دادن سود بحربیان بایں وجه حلال است کہ خورائیدن
حرام بمسلمان درست نیست و آنها حرام خواهند اگر چیزے بطریق سود داده خواهد شد بیش ازین
نیست کہ حرام خواهد خورد و ده اند،

الجواب، قد رأیت کلامہ رحمہ اللہ تعالیٰ الدال علی ما فہمتم فی قولکم او لا
ولکن حجۃ الدال تتوقف علی صحۃ فی نفسہ وثبوتہ بالدلیل ولہذا ثبت ثم اطلاقہ
فی الاخذ والاعطاء مخالف لما صرح بہ فی الشامیۃ ان الفقم مؤید الہ بالسیر الکبیر من ان
مرادہم ما اذا حصلت الزیادۃ للمسلم لا مطلقاً وما قلتمہ ثانیاً فاقول عن العقد عند
فاسد او باطل ولا نسلم استلزام فساد العقد او بطلانہ کخبث المال الا ترى ان عقدا
بیع المحرم و باطل لکن یؤاخذ من مدیونہ الجاحد للدين بمثل دینہ و قبض المال
نادی الاستیفاء بحقه یحل المال مع بطلان العقد و یتاید بما فی رد المحتار من قول لدی المختار
مطلقاً بقولہ ما ی ولو بعقد فاسد تحت قولہ کان ماله ثم مباح فیحل برضاہ مطلقاً آخ
فحکم بکون العقد فاسد او کون المال حلالاً وما قلتم ثالثاً فالنص محرم للعقد وهو
فیما ذہبت الیہ فی فہم مراداً بجماعاً باحرام ولم ار احداً من اصحاب الفتاویٰ فی المذہب
حکم بحل مقصود اما حل المال فالآیۃ غیر متعرضۃ لما ثبتا تا دونفا فلا دلالة ولا
تخصیص، واللہ اعلم، ۳ ذیقعدہ ۱۳۲۱ھ

ربوہندوستان | سوال (۲۰۳) امداد الفتاویٰ جلد سوم کتاب الربوا، ص ۳۵ و ۳۶
 کو میں نے مطالعہ کیا، اس میں (لایباح العقد الخ) اور (ولم اراداً من اصحاب الفتاویٰ الخ) کے متعلق
 بدائع الصنائع کی عبارت سے ہمارے فہم ناقص ہیں کچھ شبہ ہوتا ہے، اس لئے بدائع کی عبارت کو
 بعینہ نقل کرتا ہوں لہذا راۓ لابی حنیفہ رحمہ و محمد رحمہ ان مال الحری لیس بمعصوم بل
 هو مباح فی نفسہ الا ان المسلم المستاجر من منع من تملک من غیر رضاه لما فیہ من
 العدر و الخیانتہ فاذا بدل لہ باختیارہ و رضاه فقد زال هذا المعنی فكان الاخذ استیلاء
 علی مال مباح غیر مملوک و انہ مشروع مفید للمملک کالاستیلاء علی المحطب و الحشیش
 و بہ تبیین ان العقد ہمہنا لیس بتملک بل ہو تحصیل شرط التملک و هو الرضا
 لان ملک الحر یلایزول بدو نہ و مالہ یزول مملکہ لا یقع الاخذ تملکاً لکنہ اذا زال
 فالملک للمسلم یثبت بالاخذ والاستیلاء کبابا العقد فلا یتحقق الربوا لان الربوا
 اسم لفضل یستفاد بالعقد و بدائع الصنائع جلد ۵ فصل شرائط جریان الربوا^{۱۹۲۰}
 جس عبارت پر لکیر ہے اس کو امداد الفتاویٰ کی مذکورہ عبارت کے بظاہر مخالف سمجھتا ہوں، اگر غیر
 مناسب نہ سمجھا جاوے تو رفع شبہ فرما کر سرقرآن فرمایا جاوے؟

الجواب، ظاہر تو وہی ہے جو آپ نے سمجھا، لیکن اتنا سوال اور بھی باقی رہ جاتا ہے کہ
 خود تلفظ بصیغۃ العقد کا شرعاً کیا حکم ہے، کیا اس تلفظ کو مصیبت نہ کہیں گے جیسے کسی مسلمہ فاسقہ
 سے نکاح ہونا موقوف ہے اس کی رضا پر، اگر وہ رضا موقوف ہو کسی کلمہ فسقہ کے تلفظ پر، تو اس تلفظ
 کا کیا حکم ہوگا، میری یہی مراد ہے، کیونکہ عقد کی اصل حقیقت صیغہ غامضہ کا تلفظ ہے، گو کہیں دلیل سے
 غیر تلفظ قائم مقام تلفظ کے ہو جاوے، (النیر ص ۳۱ شعبان ۱۳۵۲ھ)

رسالہ رافع الضنک عن منافق البنک

نکم سود از بنک | سوال (۲۰۴) علماء ضغیہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے سوالات ذیل ہیں، ان کے
 جوابات بحوالہ اسناد تحریر فرمائے جائیں۔

نہ تنبیہ از حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی: یہ رسالہ بنک وغیرہ سے سود لینے کے مسئلہ میں میری آخری تحقیق
 ہے، اگر کوئی تحریر میری اس کے خلاف دیکھی جاوے وہ سب اس سے منسوخ (یعنی مرجوع عنہ) ہے، اشرف علی۔

سوانگ بینک اور بنگال بینک اور لندن بینک کہ جس کی شاخیں اکثر مقامات پر ہندوستان میں ہیں کہ جو خالص گورنمنٹ انگلشیہ کے سرمایہ سے ہیں، اس میں روپیہ داخل کر کے اس کا سود لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں، گورنمنٹ انگلشیہ کو ملک ہندوستان میں کسی قسم کا قرضہ دینا اور اس کا سود لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں، آمدنی وقف کا ایسے بنکوں میں یا ایسے قرضوں میں صرف کر کے اس کا سود مصارف وقف میں صرف کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں، بینو اتوجروا،

الجواب - اولاً چند اصول بطور مقدمات کے مہد کرتا ہوں، پھر جواب عرض کروں گا۔
مقدمہ اولیٰ، جو مسئلہ ہمارے اصحاب میں مختلف فیہ ہو اس کی قواعد ترجیح میں بعد تطبیق بین الاقوال المختلفة یہ فیصلہ ہے کہ جو شخص قوت دلیل کو سمجھ سکتا ہے، وہ اس قول کو لے جو دلیل اقویٰ ہو، فی مقدمہ در المختار دس مسامفتی ان ما اتفق علیہ اصحابنا فی الروایات الظاہرة یفتی بہ قطعا ماختلف فیہا اختلفوا فیہ والاصح کما فی السراجیۃ وغیرہا ان یفتی بقول الامام علی الاطلاق ثم یقول الثانی ثم یقول الثالث ثم یقول زفر والحسن بن زیاد و صحیحہ الحادى القدسی قوۃ المدرك فی رد المحتار قوۃ المدرك ای الدلیل وبہ عبرتی الحادی قال والذی ینظر فی التوفیق ای بین ما فی الحادی وما فی السراجیۃ ان من کان لہ قوۃ ادراک بقوۃ المدرك یفتی بالقول القوی المدرك والاف الترتیب اقول ید علیہ قول السراجیۃ والادل اصح اذ المرکن المفتی مجتہد انہو صریح فی از المجتہد ینعنی من کان اهلا للنظر فی الدلیل یتبع من الاقوال ما کان اقویٰ دلیلا والا اتبع الترتیب السابق وعن هذا تراہم قد یرجحون قول بعض اصحابہ علی قولہ کما رجعوا قول زفر و حدیث فی سبع عشر مسئلة فتتبع ما رجحوا لا فہم اهل النظر فی الدلیل،

مقدمہ ثانیہ مسئلہ ربوا بین المسلم والحر فی مختلف فیہ ہے امام صاحب اور امام محمد خد یتود کے ساتھ جواز کی طرف گئے ہیں، اور ابو یوسف اور الثوری ثلاثہ عدم جواز کی طرف، فی الدر المختار باب الربوا، ولا بین حر و مسلم مستامن ولو بعقد فاسد او قہار ثمة لان مالہ ثمة مباح فیحل بروضہ مطلقا بلا عذر خلا فاللثانی والثلاثہ وحکم من اسلم فی دار الحرب ولم یہاجر حر و مسلم الربا معہ خلا قالہما فی قولہ قلت وعندہما حکم من اسلم ثمة ولم یہاجر فی رد المحتار احتوی علیہما بالحقابی عن

المسلم الاصلی والذی وکذا عن المسلم المحرمی اذاها جوالینا ثم عاد الیه حر
فانه لیس للمسلم ان یرابی معه اتفاقا کما ینکره الشارح ،

مقدمہ ثالثہ، اعانت علی المعصیہ معصیت ہے، قال اللہ تعالیٰ تعاونا علی البر
والتقویٰ ولا تعاونا علی الاثم والعدوان۔

مقدمہ رابعہ، اگر کسی کا قول یا فعل دوسرے کے لئے سبب وقوع فی المعصیت
کا ہو جاوے اور وہ حد ضرورت تک نہ پہنچا ہو، تو اس کا ترک اس پر واجب ہے، فروع
کثیرہ فقہیہ اس اصل پر مبنی ہیں۔

مقدمہ خامسہ کا تتمہ للربا اربعہ، مواقع تہمت و بدنامی سے بچنا ضروریات سے ہے،
مقدمہ سادسہ، اسباب نہی کے مختلف و متعدد ہو سکتے ہیں، تو ایک کے رفع
سے باقی کا رفع لازم نہیں آتا، و ہذا ظاہر،

مقدمہ سابعہ، کسی کے فتویٰ جو اترے بعد اس فعل کو ترک کرنا صاحب فتویٰ کی
مخالفت نہیں ہے، البتہ فتویٰ وجوب کے بعد اس فعل کو ترک کرنا یا فتویٰ حرمت کے بعد
اس فعل کا ارتکاب کرنا یہ بیشک مخالفت ہے۔

بعد تمہید ان مقدمات کے اب جواب عرض کرتا ہوں کہ مقدمہ ثانی سے معلوم ہو چکا
ہے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور قائلین بالجواز کے نزدیک بھی اس میں اتنی تسود ہیں۔

تمیز وہ محل دار الحرب ہو، تمیز معاملہ ربوا کا عربی سے ہو، تمیز مسلم اصلی
سے نہ ہو، اور نہ ذمی سے ہو، اور مسلم اصلی وہ ہے جو دار الحرب میں آنے کے قبل اسلام
لایا ہو خود یا تبعاً للابار، تمیز معاملہ کرنے والا وہ مسلم ہو جو دارالاسلام سے دارالحرب
میں امن لے کر آیا ہو، یا وہ مسلم ہو جو دارالحرب ہی میں اسلام لایا ہو وہ مسلم اصلی نہ ہو
جو خود دار الحرب میں رہتا ہو، اس قید راجع کی تصریح کہیں نظر نہیں گذری مگر اس قاعدہ
کی تصریح ہے کہ روایات فقہیہ کے مفاد، ہم حجت ہیں، اس بنا پر براہِ برکی روایات سے یہ قید
لازم ہے، اس کے بعد جو دونوں قولوں کے دلائل میں نظر کی گئی تو ابو یوسف کے دلائل
قوی ہیں، چنانچہ مفصلاً رسالہ تخریر الاخوان میں ذکر کیا گیا ہے، ان میں سے صرف ایک
دلیل اس وقت ذکر کرتا ہوں۔ آیات تحریم ربوا میں ارشاد ہے، یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
اتَّقُوا اللَّهَ ذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ اور ظاہر ہے کہ اس بقیہ ربوا کا معاملہ

جس وقت ہوا ہے لینے والے دینے والے سب حربی تھے، تو تحریم کے بعد اگر حربی سے ایسا معاملہ جائز ہوتا تو تحریم کے قبل تو بدرجہ اولیٰ جائز ہوتا۔ اور وہ رقم حلال ہوتی، تو اس کا ترک کرنا کیوں فرض ہوتا، اور یہ نص قطعی ہے ثبوتاً بھی دلالتاً بھی، اور طرفین کی دلیل یا خبر واحد ہے یا قیاس جرکہ ظنی ہیں، اور قطعی کی تقدیم کا وجوب ظنی پر اجماعی ہے گو امام رضاؑ پر سے اعتراض اس طرح مدفوع ہو سکتا ہے کہ اس قطعی میں سے بعض افراد مخصوص ہو جانے سے دلالتاً ظنی ہو گیا، لیکن یہ عذر گودافع اعتراض ہو سکتا ہے مگر تافع قوت دلیل نہیں ہو سکتا یہ تو اس دلیل میں ثبوتاً کلام ہے اور دلالتاً یہ احتمال ہے کہ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ دجوابین المسلمو والحربی، اس میں احتمال ہے کہ یہ نفی نہی کے لئے ہو جیسا قرآن مجید میں کَا فَسُقُوا وَلَا جِدَالًا فِي الْحُجَّةِ میں بعینہ ہی معنی ہیں، چونکہ حربی کے مال کے غیر معصوم ہونے سے شبہ اس کے جواز کا ہو سکتا تھا، حضور نے اس جواز کی نفی فرمادی ہو، چنانچہ خود کتب فقہیہ میں اس قسم کی عبارت اس معنی میں وارد ہے، نفی الدر المختار عقیب الدیالٰی المذکورۃ فلو ہاجر الیہم عاد الیہم فلا یبوا اتفاقاً جو بہرہ فی رد المحتار ای لایجوز الربوا معہ فہو نفی بمعنی الہی کما فی قولہ فلا رقت ولا فسوق فافہم، جب البیوسف کے اس قول کا قوی ہونا ثابت ہو گیا، تو اس پر عمل ہوگا، جیسا مقدمہ اولیٰ میں ذکر کیا گیا تو اس قول پر اب اس کے متعلق سب سوالوں کا جواب یہ ہے کہ لایجوز اور اگر علی سبیل التزل امام صاحب ہی کے قول کو لیا جاوے تب بھی وہ مقید ہے، قیود مذکورہ کے ساتھ اور انہیں حسب ذیل کلام ہے،

نمبر (۱)، ہندوستان کو بہت علما نے دارالاسلام کہا ہے، دلیل اس قول کی رسالہ تحذیر لاخوان میں مذکور ہے،

نمبر (۲ و ۳) دارالحرب ہونے کی تقدیر پر بھی بہت سے لوگ غیر حربی سے معاملہ کرتے ہیں یعنی مسلم اصلی سے یا ان غیر مسلموں سے جو دارالاسلام ہونے کے وقت سے ذمی چلے آ رہے ہیں۔

نمبر (۴)، اس سے بھی قطع نظر کہ جو مسلمان یہ معاملہ کرتے ہیں وہ یہاں ہی رہتے ہیں کسی دارالاسلام سے یہاں نہیں آئے اس میں بنک سے معاملہ کرتے والے بھی داخل ہیں کہ یہ قید چہارم ان میں نہیں پائی جاتی تو اس بنا پر خود امام صاحب کے قول پر بھی یہ معاملہ جائز نہ ہوا، اور اگر ان قیود سے کلاً یا بعضاً قطع نظر بھی کر لی جاوے تب بھی بنک کے معاملہ میں تفصیل ہوگی کہ جس بنک میں روپیہ داخل کیا ہے آیا وہ علی الاطلاق سرمایہ اور سود کا ذمہ دار

خواہ اس کو نفع ہو یا نقصان یا ایسا نہیں بلکہ نقصان ہونے سے حصہ داروں پر بھی نقصان ڈالا جاتا ہے، اگر صورت ثانیہ ہے تو اس کی حقیقت شرکت ہے قرض نہیں، اور ایک شریک یا اس کے ملازمین دوسرے شریک کا کسبل ہوتا ہے اور وکیل کا فعل شرعاً مؤکل کی طرف منسوب ہوتا ہے، اور بنک والے جیسا حصہ داروں کو سود دیتے ہیں اسی طرح دوسرے قرض خواہوں سے سود لیتے ہیں، اور ان قرض خواہوں میں کوئی قید اسلام اصلی یا غیر اصلی یا کفر کی نہیں، پس وکالت کے واسطے سے گویا اس حصہ دار نے مطلقاً مسلمانوں سے بھی سود لیا جو کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں، اور پہلی صورت میں یہ محذور تو لازم نہیں آیا کیونکہ یہ بنک والوں کے ذمہ قرض اور ان کی ملک ہو گیا، لیکن دوسرا یہ محذور ضرور لازم آیا کہ اس شخص نے ایسے لوگوں کو قرض دیا جو اس سے ربوا کا نفع حاصل کریں گے تو یہ ان کی اعانت ہوئی، معصیت پر جو کہ مقدمہ ثانیہ کی رو سے معصیت ہے، پھر اس قول کے لینے سے اس وقت جو مفاسد اعتقاد یہ و عملیہ شائع ہوتے ہیں مشاہدہ ہیں کہ عوام سب قیود سے قطع نظر کر کے ان صورتوں کے مرتکب ہونے لگے ہیں جو بالاجلوع ناجائز ہیں اس لئے کسی کو اس قول پر عمل کرنے کی اجازت نہ ہوگی، جیسا کہ مقدمہ رابعہ میں مذکور ہوا، پھر یہ بھی مشاہدہ ہے کہ کفار کی زبانوں پر عموماً مسلمان اور جہلار کے زبانوں پر خصوصاً علما، سخت بدنام ہوتے ہیں کہ ان لوگوں نے سود کو حلال کر دیا، اور تفصیل و تنقید کو کون ذکر کرتا ہے اس تہمت سے بچنا بھی واجب ہے اور وہ موقوف ہے اس قول کے ترک پر جیسا کہ مقدمہ خامسہ میں مذکور ہوا، اب یہاں سے یہ دو شبہ بھی رائل ہو گئے کہ اگر ہم سب قیود کی رعایت کر لیں تو اجازت ہونا چاہئے، یا یہ کہ اس قول کے ترک سے امام صاحب کی مخالفت لازم آتی ہے۔ جواب اول کا یہ ہے کہ قیود کی رعایت سے غایت مافی الباب یہ لازم آیا کہ ایک سبب نہی کا مرتفع ہو گیا، مگر اس سے دوسرے اسباب نہی کا ارتقاع لازم نہیں آیا جن کا ذکر مقدمہ ثالثہ و رابعہ و خامسہ میں ہے، اور انہی کے لئے ایک سبب کافی ہے، پس نہی باقی رہی جیسا کہ مقدمہ سادسہ میں مذکور ہوا۔ اور دوسرے کا جواب یہ ہے کہ امام صاحب نے اس کو واجب نہیں فرمایا کہ اس کا ترک مخالفت سمجھا جاوے جیسا کہ مقدمہ سابعہ میں مذکور ہے، اور چونکہ یہ جواب اس باب میں بفضلہ تعالیٰ جامع مانع واقع ہو گیا کہ اگر مستقلاً شائع ہو تو انشاء اللہ تعالیٰ نافع ہو اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس کا ایک

لقب بھی رکھ دیا جاوے، چنانچہ رافع الفتنک کہنی ایشیق) عن منافع البنک تجویز کرتا ہوں۔

لسبع عشرین من ربيع الاول ۱۳۲۲ھ (تمہ خامسہ ص ۳۰۳)

دفعہ شہ صلت سود | سوال (۲۰۵) بنظر حالت موجودہ و افلاس مسلماناں کیا سود کا لین
بلت افلاس مسلماناں | دین خواہ آپس میں ہو خواہ غیر اقوام سے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، جب آیت تحریم ربو کی نازل ہوئی ہے افلاس اس وقت سے زیادہ تھا، اور نیز بہت سا سود ان معاملات کے متعلق باقی تھا جو کہ زمانہ جاہلیت اور حالت کفر میں ہو گئے تھے اُس پر بھی حکم ہوا کہ سود چھوڑ دو ورنہ خدا اور رسول کی طرف سے اشتہار جنگ ہے جب متعاقب دین کی حالت کفر کا سود وصول کرنا جائز نہیں رکھا گیا تو ابتداءً ایسا معاملہ کرنا کیونکر جائز سمجھا جاوے گا، دوسرے زمانہ نزول وحی جو کفار بتی اسرائیل تھے ان کی شکایت قرآن میں موجود ہے، واخذہم الربو اذ قد نہوا عنه، جب کفار کے لئے اجازت نہیں جو بعض علماء کے نزدیک محاط بالفروع بھی نہیں اور اسی بتا پر یہ علماء ربو کو عقود مبتین مستثنیٰ کہتے ہیں کما فی کتاب النصب من الہدایۃ تو مسلمانوں کو جو کہ اجماعاً محاط بالفروع ہیں کیونکر اجازت ہوگی، اور رحمت ہدایۃ باب الصلح میں یہی سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار نجران سے جن شروط پر صلح کی تھی ان میں یہ بھی قید تھی، ما لم یجدوا احدًا اذ یأکلوا الربا، جب کفار کو اکل ربو اسے روکا گیا تو مسلمانوں کو کیسے حلال ہوگا و ما فی الکتاب الفقہیہ من انہ لا ربوا بین المسلم والحر فی فلا یتلزم اباحتہ المال اباحتہ العقد، واللہ اعلم،

۲۳ ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۳۶ ج ۳، حوادث ۱، ص ۸۹)

حکم بیمہ کمپنی | سوال (۲۰۶) یہ مسئلہ استفسار طلب ہے کہ حضور والا کو معلوم ہوگا کہ ہندوستان میں اکثر کمپنیاں جماعت تجارت (ایسی ہیں جو جان اور مال کا بیمہ کیا کرتی ہیں اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ جماعت تجارت کی جو مشترک قائم ہیں وہ مال منقولہ وغیر منقولہ پر ایک کمیشن سالانہ کیا کرتی ہیں، اور اگر اندر سال کے وہ مال صرف بدریہ آتشزدگی کے تلف ہو جائے تو جس قدر تعیین مال پر انھوں نے کمیشن لیا ہے اس قدر تعیین یک مشت مالک مال تلف شدہ کو دیدیا کرتے ہیں اکثر لوگ اپنی جائداد کا بیمہ کرایا کرتے ہیں، یہ طریقہ اس قدر رائج ہے کہ غالباً اس سے آنجناب بھی واقف ہوں گے، پس آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ آیا یہ طریقہ بیمہ کا شرعاً جائز ہو سکتا ہے یا نہیں، تمشیلاً یہ بھی عرض کرتا ہوں کہ اکثر لوگ لوٹ وغیرہ بدریہ حبثری شدہ لفافہ کے

ڈاک کی معرفت رواد کیا کرتے ہیں جس سے مقصود صرف حفاظت لوٹ ہوتی ہے، پس اگر بیمہ کرنا جائز ہوگا تو غالباً رجسٹری کر کے لوٹ روانہ کرنا بھی خلاف شرع شریف ہوگا۔ امید کہ یہ مسیح خراشی معاف فرمائی جاوے۔

الجواب، ان اشتہاری و تجارتی بیموں میں کمپنیاں جو مالک کو خاص صورتوں میں معاوضہ دیتی ہیں صمدۃً تو وہ عوض ہی اس مال تلف شدہ کا، مگر واقع میں عوض ہے اس رقم کا جو ماہانہ یا سالانہ داخل کی جاتی ہے، کیونکہ ان کو مقصود وہی ہے در نہ مال ضائع سے ان کو کیا نفع ہو سکتا ہے، پس اعتبار صورت کے تو یہ قمار ہے لہٰذا تعلیق الملک علی الخطر المال فی الجانین اور باعتبار حقیقت کے سود ہے، لعدم اشتراط المساواة فی الجانین یتما بحجب فیہ المساواة، اور قمار اور سود دونوں حرام ہیں، پس یہ معاملہ یقیناً حرام ہے، اسی طرح جان بیمہ صورت رشوت ہے لان المال فیہ عوض من غیر متقوم و ہوا لنفس اور حقیقت سود ہے یعین مامر فی المال، رہا بیمہ زیور وغیرہ کا جو ڈاک خانہ میں کرایا جاتا ہے، اس کی حقیقت اور ہے کیونکہ ڈاک خانہ والے اس چیز کو پہنچاتے ہیں اور اجرت لیتے ہیں، پس یہ معاملہ عقد جاریہ ہے اور عملہ ڈاک اجیر ہیں، اور بیمہ زیادت اجر ہے، اور ان کی یہ ذمہ داری تاوان کی اشتراط ضمان علی الاجیر ہے، جس کو بعض فقہاء نے جائز کہا ہے بخلاف مذکورہ بیموں کے کہ کمپنی اس مال یا جان میں کوئی عمل نہیں کرتی، اس میں یہ تاویل ممکن نہیں فی الدر المختار باب الودیعة و اشتراط الضمان علی الامین الخ و فی سرد المختار و انظر حاشیۃ القتال وقد یفرق بانہ ہہنا مستاجر علی الحفظ قصد المخلاف الاجیر المشتوک فانہ مستاجر علی العمل تامل فی الدر المختار باب ضمان الاجیر ولا یضمن ما هلك فی یدہ الی قولہ خلافاً للاشبہاء فی سرد المختار ای من انہ ان شرط ضمان ضمن اجماعاً و هو منقول عن الخلاصة وعناہ ابن الملک للجامع اہ قلت و فی ہذا العقد الذی یقال لہ بیمۃ یستاجر بالزیادۃ علی الحفظ قصد افکان اولی بالجواز من الاجیر المشتوک یضمن علی العمل، واللہ اعلم، ۱۵ رمضان ۱۳۲۳ھ

(امداد ص ۳۷ ج ۳، حوادث ۱ و ۲ ص ۸۹)

سوال (۲۰۷) آلو یا شکر قند دے کر اس کے عوض میں ایک مدت بظلمت تبادلوں آلو شکر قند
بظلمت تبادلوں آلو شکر قند

متعینہ کے بعد غلہ لیتا کس طور پر جائز ہے، مثلاً ایک روپیہ من کے

حساب سے آلو فروخت ہوتے ہیں تو اب ایک من آلو دے کر ایک روپیہ کا غلہ مدت معینہ کے بعد اس نرخ پر کہ جس نرخ سے اس وقت بازار میں غلہ فروخت ہوتا ہو لیتا چاہئے یا حال میں جو نرخ غلہ کا ہے اسی حساب سے لیتا چاہئے، بالتفصیل بیان فرمائیے گا!

الجواب، فی الدر المختار باب الربو ادان وجد احدھما ای القدر و حدہ او الجنتس حل الفضل و حرم النساء و لومع التساوی و فی رد المحتار فی الصفحۃ الاتیة و علته القدر هو القدر المتفق کبیع موزون او مکیل بمکیل یخلو المختلف کبیع مکیل بموزون نسیئة فانه جائز اذا اور گیہوں و جو طرفین کے نزدیک بوجہ نص کے ہمیشہ کے لئے ہیں اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بوجہ ہمارے عرف کے وزنی اور دوسرے غلے بالاتفاق تبعاً للعرف وزنی ہیں، کما صرح بہ فی کتب الفقہیہ اور آلو اور شکر قند موزون ہیں، پس آلو و شکر و قند کے عوض اگر گیہوں یا جوئیہ فروخت کئے جاویں تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تو کسی طرح جائز نہیں، لہذا من الدر المختار، اور طرفین کے نزدیک اگر وزن غلہ کا معین ہو جاوے کہ بیس میر مثلاً لیں گے خواہ نرخ حال و آئندہ کا اس سے کم ہو یا زیادہ ہو تو جائز ہے، لما سبق من رد المحتار، اور اگر اسی عنوان سے فروخت کیا کہ جو نرخ ہوگا مثلاً یہ ناجائز ہے اور اگر گیہوں اور جو کے علاوہ اور غلات ٹھیرائے ہیں تو بوجہ لزوم نسیہ کے متحد القدر اشیاء میں ناجائز ہے، جیسا اوپر مذکور ہوا، والله تعالیٰ اعلم و علمہ اتم۔ ۲۰ سوال ۳۲۳ (امداد ص ۳۸، ج ۳)

سوال دفع شہرہ غیث مال | مال الحربی فی دار الحرب للمسلم مباح لا مملوک و حاصل برضا حربی | الملك يحصل اما بالبيع الصحيح او بالهبة او بالاحراز فی دار الاسلام فظہر ان الملك كما يحصل بالبيع الصحيح صحيح كذا لک یكون بالفاسد فاسد او خبیثاً فینبغی ان یكون مال الربوا مع كونه مباح الاصل خبیث الملك والعجب ان فقہائنا لم یصرحوا بخبث بل یتبادر من كلامهم ان مطیب فعلیكم بدفع هذا الاشكال فقط۔

الجواب، الجواب عن السؤال الخاص انه كالدلیل علی انحصار اسباب الملك فيما ذكر فان الماء والكلاء سواء وجد في دار الاسلام او في دار الحرب يحصل الملك فيهما بمجرد اليد من غير اشتراط الاحراز في دار الاسلام فلما احتد

المسلم المستامن مال المحاربي بشرط ان لا يعتذر فان حرام حصل به الملك من حيث انه اخذ مع قطع النظر عن قيد خارج عن حقيقة القصر يتعلق بموجود لسف من غير نظر الى وصف كونه معصية ليكون القصر ايضا غير مشروع كما قال به الشافعية والله تعالى اعلم (امداد ج ۲ ص ۳۹)

سوال (۲۰۹) زید کو ضرورت ہوئی کسی قدر روپیہ کی، دادن و روپیہ گزستن، پس عمرو کے پاس گیا اور کچھ روپیہ طلب کیا، عمرو نے لؤلہ اور بارہ ٹکے دیدیئے اور اس وقت مبلغ ایک روپے کے چوبیس ٹکے ملتے ہیں اور زید سے عمرو نے مبلغ منہ روپے لکھوائے یعنی مبلغ لؤلہ دیئے اور پورے منہ لکھوائے اور بعد ختم اجل مقررہ کے اس سے وصول کر لئے یہ لین دین عند الشرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، انیس روپیہ تو یقیناً قرض ہیں، اور بارہ ٹکے میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ قرض ہے دوسرے یہ کہ بیع ہے، بشرط اول پر حسب قاعدہ شرعیہ الا قراض تقضی بامثالہا یہ شرط ٹھیکرانا حرام ہے کہ اس کے عوض میں پورے آٹھ آنے لئے چارویں گے۔ اور تقدیر ثانی پر چونکہ یہ بیع شرط قرض ہے جانب مقرض سے یا یہ بیع مشروط بقرض ہو جانب مستقرض سے اس وجہ سے حسب حدیث لاکھیل سلف و بیع حرام ہے، غرض دونوں صورتوں میں یہ معاملہ حرام ہے، سود خواہوں نے ایسے حیلے ایجاد کئے ہیں اس لئے اگر کسی تکلف سے کسی قاعدہ پر اس کو منطبق بھی کر لیا جائے تب بھی بوجہ قساد غرض کے ممنوع ہوگا، فقط۔

۲۰ صفر ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۳۹ ج ۳)

سوال (۲۱۰) ہمارے ملک میں سود سے بچنے کے لئے یہ حیلہ نکالا ہے، بشرط وصول پیشگی کسی کو کچھ روپے کی ضرورت محسوس ہوئی اس نے دوسرے سے یوں کہا کہ بھائی اگر تم مجھ کو پانچ برس کا کرایہ پیشگی دو تو چار روپیہ والی زمین دو روپے کو دیدیں گے اس پر وہ راضی ہو گیا دس روپیہ دیدیا اور پانچ برس کے لئے زمین پر اپنا قبضہ کر لیا، درست ہے یا نہیں؟

الجواب، مسئلہ درست ہے مع الکراہت کیسب العتہ کما فی الہدایہ،

۳ ربیع الثانی (امداد، ص ۳۹ ج ۳)

سوال (۲۱۱) حاجی حسن شیرازی جو بنگلی میں تھے انھوں نے

ایک فنڈ یعنی چندہ سرکار انگلشیہ میں وقف کر دیا ہے اس کے سود سے انگریزی کالج اسکول
 جس جو طلبہ مسلمانان انگریزی خواناں کو سالانہ امتحان میں کامیاب ہونے سے بخش دیا جاتا ہے،
 آیا روا ہے یا نہیں؟

الجواب، اس آمدنی سے انعام وغیرہ جو دیا جاتا ہے لینا جائز ہے، لیکن اس
 جواز سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ انگریزوں سے سود کا معاملہ کرنا درست ہے جیسا بعض لوگ سمجھ
 گئے ہیں، بلکہ اس جائز ہونے کی بنا دوسرا امر ہے جو مختصر تحریر سے پورا منکشف نہیں ہو سکتا، اور
 مطول تحریر کی فرصت نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۸ جمادی الاول ۱۳۲۵ھ (امداد، ص ۴۰، ج ۳)

سوال (۲۱۲) سود لینے والے اور دینے والے دونوں پر عذاب
 شتیق تساوی و تفاوت | سود دہندہ و گیرندہ | برابر ہوگا، یا کچھ فرق ہوگا؟

الجواب، اطلاق حدیث سے تو دونوں برابر معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ جابر رضی اللہ
 عنہ سے مروی ہے قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکل الربوا و موكله و
 كاتبه و شاهديه و قال هم سواء رواه مسلم مگر شرح حدیث کے کلام سے مفہوم ہوتا
 ہے کہ مقدار گناہ میں تفاوت ہے، اگرچہ نفس گناہ میں دونوں شریک ہیں کما فی المرقاة
 تحت الحدیث المذکور فی الاثم وان كانوا مختلفین فی قدره الخ شاید اس کی وجہ
 یہ ہو کہ دینے والے کو تو صرف دینے کا گناہ ہوگا اور لینے والے کو لینے کا بھی اور اس کے صرف
 و استعمال کا بھی، یا یہ کہ دینے والے کو بہ نسبت لینے والے کے کچھ اضطراب ہے، واللہ اعلم
 بحقیقت الحال، لیکن جب دونوں میں گناہ ہے تو اب کم و زیادہ ہونے سے کچھ حرمت تو زائل
 ہوتی نہیں، جیسا کہ پانچواں بھی گندہ ہے اور پیشاب بھی گندہ ہے اگرچہ ایک دوسرے سے
 زیادہ گندہ ہو مگر گندگی دونوں میں ہے سب سے بچنا چاہئے، (تمتہ ثالثہ ص ۵۳)

سوال (۲۱۳) در تجارت مرغان کدام طریق برائے شرکت
 جائز است و کدام ناجائز است،

الجواب، اگر دو کس یا زیادہ رقمہائے خود مخلوط کردہ مرغان را خرید کنند و در
 منافع و محاصل شریک باشند جائز است و اگر مرغان ازاں یک کس یا با چند دیگرے
 خدمت آتہا کند و در حاصل شرکت قرار یا بدنا جائز است و اگر صورتے دیگر مراد سائل باشد

بندیائش جواب ممکن ست ، (تمہ اولیٰ ص ۳۱۴)

دائن کا دین کو کم میں بیچنا یا دین | سوال (۲۱۴) | زیادہ کا قرض دس روپیہ عمر کے ذمہ ہے
کا دین کو کسی کے ہاتھ کم میں بیچنا | خالد نے زید سے کہا، کہ تمھارا جو روپیہ عمر کے ذمہ ہے اس کو
میرے ہاتھ بیچ کر دو میں وصول کروں گا، ع یا یوں کہا کہ دس کے مجھ سے پونے دس لے لو،
میں عمر سے دس وصول کروں گا؟

الجواب، بیع جائز نہیں، حرام ہے، (تمہ اولیٰ ص ۱۶۹)

حکم ادا کردن قرض | سوال (۲۱۵) | حیدر آباد کے اور انگریزی روپے میں ہمیشہ تفاوت
انگریزی بیکہ حیدر آباد | رہتا ہے، حیدر آباد کا روپیہ انگریزی روپے سے کم رہتا ہے، مگر وہ کمی
کبھی معین نہیں ہے کبھی انگریزی سو روپے کے بدلے وہاں کے ایک سو دس روپے، کبھی باڑ
کبھی چودہ، کبھی ایک سو سولہ اور اس سے زائد ملتے ہیں، اس صورت میں اگر کسی کو حیدر آباد میں
انگریزی سو روپے ایسے وقت میں دیئے جاویں جب کہ وہاں وہ ایک سو دس کو چلتے ہیں اور
وہ قرض واپس ایسے وقت میں کر رہا ہے جبکہ وہ ایک سو پانچ کو چلتے ہیں یا اس کے برعکس کسی نے
انگریزی علاقہ کے باشندہ سے ایسے زمانہ میں ایک سو پانچ روپے حیدر آبادی قرض لئے جبکہ وہ
انگریزی سو روپے کے برابر تھے، اقداب وہ اسی ایک سو پانچ حیدر آبادی ایسے وقت میں
واپس دیتا ہے جبکہ وہ پچانوے انگریزی کے برابر ہیں ان دونوں صورتوں میں قرض دینے
والے کا نقصان ہے آیا اس نقصان کو کسی قاعدہ سے مقروض سے لیا جانا ممکن ہے یا نہیں
اور جو صورت ان دونوں کے بالکل برعکس ہوگی اس میں مقروض کا نقصان ہوگا۔ مثلاً اس نے
انگریزی سو روپے ایسے وقت میں لئے جبکہ وہ حیدر آبادی کے ایک سو دس کے برابر تھے، اور
اب دیتے وقت ایک سو بیس حیدر آبادی میں سو انگریزی ہتیا ہوئے آیا اس طور کا نقصان
یا نفع سود تو نہ ہوگا؟

الجواب، الاقراض تقضیٰ بالمثالہا کے قاعدہ سے جس قسم کا روپیہ قرض لیا تھا اس

قسم کا واجب الادا ہوگا، تفاوت فی القیمت کا اعتبار نہ ہوگا، اس تفاوت کی بنا پر جس نقصان
کی شرط عقد میں ٹھہرانا یا بلا شرط لینا جب کہ متعارف ہو رہا اور حرام ہے، البتہ اگر متعاقدین
بلا شرط اور بلا عرف ادل کے وقت اس پر رضا مند ہو جاویں، کہ نرخ موجود کے اعتبار سے جس قدر
پیسے اس رقم قرضہ کے ہوئے ہوں وہ پیسے ادا کر دیں تو یہ جائز ہے، مگر شرط یہ ہے کہ اسی مجلس میں

سب حساب بے باقی ہو جاوے، اور اگر اتنے پیسے نہ ہوں تو جتنے پیسے موجود ہوں اسی قدر رقم کا حساب کریں، بقیہ کا اس ٹرمز کو رکے موافق پھر کریں۔

۱۶ رمضان ۱۳۳۹ھ (حوادث خاص، ص ۴۱)

استعانت در امور خیر | سوال (۲۱۶) جو شخص کہ سود لیتا ہے اس کے روپے کسی کا خیر از رقم سود گیر نہ | میں مدد جائز ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب، شرع میں اعتبار غالب کا ہے، لان فی التحرز عن القلیل کثیر حرج و ما حمل الیہ فی الدین من حرج پس اگر غالب حلال ہے تو مصارف خیر میں صرف کرنا جائز و ردہ حرام لقولہ علیہ السلام ان الله طیب لا یقبل الا الطیب رواہ مسلم و قولہ علیہ السلام لا یکسب عبدا مال حوام فیتصدق منه فیکبل منه رواہ احمد، (تمتہ ثالثہ ص ۵۳)

وقت جائز بودن | سوال (۲۱۷) وقت جائز بودن باغ انہ بخیرین آخر وقت آن بیع ثمرانہ | کدام است یعنی وقتے کہ انہم بدخت نمایاں شود کہ تخمینہ آن کردہ شود کہ فی درخت این مقدار ثمر خواہد بود بیع جائز است یا کہ ثمر پختہ شدن شرط است بچنین حکم سائر ثمرات را مثل فالس و غیرہ است، یا حکم ہر کدام جدا گانہ است،

الجواب، فی الدار المختار من بلع ثمرہ بادئۃ اما قبل الظہور فلا یصح اتفاقا ظہر صلاح و کلا صح فی الاصح ولو بدین بعضہا دون بعض فلا یصح فی ظاہر المذہب و صحیحہ السنن و وافق الحلوانی بالجواز لو الخارج اکثر و یقطعہا المشتري فی الحال وان شرط ترکھا علی الاشجار فسد البیع وقیل قائلہ محمد لا یفسد اذا اتناہت الثمرۃ آہ مختصرا و فی رد المحتار تحت قولہ وافق الحلوانی قال فی الفتح و قدرایت روایتی فی نحو هذا من محمد رحم فی بیع الورد علی الاشجار فان الورد متلاحق و جواز البیع فی الكل الی قولہ والاصح انه لا یجوز لان المصیر الی مثل هذه الطریقتہ عند تحقق المضارۃ و لا ضرر و لا ھنا لانه یمکن ان یبیع الاصول الخ ج ۴، ص ۵۹، ازین روایت چند امور مستفاد شد، اول وقت نمایان شدن ثمر بیع او جائز است لیکن بشرط ترک او بر درختان چنان کہ متعارف است جائز نیست دوم ہر گاہ ثمر بامیدن ختم شود پیش از شرط ترک مذکور بقول امام محمد کہ بعضی بر آن فتویٰ نقل

کردہ اند جائز ست، سوم شمار دو قسم می باشد۔ بعضے آن کہ در ظهور مجتمع می شود مثل ابنہ وغیرہ و بعضے مجتمع نمی شوند بلکہ علی سبیل التعاقب والتلاحق ظاہری باشد مثل امرد و غیرہ پس حکمے کہ مذکور است برائے قسم اول ست اما قسم دوم پس شرط جو از بیعش ظهور بعضے است و پس، (تمہ اولی ص ۳۱۴)

مدرس کو سود کے حساب کی تعلیم دینا | سوال (۲۱۸) احقر سرکاری مدرسہ میں درجہ سوم و اگرچہ اس میں عنوان سود کا ہو جائز ہے چہارم کی تعلیم دیتا ہے، اور درجہ چہارم کو ہر سال میں چار ماہ سود کے نکالنے کا قاعدہ بتلانا پڑتا ہے، اور سوالات مشقیہ حل کرنے پڑتے ہیں، علاوہ اس کے باقی عرصہ میں اور اس عرصہ میں اور حساب بھی سکھاتا ہوں، اور مدرسہ میں ہندو اور مسلمان سب قسم کے طلبہ ہیں، لہذا اس درجہ کو تعلیم دیتا میرے واسطے جائز ہے یا نہیں درجہ سوم میں اور حساب کی تعلیم ہے سود کی نہیں ہے فقط

الجواب۔ آپ قبل تعلیم یہ کہدیا کریں کہ میں جو لفظ سود کہوں گا مراد میری وہ نفع جائز ہوگا جو کہ بلا شرط خود نیت کر لے کہ میں جب اس کا قرض ادا کروں گا تو میں اپنے دل سے اور خوشی سے بدون اس کے استحقاق و مطالبہ کے اتنے حساب سے تبرعا زیادہ دیدوں گا بس اتنا کہہ کر پھر وہ حساب سکھلا دیں، تعلیم کا گناہ تو اسی وقت جاتا رہا، اب اس سے اگر ناجائز طور پر کوئی کام لے گا تو اس پر وبال ہوگا، فقط۔ ۳ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ (تمہ اولی ص ۱۸۴)

سوال بر جواب سابق (۲۱۹) احقر نے جو مسئلہ سود کے سوالوں کی تعلیم دینے کے بارہ میں دریافت کیا تھا، اس کا جواب حضور واللہ نے یہ تحریر فرمایا تھا کہ قبل تعلیم یہ کہدیا کرو کہ میں جو لفظ سود کہوں گا مراد میری وہ نفع جائز ہوگا جو کہ بلا شرط خود نیت کر لے کہ جب میں اس کا قرض ادا کروں گا تو میں اپنے دل سے اور خوشی سے بدون اس کے استحقاق اور مطالبہ کے اتنے حساب سے تبرعا زیادہ دیدوں گا بس اتنا کہہ کر وہ حساب سکھلا دو تعلیم کا گناہ تو اسی وقت جاتا رہا، اب اگر اس سے ناجائز طور پر کوئی کام لے گا تو اس پر وبال ہوگا۔ اب عرض خدمت بابر میں یہ ہے کہ سوالات مذکورہ کی تو پہلے ہی سے شرط کر لیتا اور شرح مقرر ہوتا ظاہر ہے، جیسا کہ ذیل کے سوالات سے جو کہ بطور نمونہ لکھتا ہوں ظاہر ہوگا،

۱۔ یہ سوال و جواب گوئیں کہ میں واقع ہوئے جو اس تہم کی ترتیب کے بعد کا زمانہ ہے مگر وجہ شدت تعلق مضمون بالا کے یہاں مدح کیا گیا، نہ

سوالات

- (۱) ۴۰۰ روپیہ کا ۴ اپریل سے ۱۶ جون تک بشرح ۳ فیصدی سود بتاؤ،
 (۲) کتنے اصل کے ۹۰۰ روپیہ ۵ سال میں بشرح ۴ فیصدی ہو جائے گی،
 (۳) کتنے سال میں ایک رقم بشرح ۳ فیصدی اپنی سے سہ چند ہو جائے گی،
 (۴) کس شرح سے ۳۰۰ روپے کے ۳۳۷ روپیہ ۸ سال میں ہو جائیں گے،
 (۵) ایک شخص نے اپنے دوست کو ۱۲۵۰ روپیہ ۴ فیصدی سود پر اس شرط پر دیا
 دیئے کہ وہ اس کو مع سود ۱۶۶۶ روپیہ ۱۰ روپائی دے تو بتاؤ وہ شخص اس کا روپیہ
 کتنے دن اپنے پاس رکھ سکتا ہے،

مندرجہ بالا طرز کے سوال مجھ کو بتلانے اور سمجھانے پڑتے ہیں، میں نے جو یہ سوالات لکھے ہیں
 یہ عبارت بعینہ حساب کی کتابوں سے نقل کر دی ہے، ایسے ہی سوالوں میں سالانہ امتحان لیا
 جاتا ہے، بدیں وجہ کوئی نئی عبارت سوالات کی اپنی طرف سے بنا کر سوالات مذکور نہیں کئے
 جاسکتے، اس کے بارہ میں جو کچھ شریعت مطہرہ کا حکم ہو ارشاد فرمائیے، تاکہ اس کے
 مطابق عمل کیا جاوے۔

الجواب، چونکہ عربی کو عربی سے سود لینے میں کوئی خطاب شرعی نہیں ہے، اس
 لئے اس کو حرام نہ کہا جاوے گا، پس سود کی ایک صورت ایسی نکلی جو حرام نہیں، اور یہ
 مسئلہ ہے کہ جس امر میں ایک صورت بھی حلال ہو اس کی تعلیم اعانت علی الحرام نہیں
 پس آپ اس نیت سے سکھلاتے رہئے۔

۲ صفر ۱۳۳۵ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۸، حوادث اوّل ص ۱۸)

سود روپیہ کے دعوے میں انٹی کی ڈگری ہو | سوال (۲۲۰) ایک شخص نے اپنے مطالبہ تعداد
 اور بیس سود کے میں تو جائز ہے یا نہیں | سود روپیہ کا دعویٰ کیا، عدالت نے خلاف اصلیت بجائے

سود روپیہ کے انٹی روپیہ کی ڈگری صادر کی، اور خلاف خواہش مدعی کے سود بھی دلایا۔ تو اب مدعی
 انٹی روپے اور ڈگری کے علاوہ بیس روپیہ مدد سود سے لیکر اپنا یا فتنی پورا لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب، لے سکتا ہے، رتمہ اولیٰ ص ۱۱، حوادث اوّل ص ۲۵ (۳۵)

اگر سود پے کا دعویٰ ہو اور ایک سو بیس | سوال (۲۲۱) ایک شخص نے اپنے مطالبہ سود پے کا دعویٰ کیا
 مع سود میں توجہ جائز ہے یا نہیں، | عدالت نے خلاف اصلیت بجائے سود پے کے ایک سو

بیس روپے کی ڈگری دی تو مدعی کو صرف سو روپے لینا چاہئے یا ایک سو بیس ؟

الجواب، صرف سو روپے، (تمتہ اولیٰ ص ۱۷۱ و حوادث ۲ ص ۳۵)
 ڈگری کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں، | سوال (۲۲۲) شکل مندرجہ نمبر کے ڈگری کو مدعی
 بقدر اصل ڈگری یعنی اسی روپے کو ایک دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کرتا ہے، خود تو
 سود نہیں لیتا ہے، لیکن اس کے علم میں یہ بات ہے کہ وہ سود لے گا یا اس سے نفع لیوے
 کسی سبب سے اس کے ہاتھ یہ ڈگری فروخت کرتا ہے آیا اس بائع پر کوئی مواخذہ کیا نہیں؟
الجواب، اگر یہ بائع مشتری سے حکم شرعی سے اطلاع کر کے خیر خواہانہ منع کرے
 پھر بائع سبکدوش ہو جائے گا، مگر خود ڈگری کا فروخت کرنا ہی محل کلام ہے، کیونکہ
 روپیہ روپیہ کا مبادلہ و بیع مشروع ہے دست بدست ہونے کے ساتھ، اور یہ یہاں مفقود
 ہے، اس کی تدبیر یہ ہے کہ یہ بائع اس مشتری سے اسی روپے قرض لے اور مشتری کے
 کہے کہ ہمارا اتنا قرض مدعی علیہ کے ذمہ آتا ہے ہم تم کو اس پر حوالہ کرتے ہیں تم اس سے
 وصول کر لو، اس طرح درست ہے، مگر اس میں ایک مشکل شرط یہ ہے کہ وہ مدعی علیہ بھی بخیر
 اس معاملہ سے رضا مند ہو، اور اگر وہ رضا مند نہ ہو تو ایک اور تدبیر یہ ہے کہ یہ بائع اس
 مشتری سے قرض لے کر اس کو وکیل بنا دے کہ تم مدعی علیہ سے وصول کر لو، اور وصول
 کرنے کے بعد تم اپنے قرضہ میں رکھ لو اس طرح درست ہے۔

۱۰ صفر ۱۳۲۹ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۷۱ و حوادث ۲ ص ۳۵)

تحقیق اتم باخذ سود | سوال (۲۲۳) کیا کافروں سے اور مسلمانوں سے سود لینے میں مواخذہ
 از مسلم و کافر برابر ہوگا یا کم؟

الجواب، نصوص تحریم ربوا تو فارق نہیں ہیں، پس ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ دونوں
 میں برابر مواخذہ ہوگا، لیکن اگر بوجہ زیادہ احترام مال مسلم کے فرق ہو تو مستبعد نہیں، واللہ اعلم
 (تمتہ ثالثہ ص ۵۳)

سود سے روپے میں خبث نہ آنا | سوال (۲۲۴) کوئی مسلمان کسی ہندو کے پاس سے
 کسی ضرورت کے موقع پر سودی قرض لیتا ہے، اور اس سے اپنا بیوپار چلاتا ہے، یا
 کوئی زمین خریدتا ہے، چند دن کے بعد وہ قرضہ مع سود ادا کر دیتا ہے، اپنی باقی ماندہ ملک

لے یعنی سوال نمبر ۲۲۰ - ۲۲۱

کو پاک ملک سمجھتا ہے اور یہ بھی اعتقاد رکھتا ہے کہ سود کے دینے سے خود گنہگار ہوا، مگر اس کی حرمت باقی ماندہ ملک میں سرایت نہیں کرے گی خیال کرتا ہے، کیونکہ یہ شخص سود دیا ہے لیا تو نہیں پس اس ملک کا کیا حکم ہے؟

الجواب، اس شخص نے جو سمجھا ہے صحیح ہے، (تمہ اولیٰ ص ۱۷۲)

دار الحرب میں حرمت ربوا کے استدلال بآیہ کریمہ **سوال** (۲۲۵) در تفسیر آیت شریف یا ایہا الذین آمنوا
یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا لعلکم تفلحون
تکلم لرسول چوں رسیدم واستنباط گرامی در بارہ اخذ
پراکے شہ مع جواب

ربوا بحکم حرمت در دار الحرب نیز بنظر کشیدم اشتباہ ہے در قاطر پیدا شد کہ محض بغرض استفادہ و تعلم نہ یہ خیال بحث و مناظرہ در خدمت عرض می دارم امید کہ برلئے رفع ایں اشتباہ و دفع ایں خلیجان کلماتے چند از کلک گوہر سلک بہ معرض بیان خواہند آورد و لا رهن من کاس الکرام نصیب و آن اینکه مستدل جناب در آیت شریف ایں است کہ ہر گاہ ایں معاملہ عقد ربوا در مکہ معظمہ کہ در اں وقت مقام اہل شرک و دار الحرب بود بوقوع آمدہ و حکم رد آں گردیدہ است لہذا ایں حکم مستنبط می شود کہ ربوا در دار الحرب نیز حرام است ہذا ما قلم دریں تقریر از دو وجہ بحث است اول ایں کہ در صدر آیت خطاب است کہ یا ایہا الذین آمنوا، یعنی ایں حکم مخصوص بمؤمنان است دوم از روایت شان نزول آیہ شریف کہ ہم جناب در حاشیہ تفسیر خود آورده اند معلوم می شود کہ مورد آیہ شریف ہر دو یعنی ربوا گیرندہ و دہندہ از اہل اسلام بودند و ایں معنی خارج البحث است چرا کہ مجوزین را میگویند کہ ربوا بین الحربی غیر المستامن و المسلم جائز است خواہ در اسلام خواہ در دار الحرب نہ بین المؤمنین۔

الجواب، تو لکم، ایں حکم مخصوص بمؤمنان است، قوی غور باید فرمود کہ کدام حکم یعنی ایں حکم کہ معاملہ سودی کہ در دار الحرب بوقوع آمدہ بود و آں هنگام متعاقدين مسلم نبودند بلکہ حربی بودند اگر آں وقت ایں معاملہ مباح بودے مالے کہ حکم ایں معاملہ مباح واجب شدہ بود گرفتار حلال بودے، کما یظهر من نظیرہ المذكور فی التفسیر من تبلیع النصیر ابنین الخمر، غالباً وقت سوال بریں قید نظر سانی نگماشتہ کہ آں هنگام متعاقدين مسلم نبودند و در روایت مذکورہ حاشیہ ایں قید مخرج است حیث ذکر فیہا ان بنی مخزوم کا لو اید اینون بنی المصیرۃ فی الجاہلیہ بالربوا، تو لکم از اہل اسلام بودند الخ قوی وقت نزول آیت لاریب از اہل اسلام بودند نہ کہ وقت

تعاقد کہ دران روایت قید فی الجاہلیہ صریح است و اگر با وجود این تصریح دعویٰ اسلام متعاقدین در وقت تعاقد کردہ شود تا ہم این قدر مسلم باشد کہ در وقت عقد مکہ معظمہ دار الحرب بود و متعاقدین ہما بخا میقم بودند و مجوزین ربوا با جہش را مخصوص بحرب غیرستان و مسلم نیگویند بلکہ عام میگویند مسلم غیر مہاجر را و اورادین باب در حکم حربی قرار میدہند کما صرح بہ الفقہاء حیث قالوا بعد قولہم ولاین حربی و مسلم مانصہ و حکم من السلم فی دار الحرب و لم یہاجر حربی فللمسلم الربوا بنفسہ کذا فی الدلائل وغیرہ پس ہر گاہ استنباط را در باب مسلمین غیر مہاجرین تسلیم فرمودند بتا بر روایت فقہیہ مذکورہ صحت عموماً ہم واجب التسلیم باشد و ہذا ہوا المطلوب با زہدات دلال برین آیت منحصر نیست مرنج و اہل دیگر ہم دارم فقط ، ۱۱ ربع الثانی ۳۳۳ (تمتہ اولی ص ۱۷۲)

سوال (۳۲۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ تحقیق حکم افذریادت برقم ضمانت سرکاری میں کہ دید سرکاری ملازم تھا، اس کے وقت ملازمت کچھ روپیہ بطور ضمانت ڈاکخانہ میں جمع کر دیا گیا تھا، اب دید ملازمت سے ترک تعلق کرتا ہے تو اس نے ضمانت کے ساتھ پچیس روپے سرکار سے سود کا ملتا ہے، دید اس کو اپنے تحت تصرف میں لانا نہیں چاہتا تو اس کو کیا کمرے آیا خیرات کر سکتا ہے یا چندہ روم میں دے سکتا ہے یا نہیں، کس مصرف میں صرف کرے، ثواب مرتب ہوگا یا نہیں، اگر نہیں ثواب مرتب ہوگا تو گنہگار تو نہیں ہوگا، فقط۔

الجواب، بعض علماء کے نزدیک اس کا لینا جائز ہے، اگر اس قول پر عمل کر لیا جائے گنہگار ہے اور بہتر ہے کہ امداد مجروحین ترک میں دید یا جاوے، انشاء اللہ تعالیٰ گناہ نہ ہوگا، ۱۲ جمادی الاولیٰ ۳۳۳ (تمتہ ثانیہ ص ۲۸)

سوال (۳۲۷) دیون پر نالش کرنے پر (خواہ زمیندارہ حیثیت سے ہو وصول خرچہ مقدمہ بعنوان سود سرکاری یا بلا لین دین کے نالش ہو) خود ڈگری شدہ اس مقدار سے جو مدعی اپنے حقوق کے ثبوت میں حصر کرے لازمی طور پر بہت کم ہوتا ہے، نالہ خرچ کے وصول کی دیون سے کوئی صورت نہیں، نہ عدالت ڈگری دیتی ہے، البتہ عدالت سود لگانے کی اجازت دیتی ہے، مذہباً ناجائز ہے کیا یہ جائز ہوگا کہ مدعی سود لگا کر دعویٰ دائر کرے اور مقدار سود میں اپنا زائد خرچ محسوب کر لے، اگر تعداد سود خرچ سے زائد سے زیادہ ہو تو مدعی اس نالہ سود کو دیون کو دائر کرے **الجواب**، جن اہل علم کے نزدیک خرچ لینا جائز ہے وہ اس کی بھی اجازت دیتے ہیں۔

۱۹، ج ۲ ۳۳۳ (تمتہ ثالثہ ص ۱۴۰)

سوال (۲۲۸) زید نے اپنے ملازم بکر کے ہاتھ چار اشرفیاں اس غرض سے عمو کے پاس بھیجیں کہ ان اشرفیوں کے روپے لے آئے، عمو نے چاروں اشرفیاں لے لیں اور گھر کے اندر گیا، وہاں سے کسی اور ملازم کے ہاتھ بکر کے پاس ان چار اشرفیوں کے روپے بھیج دیئے، یا خود عمو روپے لے آیا اور بکر کے حوالہ کر دیئے، بکر نے یہ روپے زید کو جا کر دیدیئے، یہ طریقہ درست ہے یا نہیں

الجواب، نہیں ایک ہی جلسہ میں دست بدست لین دین ضروری ہے،

۱۹ محرم ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۱۸)

سوال (۲۲۹) عمو نے بکر سے سو روپے قرض لئے اور کچھ زمین عمو نفع بوجہ قرض نے بکر کو پانچ سال کے واسطے اس شرط پر دیدی کہ اس کی پیداواری پانچ سال تک لئے جاؤ، پھر بعد پانچ سال کے میری زمین دیدیجیو، اور اس زمین کی پیداوار پانچ سال کی سود سے زیادہ ہوتی ہے تو ایسا لین دین جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، ظاہر تو یہی ہے کہ یہ رعایت جو عمو نے بکر کی کی ہے بوجہ قرض کے کی ہے

اس لئے یہ حرام اور سود ہے، ۹ رجب ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۵۲)

سوال (۲۳۰) بکر نے کئی ہزار روپے ایک بیج دشین میں جس میں کہ سوسوں کا تیل نکالا جاتا ہے باسٹغراق بیج مذکور دے کر یہ شرط کی ہے کہ اس روپے سے جس قدر سوسوں خریدی جاوے گی اس پر کمیشن فیصدی ایک روپیہ دیا جاوے گا اور تیل کی بکری پر بھی ایک روپیہ فی صدی کمیشن دیا جاوے گا، غرض اسی طرح پر اس کا دور خرید و فرخت کا جاری رہے گا اور کمیشن بھی ملتا رہے گا اور سال دو سال میں روپیہ جس قدر دیا ہے وہ سب واپس کر دیا جاوے گا، کمیشن کا حساب ششماہی پر کر کے جو کچھ حساب سے برآمد ہوگا دیا جائیگا اور تا بیباتی اصل روپیہ بیج میں مستغرق رہے گا، یہ صورت جائز ہے یا نہیں۔

الجواب، معاملہ مذکورہ قرض ہے، چنانچہ اصل روپیہ کی بیباتی کی شرط اس کی دلیل ظاہر ہے اور جو کچھ کمیشن ٹھہرا ہے وہ زیادة علی القرض ہے، پس یہ صریح سود ہے۔

۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

سوال (۲۳۱) اگر کوئی شخص اپنا روپیہ وصول کرنے کے بعد سود جمع رہنے دے اور جس وقت اپنی ضرورت کے وقت اپنے پاس روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے بینک سے

قرض لے اور سود کے مطالبہ کے وقت اسی مد سے جو بینک کے اس کے حساب کی قائم کی ہے ادا کر دے تو یہ صورت سودی لین دین کی جائز ہوگی یا نہیں۔ اس شخص کی نیت محض یہی ہے کہ بینک کے سود سے نہ خود منتفع ہو اور نہ بینک کو اپنے پاس سے کچھ دے گویا عطائے تو بلاقائے تو۔ بینوا توجروا،

الجواب عن التمسۃ۔ جن اہل علم نے بینک سے خود سود لینے کی گنجائش دی ہے ان کے نزدیک تو جو سود وہاں جمع ہوا ہے وہ اس شخص کی ملک ہے تو اس میں دینا ایسا ہی ہے جیسا اپنے گھر سے دینا اس تقدم پر یہ حیلہ کافی نہیں اور مسلم کا سود دینا غیر مسلم کو کسی کے نزدیک جائز نہیں اور جو اہل علم بینک سے سود لینے کو حرام کہتے ہیں ان کے نزدیک جو سود وہاں جمع ہے وہ اس شخص کی ملک نہیں ان کے نزدیک یہ حیلہ کافی ہے البتہ رقم جمع کرنے کے وقت جو معاملہ سود کا بینک والوں سے ٹھہرا ہے اسی طرح قرض لینے کے وقت بھی سود دینے کا وعدہ کیا ہے یہ البتہ ان حضرات کے نزدیک موجب گناہ ہوا بہر حال صورت مذکورہ میں یہ شخص گناہ سے کسی حال میں محفوظ نہ رہا خواہ سود ٹھہرانے کا گناہ ہوا خواہ سود دینے کا، والٹر اعلم۔ ۹ جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ

سوال (۲۳۲) بعض اخبار والے ایسا کرتے ہیں کہ اس قدر روپیہ جاری کر دیں اخباریوں کو **نفع رقم خاص**، دفتر میں جمع کر دینے سے جب تک وہ روپیہ دفتر میں جمع رہے گا مالک روپے کے نام اخبار جاری رہے گا اور جب وہ روپیہ واپس منگالیں گے کہ جس کے منگوانے کا ہر وقت اختیار ہے اخبار بند کر دیا جائے گا، یہ صورت معاملہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، یہ روپیہ دینا قرض کے طور پر ہے، اور اخبار اس کے نفع میں، پس ظاہر ہے کہ حرام اور سود ہے۔ ۴ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ (حوادث ۱، ۲ ص ۱۴)

سوال (۲۳۳) ۱۔ ڈاکخانہ میں بلا سود روپیہ جمع کرنا **حکم سود گرفتن از ڈاکخانہ باز تصدق کردن** جائز ہے یا نہیں، ۲۔ ڈاکخانہ میں سودی روپیہ جمع کرنا اور وہ رقم اہل حاجت کو دیدیتا جائز ہے یا نہیں، یہ حکم غیر مسلموں کا ہے اور اس میں خسارہ کا احتمال بظاہر بہت ہی کم، قریب نہ ہونے کے ہے، کیونکہ ڈاکخانہ میں روپیہ بلا سودی بطور امانت رکھے، جس وقت چاہو واپس لے لو، کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اور کوئی سود نہ لے تو نہیں دیتے ہیں، اپنے ہاں رکھتے ہوں گے، چنانچہ میرا کچھ روپیہ بلا سودی جمع ہے،

جواب، ڈاک خانہ کے معاملہ میں جب کہ خسارہ کا احتمال قریب نہ ہونے کے ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے اس لئے گنجائش ہے چند شرائط سے :-

۱۔ اس کا اظہار نہ کیا جاوے کہ میں نے روپیہ داخل کیا۔ ۲۔ کوئی دوسرا سند نہ پکڑ لے ۳۔ خود یہ صاحب معاملہ دوسرے معاملات فاسدہ کو اس پر قیاس کر کے جائز نہ سمجھنے لگے ۴۔ سود نہ لینے کی صورت میں ڈاکخانہ والے اس سود کی رقم کو ناجائز مصرف میں خرچ نہ کریں، اور وہاں سے لیکر اہل حاجت کو دینا بھی اسی اختلاف کی بنا پر گنجائش رکھتا ہے اور شرط ۴ میں جو مصرف ناجائز مذکور ہے اس میں یہ بھی آگیا کہ ڈاک خانہ والے اس پر سود لیتے ہوں، اور اگر یہ شرط ۴ متحقق نہ ہو تو ان کے پاس سود نہ چھوڑے، اور یہ تفصیل اس کے لئے ہے جو روپیہ داخل کر چکا ہو، ورنہ اصل میں وہاں داخل نہ کرنا ہی مناسب بلکہ واجب ہی، کیونکہ ہر حال میں یہ شخص معاصی میں ان کا معین بنتا ہے،

۲۷ صفر ۱۳۲۳ھ (تمتہ خامسہ ص ۳۶۲)

سوال (۲۳۳) نوٹ کاغذی ہوتا ہے، نوٹ اور سکوں کے ہے یا نہیں؟

الجواب، نہیں، ۱۱ رجب ۱۳۲۴ھ (حوادث او ۲ ص ۳۶۲)

سوال (۲۳۵) گزارش این کہ حسن العزیز کے جو مجالس الحکمت

نوٹ سرکاری (اربعین مصطفائی) کی مجلس نسیم میں دیکھنے سے نوٹ کا سد مال ہوا معلوم

ہوا، جس سے ایک خبیثہ ہوتا ہے جو تحریر خدمت کرتا ہوں، امید کہ جواب با صواب سے مطلع فرمادیں، اور وہ یہ کہ مثلاً کسی شخص نے دوسرے شخص سے ایک سو روپے نقد قرضہ لئے، اور اس کو ادا کرتے وقت سو روپے کا ایک نوٹ دیا، اب وہ نوٹ اس روپے لینے والے شخص کے پاس چل جائے یا اور کسی صورت سے ہلاک ہو جائے تو اب وہ شخص مدیون اس اداائے قرض سے بری ہو گیا یا کہ اس کے ذمہ اور سو روپے ادا کرنا ہوگا، بظاہر سرکاری قانون کے مطابق تو وہ روپے ادا ہو گئے، کیونکہ سرکار نے نوٹ کو نفس مال قرار دیا ہے، بتا بریں اکثر واقعات سے مشاہدہ کیا گیا ہے کہ نوٹ چل گئے، اور باوجود ان کے نمبر موجود ہونے کے سرکار سے ان چلے ہوئے نوٹوں کے روپے وصول نہ ہو سکے، کیونکہ سرکار کے نزدیک اس نفس نوٹ کا بتلا نا ضروری ہے، خواہ وہ چلے یا پھٹے ہوئے ہی کیونچ ہو۔

جواب، جب چلے ہوئے دکھلانے سے روپیہ چل جاتا ہے، اس سے توصاف

معلوم ہوتا ہے کہ سرکار بھی نوٹ کو سند مال سمجھتی ہے، اگر مال ہوتا تو اگر کوئی کپڑا خریدے اور وہ جل جاوے تو اس کو جلا ہوا دکھلا کر کیا کوئی شخص روپیہ لے سکتا ہے، ^{۳۳۸} ^{۳۳۹}

سوال ضمیمہ سوال بالا، اور موافق قانون شریعت بوجہ نوٹ کو نفس مال یا حکم میں

مال کے (کیونکہ وہ سند مال ہے) نہ قرار دیئے جانے کے وہ قرض لئے ہوئے سو رپے ادا نہیں ہوئے، جیسے کہ نفس نوٹ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی اب اس امر میں تردد ہے کہ وہ ضائع شدہ نوٹ (جو قرض میں دئے گئے) کے سو روپے قرض میں ادا ہوئے یا نہیں۔

جواب ضمیمہ بالا، چونکہ سند مال ہونے کی صورت میں یہ حوالہ ہے جو برضا و تحمل

و محتمل و محتمل علیہ ہوا ہے، اور حوالہ میں مدیون بالکل بری ہو جاتا ہے، اس لئے قرض

ادا ہو گیا، البتہ اتنا شبہ ضرور ہے کہ حوالہ میں در صورت قوی دین عود کرتا ہے تو آیا نوٹ کا

ضیاع جزو قوی میں داخل ہے یا نہیں، یہ شبہ مجھ کو پڑتا ہے، جس میں اب تک شفا نہیں

ہوئی، اس کو علماء سے تحقیق فرمایا جاوے، ^{۳۳۸} (حوادث خامہ ص ۳۳)

سوال (۳۳۶) انجن پر اناج بھیجا گیا اور بیٹھ کر دیکھا گیا تو اکثر

آرد یکدگر را | آدمیوں کے آٹے میں سے انھوں نے نکالا اور بعض بعض کے آٹے میں

دوسروں کا نکلا ہوا جو جمع ہے وہ ڈال دیا، تو اس کا کیا جد و بست کرنا چاہئے بلکہ یہ ناممکن بات ہے

کہ جتنا آدمی کا اناج پڑے اتنا ہی آٹا ملے، بلکہ دوسروں کا ملا کر پورا کرتے ہیں،

الجواب، جب ان لوگوں نے سب میں سے نکال کر مخلوط کر لیا، یہ لوگ اس کے مالک

بملاک جیت ہو گئے، پھر جب دوسروں کے آٹے میں اس میں سے ملا یا گیا چونکہ یہ مقدار میں مل

آٹے سے کم ہے اس لئے غالب کا اعتبار کر کے کل آٹے کو حلال کہا جاوے گا، خصوص جب اس کا انتظام

اختیاری نہیں معاف کہا جائے گا، یکم شعبان المعظم ۱۳۳۸ھ (تمہ رابعہ ص ۷۴)

سوال (۳۳۷) بینک میں جمع کرنے کی دو صورتیں ہیں ۱۔ میعاد دی

در صور خاصہ | ۲۔ غیر میعاد دی، میعاد دی وہ رقم ہے جو اجل معلوم کے لئے جیک میں

رکھی جاتی ہے، اور بینک اس پر سود دیتی ہے، لیکن اجل طویل اجل سے پہلے نہیں مل سکتی، غیر میعاد

وہ رقم ہے جو اجل مجہول کے لئے بینک میں رکھی جاتی ہے، اور بینک اس پر سود نہیں دیتی، بینک

جس طرح لوگوں کا روپیہ اپنے یہاں جمع کرتی ہے، اسی طرح اپنے یہاں سے قرض بھی دیتی ہے

تو اکثر بلکہ تمام تاجروں اپنی وقتی ضرورت کے لئے بینک سے روپیہ قرض لے لیتے ہیں، لیکن بینک

خود تو ایک ہی صورت میں سود دیتی اور لیتی بہر صورت ہے، اور دینے سے کوئی مستثنیٰ نہیں، تو اگر کوئی شخص اپنا روپیہ میعاد جمع کرائے اور سود بینک سے وصول نہ کرے، اس کا حساب علیہ کھلوانے، اور جب اپنی ضرورت کے وقت بینک سے روپیہ قرض لے، اور بوقت ادا بینک اس سے سود کا مطالبہ کرے تو یہ اسی حساب سے وصول کرنے کی اجازت دیدے تو اس طرح کا سودی لین دین جائز ہوگا یا نہیں، یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ جتنی بڑی تجارتیں ہیں، بغیر قرض لئے نہیں چل سکتیں فقط، بینوا تو جروا؟

الجواب، اس تدبیر میں اور متعارف طور پر لین دین میں کوئی فرق نہیں، کیا یہ ممکن نہیں کہ غیر میعاد جمع کیا جاوے جس پر سود نہیں ملتا اور جب اپنے کو ضرورت ہو تو اپنی اصل رقم ہی سے لے تو سود دینا بھی نہ پڑے، ۸ جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ

(حوادث ۱ و ۲ ص ۱۳۷)

سوال، (۲۳۹) بھٹی سے مال منگوانے عدم مؤثر بودن عموم بلوی در باب ربوا وغیرہ | اومعاملات حلال و حرام در صورت جواز بعض تجارت کہ بظاہر در وقتبہ سودی شود

(الف) روپیہ پیشگی بھیج کر یا (ب) بذریعہ دی پی، پہلی صورت میں تو وہاں کے ایام قیام و آمد و رفت میں اس قدر خرچ و حرج ہوتا ہے کہ نفع اس قدر محتمل نہیں، یہ صورت بوجہ قوت غرض تجارت نہیں اختیار کی جاسکتی، دوسری صورت میں مالک دوکان فرمائش کی سماعت نہیں کرتا، کیونکہ اس کا رواج نہیں ہے کہ ان لوگوں سے اس ذریعہ سے کوئی چیز خریدی جاوے لہذا صرف تیسری ہی صورت متعین ہوگئی، اس کی صورت (الف) میں اکثر نقصان ہوتا ہے، کیونکہ جب روپیہ ان کے ہاتھ میں پہنچ جاتا ہے تو جیسا مال چاہتے ہیں بھیج دیتے ہیں اور وہ خواہ مخواہ لینا پڑتا ہے، اس میں بھی نقصان ہوتا ہے جس سے تجارت کی غرض (نفع) فوت ہو جاتی ہے، صورت (ب) میں کوئی تجارتی خدمت نہیں کیونکہ مال آنے پر دام دینا پڑتے ہیں واپس کر دینے کا اختیار باقی رہتا ہے لیکن اس صورت میں بیچک میں منجملہ دوسرے مدوں کے ایک مد آڑھت اور ایک سود کی بھی ہوتی ہے کیونکہ دلال یا تو قرض لے کر یا مالدار ہوئے تو اپنے پاس سے مال ملوانہ کرتے ہیں اور اس روپے کا سود لگا لیتے ہیں، آج کل علی العموم جس قدر بڑی بڑی تجارتیں ہیں ان میں ضرور سود دینا پڑتا ہے، اور کوئی

صورت بجز ترک تجارت اس سے مفکر کی نہیں ہے، آیا اس صورت میں بوجہ عموم ہلوی اس طرح کا سود لینا جائز ہو گا یا نہیں، بینوا توجروا،

الجواب، عموم ہلوی حلال و حرام میں موثر نہیں ہوتا، محض اس وجہ سے سود دینا جائز نہیں ہو سکتا اگر ایسا حیلہ کیا جاوے کہ دلال سے سمجھا دیا جاوے کہ ہم کو بجائے سود کے عنوان سے اطلاع دینے کے اس عنوان سے لکھا کرے کہ ہم اصل ٹن میں اس قدر زیادت کرتے ہیں اور یہ تاجر اس کو قبول کر لیا کرے، تو اس میں جواز کی گنجائش ہے، کیونکہ بعد تمام عقد کے زیادتی فی البتہ بتراضی متعاقدین جائز ہے، مگر شرط اس میں یہ ہے کہ دلال مال خرید کر اس تاجر کے ہاتھ فروخت کیا کرے، ۸۔ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۳ھ (حوادث ۲۱ ص ۱۳۸)

تمتہ سوال بالاد (۲۴۰) حیلہ مذکورہ فی الجواب پر بظاہر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ صرف وصف عنوانی یعنی لفظ سود کو ترک کر دینے سے جواز کی گنجائش ہے کیونکہ بحکم انما الاعمال بالنیات اس کی حقیقت تو سود ہی ہے اور اسی اصل کی بنا پر سقوط زکوٰۃ میں حیلہ ہیہ مردود قرار دیا ہے اور یہ حیلہ بھی قریب قریب اسی کی نظیر ہے، کیونکہ یہ بھی ازالہ حق الشرع ہے اور وہ بھی اس شبہ کا کیا جواب ہے، فقط، بینوا توجروا۔

الجواب عن التتمہ، یہ حیلہ مجبوری کیا گیا ہے اور اس میں کسی غرض شارع کا ابطال لازم نہیں آتا، کیونکہ حرمت سود کی صورتیں ہزاروں ایسی بھی باقی ہیں جن میں کوئی حیلہ نہیں چلتا بخلاف حیلہ اسقاط زکوٰۃ کے کہ اول تو وہاں کوئی اضطراب نہیں۔ دوسرے اس میں غرض شارع کا ابطال لازم آتا ہے، کیونکہ اگر سب ایسا کرنے لگیں تو گویا شارع علیہ السلام کا اہل اموال پر زکوٰۃ کا فرض کرنا ہی لغو ہو جاتا ہے، اور فرضیت زکوٰۃ کی کوئی صورت ہی نہ رہے گی باوجود اہل نصاب کے پائے جانے کے یہ غرض تو متعلق تشریع کے ہے۔ دوسری غرض یہ باطل ہوگی کہ مقصود زکوٰۃ سے اغنا ممکن ہے، اس کی نوبت نہ آوے گی، یہ غرض متعلق غایت تشریع کے ہے، فستان ما بینہما۔ ۹۔ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۳ھ (حوادث ۲۱ ص ۱۳۸)

سوال (۲۴۱) ایک شخص مسلمان زمیندار نے ایک ہندو پر نالش بقایا لگان تین سو روپے کی کری، اور سود مؤثکہ لگایا وہ مسلمان کہتا ہے کہ سود دباغت (دباؤ) کے واسطے لگایا ڈگری پر میں خود صرف نہ کروں گا کسی غریب کو دیدوں گا یہ سود کا لگانا اس کو جائز ہے یا حرام ہے؟

الجواب فقہ میں ایسی روایت ہے جس سے اس مسلمان کو اس ہندو سے اس مٹیسے روپے لینے کی گنجائش ہے، مگر اس میں شرط یہ ہے کہ وہ ہندو راضی ہو کر دیدے اور رضا بھی دینے کے وقت کی معتبر ہے، مگر وعدہ و معاہدہ کے وقت کی، پس اگر وہ ہندو اس ڈگری پر دل سے راضی ہو تو ڈگری دینا جائز ہے اور اگر وہ اس پر راضی نہ ہو تو ناجائز ہے، اور ڈگری کے بعد بھی دینا اسی کی مرضی پر ہے جبر و درست نہیں، ۲۸ رمضان ۱۳۳۵ھ (حوادث سوم ص ۱۵۳)

سوال (۲۴۲) سرکاری ملازمتوں میں خصوصاً محکمہ ڈاک میں جو سود گرفتار ضامن از ملازم | **کضمانتش کردہ** شخص ملازمت کا امیدوار ہوتا ہے اس کو نقد یا جائداد کی ضمانت داخل کرنی پڑتی ہے، اور جو لوگ بوجہ ناداری کے اس پر قادر نہیں ہوتے ان کی ضمانت ایک کمپنی کرتی ہے، جو ضمانت تمام اس کی درخواست پر سرکاری محکمہ میں داخل کر دیتی ہے اور اپنے مقررہ نرخ پر اس رقم ضمانت کا سود اس ملازم سے لیتی رہتی ہے جس کی ضمانت اس نے کی ہے پس اگر اس ملازم پر کچھ تاوان پڑتا ہے تو باضابطہ وہ رقم سے ضامن یعنی بنک کو دینی پڑتی ہے ورنہ جب تک سلسلہ ملازمت اور یہ ضمانت قائم رہے، ماہوار رقم سود یا تنخواہ سے کٹ جاتی ہے یا اس کو بھجوتی پڑتی ہے، پس یہ ضمانت شرعاً جائز ہے یا نہیں، اور حاجتمند طالب ملازمت کو ناداری کے عذر بلا ملازمت گزارہ نہ ہو سکنے کی معذوری پر شرعاً کچھ گنجائش ادا کے سود کے متعلق کھل سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب، قاعدہ سے تو یہ معاملہ خلاف شرع ہے، کیونکہ مقتضای ضمان کا صرف اس قدر ہے کہ جس قدر روپیہ کمپنی کو دینا پڑا ہے اتنا اس شخص سے وصول کر لے زائد لینا ظاہر ہے کہ ناجائز ہے لیکن مضطر کو یہ زائد دینا امید ہے کہ قابل عفو ہوگا، لیکن ہمیشہ استغفار کرتا رہے اور جب سہری سیل پیدا ہو ترک کر دے، ۵ رجب ۱۳۳۵ھ (تمتہ رابعہ ص ۷۳)

سوال (۲۴۳) ایک شخص اپنی زمین کو مزاحمت پر دیتا ہے، کہ پیداوار زمین بسبب تسریض | میں نصف کا ضکار کا اور نصف مالک زمین کا ہے اور چونکہ زمین کے خواہشمند اور بھی ہیں، اب کا اشتکار مالک زمین کو کچھ روپیہ قرض دیتا ہے، تاکہ ادا کے قرضہ دوسرے کو یہ زمین نہ دیوے، تو یہ قرض لینا جائز ہوگا؟

الجواب، کلیہ کل قرض جبر نفعاً نہیں ہوا میں داخل ہونے کی وجہ سے یہ حرام ہے،

۲۲ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (تمتہ رابعہ ص ۱۹)

کشف الدج عن وجوب الربو

الحمد لله الموفق وسلام على عباده الذين اصطفى وبعد فقد اطلعنا على الاستفتاء الذي ورد علينا من الصدارة العالیة والمحكمة الشرعیة للدولة الاصفیة فی حقیقة الربو فانه تان غرض المستفتی ما عندنا من العلم وفق طلبه ونوضح له طریق الحق ومحجة الصدق انما جالما مراده ومأمریه وبالله اعتضد فيما اعتمد وهو حسبی ونعم الوکیل ولندکر قبل الشرع فی الجواب اصولا موضوعه لیتیسر بها طریق الايجاز فی بیان الصواب۔

ترجمہ۔ الحمد للہ الموفق وسلام على عباده الذين اصطفى، اما بعد اس زمانہ میں ایک رسالہ صدارت عالیہ اور محکمہ شرعیہ دولت آصفیہ حیدرآباد دکن سے بعض استفتاء شائع ہوا ہے، جس میں اس امر کے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ربو (سود) صرف بیع و شراء (خرید و فروخت) ہی میں متحقق ہوتا ہے، قرض میں متحقق نہیں ہوتا (لہذا قرض میں نفع لینا جائز ہے وہ رہا نہیں) چونکہ اس رسالہ سے عوام اور بعض خواص کی بھی گمراہی کا اندیشہ تھا، اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ اس کا جواب مفصل دیا جائے، اور ان تبلیغات کا راز طشت ازبام کیا جائے، جن سے لوگوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی گئی ہے، پس خدا کے بھر دسہ پر ہم حقیقت رہا (سود) کو واضح کرنے کے لئے قلم اٹھاتے ہیں اور جواب سے پہلے چند اصول موضوعہ بیان کر دینا چاہتے ہیں تاکہ جواب میں اختصار سہل ہو جائے۔

الاصول الاول ان اجماع	اصل اول، مجتہدین کا اجماع والاتفاق جو کسی
المجتہدین حجۃ لا یجوز لاحد	کسی کو اس کی مخالفت جائز نہیں اور انہ
خلافہ والائمة المجتہدین اذا اختلفوا فی	مجتہدین سے جب کسی زمانہ میں کسی مسئلہ کے اند
مسألة فی ای عصر کان علی اقال کان اجماعا	چند مختلف اقوال منقول ہوں تو ان کے بعد
منہم علی ان ما عدا اہا باطل ولا یجوز	والوں کو اس مسئلہ میں اقوال مجتہدین کے علاوہ
لمن بعد ہر احداث قول آخر (ندۃ الاولیاء)	کسی جدید قول کا قائل ہونا جائز نہیں (ندۃ الاولیاء)

وكذا صرح به الاصوليون قاطبة ومن
اراد التفصيل فليراجع التوضيح والتلويح
واحكام الاحكام وقواعد الزجرات وغيرها،
الاصل ثانى، العامى ومن ليس له اهلية
الاجتهاد وان كان محصلا لبعض العلوم
المقبولة في الاجتهاد يلزمه اتباع قول
المجتهدين والاخذ بفتواهم عند
المحققين من الاصوليين (احكام الاحكام
للأمدي ص ۳۰۶ ج ۲) اے ولا یجوز
الاجتهاد فی القرآن والحديث والعمل
باجتهادہ ما لم یظهر موافقته لقول
المجتہدین -

اس قاعدہ کو تمام اہل اصول نے صراحتاً بیان
فرمایا جو جس کو تفصیل کا شوق ہو وہ توضیح تلویح
احکام الاحکام اور قواعد الزجرات وغیرہ کا مطالعہ کر
اصل دوم جس شخص میں اجتہاد کی اہلیت (وقا)
نہ ہو خواہ وہ عامی محض ہو یا کسی قدر ان علوم کو
حاصل کر چکا ہو جو اجتہاد کی شرائط میں سے ہیں
ان دونوں کو مجتہدین کے قول اور فتویٰ کا اتباع
لازم ہے، محققین اہل اصول کا یہی مذہب ہے
(احکام الاحکام للامدی ص ۳۰۶ ج ۲)
یعنی جس کو اجتہاد کی قابلیت نہ ہو اسے
خود قرآن و حدیث سے مسائل مستنبط کرتا اور
اپنے استنباط پر عمل کرنا جائز نہیں، جب تک
اس کے قول کا مجتہدین کے قول سے موافق ہونا ظاہر نہ ہو جائے۔

اصل سوم، دلالة النص اور قیاس
الک الگ دو چیزیں ہیں، کیوں کہ قیاس
سے جو بات مفہوم ہوتی ہے وہ عقل اور
فہم کی مدد سے مفہوم ہوتی ہے، اور
دلالة النص سے جو مسئلہ معلوم ہوتا ہے
اس پر خود کلام کی دلالت ہوتی ہے،
جس کو ہر زبانداں بخوبی سمجھتا ہے، دلالة
النص کا حاصل یہ ہے کہ کلام کے معنی میں ایک
علت ایسی موجود ہے جس سے ہر زبانداں
سمجھ لیتا ہے کہ اس کلام میں جو حکم مذکور ہے
وہ اسی علت پر مبنی ہے جیسے اللہ تعالیٰ
کا ارشاد ہے وَلَا تَقُلْ لَهُمَا آيَاتِي وَلَا تُنْهَرُهَا

الاصل الثالث، الثابت بدلالة
النص ما ثبت بمعنى النص لغير الاجتهاد
وليس المراد به معناه اللغوي الموضوع
له بل معناه الاتزامي كالإلزام من
التأليف والحاصل انه اذا وجد في
معنى النص علم يفهم كل من يعنى اللغة
ان الحكم في المنطوق كاجلها فدلالة
النص والثابت بدلالة النص ثابت
بالعبارة والاشارة في الشبوت بالنظم
والقطعية وهو فوق القياس لان المعنى
في القياس مدركه رأيا لا لغة بخلاف
الدلالة اه

نور الانوار ص ۱۳۸، والتوضیح مع التلویح ص ۱۳۶ مصری) سے ہر شخص جس کو زبان عربی سے واقفیت ہو سمجھتا ہے کہ اُف کہنے سے اس لئے منع کیا گیا ہے تاکہ والدین کو اذیت نہ ہو، اور یہی سمجھے گا کہ جب اُف کہنا حرام ہے، تو ان کو گالی دینا اور مارنا پینٹنا بدرجہ اولیٰ حرام ہوگا، اور اس کو قیاس نہیں کہہ سکتے کیونکہ قیاس سے کسی بات کا سمجھنا صرف مجتہد کا کام ہے، اور دلالت النص کو ہر ربانندان سمجھتا ہے پس دلالت النص کا درجہ قیاس سے بالاتر ہے، اور اس سے جو مسئلہ معلوم ہوگا وہ اسی طرح قطعی اور یقینی ہوگا جس طرح عبارة النص اور اشارة النص وغیرہ کا مدلول قطعی ہوتا ہے، (نور الانوار، ص ۱۳۸، توضیح تلویح مصری ص ۱۳۶ ج ۱)

الاصول الرابع، مدار التصحیح والضعیف للحديث ليس على الاسناد فقط فاذا قيل هذا حديث صحيح فمعناه قبلناه عملاً بطاها الامر لاجواز الخطاء والنسيان على الثقة واذا قيل هذا حديث ضعيف فمعناه لم يصح اسناده على الشرط المذكور لانه كذب في نفس الامر بجواز صدق الكاذب واصابة من هو كثير الخطاه

رتدريب الراوى ص ۱۹۱ المجتهد لها استدلال بحديث كان ذلك تصحيحاً له من كذا في التحويل لابن الهمام وغيره ام

شامی ص ۵۷ ج ۴، قال ابو الحسن بن الحضارفي

اصل چهارم، حديث کے صحیح و ضعیف ہونے کا مدار فقط سند ہی پر نہیں (بلکہ دیگر قرائن و حالات کو بھی اس میں دخل ہے) تو جب یہ کہا جائے کہ یہ حدیث صحیح ہے، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے ظاہر شاد کو دیکھ کر اسے قبول کر لیا ہے، اور یہ معنی نہیں کہ واقع میں یہ حدیث قطعی اور یقینی ہے کیونکہ راوی ثقہ سے بھی بھول چوک ہو سکتی ہے اور جب یہ کہا جائے کہ فلاں حدیث ضعیف ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسکی سند شرائط کے موافق صحیح نہیں یہ مطلب نہیں ہوتا کہ واقع میں یہ حدیث غلط ہے، کیونکہ جھوٹے کا بھی سچ بول دینا اور غلطی کرنے والے کا گناہ دہشت پر آجانا ممکن ہے (تدريب الراوى ص ۱۹۱) مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال کرنا اس کو نزدیک حدیث کے صحیح ہونے پر دلالت کرتا ہے

شامی ص ۵۷ ج ۴، بحوالہ تحریر ابن ہمام وغیرہ)

ابو الحسن بن حصار مالکی نے اپنی کتاب

تقریب المدارک علی مؤطا مالک قد
 یعلم الفقیہ صحتہ للحديث
 اذ لم یکن فی سندہ کذاب
 بموافقة آیت من کتاب اللہ
 او بعض اصول الشریعة فیصلہ
 ذلک علی قبولہ والعمل بہ اھ
 (کذا فی تدریب الراوی ص ۱۶)
 وقال المحقق ابن الہمام فی
 الفتح اذا تأید الضعیف
 بما یدل علی صحته من القل
 کان صحیحاً اھ (ص ۲۸ ج ۱)
 وقد یحکم للحديث بالصحة
 اذا تلقاه الناس بالقبول
 وان لم یکن لہ اسناد صحیح
 قال ابن عبد البر فی الاستدکار
 لما حکی عن ترمذی ان البخاری
 صحح حدیث البحر هو الطهور
 ماء و اهل الحديث لا
 یصحون مثل اسناده لكن
 الحديث عندی صحیح لان العلام
 تلقوه بالقبول اھ من تدریب
 الراوی ص ۱۶ والقبول یكون
 تارة بالقول وتارة بالعمل
 علیقال المحقق فی الفتح و
 قول الترمذی العمل علیہ عند

تقریب المدارک میں فرمایا ہے کہ فقیہ کو بعض دفعہ
 حدیث کا صحیح ہونا قرآن کی کسی آیت کے موافق
 ہونے یا بعض اصول شریعت کے مطابق ہونے
 سے بھی معلوم ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے وہ اس
 کے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے مجبور
 ہو جاتا ہے بشرطیکہ حدیث کی سند میں کوئی کذاب
 (دو ضاع) نہ ہو کیونکہ اس صورت میں تو اس کو
 حدیث کہنا ہی صحیح نہیں تدریب الراوی ص ۱۶
 محقق ابن ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں کہ حدیث
 ضعیف کی تا ئید جب ایسے قرائن سے ہو رہی ہو
 جو اس کے صحیح ہونے پر لالت کرتے ہوں تو وہ صحیح
 ہو جائے گی ص ۲۸ ج ۱، تلمیذی بالقبول کی وجہ سے
 بھی حدیث کی صحت کا حکم کیا جاتا ہے، (اور تلمیذی
 بالقبول کے معنی ہیں کہ علماء عام طور پر حدیث
 کو قبول کریں) چنانچہ حافظ ابن عبد البر ترمذی کا یہ
 قول کہ بخاری نے حدیث البحر هو الطهور ماء
 کو صحیح کہا ہے نقل کر کے فرماتے ہیں کہ گو محدثین ایسی
 سند کہ صحیح نہیں کہتے (جیسی اس حدیث کی ہے)
 مگر میرے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے کیوں کہ
 علماء نے اس کو ہاتھوں ہاتھ قبول کے
 ساتھ لیا ہے (تدریب ص ۱۵) اور علماء کا کسی
 حدیث کو قبول کرنا کبھی قول سے ہوتا ہے، کبھی عمل
 سے، چنانچہ محقق ابن الہمام نے فتح القدیر میں فرمایا
 ہے کہ ترمذی کا حدیث بیان کر کے یہ کہنا کہ اہل علم کا

یہ (ترجمہ) سند رکھ پالی بالکل پاک ہے ۳

عمل اسی پر ہے حدیث کے اصل کے قوی ہونے پر دلالت کرتا ہے گو اس کی یہ خاص سند ضعیف ہو (ص ۱۸۸ ج ۱) حافظ سیوطی نے تعقیبات میں فرمایا ہے کہ حدیث من جمیع بین الصلوٰتین من غیر عذر فقد اتی بابا من الکباثر کو ترمذی نے روایت کر کے کہا ہے کہ اس کے راوی حسین کو احمد و غیرہ نے ضعیف بتلایا ہے مگر اہل علم کا عمل اسی پر ہے پس ترمذی نے اس بات پر اشارہ کر دیا ہے کہ اہل علم کے قول سے حدیث کو قوت ہو گئی ہے اور بہت سے علمائے اس امر کی تصریح کی ہے کہ حدیث کے صحیح ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اہل علم کا فتویٰ اس کے موافق ہو، اگرچہ اس کی سند قابل اعتماد نہ ہو (ص ۱۸۸)

الاصول لخاص، الحدیث المرفوع
الضعیف اذا تأید باقوال الصحابة او
قول اکثر العلماء فهو مقبول محتم یہ
کالمرسل عند من لا یحتج بہ اذا
تأید بشئ من ذلك كان حجة اتفاقا و
من اراد التفصیل فلیراجع تدنیب
الراوی ورسالتنا المسماة بانتهاء السن
وقدمت فی الاصل الرابع ما یؤید
ویشید،

اصل پنجم، حدیث مرفوع ضعیف کی تائید
اگر صحابہ کے اقوال یا اکثر علماء کے اقوال سے ہو
ہو تو حدیث مقبول ہوگی، اور اس سے استدلال
صحیح ہوگا، جیسے مرسل بعض کے نزدیک حجت نہیں
مگر جب وہ اقوال صحابہ یا اقوال اکثر علماء سے مؤید
ہو تو اتفاقاً حجت ہے، جس کو تفصیل مطلوب ہو
وہ تدنیب الراوی اور ہمارا رسالہ انہاء السن مطالعہ
کریں اور اصل چہارم میں بھی اس کے کچھ مؤید
تذکرہ ہو چکے ہیں۔

الاصول لسادس، ان الاجل
لاقیمتہ مستقلا عند الشارع صحیح
به الفقهاء قاطبة واعتقوا بالمستقوی
فی هذا الاستفتاء ایضاً (صفحہ سطرانیہ)

اصل ششم، زمانہ اور مدت کے لئے بالاستقلال
شرعیات میں کچھ قیمت نہیں، تمام فقہاء نے اس کی
تصریح کی ہے، اور غرض مستفتی نے بھی صفحہ ۸ میں اس کا
اعتراف کیا ہے،

الاصول السابع، علة حرم الربوا
کونه ظلماً وغیرہ قوله تعالیٰ فان تبتم
فلکم رؤوس امواکم لا تظلمون ولا تظلمون
ولا تظلمون الا بفسق کان من معالاً

اصل ہفتم، ربوا (سود) کے حرام ہونے کی
علت یہ ہے کہ وہ ظلم کی فرد ہے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں
فان تبتم فلکم رؤوس امواکم لا تظلمون ولا تظلمون
پس جن معاملات مالیہ میں ظلم زیادہ ہوگا وہ ربوہ کے

مفسر (ترجمہ) جس نے دو نمازوں کو بیون مدد کے ایک وقت میں جمع کیا اس نے بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ۱۲

المال بحيث يكون الظلم فيه اكثر
 كان اولى بكونه ربا من غيره ضرورة
 وجود العلول مع وجود العلة قال ابن
 رشد في بداية المجتهدا وذلك انه
 يظهر من الشرع ان المقصود بتجريم
 الربا انما هو لما كان الغبن الكثير
 الذي فيه وان العدل في الحائلا
 انها هو مقاربة التساوي اه (ص ۲۳۲)
 الاصل الثامن اقول التابعين
 في تفسير الايات حجت قال ابن القيم في
 الاعلام ومن تأمل كتب الائمة ومن
 بعد هم وجدوا مشحونة بالاحتجاج
 بتفسير التابعي اه (ص ۲۳۲ ج ۲)
 وبعد ذلك فلتشرع في الجواب و
 بيان الحق والصواب فيما سئلنا عنه
 فنقول الفضل المشرط في القرض ربا
 محرم لا يجوز للمسلم اخذه من اخيه
 المسلم ابد الاجماع العلماء المجتهد
 على حرمته فلم يقل احد منهم لجواز
 الفضل المشرط في القرض ومن ادعى
 غير ذلك نسئله هل هو مجتهد او غير
 مجتهد فان ادعى الاجتهاد وتيسر الامت
 له ودونه خوط القتا فليجعل نفسه
 عرضة للامتحان لئلا يكرم اديهان
 وايضا فلا يجوز له وان كان مجتهدا

تحت میں بہ نسبت دوسرے معاملات کے بدرجہ
 اولیٰ داخل ہوں گے، کیونکہ وجود علت کیساتھ
 وجود معلول ضروری ہے، قاضی ابن رشد بدایۃ
 المجتہد میں لکھتے ہیں کہ شریعت (میں نظر کرنے)
 سے یہ بات ظاہر ہے کہ ربوا (سود) کے حرام
 کرنے کا منشاء یہ ہے کہ ربوا میں بہت ظلم ہے
 اور معاملات میں عدل یہ ہے کہ فریقین قریب
 قریب مساوی رہیں۔

اصل ہشتم، آیات کی تفسیر میں اقوال تابعین
 حجت ہیں، علامہ ابن القیم اعلام الموقعین میں لکھتے
 ہیں کہ جو شخص ائمہ کی اور ان کے بعد والے علماء کی
 کتابوں میں تامل کرے گا وہ ان کو تابعی کی تفسیر
 کے ساتھ استدلال سے بھرا ہوا پلے گا (ص ۲۳۲)
 اب ہم اصول موضوعہ کے بعد استقفاً مذکور
 کا جواب لکھنا شروع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرض
 میں یہ شرط لگانا کہ اصل سے زیادہ وصول کیا
 جائے گا حرام ہے، اور زیادہ رقم ربا (سود)
 ہے، جس کا مسلمان کو مسلمان سے لینا ہرگز جائز
 نہیں، کیونکہ ائمہ مجتہدین کا اس کی حرمت پر
 اجماع ہے، کسی نے بھی قرض میں زیادت مشروط
 کو جائز نہیں کہا اور جو اس کے خلاف کا مدعی ہو
 ہم اس سے سوال کریں گے کہ وہ مجتہد ہو یا غیر
 مجتہد اگر وہ اجتہاد کا مدعی ہو تو اپنے آپ کو امتحان کا
 نشانہ بنائے تاکہ اس کی ذلت عزت کا اظہار
 ہو جائے پھر مجتہد کو بھی تو ایسی بات کا ایجاد کرنا

احداث قول قد اجمع السابقون
من المجتہدین علی بطلانہ فقد قال
فی رحمة الامت و اذا اقترض رجل من
رجل قرضاً فهل يجوز ان ينتفع بشئ
من مال المقترض او لا يجوز ذلك ما لم
تجر عادة به قبل القرض قال ابو حنیفة
ومالك واحمد لا يجوز وان لم بشرط
وقال الشافعی ان كان من غیر شرط جاز
الخبیر محمول علی ما شرطه (ص ۳۷) وهذا
هو مختار الکرخی منا وقال شمس لائمة
الکحلای بمثل ما قال الثلثة کما سیأتی
فقد اجمعوا علی حرمة الفصل المشرط
فی القرض و اتفقوا ایضاً علی الاحتجاج
بحديث النبی عن کل قرض جوفعاً و انما
اختلفوا فی تاویلہ و استدلال المجتہد
بحديث تصحیحہ کما تقدم فی الاصل
الرابع فبطل ما زعمه المستفتی ان غیر
ثابت و لا اصل له (ص ۳۸) و انہ متروک
العمل باتفاق الامت (ص ۳۹) و ان اعترف
بقصوره عن درجۃ الاجتهاد قلنا له
فلا يجوز لك الاستنباط من القرآن
و الحديث بل یلزمك اتباع اقوال
المجتہدین المقتدی بهم فی الدین
فارتانصاً منهم علی جواز ما ادعیتم
جوازہ و ان لم تفعل ولن تفعل ابداً

جائز نہیں جس کے باطل ہونے پر مجتہدین سابقین
کا اجماع ہو چکا ہو، چنانچہ رحمت الامت میں ہے کہ
جب کوئی شخص دوسرے سے قرض لے تو کیا اس کو
یہ جائز ہے کہ قرض لینے والے سے کچھ مالی نفع حاصل
کر لے؟ یا یہ جائز نہیں مگر جب کہ قرض سے پہلے بھی
دہیہ وغیرہ دینے کی عادت جاری ہو تو امام ابو
حنیفہ اور مالک و احمد نے فرمایا ہے کہ قرض لینے
والے سے مالی نفع حاصل کرنا جائز نہیں اگرچہ بغیر
شرط ہی کے حاصل ہو، اور امام شافعی نے
فرمایا ہے کہ بغیر شرط کے نفع حاصل ہو تو جائز ہے
اور حدیث جس میں قرض سے نفع حاصل کرنے
کی ممانعت ہو شرط کی صورت پر محمول ہے (ص ۳۹)
(ص ۳۷) حنفیہ میں سے امام کرخی نے امام شافعی
کے قول کو اختیار کیا ہے، اور شمس لائمة حلوانی
نے ائمہ ثلاثہ (ابو حنیفہ و مالک و احمد) کی موافقت
کی ہے، جیسا آئندہ معلوم ہوگا، پس رحمت الامت
کی عبارت سے امور ذیل مستفاد ہوئے (۱) یہ
کہ قرض سے شرط کے ساتھ نفع حاصل کرنا جائزاً
سب ائمہ کے نزدیک حرام ہے (۲) یہ کہ جس
حدیث میں قرض سے نفع حاصل کرنے کی ممانعت
ہے اس سے تمام ائمہ نے بالاتفاق احتجاج و
استدلال کیا ہے، اگر کچھ اختلاف ہے تو اس کی
تفسیر میں ہے، اور مجتہد کا کسی حدیث کو استدلال
کرنا اس کی صحت کی دلیل ہے (ملاحظہ ہو اصل جہام)
پس مستفتی کا اس حدیث کو بے اصل وغیرہ ثابت

فاتق الله ولا تلق ببيدك الى التهلكة
 بالقول في دين الله بغير علم ولا هدى
 ولا كتاب منير - ولما تأت المستفتي
 بدليل على جواز الفضل المشروط في القضا
 من اقوال المجتهدين بل حاصل كلا
 كل ان لا دليل على حرمته من القرآن
 والحديث وحيثما اطلع في كلام الفقهاء
 على حرمته واندر بایرده بقوله ان لا
 دليل عليه ونحوه ولعمريد المسكين
 ان قول المجتهد بمجرد دليل في حق
 العامي وان كان محصلا لبعض العلوم
 المعبرة وهو حجة ملزمة لا يجوز للعامة
 خلافة كما تقر في الاصل لثاني -
 آپ کو تباہ نہ کرو۔ غضب یہ ہے کہ مستفتی نے قرض میں شرط کے ساتھ نفع حاصل کرنے
 کے جواز پر اقوال مجتہدین سے کوئی دلیل قائم نہیں کی بلکہ اس کی تاثر تقریر کا حاصل
 یہ ہے کہ اس کے حرام ہونے پر قرآن و حدیث سے کوئی دلیل نہیں ملتی اور فقہاء کے اقوال میں
 جہاں اس کے حرام ہونے اور ہوا ہونے کا ثبوت اس کی نظر سے گذرتا ہے، اس کو یہ کہہ
 رد کر دیتا ہے کہ یہ دعویٰ بے دلیل ہے حالانکہ عامی کے حق میں گواہ اس نے کچھ علوم بخوبی حاصل
 کر لئے ہوں خود مجتہد کا قول ہی دلیل ہے اور ایسی قوی حجت ہے جس کی مخالفت کا عامی کو
 کچھ حق نہیں۔ ملاحظہ ہوا اصل ۲۱)

ولعل هذا القدر كاف لجواب هذا الاستفتاء
 بطوله واق للمستفتي في اجاز سؤله و
 اجتاح ما موله ولكن تويد ان نتكلم على
 ما ابداه من الدلائل بالتفصيل حيث
 يشفى به الغليل ويتميز الصحيح من الغليل
 ہم کو امید ہے کہ اس مختصر تقریر سے مستفتی کے
 طویل استفتاء کا کافی جواب ہو گیا ہے اور
 مستفتی کا مدعی اسی سے پورا ہو چکا مگر ہم مفصل
 طریقہ سے اس کے دلائل کا بھی جواب دینا
 چاہتے ہیں۔ تاکہ سائل کی پوری تسلی ہو جائے

فَقَوْلُ قَدْ زَعَمَ الْمُسْتَفْتَىٰ اِذَا لَمْ يَكُنْ
 بَعْدَ اتِّفَاقِهَا عَلَىٰ اَنْ الْمَعْنَىٰ اللُّغَوِيَّةُ لِلرِّبَا
 لَيْسَ مُرَادًا فِي الْآيَةِ تَشْعِيبُ فِرْقَتَيْنِ
 فَالْأَثْمَةُ وَجَهْهُورُ الْعُلَمَاءِ عَلَيْهِمْ هَذِهِ
 الْاَفْرَادُ بِالسَّنَةِ فَالرِّبَا عِنْدَهُمْ مُنْخَصَرٌّ
 فِي الْبَيْعِ لِأَغْيَرِهِ وَذَهَبَ الْبَعْضُ إِلَىٰ
 اَنْ اللَّامَ فِي الرِّبَا لِلْعَهْدِ وَالْمُرَادُ بِهَا
 الْجَاهِلِيَّةُ اَلْخَطْلُ اَمَّا الْاَثْمَةُ فَلَمْ يَرَوْهَا
 مِنْهُمْ تَصْرِيحًا بِأَجْمَالِ الْآيَةِ أَصْلًا وَ
 مِنْ أَدْعَىٰ فَلَيْرَنَانِ صَوْنَهُمَا وَمَا الْمَثَلُ
 مِنَ الْعُلَمَاءِ فَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ مَا
 قَالَ الْمُسْتَفْتَىٰ وَقَدْ بَقِيَ قَوْلُ الْاُخْرَىٰ ذَكَرَهُ
 ابْنُ الْعَرَبِيِّ فِي أَحْكَامِ الْقُرْآنِ لَمْ يَصْحَحْهُ
 وَنَصَّهُ قَالَ عُلَمَاءُ نَا الرِّبَا فِي اللَّعْنَةِ هُوَ
 الزِّيَادَةُ وَلَا بَدَلُ فِي الزِّيَادَةِ مِنْ مَزِيدٍ
 عَلَيْهِ تَضَاهَىٰ الزِّيَادَةُ بِهِ فَلَا جُلَّ ذَلِكَ
 اخْتَلَفُوا هَلْ هِيَ عَامَّةٌ فِي تَحْرِيمِ كُلِّ رِبَا
 أَوْ مَجْمُوعَةٌ لِأَبْيَانِ لَهَا إِلَّا مِنْ غَيْرِهَا
 وَالصَّحِيحُ أَنَّهَا عَامَّةٌ وَكَانَ الرِّبَا عِنْدَهُمْ
 مَعْرُوفًا إِلَىٰ اَنْ قَالَ اَنْ مِنْ زَعَمَانِ
 هَذِهِ الْآيَةُ مَجْمُوعَةٌ فَلَمْ يَفْهَمُوا مَقَامَ
 الشَّرِيعَةِ فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَىٰ أَرْسَلَ رَسُولَهُ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَىٰ قَوْمٍ هُوَ مِنْهُمْ
 بَلَّغْتَهُمْ وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ كِتَابَهُ تِلْكَ سِيَرَاتُ
 بِلْسَانِهِ وَلِسَانُهُمْ وَالرِّبَا فِي اللَّغَةِ الزِّيَادَةُ

اور اس کو صحیح و غلط کا امتیاز ہو جائے، تو ہم کہتے
 ہیں کہ مستفتی نے دعویٰ کیا ہے کہ امت اس بات
 پر اتفاق کر کے کہ آیت ربا میں ربا کے لغوی معنی مراد ہیں
 دو فرقوں کی طرف منقسم ہو گئی ہے۔ ائمہ (اربعہ) اور
 جمہور علماء نے تو یہ کہا ہے کہ لفظ ربا آیت میں مجمل
 ہے اور اس کے افراد کی تعیین حدیث سے معلوم ہوتی
 ہے (اور حدیث میں جتنی صورتیں مذکور ہیں رب
 بیع و شراء کے موافق ہیں) تو ان کے نزدیک ربا بیع
 میں منحصر ہے اس کے سوا کسی صورت میں ربا نہیں
 ہو سکتی اور بعض نے یہ کہا کہ ربوا میں لام عہد کل ہے
 جس سے مراد زمانہ جاہلیت کی ربا ہے الخ میں
 کہتا ہوں کہ ائمہ سے تو اس باب میں کچھ بھی تصریح
 منقول نہیں جس کو دعویٰ ہو وہ ان کی نصوص
 پیش کرے ہاں علماء متاخرین سے یہ بحث منقول
 ہے جن میں سے بعض نے تو وہی کہا ہے جو مستفتی
 نے ذکر کیا ہے اور ایک قول اور بھی باقی رہ گیا جس کو
 علامہ ابن العربی نے احکام القرآن میں ذکر کیا ہے
 اور اسی کو صحیح کہتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ لغت میں
 تو ربا کے معنی زیادت کے ہیں اور زیادت اسی وقت
 متحقق ہو سکتی ہے جبکہ کوئی دوسری چیز بھی مقابلہ میں
 موجود ہو جس کی نسبت کے کسی شے کا زیادہ ہونا معلوم
 ہو اسی لئے علماء نے اس امر میں اختلاف کیا ہے کہ
 آیا یہ آیت ہر ربا کے حرام بتلانے میں عام ہے، یا
 ایسی مجمل ہے کہ اس کے معنی دوسرے کلام ہی کے
 سمجھ میں آ سکتے ہیں خود اس کے کچھ معنی مفہوم نہیں

والمراد به فی الآیة کل زیادة لحر
بقابلها عوض اه ملخصاً (۱۰۲۱/۱)
فان قيل لو كان الربا باقياً علی حكمه
فی اصل اللغة لما خفی علی عمره لانه
كان عالمياً باسماء اللغة لكونه من
اهلها قلنا لفظ الربا كما لم یسر فی المسر
اشتقاق فی اللغة من الیسر او الیسر
سمی به اللعب بالازم ای القمار عرفاً
لما فیہ من اخذ المال بیسر وسهولة
من غیر کد ولا تعب اولاً سبب الیسر
والغنی اه فکذا لک الربا کما فی اللغة
عاماً لکل تر یادة ولكن خص فی العرف
بکل زیادة لا یقابلها عوض بدیل
تفرقة لیسرین البیسر والربا کما یشعر
قولهم انما البیسر مثل الربا ولا نشك
ان البیسر والتجارة یقصد بهما الربح
والزیادة فثبت ان مطلق الزیادة
لم یکن ربا عند هم فبقاء لفظ الربا
علی حکمہ فی اصل اللغة لا یتصور اصلاً
بل المراد ببقاء عاماً لکل ما کان یطلق
علیه الربا عرفاً ولو کان الشارح اقتصر
فی تحویر الربا علی ما کان یطلق علیہ
فی العرف لما خفی علی عمره لكونه من
اهل العرف ولکنه حرم مع ذلك

ہوتے، اور صحیح یہ ہے کہ آیت ربا عام ہے
اور ربا کے معنی اہل عرب کو معلوم تھے اور
لے یہ دعوائے کیا ہے کہ یہ آیت مجمل ہے اس
شریعت کے مقاصد کو نہیں سمجھا کیونکہ اللہ تعالیٰ
نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی قوم کی
طرف رسول بنا کر بھیجا تھا جو آپ کی برادری کے
لوگ تھے اور ان کی زبان آپ کی زبان تھی اور
اللہ تعالیٰ نے آپ پھر کتاب بھی اسی زبان
میں نازل فرمائی جو آپ کی اور قوم کی زبان
تھی۔ اور ربا کے معنی لغت میں تو زیادت کے
ہیں مگر آیت ربا میں اس سے مراد وہ زیادت
ہے جس کے مقابلہ میں کوئی عوض نہ ہو آہ
سوال، اگر ربا کے معنی مجمل نہیں بلکہ لغوی
معنی مراد ہیں تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر
اس کے معنی کیوں محقق رہے (جیسا بعض روایات
سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے
اور آپ نے ربا کی تفسیر نہیں فرمائی) حالانکہ
حضرت عمر زبان داں تھے لغوی معنی ان سے
محقق نہیں رہ سکتے تھے۔

جواب۔ لفظ ربا لفظ بیسر کے مثل ہے
کہ جس طرح بیسر لذت میں یسر یا یسار مشتق
ہے جس کے معنی آسانی اور تو نگری کے ہیں
پھر عرف میں قمار (جوا) کو بیسر کہنے لگے کیونکہ

سہ قال الامام الفخر الرازی فی تفسیر قولہ تعالیٰ یسلو تک عن الخمر والمیسر ۱۱

و ادخل فيه صوراً اخر ما كان يطلق عليه لفظ الربا في العرف فاستشكل عمر رضي الله عنه لخداء العلة الجامعة بين تلك الصور واجل ذلك اختلاف العلماء المجتهدين في علة الربا فقال ابو حنيفة علتها اتحاد الجنس والقدر وقال الشافعي الجنس والطعم والتمنية،

اس میں آسانی سے مال بل جاتا ہے یا اس سے نفا اور تو انگری حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح لفظ ربا لغت میں تو ہر زیادت کو عام ہو لیکن عرف میں اس زیادت کے ساتھ مخصوص ہو گیا ہے جس کے مقابلہ میں کوئی عوض نہ ہو اس کی دلیل یہ ہے کہ اہل عرب بیع اور ربایں فرق کرتے اور دونوں کو الگ الگ دو چیزیں جانتے تھے،

جیسا ان کے قول انما البیع مثل الربا سے معلوم ہوتا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ بیع تو مثل ربا ہی کے ہے اور ظاہر ہے کہ تشبیہ میں مشبہ و مشبہ بہ دو چیزیں الگ الگ ہوتی ہیں اور سب جانتے ہیں کہ بیع و تجارت سے نفع اور زیادت ہی مقصود ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ ہر زیادت کو ربا نہ سمجھتے تھے (ورنہ بیع و ربایں فرق نہ کرتے) پس لفظ ربا کو اصل معنی لغوی پر محمول کرنا تو کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا بلکہ جو لوگ لفظ ربا کو عام کہتے ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ جن صورتوں پر عرف میں لفظ ربا کا اطلاق ہوتا تھا یہ لفظ ان سب کو عام ہے اب اگر شارع علیہ السلام صرف انہی صورتوں کے حرام کرنے پر اکتفا فرماتے جو عرفاً ربا سے مفہوم ہوتی تھیں تو حضرت عمرؓ کو اس میں ہرگز کوئی اشکال واقع نہ ہوتا کیوں کہ وہ خود اہل عرف سے تھے لیکن شارع نے ربا کے تحت میں بعض صورتیں ایسی بھی داخل کی ہیں جن پر عرف میں لفظ ربا کا اطلاق نہ ہوتا تھا۔ اس لئے حضرت عمرؓ کو اشکال پیش آیا کیوں کہ ان سب صورتوں کے حرام ہونے کی علت جامعہ مخفی تھی اور اسی وجہ سے علماء مجتہدین میں علت ربا کے سمجھنے میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ امام ابو حنیفہ نے اس کی علت اتحاد جنس و قدر سمجھی۔

وقال مالك القوت والادخار مع الجنس فهداهو سبب خفاءه على عمر رضي الله عنه كما زعم بعضهم من الاجمال في الآية فان قيل فبامعنى قول من وقال بالاجمال في آية الربا قلنا ليس معناه انها مجملة من اصلها وان العراب لم

امام شافعی نے جنس و طعم و شمنیہ کو علت سمجھا اور امام مالک نے جنس و قوت و ادخار کو علت بتلایا پس حضرت عمرؓ کے اشکال کا یہ منشا تھا نہ یہ کہ لفظ ربا مجمل ہے جیسا بعض نے سمجھا ہے۔

سوال، پھر جن لوگوں نے آیت ربا کو مجمل

تعرف الربا الاببیان الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کیف وقد حکى الله قوله انما البيع مثل الربا الدال على تفرقة بينهما وامرهم بترك ما بقى لهم من الربا الدال على اخذهم اياه ويمتنع الاخذ بذا من المعرفة بل معناه انها صارت مجملة حين ادخل الشارع فيه اشياء لم يكن يطلق عليها الربا عرفا فقد قال صلى الله عليه وسلم الربا ثلثة وسبعون بابا الحديث وسيأتى وتظيرة قوله تعالى واستجوا برؤسكم فانه ظاهر في وجوب المسح على الرأس مجمل في مقداره فلا يصح القول بانہ مجمل من كل وجه ولا بيان له الا من السنة بل لولم يرد بيان المقدار من السنة لوجب المسح على كل الرأس او على ادنى ما يصح اطلاق مسح الرأس عليه فكذا ههنا قال لا ية ظاهرة في تحريم الربا العرفي ومجملة في تحريم غيره من انواع الربا الشرعية هكذا ينبغي ان يفهم المقام فالربا اثنان عرفي وشرعي كما قال الرازي ونصه اعلم ان الربا قسمان ربا النسئة و ربا الفضل اما

تعرف الربا الاببیان الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کیف وقد حکى الله قوله انما البيع مثل الربا الدال على تفرقة بينهما وامرهم بترك ما بقى لهم من الربا الدال على اخذهم اياه ويمتنع الاخذ بذا من المعرفة بل معناه انها صارت مجملة حين ادخل الشارع فيه اشياء لم يكن يطلق عليها الربا عرفا فقد قال صلى الله عليه وسلم الربا ثلثة وسبعون بابا الحديث وسيأتى وتظيرة قوله تعالى واستجوا برؤسكم فانه ظاهر في وجوب المسح على الرأس مجمل في مقداره فلا يصح القول بانہ مجمل من كل وجه ولا بيان له الا من السنة بل لولم يرد بيان المقدار من السنة لوجب المسح على كل الرأس او على ادنى ما يصح اطلاق مسح الرأس عليه فكذا ههنا قال لا ية ظاهرة في تحريم الربا العرفي ومجملة في تحريم غيره من انواع الربا الشرعية هكذا ينبغي ان يفهم المقام فالربا اثنان عرفي وشرعي كما قال الرازي ونصه اعلم ان الربا قسمان ربا النسئة و ربا الفضل اما

کہا ہے ان کے قول کا کیا مطلب ہے۔
جواب۔ ان کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ یہ آیت اصل سے ایسی مجمل ہے کہ اہل عرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے پہلے ربا کو جانتے اور سمجھتے ہی نہ تھے اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مشرکین کا یہ قول نقل فرمایا ہے انما البيع مثل الربا جو اس بات کو بتلا رہا ہے کہ اہل عرب بیع اور ربا میں فرق کرتے اور ان کو الگ الگ جانتے تھے، نیز اللہ تعالیٰ نے ان کو باقی ماندہ ربا کے چھوڑنے کا حکم فرمایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ ربا لیتے تھے اور بدلتے جانے بوجھے کسی معاملہ کا لین دین دشوار ہے (پس جو علماء ربا کو مجمل کہتے ہیں ان کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اہل عرب حضور کے بیان سے پہلے ربا کو جانتے ہی نہ تھے) بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ جب شارع علیہ السلام نے ربا میں ایسی صورتوں کو بھی داخل کر دیا جن پر عرف میں ربا کا اطلاق نہ ہوتا تھا اس وقت ربا مجمل ہو گئی (اس سے پہلے مجمل نہ تھی) چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ربا کی تہتر قسمیں ہیں اور یہ حدیث آئندہ آدے گی۔ (خلاصہ یہ کہ ربا کے معنی میں تو اجمال نہیں، ہاں اس کی انواع و اقسام میں اجمال ہے) اور اس کی ایسی مثال ہے

ربا النسئۃ فهو الامر الذی کان مشهوراً متعارفاً فی الجاہلیۃ وذلك انھو کانوا یدفعون المال علی ان یمأخذوا کل شئ قدر ما معینا و یکون رأس المال باقیاً ثراً اذا حل الدین طالبوا المدا یون برأس المال فان تعدر علیہ الاداء زادوا فی الحق والاجل فهذا هو الربا الذی کانوا فی الجاہلیۃ یتعاملون بہ واما ربا النقد فهو ان یماع من الحنطۃ ببنوین منها وما اشبه ذلك اذا عرفت هذا فنقول المراد عن ابن عباس ان کان لا یحرم الا القسم الاول فکان یقول لا ربا الا فی النسئۃ وکان یجوز ربا النقد ثم انه رجع عنہ (ص ۳۵۱-۲ ج ۲) قلت وخلاف ابن عباس فی ربا النقد دلیل علی ان الربا الحقیقی هو الاول دون ربا النقد والالزام کون الحقیقی مختلفاً فیہ مخفیاً عن مثل ابن عباس وذلك

جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد دوسموا برؤسکم سر پر مسح کے واجب ہونے کو صاف صاف بیان کر رہا ہے مگر مقدار کے بارے میں مجمل ہے کہ آیا پورے سر کا مسح فرض ہے یا چوتھائی کا اور یہ کہنا صحیح نہیں کہ یہ آیت بالکل مجمل ہے جس کا بیان حدیث ہی سے معلوم ہو سکتا ہے، نہیں بلکہ اگر حدیث سے مقدار مسح نہ معلوم ہوتی تو تمام سر کا مسح کرنا فرض ہوتا یا اس ادنیٰ مقدار کا جس پر عورت میں مسح یا اس کا اطلاق صحیح ہو، اسی طرح یہاں سمجھو اگر حدیث سے ربا کی انواع و اقسام معلوم نہ ہوتیں تو عرفنا جن صورتوں پر ربا کا اطلاق ہوتا تھا وہ اس آیت سے یقیناً حرام ہوتیں الغرض یہ آیت دربارہ عرفی کے حرام قرار دینے میں تو ظاہر ہے اور جن صورتوں کو شریعت نے اس کی ساتھ ملحق کیا ہے ان کے بارے میں مجمل ہے، خوب سمجھ لو۔ پس ربا کی دو قسمیں ہوتیں ایک ربا عرفی دوسرے ربا شرعی جیسا امام رازی نے فرمایا ہے کہ جانتا چاہئے ربا دو قسم پر ہے (۱) ربا النسئۃ

بہ اسو علیہ المستفی ان ربا، النسئۃ لا یمکن ان یماع و ہو العین الموعود علی و الفضل المشروط علی القرض لیس بربا، النسئۃ لکن القرض غیر البیع مکلف و مکلف لا یماع و ملا قلت لا شک ان لفظ النسئۃ قد یطلق مقیداً بالبیع الی اصل بیعاً و اما انہ لا یطلق علی القرض فباطل لان النساء والنسئۃ ہوا التاخیر نہ و عرفاً والنسئۃ الاخیرۃ و بتنسأہ سألان ینسأہ دینہ (ای توخر) کذا فی القاموس و ہو یع البیع و القرض جیساً یقال لنقد غیر من النسئۃ ای العاجل لا یجوز تخصیصہ بالبیع کما لا یخفی علی من لم سک باللسان و اخرج الجصاص فی احکام القرآن لہ علی عدم جواز التاخیل فی القرض بقولہ علی الشرع علیہ وسلم انما الربا فی النسئۃ وقال ولم یفرق بین البیع والقرض فهو علی البیع (ص ۶۸ ج ۱) و ہذا صریح فی عموم النسئۃ البیع والقرض جیساً فباطل ما زعمہ ہذا المستفی بحمد ربہ ۱۲ منہ

بعید و ابعد و انما يتصور الاختلاف
والخفاء في الغير الحقيقي الملحق
بالحقيقى وقال الجصاص الرازى
فمن الربا ما هو بيع ومنه ما ليس
بيع وهو ربا اهل الجاهليت وهو
القرض المشروط فيه الاجل زيادة
مال على المستقرض اهـ (ص ۲۶۹)

دوسرے ربا الفضل - ربا النسئہ تو وہ ہے جو
زمانہ جاہلیت میں مشہور و معروف تھی جس کی
صورت یہ تھی کہ لوگ اپنا مال مدت معینہ کے
لئے اس شرط پر قرض دیا کرتے تھے کہ ہر مہینہ کچھ
مقدار معین لیا کریں گے اور اصل رقم محفوظ رکھیں
پھر جب مدت ختم ہو جاتی تو مدیون سے اصل
رقم کا مطالبہ کرتے اگر وہ اس وقت ادا نہ کر سکتا

تو اصل رقم کو بڑھا دیتے اور اس زیادت کے عوض میں مدت بھی بڑھا دی جاتی، یہ وہ صورت
ربا کی تھی جس پر زمانہ جاہلیت میں لین دین ہوتا تھا، اور ربا النقد یہ ہے کہ مثلاً ایک سیر
گہوؤں دو سیر گہوؤں کے عوض فروخت کیا جائے جب اس کو سمجھ گئے تو اب سنو! کہ عبد اللہ
بن عباس سے مروی ہے کہ وہ ربا کی صرف قسم اول کو حرام سمجھتے اور قرضات تھے کہ ربا صرف
نسئہ میں ہے، اور ربا النقد کو اولاً جائز کہتے تھے پھر اس سے رجوع فرمایا احصا ۳۵۱
ج ۲) میں کہتا ہوں کہ ربا النقد میں ابن عباس کا اختلاف اس امر کی دلیل ہے کہ ربا حقیقی
ربا النسئہ ہے ورنہ لازم آئے گا کہ ربا حقیقی حضرت ابن عباس جیسے (فقیہ و امام التفسیر)
پر مخفی رہے اور ربا حقیقی کی حرمت متفق علیہ نہ ہو مختلف فیہ ہو اور اس میں جس قدر بعد ہے
ظاہر ہے، بلکہ اختلاف و خفا ربا غیر حقیقی ہی میں ہو سکتا ہے جو حقیقی کے ساتھ ملحق ہے۔

پس اس سے ان علماء کی تائید ہوتی ہے جنہوں نے جاہلیت کی ربا کو ربا حقیقی اور حدیث
ابو سعید و عبادہ کی ربا کو ربا غیر حقیقی کہا ہے جیسا آئندہ آدے گا) اور ربا النسئہ میں جو
تاویل مستفی نے کی ہے ہم نے حاشیہ عربیہ میں اس کا جواب دیدیا ہے، اور امام جصاص
رازی نے فرمایا ہے کہ ربا کی ایک قسم تو وہ ہے جو بیع میں ہوا اور ایک قسم وہ ہے جو بیع کے علاوہ
ہوا اور یہ اہل جاہلیت کی ربا ہے جو قرض لینے والے پر ایک خاص مدت کے اندر کچھ زیادہ

مستفی نے ربا النسئہ میں یہ تاویل کی ہے کہ اس سے مراد بیع ثمن مؤجل ہو جیسے چاندی کو چاندی یا سونے کے
عوض بطریق اُدھار کے بیع کرنا اور قرض میں زیادت کی شرط لگا کر تاد و وصول کرنا ربا النسئہ نہیں ہے کیونکہ قرض
بیع میں داخل نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ہم کو اس سے انکار نہیں کہ بیع ثمن مؤجل پر بھی نسئہ کا اطلاق ہوتا ہے لیکن نسئہ
کو بیع کے ساتھ خاص کرنا غلط ہے بلکہ قرض پر بھی نسئہ کا اطلاق ہوتا ہے چنانچہ عبادہ و النقد تیر من نسئہ اور امام
جصاص راوی نے تصریح کی ہے کہ لفظ نسئہ بیع و قرض دونوں کو عام ہے پس مستفی کا محض اپنی رائے سے نسئہ کو بیع کے

رقم لینے کی شرط کرتے تھے اور اس سے بھی معلوم ہوا کہ ربا کی دو قسمیں ہیں)

وبہ نظر بطلان قول المستفتی فالربا عندہم منحصر فی البیع لا غیر الخ وھذا واللہ فریۃ بلامریۃ وکیف یجوز القول بحصرہ فی البیع وسیاق الایۃ یدل علی التفرقۃ بینہما قال تعالیٰ حاکیا عن المشرکین ذلک بانہم قالوا انما البیع مثل الربوا وھل یمثل الشئ ولشئہ الا بغيرہ) واصل اللہ البیع وحرم الربا فکل من سمع ھذا الایۃ من اھل اللسان تبادر الی فہم التما بین البیع والربا وان الربا الذی نعاہ اللہ الی اھلہ وذمھم لا جلد لیس عین البیع ولا منحصر فیہ ویا لجرأۃ ھذا المستفتی کیف عزی القول بحصر الربا فی البیع الی الائمۃ والمجہور وھذا الجصاص الرازی وھو من الحفاظ للحديث ومن طبقۃ القد ماء من فقہاء الحنفیۃ وھذا الفخر الرازی وھو من افاضل المتأخرین کلاھما مصرحان بکون الربا المتعاف فی الجاہلیۃ (الذی نفی القرآن عنہ) غیر البیع ولم یروا احدا من القد ماء ولا المتأخرین رد علیہما ما قالہ غیر ھذا المستفتی الذی نشأ فی الھند اور اس سے مستفتی کے اس دعویٰ کا کہ ربا جہوۃ النہ کے نزدیک بیع میں منحصر ہے بطلان ظاہر ہو گیا اور بخدا یہ صریح بہتان ہے اور کوئی عالم بیع میں ربا کے منحصر ہونے کا کید نہ کر سکتا ہے جبکہ آیت قرآنی کا سیاق صاف بتلا رہا ہے کہ بیع و ربا الگ الگ دو چیزیں ہیں چنانچہ حق تعالیٰ نے مشرکین کا قول نقل فرمایا ہے ذلک بانہم قالوا انما البیع مثل الربوا (ترجمہ ۱۔ یہ سزا اس واسطے، کہ مشرکین کہتے ہیں کہ بیع تو ربا کے مشابہ ہے اور مشابہت و تشبیہ دو مفاد نہیں ہیں ہی میں ہوا کرتی ہے ۱۲) واصل الشرا بیع وحرم الربوا (ترجمہ ۲۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے اور ربا کو حرام) اہل زبان میں سے جو کوئی بھی اس آیت کو سنے گا وہ اس سے بیع و ربا میں تغائر ہی سمجھے گا اور یہ بھی جان لے گا کہ جس ربا کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سود لینے والوں کی مذمت فرما رہے ہیں وہ عین بیع نہیں ہے نہ بیع میں منحصر ہے ہم کو مستفتی کی جرأت پر تعجب ہے کہ اس نے جہوۃ النہ کی طرف یہ بات کیونکر منسوب کر دی کہ وہ ربا کو بیع میں منحصر مانتے ہیں حالانکہ جصاص راہزی جو حافظ حدیث ہونے کی سائیدہ فقہاء حنفیہ کے اعلیٰ طبقہ سے ہیں اور امام فخر الرازی جو افاضل متاخرین سے ہیں دونوں اس بات کو صاف صاف بتلا رہے ہیں۔

فی المائة الرابع عشر وهو زمان انقراض العلم وقبض العلماء فلا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم ولا ریب ان الجصاص والفخر الرازیین اعلم الناس باقوال الجمهور من العلماء فی عصرهما فکیف يجوز ان ینسب الی الجمهور القول بمحصن الربوا فی البیع مع تصریح هؤلاء بخلافه وقال الحافظ فی الفقه واصل الربا الزیادة اما فی نفس الشئ کقولہ تعالی اهتزت وربت واما فی مقابلة کدرهمید رہمین فقبل هو حقیقة فیہما وقیل حقیقتی الاول مجاز فی الشانی زاد ابن سریم ان فی الثانی حقیقة شرعیة ویطلق الربا علی کل بیع محرم ۱ھ (ص ۲۶۲ ج ۴) ولا ینحی ان الزیادة فی المقابلة تعم البیع والقراض وغیرہما جمیعاً وهذا حقیقة شرعیة وعرفیة وقد یطلق الربا علی کل بیع محرم سواء کان فیہ زیادة او لا کبیم حبل ال حبلة و بیع ما لم یضمن ونحوهما والطلاق الربا علیہ مجاز شرعاً ولغة وعرفاً وقال الفقیہ ابو الولید القاضی ابن رشد فی بدایة المجتہدین اتفق العلماء علی ان الربا یوجد فی

کہ جاہلیت کی ربا جس سے قرآن میں مانعت کی گئی ہے) بیع میں نہ تھی، بلکہ قرض میں تھی اور قدما و متاخرین میں سے کسی نے بھی ان کے قول کو رد نہیں کیا سوا اس مستفتی کے جو ہندوستان میں چودھویں صدی کے اندر ایسے زمانہ میں پیدا ہوا ہے جو مسلمانان درگور و مسلمانان در کتاب کا مصداق ہے فلا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم اور یقیناً امام جصاص و فخر رازی اپنے زمانہ میں علماء و جمہور کے اقوال کو ربا سے زیادہ جاننے والے تھے پھر جمہور کی طرف قول کیونکر منسوب کیا جاسکتا ہے کہ وہ ربا کو بیع میں منحصر مانتے ہیں جب کہ ایسے ایسے علماء اس کے خلاف کی تصریح کر رہے ہیں، اور حافظ ابن حجر نے نسخ الباری میں فرمایا ہے کہ ربا کے اصلی معنی زیادت کے ہیں خواہ کوئی چیز خود اپنی ذات سے زیادہ ہو جائے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اهتزت وربت کہ زمین بارش سے لہلہاتی اور ابھرتی ہے یا دوسری شے کے مقابلہ میں زیادہ ہو جیسے ایک درہم کے عوض دو درہم لئے جائیں پھر بعض کا قول یہ ہے کہ دونوں معنی حقیقی ہیں، اور بعض کا قول یہ ہے کہ پہلے معنی حقیقی ہیں اور دوسرے معنی مجازی ابن سریم کہتے ہیں کہ دوسرے معنی شریعت کی اصلاح میں حقیقی ہیں (میں کہتا ہوں بلکہ یہ عرفاً بھی حقیقی

عہ قلت بل حقیقة عرفیة یدل علیہ تفرقة المشکوکین من الربا و البیع والیہ شیر کلام ابن العربی کما تقدم ذکرہ ۱۲ منہ

شیئین فی البیع و فیما تقر فی الذمۃ من بیع و سلف و غیر ذلک فاما الربا فیما تقر فی الذمۃ فهو صنفان صنف متفق علیہ،

ہیں) اور ہر ناجائز بیع پر بھی ربا کا اطلاق ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ کسی چیز کا دوسری کے مقابلہ میں زیادہ ہونا بیع اور قرض سب کو شامل ہے، یہ تو ربا کے معنی شرعاً و عرفاً حقیقی ہیں۔ اور کبھی ہر ناجائز

بیع کو بھی ربا کہہ دیتے ہیں، اس پر ربا کا اطلاق مجازی ہے شرعاً بھی اور نفعاً و عرفاً بھی۔ اور فقیر ابو الولید قاضی ابن رشد ہدایۃ المجتہدین فرماتے ہیں کہ علماء نے اس پر اجماع کیا ہے کہ ربا دو صورتوں میں پائی جاتی ہے ایک بیع میں دوسری اس (دین) میں جو ذمہ پر واجب ہو خواہ بیع کی وجہ سے واجب ہوا ہو یا قرض وغیرہ کی وجہ سے۔ پھر جو ربا واجب فی الذمہ ہو اس کی دو قسمیں ہیں ایک کی حرمت پر تو سب کا اتفاق ہے۔

و هو ربا الجاہلیۃ الذی فی عتہ و ذلک انہم کانوا یسلفون بالزیادۃ و ینظرون دکانوا یقولون انظر فی اذک و هذا هو الذی عناء علیہ الصلوۃ والسلام بقولہ فی حجۃ الوداع الا وان ربا الجاہلیۃ موضوع و اول ربا اضعہ ربا العباس بن عبد المطلب و الثانی ضم و تجمل و هو مختلف فیہ و اما الربا فی البیع فان العلماء اجمعوا علی انہ صنفان نسئ و تفاضل و انما صار جمہور الفقہاء الی ان ان الربا فی ہذین النوعین للثبوت ذلک عنہ صلی اللہ علیہ وسلم اہم

اور وہ جاہلیت کی ربا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، اس کا طریقہ یہ تھا کہ لوگ زیادہ رقم وصول کرنے کی شرط کر کے دوسروں کو قرض دیتے اور مدت تمام ہونے کے بعد مہلت دیا کرتے اور اس وقت قرض خواہ) یوں کہتے کہ تم ہم کو مہلت دیدو ہم تم کو کچھ (رقم) زیادہ دیدیے اور یہی وہ ربا ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج و داع میں فرمایا تھا کہ جاہلیت کی ربا سب کی سب ساقط کر دی گئی اور سب سے پہلے جس ربا کو میں ساقط کرتا ہوں وہ عباس بن عبد المطلب کی ربا ہے، اور دوسری قسم یہ ہے کہ قرض دہندہ سے مقرض یوں کہے کہ تو اتنا معاف کر دے اور مدت سے پہلے وصول کر لے اس میں اختلاف ہے، اور جو ربا بیع میں ہے اس کے بارہ میں علماء کا اتفاق ہے کہ اس کی بھی دو قسمیں ہیں ایک بیع بانسہ

تقرر فی الذمۃ من سلف
او غیرہ القول بحصر الربا فی البیع
فقط الاجراء علی اللہ وشریعہ و
علم من ذلک ان جریان الربا فی
النوعین ای القرض والبیع ثابت
عندہ صلی اللہ علیہ وسلم فبطل ما زعم
المستفتی من عدم اثبوت الربا
فی القرض عندہ صلی اللہ علیہ وسلم
وسیاتی الکلام فیہ بالبسط و
فیہ دلیل ایضاً علی ان الربا
الذی یکون فیما تقرر بالذمۃ
من البیع لیس من ربا البیع بل
هو قسیمہ وسیاتی تفصیل الکلام
فیہ فانظر فالفضل المشروط
فی القرض ربا منصوص محرم قطعاً
قد اتفق العلماء علی کونه ربا
الجاهلیۃ قافہم ولا تکن من
الغافلین۔ وقال فی المقدمات
المہدات لہ الربا فی الصرۃ
وفی جمیع البیوع وفیما تقرر فی
الذمۃ من الدیون حرام محرم
یا للکتاب والسنة واجمع الامۃ
اھ (ص ۱۳) وتفسیر الدیون
بالاثمان الواجبۃ فی البیوع لا
یصح فی کلامہ لفصلہ الدیون عن

اور ایک بیع بالتفاضل اور علماء ان دونوں
قسموں میں ربا کے اس لئے قائل ہیں کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت ہو چکا
ہے اھ میں کہتا ہوں کہ علماء کے اس اجماع کے
بعد بھی اس امر کا قائل ہونا کہ ربا صرف بیع میں
منحصر ہے بجز جملات علی اللہ کے اور کیا ہے پس
سمجھنا چاہئے کہ علامہ ابن رشد کے اس قول
سے امور ذیل پر کافی روشنی پڑتی ہے (۱) ربا کا
قرض و بیع دونوں میں متحقق ہونا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے ثابت ہے اس سے مستفتی کا یہ قول
باطل ہو گیا کہ قرض میں ربا کا متحقق ہونا رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں (۲) جو
رقم بیع کی وجہ سے واجب فی الذمہ ہو جب
اس میں ربا کا متحقق ہو تو وہ ربا البیع میں داخل
نہ ہوگا بلکہ اس کی قسم مقابل ربا الدین میں داخل
ہوگا۔ اس سے بھی مستفتی کی ایک غلطی ظاہر ہوتی
ہے کہ اس نے ربا جاہلیت کو ربا البیع میں داخل
کرنے کی ناکام کوشش کی ہے جیسا عنقریب
بیان کیا جائے گا،

پس قرض میں شرط کے ساتھ زیادہ رقم وصول
کرنا قطعاً حرام اور صریح ربا ہے جس کے ربا جاہلی
ہونے پر علماء کا اتفاق اور اجماع ہو چکا ہے
خوب سمجھ لو، نیز علامہ ابن رشد نے مقدمہ
مدونہ میں فرمایا ہے کہ ربا بیع صرف اور
تمام بیوع میں اور ان دیون میں جو واجب

البيوع ولقوله في بداية المجتهد
وفيما تقر في الذمة من بيع أو سلف
أو غيره ذلك اه فعلم ان المراد
بالدين كل ما تقر في الذمة
سواء كان بالبيع أو بالقرض و
نحوه والربا يجرى فيهما جميعا
وان كل ذلك محرم بالكتاب
والسنة وبالاجماع والعجب
من المستفتي كيف لم يفهم عني
ولم ينظر الى هذا الكلام الواضح
وجعل ينقل من اقوال ابن
رشد ما لا يضرنا ولا ينفعه شيئا
وايضاً فتخصيص الدين بالواجب
في الذمة بالبيوع باطل بل هو
يعمل القرض لغة وعرفاً قال في
القاموس الدين مآل اجل ومالا
اجل له فقرض والموت وكل ما
ليس حاضراً وادنت اعطيت الى
اجل او اقراضته وادان هو اخذ
رجل مديان يقرض كثير او يستقرض

في الذمة ہوں حرام ہے قطعاً حرام ہے، قرآن
سے بھی حدیث سے بھی اجماع امت سے بھی
اھ (اس سے بھی معلوم ہوا کہ ربا بیع کیساتھ
خاص نہیں بلکہ غیر بیع میں بھی اس کا تحقق
ہوتا ہے) اور مستفتی کا یہ قول کہ دین سے
مراد وہ ٹمن ہے جو بیع میں واجب ہوتا ہے
علامہ ابن رشد کے کلام کی تفسیر میں صحیح نہیں
ہو سکتا کیونکہ علامہ نے دیون کو بیوع سے علیحدہ
کر کے ذکر کیا ہے دوسرے بداية المجتہد میں
انہوں نے صراحتاً دین کی تعلیم کر دی ہے
کہ خواہ بیع سے ذمہ پر واجب ہوا ہو یا قرض
سے واجب ہوا ہو پس اس حقیقت سے انکار
نہیں ہو سکتا دین ہر واجب فی الذمہ کو عام
ہے خواہ بیع سے ہو یا قرض سے اور ربا دونوں
میں جاری ہوتا ہے اور اس کی حرمت کتاب
اللہ اور حدیث اور اجماع سے ثابت ہے۔
پس مستفتی پر تعجب ہے کہ اس نے اس واضح
کلام سے تو آنکھیں بند کر لی اور خواہ مخواہ علامہ
ابن رشد کے وہ اقوال نقل کر دیئے جو اس کو
خاک مفید نہیں، اور ہم کو ذرہ برا بھروسہ نہیں

مہ اشارۃ الی ما ذکرہ فی صفحہ ۱۶ من قول ابن رشد فی تفسیر قول ابن عمر اسلف سلفاً فلا یشرط فضل منہ وان کان
قبضہ من علف فہو ربا اھ ای انہ یقیس علی الربا المحرم بالقرآن ربا الجاہلیۃ اھ و سیاقی الکلام فیہ بالبسط ۱۲ اھ
قال المستفتی فی صفحہ ۱۶ و ص ۱۴ ان القرض غیر الدین والقرض لا یندرج فی الدین الموجل و بنی علیہ ان الآثار
الواردۃ فی تفسیر الجاہلیۃ لا تشتمل لقرض قلت و ہذا کلمہ تبارک الفاسد کما ستعلم ۲ منہ سیاقی جواز التاجیل فی القرض
عرباً و شافعی فقولہ مالہ اجل یسم الدین الموجل و القرض الموجل جہتاً ۱۳ منہ

کثیراً ضد ودانیتہ اقراضتہ واقرضنی
 اھر ص ۸۷) واما ذکرہ المستفتی
 عن الفخر الرازی ان القرض لا يجوز
 فيه الاجل والدين يجوز فيه الاجل
 وكذا ما نقله عن الكليات لاجل البقاء
 (ص ۴۰) فلاحجة فيه لكونهما
 ليسا في معرفة اللغة كصاحب
 القاموس وايضا فبحثهما عن
 جواز الاجل في القرض وعدم جوازه
 فيه مشعريا نهما ليسا بصدد
 بيان اللغة على طريقة اللغويين
 بل بصدد بيان الحكم الشرعي لهما
 عند الفقهاء۔

اور مستفتی کا یہ دعویٰ بالکل باطل ہے کہ
 دین صرف اسی واجب فی الذمہ کے ساتھ
 خاص ہے جو بیع سے لازم ہو بلکہ حقیقت یہ
 ہے کہ لفظ دین لفظ لغوی و عرفاً قرض کو بھی
 شامل ہے جیسا قاموس سے واضح ہے کہ دین
 اس چیز کو کہتے ہیں جو حاضر ہو، اور
 اونٹ کے معنی یہ ہیں کہ ایک مدت کیلئے
 کوئی چیز دی یا قرض دیا اور مدیاں وہ
 شخص ہر جو قرض بہت دیتا ہو یا لیتا ہو
 اور مدایلتہ ہا ہم قرض کا لین دین کرنے
 کو کہتے ہیں امد اور مستفتی نے جو علامہ فخر رازی
 اور ابوالفتا وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ قرض
 میں مدت کی تعیین جائز نہیں اور دین میں
 جائز ہے (جس سے دین اور قرض میں مغایرت معلوم ہوتی ہے) اول تو یہ قول
 حجت نہیں کیونکہ علم لغت میں یہ لوگ صاحب قاموس کے برابر نہیں دوسرے
 جواز و عدم جواز سے ان کا بحث کرنا صاف بتلا رہا ہے کہ وہ لغت نہیں بیان کر رہے
 بلکہ حکم شرعی فقہی بیان کر رہے ہیں،

واما قول صاحب المغرب القرض مال
 يقطع الرجل من امواله فيعطيه عينا
 فاما الحق الذي يثبت له ديننا فليس
 يقرض اه فلا دلالة فيه على ان الدين
 لا يطلق على القرض بل معناه ان القرض
 لا يطلق على كل دين فان من الدين
 ما هو حق يثبت الدائن على المدين
 من غير ان يعطيه عينا كدين المهر

اور صاحب مغرب نے جو کہا ہے کہ قرض وہ
 حصہ مال ہے جس کو انسان اپنے مال سے
 جدا کر کے کسی کو نقد دے اور جو حق کسی کے
 ذمہ واجب ہو جائے وہ قرض نہیں (بلکہ
 دین ہے) تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرض
 پر دین کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ اس کا
 مطلب یہ ہے کہ ہر دین کو قرض نہیں کہتے
 کیونکہ دین کی ایک قسم وہ بھی ہے جس میں

للزوجة ولا يصح اطلاق القرض
عليه قبيلتها عموم وخصوص مطلقا
فكل قرض دين ولا عكس فان المدائن
اذا استهلك العين التي استقرضها
صار حقا واجبا في ذمته فهو دين عليه
واما من قال ان القرض لا يجوز فيه
الاجل فان اراد عدم جوازه في مذمبه
فمسلم وان سزا عن جوازه نعت فهو
محبوب بقول الشافعي "ومالك فاذا
قائلان بجواز الاجل في القرض و
لزومه قال في حاشية الهداية
نقل عن الكفاية واعلم ان القرض
مال يقطع من امواله فيطيعه ما
ثبت عليه دين فليس بقرض الدين
يشتمل كل ما وجب في ذمته يعقد
اداستهلاك وما صار في ذمته دين
باستقراره فهو اعم من القرض
قال مالك التاجيل في القرض لازم
لانه صار دين في ذمته بالقبض فيصح
التاجيل فيه كسائر الديون اه
(ص ۶۰ ج ۳) وفي احكام القرآن
للجصاص واجاز الشافعي التاجيل
في القرض (ص ۶۹ ج ۱) ومالك؟
والشافعي؟ اعلم الناس باللغة
في عصرهما واعرف بها من تأخر

مدیون کے ذمہ ایک حق مالی واجب ہو جاتا
ہے، حالانکہ اس کو نقد مال کچھ نہیں دیا جاتا
جیسے زوجہ کا دین مہر کہ اس پر قرض کا اطلاق
نہیں ہوتا، خلاصہ یہ کہ دین و قرض میں عموم
و خصوص مطلق کی نسبت ہے کہ ہر قرض تو دین
ہے مگر ہر دین قرض نہیں، اور جو لوگ یہ
کہتے ہیں کہ دین میں تعیین مدت جائز ہے
اور قرض میں جائز نہیں اگر ان کا مطلب یہ ہے
کہ ان کے مذہب میں جائز نہیں تو مسلم، اور
اگر یہ مطلب ہے کہ لغتہً جائز نہیں (جس کا نتیجہ یہ
ہو کہ دین مؤجل کو لغتہً قرض نہ کہہ سکیں)
تو یہ غلط ہے، کیونکہ امام شافعی اور امام
مالک قرض میں تعیین مدت کو جائز کہتے ہیں
تو ان کے نزدیک دین مؤجل کو قرض
کہہ سکتے ہیں، کفایہ میں ہے کہ قرض وہ
مال ہے جس کو اپنے مال سے جدا کر کے
کسی کو دیا جائے اور جو حق مالی کسی
کے ذمہ واجب ہو جائے وہ قرض نہیں
(بلکہ دین ہے) اور دین ہر واجب فی
الذمہ کو شامل ہے خواہ عقد سے
واجب ہو یا دوسرے کی چیز تلف
کر دینے سے یا قرض لینے سے،
پس دین قرض سے عام ہے اور
امام مالک کا قول ہے کہ اگر قرض
میں مدت مقرر کی جائے تو وہ لازم ہو جاتی

کیونکہ قبضہ کے بعد قرض کی رقم بھی دین ہو جاتی ہے، پس تعیین مدت اس میں بھی بقیہ دیون کی طرح جائز ہے اھ اور احکام جصاص میں ہے کہ امام شافعی کے نزدیک قرض میں تعیین مدت جائز ہے اھ اور یقیناً امام مالک و شافعی لغت کو متاخرین سے زیادہ جانتے ہیں اگر لغت دین موجل پر قرض کا اطلاق صحیح نہ ہوتا تو یہ دونوں امام قرض میں تعیین مدت کے قائل نہ ہوتے، پس مستفتی کا یہ قول باطل ہے کہ مدت کی شرط لگانا حقیقت قرض کے متافی ہے اور دین موجل کو قرض نہیں کہہ سکتے اور لفظ دین سے قرض کو مراد نہیں لے سکتے (اور اس دعوے پر مستفتی نے بڑی عسارت قائم کی ہے کہ جن آثار میں دبا جاہلی کی تفسیر میں دین کا لفظ آیا ہو سب کوٹن بیع پر محمول کر کے یہ کہا ہے کہ اس میں قرض داخل نہیں یہ ساری عمارت ان اقوال علماء مذکورہ نے منہدم کر دی، بلکہ حق یہ ہے کہ لفظ دین قرض کو بھی شامل ہے جیسا امام راغب اصقہانی اور حافظ ابن اثیر اوقافی محمد علی تھانوی نے فرمایا ہے، اور یہی تحقیق لوٹ قبول ہے، امام جصاص رازی نے بھی آیت مداینہ کی تفسیر میں اس کی تصریح کی ہے کہ لفظ دین قرض کو بھی شامل ہے اور قرض میں تعیین مدت کا جائز نہ ہونا

عنہما فیطل قول المستفتی ان شرط الاجل مناف لحقیقة القرض فالقرض لا یتدرج فی الدیر الموجل فلا یجوز ان یراد بالدين القرض اذا كان فیہ اجل الخ (ص ۴۰، ۴۱) بل الحق ما ذکرہ الراغب الاصفہانی وابن الاثیر والقاضی محمد علی التھانوی انه ای الدین یشمل القرض وهو التحقیق الانیق وبالقبول تحقیق قال الجصاص فی احکام القرائن قوله تعالیٰ اذا استداينتم مدين الى اجل مسمى ینتظم سائر عقود المداينات التي یصح فیہا الاجال ولا دلالة فیہ علی جواز التاجیل فی سائر الديون لان الاية ليس فیہا بیان جواز التاجیل فی سائر الديون وانہا فیہا الامر بالشہاد اذا كان دیناً مؤجلًا ثم یحتاج ان یعلم بدلالة اخرى جواز التاجیل فی الدین امتناعه وقد احتج بعضهم فی جواز التاجیل فی القرض بهذه الاية اذ لم یفرق بین القرض وسائر عقود المداينات وقد علمنا ان القرض مما شمل الاسم وليس ذلك عندنا كما ذکرنا ولا دلالة فیہا علی جواز کل دین ولا علی

یہ مصنف کشاف اصطلاحات الفنون و هو کتاب یدل علی تبحر مؤلفہ و علی جودة معرفتہ بالفنون و سہ نظره فیہا رحمہ اللہ

جواز التاجیل فی جمیعہا وانما قہا
 الامربا لا شہاد علی دین قد ثبت
 فیہ التاجیل فی القرض معقل فی
 استدلالہ ومما یدل علی ان القرض
 لم یدخل فیہ ان قوله تعالیٰ اذا
 تداینتم ربین قد اقتضی عمد
 المدایتہ و لیس القرض بعقد مدایتہ
 اذ لا یصیر دینا بالعقد و ذالقبض
 اھ (ص ۴۸۳) و فیہ وتصریح بان القرض
 شملہ اسم الدین لغۃً وانہ یصیر دینا
 بعد القبض وان عدم جواز التاجیل
 فیہ وانما ہول لیل انہ قد افادہ شرعا
 قال المستفتی و ذهب البعض الى ان
 اللام فی الربوا للعہد والمراد بہ ربا الجاہلیۃ
 فالمال علی ہذہ التفسیر ان القراءات
 حرم ربا الجاہلیۃ وکان لہ اثبت صورۃ
 بالجاہلیۃ من حدیث مرفوع متصل
 الی الان لم یلتفت الاعمۃ والجمهور
 الیہ وقالوا ان ربا القمار مجمل و
 الحدیث مفسر لہ اھ (ص ۲)

دوسرے دلائل شرعیہ سے ثابت ہوا
 (قول مستفتی) اور بعض علما اس طرف گئے ہیں
 کہ قرآن میں الربا کا لام عہد کے لئے ہے اور اس
 سے زمانہ جاہلیت کی ربا مراد ہے، مگر چونکہ اب
 تک کسی حدیث مرفوع متصل سے ربا جاہلی کی
 صورت اور اس کی حقیقت ثابت نہیں ہوئی
 اس لئے ائمہ نے اور جمہور نے اس بات کی
 طرف التفات نہیں کیا بلکہ وہ سب اس کے
 قائل ہیں کہ قرآن میں لفظ ربا مجمل ہے اور حدیث
 اس کی تفسیر کر رہی ہے اھ

جواب میں کہتا ہوں یہ بہت بڑی بات
 ہے جو اس مستفتی کی زبان سے نکلی ہے
 اور یقیناً غلط ہے، اگر مستفتی سے ہو سکو
 تو ہم کو علما میں سے کسی کا صریح قول اس
 مضمون کا دکھلائے کہ وہ آیت ربا میں اجا
 کے قائل اس لئے ہوئے ہیں کہ ان کے نزدیک
 ربا جاہلی کی صورت ثابت نہیں ہوئی۔ اور
 وہ اس بات کے کیونکر قائل ہو سکتے ہیں کہ
 قرآن میں لفظ ربا بالکل مجمل ہے جس کے معنی
 معلوم کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم کی تفسیر معلوم کرنے کی ضرورت ہے
 حالانکہ ربا کا بین دین اس آیت کے نزول
 اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
 بیان سے پہلے ہی مشرکین عرب
 اور اہل کتاب میں عام طور پر شائع

قلت کبرت کلمۃ تنجیہم من افواہہم
 ان یقولون الا کذباً و ہل یقدرا
 المستفتی علی ان یربنا نصاً من واحد
 من العلماء یفید ان علتہ قولہم لا یجاءل
 فی آیتہ الربا عدم ثبوت ربا الجاہلیۃ

عندهم ولذا لم يلتفتوا اليه وازله
يقول ولن يفعل ابد اقلية النار
التي اعدت لاهل الربا، وكيف يجوز لهم
القول بان الربا مجمل رأساً يحتاج
الى بيان الرسول صلى الله عليه وسلم
من اصله وقد كان الربا فاشياً في
مشرقي العرب واهل الكتاب قبل
نزول الآية وبيان الرسول صلى الله عليه وسلم
عن المشركين ذلك باهم قالوا انما البيع
مثل الربا واحل الله البيع وحرم
الربا وقال في اهل الكتاب فظلم
من الذين هادوا حرمنا عليهم طيبات
احلت لهم وبصدهم عن سبيل
الله كثيرا واخذهم الربا وقد
نهوا عنه واكاهم اموال الناس
بالباطل الآية فلو كان الربا لا يعرف
الا ببيان الرسول فكيف اخذ اهل
الكتاب وذهبا لاجل وكيف فوق
المشركون بين البيع والربا وقاسوا
احل ههنا بالآخر قبل علمهم ببيان
الرسول فان بيان الرسول متأخر
عن نزول الآية قطعاً فلا بد من
القول بان الربا كان معلوماً عند
العرب واهل الكتاب قبل نزول

تحتاجوا ذلك بانهم قالوا انما البيع
الربوا، اور آیت و بصدہم عن سبیل اللہ
کثیرا و اخذہم الربوا و قد نہوا عنہ سے معلوم
ہوتا ہے، پس اگر ربا کی حقیقت معلوم کرنا رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان پر موقوف ہے
تو حضور کے بیان سے پہلے اہل کتاب نے اس کا
لین دین کیسے کر لیا اور قرآن میں ان کی مذمت
کس طرح وارد ہو گئی اور مشرکین نے ربا اور
بیع میں فرق کیونکر کر لیا اور ایک کو دوسرے
پر قیاس کس طرح کر لیا، کیونکہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان یقیناً نزول آیت
سے مؤخر ہے (کیونکہ بیان کا مبین سے مؤخر
ہونا لازم ہے اور طحاوی نے بھی اس کی تصریح
کی ہے جیسا ابھی معلوم ہو گا) پس لامحالہ ماننا
پڑے گا کہ ربا کے معنی اس آیت کے نزول اور
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے پہلے
اہل عرب اور اہل کتاب کو معلوم تھے اور وہ
اس کا لین دین کرتے تھے جس کی خبر قرآن میں
دی گئی اور اسی کی وجہ سے ان کی مذمت
کی گئی ہے اور ائمہ و جمہور علماء رتبے ربا جہاں
کی صورت بیان کر کے اس کی حرمت پر اجماع
و اتفاق کر لیا ہے جیسا ابن رشد و امام
جصاص و فخر رازی کے اقوال سے اوپر
معلوم ہو چکا تو کیا اجماع کے بعد بھی

سہ ضرورتاً تاخر البیان عن المبین کہا ہو ظاہر و صرح بالطحاوی ایقبا کما سیأتی ۱۲ منہ

الایة و بیان الرسول و هو الذی نفع
 الله الی اهلہ و ذمہم لاجل فی القرآن
 و اتفقت الامة و اجمعت الائمة علی
 حرمة الربا الذی کان علیہ اهل الجاہلیۃ
 و بینوا صورتہا کما مر ذکرہ فی کلام
 ابن رشد و الامام الحافظ الجصاص
 و الفخر الرازی و اهل بعد الاجماع
 یحتاج احد الی السند المتصل و من
 الذین بینوا صورة ربا الجاہلیۃ
 و ذهبوا الی عدم الاجمال فی الایۃ
 الامام العلامة الطحاوی حیث قال
 فی شرح الآثار لہ فی تاویل حدیث
 ابن عباس رضی اللہ عنہما عزاسمۃ
 رضی اللہ عنہ رانہا الربوا فی
 النسئۃ ان ذلک الربوا انما
 عنی بربا القران الذی کان
 اصلہ فی النسئۃ و ذلک ان الرجل
 کان یکون لہ علی صاحبہ الدین
 فیقول لہ اجلنی منہ الی کذا و کذا
 بکذا و کذا و درہما اذید کھا

کسی کو سند متصل کی حاجت باقی رہ سکتی
 ہے؟ (ہرگز نہیں) اور امام علامہ
 طحاوی بھی (جو حافظ حدیث و صاحب
 تنقید و جرح و تعدیل اور مجتہد و محجت
 و رئیس الحقیقہ ہیں) انہی علماء میں سے ہیں
 جو ربا جاہلی کی صورت کو (جزم کے ساتھ)
 بیان کرتے ہیں اور آیت الربا کو مجمل
 نہیں مانتے (اور حافظ حدیث و ناقد
 حجت کا جزم خود ایک مستقل دلیل ہے،
 کیونکہ ایسا شخص بدون صحت و ثبوت
 کے کسی بات کو جزماً بیان نہیں کرتا ۱۲)

چنانچہ وہ شرح الآثار میں ابن عباس رضی اللہ
 عنہما کی حدیث انما الربوا فی النسئۃ کی تفسیر کرتے
 ہوئے فرماتے ہیں کہ اس ربا سے مراد وہ ربا ہے
 جو قرآن میں مذکور ہے جو دراصل قرض میں
 ہوتی تھی اور اس کی صورت یہ تھی کہ
 ایک شخص کا دوسرے کے ذمہ دین ہوتا
 پھر مدیون دائن سے کہتا ہے کہ مجھے
 اتنی مدت کی مہلت دے دو میں تم کو
 دین سے زیادہ اتنی رقم دوں گا اس صورت

مہ قلت فی جزم مثل الطحاوی الحافظ الناقد الحجۃ الامام المجتہد بکبر دلیل علی ثبوت تفسیر ربا الجاہلیۃ
 عنہ فاذہ حق قول المستفتی ان تفسیر ربا الجاہلیۃ لم یثبت الی الآن ۱۲ فاعلم المراد بالدين القرض وکل ما ثبت فی
 الذمۃ بذیل نام عن الجصاص الفخر الرازی بن ان ربا الجاہلیۃ کان فی القرض و قد فرغنا من تحقیق معنی الدین فلا
 دلیل للمستفتی فی حملہ علی الثابت فی الذمۃ لاجل البیع و کذا حملہ النسئۃ علی البیع بالنسئۃ لغویاً بل المراد
 بہ اعم من ذلک و قد ذکرنا عموم النسئۃ للقرض قبل ذکر ۱۲ منہ ہم بتلاطیجکے ہیں کہ دین قرض کو بھی عام
 ہے پس مستفتی کا اس کو ثمن مبیع کے ساتھ خاص کرنا غلط ہے خصوصاً جبکہ امام جصاص اور فخر رازی نے
 صراحتاً بیان کیا ہے کہ ربا جاہلی قرض میں ہوتی تھی ۱۳ منہ

فی دینک فیکون مشتریا لاجن مال فہما
 ھما اللہ عز وجل عن ذلک بقولہ یا ایھا الذین
 آمنوا اتقوا اللہ وذرّوا ما بقی من الربا ان
 کنتم مؤمنین ثم جاءت السنۃ بعد
 ذلک بتحریم الربا فی التفاضل فی الذہب
 بالذہب والفضۃ بالفضۃ وسائر الاشیاء
 المکیلات والموزونات فکان ذلک ربوا
 حرم بالسنۃ وتواترت بہ الآثار عن
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی قامت
 بہ الحجۃ والدلیل علی ان ذلک الربوا
 المحرم فی ہذا الآثار ھو غیر الربوا الذی
 رواہ ابن عباس عن اسماء رضی اللہ
 عنہم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 رجوع ابن عباس رضی اللہ عنہما الی
 ما حدّث بہ ابوسعید رضی اللہ عنہ
 عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال
 ما حدّث بہ ابوسعید من ذلک فی المعنی
 الذی کان اسماء حدّث بہ اذ المکان
 حدیث ابی سعید عندہ باولی من حدّث
 اسماء ولكنہ لم یکن علم بتحریم رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہذا الربوا حتی

میں یہ شخص مدت کو مال کے بدلے خریدتا تھا
 اللہ تعالیٰ نے آیت یا ایھا الذین آمنوا
 اتقوا اللہ وذرّوا ما بقی من الربا ان کنتم
 مؤمنین میں اس سے لوگوں کو منع کیا پھر
 اس کے بعد حدیث وارد ہوئی جس نے ربا
 تفاضل کو بھی حرام کر دیا جب کہ سونے کا سونے
 سے بدلا ہوا اور چاندی کا چاندی سے اسی
 طرح تمام مکیلات و موزونات میں۔ پس
 یہ وہ ربا ہے جو حدیث سے حرام ہوئی اور
 اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 تواتر کے ساتھ آثار وارد ہیں جن سے حجت
 قائم ہو گئی، اور اس کی دلیل کہ ان آثار
 میں جس ربا کو حرام کیا گیا ہے وہ اس ربوا
 کے علاوہ ہے جس کو ابن عباس رضی اللہ عنہ
 اسماء کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت
 کیا یہ ہے کہ ابن عباس نے ابوسعید خدری رضی
 اللہ عنہ کی حدیث کی طرف رجوع فرمایا پس
 اگر حدیث ابوسعید کا وہی مطلب ہوتا جو
 حدیث اسماء کا مطلب تھا تو اس صورت
 میں ابوسعید کی حدیث ابن عباس کے نزدیک
 حدیث اسماء سے اولیٰ نہ ہوتی کہ اس سے

بہ لایقال حدیث ابی سعید متواتر بخلاف حدیث اسماء فکان ادلیٰ منہ لاننا نقول ان تواترہ انما ہو بالنسبۃ
 الیہ لکن تواترہما آثاڑ الصحابۃ کلہما فی الباب اما بالنسبۃ الی ابن عباس فلا فائدہ رجوع عن الاثر بحدیث اسماء مجرد قول ابی سعید
 وروایۃ کما دلت علیہ الآثار فافہم متہما ما ذکرہ الحافظ فی الفتح عن ابی مجلز ان ابی سعید بقی ابن عباس فقد کثر الحدیث
 فقال ابن عباس استغفر اللہ والتوب الیہ فکان منہی عنہ الشدائہی اھ رص ۳۱۹ ج ۴ مؤلف

حدثه به ابو سعید رضی
رضی اللہ عنہ فعلہ ان
ماکان حدثہ به اسامة
رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن
رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کان فی ربوا
غیر ذلک الربوا اھ
(ص ۲۳۲ ج ۲)

رجوع کریں اور حدیث ابو سعید کو اختیار کریں
کیونکہ جب دونوں حدیثوں کا مطلب ایک ہے
اور راوی بھی دونوں ثقہ ہیں پھر رجوع کے کیا
معنی (۱۲) بلکہ عبد اللہ بن عباس کو اس ربا کی
حرمت کا علم تھا جس کو ابو سعید نے بیان فرمایا
اس کو سن کر وہ سمجھ گئے کہ اسامہ نے جو حدیث
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے
وہ دوسری ربا کے متعلق ہے جو اس ربا کے علاوہ
ہے جس کو ابو سعید نے بیان کیا (۱۳)

میں کہتا ہوں کہ جب طحاوی کے نزدیک
ربا الفضل جس کا حدیث ابو سعید میں ذکر ہے
ربا قرآنی کی غیر ہے تو اب نہ حدیث ابو سعید
آیت قرآن کے لئے بیان ہے اور نہ آیت
قرآن ان کے نزدیک محل ہے کیوں کہ بیان
تو مبتین کا عین ہوتا ہے نہ غیر جیسا اصول میں
ثابت ہو چکا ہے۔ بلکہ ربا الفضل جس کا حدیثوں
میں ذکر ہے ربا قرآنی کے ساتھ ملحق ہے۔
اور ربا قرآنی وہی ہے جو اہل جاہلیت میں
رائج تھی پس ثابت ہو گیا کہ قرض میں شرط
کے ساتھ زائد قسم وصول کرنا نص قرآن
سے حرام ہے۔

سوال، حدیث انما الربا فی النہ کے
مسنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ مکیلات و موزونات
میں حاضر کو غائب کے بدلہ بیع نہ کرو (یعنی
ادھار نہ بیجو) اس صورت میں یہ حدیث قرض

قلت و اذا کان ربا الفضل الذی حدث
به ابو سعید غیر ربا القرآن الذی حدث
به اسامة لو یکن حدیث ابی سعید بیانا
للآیة ولا ہی مجملة لکون البیان
عین المبین لا غیر کما تقر فی الاصول
بل ربوا الفضل الذی جاءت بالمستة
ملحق بربا القرآن الذی کان علیہ اهل
الجاهلیة ولا دلیل علی حرمة الابالسة
المترتبة دون القرآن فثبت ان
الفضل المشروط فی القرض حرام
محرم بأیة الربا المفسرة
بربا الجاهلیة۔ لایقال ان معنی
حدیث اسامة انما الربا فی النہ
ان لا تتبعوا غائباً بنا جز فی المکیلات
والموزونات ولا دلیل فیہ علی حرمة
الفضل المشروط فی القرض

لانا نقول قصرة على البيع بالنسبة
لا يصح لوجه الاول ما قد متاعن
الخصاص وغيره ان لفظ النسبة
عام لفتة وعرفا وشرعا للثمن المؤجل
في البيع والقراض جميعا لكونه بمعنى
الدين وعمومه للقراض ظاهرا كما
مرّ يقال النقد خير من النسبة
والشأن ان حديث اسامة رواه
البعض بلفظ النسبة ورواه
بعضهم بلفظ لاسر بوا الالف
الدين اخرج الطحاوي
بسند صحيح (ص ۲۳۲ ج ۲)
ولا يطلق الدين على البيع
اصلا كما لا يخفى وعمومه
للقراض ظاهرا والاحاديث
يفسر بعضها بعضها فالمراد بالنسبة
في حديث اسامة انها هو الدين
لا غير او اعم منه ومن البيع
بالنسبة ومعنى حديث اسامة
لاسر بوا الالف النسبة اي الربا
الا غلط الشديد التحريم المتوعد
عليه بالعقاب الشديد كما تقول النحر
لا عالم في البلد الا يزيد مع ازقيها علماء غيره -

میں زائد رقم لینے کی حرمت پر دال نہ ہوگی
جواب، لفظ نسہ کو ثمن مؤجل کے
ساتھ خاص کرنا چند وجوہ سے غلط ہے اول
اس لئے کہ ہم خصاص وغیرہ کے اقوال سے
اس کا ثبوت دے چکے ہیں کہ لفظ نسہ لغت
وعرفا و شرعا ثمن مؤجل اور قرض دونوں کو
عام ہے کیونکہ نسہ او دین کے ایک معنی ہیں
اور دین کا قرض کو شامل ہونا ظاہر ہے، محاورہ
میں بولا جاتا ہے۔ النقد خیر من النسبة (نقد
ادھار سے بہتر ہے) اور اس کو ثمن مؤجل کے
ساتھ کوئی خاص نہیں کرتا (۱۲) دوسرے یہ کہ
اس حدیث میں ایضاً نے تو لفظ نسہ روایت
کیا ہے اور بعض نے لاسر بوا الالفی الدین کہا ہے
اس کو طحاوی نے سند صحیح سے روایت کیا ہے اور
مبیع کو دین نہیں کہا جاتا اور دین کا قرض کو
شامل ہونا ظاہر ہے اور ایک حدیث سے
دوسری کی تفسیر ہو جاتی ہے پس حدیث انما
الربا فی النسبة میں نسہ سے مراد یا تو صرف دین
ہے یا معنی عام مراد ہیں جو قرض کو بھی اور ادھار
بیچنے کو بھی شامل ہے اور اس حدیث کے معنی
یہ ہیں کہ سخت ربا جس کی حرمت اعلیٰ درجہ کی
ہے جس پر سخت عذاب کی دھمکی ہے صرف
دین میں ہے جیسے محاورہ میں کہا جاتا ہے کہ

مه فان الدين ضد الدين فان كان حاضرا والدين ما كان قائما قال الشاعر وعدتنا بدمهيتا طلار
وشهرا رجلا غير دين - ولا يطلق الدين على البيع اصلا واما يطلق على الثمن المؤجل انه دين فلا يصح اطلاقه على البيع اصلا
وانما يطلق على الثمن المؤجل انه دين والنسبة بمعنى الدين فلا يصح اطلاقه على البيع وانما يقال بالنسبة وهذا البيع بالنسبة...

اس شہر میں زید کے سوا کوئی عالم نہیں حالانکہ اس میں اور بھی علماء ہوتے ہیں۔
 دائما القصد في الاكمل لا في الاصل مگر مقصود اکمل کی نفی ہوتی ہے کہ پورا عالم
 قاله المحافظ في الفتح (ص ۳۱۹ ج ۴) وفيه زید کے سوا کوئی نہیں یہ تفسیر حافظ ابن حجر نے
 ايضا يحمل حديث اسامة على الربا الاكبر فتح الباری میں بیان فرمائی ہے نیز حافظ نے
 والله اعلم قلت ولا يستقيم هذا المعنى یہ بھی کہا ہے کہ حدیث اسامہ میں ربا کا اعلیٰ
 لو حملناه على البيع بالنسبة في المكيل للموزون درجہ مذکور ہے، واللہ اعلم،
 فان بيع الذهب بالذهب مثله مثل النسبة میں کہتا ہوں کہ یہی معنی اسی وقت درست
 ليس باشد من بيعهما متفاضلا بل البيع ہو سکتے ہیں جبکہ حدیث انما الربا في النسبة
 متفاضلا اشد للتحقق معني الربا فيه صريحا کو ربا جاہلی پر محمول کیا جائے جو قرض دین
 وحقيقة بخلاف البيع بالنسبة مما ثلثان میں ہوا کرتی تھی ربا البیع پر محمول کر کے
 تحقق معني الربا فيه ليس الا شرعا فلا یہ معنی درست نہیں ہو سکتے کیونکہ ربا البیع
 يجترئ عاقل على حمل قول النبي صلى الله على دو صورتیں ہیں ایک ربا الفضل کہ سونے
 عليه وسلم لا ادبوا الا في النسبة وانما کو سونے کے عوض یا چاندی کو چاندی کے
 الربوا في النسبة على الربا الاصغر الذي عوض کی پیشی کے ساتھ بیع کیا جائے دوسرے
 لا يتحقق فيه معني الربا حقيقة فلا ربا النسبة کہ سونے چاندی کو برابر برابر بیع
 بد من حمل على الربا الاكبر وليس هو کیا جائے مگر نقد نہ ہو بلکہ ادھار ہو اور ظاہر
 بيع المكيل بالمكيل والموزون بالموزون ہے کہ دوسری صورت میں ربا کے معنی تحقق
 متفاضلا لعدم الطلاق النسبة عليه لكون نہیں کیونکہ ظاہر میں وہاں کوئی زیادت
 ابن عباس كان يتكبر اولاد ولا يحرم فلم يبق الربا الذي كان عليه اهل پہلی صورت کو اس سے اشد ہے مگر حدیث کو
 الجاهلية وهو زيادة في الديون اس پر بھی محمول نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اول تو
 القروض وبالجملة فلا يصح قصره اس پر نسبة کا اطلاق ہی نہیں ہوتا دوسرے
 صلى الله عليه وسلم لا ادبوا الا في النسبة على عبداللہ بن عباس (جو اس حدیث کے راوی
 البيع بالنسبة بل المراد بالربا في الدين ہیں) ربا الفضل کو اولاً حرام ہی نہ کہتے تھے
 لا غير ادا عمر من ومن البيع بالنسبة پس اعلیٰ درجہ کی ربا جس پر حدیث کو محمول کر سکتے

کما قلنا اولافافهم ولا تکن من القائلین
 فظهر مما ذکرنا ان الربا المذکور فی
 القرآن لیس بمجیدل رأسا بل کان معلوم
 المعنی واضح المراد عند العرب واما
 حدث الاجمال فیه عند من قابل
 بالاجمال فی ایتہ الربا بعد ما دخلت
 السنۃ فیه اشياء لم یکن العرب یعرفها
 بالربا ودلیل ذلك اتفاق القائلین
 بالاجمال و غیرہم علی بیان ربا الجاہلیۃ
 فی تفسیر الایۃ و علی حرمتہ قطعاً
 منهم الجصاص والفخر الرازیان
 وابن الہمام حیث قسرو قولہ تعالیٰ
 یا ایہا الذین آمنوا لا تأکلوا الربا
 بقولہ ای الزائد فی القرض السلف
 علی القدر المدفوع والزائد فی بیع
 الاموال الربویۃ عند بیع بعضها
 بجنسہ وتبعہ فذلك الشیخ ثناء اللہ
 فی تفسیرہ المظہری قالہ المستفق
 ص ۲۲۲ فہؤلاء مع کونہم
 قائلین بالاجمال فی الایۃ
 متفقون علی تفسیر الربا فی
 الایۃ بالزائد فی القرض
 والسلف ومجمعون علی انہ
 هو الربا الذی کان علیہ
 اہل الجاہلیۃ کما تقدم

ہیں۔ صرف وہی ربا ہے جس پر اہل جاہلیت
 کا عمل تھا۔ اور وہ قرض و دین ہی میں ہوتا
 تھی۔ اس تقریر سے یہ بات ظاہر ہو گئی
 کہ لفظ ربا جو قرآن میں ہے وہ بالکل مجمل
 نہیں، بلکہ جو لوگ اس کو مجمل کہتے ہیں ان
 کا مطلب یہ ہے کہ اہل عرب کے نزدیک
 تو اس کے معنی واضح اور مراد معلوم
 تھی، مگر جب حدیث نے اس کے تحت
 میں بعض ایسی صورتیں بھی داخل کر دیں
 جن کو اہل عرب ربا نہ کہتے تھے اس وقت
 اس میں اجمال پیدا ہو گیا۔ اور اس کی
 دلیل یہ ہے کہ جو علماء اس آیت میں اجمال
 کے قائل ہیں وہ بھی سب کے سب ربا
 جاہلیت کے ساتھ آیت کی تفسیر کرتے
 اور اس کی حرمت کو قطعی جانتے ہیں،
 منجملہ ان کے امام جصاص اور فخر رازی
 اور ابن الہمام ہیں، چنانچہ ابن الہمام
 نے آیت یا ایہا الذین آمنوا لا تأکلوا الربا
 کی یوں تفسیر کی ہے کہ قرض اور سلف میں
 اس رقم سے زیادہ نہ لو جو تم نے دی ہے،
 اسی طرح اموال ربویہ کو جب بجنس کے عوض
 بیع کرو تو زیادہ نہ لو، اور قاضی ثناء اللہ
 صاحب نے بھی تفسیر مظہری میں اسی کے
 موافق تفسیر کی ہے۔ پس یہ علماء اگرچہ
 آیت الربا میں اجمال کے قائل ہیں مگر

ذکرہ عن ابن رشد و غیرہ فلو کان الربا معجلاً غیر معلوم المراد عند العرب لم یذکر و ربا الجاہلیۃ فی تفسیرہ بل اقتصر و اعلیٰ تفسیرہ بالسنتہ فقط ہے کہ زمانہ جاہلیت کی ربا یہی تھی کہ قرض دیکر زائد وصول کرتے تھے (۱۲) جیسا ابن رشد وغیرہ کے حوالہ سے اجماع کا بیان اوپر گذر چکا ہے پس اگر ان کے نزدیک لفظ ربا ایسا ممل تھا کہ عرب کو بھی اس کے معنی معلوم نہ تھے تو یہ حضرات ربا جاہلی کو اس کی تفسیر میں بیان نہ کرتے، بلکہ صرف حدیث کو اس کی تفسیر میں ذکر کرتے۔

والمستفتی حیث لم یعرف بمواد هو فقال مورداً علی ابن الہمام فی تفسیر الایۃ ہذا خلاف ما قال اوکامن ان الربا بیع و ایضاً هو صرح بنفسہ فی التحریر ان الایۃ معجلۃ و الحد یفسرها فکیف یصح منہذا القول (۲۲ ص) ولم یدر المسکین ان الفقہاء والمصنفین اذا ذکر و الربا فی باب البیوع یریدون بہ ربا البیع دون المعنی العام الشامل لربا الدین ایضاً و لذلک یقولون فی باب البیوع هو ای الربا من البیوع المنہیۃ قطعاً و یعیفونہ بما یشعر بکون الربا بیعاً فظن المستفتی ان الربا لا یتحقق الا بالمیم و ہذا باطل قطعاً فان الربا الذی ہو فرد من افراد البیم یشمی بربا البیم اور مستفتی نے ان حضرات کی مراد تو سمجھی نہیں خواہ مخواہ ان پر اعتراض کرنے لگا، چنانچہ ابن الہمام کی اس تفسیر پر اس نے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ تفسیر ان کے اس قول کے خلاف ہے جو پہلے گذر چکا کہ ربا بیع ہے، نیز ابن الہمام نے تحریر میں خود تصریح کی ہے کہ یہ آیت مجمل ہے اور حدیث اس کی مفسر ہے۔ پھر یہ بات کیونکر صحیح ہو سکتی ہے کہ قرض کی قسم سے زائد وصول کرنا بھی ربا میں داخل ہے، کیونکہ حدیث میں اس کا ذکر نہیں (۱۲) میں کہتا ہوں کہ اس مسکین کو اتنی بھی خبر نہیں کہ فقہاء و مصنفین باب البیوع میں جب ربا کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے ربا کی ایک قسم یعنی ربا البیع مراد ہوتی ہے عام معنی مراد نہیں ہوتے جو ربا الدین کو بھی شامل ہے اسی لئے کتاب البیوع میں وہ یوں کہہ دیتے ہیں کہ ربا بھی ان بیوع میں سے ہے جو قطعاً

و یقال له ربا السنة ایضا و اما دیا
الدین و یقال له ربا القمات
و ربا الجاهلیة ایضا فلیس من
افراد البیع و هذا هو معقول
الفقهاء ان الربوا خص من قوله
تعالیٰ و احل الله البیع بقوله و حرم
الربا ای خص ربا البیوع من قوله
و احل الله البیع و لا یلزم من
کون قسم من اقسام الربا اخلا
فی البیع ان یکون جمیع اقسامه
من افراد البیع و اخلافیه کہا
زعده المستفتی و المراد بکوز الاية
مجملة ما ذکرناه مراداً فلا نعید
فتذکر۔

ویرشد الی ما قلنا قول الشاہ
ولی الله حکیم الامتفی الحجۃ البالغۃ
و کذاک الربا و هو القرض علی ان
یؤدی الیه اکثر و افضل مما
اخذ سمحت باطل الی ان قال و علم
ان الربا علی و جہین حقیقی و معمول
علیه اما الحقیقی قرہ فی الدیون
و الشافی ربا الفضل و الاصل فیہ
المحدث المستفیض الذہب
بالذہب الحدیث و ہوسمی بربا

ممنوع ہیں اور اس کی تعریف بھی ایسے الفاظ
سے کرتے ہیں جن میں ربا کا بیع ہوتا مفہوم ہوتا
ہے مستفتی نے اس سے یہ سمجھ لیا کہ ربا کا تحقق
ہی بدون بیع کے نہیں ہو سکتا حالانکہ یہ سراسر
غلط ہے، کیونکہ جو ربا بیع کی فرد ہے اس کا
نام ربا البیع ہے اور اس کو ربا حدیثی بھی کہتے
ہیں، رہی دوسری قسم کی جو دین و قرض ہیں
ہوتی ہے جس کو ربا قرآنی اور ربا باہلی بھی
کہتے ہیں وہ بیع کی فرد ہرگز نہیں اور یہی
مطلب ہے فقہاء کے اس قول کا کہ حل
الله البیع سے ربا مستثنیٰ ہے بدلیل حرم الربا
کے یعنی حل البیع سے ربا البیع مستثنیٰ ہے۔
کیونکہ وہ حلال نہیں اور ربا البیع کے مستثنیٰ
ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ربا مطلقاً
بیع ہی ہے ۱۲ اور ربا کی ایک قسم اگر بیع
میں داخل ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا
کہ اس کی تمام اقسام بیع میں داخل
ہوں حتیٰ کہ ربا کا تحقق ہی بدون بیع کے
نہ ہو سکے جیسا مستفتی نے سمجھا ہے، اور
آیت کے محل ہونے (اور حدیث کے مفسر
ہونے) کا مطلب ہم بار بار بیان کر چکے ہیں
اس کے اعادہ کی کچھ ضرورت نہیں اور
ہماری اس تحقیق کی تائید حکیم الامت
شاہ ولی اللہ قدس سرہ کے قول سے

مع ذکر الاقوال کلہا المستفتی فی ص ۲۳ و ۲۴ و ۲۵، مؤلف

تغلیظاً وتشبیہاً بربا الحقیقی وبہ بھی ہوتی ہے، جو حجۃ اللہ البالغہ میں مذکور
 یفہم معنی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ربا بھی حرام و باطل
 لا ربا الا فی النسئۃ، ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ قرض اس شرط سے

دیا جائے کہ اصل سے زائد وصول کیا جائے گا، اس کے بعد فرماتے ہیں، کہ جانتا چاہو
 کہ ربا کی دو قسمیں ہیں، ایک حقیقی دوسرے الحاقی، ربا حقیقی تو وہ ہے جو دین (قرض) میں
 ہو، اور الحاقی وہ ہے جو بیع میں (کمی بیشی کی وجہ سے ہو اور اس کی اصل حدیث مشہورہ الذین
 ہے، اور اس کو زجر و تنبیہ کے طور پر ربا حقیقی کی مشابہت کی وجہ سے رکھ دیا گیا ہے،
 اور اسی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد لا ربا الا فی النسئۃ کا مطلب سمجھ میں آ گیا
 ہوگا (کہ اصل ربا وہی ہے جو دین و قرض میں ہو)

ثبوکثر فی الشرع استعمال الربا فی پھر شریعت میں ربا کا استعمال ربا الفضل میں
 هذا المعنی حتی صار حقیقۃ شریعۃ بھی بکثرت ہونے لگا یہاں تک کہ شرعاً اس
 فیہ ایضاً ہ وقال ابن الہمام فی الفقہ کو بھی ربا کے معنی حقیقی میں شمار کیا جانے لگا
 باب الصرف ان اسم الربا تضمن اہ اس سے صاف معلوم ہوا کہ ربا کی
 الزیادۃ من الاموال الخاصۃ فی تمام صورتیں بیع میں منحصر نہیں بلکہ ربا حقیقی
 احد العوضین فی قرض او بیع اہ و اور اصلی وہی ہے جو بیع کے علاوہ قرض و
 فی الملتقی الربا فضل مال بخال عن دین میں ہوتی ہے (۱۲) اور ابن الہمام نے
 عوض شرط احد المعاقدين فی معاوضۃ فتح القدیر کے باب الصرف میں فرمایا ہے
 مال بمال و ذکر علامۃ شیعہ زادہ کہ ربا خاص اموال کے اندر ایک عوض کا
 فی شرح العاقدین البائعین او دوسرے عوض سے زائد ہونے کو کہتے
 المقترضین اہ ومن فہم منہ کون ہیں خواہ قرض میں ہو یا بیع اہ و ملتقی میں
 القرض بیعا کما ذکرہ المستفتی عنہ ربا کی تعریف اس طرح ہے کہ ربا وہ زائد
 وعدہ من الاعلام فقد سہا سہوا مال ہے جو معاوضہ مالی میں عاقدین میں

لہ فان القرض غیر البیع حتی ان ارادہ ان القرض المشروط بالفضل فی حکم البیع فصیح لکن شرط
 الفصل فیہ مودی الی کونہ معاوضۃ ابتداءً والقرض لیس کذلک فیبطل العقد وبلغوا الشرط صوتاً للعقد

عن الانقلاب عن حقیقۃ ۱۲ منہ

ظاہر ابل معناه ما حقتناہ ان الربا
منہ ما یکون فی البیع ومنہ ما یکون
فی القرض کما قالہ الجصاص وابن
رشد ونقل اتفاق الكل علیہ و ذکرہ
الطحاوی ایضا و صرح بہ الشاہ ولی
اللہ و قبلہ ابن الہمام وغیرہ کا بن
القیم والفخر الرازی داورد علیہ المستفی
(فی حاشیہ ص ۶۲) ان هذا ليس بصحيح
لان جمهور العلماء قالوا باجمال الآية
وبكون الحديث مفسر الآية فهذا
يكون ربا حقيقيا لانه ليس في القرآن
ربا سوى ما ثبت كونه ربا بالسنة فلا
يختري على ان نقول ان ما ثبت كونه
ربا من القرآن والحديث هو ربا غير
حقيقي والذي لم يرد فيه حديث ولا
اشترخال عن العلة يكون ربا حقيقيا الخ
والجواب ان قوله ليس في القرآن
ربا سوى ما ثبت كونه ربا بالسنة
غلط ظاهرا كما حققناه قبل وذكرنا
ان الطحاوی صرح بكون ربا القرآن
غير الربا الذي ورد به السنة و
هذا هو الحق والالزام كوز العرب
واهل الكتاب غير عارفين بمعنى
الربا قبل علمهم بالسنة وهذا
لا يقوله من لادنى معرفة بالشا

سے کسی کے لئے بدون عوض کے مشروط ہو
علامہ شیخ زادہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں
کہ لفظ عاقدین بائع و مشتری اور قرض
دہندہ و قرض خواہ سب کو شامل ہے (اس
سے معلوم ہوا کہ ربا جس طرح بیع میں
ہوتا ہے قرض میں بھی ہوتا ہے ۱۲) اور مستفی
وغیرہ کی عبارت سے جو بعض لوگوں نے جن کو
مستفی نے علماء اعلام میں شمار کیا ہے یہ سمجھا
ہے کہ قرض بھی بیع میں داخل ہے اس کا سہو
ہونا ظاہر ہے بلکہ ان عبارات کا مطلب
وہی ہے جو ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ ربا کی
ایک قسم وہ ہے جو بیع میں ہو دوسری وہ جو
قرض میں ہو جیسا امام جصاص اور ابن رشد
بیان کیا ہے اور اس پر تمام علماء کا اتفاق
نقل کیا گیا ہے امام طحاوی بھی اسی کے قائل
ہیں، اور شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی اس کی
تصریح کی ہے اور ان سے پہلے علامہ بن الہمام
اور ابن القيم اور فخر رازی بھی اس کی تصریح کر چکے
ہیں، مستفی نے ان حضرات کی تحقیق پر یہ عرض
کیا ہے کہ ربا القرض کو ربا حقیقی کہنا صحیح نہیں
کیونکہ جمہور علماء آیت ربا کو مجمل اور حدیث کو
اس کا مفسر مانتے ہیں، پس ربا حقیقی وہی ہے۔
(جو حدیث میں مذکور ہے) کیونکہ قرآن میں صرف
اسی ربا کا ذکر ہے جس کا ربا ہونا حدیث سے ثابت
ہے، پس ہم اس قول پر حجرات نہیں کر سکتے کہ

والشرع واما قوله ان الربا الذي جعلوه ربا حقيقيا لم يرد به اثر خال عن العلة فابطل وبطل وسنتكلم عليه فيما سيأتي وان سلمنا فقيام الاجماع على كونه ربا الجاهلية الذي نهى الله عنه في القرآن اغنانا عن تحقيق سندنا وادرد عليه (في حاشية ۲۳)

ايضا بقوله والعجب ان ما يدعى انه ربا حقيقى فلا ذكر له على لسان الشرع واما المحمول عليه والمشبه به فهو مروي عن جماعة من صحابة وكذلك الفقهاء لا يذكرون الربا الحقيقي الا تبعا واستطرادا -

جس صورت کار با ہونا قرآن و حدیث سے ثابت ہے اس کو تو ربا غیر حقیقی کہیں اور جس صورت کے متعلق کوئی حدیث یا اثر خالی عن علت وارد نہیں اس کو ربا حقیقی کہیں اور (جواب) میں کہتا ہوں کہ مستفتی کا یہ قول سراسر غلط ہے کہ قرآن میں صرف اسی ربا کا ذکر ہے جس کا ربا ہونا حدیث سے ثابت ہے کیونکہ ہم طحاوی کا قول اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ ان کے نزدیک ربا قرآنی اس ربا کے علاوہ ہے جو حدیث میں مذکور ہے، اور یہی حق ہے ورنہ لازم آئے گا کہ اہل عرب اور اہل کتاب حدیث کے جاننے سے پہلے ربا کے معنی سے واقف ہی نہ تھے اور جس کو زبان عربی اور شریعت سے کچھ بھی واقفیت

ہے وہ ایسی بات کہنے کی جرات نہیں کر سکتا، رہا یہ کہ جس ربا کو ربا حقیقی کہا جاتا ہے اس کے متعلق کوئی حدیث خالی عن علت وارد نہیں ہوئی الخ یہ بھی بالکل باطل ہے اور ہم عنقریب اس پر بحث کریں گے، اور اگر تھوڑی دیر کو مستفتی کی بات مان لی جائے تو جب علماء نے اس بات پر اجماع کر لیا ہے کہ ربا جاہلی وہی ہے جن سے قرآن میں منع کیا گیا ہے اور وہ قرض میں ہوتی تھی تو اس کے بعد ہم کو ان آثار کی سند سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں، مستفتی نے تحقیق مذکور پر یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ کیسی عجیب بات ہے کہ جس ربا کو ربا حقیقی کہا جاتا ہے اس کا تو شریعت کی زبان پر کچھ بھی ذکر نہیں اور جس کو ربا الحاقی اور مشابہ حقیقی کہا جاتا ہے صحابہ کی جماعت سے وہی منقول ہے نیز فقہاء بھی۔

ویاتون جمیع الفردع والتفصیل فی باب الربا الغیر الحقیقی آھ والجواب عنہ اوکلان الشرع لم یذکر من احکام البنو والعدرة الاحکام النجاسة ولم یعرض

ربا حقیقی کا ذکر محض تبعا کر دیتے ہیں، اور تمامہ تفصیل اور تفریع ربا غیر حقیقی ہی میں بیان کرتے ہیں، اس کا جواب (اولاً یہ ہے کہ شریعت نے پاخانہ اور پیشاب کے متعلق صرف نجاست

لحرمة اكلهما وشربهما وكذا لك الفقهاء
لم يتعرضوا لها وانما ذكروا جميع الفقهاء
والتفاصيل في باب النجاسة فقط
فهل يجترئ احد من الجهلاء فضلا
عن العقلاء على القول بحل تناولهما
اكلًا وشربًا كلالن يجترئ
احد على القول بمثل ذلك
ابدا فكذلك الربا في القرض
ان سلمنا قلة تعرض الشارع
والفقهاء له فليس ذلك لكونه
جائزا او اقل من ربا البيع
حرمة بل سببه عدم الحاجة
الى التعرض به لكون الربا
في القرض والدين معلوما
كونه ربا عار قابلا هو الذي
كانت العامة تعرفه بالربا وربا
البيع كان خافيا على الناس
لم يكونوا يعدونه ربا قلنا العرض
له الشارع والفقهاء اكثر من الاول
فانهم ولا تكن من المكابرين
فان حرمة الربا ليست
مختصة بالشرعية الاسلامية بل
هي محرومة في الاديان والملا كلها
فانشدك الله ان تسئل اهل
الاديان والملا والجهلاء من المسلمين

کا حکم بیان کیا ہے ، کھانے پینے کی حرمت
سے تعرض نہیں کیا اسی طرح فقہاء نے بھی
تمام تفریع و تفصیل تجا ست ہی کے بیان
میں کی ہے کھانے پینے کی حرمت سے تعرض
نہیں کیا ، اب عقلاء کو تو رہنے دو میں چھتا
ہوں کیا کوئی جاہل بھی اس کہنے کی جرأت
کر سکتا ہے کہ پیشاب پاخانہ کا کھانا پینا
داس لئے جائز ہے (کہ شریعت نے
اس سے تعرض نہیں کیا) یقیناً اس کی کوئی
بھی جرأت نہیں کر سکتا ، پس اگر ہم تسلیم
کر لیں کہ شارع نے اور فقہاء نے ربا القرض
سے تعرض کم کیا ہے تو اس کا یہ سبب نہیں
کہ وہ جائز ہے یا ربا البیع سے حرمت میں
کچھ کم ہے ، بلکہ اس کا سبب صرف یہ ہے کہ
اس سے زیادہ تعرض کی ضرورت نہ تھی ،
کیوں کہ ربا القرض کا ربا ہوتا سب کو بخوبی
معلوم تھا ، بلکہ عام لوگ صرف اسی کو ربا
سمجھتے تھے ، ربا البیع کو ربا شمار ہی نہ کرتے
تھے ، اس لئے شارع نے اور فقہاء نے ربا
البیع سے زیادہ تعرض کیا خوب سمجھ لو ، اور
ہٹ دھرمی نہ کرو ، کیونکہ ربا کی حرمت
صرف شریعت اسلامیہ ہی میں نہیں ہے ،
بلکہ تمام ادیان و ملا اس کی حرمت پر متفق
ہیں ، اب میں تم کو خدا کی قسم دیتا
ہوں کہ تم تمام اہل مذاہب سے اور

عن الربا ما هو عند هم فلا تجد
 احد اينكوكون للقرض المشروط
 بالزبادية ربا نعم ربا البيع
 لا يعدة كثير منهم ربا واذا
 كان كذا لك فالشارع الحكيم
 وكذا نوابه الفقهاء لا يتعرضون
 الا لتفصيل ما كان ظاهرا ياديا
 وثانيا اتانا سلم قلنا تعرض لشارع
 ونوابه الفقهاء الربا القرض الذي
 هو ربا حقيقي فقد صرح عنه صلي
 الله عليه وسلم انه قال لا ربا الا
 في النسئة وهو حديث صحيح أخرجه
 البخاري ومسلم وغيرهما عن
 ابن عباس عن اسامة وقد ذكرنا
 انه محمول على الربا الاكبر وقال
 صلي الله عليه وسلم كل قرض جس
 منفعة فهو ربا وهو حديث حسن
 لغيره صرح به العزيمى في شرح الجامع
 الصغير للسيوطي (ص ۸۴، ۸۵ ج ۳)

جاہل مسلمانوں سے ربا کے معنی دریافت کرو
 تو یقیناً ربا القرض کے ربا ہونے سے کوئی
 بھی انکار نہ کرے گا ہاں ایسے بہت ملیں گے
 جو ربا البیع سے ناواقف ہوں گے جب تا
 یہ ہے تو شارع حکیم اور اس کے نابین
 فقہاء کو اسی چیز سے تعرض کی ضرورت تھی
 جو لوگوں سے مخفی ہو اور جو چیز ظاہر و قید
 ہو اس سے تعرض کی کیا ضرورت تھی۔

(دوسرا جواب) ہم کو یہ بھی معلوم نہیں کہ
 شارع نے اور فقہاء نے ربا حقیقی یعنی ربا القرض
 سے تعرض کم کیا ہے، کیونکہ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ربا قرض
 و دین کے سوا کسی میں نہیں، یہ حدیث صحیحہ
 اس کو بخاری و مسلم وغیرہا نے حضرت اسامہ
 سے روایت کیا ہے، اور ہم بتلا چکے ہیں کہ
 اس کے معنی یہ ہیں کہ ربا کا بڑا درجہ قرض و
 دین میں ہے، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم کا ارشاد ہے کہ جو قرض کسی نفع کا سبب
 بنایا جائے وہ ربا ہے، اور یہ حدیث حسن

غیرہ ہے (ملاحظہ ہو عزیمى ریزى شرح جامع صغير سيوطي ص ۸۴، ۸۵ ج ۳)

۸۴ (تنبیه) قال المستفی فی آخر الاستفتاء الوجوب اعتبار العرف والعادة وحال الزمان فی الاحکام فقوال بن
 اہل الاسلام یقتضی تحمیل آية الربا بربا القرض لا غیر فانہم لا یعرفون غیر ذلک بالربا وکذا حال الزمان یقتضی تحمیل ربا
 القرض بشد تحمیل لفشہ الافلاس وکثرة الاعسار فی المسین وضرر اہل الاستقراض من ارباب الاموال وقلیل ماہم ورجوع
 الاسترباح علی القرض لا یزول فلا یسبل یقتضی ذلک الی استباحة بیعتهم وخریج الدیارات والعقار وریعہم
 کما ہو مشاہد فقیہ ترک مصالح العامة لمراعاة الخاصة ولسنک من العدل فی شئ وانما العدل تزج مصالح اکثرین
 علی الاقلین فانہم ۱۲ منہ

والحسن لغیرہ حجت ایضاً کہا لا یحقق علی
 من مارس الحدیث والفقه وسیاً فی
 ذکر الآثار فیہا بعد ان شاء اللہ تعالیٰ
 واما الفقہاء فقد تعرضوا للکلام لقسیمین
 من الربا و لکنہم یبحثون عن ربا البیع
 فی ابواب البیوع وعن ربا الدین
 فی باب القرض ولہما کان ربا البیع
 طویل الذیل دقیق المباحث کثر
 بحثہم عنہ واشتغلوا بتفصیل حکم
 وتفریع شعوبہ بخلاف ربا الدین
 فلم یطولوا فی ذکرہ لضبط احکامہ
 وقلة فروعہ وظہور حقیقتہ علی
 الناس کلہم کہا لا یحقق واكثر الفقہاء
 عرفوا الربا بما یعمہ کلا القسمین ربا
 البایعۃ وربا الدین فقد قال فی
 الہدایۃ الربوا هو الفضل المستحق
 لاحد المتعاقدين فی المعاوضۃ وفي
 الملتقى الربا فضل مال خال عن
 عوض شرط لاحد العاقدین فی معاوضۃ
 مال بمال وفي العالمگیریۃ الربا فی
 الشریعۃ عبارة عن فضل مال لا
 یقابل عوض فی معاوضۃ مال بمال
 وفي النقایۃ الربوا هو فضل خال
 عن عوض بمعیار شرعی بشرط احدا
 المتعاقدين فی المعاوضۃ ذکر الاقوال

اور حدیث حسن بغیرہ بھی حجت ہے جیسا حدیث
 وفقہ پڑھنے پڑھانے والوں پر مخفی نہیں اور
 بعد میں ہم دوسرے آثار بھی ذکر کریں گے،
 اور فقہاء نے تو ربا کی دونوں قسموں سے
 تعرض کیا ہے مگر وہ کتاب البیوع میں ربا البیع
 سے بحث کرتے اور باب القرض میں ربا القرض
 سے گفتگو کرتے ہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ ربا
 البیع کے مباحث چونکہ دقیق اور طویل
 الذیل ہیں اس لئے اس کی تفصیل و تفریع
 میں ان کو زیادہ مشغول ہونا پڑا بخلاف
 ربا القرض کے کہ وہاں ان کو تطویل کی
 ضرورت لاحق نہیں ہوئی، کیونکہ اس کے
 احکام منضبط تھے اور فروع زیادہ نہ تھے
 اور اس کی حقیقت بھی سب پر آشکارا تھی
 اور اکثر فقہاء نے ربا کی تعریف ایسے لفظوں
 سے کی ہے جو ربا کی دونوں قسموں ربا البیع
 اور ربا القرض کو عام ہے چنانچہ ہدایہ میں ہے
 کہ ربا اس زائدہ کو کہتے ہیں جو معاوضہ کے
 کے وقت عاقدین میں سے ایک کے کو ثبات
 کی جائے، اور ملتقی میں ہے کہ ربا وہ زائد مال ہے
 جو بلا عوض کے معاوضہ مال میں عاقدین میں
 سے ایک کے لئے مشروط ہو، عالمگیری میں ہے
 کہ شریعت میں ربا وہ زائد مال ہے جس کے
 مقابلہ میں کوئی عوض نہ ہو معاوضہ مال میں
 اور نقایہ میں ہے کہ ربا وہ زائد مال ہے جو

کلیہا المستفتی نفسہ (ص ۱۰، ۲۵) قاعدہ شرعیہ کے مطابق عوض سے خالی ہو جو
 وفی تنویر الابصار ہو فصل خال معاوضہ مال میں متعاقدین میں سے ایک کے
 عن عوض بمعیار شرعی مشروط لاحد لئے مشروط ہو، ان سب اقوال کو خود مستفتی
 المتعاقدین فی المعاوضۃ والمستفتی نے ما و ۲۵ میں ذکر کیا ہے، اور تنویر میں ہے
 حمل تلك التعريفات کلیہا علی البیع کہ ربا وہ زائد مال ہے جو قاعدہ شرعی کے
 وحمل المتعاقدین علی البائع و موافق عوض سے خالی ہو اور عقد معاوضہ میں
 المشتري وزعم ان القرض ليس من عاقدین میں سے ایک کے لئے مشروط ہو (یہ تمام
 المعاوضۃ وهذا باطل قطعاً فقدال تعریقات ربا البیع اور ربا القرض دونوں کو
 فی رد المحتار تحت تفسیر حصا الدر شامل ہیں) مگر مستفتی نے ان سب کو ربا البیع
 للمتعاقدین بقولہ ای بائع ومشترا کی ساتھ خاص کر کے عاقدین سے بائع و مشتری
 نصہ ای مثلاً فمثلاً المقرضان مراد لئے ہیں اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ قرض عقد
 الراہنان قہستانی ۱ھ (ص ۲۴، ۲۵) معاوضہ نہیں ہے (اس لئے عقد معاوضہ کی
 وكذا افسر العلامة الشيخ زادہ قید قرض کو اس تعریف سے نکال رہی ہے ۱۲)
 لفظ المتعاقدین فی شرح الملتقی بالبا^{ئع} اور یہ دعویٰ بالکل باطل ہے کیونکہ در مختار میں
 اوالمقترضین کما ذکرہ المستفتی نفسہ جو عاقدین کی تفسیر بائع و مشتری سمند کو رہتی
 علامہ شامی نے قہستانی کے حوالہ سے اس کی شرح میں فرمایا ہے کہ یہ تفسیر مثال کے طور پر ہے
 ورنہ بائع و مشتری کی مثل قرض دہندہ و قرض خواہ اور راہن و مرہن بھی اس میں داخل ہیں،
 اسی طرح علامہ شیخ زادہ نے بھی شرح ملتقی میں عاقدین کی تفسیر بائع و مشتری و قرض دہندہ
 و قرض خواہ سے کی ہے جیسا خود مستفتی کو اس کا اقرار ہے،

قلت فكل من ذكر لفظ البيع او البائع اب میں کہتا ہوں کہ جن علماء نے ربا کی تعریف
 والمشتري من الفقهاء في حد الربا فهو میں لفظ بیع یا بائع و مشتری ذکر کیا ہے
 تمثيل وليس مراد قصر الربا وحصه وہ محض مثال کے طور پر ہے، اس کا مطلب
 في البيع كما زعمه المستفتي ووجه ذلك ہرگز نہیں کہ ربا بیع میں منحصر ہے جیسا مستفتی
 البيع والبائعین فی حد الربا تمثیلاً لکثر نے سمجھ لیا، اور مثال کے طور پر انہوں
 بحث الفقهاء عن ربا الفضل لکثرة نے ربا کی تعریف میں لفظ بیع اور بائع

شعوبہ ودقة احکامہ يدل عليه
قول ابن عابدین مورد اعلیٰ حد
الربا الذی ذکرہ فی تنویر الابصار
بہانصہ و هذا لا یخل فی سرباء
النسۃ ولا البیع الفاسد الا اذا
کان فسادہ لعلۃ الربا ثم اجاب عن
هذا لا یراد بقوله فالظاهر من
کلام المصنف تعریف ربا الفضل
لانہ المتبادر عند الاطلاق اھ (۲۴۲)
ای فی کلام الفقہاء لکثرۃ بحثہم عنہ
لما ذکرنا وبہذا ظہر ان صدق ما قلنا
انفا ان الحد ودالتی ذکرہا الفقہاء
فی معنی الربا منہا ما هو حد لا حد قسمیہ
ای ربا البیع ومنہا ما هو حد حقیقی
لہ یعلم کلا القسمین لہ وقد اغتر
المستفتی برؤیتہ لفظ البیع فی بعض
الحدود فزعم ان الربا مختص بالبیع
منحصر فیہ لا غیر واما قوله ان القرض
لیس من المعاوضات فباطل کیف و
قد صرح الفقہاء بكونہ معاوضۃ
انتہاء فکیف لا یكون داخل فی
المعاوضۃ المذكورۃ فی حد الربا الا
ان یقیم الدلیل علی ان المراد بالمعاوضۃ
فیہ المعاوضۃ ابتداء و انتہاء فان
قدرد علی ذلك فلیروا نہا من واحد

و مشتری صرف اس لئے ذکر کر دیا ہے کہ
فقہا ربا الفضل سے زیادہ بحث کرتے ہیں،
کیونکہ اس کے فروع کثیر اور احکام دقیق ہیں
دلیل اس کی یہ ہے کہ علامہ شامی نے اولاً اس
تعریف ربا پر جو تنویر میں مذکور ہے یہ اعتراض
کیا ہے کہ یہ تعریف ربا النسۃ اور بعض بیوع
فاسدہ کو شامل نہیں ہے پھر خود ہی یہ جواب
دیا کہ بظاہر اس عبارت میں مصنف نے صرف
ربا الفضل کی تعریف کی ہے کیونکہ اطلاق کے
وقت فقہاء کے کلام میں متبادر وہی ہے اھ
کیونکہ وہ اس سے زیادہ بحث کرتے ہیں)
اس سے تم کو ہمارے اس دعوے کا سچا ہونا
واضح ہو گیا ہوگا کہ فقہاء نے ربا کی جس قدر
تعریقات کی ہیں ان میں بعض تو اس کی ایک
قسم کی یعنی ربا البیع کی تعریقات ہیں اور بعض
حقیقی تعریقات ہیں جو ربا کی دونوں قسموں کو
شامل ہیں، مگر مستفتی کو بعض تعریقات میں
بیع کا لفظ دیکھنے سے دھوکا ہو گیا وہ یہ سمجھ
گیا کہ ربا بیع ہی میں منحصر ہے، بیع کے سوا کسی
اور صورت میں ربا کا تحقق نہیں ہو سکتا، ربا
مستفتی کا یہ دعویٰ کہ قرض معاوضات میں
داخل نہیں سو یہ بھی غلط ہے، اور یہ دعویٰ کیونکہ
صحیح ہو سکتا ہے جب کہ فقہاء تصریح کر رہے ہیں
کہ قرض انتہاء معاوضہ ہے پھر تعریف ربا
میں جو لفظ معاوضہ مذکور ہے اس میں قرض

من الفقهاء المقتدی بغير في الدين
يفيد تخصيص المعاوضة بالمعنى
الذى ذكره واما نحن قد ادبنا
ما يشعر صريحاً بان ذكر البيع و
البايعين في حد الربا انما هو
للمثيل لا للقصر فكون القرض
غير البيع لا يستلزم خروج عن
المعاوضة ايضاً لاسيما القرض المشروط
بالفضل فانه معاوضة ابتداءً
فان الهبة لما تغيرت عن كونها
تبرعاً محضاً باشتراط العوض فيها
الى كونها معاوضة انتهاءً في حكم
البيع بعد التقابض كما في المهندية
لا بد ان يتغير القرض عن كونه
معاوضة انتهاءً الى كون معاوضة
ابتداءً وانتهاءً بشرط الفضل فيه
ومن ادعى غير ذلك فليأت ببرهان
من كلام الفقهاء ولا يقبل دعواه
فقد بينا فساد قياسه وسيأتي
الإشارة الى كون القرض المشروط
بالفضل في حكم البيع في كلام الامام
مالك والشافعي واما ما نقله المستفق
من تصريح الفقهاء يكون القرض
تبرعاً ابتداءً بخلاف البيع (في حاشية
٢) فكلها في القرض الغير المشروط

کیوں داخل نہ ہوگا، ہاں اگر مستفتی اس
پر دلیل قائم کر سکے کہ یہاں معاوضہ مراد
وہ ہے جو ابتداءً و انتہاءً معاوضہ ہو، تو
فقہاء کے کلام سے وہ کوئی دلیل پیش کرے
ورنہ ہم اس کو فقہاء کی تصریحات دکھلا چکے
ہیں جن سے یہ امر واضح ہے کہ تعریف ربا میں بیع
اور بائع و مشتری کا ذکر محض تمثیل کیلئے ہے ہر
کے لئے نہیں، پس قرض کا بیع سے الگ ہونا
اس کو مستلزم نہیں کہ وہ معاوضات سے
بھی خارج ہو خصوصاً وہ قرض جس میں زیادہ
وصول کرنے کی شرط لگائی گئی ہو کیونکہ وہ تو
ابتداءً و انتہاءً ہر طرح معاوضہ ہے، دیکھو
ہبہ جو کہ تبرع محض ہے، اگر اس میں عوض کی
شرط کر لی جائے تو اب وہ تبرع محض نہ رہے گی
بلکہ انتہاءً معاوضہ بحکم بیع ہو جائے گی، جیسا
عالمگیری میں مذکور ہے، پس ضروری ہے کہ
قرض جب کہ بدون شرط کے انتہاءً معاوضہ
ہے شرط زیادت کے بعد ابتداءً و انتہاءً
معاوضہ ہو جائے اور جس کو اس کے خلاف
کا دعویٰ ہو وہ کلام فقہاء سے اس پر دلیل
لائے تنہا اس کا دعویٰ مسموع نہ ہوگا، اور
عنقریب امام مالک و شافعی کے کلام سے
ہم اس بات کا ثبوت دیں گے کہ جب قرض
میں زیادت کی شرط لگا دی جائے تو وہ بیع
کے حکم میں ہوگا، اور مستفتی نے جو تصریحات

بالفضل والمنفعة وهو عند الجمهور
معاوضة انتهاء ولا عبرة بقول من
جعل عارية وقال انه من باب
الارفاق لا من باب المعاوضات
مطلقا فغلط بين لكونه خلاف
المشاهد وخلاف عرض العاقدان
ولكونه منافيا لحد القرض فان
العارية مردودة بعينها ولذلك
لا يصح عارية الاثمان والمكيل و
الموزون ضرورة استهلاك عينها ولا
كذلك القرض ولولم يكن من
باب المعاوضات لم يستحق الدائن
المطالبة عن المديون اذا اعسر والم
يبقى عنده شيء كالعارية اذا اهلكت
بلا تعد واطلاق المنحة عليه في الحديث
للمترغيب والتخصيص عليه كاطلاق
الصدقة فهل يستدل باطلاق
الصدقة عليه على عدم وجوب الرد
على المديون اصلا -
مطالبه كالحق باقی نہ رہنا چاہئے (بلکہ دین ساقط ہو جائے) جیسے عاریت بدون تعدی کے
ہلاک ہو جائے تو مالک کو مطالبہ کا حق باقی نہیں رہتا، اور حدیث میں جو قرض کو عطیہ کہا گیا ہے یہ
عنوان محض ترغیب کے لئے اختیار کیا گیا ہے، جیسا بعض روایات میں قرض پر صدقہ کا اطلاق
وارد ہے، تو کیا صدقہ کے اطلاق سے اس امر پر استدلال صحیح ہو سکتا ہے کہ مديون پر قرض کا ادا
کرنا اصلا واجب نہیں (کیونکہ وہ تو صدقہ تھا، یہ گفتگو تو اس قرض میں تھی جس میں زیادت اور
منفعت کی شرط نہ ہو ۱۲)

فقہاء کی اس مضمون میں نقل کی ہیں کہ قرض
تبرع ہے بخلاف بیع کے تو یہ سب تصریحات
اس قرض کے متعلق ہیں جس میں زیادہ وصول
کرنے اور کوئی نفع حاصل کرنے کی شرط نہ ہو اور
وہ بھی جمہور کے نزدیک صرف ابتداء تبرع
ہے اور انتہاء معاوضہ ہے اور جن لوگوں نے
قرض کو عاریت قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے
کہ قرض معاوضات کی قسم سے مطلقاً نہیں
بلکہ احسان کی قسم سے ہے اس کی غلطی ظاہر
ہے، کیونکہ یہ مشاہدہ کے بھی خلاف اور قرض
دہندہ و قرضخواہ کی غرض کے بھی خلاف اور
تعریف قرض کے بھی خلاف ہے کیونکہ عاریت
تو بعینہ واپس کی جاتی ہے، اور اسی لئے
روپیہ پیسہ اور مکیل و موزون کی عاریت باطل
ہے، کیونکہ ان کو تو خرچ کر کے کام میں لایا جاتا
ہے بعینہ واپس نہیں کئے جاتے اور قرض کی
یہ شان نہیں اور اگر قرض معاوضات کی قسم سے
نہ ہو تو جس وقت مديون تنگدست ہو جائے
اور اس کے پاس کچھ نہ ہے اس وقت دائن کو

واما القرض المشروط بالفضل والمنفعة
فلم يقل احد ان من باب الارفاق بل
اتفقوا على كونه مثل البيع ثم اختلفوا
فقال الشافعي ومالك بطلان عقد
القرض اما قول الشافعي فذكره
العزیزی فی شرح حدیث کل قرض
جر منفعۃ فهو ربا ای فهو حرام و
عقد القرض باطل (ص ۳۸۷)
وقول مالك ذكره في المدونة و
سياقي، وقال الحنفية يبطل الشرط
لكونه منافيا للعقد ويبقى القرض
صحیحا وقوله بطلان الشرط لكونه
منافيا للعقد فيه تصريح بان القرض
اذا كان مشروطا بالمنفعة يلزم منه
انقلابه بيعا ولذا ابطالوا الشرط
حفظا للعقد عن الانقلاب والاحم
يكن لا بطلان معنى ومرادهم بكون
القرض صحیحا والشرط باطلا ان
المستقرض اذا قبض الدراهم التي
استقرضها بالشرط يصير دينه عليه ولا
تكون امانة غير مضمونة واما
ان الاقراض والاستقراض بالشرط
جائز فكلا فقد صرح في الدر عن
المخلص القرض بالشرط حرام والشرط
لغويته ايضا واعلم ان المقبوض

ربا وہ قرض جس میں زیادت اور منفعت
حاصل کرنے کی شرط ہو تو اس کو بابل حسان
میں کسی نے داخل نہیں کیا بلکہ اتفاقاً سب نے
اس کو مثل بیع کے قرار دیا ہے، اس کے بعد
پھر اختلاف ہوا ہے کہ اس شرط سے عقد قرض
باطل ہو گا یا نہیں، امام مالک و شافعی کے
نزدیک تو عقد قرض ہی باطل ہو جائے گا
اور حنفیہ کے نزدیک شرط باطل ہو جائے گی
کیونکہ وہ عقد کے متافی ہے، اور عقد قرض
صحیح رہے گا، مگر حنفیہ کا اس شرط کو متافی عقد
سمجھ کر باطل کرنا صراحتاً اس امر کو تسلیم کرتا ہے
کہ قرض میں منفعت و زیادت کی شرط لگانے
سے اس کی حقیقت بدل جاتی ہے، اور بیع
کی طرف منقلب ہو جاتی ہے ورنہ ابطال
شرط کی ان کو کیا ضرورت تھی، اور اس صورت
میں قرض کو صحیح اور شرط کو باطل کہنے کا مطلب
صرف یہ ہے کہ قرض خواہ جب اس رقم پر قبضہ
کر لے جس کو شرط کے ساتھ قرض لے رہا ہے
تو قبضہ کے بعد یہ رقم اس کے ذمہ واجب
ہو جائے گی، محض امانت نہ ہوگی کہ اس کا ضمان
لازم نہ ہو اور یہ مطلب ہرگز نہیں کہ شرط
نفع کے ساتھ قرض کا لین دین جائز ہے،
کیونکہ درمختار میں بحوالہ خلاصہ اس کی تصریح
موجود ہے کہ شرط کے ساتھ قرض کا معاملہ
حرام ہے اور شرط باطل ہے، اور اسی میں

بقرض فاسد كمقبوض ببيع فاسد
سواء اهر (ص ٢٦٦ و ص ٢٤٠ و ج ٢) فثبت
بذلك ان القرض المشروط بالنفع كالمبيع
عندهم ولذا ابطال الشافعي ومالك
عقد القرض والحنفية ابطالوا الشرط
صونال عن معنى البيع فافهم فقول
المستفتى ان القرض من التبرعات دون
المعاوضات عند الفقهاء غلط بين ان
اراد به ان من التبرعات المحضه و
ليس من المعاوضه في شيء فانهم لما
عرفوا الربا يفضل خال عن عوض واحد
من المتعاقدين في المعاوضه وفسرط
المتعاقدين في المعاوضه وفسرط
المتعاقدين بالبائع والمقترضين
وصرحوا بان ذكر بعضهم البائع و
المشتري في تفسير المتعاقدين انما
هو مجرد تمثيل ظهري ذلك كون
القرض والاقتراض من المعاوضه و
الاكان قيد المعاوضه منافيا لتعظيم
المتعاقدين للمقترضين ولا يلزم
من كونه معاوضه كونه بيعا فان الرهن
ايضا من المعاوضه وليس من البيع
فا فهم فقد ظهري بذلك بطلان ما
اراده المستفتى باثبات المعاوضه
بين القرض والبيع (في ط ٢٦٠، ٢٤٠، ٢٣٩، ٢٣٨)

یہ بھی مذکور ہے کہ جس شے پر قرض فاسد میں قبضہ کیا جائے اس کا وہی حکم ہے جو بیع فاسد میں قبضہ کے بعد حکم ہے آہ، اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ کے نزدیک قرض مشروط مثل بیع کے ہے، اسی لئے شافعیہ و مالکیہ نے تو اس صورت میں قرض ہی کو باطل کہا، اور حنفیہ نے شرط کو باطل کہا تا کہ قرض کی حقیقت انقلاب سے محفوظ ہے اور اگر شرط کی پابندی کے ساتھ قرض کی رقم پر قبضہ کیا گیا تو اس کا حکم وہی ہوگا جو بیع فاسد میں قبضہ کا حکم ہے۔ خوب سمجھ لو، پس تنفی کا یہ قول کہ فقہاء کے نزدیک قرض تبرعات میں سے ہے معاوضات میں سے نہیں، اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ قرض خالص تبرع ہے، کسی درجہ میں بھی معاوضہ نہیں تو یہ صراحت غلط ہے، کیونکہ فقہاء نے ربا کی تعریف اس طرح کی ہے کہ ربا وہ زائد مال ہے جو عوض سے خالی ہو اور معاوضہ مالیہ میں متعاقدین میں سے ایک کے لئے ثابت ہو، اور متعاقدین کی تفسیر بائع و مشتری و قرض خواہ و قرض دہندہ سے کی ہے اور اس کی تصریح کر دی ہے کہ جس نے متعاقدین کی تفسیر بائع و مشتری سے کی ہو اس نے حصر کا قصد نہیں کیا، بلکہ محض تمثیل کے طور پر بائع و مشتری کا ذکر کیا ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ قرض بھی معاوضہ کی

و حاصلہ ان الربا مختص بالبيع والقرض
لیس منه وهذا كله بناءً على الفاسد على
الفاسد فقد بينا ان الربوا لا يخص
في البيع بل يجري في المعاوضات باسرها
والقرض من المعاوضات لا سيما القرض
المشروط بالنفع فانه مثل البيع و
اکبر ما استدال به المستفتی علی عدم
جریان الربا فی القرض وقصره علی البيع
ان تحقق الربا لا يتوقف على الشرط
بل الزيادة بلا شرط ربا ايضا كما صرح
بها ابن عابدین فی شرح الدرر،
(ص ۲۴۴، جلد ۴)

قسم سے ہے ورنہ ربا کی تعریف میں لفظ
معاوضہ بیان کرنے کے بعد متعاقبین کے
تحت میں قرض دہندہ و قرض خواہ کا داخل
کرنا صحیح نہ ہوتا، اور قرض کا معاوضہ میں
داخل ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ وہ
بیع میں بھی داخل ہو جائے، دیکھو رہن عقد
معاوضہ ہے، مگر بیع نہیں ہے، خوب سمجھ لو
پس مستفتی نے جو بیع و قرض میں منافات ثابت
کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ربا بیع کے ساتھ
خاص ہے، اور قرض بیع نہیں، اس لئے
قرض میں ربا کا تحقق نہیں ہوتا، اس کا باطل
ولغو اور بنا، الفاسد علی الفاسد ہونا واضح
ہو گیا، کیونکہ ہم تبلا چکے کہ ربا بیع میں منحصر نہیں، بلکہ تمام معاوضات میں اس کا تحقق
ہوتا ہے اور قرض بھی معاوضہ میں داخل ہے، خصوصاً وہ قرض جس میں زیادت اور
نفع کی شرط ہو کہ وہ تو مثل بیع کے ہے۔

اب ہم مستفتی کی ایک بڑی دلیل کا جواب دینا چاہتے ہیں جس پر اس کو بہت کچھ ناز ہے
اس نے ربا کو بیع میں منحصر کرنے اور قرض سے الگ کرنے پر استدلال کرتے ہوئے یہ مقدمہ
بیان کیا ہے کہ ”ربا کا تحقق شرط پر موقوف نہیں، بلکہ بدون شرط کے بھی ربا حرام ہے،
علامہ ابن عابدین شامی نے اس کی تصریح کی ہے،

قال ودليله ما في المدونة من ان ربا بكرة
الصديق رضي الله عنه راطل ابارافع
المحدث (۲)، قال المستفتی فی دلالة
على ان الزيادة فيه القرض ليست
ربا لانه لو كانت ربا لحرمت بدون
شرط ايضا ولم يقتل به الفقهاء على

اور مدونہ کی ایک روایت سے بھی اس کی
تائید ہوتی ہے، کہ حضرت صدیق اکبر رضی
اللہ عنہ نے ابو رافع رضی سے چاندی کے غلخال
چاندی کے عوض خریدے اور غلخال چاندی
سے کچھ جھکتے رہے، حضرت صدیق ثانی نے
غلخال کو کاٹ کر چاندی کے برابر کرنا چاہا،

انه ثبت بالا حدیث الصحیحة ان
النبی صلی اللہ علیہ وسلم زاد وقت
الاداء فی القرض اھ (ص)

اقوال اما استدلالہ باشر
الصدیق علی ان الربا کا يتوقف

تحققہ مطلقاً علی الشرط فغیرتاً

لوجه الاول ضعف الاثر وشدة

وهنه فان فی سندہ محمد بن

السائب الکلبی متروک بالمرۃ متهم

بالکذب ورعی بالرفض کما فی

التقریب (ص ۱۸۲) وتہذیب التہذیب

(ص ۱۴۸، ج ۹) وهو یروی عن اخیه

سلمۃ بن السائب وهو مجهول لا

یعرف لہ راو غیر اخیه محمد بن السائب

الکلبی ولم یشیت سماع سلمۃ بن السائب

عن ابی رافع والحجۃ من الذی یضعف

حجۃ الجہم ورویحدیث کل قرض جر

منفعۃ فہو ربا کیف یؤسن بنیاناً

دعواہ علی مثل هذا الاثر الواہی

فلم یبق لہ دلیل فی عدم توقف

تحقق الربا علی الشرط سوی قول ابن

عابدین فی ذلک حجۃ لہ فلیکن قولہ

فی تفسیر المتعاقدين مثل المقتدر^{ہین}

والراہمتین حجۃ علیہا یضاً وهو

یفید جریان الربا فی القرض وکونہ

تو البورافع رضی نے کہا آپ ایسا نہ کریں میں
زیادت کو آپ کے لئے حلال کرتا ہوں، حضرت
صدیق رضی نے جواب دیا کہ تم نے حلال کر دیا
تو اللہ و رسول نے تو اس کو حلال نہیں کیا
غرض آپ نے غلطی کو کاٹ کر چاندی کے
برابر کر دیا الخ مستفتی کہتا ہے کہ اس سے
معلوم ہوا کہ قرض سے زائد وصول کرنا ربا
نہیں، کیونکہ اگر ربا ہو تو بدون شرط کے
بھی حرام ہوتا، حالانکہ فقہاء بدون شرط
کے قرض میں زیادت کو جائز کہتے ہیں،
علاوہ انہیں یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم سے صحیح احادیث میں یہ ثابت ہے کہ آپ نے
ادائے قرض کے وقت (اصل قرض سے)
زائد ادا فرمایا اھ۔

جواب، حضرت صدیق کے اثر سے اس
دعویٰ پر استدلال کرنا کہ ”ربا کا تحقق مطلقاً
شرط پر موقوف نہیں“ چند وجوہ سے ناتمام
ہے، اول اس لئے کہ یہ اثر ضعیف اور بہت
کم زور ہے، کیونکہ اس کی سند میں محمد بن
السائب کلبی (راوی) ہے جو بالکل متروک
اور کذب و رفض سے متہم ہے، پھر وہ اپنے
بھائی سلمہ یا ابوسلمہ سے روایت کر رہا ہے
اور وہ مجہول ہے جس سے بحر محمد بن سائب
کے کسی نے روایت نہیں کی پھر سلمہ بن سائب
ربا ابوسلمہ کا سماع البورافع سے ثابت نہیں۔

من المعاوضة خلاف ما ذهب المستنف
 وثانياً ان لسلمتنا صحة الاشر
 معایة ما فیر ان تحقق الربا فی
 الماطلة (ای بیع الذهب بالذهب
 والورق بالورق) لا یتوقف علی
 الشرط فان الاثر انما ورد فی ربا
 البیع وربا الفضل ولا یلزم منه
 عدم توقف تحقق علی الشرط فی
 ربا الدین ایضاً وثالثاً اننا لانسلم
 ان تحقق الربا فی القرض موقوف
 علی الشرط عند الفقهاء مطلباً بل
 فیه تفصیل عندهم حاصله ان
 المنفعة الحاصلة من المقرض
 لا تخلو اما ان تكون قبل اداء الدین
 او بعده۔

مستفتی کو شرم کرنا چاہئے کہ وہ حدیث
 کل قرض جر نفعا فہو ربا کو تو ضعیف کہتا ہے
 جس سے اس کے نزدیک بھی جہود علماء نے
 احتجاج کیا ہے، اور خود ایسی کمزور سند پر
 اپنے دعویٰ کی بنیاد قائم کر رہا ہے (جو
 کسی درجہ میں حجت بننے کے قابل نہیں)
 پس اب سوائے علامہ شامی کے قول کے
 اس کے دعوے کی دلیل کچھ نہ رہی بلکہ
 اگر علامہ شامی کا یہ قول حجت ہے تو ان کا یہ
 ان کا قول بھی حجت ہونا چاہئے کہ ربا کی تصریح
 میں لفظ متقا دین قرض دہندہ و قرض
 خواہ کو بھی عام ہے جس سے مستفتی کے خلاف
 یہ ثابت ہوتا ہے کہ ربا قرض میں بھی متحقق ہوتا
 ہے اور قرض معاوضات کی قسم ہے، دوسرے
 اگر ہم افر صلیق کو صحیح مان لیں تو اس سے
 صرف اتنا ثابت ہوگا کہ جب چاندی کو چاندی کے یا سونے کو سونے کے بدلے بیع کیا جائے
 تو اس وقت ربا کا تحقق شرط پر موقوف نہیں کیونکہ یہ اثر زبا البیع ہی کے متعلق ہے، اس
 سے یہ کیونکر لازم آگیا کہ ربا کا تحقق مطلقاً شرط پر موقوف نہیں، کیونکہ ربا کی ایک
 قسم کے شرط پر موقوف نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا، کہ دوسری قسم یعنی ربا القرض
 بھی شرط پر موقوف نہ ہو، تیسرے ہم یہ بھی تسلیم نہیں کرتے کہ قرض میں ربا کا تحقق فقہاء کے نزدیک
 ہر حالت میں شرط پر موقوف ہے بلکہ ان کے نزدیک اس میں تفصیل ہے، جس کا خلاصہ یہ
 ہے کہ مدیون سے جو منفعات حاصل ہوتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں، ایک یہ کہ ادائے
 قرض سے پہلے یا بعد میں حاصل ہو،

کانت یہدی العزیم الی الدائن او
 یطعمہ الطعام و نحوه او تكون

مثلاً مدیون اور قرض سے پہلے یا بعد
 قرض دہندہ کو ہدیہ دے یا اس کی دعوت

وقت اللداء و هذا الاخير على وجهين
 اما ان تكون المنفعة الحام اي من
 جنس الجودة او من جنس الزيادة
 في الوزن والكيل فهذه صورتان
 والا فلا تتوقف على متيها على
 الشرط عند البعض والثالثة حوام
 مطلقا سواء كان مشروطا او لا
 ان تكون زيادة قليلة لا تظهر في
 موازين الوزنين كزيادة دانق
 في مائة درهم ونحوها او تكون
 الزيادة بطريق الهبة والعطية
 والثالثة ويعتبر في مشروط
 الهبة من صحتها في المشاع فيما
 لا يقسم وعدم صحتها في مشاع
 يقسم وصرح مالك بأشترائط
 ان تكون هبة الزيادة في غير
 مجلس قضاء الدين ولا يجوز ان
 تبدل المجلس قال الشافعي في
 رد المختار تحت قول الدر فلو استقر
 الدر اهر المكسورة على ان يؤدى
 صحيحا كان باطلا وكذا الوافرضه
 طعاما بشرط رده في مكان اخر و

کروے، دوسرے یہ کہ ادائے قرض کے
 وقت منفعت حاصل ہو، اور اس کی پھر
 دو قسمیں ہیں، ایک یہ کہ وہ منفعت اوصاف
 کی قسم سے ہو مثلاً قرض دینے والے کے بچے
 کھوٹے تھے، مدیون نے کھرے ادا کئے،
 دوسرے یہ کہ وہ منفعت وزن اور مقدار
 کی زیادتی کی صورت میں ہو، یہ کل تین قسمیں
 ہوئیں، جن میں سے پہلی دو قسموں کا حرام
 ہوتا تو بعض فقہار کے نزدیک شرط پر
 موقوف ہے، اور تیسری صورت مطلقاً
 حرام ہے، خواہ شرط ہو، یا نہ ہو، البتہ
 اگر زیادتِ قلیل مقدار میں ہو جو کسی وزن
 میں ظاہر ہوتی ہو اور کسی میں ظاہر نہ ہوتی
 ہو جیسے سودِ رہم پر ایک دانگ زیادہ
 ہو جائے یا یہ زیادت بطریق ہبہ و عطا
 کے ہو تو جائز ہے مگر اس صورت میں شرط
 ہبہ کی رعایت لازم ہوگی، مثلاً مشاع غیر
 قابل قسمت ہو تو یہ زیادتی جائز ہوگی،
 اور مشاع قابل تقسیم میں جائز نہ ہوگی
 اور امام مالکؒ کے نزدیک یہ شرط بھی
 ہے کہ اس زیادت کو مجلسِ ادا میں
 ہبہ نہ کیا جائے بلکہ دوسری مجلس میں ہبہ

یہ اسی المنفعة الحاصلة قبل لاداء اوبعدہ والحاصلة وقت الاداء من قبل بقوله ۱۲ من عہدہ و هذا هو معنى قول الشافعي في
 الام ان سلفه شيئاً ثم اقصى منه قل فلا باس لانه متطوع له بهية افضل من ذلك ان تطوع لالقاضي اكثر من ذلك به
 فلا باس لي ان قال فلا باس اذا كان هذا متطوعاً وان كان هذا عن شرط فلا خيرة فيه لان هذا حينئذ ذهب بذهب اكثر
 من هذا ص ۲۸ و ۳۰ ج ۳ وفيه دلالة على ان القرض ينقلب بيعاً بالاشترط فانهم ۱۲ من

كان عليه مثل ما قبض فان قصاه
اجود بلا شرط جاز ويحب الدائن
على قبول الاجود وقيل لا يحرام مانعه
وذكر الشارح اعطاء الاجود ولحمية
الزيادة وفي الخاتمة واز اعطاه
المديون اكثر مما عليه من تافا كانت
الزيادة تجوز بين الوزنين اي بان
كانت تظهر في ميزان دون ميزان
جاز واجمعوا على ان البدل في المائة
يسير بجوز بين الوزنين وقد ردد
والد رهنين كثير لا يجوز وختلفوا
في نصف الدرهم قال الدبوسي
انه في المائة كثير يرد على صاحبها
فان كانت كثيرة لا تجوز بين الوزنين
ان لم يعلم المديون بهاترد على
صاحبها وان علم واعطاها اختيارا
ان كانت الدرهم المذ فوعة مكسرة
او صمحا حالا يضرها التبعض
لا يجوز اذا علم الدافع
والقايض وتكون هبة المشاع
فيها يحتمل القسمة و
ان كان يضرها التبعض
وعلمها جاز وتكون هبة
المشاع فيما لا يحتمل القسمة

(اھ (ص ۲۷۰، ۲۷۱)

کیا جائے ورنہ یہ زیادت جائز نہ ہوگی
درختار میں ہے کہ اگر کسی نے ٹوٹے ہوئے
درہم اس شرط کے ساتھ قرض لئے کہ ادا
کے وقت سالم درہم دے گا تو یہ صورت
باطل ہے، اسی طرح اگر کسی کو غلہ اتیس
شرط پر قرض دیا گیا کہ دوسرے مقام پر
ادا کرنا لازم ہوگا یہ بھی جائز نہیں، کیونکہ
یہ شخص قرض کے ذریعہ بار برداری کے
مصارف سے بچنا چاہتا ہے (۱۲) اور مدیون
کے ذمہ ویسی ہی چیز ادا کرنا واجب ہے
جیسی اس نے لی ہے، ہاں اگر بدون شرط
کے اس سے عمدہ ادا کر دے تو جائز ہے
اور قرض دہندہ کو اس صورت میں عمدہ
ہی کے لینے پر مجبور کیا جائے گا اور ایک
روایت ہے کہ مجبور نہ کیا جائے گا، بجز علا
ئہ اس کے تحت فرماتے ہیں کہ شائع نے
عمدگی ادا کا تو ذکر کیا مگر زیادہ ادا کرنے کا
ذکر نہیں کیا سو اس کا حکم غائیہ میں اتیس
طرح ہے کہ اگر مدیون ادا کے وقت وزن
میں زیادتی کرے تو اگر یہ زیادتی مقداری
میں ہو جو کسی ترازو میں ظاہر نہ ہو تو جائز
ہے اور اس پر فقہار کا اتفاق ہے کہ سو
درہم میں ایک دانگ کی زیادتی بہت
کم ہے، جو ہر وزن میں ظاہر نہیں ہو سکتی
اور ایک درہم دو درہم کی زیادتی کثیر

وہ جائز نہیں، اور نصف درہم میں اختلاف ہے، ابو زید دہلوی کا قول یہ ہے کہ سود درہم میں نصف درہم کی زیادتی بہت ہے، اس کو مالک کے حوالہ کر دینا چاہئے اور زیادت کثیرہ میں تفصیل یہ ہے کہ اگر مدیون کو اس کی خبر نہ ہو کہ میں زیادہ دے رہا ہوں جب تو اس کا واپس کرنا واجب ہے، اور اگر وہ جان بوجھ کر اپنے اختیار سے زیادہ دے رہا ہے تو اگر یہ درہم ٹوٹے ہوئے ہوں یا سالم ہوں مگر ان کے توڑنے میں نقصان نہ ہو تو یہ زیادت جائز نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں مشاع قابل تقسیم کا ہبہ لازم آئے گا (اور وہ درست نہیں) ہاں اگر ان درہم کا توڑنا مضر ہو اور قرض دہندہ و قرض خواہ دونوں کو زیادت کا علم ہو تو جائز ہے، کیونکہ اس صورت میں مشاع غیر قابل تقسیم کا ہبہ ہوگا (جو درست ہے) آم،

خلاصہ میں بھی اسی کے مثل ہے، اور عالمگیری میں اول مدیون کا ہدیہ اور دعوت قبول کرنے کا حکم بیان کرتے ہوئے کرنخی اور شمس الاشمہ حلوانی کا اختلاف ذکر کیا ہے، کہ کرنخی کے نزدیک مدیون کا ہدیہ اور دعوت قبول کرنا جائز ہے جب کہ شرط نہ کی گئی ہو، اور شمس الاشمہ نے بدون شرط کے بھی اس کو حرام کہا ہے، وہ کہتے ہیں کہ امام محمد نے جو اس کو جائز فرمایا ہے ان کا قول اس صورت پر محمول ہے جب کہ مدیون معاملہ قرض سے پہلے بھی دعوت کیا کرتا ہو اور اگر اس سے پہلے دعوت نہ کرتا ہو یا کرتا ہو مگر پہلے بیس دن میں ایک دفعہ کرتا تھا اور قرض کے بعد ہر دس دن میں دعوت کرنے لگا، یا

ومثله في الخلاصة (ص ۱۰۲ ج ۳) وفي
العالمگیری في قبول هدية العزيم
واجابة دعوت بعد ذكر الاختلاف
بين الكرخي وشمس الاشمه الحلواني
فقال الاول لا بأس به اذا لم يكن
مشروطا في القرض وقال الثاني انه
حرام مانصه قال شمس الاشمه ما ذكر
محمد رقی کتاب الصرافۃ لا بأس
بہ، محدود علی ما اذا كان یطلبه قبل
الاتراض اما اذا كان لا یدعوہ او یدع
قبله فی کل عشرین یوما بعد الاتراض
جعل یدعوہ فی کل عشرۃ ایام او
زاد فی الباجات فانه لا یحل ینکون
خبیثا واذا رجع فی یدل القرض
ولم یکن الرجحان مشروطا فی القرض

بعد الرجحان یقلل و ما یكون ہبۃ بدیل ما سیا فی ۱۲۷

فلا بأس به كذا في المحيط وان
اعطاء المديون اكثر مما عليه زنا فان
كانت الزيادة تجرى بين الوزنين
جاز واجمعوا على ازالة النقص في المائة
يسير يجرى بين الوزنين وقد الدرهم
والدرهمين كثيرا يجوزواختلفوا
فنصف الدرهم قال الدبوسي نصف
الدرهم في المائة كثير سود على صاحب
فان كانت الزيادة كثيرة لا تجوز بين
الوزنين ان لم يعلم المديون بالزيادة
يرد على صاحبها وان علم المديون بالزيادة
فاعطاء الزيادة اختيارا هل يحل الزيادة
للقابض ان كانت الدرهم المدفوعة
مكسرة او صحاحا لا يضرة التبويض
لا يجوز اذا علم الدافع والقابض واما
اذا كانت الدرهم صحاحا يضرها
الكسر فان كان الرجحان
زيادة يمكن تمييزها بدون
الكسر بان كان يوجد فيها
درهم خفيف يكون مقدار
الزيادة لا يجوز وان كان الرجحان
زيادة لا يمكن تمييزها بدون الكسر
يجوز بطريق الهبة كذا في المحيط
(ص ۱۱۱، ج ۴) وبهذا التفصيل نذ
ما عسى ان يتوهم۔

الوان طام زياده کرنے لگا تو دعوت زياده حلال نہیں بلکہ
جہت ہے، اس کے بعد زيادت کا حکم اس طرح بیان کیا ہے کہ اگر
ادائے قرض کے وقت مديون نے کچھ مقدار
بڑھا کر رقم دی اور یہ زيادت قرض میں
مشروط نہ تھی، تو اس کا مضائقہ نہیں (محیط،
مراد زيادت بقدر قليل ہے یا وہ زيادت
جو بطریق ہبہ کے ہو جیسا آئندہ معلوم ہوگا
اور اگر مديون نے قرض کی رقم سے کچھ زيادہ
دیا جس سے وزن بڑھ گیا تو اگر یہ زيادت
ہر وزن میں ظاہر نہ ہوتی ہو تو جائز ہے اور
فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ سود ہر ہم میں
ایک دانگ کی زيادتی معمولی ہے، جو ہر
وزن میں ظاہر نہیں ہوتی، اور ایک درہم
دو درہم بہت ہے، اتنی زيادتی جائز
نہیں، اور نصف درہم کے بارہ میں
اختلاف ہے، امام دیوبند فرماتے ہیں کہ
یہ بھی زيادہ ہے جس کا مالک کو واپس کرنا
لازم ہے، اور جو زيادت کثیر ہو کہ ہر وزن
میں ظاہر ہوتی ہو اس کے حکم میں تفصیل
ہے کہ اگر مديون کو رادلے قرض کے وقت
اس زيادت کا علم نہ ہو تو اس کا واپس
کرنا لازم ہے، اور اگر وہ جان بوجھ کر اپنے
اختیار سے زيادہ دے رہا ہے تو کیا اس کا
لینا قرض دہندہ کو جائز ہے، اس میں
تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر یہ درہم جو

قرض میں ادا کئے گئے ہیں ٹوٹے ہوئے ہوں یا سالم ہوں مگر ان کے توڑنے میں نقصان نہ ہو تو زیادت جائز نہیں، جب کہ دائن و مدیون دونوں کو زیادت کا علم ہے، اور اگر یہ درہم سالم ہوں اور ان کے توڑنے میں نقصان ہو تو اگر یہ زیادت بغیر درہم کے توڑنے کے ممتاز اور جدا ہو سکے مثلاً ان درہم کے اندر کوئی درہم ہلکا موجود ہو جو اس زیادت کے برابر ہے تب بھی یہ زیادت جائز نہیں، اور اگر بدون درہم کے توڑنے کے اس زیادت کو ممتاز نہ کر سکیں اس صورت میں یہ زیادت بطریق بہہ کے جائز ہے، محیط میں اسی طرح ہے، آہ، میں کہتا ہوں کہ اس تفصیل سے یہ درہم دفع ہو گیا کہ:-

ان مدارجواز الرجحان فی الوزنی بدل القرض علی اشتراط الرجحان وعدہ اشتراطہ کلابل الرجحان ازکا مشروطا لایجوز مطلقا لایقلیلا ولا کثیرا واما الکلام فی الغیر المشروط فیجوز بطریق الہبۃ اذا کان مشاعا فیما لایقسم ولا یجوز فیما یقسم الا مفرقا متمیزا فلو کان مداد الجواز علی علی الاشتراط لویحتاجوا الی مثل هذا الطویل والتفصیل فیما یقسم ولا یقسم و فیما یجوز بین الوزنین و فیما لایجوز بینہما فافہم و صرح ابن القاسم فی المذنبۃ عن مالک فی الرجل یتسلف الدراہم فیقضہ اوزن او اکثر قال لایعجبنی ان یقضب فضل عدد لانی ذہب ولا فی طعام عندا ما یقضیہ ولو کان ذلک بعد ذلک لماربذک بأسا اذا لم یکن فی ذلک عادۃ ولا موعود معنی

اس زیادت کے جائز اور ناجائز ہونے کا مدار شرط کرنے یا شرط نہ کرنے پر ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ زیادت اگر مشروط ہو وہ تو کسی حال میں جائز نہ ہوگی، خواہ قلیل ہو یا کثیر، یہ تمام تر گفتگو تو زیادت غیر مشروط ہی میں ہے، کہ مشاع و قابل تقسیم میں بطریق بہہ کے جائز ہے، اور اگر اس کے جواز و عدم جواز کا مدار شرط کرنے یا نہ کرنے پر ہوتا تو فقہار کو اس تفصیل کی کیا ضرورت تھی کہ وہ زیادہ ہر وزن میں ظاہر ہوتی ہے یا نہیں اور مشاع و قابل تقسیم میں ہے یا غیر قابل تقسیم میں وغیرہ وغیرہ بلکہ صرف اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ مشروط نہ ہو تو جائز ہے (۱۲) خوب سمجھ لو۔

کہ ای عرف متعارف ولا بد من ہذا القیود عندنا ایضا فان المعروف کالمشروط کما صرح بہ فقہائنا فی (بقیہ برص ۲۳۱)

قوله بعد ذلك اى بعد مجلس لقضاء
الذى يقضيه فيه يزيد بعد ذلك
واما حين يقضيه فلا يزيد في ذلك
المجلس اه (ص ۱۰۴ ج ۳) قلت و
الزيادة بطريق الهبة يجوز في بيع
الصرف ايضا كما استذكروا وعلى هذا
فاثر ابي بكر الصديق الذي نقله المستفتي
عن المدونة محمول عندنا على التوع
والتنزه على تقدير صحة لان ابارأتم
كان قد احل له الزيادة اى وهبها
له والخلخال مما يتضرر بالكسر و
ينتقص به وهبة المشاع فيما لا يقسم
جائز ومعه ذلك لم يرض بها الصديق
وردها عليه فذلك من درعه رضى الله
عنه وتقواه قال في الدرر فليس الفضل
في الهبة بربا فلو شري عشرة دراهم
فضة بعشرة دراهم و زادها انقا

اور ابن القاسم نے مدونہ میں امام مالک سے
صراحت یہ مسئلہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص کچھ دراهم
قرض کرے پھر اس سے زیادہ ادا کرے، خواہ
وزن میں یا شمار میں، تو اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا
کہ مجھ کو یہ بات پسند نہیں کہ ادائے قرض کو وقت
شمار میں زیادتی کی جائے، نہ سونے (چاندی)
میں نہ غلے میں، ہاں اگر اس کے بعد کچھ زیادہ
دیدے تو اس کا مضائقہ نہیں بشرطیکہ (بیمیں)
بھی یہ زیادتی (صرف یا وعدہ (اور شرط) کی
وجہ سے نہ ہو، اور بعد میں دینے کے معنی ہیں
کہ جس مجلس میں قرض ادا کر رہا ہے اس میں کچھ
زیادہ نہ دے بلکہ اس مجلس کے بعد دوسری
مجلس میں دے، آہ میں کہتا ہوں کہ ہبہ کے
طور پر زیادہ دینا بیع صرف میں بھی جائز ہے
جیسا عنقریب معلوم ہوگا، پس اگر حضرت
صدیق کا وہ اثر جو مستفتی نے مدونہ میں نقل
کیا ہے، صحیح بھی مان لیا جائے تو ہمارے نزدیک

(بقیہ حافیہ ص ۲۳۰) غیر ما موضع واما ما ذکرہ الحموی تحت قول الاشباہ لو جرت عادة المقرض یرد الزید مما
اقترض بل یحرم اقرضته تنزیلا لعادة بمنزلة الشرط آہ، مانصہ قیل الذی یؤدی الیہ نظر القیہ انہ لا یحرم لانہ
على المكافات على المعروف وهو مندوب الیه شرعا حیث دفعه المقرض قرضا محضا فجازاہ علیہ ولم یشترط دفعه
المستقرض لا علی وجه الربو اه (ص ۸۲) ففیہ انہ لا یحیل الاقراض من القواعد والضوابط وانما علی المفتی
حکایۃ لنقل الصریح كما صرح به الحموی بعد ذلك لتبیل فالقول الذی حکاہ بقیل لاجتہ فیہ مع کون خلاف للمعاذ
المشہورۃ المشروط عرفا کالمشروط شرعا وان سلم فلما رآہ فیہ للمستفتی لاتفاق ہذا القائل علی حرمتہ اذا کان مشروطا
واللہ اعلم ۱۳ منہ لہ قال الشافعی فی مسئلۃ مرأطۃ الذہب اى بیعہا بالوزن مانصہ وان رجبت احدی الذین
فلان باس ان یتک صا د ب الفضل فضلہ لصاحبہ لان ہذا غیر الصفقة الاولى ۱۴ (ص ۲۹ ج ۳) اى کونہ ہبۃ والہبۃ
صفقة اخرى غیر البیع واللہ اعلم ۱۵ منہ اس سے جواز مع الکراہتہ پر استدلال نہیں ہو سکتا، کیونکہ فقہاء سلف
ایسے الفاظ ناجائز اور حرام کے لئے بھی اطلاق کرتے ہیں چنانچہ اہل علم پر مخفی نہیں ۱۶ منہ

ان وہبہ منہ انعدم الربا ولم یفسد
الشراء وهذا ان ضرها الکسر لانه هبة
مشاع لا یقسم کما فی المنع عن الذخيرة
عن محمد وفي الخلاصة لو باع درهما
بدرهم واحد هبا اکثر وزنا فحل
زیادته جاز لانه هبة مشاع لا
یقسم اه قال ابن عابدین تحت
قوله وزاده دانقayı ولم یکن مشرا
فی الشراء کما هو فی عبارة الذخيرة
المنقول عنها الی ان قال فلو مشرطه
وقم العقد علی الكل ووجب نقض
العقد۔

وہ تقویٰ اور ورع و احتیاط پر مبنی ہو
کیونکہ البورایع نے زیادت کو حضرت صدیق
کے لئے حلال اور رہبہ کر دیا تھا اور
فلخال کا توڑنا موجب ضرر اور سبب نقصان
قیمت ہے، اور مشاع غیر قابل تقسیم کی
ہبہ جائز ہے باوجود اس کے بھی حضرت
صدیق کا اس زیادت کو قبول نہ کرنا
محض احتیاط کی وجہ سے تھا، درمختار
میں ہے جو زیادت ہبہ کی صورت میں
ہو وہ ربا نہیں ہے، پس اگر کسی نے دس
درہم بھر چاندی دس درہم کے بدلے
پیچی، اور بقدر ایک دانگ کے زیادہ

دیدنی تو اگر یہ ایک دانگ بطور ہبہ کے دیا تو ربا نہ ہوگا، اور نہ عقد فاسد ہوگا، بشرطیکہ
ان درہم کا توڑنا نقصان کا موجب ہو، کیونکہ اس صورت میں مشاع غیر قابل تقسیم کی
ہبہ ہوگی (اور وہ درست ہے) منہ میں ذخیرہ سے امام محی سے اسی طرح نقل کیا ہے، خلاصہ
میں ہے کہ اگر کسی ایک درہم کے عوض بیچ کیا اور ان میں سے ایک زیادہ دوزنی
ہے۔ اور اس کے مالک نے زیادت کو دوسرے کے لئے حلال کر دیا تو جائز ہے، کیونکہ
یہ مشاع غیر قابل تقسیم کی ہبہ ہے اھ علامہ شامی اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ زیادت
اس وقت جائز ہے کہ پہلے سے مشروط نہ ہو، اور اگر مشروط ہو تو عقد مجموعہ پر واقع
ہوگا اور اس صورت میں حق شرع کی وجہ سے عقد کا توڑنا واجب ہوگا۔

حقا للشرع ثم قال وان الزیادة انما
تصح اذا صرح بكونها هبة فتكون هبة
بشرطها ومع عدم التصريح فی
باطلة وهو الذی فی المجموع اھ (مجموعہ)
قلت وبعد ذلك ظهر لك البطلان

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ زیادت اسی وقت
صحیح ہے جب کہ اس کے ہبہ کی تصریح کر دی جائے
پھر اس میں شرائط ہبہ کی رعایت کی جائیگی
اور اگر ہبہ کی تصریح نہ کی گئی تو یہ زیادت باطل
ہے اھ، میں کہتا ہوں کہ ان تصریحات سے

قول المستفق ان الفصل فی البیع ای
بیع الصرف ونحوها ربا مطلقا لدخل
فیه لتراضی العاقدین الخ (ص ۱۸) وکذا
تفرقة بین ربا البیع و ربا الذین بان
الاول لا یتوقف تحققه علی الشرط و
الثانی یتوقف تحققه علی بل الحقة
ان الزیادة التي لا تجوز فی البیع الخ
مطلقا لا تجوز فی الدین کذا والی
تجوز فی الدین بلا شرط کقبول له
واجابة الدعوة قبل ادائه و بعد
لامع الاداء تجوز فی بیع الصرف کذا
ایضا و کذا المنفعة الحاصلة من جهة
الجودة والوصف تجوز بلا شرط فی
الصورتین وکل ما استدل بالمستفق
من الآثار علی جواز الزیادة علی القرض
(فی ص ۱۹) لاجحة له فیه اما حدیث
جابر انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لبلال
زن فارح فی المیزان فاعطانی اوقیة
من ذهب وزاد فی قیراط فقیہا تھا
زیادة قليلة لا تظهر فی الوزین
فان القیراط هو نصف عشر الدینار
فی اکثر البلاد و عند اهل الشام
جزء من اربعة وعشرین منه کذا
فی مجمع البحار (ص ۱۳۲ ج ۲) والا
وقیة وزن اربعین درهما کما فیه

مستفقی کے اس دعویٰ کا غلط ہونا واضح
ہو گیا کہ بیع صرف میں زیادت مطلقا ربا ہے
تراضی عاقدین کو اس میں کچھ دخل نہیں۔
(کیونکہ ہم نے ثابت کر دیا کہ زیادت بطریق ہب
یہاں بھی جائز ہے) نیز مستفقی کا ربا البیع
اور ربا القرض میں یہ فرق ظاہر کرنا بھی غلط
ہو گیا کہ ربا البیع کا تحقق تو شرط پر موقوف نہیں
اور ربا القرض کا تحقق شرط پر موقوف ہے
بلکہ حق یہ ہے کہ جو صورت بیع صرف میں مطلقا
جائز نہیں وہ دین و قرض میں بھی جائز نہیں
اور جو زیادت قرض میں بدون شرط کے جائز
ہے جیسے ہدیہ و دعوت وغیرہ کا قبول کرنا و
بیع صرف میں بھی اسی طرح جائز ہے نیز جو زیادت
اوصاف کی قسم سے ہو مثلاً کھوٹے کے بدلے
کھرا دینا وہ بھی بدون شرط کے دونوں میں جائز
ہے (بیع میں بھی اور قرض میں بھی) اور جن آثار
سے مستفقی نے اس مدعا پر استدلال کیا ہو کہ قرض
میں اصل سے زائد لینا مطلقا جائز ہے ان سے
اس کا مدعا حاصل نہیں ہو سکتا، چنانچہ اول
اس نے حضرت جابرؓ کی یہ حدیث پیش کی ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان سو ایک اوقیہ
میں اونٹ خریدا اور مدینہ پہنچ کر ثمن ادا کیا اے
بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان کے لئے ایک اوقیہ
سونا تول دو اور جھکتا ہوا تول لو پس بلالؓ نے
ایک قیراط زیادہ دیا الخ اس کا جواب یہ ہو کہ

ایضاً (ص ۴۵۹ ج ۱) قلت هذا اوقية
الفضة واما اوقية الذهب فهي قد
تساوي مائتي درهم المساوية لعشرين
ديناراً كما ورد في سواد ايت عند البخاري
عن ابی نصره عن جابر بن اشتره بعشرين
ديناراً (ص ۳۷۵ ج ۱) فنسبة القيراط الى
الاقية اقل من نسبة نصف
درهم الى مائة درهم ومثل هذه
الزيادة جائزة وانما اختلفوا في
نصف الدرهم وايضا فان تلك
الزيادة انما كانت في ثمن الابل و
هي ملحقة بالعقد اذا كان المبيع
قائماً وجائزة بالاتفاق في غير الصرف
لا سيما في ما نحن فيه لعدم جريان الربا
بين الاوقية والحيوان فافهم و
اماروى ابو هريرة ان رجلاً اتى
النبي صلى الله عليه وسلم يتقاضاه قد
قد استسلف منه شطراً وسقاً عطاءً
وسقاً فقال نصف وسق لك ونصف
وسق من عندى الخ وفي رواية
جاء صاحب الوسق يتقاضاه فاعطاه
وسقين فقال وسق لك ووسق نائل
من عندى الخ ونحوه من الآثار
فقيل تصريح من النبي صلى الله عليه
وسلم يكون الزيادة هبة

اول تو یہ معمولی زیادتی ہے، جو ہر وزن میں
ظاہر نہیں ہو سکتی، کیونکہ قیراط دینار کا بیسواں
حصہ یا چوبیسواں حصہ ہے اور اوقیہ چاندی کا
چالیس درہم کی برابر ہوتا ہے اور سونے کا
اوقیہ بیس دینار کی برابر بھی ہوتا ہے، (اور یہاں
وہی مراد ہے) جیسا بخاری کی ایک روایت
سے معلوم ہوتا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر کا اونٹ
بیس دینار میں خریدا تھا آٹھ اور جب اوقیہ
بیس دینار کا ہوا، اور قیراط ایک دینار کا
بیسواں یا چوبیسواں حصہ ہوا تو قیراط (اونٹ
کا بیس یا بیس حصہ ہوا تو اس) کی نسبت
اس سے بھی کم ہوتی جو نصف درہم کو سونے
درہم سے حاصل ہے، اور اتنی زیادتی کا مضافاً
نہیں، ہاں نصف درہم پورا ہو تو اس میں
اختلاف ہے، دوسرے اس زیادتی کا حاصل
یہ تھا کہ اونٹ کی قیمت میں اضافہ کر دیا گیا
اور ثمن میں جو زیادتی بحالت بقاء بیع کی جائے
وہ اصل عقد سے ملحق ہوتی ہے، اور بیع
صرف کے سوا تمام بیوع میں اتفاقاً یہ صورت
جائز ہے، خصوصاً صورت بیع عینہا میں
کیونکہ اوقیہ اور حیوان میں توربا کا تحقق ہو ہی
نہیں سکتا خوب سمجھ لو، رہی یہ حدیث جو
حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے آدھا

ونائلا من عندك وما تصریح فيه به
يحمل عليه لكون الاتحاد يعضها
يقسم بعضها وهو محمول على انه صله
الله عليه وسلم وهبه زيادة مقترنة
متميزة عن حقه الذي قضاها ومالك
يزيد فيه قيدا تبديل المجلس ايضا
بان قضاها حقه ولا اثر لها قبضه استوفى
واداد ان يذهب به وهبه الزيادة
بعده

وسق قرض ليا تھا وہ تقاضا کرنے لگا تو
حضور نے اس کو ایک وسق دیا اور فرمایا
کہ آدھا وسق تو تیرا تھا اور آدھا وسق
میری طرف سے ہے، اور ایک روایت میں
ہے کہ حضور نے کسی سے ایک وسق قرض
لیا تھا وہ تقاضا کرنے آیا تو اپنے اس کو
دو وسق دیئے اور فرمایا کہ ایک وسق تو
تیرا ہے اور ایک وسق میری طرف سے عطیہ ہے الخ
اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں تو حضور کی صاف

تصریح موجود ہے کہ زیادت بطور ہبہ کے تھی (اور اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ ہبہ کے طور سے زیادہ
دینا قرض و بیع دونوں میں جائز ہے ۱۲) اور جس روایت میں یہ تصریح مذکور نہ ہو اس کو مصحح
پر ہی محمول کیا جائے گا، کیونکہ احادیث ایک دوسرے کی مفسر ہوتی ہیں، اور جب
یہ زیادتی بطور ہبہ کے تھی تو اس میں یہ قید بھی لگائی جائے گی کہ حضور نے اس زیادت کو
مستقل اور ممتاز کر کے عطا فرمایا تھا، اور امام مالک اس کی ساتھ یہ قید بھی زیادہ کر کے
کہ حضور نے یہ زیادت اسی مجلس میں نہیں دی جس میں قرض ادا کیا گیا تھا بلکہ مجلس بدل کر
دی گئی تھی،

فان قيل واين الدلالة في الآثار
على مثل تلك القيود قلنا ومن اين الدلالة
في هذه الآثار على كون تلك القضايا
وقعت بعد نزول احكام الربا وتشرعها
لولا يجوز ان تكون قبل كما
قالت الحنفية في استقراضه
الله عليه وسلم الابل اذ ذك
اس پر اگر یہ سوال کیا جائے کہ ان آثار میں
یہ قیود کہاں ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے
کہ ان آثار میں یہی قید کہاں ہے، کہ یہ اقراض
نزول احکام ربا اور اشاعت تحریم
ربا کے بعد واقع ہوئے یہ احتمال کیوں
نہیں ہو سکتا کہ یہ واقعات ربا سے پہلے
کے ہوں، جیسا بعض روایتوں میں رسول

ﷺ واما تأخير اسلام الراوى فلا ينافي ذلك لاحتمال ان يكون رداه بالارسل عن صحابي قديم الاسلام كما قلنا
مثل ذلك في حديث ابى هريرة عن قصة الكلام في الصلوة ۱۳ من

كان قبل تحريم الربا ثم غيّر الله عليه وسلم عن الحيوان بالحيوان نسمة قاله الطحاوي في معاني الآثار (ص ۲۲۹ ج ۲) فازسئلنا كون تلك القضايا وقعت بعد تحريم الربا نقيدها بقيود عرفهاها من نصوص اخر غير هذا والا فلا لوم علينا ان قلنا بنسخها باية الربا وبالحديث الواردة فيه فافهم واما ما نقله المستفتي عن العيني بلفظ وفيه ما يدل ان المقرض اذا اعطاه المستقرض افضل مما اقترضه حنسا او كيلا او وزنا ان ذلك معروف وانه يطيب له اخذها الخ مكافؤ هو مجهول على الزيادة القليلة التي لا تجوز بين الوزنين او على وان تكون بطريق العبة والنائلة من المستقرض والا فنقول ان اطلاق هذا الحكم منسوخ بدليل نسخ استقرض الحيوان الوارد في هذا الحديث واذا كان جزء من الحديث منسوخا لا يصح الاستدلال بباقيه لحدوث احتمال النسخ فيه والعجب من المستفتي كيف يحتج

رسول الله صلى الله عليه وسلم كما بعض صحابه سے اونٹ قرض لینا وارد ہے، اور حنفیہ نے اس میں یہی تاویل کی ہے کہ یہ واقعہ حرمیت ربا سے پیشتر کا ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیوان کو حیوان کے بدلے ادھار بیچنے سے منع فرما دیا (تو حیوان کا قرض لینا بھی ممنوع ہو گیا) پس اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ یہ واقعات حرمت ربا کے بعد کے ہیں تو ہم دوسرے دلائل کی وجہ سے تیود مذکورہ کے ساتھ ان کو مقید کریں گے۔ ورنہ اگر ہم یوں کہیں کہ یہ آثار آیت ربا اور احادیث ربا سے منسوخ ہیں جب بھی ہم پر کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا اور مستفتی نے علامہ عینی کا جو قول نقل کیا، کہ اس حدیث سے (جس کا ذکر عینی کے کلام میں ہے) معلوم ہوا کہ اگر مدیون قرض دہندہ کو اس چیز سے جو اس نے قرض لی تھی افضل شے ادا کرے خواہ وہ جنس میں افضل ہو یا مقدار میں یا وزن میں تو یہ ایک احسان ہے اور قرض دہندہ کو اس کا لینا حلال ہے الخ یہ اس زیادہ پر محمول ہے جو بقدر قلیل ہو کہ دو وزنوں میں ظاہر نہ ہو سکتی ہو یا اس زیادت پر محمول ہے جو مدیون کی طرف سے بطور ہبہ کے (بلا شرط) ہو ورنہ ہم کہیں گے کہ یہ

باستدلال العینی هذا ولا
حجة فيه على احد ولا يحتج
بنقله الاجماع بقوله وقد
اجمع المسلمون نقلا عن
النبي صلى الله عليه وسلم ان
اشتراط الزيادة في السلف
ربا اھ مع كونه حجة في النقل
لكونه ثقة فيه عارفاً بذهب
العلماء، بل قدح فيه رافی
حاشیة ص ۱۷) بان العلامة
العینی شرح الهدایة بعد شرح
للبخاری بكثير من الزمان
واعترف فيه بانه لم یثبت في
هذا الباب النھی عن النبی
صلی اللہ علیہ وسلم وهو المعتبر
لان اخرا قوال الخ ومنشاء
القدح عدم ادراكه بمراد العینی
ولذا ظن قولیه متعارضین لا تغارض
بینهما فان كلامه في شرح الهدایة
على سند حدیث كل قرض جرتفعاً معناه
بعد صحة النقل ان هذا الحدیث
لم یثبت بهذه الطريق،

قول اطلاق کی صورت میں منسوخ ہے،
جس کی دلیل یہ ہے کہ حیوانات کا قرض لینا
جس کا اس حدیث میں (جس سے علامہ عینی
نے حکم مذکور مستنبط کیا ہے) ذکر ہے منسوخ چکا
ہے، اور جب حدیث کا ایک جزو منسوخ
ہو تو اس کے باقی اجزاء سے بھی استدلال صحیح
نہیں کیوں کہ ان میں بھی نسخ کا احتمال
موجود ہے اور ہم کو مستفتی سے حیرت ہے
کہ وہ علامہ عینی کے اس استدلال کو تو
حجت بنا کر بیان کرتا ہے، حالانکہ یہ کسی
پر بھی حجت نہیں، اور نقل اجماع میں ان کے
قول کو حجت نہیں سمجھتا، حالانکہ وہ صاف
لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہوئے اس بات
پر اتفاق کر لیا ہے کہ قرض میں زیادت
کی شرط لگانا ربا ہے اھ، اور علامہ
عینی کی نقل حجت ہے، کیونکہ وہ نقل
میں ثقہ اور مذاہب علماء سے واقف ہیں،
بلکہ مستفتی نے اس قول کو یہ اعتراض
کر کے رد کر دیا ہے کہ علامہ عینی نے ہدایہ
کی شرح بخاری کے شرح کے بہرہ
زمانہ کے بعد لکھی ہے اور شرح ہدایہ

میں اقرار کیا ہے کہ اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ممانعت ثابت
نہیں ہوئی، اور چونکہ یہ آخری قول ہے اس لئے یہی معتبر ہے اھ، مگر اس اعتراض کا

معنی یعنی قرض سے نفع حاصل کرنے کے بارے میں ۱۲ منہ

منشا صرف یہ ہے کہ مستفتی نے علامہ علی کا مطلب نہیں سمجھا، اس لئے دونوں قولوں میں اس کو تعارض نظر آنے لگا، حالانکہ دونوں میں کچھ بھی تعارض نہیں، کیونکہ شرح ہدایہ میں تو انھوں نے حدیث کل قرض جرنفعا کی سند پر کلام کیا ہے، جس کا مطلب صحت نقل مستفتی کے بعد یہ ہے۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی
طریقتہ علم الاسناد ومعنی
کلامہ فی شرح البخاری ان النہی
ثبت عن النبی صلی اللہ علیہ
وسلم بطریق اجماع المسلمین
علیہ نقلاً عنہ ولا یلزم من
عدم ثبوت النقل بطریق
الاسناد عدم ثبوتہ بطریق
الاجماع والتلقی فقد مر فی
الاصل الرابع ان مدار الصحتہ
لیس علی الاسناد فقط بل قد
یصح بالتلقی واستدلال المجتہد
به وان لم یکن له سند یعول علیہ
فی التلبیس هذا المستفتی کیف
یحرف الکلم عن مواضع یخدع
الجهلاء بتناقض هذا الکلام و
تدافعہ مع انہ برئ من کل ذلک
وابعد عنہ بمراحل او نقول حاصل
کلامہ فی شرح الہدایۃ عدم ثبوت
النہی عن کلی منفعتہ مشروطۃ کانت
او غیر مشروطۃ و فی شرح البخاری

کہ یہ حدیث علم اسناد کے طریقہ پر رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں،
اور شرح بخاری میں جو قول مذکور ہے
اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے بطریق نقل اجماعی و تلقی کے اس
صورت کا ربا ہوتا ثابت ہے، اور بطریق
اسناد کے اگر کوئی نقل ثابت نہ ہو تو اس سے
یہ لازم نہیں آتا کہ بطریق تلقی کے بھی ثابت
نہ ہو، کیونکہ اصل چہارم میں ہم ثابت کر چکے ہیں
کہ صحت حدیث کا مدار لفظ پر نہیں، بلکہ تلقی
و استدلال مجتہد سے بھی حدیث صحیح ہو جاتی
ہے، یا یوں کہا جائے کہ شرح ہدایہ کے قول کا
مطلب یہ ہے کہ ہر منفعت سے مطلقاً خواہ وہ
مشروط ہو یا غیر مشروط ہو ممانعت ثابت
نہیں، اور شرح بخاری کے قول کا حاصل یہ ہے
کہ قرض میں زیادت مشروطہ کا ربا ہونا اجماع
مسلمین سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
نقل کرتے ہوئے ثابت ہے پس سمجھ سے کام
لو، اور ایک کلام کو دوسرے کا متعارض
قرار دے کر رد نہ کرو۔ اور آیت ربا کو
محمل اور احادیث کو اس کا بیان قرار

ثبوت النہی عن اشتراط الزیادة فی
القرض وكونه ربا باجماع المسلمین
تقلاً عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
فانهم ولا تعجل فی رد بعض الکلام
ببعض ونقصه به، واما استدلال المستفتی
بكون آية الربا مجملة والاحادیث بیانا
لها فقد فرغنا عن الجواب عن رفقات
قیل معاملة ان الربا كان معلوم المردم
عند العرب ثم صار مجملا حين ادخل
الشارع فيه اشياء لم یکن العرب یعرف
بالربا ومقتضاها حدث والاجمال فی الآیة
بسبب الاحادیث مع ان الفقهاء جعلوا
السنة بیانا لها ولا یجوز كون البیان سبباً
للاجمال قلنا سبب الاجمال من الاحادیث
بعضها وهی التي تدل علی ان الربا معنی شرعی
اعم من العرفی کحدیث ان الربا یضع
وسبعون شعبة والبیان منها بعضها
کحدیث ابی سعید وعبادة ومثل ذلك
بجائز حتماً وحاصلاً كون الآیة مجملة فی
الربا الشرعی ظاهرة فی العرفی الذی كان
اهل الجاهلیة یتعارفونه ویتعاملون
به وهو الذی نعاہ اللہ الیہم شمر
نقول لو سلمنا الاجمال فی ربا القلان
مطلقاً فلا تسلم كون ربا البیع ربا
منصوصاً وریا الدین ربا قیاسیاً بل نقول

دے کر جو دلیل مستفتی نے بیان کی ہے
اس کے جواب سے ہم فارغ ہو چکے ہیں
سوال، اس جواب کا حاصل یہ تھا کہ
بیان کے معنی اہل عرب کو معلوم تھے، مگر اس میں
اجمال اس وقت پیدا ہوا جب کہ شارع
نے ربا کے تحت میں ایسی صورتیں بھی داخل
کر دیں جن کو اہل عرب ربا نہ سمجھتے تھے،
اور اس کا مقصد یہ ہے کہ آیت ربا میں احادیث
سے اجمال آیا، حالانکہ فقہاء نے تو احادیث
کو آیت کا بیان قرار دیا ہے۔ اور بیان
کا سبب اجمال بن جانا جائز نہیں،
جواب سبب اجمال تو وہ احادیث ہیں
جن سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ربا
شرعی معنی عرفی معنی سے عام ہیں، جیسے یہ
حدیث کہ ربا کے شر سے کچھ اوپر شے ہیں اور
بیان وہ احادیث ہیں جن میں ربا شرعی کی
صورتیں مذکور ہیں جیسے ابوسعید وعبادة
وغیرہ اور اس میں کچھ اشکال نہیں کہ بعض
احادیث سے آیت میں اجمال آجائے اور
دوسری حدیث سے اجمال کی تفسیر ہو جائے
اور حاصل جواب کا یہ ہے کہ یہ آیت ربا
معنی شرعی میں تو مجمل ہے اور ربا عرفی میں
مجمل نہیں، بلکہ ظاہر ہے، کیونکہ وہ تو اہل
جاہلیت میں مشہور و معمول بہ تھی اور اسی کی وجہ
سے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر وعید اور نذرانی

بان کلاهما منصوص اما الاول فبينا
السنة المشهورة والثاني بدلالة
النص وبالاجماع وبالاثر الواردة
في تفسير الربا الجاهلية ومجديث كل قرص
جر نفعا فهو ربا اما دلالة النص فبانها
ان الامة والائمة قد اجمعت على
كون حرمة الربا معللة سوى من شذ
من اهل الظاهر فلا عبرة بقوله ولا
يقدر به الاجماع لكون مذهبهم في
انكار القياس وتعليل النصوص باطلا
بالكتاب والسنة واجماع الصحابة
ومن بعدهم ولتفصيل هذا البحث
موضع اخر وعلّة حرمة الربوا انما
هو كونه ظلما خلافا للعدل كما
تقرر في الاصل السابع واذا كان
الزيادة

ہے، اور اگر ہم یہ بھی تسلیم کریں کہ آیت ربا بمل ہے
تو یہ کو یہ مسلم نہیں کہ ربا البیع کی حرمت منصوص
اور ربا القرض کی حرمت قیاسی ہو، بلکہ ہمارے
نزدیک دونوں منصوص ہیں قسم اول تو سنہ
مشہورہ کے بیان سے ثابت ہے اور قسم ثانی
دلالتہ النص اور اجماع اور ان آثار سے ثابت ہے
جو ربا جاہلی کی تفسیر میں وارد ہیں، نیز حدیث
کل قرص جر نفعا فهو ربا سے بھی اس کا ثبوت
ہو رہا ہے، دلالتہ النص کی تقریر تو یہ ہے کہ تمام
امت اور جملہ ائمہ کا اس پر اجماع ہے کہ ربا کی حرمت
معلل ہے (یعنی اس کی کوئی علت ضروری ہے) اس
میں مجسز اہل ظاہر کے کسی کا
اختلاف نہیں، مگر ان کا اختلاف معتبر نہیں، نہ
ان کے خلاف کا اجماع پر کوئی اثر کیونکہ قیاس
اور تعلیل کا انکار جو ان کے مذہب کی بنیاد ہے
کتاب اللہ اور سنت اور اجماع صحابہ تابعین سے
باطل ہو چکا ہے، چنانچہ دوسرے مواقع میں اس کی تفصیل موجود ہے، اور حرمت ربا کی علت یہ ہے
کہ وہ ظلم ہے اور عدل کے خلاف ہے، جیسا اصل ہفتم میں ثابت ہو چکا ہے،

مع المحلول في بيع مد جديد بدین
او بیع درهم مضروب بدین مکسود
وبیع حلی من الفضة باكثر من وزنها
ان کا تا یسا ویا نہ فی المعنی حیث
تکون الزیادۃ فی مقابله جودۃ او
صفة او سکتہ ونحو ہا ربا محرم
فکون الزیادۃ المشروط فی القرض

اور جب ایک عمدہ مد کی بیع دو خراب مد کے
عوض یا ایک سالم منقوش درہم کی بیع دو
ہوئے درہموں کے بدلہ میں یا چاندی کے زیور کی
بیع اس سے زیادہ چاندی کے عوض نقد کی
صورت میں بھی ربا ہے، حالانکہ ایک اعتبار
سے ان صورتوں میں مساوات موجود ہے،
کیونکہ جس جانب میں وزن کی زیادتی ہو اس

محیط لا مقابل لها الامجرد الاجل اولى
 بكونها دبا محرم ما ممنوعا وكذا اذا كانت
 زيادة الاجل في بيع الدرهم بدرهم
 مثله نسئة رب ما محرما فالزيادة الحقيقة
 على دواهم القرض بان ياخذ المقرض
 مكان المائة مائة وعشرين اولى بكونها دبا
 محرما لكون الزيادة ليست الاجل
 الزمان والاجل لا قيمته شرعا كما
 تقر في الاصل السادس، وهذا مما
 لا ينكره الامكا بر معاندا فان كون
 ذلك ربا وظلما مبالا يخفى على آحاد من
 المسلمين بل ولا على احد من اهل
 الملل بل هذا هو الربا عند الناس كلهم
 دون الزيادة عند الحلول ودون بيع
 الدرهم بالدرهم نسئة
 فالعامة لا تعد من الربا ولا
 تنههم من يفعل ذلك باكل الربا
 قال العلامة الحافظ ابن
 القيم في الاعلام انه اى
 الشارع حرم التفريق في الصرف و
 بيع الربوي بمثله قبل القبض
 لمعلا يتخذ ذريعة الى التاجيل
 الذى هو اصل باب الربا فحماهم
 من قربانه باشتراط التقابض
 في الحال ثما وجب عليهم فيه

طرف او صاف میں نقصان ہے تو اس
 زیادتی کو دوسرے کی عمدگی اور کھڑپن
 یا سکہ کے مقابل کہہ سکتے ہیں تو قرض میں
 جس زیادت کی شرط لگائی جاتی ہے اس کا
 ربا میں داخل ہونا بدرجہ اولیٰ ضروری ہے
 کیوں کہ اس صورت میں اس زیادت کا
 عوض سوائے اجل اور مدت کے کچھ بھی
 نہیں را اور اصل قسٹم میں معلوم ہو چکا ہو
 کہ اجل اور مدت کی شریعت میں کچھ قیمت
 نہیں (۱۲) اور اس اولویت کا انکار بجز
 ہٹ دھرم کے کوئی نہیں کر سکتا، کیونکہ
 اس کا ربا ہونا کسی جاہل مسلمان بلکہ کسی
 مذہب کے پیرو پر بھی مخفی نہیں، بلکہ عام
 طور پر لوگ اسی کو ربا سمجھتے ہیں، اور نقد
 بیع کی صورت میں ایک ہم جنس کا دوسرے
 ہم جنس سے زیادہ ہونا یا ایک درہم کو ایک
 درہم کے بدلہ میں ادھار بیچنا عام لوگوں کے
 نزدیک ربا نہیں، اور نہ ایسے شخص کو وہ
 سود خوار سمجھیں گے، حافظ ابن قیمؒ اعلام القیمین
 میں فرماتے ہیں کہ شارع نے بیع صرف میں اور
 ہر مال ربوی کی بیع میں جبکہ اس کے مقابلہ میں
 ہم جنس ہو قبضہ سے پہلے مجلس بیع سے جدا
 ہونے کو حرام کر دیا ہے، تاکہ اس کو اجل و
 مدت کی بیع کا ذریعہ نہ بنالیا جائے جو کہ باب
 ربا کی اصل بنیاد ہے، پس شارع نے نقد نقدی

الثمائل وان لا یزید احد
العوضین علی الآخر اذا کان من
جنس واحد حتی لا یباع مد بجید
بمدین دین وان کان یساویانہ
سد الذریعة رباً النساء الذی ہو
حقیقة الربا وانہ اذا متعہم من
الزیادة مع المحلول حیث تكون
الزیادة فی مقابلة جودة او صفة
اوسکة او نحوها فمنعہم منها
حیث لا مقابل لہا الامجد الاجل
اولی فہذا حکمة تحریر رباً الفضل
التي خفیت علی کثیر من الناس حتی
قال بعض المتأخرین لا یتبین لی
حکمة تحریر رباً الفضل وقد
ذکر الشارع ہذا حکمة بعینہا فانہ
حرم سد الذریعة رباً النساء فقلاً
فی تحریر رباً الفضل فانی اخاف علیکم
الذما والذما هو الربا فتحریر الربا
نوعان نوع حرم لہا فیه من المفسدة
وهو رباً النسبة ونوع حرم تحریم الوسائل
وسد الذرائع آہ (ص ۹۶، ۹۷)
(۲۶) وهذا والله کلام فی
غایة القوة والعجب من
المستفتی انہ کیف قلب الامر
فجعل رباً القرض الذی

قبضہ کی شرط رکا کر لوگوں کو ربا کے پاس پہنچنے
سے بھی بچالیا پھر جس وقت عوضین ایک جنس
ہوں تو یہ بھی واجب کر دیا کہ دونوں برابر
سرا بر ہوں ایک دوسرے سے زائد نہ ہوں
یہاں تک کہ ایک عمدہ مد کو دوسرا ب مد
کے عوض بھی بیع کرنا جائز نہیں، اگرچہ قیمت
کے لحاظ سے دونوں برابر ہوں تاکہ اس کو
ربا النسبة کا ذریعہ نہ بنالیا جائے جو کہ ربا کی
حقیقت ہے اور جب شارع نے نقد کی صورت
میں زیادتی سے منع کر دیا حالانکہ یہ زیادت
کھرے پن کی صفت یا اور کسی صفت کے
عوض میں ہوتی ہے تو جہاں اس زیادت کا
عوض سوائے مدت اور اجل کے کچھ نہ ہو وہاں
تو زیادت بدرجہ اولیٰ ممنوع و حرام ہوگی
پس ربا الفضل کے حرام ہونے کی یہ حکمت ہے
جو بہت لوگوں پر مخفی ہے، یہاں تک کہ
بعض متاخرین نے کہا ہے کہ ربا الفضل کے
حرام ہونے کی حکمت میری سمجھ میں کچھ نہیں
آتی، اگہ مگر خود شارع نے اس کی حکمت بعینہ
وہی بیان کی ہے (جو ہم نے بتلائی) کہ اس کو
اس واسطے حرام کیا گیا ہے، تاکہ اس کو ربا
النسبة کا ذریعہ نہ بنالیا جائے، چنانچہ ربا الفضل
کی حرمت بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ
مجھ کو تم ہر ربا کا اندیشہ ہے، آپس حرمت ربا
عہ مد ایک ہیما نہ ہے جو صاع کا رہے ہے ۱۳

هو اصل الربا وظهور حکمت حرمتہ للناس ربا قیاسیاً وسعی لتخلیلہ اشد السعی وجعل ربا الفضل الذی حقیقت حکمتہ تحریم علی بعض العلماء ربا حقیقیاً منصوصاً قطعاً مع کونه مختلفاً فی بین الصحابة اولادہل هذا الا الضلال ،

دو قسم پہ ہے، ایک قسم کو تو اس لئے حرام کیا گیا ہے کہ ایسے خود مفسد ہے، اور یہ ربا بالنسہ ہے اور دوسری قسم کو اس لئے حرام کیا گیا ہے کہ وہ اصلی ربا کا ذریعہ بن جاتی ہے آہ اور بخدا یہ کلام بہت مضبوط ہے، ہم کو مستفتی پر حیرت ہے کہ اس نے حقیقت

الامر کو کیسا بدل ڈالا، کہ ربا القرض کو تو جو کہ حقیقی ربا ہے جس کی حرمت کی حکمت سب پر ظاہر ہے ربا قیاسی قرار دیتا اور اس کے جائز کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتا ہے اور ربا الفضل کو ربا حقیقی قطعی منصوص کہتا ہے، جس کی حرمت کی حکمت بعض علماء پر مخفی ہے، اور صحابہ کے درمیان بھی اس میں ابتداءً اختلاف تھا کہ ابن عباس اس کو حرام نہ کہتے تھے (۱۲) اور گمراہی اسی کا نام ہے،

فمن قال بتحريم ربا الفضل لزمه القول بتحريم الدين بالاولى لما فيه من الظلم والعدوان وسفك دم العدل فليس في ربا الفضل كما لا يخفى على من شعراحت من العقل والدين وايضا فالقول بجواز ربا الدين يقتضي ان لا يكون في تحريم ربا الفضل حکمة سوى تضييع الزمان وانتعاب النفوس بلا فائدة فانه لا يشاء احد ان يبتاع ربواً يكثر منه من جنسه الا قال اقضتک مائة درهم بمائة درهم وعشرين من الصبح الى العصر والى الغد ونحوه واذا كان هذا جائز ابيع مائة درهم بمائة

پس جو شخص ربا الفضل کو حرام کہے اس پر ربا القرض کا حرام ماننا بدرجہ اولیٰ لازم ہے کیونکہ اس میں ظلم و تعدی اور انصاف کا خون اس قدر ہے کہ ربا الفضل میں اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں جس شخص کو عقل و دین کا ایک شتمہ حاصل ہے وہ اس کو بخوبی سمجھ سکتا ہے، دوسرے ربا القرض کو جائز کہنے کے معنی یہ ہیں کہ ربا الفضل کے حرام کرنے میں سوائے وقت ضائع کرنے اور مخلوق کو بلا فائدہ پریشان کرنے کے کچھ بھی حکمت نہ ہو کیونکہ جب سود درہم کو سو سود درہم کے عوض قرض دیتا جائز اور بیع کرنا حرام ہے تو اب کوئی احمق اور مجنون ہی ہوگا جو اس کے بعد بھی بیع کرے گا

وعشرین حراماً فهل یبتاع هذا بذاته
 الا احمق او مجنون وای حاجه له
 الی البیع اذا کان یتخلص من الربا
 بالاقراض والاستقراض فلا یعجز
 احد عن استئصال ما حرمه الله قط
 بادی حیلۃ قیاسبحان الله ايعود
 الربا الذی قد عظم الله شأنه
 فی القرآن وادجب معارضة
 مستحله ولعن اكله ومؤكله و
 شاهدیه وكاتبه وجاء فيه
 من الوعيد ما لم یجی فی غیره الی ان
 یستحل بادی حیلۃ لا کلفة فیها اصلاً
 فکیف یستحسن ان ینسب نبی من
 الانبیاء فضلاً عن سید الانبیاء بل
 ان ینسب رب العالمین الخ ان یحرم
 هذه المحرمات العظیمه وتوعده
 باغلظ العقوبات وانواع الوعيد
 علی بیع درهم جیداً بدرهمین دین
 حالاً مع کونهما یساویان معقولا
 ظلم فیہ علی احد شریحہ تلك
 المحرمات والزیادات کلها
 بحیلۃ الاقراض والاستقراض
 مع وجود الفضل والزیادة
 فی ذلك حقیقة وفیه من
 الظلم ما لا یخفی فلا حول ولا

جب وہ قرض کے ذریعہ حرامت پر ہا سے
 بچ سکتا ہے، تو اس کو بیع کی کیا حاجت
 ہے بلکہ وہ جس چیز کے عوض اسی کا ہم جنس
 زائد مقدار میں خریدنا چاہتا ہے اس کو
 ایک ساعت یا ایک دن کے واسطے
 قرض دے کر لے سکتا ہے، اور اس صورت
 میں ہر شخص ربا حرام کو ایک ادنیٰ حیلہ سے
 حلال کر سکے گا، تو سبحان اللہ! کیا وہ ربا
 جس کو قرآن میں اللہ تعالیٰ نے سخت خطراً
 بتلایا اور اس کے حلال سمجھنے والے کو اعلان
 جنگ دیا ہے، اور اس کے کھانے والے
 کھانے والے گواہی دینے والے اور لکھنے والے
 پر لعنت کی ہے، اور اس کے متعلق ایسی
 سخت وعید وارد ہوئی ہے، ایک ادنیٰ حیلہ
 سے جس میں کوئی مشقت نہیں حلال کی جاسکتی
 ہے پھر یہ کیونکر کر سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کی طرف بلکہ رب العالمین کی طرف یہ
 بات منسوب کی جائے کہ وہ ایک کھرے درہم
 کو دو کھوٹے درہموں کے عوض بیع کر لے
 پر تو اس قدر سخت وعیدیں اور شدید تر
 حرمتیں بیان فرمائیں، حالاں کہ قیمت
 کے لحاظ سے درحقیقت یہ دونوں مساوی
 ہیں اور اس میں کسی پر کچھ بھی ظلم نہیں، پھر ان
 تمام محرمات اور زیادات کو تہہ من کے حیلہ
 سے جائز کر دیں حالانکہ اس میں حقیقتاً زیادتی

قوة الابا لله العلي العظيم فاذا كانت اية
الربا محرمه لربا الفضل في البيع
فهي محرمه بدلالة النص لربا
القرض والدين بالاولى كدلالة
تحريم القول باف للوالدين على
تحريم ايلامهما بالضرب والشم
بالاولى ودلالة النص ليست من
القياس بل هي فوقه وانها قطعية
كعبارة النص ونحوها كما تقر في
الاصل الثالث -

واما الاجماع فقد ذكره القاضي ابوالوليد
بن رشد في بدايته المجتهد له وقد ذكرنا قبل
وحاصله ان العلماء قد اتفقوا على
ان الربا يوجد في شيئين في البيع وفيما
تقرر في الذمة من بيع او سلف او
غير ذلك فاما الربا فيما تقرر في الذمة
فهو صنفان صنف متفق عليه وهو
ربا الجاهلية الذي نهى عنه و
ذلك انهم كانوا يسلفون بالزيادة
وينظرون وكانوا يقولون انظرني
ازدك الخ وذكره العلامة العيني
ايضا في شرح البخاري بقوله وقد
اجمع المسلمون نقل عن النبي صلى
الله عليه وسلم ان اشتراط الزيادة
في السلف سبأا له، وقد ذكرناه

اور ظلم صريح موجود ہے، فلا حول ولا قوة
الا بالله العلي العظيم، غرض آیت ربا گنہ مع
میں ربا الفضل کو حرام کرتی ہے تو بطریق دلالت
النص کے ربا القرض کو بدرجہ اولیٰ حرام
کرتی ہے، جیسے والدین کو اف کہنے کی حرمت
اس کو مستلزم ہے کہ ضرب و شتم سے ان کو
ایذا دینا بدرجہ اولیٰ حرام ہو، اور دلالت
النص قیاس میں داخل نہیں، بلکہ اس سے
بڑھ کر ہے، اور اس کی دلالت قطعی ہے
جیسا اصل سوم میں گذر چکا۔

اور اجماع کو قاضی ابن رشد نے بدایۃ
المجتہد میں بیان کیا ہے، جیسا اوپر گذر چکا،
جس کا خلاصہ یہ ہے کہ علماء نے اس پر اتفاق
کر لیا ہے کہ ربا کا تحقق دو صورتوں میں ہوتا
ہے، ایک بیع میں دوسری اس دین میں
جو ذمہ پر واجب ہوتا ہے خواہ بیع سے
واجب ہو یا قرض وغیرہ سے اور جو ربا
دین واجب فی الذمہ ہوتا ہے اس کی
دو قسمیں ہیں ایک قسم کا حرام ہونا اتفاق
ہے، اور وہ جاہلیت کی ربا، جس کی صورت
یہ تھی کہ وہ لوگ زیادتی کی شرط پر قرض
دیتے اور مہلت دیا کرتے اور قرض لینے
والے یوں کہتے تھے کہ تم ہم کو مہلت دو
ہم تم کو رطل سے زیادہ دیں گے الخ اور
علامہ عینی نے بھی شرح بخاری میں اجماع کا

ذکر ان المفاظ سے کیا ہے کہ تمام مسلمانوں
نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے
ہوئے اس امر پر اجماع کیا ہے کہ قرض میں
زیادہ (یعنی) کی شرط کرنا ربا ہے، اور طحاوی
نے بھی اس کی تصریح کی ہے کہ جو ربا اہل بیت
میں متعارف تھی قرآن میں اسی ربا کا ذکر ہے
اسی طرح امام فخر رازی اور علامہ ابن حجر ہیشمی
نے عبد اللہ بن عباس کی دلیل بیان کرتے
ہوئے اس کی تصریح کی ہے اور جصاص ازی
نے بھی بیان کیا ہے کہ ربا کی دو قسمیں ہیں ایک
بیع میں ہوتی ہے ایک قرض میں اور حافظ ابن
القیم اور شاہ ولی اللہ صاحب نے صاف
فرمایا ہے کہ حقیقی ربا وہ ہے جو قرض میں ہو
اس کی حرمت اصلی ہے اور بیع میں جو ربا ہے
وہ غیر حقیقی ہے اس کو شارع صلی اللہ علیہ وسلم
نے سد باب کے طور پر حرام کیا ہے، ان کام
اقوال سے ثابت ہو گیا کہ تمام امت اور جملہ
ائمہ ربا القرض کی حرمت قطعاً متفق ہیں کسی
نے ہرگز اس کو جائز نہیں کہا اب تم وہ آثار
بھی دیکھو جو ربا جاہلی کی تفسیر میں وارد ہوئے
ہیں جس کا قرآن میں ذکر ہے، چنانچہ امام مالک
نے موطا میں زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے آیت
ربا کی تفسیر میں نقل کیا ہو، وہ فرماتے ہیں کہ جاہلیت
میں ربا کی یہ صورت تھی کہ کسی کا دوسرے
شخص پر کچھ حق ہوتا جس کی ادا کے لئے

ایضا وقد صرح الطحاوی بكون ربا
الدين الذي كان متعارفا بين اهل
الجاهلية ربا القرآن وكذا صرح الفخر
الرازي وابن حجر الهيتمي في تقرير حجة
ابن عباس وسيأتي وكذا صرح الجصاص
الرازي بكون الربوا نوعين منه ما هو في
القرض ومنه ما هو في البيع وكذا صرح
ابن القيم والشاه ولي الله يكو ربا
الدين ربا حقيقيا ولي بالتحرير و
ربا البيع غير حقيقى حرمة الشارع
صلی اللہ علیہ وسلم سدا للزرائع وفي
كل ذلك دليل على اجماع الامم والا
كلهم على تحريم ربا القرض قطعا لم
يقبل احد منهم بجوازه اصلا
واما الاثار الواردة في تفسير
الربا الجاهلية الذي هو ربا
القرآن فمنه ما رواه مالك
في الموطا عن زيد بن اسلم في
تفسير الآية قال كان الربا في
الجاهلية ان يكون للرجل على
الرجل حق الى اجل فاذا اخل قال
اتقضى امر ترى فان قضاه اخذ والاخذ
في حق وزاده الاخر في الاجل وردى
الطبري من طريق عطاء ومن طريق مجاهد
نحوه كذا قال الحافظ في فتح الباري (ص ۲۶۴)

وقد التزم الصحة او الحسن في
الاحاديث المزيدة في الشرح فهذه
الاثار كلها صحاح او حسان ولفظها
عند الطبري قال الربا الذي غي الله
عنه كانوا في الجاهلية يكون للرجل
على الرجل الدين فيقول لك كذا
وكذا وتؤخر عني فيؤخر عنه اه
(م٦٦) وروى عن قتادة ان ربا اهل
الجاهلية يبيع الرجل البيع الى اجل
مسمى فاذا حل الاجل ولم يكن عند
صاحبه قضاء سزاده واخر عنه
اه اسناده صحيح او حسن
ايضا لكون الحافظ ذكره في الفتح
وقد تقدم في الاصل
الثامن ان اقوال التابعين
في تفسير القرآن حجة لاسيما زيد بن اسلم
دين (قرض) هو تاويلون كهتا كه ميں تم کو اتنا زيادہ دوں گا مجھے مہلت دید واس پر وہ
مہلت دیدیتا، اور قتادہ سے اس طرح روایت کیا ہے کہ جاہلیت والوں کی ربا کا یہ طریقہ تھا کہ
ایک شخص دوسرے کے ہاتھ کوئی چیز ادھاڑ بیچتا مدت معینہ مقرر کر کے پھر جب وہ مدت پوری
ہو جاتی اور خریدار قیمت ادا نہ کر سکتا تو وہ رقم میں کچھ اضافہ کر دیتا اور بالغ اس کو مہلت دیتا
۱۷، اس کی سند بھی صحیح یا حسن ہے، کیوں کہ حافظ نے اس کو بھی فتح الباری میں ذکر کیا ہے،
اور اصل شتم میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ تفسیر قرآن کے بارے میں تابعین کے اقوال حجت ہیں،
ومجاهد وعطاء وقتادة قهؤلاء اجله
التابعين رؤس علماء التفسير في زمانهم
وقد صرح العلماء بان مراسيل مؤطاما

مدت مقرر ہوتی جب مدت پوری ہو جاتی
صاحب حق دوسرے سے کہتا تم میرا حق ادا
کرتے ہو یا (سود) بڑھاتے ہو اب اگر وہ حق
ادا کر دیتا تو لیلیا جاتا، ورنہ (سود سے)
اصل کو بڑھا دیا جاتا اور صاحب حق مدت
کو بڑھا دیتا، طبری نے عطاء کے واسطہ
سے اور مجاہد کے واسطہ سے بھی اسی کے
مثل روایت کیا ہے جیسا کہ فتح الباری میں
مذکور ہے، اور چونکہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری
میں اس کا التزام کیا ہے کہ شرح میں جو
احادیث بڑھائی جائیں وہ صحیح ہوں گی
یا حسن اس لئے یہ سب آثار صحیح یا حسن ہیں
اور طبری نے مجاہد سے اس مضمون کو ان
لفظوں سے روایت کیا ہے کہ جس ربا سے
اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، وہ یہ ہے کہ
زمانہ جاہلیت میں کسی کا دوسرے کے ذمہ
دین (قرض) ہوتا تو ویلے کہتا کہ میں تم کو اتنا زیادہ دوں گا مجھے مہلت دید واس پر وہ
مہلت دیدیتا، اور قتادہ سے اس طرح روایت کیا ہے کہ جاہلیت والوں کی ربا کا یہ طریقہ تھا کہ
ایک شخص دوسرے کے ہاتھ کوئی چیز ادھاڑ بیچتا مدت معینہ مقرر کر کے پھر جب وہ مدت پوری
ہو جاتی اور خریدار قیمت ادا نہ کر سکتا تو وہ رقم میں کچھ اضافہ کر دیتا اور بالغ اس کو مہلت دیتا
۱۷، اس کی سند بھی صحیح یا حسن ہے، کیوں کہ حافظ نے اس کو بھی فتح الباری میں ذکر کیا ہے،
اور اصل شتم میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ تفسیر قرآن کے بارے میں تابعین کے اقوال حجت ہیں،
ومجاهد وعطاء وقتادة قهؤلاء اجله
التابعين رؤس علماء التفسير في زمانهم
وقد صرح العلماء بان مراسيل مؤطاما

خصوصاً زید بن اسلم ومجاهد وعطاء وقتادة
کے اقوال کیوں کہ یہ حضرات اجلہ تابعین اور
اپنے زمانہ میں علماء تفسیر کے امام تھے، نیز علماء

ومقاطيعه وبلاغه كلها مستندة من غير طريق مالك الا ربعة كما في تزوين الممالك للسيوطي عن ابن عبد البر (ص ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰) ولم يرد المسكين ان ذكر شيء لا يستلزم نفى غيره لاسيما اذا لم يكن بينهما منافاة وههنا كذلك فان اثر زيد بن اسلم ومجاهد وغيرهما عام للبيع والقرض جميعا واثر قتادة خاص بالبيع ولا تنافي بين العام والخاص بل يجري العام على عمومه ويحمل الخاص على التمثيل كيف وان سياق القتران يأبى تصريا الربا المذكور فيه على ربا البيع لدلالة القول المحكي عن المشركين فيه انما البيع مثل الربا على تفرقهم

تصريح کی ہے کہ موطا مالک کے مراسل و مقاطيع و بلاغات دوسرے طریق سے متصلا ثابت ہیں، جیسا علامہ سیوطی نے حافظ ابن عبد البر کے حوالہ سے بیان کیا ہے، پس مستفتی کا ان آثار میں انقطاع و عدم اتصال سے اعتراض کرتا لغو و باطل ہے اس سے بڑھ کر عجیب بات مستفتی نے یہ کہی کہ وہ ان سب آثار کو ربا البیع کی ساتھ خاص کرتا ہے، محض اس لئے کہ قتادہ کے اثر میں لفظ بیع کا ذکر آگیا ہے مگر اس نے یہ نہ سمجھا کہ ایک شے کا ذکر دوسری شے کی نفی کو مستلزم نہیں، خصوصاً جبکہ دونوں میں کچھ منافات بھی نہ ہو، اور یہاں ایسا ہی ہے کیونکہ زید بن اسلم و مجاہد وغیرہ کے آثار تو بیع و قرض دونوں کو عام ہیں، اور قتادہ کے اثر میں خاص بیع کا ذکر ہے، اور عام و خاص میں منافات نہیں، بلکہ عام اپنے عموم پر رہے گا اور خاص کو تمثیل وغیرہ پر محمول کیا جائے گا، اس کے خلاف کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ قرآن کا سیاق صاف طور سے ربا کے بیع میں منحصر ہونے کا انکار کر رہا ہے کیونکہ انما البیع مثل الربا سے بیع اور ربا کا الگ الگ ہونا معلوم ہو رہا ہے

لما ذكر الزيلعي في نصب الراية عن السخاوي قاعدة محصلها انه اذا ورد حديثان احدهما عام والاخر خاص فان علم تقديم العام على الخاص حصل لعمام بالخاص ان علم تاخير العام كان العام ناسخا للخاص هذا اذا علم التاخير اما اذا لم يعلم فان العام يجعل آخر لما فيه من الاحتياط اهـ (ص ۴۰۸ ج ۱) مولف

بین البیع و الربا کہا لا یخفی و
ایضاً قال الربا الذی ذکرہ قتادہ
لیس بربا البیع الذی ورد بہ
السنة المشہورة الذہب بالذہب
والفضة بالفضة الحدیث
فان ربا البیع منحصر فی ما
یکون مع البیع فی وقت العقد
کہا لا یخفی علی من عرف حدہ
وانواعہ ولیس فی اشرقتادہ
تقید الربا بوقت البیع
بل فیہ تصریح بانہما کما کانا
یربون اذا حل الاجل ولم یکن
عند المشتري قضاء ولا یخفی ان
البیع یتتم بالایجاب والقبول
و بتفرق العاقدین عن مجلس
العقد اجماعاً فالربا الذی یوجد
بعد تمام البیع عند حلول الاجل
لیس من ربا البیع فی شئ وانما
هو من ربا الذین الذی لم
یبینہ السنة المشہورة ولا
فوق بیئہ و بین ربا
القرض اصلاً بل کلاهما
غیر ربا البیع الذی ورد
بیانہ فی السنة ف ذکر لفظ البیع
فی اشرقتادہ لا یجد ی

دوسرے جس ربا کا ذکر قتادہ کے اثر میں
ہے وہ بیع کا ربا نہیں جس کو حدیب
مشہور الذہب بالذہب والفضة
بالفضة الخ نے بیان کیا ہے، کیوں کہ
ربا البیع وہ ہے جو عقد بیع کے ساتھ بیع
کے وقت پایا جائے اور اشرقتادہ میں
جو ربا مذکور ہے، وہ بیع کے وقت
نہ ہوتا تھا، بلکہ اس میں تصریح ہے کہ اہل
جاہلیت ربا کا معاملہ اس وقت کرتے تھے
جب کہ مدت پوری ہو جاتی، اور خریدار
رقم کو ادا نہ کر سکتا، اور یہ بات ہر شخص
کو معلوم ہے کہ بیع کا معاملہ تو بالاتفاق
ایجاب و قبول اور تبدیل مجلس سے تمام
ہو جاتا ہے، اب جو ربا بیع تمام ہونے کے
بعد مدت پوری ہو جانے کے وقت پایا
جائے گا، اس کو بیع سے کیا تعلق اور اس کو
ربا البیع کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے، بلکہ
وہ تو ربا القرض ہے جس کو سنت مشہورہ
نے بیان نہیں کیا، اور اس میں اور ربا
القرض میں اصلاً کچھ فرق نہیں، پس قتادہ
کے اثر میں لفظ بیع کا ذکر آ جانا مستفی کو تو
کچھ بھی مفید نہیں، اور امام جصاص نے
احکام القرآن میں تصریح کر دی ہے کہ
اہل عرب نقد بیع کے اندر ایک مجلس
کا دوسرے مجلس سے زیادہ ہونے کو

ربا نہیں سمجھتے تھے، ان کے یہاں معاملہ ربا کی صرف وہی صورت تھی جو ہم نے پہلے بیان کی ہے کہ وہ دراہم و دنانیر ایک مدت کیلئے قرض دیا کرتے اور زیادہ وصول کرنے کی شرط لگاتے تھے اور جس کو اس کے خلاف کا دعویٰ ہو وہ دلیل پیش کرے ورنہ امام جصاص نیز ان تمام علماء کا قول جنہوں نے ربا جاہلی کو قرض میں منحصر کیا ہے ہر مخالف پر حجت ہے، اور ہم کو مستفتی پر حجت ہے کہ وہ قتادہ اور سعید بن جبیر اور امام شافعی اور ابن العربی اور واحدی وغیرہ مفسرین کی تفسیر سے بلاوجہ خوش ہوتا ہے حالانکہ ان کی تفسیروں میں اس کے لئے خوشی کا کوئی موقع نہیں، کیونکہ حضرات بلکہ وہ تمام علماء جنہوں نے ربا جاہلی کی تفسیر میں لفظ بیع کا ذکر کیا ہے اس امر پر متفق ہیں کہ اہل غر (بیع کے بعد) جب مدت مقررہ پوری ہو جاتی اس وقت کہتے تھے کہ تم رقم دو گے یا سود دو اس پر اگر وہ رقم نہ ادا کرتا تو ٹخن میں زیادتی کر دیتے اور خریدار کو مہلت دیدیتے اور اس صورت پر ربا کی وہ تعریف ہرگز صادق نہیں آتی جو خود مستفتی نے بیان کی ہے، کہ ربا وہ زیادت ہے جو بیع میں عوض سے خالی ہو کیونکہ ٹخن موعجل میں مدت تمام ہونے کی بعد جو زیادت کی جائے گی اس کو فضل حسالی

المستفتی شیئاً وقد صرح الجصاص فی احکام القرائان بان العرب لم یکنوا یعرفون البیع بالنقد و اذا کان متفاضلاً من مجلس واحد ربا الی ان قال ولم یکن تعاملہم بالربا الا علی الوجه الذی ذکرنا من قرض دراهم و دنانیر الی اجل مع شرط الزیادة (ص ۲۶۵) و من ادعی خلاف فعلیہ البیان والا فالجصاص ومثلہ من العلماء الذین قصروا ربا الجاہلیۃ، علی ربا الذین حجۃ علی من نادواہم والعجب من المستفتی انہ کیف یفہم بتفسیر قتادۃ وبتفسیر سعید بن جبیر و الشافعی وابن العربی الممالکی وبتفسیر الواحدی وغیرہم من المفسرین کا راحتہ فی شئ من ذلک فان هؤلاء جمیعاً بل کل من ذکر لفظ البیع فی تفسیر ربا الجاہلیۃ متفقون علی ان العرب کانوا یقولون اذا حل لاجل اتقاضی امرت بی فان لم یقض زادوا فی الثمن علی ان یؤخروا، وھذا الایضاً علیہ حد الربا الذی ذکرہ المستفتی یقولہ الربا ھو الفضل لخالی عن العوض فی البیع (ص ۲۶۴) فان الزیادة

فی الثمن المؤجل عند حلول الاجل
 ليس بالفصل الخالي عن العوض بعد
 انقراض البيع وقد تقدم عن ابن
 رشد في بداية المجتهد له اتفاق
 العلماء على ان الربا يوجد في شيئين
 في البيع وفيما تقر في الذمة من
 بيع او سلف الخ وفيه تصريح بالربا
 الموجود فيما تقر في الذمة من بيع
 ليس من ربا البيع الذي هو النوع
 الاول بل هو من نوع الثاني الذي
 يكون فيما تقر في الذمة قبطل ما
 زعمه المستفق من دخول في ربا البيع
 فان قيل ان الزيادة في الثمن في الحط
 منه يلتحقان باصل العقد قلت ذلك
 مشروط بقيام المبيع وبغير الصرف
 وبان لا تكون الزيادة والحط في
 مقابلة الاجل واما بعد هلاك المبيع
 ولو حكما وكذا ان كانت الزيادة و
 الحط في مقابلة الاجل فلا
 يلتحق بالعقد كما لو قال
 المشتري اخبرني وازيدك
 او قال البائع عجل وضع
 عنك فكلاهما باطل كما صرح

عن العوض في البيع نہیں کہہ سکتے بلکہ
 یہ تو فضل خالی عن العوض بعد تمام بیع ہو
 اور علامہ ابن رشد کا یہ قول اوپر گزر چکا
 ہے کہ علمائے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ ربا
 دو چیزوں میں متحقق ہوتا ہے، ایک بیع میں
 دوسرے اس دین میں جو ذمہ پر واجب ہو
 خواہ بیع سے واجب ہوا ہو یا قرض سے الخ
 اور اس میں صاف تصریح ہے کہ جو ربا اس
 دین میں متحقق ہو جو بیع سے واجب ہوا ہو
 وہ قسم اول یعنی ربا البیع میں داخل نہیں
 بلکہ قسم دوم یعنی ربا القرض میں داخل ہے
 پس مستفتی کا اس کو ربا البیع میں داخل
 سمجھنا غلط ہے، اور اگر یہ کہا جائے کہ ثمن
 میں زیادت اور کمی کرنا تو اصل عقد سے
 ملحق ہوتا ہے (پس ثمن مؤجل میں مشتری کی
 طرف سے جو زیادت ہوگی وہ عقد بیع سے
 ملحق ہو کر ثمن بیع قرار پائے گی، اور اس میں
 جو ربا ہوگا وہ ربا البیع ہوگا نہ ربا القرض)
 تو اس کا جواب یہ ہے کہ زیادت فی الثمن کا
 اصل عقد سے ملحق ہونا چند شرائط کے ساتھ
 مشروط ہے، اول یہ کہ اس وقت تک بیع
 اپنے حال پر باقی ہو دوسرے یہ کہ یہ عقد
 بیع صرف نہ ہو، تیسرے یہ کہ یہ زیادت

لحقه صرح بالاولين في الدرر المختار وغيره في باب لتصرف في الثمن ولزم الثالث بطلان

اخر عني وازيدك وعجل واضع عنك ۱۲ منہ

به غير واحد من علماءنا و
منهم الجصاص في أحكام القرآن
له (ص ۴۶۷ ج ۱) فظهر بما ذكرنا
ان الزيادة التي كانت العرب
تزيدوها عند حلول الاجل
في مقابلة التاخير لم تكن
ملحقة بالعقد اصلا والالم
تكن ربابل كانت جائزة و
المبيع قائم ولكن الآثار
واقوال المفسرين كلها
مطبقة على كون هذه
الزيادة التي كانت العرب
تفعله سرا محرما فادخال
هذه الزيادة في الثمن و
الحاقها بالعقد باطل قطعاً
بل انها هو من ربا الدين
اذا كان كذلك واية الربا
مجملة عند المستفتي لا يباينها
بالسنة المشهورة وهي واردة
في ربا البيع عندنا لا غير فمن
اين قال المستفتي بحرمة
الذي ورد ذكره في اثر قتادة وسعيد
بن جبيرة قول الشافعي وابن العربي و
الواحدى وغيرهم من المفسرين قال
قلت بحرمة كونه داخل في ربا البيع الذي

اجل اور مدت کے مقابلہ میں نہ ہو، اور
اگر ثمن میں زیادتی کمی بیع کے ہلاک ہو جائے
کے بعد کی گئی یا اجل اور مدت کے مقابلہ
میں ہوئی تو یہ عقد سے ملحق نہ ہوگی، مثلاً
خریداریوں کہے کہ مجھے مہلت دیدو میں
ثمن زیادہ کر دوں گا یا بائع یوں کہے کہ تو
مدت معینہ سے پہلے ثمن دیدے تو میں کچھ
کم کر دوں گا یہ دونوں صورتیں باطل ہیں،
جیسا جصاص نے احکام القرآن میں اس
کی تصریح کی ہے، اس کے بعد بات ظاہر ہے
کہ اہل عرب ثمن موجل کی میعاد پورا ہونے
کے بعد جو زیادت ثمن میں بمعاضدہ تاخیر کے
کرتے تھے، وہ ہرگز عقد سے ملحق نہ تھے، ورنہ
ربا میں داخل نہ ہوتی، بلکہ بحالت قیام
بیع یہ زیادت مباح ہوتی، حالانکہ مفسرین
کے اقوال اور صحابہ کے آثار ربا بالافاقی
اس کو ربا حرام بتلا رہے ہیں، پس اس زیادتی
کو ثمن میں داخل کیے عقد بیع سے ملحق کرنا قطعاً
غلط ہے، بلکہ وہ تو ربا القرض کی قسم سے ہے
اور جب ایسا ہے اور مستفتی کے نزدیک
آیت ربا مجمل ہے جس کا بیان سنت مشہورہ
کے سوا کچھ نہیں، اور سنت مشہورہ میں اس
کے نزدیک صرف ربا البیع کا ذکر ہے اس کے
سوا کچھ نہیں تو اب مستفتی بتلائے کہ اس نے
اس ربا کو جس کا اثر قتادہ و سعید بن جبیر

ورد بیانہ فی السنۃ فقد ظہر بطلان
ذلك بہا ذکرنا وان قال قلت بحرمۃ
ودخولہ فی الربا باثر قتادۃ وبا قول
المفسرین قلنا فیلزمک کوز الاثر
الموقوف الخیر القطعی بیانا للآیۃ
وقد استکرتہ فی (ص ۱۶) وایضا بلزیمۃ
القول بحرمۃ الفضل المشرط،
سے ربایں داخل سمجھتا ہوں تو ہم کہیں گے کہ اس صورت میں تم کو اثر موقوف ملنی کو آیت کا
بیان ماننا پڑے گا، اور تم اس کا انکار کرتے ہو،

فی القرض بالاثار الخالیۃ عن ذکر البیع
العامة للقرض وغیرہ وبا قول
العلماء الذین فسروا دبا الجاہلیۃ
بالزیادۃ فی القرض وایضا نطالبک
بالفرق بین الزیادۃ فی الثمن المؤجل
عند حلول الاجل بشرط التأخیر والزیادۃ
المشرطۃ فی القرض فان قلت بان
الزیادۃ فی الاول بمقابلۃ المبیع فقد
ظہر بطلانہ وان قلت بانھا
بعد حلول الاجل کلا فی ابتداء
العقد وفي الثاني تكون
الزیادۃ مشروطۃ من الاول
العقد قلنا فالثانی اولی

نیز تم کو ان آثار عامہ کی وجہ سے جن میں بیع کا
ذکر نہیں اور ان علماء کے اقوال کی وجہ سے
جو ربایں جاہلی کی تفسیر ربایں القرض سے کر رہے
ہیں، اس زیادت کی حرمت کا بھی قائل
ہونا پڑے گا جو قرض میں مشروط ہو، نیز ہم
تم سے اس زیادت میں جو ثمن مؤجل میں معیاد
گزرنے پر بعض مہلت کی جاتی ہے، اور
اس زیادت میں جو قرض میں مشروط ہوتی
ہے، فرق دریافت کرنا چاہتے ہیں، اگر
تم دونوں میں یہ فرق بتلاؤ کہ پہلی صورت
میں بیع کی عوض زیادت ہے، تو اس کا بطلان
تو ابھی ظاہر ہو چکا ہے، اور اگر یہ کہو کہ پہلی
صورت میں تو میعاد گزرنے کے بعد زیادت

عہ ولا یصح القول بان الحمل لا یمیز مفسر الجہر الواحد فقد صرح فی التوضیح بجواز التفسیر لکتاب بحر الواحد کذا جعل فی
نور الانوار اجارہ الآحاد بما یحمل الکتاب وقال الآمدی لا یمتنع ان یکون البیان اما بدلیل قاطع او ظنی اقرب من
القرائن ما اوجب العلم بدلول کلامہ (ص ۶۵، ۳۷) عہ ذکر المستفتی فی الفرق فی ص ۴، مؤلف۔

ہے، ابتداء عقد میں نہیں ہے، اور دوسری صورت میں ابتداء عقد ہی سے زیادتی مشروط

ہے تو ہم کہیں گے کہ اس بناء پر دوسری صورت کو بدرجہ اولیٰ حرام کہنا چاہئے کیونکہ

جاہلیت والے تو دین کو اجل کے عوض اس

وقت بڑھاتے تھے، جب کہ مدیون وقت

پر ادا نہ کرتا اور ٹالنے لگتا..... اور قرض

کا ٹالنا شرعاً و عرفاً ہر طرح مذموم ہے (اس

کی سزا میں اگر کچھ زیادتی کی جائے تو قرین

قیاس ہے) بخلاف اس کے کہ قرض دین والا

ابتداء ہی سے قرض زائد وصول کرنے

کی شرط کرتا ہے، حالانکہ ہنوز مدیون کی

طرف سے کوتاہی اور ٹال بھی متحقق نہیں ہوئی

تو یہ زیادتی محض مہلت اور مدت کے بدلہ

میں ہے (اور اس کا ربا ہونا بدیہی ہے) پھر ہم

تم سے دریافت کرتے ہیں کہ اگر دو شخص باہم خرید

و فروخت ثمن مؤجل کے ساتھ کریں، اور

ابتداءً عقد ہی سے یہ شرط کر لیں کہ اگر خرید

معاذ گزرنے پر ثمن ادا نہ کرے تو اس کے

ہر مہینہ ایک درہم زائد لیا جائے گا

تو کیا مستفی اس صورت کو اس بناء پر جائز

کہہ دیگا کہ اس میں ابتداءً عقد سے زیادتی

بالحرمة لان الجاہلیۃ كانوا

یزیدون فی الدین عوض الاجل

اذ المر یقضہ المدیون عند حلولہ

وارتکب المظل الذي هو ظلم شرعاً

وعرفا بخلاف المقرض اذا اشترط

الزیادة علی القرض من اول الامر

من غیر ان یوجد من المدیون مظل

فان هذه الزیادة لیست الا فی

مقابلة الاجل وایضا فلو تبایع

الرجلان بثمان المؤجل و

اشترطتا من اول العقد ان

المشتري اذا المر یقض الثمن عند

حلول الاجل یزاد علیہ درہم

فی کل شہر فہل یقول المستفتی

بجواز ذلك لكون الزیادة

مشروطة من اول العقد

فان اجراء علی ذلك فقد

جعل نفسه سخرة للربیان

حيث ادخل الزیادة فی الثمن عند حلول

الاجل بعد انقراض البیع وانتہائہ

فی ربا البیع ولا یجعل الزیادة المشروطة فی

العقد داخل فیہ وان قال بحرمتہ

مع حاصدان ربا الجاہلیۃ کان فی مقابلة الاجل مع كونه عقوبة المظل وفضل المشروط فی القرض لیس لا عوض

الاجل من غیر عقوبة اصلاً فحرمة الثانی اولى من الاول لا بالقیاس بل بدلالة النص كما ان حرمة ایلام

الایون بالضرب والشم اولى من حرمة قول اف لہما قاہم ۱۲ منہ

فقد ابطال الفرق الذي ابداه في ربا
 المجاهلية والفضل المشروط في القرض
 وايضا قلوا استقرض رجل من اخوة
 درهم الى شهر ولم يشترط الزيادة من
 اول الامر فاذا مضى الشهر قال لمقرض
 للمستقرض اتقضى امرتني هل يجوز
 ذلك امر هو ربا محرم فان قال بالاول
 تطالبه بالفرق بينه وبين ربا المجاهلية
 فان هذه زيادة بعد حلول الاجل ايضا
 لا في ابتداء العقد وان قال بالثاني
 فقد ابطال الفرق الذي ابداه وبالحجة
 فلم يأت المستفتي في رسالته الا بالاجمال
 والاعلوطات التي يتعجب منها كل عاقل
 لبیب ادعاه اريب هذا ونقول ثالثا
 في جواب الاستدلال بالاجمال بانا
 لو سلمنا اجمال الآية فلا نسلم ان
 بيانها حديث ابی سعيد وعبادة
 الذهب بالذهب والفضة
 بالفضة الخ، فقط بل ببيانها
 هذا الحديث مع حديث كل
 قرض جرتقا فهو ربا ومع
 حديث اتما الربا في النسبة
 وغيرهما ولا يلزم من
 ذكر اهل الاصول حديث
 ابی سعيد وعبادة وجعلهم

مشروط ہے، اگر وہ اس پر جرات کرے
 تو یقیناً اپنے کو باز پچہ طفلان بنائے گا،
 کیوں کہ عقد بیع تمام ہو جانے اور ثمن
 مؤجل کی میعاد گزر جانے کے بعد جو
 زیادتی ثمن میں کی جائے، اس کو ربا البیع
 میں داخل کرنا (اور حرام کہنا) اور عقد بیع
 کے وقت جس زیادتی کی شرط کی جائے
 اس کو ربا البیع سے خارج کرنا اور حلال
 کہنا مستفتی ہی کی عقل میں آسکتا ہے، کوئی
 جاہل سے جاہل بھی اس کا قائل نہیں ہو سکتا
 اور اگر وہ اس کو بھی حرام (اور ربا البیع میں
 داخل سمجھتا ہے تو وہ فرق باطل ہو گیا جو اس
 نے ربا جاہلیت اور ربا القرض میں پیدا کیا
 تھا، نیز اگر کوئی شخص سود رہم ایک مہینہ
 کے وعدہ پر دوسرے سے قرض لے اور
 ابتداء میں زیادتی کی شرط نہ کی جائے، بلکہ
 مہینہ تمام ہونے کے بعد قرض دینے والا
 قرض خواہ سے یوں کہے کہ تم رقم ادا کرتے
 ہو یا کچھ زائد دینا چاہتے ہو، یہ صورت
 جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو ہم مستفتی
 سے اس صورت میں اور ربا جاہلیت کی
 صورت میں فرق دریافت کرنا چاہتے ہیں
 کیونکہ یہاں بھی میعاد گزرنے کے بعد زیادتی
 کی گئی ہے (ابتداء عقد میں نہیں کی گئی) اور
 اگر حرام و ربا ہے تو وہ فرق باطل ہو گیا

ایا ہ بیان لایۃ ان لا
یکون غیرہ بیاناً لها فان
ذکر شیئ لا یستلزم نفی
ما عداہ فیحمل ذکرہم
لہ علی التمثیل و اما ان
خبر الواحد لا یصح
بیاناً للقطعی کما ذمہ المستفتی
فقد رد دناہ و بیانا ان الحق جواز
کیف و اکثر ما ذکر وہ من امثلة
البیان من اخبار الاحاد فانہم
بالذہب والفضة وبالفضة الخ ہے، بلکہ اس کا بیان یہ حدیث کی تشریح جہ نفعاً فہو رباً
بھی ہے، اور حدیث النساء الربا فی النسۃ وغیرہ بھی، اور اصولیین نے جو حدیث ابو سعید
و عبادہ کو آیت کا بیان قرار دیا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسری احادیث
بیان نہ ہوں، کیونکہ ایک کا ذکر دوسرے کی نفی کو مستلزم نہیں، پس ان کا ایک حدیث کو
بیان کرنا صرف تمثیل پر محمول ہے، رہا یہ کہ خبر واحد آیت قطعی کا بیان نہیں ہو سکتی، جیسا
مستفتی نے دعویٰ کیا ہے تو ہم اس کو (حاشیہ عربیہ میں) رد کر چکے اور بتلا چکے ہیں، کہ حق یہ ہے
کہ خبر واحد قطعی کا بیان ہو سکتی ہے، کیوں نہ ہو، حالانکہ فقہاء نے جس قدر مثالیں بیان کی ذکر
کی ہیں وہ سب اخباراً احادیث ہیں،

و اما حدیث کل قرض جہ منفعة
فہو رباً فبیانہ ان المنفعة قیہ عامۃ لکل
منفعة سوا کانت من قبیل الوصف
کالجودۃ ونحوھا او من قبیل الزیادۃ
کالارجاح فی الوزن او غیرہما کالہدیۃ
والدعویۃ ونحوہما اما المنفعة القی
ہی من قبیل الوصف او من جنس
آب ہم حدیث کی قرض جہ منفعة فہو رباً کی شرح
کرتے ہیں کہ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ جس قرض سے
نفع حاصل کیا جائے وہ رباً ہے اور ایسی
لفظ منفعت ہر نفع کو عام ہے خواہ وصف
کی قسم سے ہو جیسے کھرا پن یا وزن میں زیادتی
کی قسم سے ہو یا ان دونوں کے علاوہ ہونے
ہدیہ و دعوت وغیرہ، رہی وہ منفعت جو وصف

قسم سے یا ہدیہ اور دعوت کی قسم سے ہو اس کے
حرام ہونے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں، مگر
اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر ان میں منافع کی
شرط کمر لی جائے تو حرام ہیں اور شمس الائمہ کا
قول یہ ہے کہ مدیون کا ہدیہ اور دعوت قبول
کرنا بدون شرط کے بھی حرام ہے، جب کہ
قرض سے پہلے ہدیہ و دعوت کی عادت نہ ہو
اور قرائن سے یہ ثابت ہو کہ یہ سب کچھ قرض
ہی کی وجہ سے ہو رہا ہے، اور ہمارے نزدیک
یہی حق ہے کیونکہ آثار سے اسی کی تائید
ہو رہی ہے

اور کرنخی کا قول ہے کہ اگر شرط نہ
ہو تو ہدیہ و دعوت کا قبول کرنا
حلال ہے اور جو منفعت وزن یا
عدد میں زیادت کی قسم سے ہو اس
کی حرمت ہر سب کو اتفاق
ہے خواہ اس کی مشرط ہو یا نہ ہو
البتہ اگر زیادتی بمقدار قلیل ہو جیسے
سود رہم میں ایک دانگ یا دو
زیادتی ہبہ کے طریق پر ہو تو مقلاتہ
نہیں جیسا مفصل اوپر معلوم ہو چکا
ہے اور ان اقسام منفعت کے احکام
میں فسر ق ظاہر ہے کیونکہ اوصاف
جودت اور ردارت وغیرہ اموال
ربوہ میں قابل اعتبار نہیں کیونکہ شارع نے مدہم

الهدیۃ والدعویۃ فاختلعت اقوال
العلماء فی حرمتها مع اتفاقہم علیہا
اذا كانت مشروطۃ وذهب شمس الائمہ
العملوا فی منالی حرمتہ قبول الهدیۃ
واجابۃ الدعویۃ من غیر شرط ایضا
اذا لم یجربہا عادة قبل الاقراض و
قامت قرینۃ علی كونہا لاجلہ وھو الحق
عندنا لكونہ مؤید ابی الاثر و قال
الکفی لابا من ہذا اذا لم تکن مشروطۃ
واما التی من جہتہ الارحام فی الوزن
والعدد فاتفقوا علی حرمتہا سواء
كانت مشروطۃ اولا الا ما قتل
منہا کدانق مائة دراہم او تكون
بلفظ الہبۃ او ما یجری مجواہ
وقد مر تفصیل الاقوال فی
ھذہ المسئلۃ من قبل ووجہ
الفرق فی احکام ھذہ لانواع
من المنفعۃ ظاہر علی کل من لہ
مسکۃ بالفقۃ فان الوجودۃ
والرداءۃ ونحوہما من
الاوصاف ہدر فی الاموال
الربویۃ فان الشارع
قد جعل الدرہم
الردی والعید سواء
وکن الصاع الردی

من التمر والجنيب منه
كلاهما سواء، فإذا قضى
المديون درهماً جيداً مكان
درهم ردی من غير شرط لا يصح
عليها منها منفعة جرّها القرض
لكون الوصف هدايا في الاموال
الربوية نعم اذا اشترط المقترض
الجودة مثلاً صارت مقصودة
لها فيصدّق عليها انها منفعة
جرّها القرض وهدية الغريم
ودعوتهم منفصلة كلاهما عن مجلس
القضاء ووقته اجنبى عن القرض
ظاهر الكونه من غير جنس
الدين منفصلاً عن قضاء -
ووصل الاجابة بالاجنبى لا يكون
الابطال فلا يقال في كل هدية ودعوتهم
ان القرض جرّها الا اذا كانتا مشروطتين
عند الاقتراض او قامت قرينة على جرّه
لها بخلاف الزيادة والرجحان في درهم
القرض عند قضائه فان جر القرض لها
ظاهر لكونها مقرونة بقضاءه ومن
جنسه فلا تجوز مطلقاً الا اذا كانت
قليلة لا يعتد بها او كان قد صرح
المدايون بكونها هبة فاز القليل
يتعذر الاحتراز منه والتصريح

جید ردی نیز عمدہ خرما اور خراب خرما کو مکمل
قرار دیا ہے، تو اگر مدیون بدون شرط کے درهم
ردی کی جگہ عمدہ درهم ادا کر دے تو اس کو یہ نہیں
کہا جاسکتا کہ قرض سے منفعت حاصل کی گئی ہے
کیوں کہ اموال ربویہ میں اوصاف کا اعتبار نہیں
ہے، ہاں اگر قرض دینے والا جو دت کی شرط
کے لئے تو اس وقت چونکہ یہ وصف مقصود ہو گیا
ہے اس لئے اس پر یہ بات صادق آتی ہے
کہ قرض سے منفعت حاصل کی گئی ہے اسی طرح
مدیون اگر قرض دینے والے کی دعوت کو لے یا
اس کو ہدیہ دے جو ادا لئے قرض کے وقت اسی
مجلس میں پیش نہ کیا جائے تو چونکہ ظاہر میں
یہ قرض سے بالکل علحدہ چیز ہے، کیونکہ اس کی
جنس سے بھی نہیں اور ادا کے ساتھ نہیں -
اور اجنبی شے کا تعلق اجنبی سے بدون
ربط کے نہیں ہو سکتا، اس لئے ہر ہدیہ اور دعوت
پر یہ بات صادق نہیں آ سکتی کہ قرض سے منفعت
حاصل کی گئی ہے البتہ اگر قرض دینے کے وقت
ہی ہدیہ و دعوت کی شرط کر لی جائے یا کوئی
قرینہ قائم ہو جائے کہ یہ ہدیہ وغیرہ قرض کی
وجہ سے دیا گیا ہے تو اس وقت اس کو قرض
کا نفع کہا جاسکتا ہے، بخلاف اس کے کہ قرض
کی رقم ادا کرتے وقت کچھ زیادہ رقم دی جائے
یا وزن بڑھا دیا جائے تو اس کا منفعت قرض
ہونا اور قرض کی وجہ سے حاصل ہونا ظاہر ہے

بالهبة ينفي الربا كونها عقداً مستقلاً
اجتنباً عن الاقراض الا اذا كانت الهبة
مشرطاً فيصدق عليها انها منفعة قد جرها
القرض فلا يجوز واذا علمت ذلك ظهر لك
بطلان قول المستفق ان الفقهاء لم
يتمسكوا بهذا الحديث والاثار من لدن
رسول الله صلى الله عليه وسلم والزماننا
هذا ولم يفتوا بحرمته امثال هذا المنع
بل اتفقوا على انه لا يكون ربا الا ان يكون
مشرطاً في العقد وهذا خلاف ما
دلت عليه هذه الآثار والحديث الواردة
في هذا الباب على ما فيها لانهما يدل على
حرمة كل منفعة سواء شرطت او لم
تشرط مع انها بدون الشرط جائزة
بالاتفاق اهـ مكـ فهداه والله عز
مريته فان الفقهاء من الصحابة و
التابعين واتباعهم لم يزاوا يستدلون
على حرمة منافع القرض بهذا الحديث
ومعناه وصرح بعضهم كشمس الائمة
منا ومالك واحمد بحرمته مطلقاً سواء
شرطت او لم تشرط والذين قيدوا المحرم
بالامتناع اطلاقاً قيدوها به عملاً
بهذا الحديث لا اعراضها عنه لما
فيه من لفظ الجوف قالوا ان القرض
لا يجوز الى نفسه منفعة اجنبية

کیونکہ یہ زیادت ادا کے قرض سے متصل بھی
ہے اور اس کی جنس سے بھی ہے، تو یہ کسی حال
میں جائز نہیں، ہاں اگر معمولی زیادتی ہو جو
تاقابل اعتبار ہے یا مدیون نے اس کو صراحتاً
ہبہ کے طریق سے دیا ہو تو جائز ہے، کیونکہ
قلیل سے احتراز دشوار ہے اور ہبہ کی تصریح
کے ساتھ ربا منتفی ہو جاتی ہے کیونکہ وہ مستقل
معاوضہ ہے، جو قرض سے جدا ہے، البتہ اگر قرض
کے ساتھ ہی ہبہ کی شرط کی جائے تو اس صورت
میں یہ بات صادق آئے گی کہ قرض کے ذریعہ کو
نفع حاصل کیا گیا، اور یہ جائز نہیں، جب
اس کو سمجھ گئے تو اس تقریر سے تم کو مستفی
کے اس قول کا باطل ہونا معلوم ہو گیا ہوگا،
کہ فقہار نے اس حدیث و اثر سے رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ سے اس وقت
تک تمسک نہیں کیا اور نہ اس قسم کے منافع
کی حرمت کا فتویٰ دیا بلکہ وہ ربیاس بات
پر متفق ہیں کہ یہ منافع جب تک مشروط نہ ہو
اس وقت تک ربایں داخل نہ ہوں گے
اور یہ بات اس حدیث کے اور جملہ آثار کے
جو اس باب میں مروی ہیں خلاف ہے کیونکہ
وہ تو اطلاق کے ساتھ ہر منفعت کے حرام
ہونے پر دلالت کرتی ہے، خواہ مشروط ہو
یا نہ ہو حالانکہ بدون شرط کے یہ منافع بالاحتیاط
جائز ہیں ام، اور بخدا یہ صریح بہتان ہے،

کا لہد یت والدعوة او منفعة قد
 ہدرھا الشارع کالجودة ونحوھا اکا
 بالاشتراط فمن شاء الاختلاف في
 التقييد بالاشتراط النظر الى لفظ
 الجبر والى صدق مفهوم بدون
 الاشتراط او عدمه وقول مستفتي
 مع انها بدون الشرط جائزة بالاتفاق
 باطل منشاء قلة المراجعة الى مذہب
 العلماء فقد ذكرنا عن رجمہ الامتہ
 کیوں کہ فقہاء و صحابہ و تابعین و تبع تابعین
 ہمیشہ سے منافع قرض کے حرمت پر اس حدیث
 یا اس کے ہم معنی آثار سے استدلال کرتے
 آئے ہیں، اور بعض فقہاء نے ابن منافع کی
 حرمت کو اطلاق کے ساتھ بیان کیا ہے،
 خواہ مشروط ہوں یا نہ ہوں، جیسا شمس اللامہ
 اور امام مالک و احمد سے منقول ہے، اور
 جن لوگوں نے حرمت کو شرط کی قید و مقید
 کیا ہے وہ بھی اسی حدیث (کل قرض

جر نفعاً الخ) پر عمل کرتے ہوئے یہ قید لگا رہے ہیں نہ کہ اس سے اعراض کرتے ہوئے کیونکہ
 حدیث میں لفظ جر موجود ہے تو وہ کہتے ہیں کہ قرض اپنی طرف ایسی منفعت کو جو محض
 اجنبی ہے، یا شرعاً قابل اعتبار نہیں ہے، بدون شرط کے کشش نہیں کر سکتا، پس شرط
 کے ساتھ حرمت کے مقید کرنے میں جو اختلاف ہے، اس کا منشاء لفظ جر ہے، کہ اس کا
 مفہوم بدون شرط کے صادق آتا ہے یا نہیں، رہا مستفتی کا یہ قول کہ بدون شرط کے یہ منافع
 بالاتفاق جائز ہیں آہ بالکل غلط ہے، جس کا منشاء مذاہب علماء سے ناواقف ہی ہے کیونکہ ہم رحمۃ
 الائمہ کے حوالہ سے بتلا چکے ہیں۔

ان ابا حنیفہ و مالک و احمد ذہبوا الى
 حرمتها مطلقا الا اذا جرت العادة بها بين المقتربين
 من قبل وهو قول شمس الائمة الحلواني
 وذهب الشافعي الى جوازها من غير شرط
 وهو قول الكرخي منا ويشير اليه
 كلام محمد في بعض كتبه وهذا
 الاختلاف انها هوفى المنافع
 التي هي من جنس الجواردة
 او الهدية والدعوة واما ما كان من جنس
 کہ امام ابو حنیفہ اور مالک و احمد ان منافع
 کو مطلقاً حرام فرماتے ہیں مگر جب کہ قرض کے
 معاملہ سے پہلے بھی ان لوگوں میں ہدیہ دعوت
 کی عادت جاری ہو تو مضائقہ نہیں شمس اللامہ
 حلوانی کا یہی قول ہے، ہاں امام شافعی
 بدون شرط کے ان منافع کو جائز کہتے ہیں
 اور کرخی کا بھی یہی قول ہے، اور بعض
 کتابوں میں محمد کا کلام بھی اسی طرف اشارہ
 کرتا ہے اور یہ اختلاف انہی منافع میں ہے جو

الزيادة في الوزن والعدد فلا
اختلاف في حرمتها مطلقاً كما قد
مناه ومن ادعى الاختلاف فيه
فعليه البيان وظهور بطلان
قول المستفق ان الفضل المشروط
في القرض ليس ريباً منصوصاً لان
الفقهاء استدلوا على حرمة بحدوث
كل قرض جرم منفعة وجعله الفقيه
ابو الوليد مقيساً على الربا المحرم
بالقرآن ريباً بالماهلية وكذا جعله
العلامة الكاساني شبيهاً
بالربا واطلق محمد عليه
الكرامة لا الحرمة فلو كان الفضل
المشروط في القرض ريباً منصوصاً
لحسب استدلالاً عليه بمثل هذا التحذير
المشهور الذي ضعفه بعض المحدثين
ولو يجزئونه مقيساً على الربا وشبهها له
ولصرحوا بحرمة اهـ ملخصاً بهما
(ص ۱۳، ۱۴) فان استدلوا لهم بالحدوث
ليس على حرمة الفضل الذي يكون
بالزيادة في الوزن والعدد بل على
حرمة الفضل بعد المنفعة التي تكون

وصف جودت یا ہدیہ ودعوت کی قسم سے
ہوا اور جو منفعت زیادت وزن و عدد کی
قسم سے ہو اس کے مطلقاً حرام ہونے میں
کسی کا اختلاف نہیں، اور جو اس کے خلاف
کا دعویٰ کرے وہ دلیل بیان کرے، نیز
اس تقریر سے مستفقی کے اس قول کا بطلان
بھی ظاہر ہو گیا کہ قرض میں جو زیادت مشروط
ہوتی ہے وہ صریح ربا نہیں کیونکہ فقہائے
اس کی حرمت پر حدیث کل قرض الخ سے
استدلال کیا ہے، اور تاضی ابو الولید نے
اس کو ربا جاہلی پر مقيس کہا ہے، اور علامہ
کاسانی صاحب بدائع نے اس کو مشابہ
ربا قرار دیا ہے اور محمد نے اس پر کراہت کا
اطلاق کیا ہے نہ حرمت کا پس اگر وہ زیادت
جو قرض میں مشروط ہو، صریح ربا ہوتی تو فقہاء
اس کی حرمت پر اس غیر مشہور حدیث سے
استدلال نہ کرتے جس کو بعض محدثین نے ضعیف
بھی کہا ہے، نیز اس کو ربا پر قیاس نہ کرتے
اور اس کے مشابہ نہ کہتے بلکہ اس کی حرمت
کی صراحت کرتے آہ

وجہ بطلان کی یہ ہے کہ فقہاء نے اس
حدیث سے اس زیادت کی حرمت پر استدلال

مہ ای اذا كانت قليلة لا يعتد بها او كانت بطريق العطار والهيئة كما مر ۱۲ مہ وقيمان ملك العلماء قد صرح بان
الاخرا عن شبهة الربا واجب ايضا فلا تدرى كيف فرغ الاستفقي بنقل كلامه وايضا صرح محمد بن الكواهبة
بمعنى الحرمة قال في الهداية والمروى عن محمد بن صالح كل كمره حرام اهـ (ص ۳۶ و ۳۷)

من جهة الوصف كالجودة او من جنس الهدية والدعوة ونحوها وهذا لا يكره تونه تشبها للربا الحقيقي، ومكروهاً ما ان اطلاق الكراهة لا ينفي الحرمة فان اطلاق المكروه على الحرام اشاع في كلام الفقهاء الا ترى محمد بن الحسن يقول في مؤطا في بيع المضامين والملاقيم وجبل الحيلة هذه البيوع كلها مكروهة ولا ينبغي ام وقد اجمع العلماء على حرمتها لثبوت النهي عنها على لسان الشارع صلى الله عليه وسلم ومثل ذلك في كلامه كثير وكذا في كلام غيره من الفقهاء وفي الدر كل قرض جرنفعاً حرام وفيه ايضاً عن الخلاصة القرض بالشرط حرام (ص ۲۴۰، ۲۴۱) باب القرض،

فمن اطلق عليه المكروه يربده الحرام لا سيما اذا كان هذا الاطلاق في كلام الصحابة فانهم كانوا لا يفرقون بين المكروه والحرام والواجب والقرض لكون الاصطلاح حادثاً بعد هجرنا ندحض قول المستفتي ان الصحابة اتفقوا على كراهته و

نہیں کیا جو وزن و عدد میں ہو بلکہ ان منافع کی حرمت پر استدلال کیا ہے، جو وصف جودت و ہدیہ و دعوت کی قسم سے ہوں اور اس کا مشابہ ربا اور مکروہ ہوتا، ہم کو بھی مسلم ہے، اگر کراہت کے اطلاق سے حرمت کی نفی لازم نہیں آتی کیونکہ فقہاء کے کلام میں حرام پر مکروہ کا اطلاق بہت شائع ہے چنانچہ امام محمد نے مضامین و ملاقیم و جبل الحیلہ کی بیع پر مکروہ کا اطلاق کیا ہے حالانکہ سب علماء ان بیوع کی حرمت پر متفق ہیں کیونکہ شارع کی زبان سے صراحت ان کی مانعت ثابت ہے اور محمد کے اور دیگر فقہاء کے کلام میں اس کی بہت نظیریں ہیں اور درمختار میں (صاف موجود) ہے کہ جو قرض نفع کا سبب بنے وہ حرام ہے اور خلاصہ کے حوالہ سے اسی میں یہ بھی ہے کہ شرط کے ساتھ قرض دینا حرام ہے۔

پس جن حضرات نے اس منفعت کو مکروہ کہا ہے ان کی مراد بھی حرمت ہی ہے، خصوصاً اگر یہ اطلاق صحابہ کے کلام میں وارد ہو کیونکہ تو مکروہ و حرام میں اور فرض و واجب میں فرق نہ کرے تھے، یہ سب اصطلاحی فروق بعد میں ظاہر ہوئے ہیں، پس مستفتی کا یہ قول باطل ہو گیا کہ صحابہ نے اس منفعت کی حرمت ہی پر اتفاق کیا ہے، اور یہ اس کے ربا نہ ہونے کی دلیل ہے، ورنہ اس کو حرام کہتے آہ،

هو دليل على عدم كونه ربا
والا كان حراما مطلقا فالفرق بين
المكروه والحرام في كلامهم
باطل لما قلنا واما الفصل المقتضى
في القرض من جهة الوزن
والعدد فنلويستدلوا على حرمته
بحديث كل قرض جر نفعا
فقط بل استدلوا عليها بأية
الربا التي في القرآن وجعلوه
من ربا الباطنية واحتجوا عليها
بالاجماع ايضا كما مر كل ذلك
مفصلا فافهم ولا تكن من الغافلين
واذا عرفت ذلك فقد علمت
اننا لا نحتاج الى تصحيح حديث كل
قرض جر نفعا في جواب هذا الاستفتاء
الذي ورد علينا لما بين ان
حرمة الفضل المشرط
في القرض لا تتوقف عليه
ولكن نتكلم على ذلك تبعا
فنقول قد مر نقلا عن
العزیزی شارح جامع
الصغیر للسيوطی ان حديث
كل قرض جر منفعة فهو
حرام حسن لغيره فانك
بذلك قول المستفتي

یہ گفتگو تو ان منافع میں تھی جو
وصف جودت یا ہدیہ و دعوت
کی قسم سے ہوں رہی وہ منقبت
جو قرض کی رقم میں وزن یا عدد کی
زیادت کی صورت سے حاصل ہو تو
اس کی حرمت پر فقط حدیث کل
قرض جر نفعا الیہ سے استدلال نہیں
کیا گیا، بلکہ اس کی حرمت پر آیت
ربا سے استدلال کیا گیا اور اس کو ربا
جاہلی میں داخل کیا گیا، اور اس کی حرمت
پر اجماع سے بھی استدلال
کیا گیا ہے جیسا مفصل گزر چکا ہے
خوب سمجھ لو، اور نادان نہ بنو، جب
یہ بات معلوم ہو گئی تو اب سمجھو کہ
ہم کو مستفتی کے استفتاء کے جواب
میں حدیث کل قرض جر نفعا الیہ کی
صحت ثابت کرنے کی کچھ حاجت نہیں
کیونکہ ہم بتلا چکے ہیں کہ قرض
سے زائد وصول کرنے کی حرمت کا
نبوت اس حدیث پر موقوف
نہیں، لیکن ہم تبصرنا اس پر بھی
گفتگو کرنا چاہتے ہیں اور کہتے
ہیں کہ عزیزی شارح جامع صغیر
سیوطی کے حوالے سے اوپر گزر چکا
ہے کہ یہ حدیث حسن لغیرہ ہے۔

غیر ثابت و کلاصل لہ
 قال ابن حرقہ المحدث ابن
 اسامة واسناده ساقط واما
 عبد الحق بسوار بن مصعب
 وقال انه متروک الخ م۳۱
 فان الکلام فی طریق طریق
 لا ینفی حسن الحدیث و لا
 صحته لغیره فان الحدیث
 بتعدد الطرق قد یصل
 الی رتبة الصحيح مرة و
 الی درجة المحسن اخرى
 وهذا الحدیث قد بلغ
 بتعدد طرقه ویشواهد
 الی درجة المحسن كما قال
 المیوطی فالقول بانہ غیر ثابت و لا
 اصل لہ لا یجترئ علیہ الا من
 لا علم لہ و لا مساس بالحدیث
 بل نقول الحدیث قد بلغ الصحة والشهرۃ
 اس سے مستفی کا یہ قول کہ یہ حدیث
 باطل اور بے اصل ہے، ابن حجر کہتے
 ہیں کہ اس کی سندیں حارث بن اسامہ
 ہے، اس کی اسناد ساقط ہے، عبد الحق
 نے سوار بن مصعب کی وجہ سے اس کو
 معطل کہا ہے اور سوار کو متروک
 بتلایا ہے، آہ باطل ہو گیا، کیونکہ
 الگ الگ سندیں کلام ہوتا تھا
 کے صحیح لغیرہ یا حسن لغیرہ ہونے کے منافی
 نہیں کیونکہ کثرت طرق سے حدیث کبھی صحیح
 کے درجہ پر پہنچ جاتی ہے، کبھی حسن
 کے درجہ پر اور یہ حدیث متعدد طرق و
 کثرت شواہد سے حسن کے درجہ پر پہنچ
 گئی ہے جیسا علامہ سیوطی نے فرمایا ہے،
 پس اس کو باطل اور بے اصل کہنے کی
 جرأت وہی کر سکتا ہے جس کو علم حدیث
 سے محسوس بھی نہ ہو، بلکہ ہم ترقی کر کے
 کہتے ہیں کہ یہ حدیث تلقی بالقبول،

ما قلت ولا یغنیانی هذا النقل من التحریف فان الحافظ لم یقل فیہ الحارث بن ہمامہ الشریف لہذا ما قال ہذا
 الحارث بن ابی اسامہ وہو متروک المسند کما فی کنز العمال فی ذکر الکتب التي استمد بہا فی تالیفہ مجمع الجوامع ص ۱۱۱ اولیہ
 والیوم ماتم و ابراہیم والد قطنی وغیرہم من ائمة الحدیث کما فی بیان المحدثین للحدیث المدلولی واما قال الحافظ انہ قطع
 فیہ سوار بن مصعب مع ذلک لم یقل ان الحدیث غیر ثابت لاصل لبل قال ولہ شاهد ضعیف عن فضالة بن عیاض السہمی و آخر
 موقوف عن عبد الشہر بن مسلم عن النعمان بن ابی العاصی والاسناد الضعیف اذا تأید بالشواہد تقویٰ کما لا یغنی علی من مارس علم الاثنا عشر
 مع اسلفظ کا مفہوم یہ ہے کہ حارث ضعیف و مگر حافظ نے یہ لفظ نہیں کہا اور نہ حارث ضعیف ہی بلکہ وہ کو ضامند
 حافظ حدیث میں ابن حبان ابویہم و ابراہیم و قطنی نے ان کو ثقہ کہا ہے مستفی نے عمداً سہواً حافظ ابن حجر کے الفاظ
 میں تحریف کی ہے

لہ بالقبول ولہا لہ من الشواہد الاجماع
 الائمۃ المجتہدین بہ و ذکر الفقہاء ایاہ فی
 معرض الاستدلال اما شواہد فہنہا
 ما ذکرہ ابن تیمیہ فی المنتقی وعزاه
 الی ابن ماجہ عن انس وسئل الرجل
 منا یقرض اخاہ المال فیہدی الی فقال
 قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 اذا اقرض احدکم قرضاً فاہدی الیہ
 او حصلہ علی الدایۃ فلا یرکبہا ولا یقبلہ
 الا ان یکون جری بلیہ وبیتہ قبل
 ذلک امہ و اشار الشوکانی فی النیل الی
 تضعیفہ (ص ۵۷۹۹) واغتر بکلام المستفی
 فقال والراوی عن انس مجہول وکذا
 فیہ عتبۃ بن حمید الضبی البصری قال
 ابو طالب عزاحمد ہو ضعیف لیس بالقوی
 وفیہ اسمعیل بن عیاش الحمصی وهو
 مختلف فیہ وضعیف بالاجماع اذا رو
 عن غیر اہل بلاد امہ ص ۲۰، ۲۱ والجوا
 عنہ ما ذکرہ ابن القیم فی الاعلام
 ص ۱۷۱ وهو عرف بالفن من
 الشوکانی ومن الف مثلہ بما
 نصہ قال شیخنا رضی اللہ عنہ و
 (یحییٰ) ہذا (الراوی عن انس)
 یحییٰ بن یزید الہنائی من رجال
 مسلم وعتبۃ بن حمید معروف

اور کثرت شواہد اور استدلال مجتہدین
 کی وجہ سے کہ فقہاء اس کو استدلال کے موقعہ
 پر بیان کرتے ہیں، حدیث صحیح و مشہور کے درجہ
 پر پہنچ گئی ہے چنانچہ اس کا ایک شاہد وہ ہے
 جس کو نسفی میں ابن ماجہ کے حوالہ سے برتوات
 انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت
 انسؓ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے
 اپنے مسلمان بھائی کو قرض دیا ہو پھر مقروض
 اس کو ہدیہ دے (تو اس ہدیہ کا کیا حکم ہے؟)
 کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
 کہ جب کوئی کسی کو قرض دے پھوہ اس کو
 ہدیہ دے یا اپنی سواری پر سوار کرے تو
 اس کی سواری پر سوار نہ ہو اور نہ ہدیہ قبول
 کرے، البتہ اگر قرض سے پہلے بھی یہ برتاؤ
 ان کے آپس میں ہو تو مضائقہ نہیں علامہ
 شوکانی نے نیل الاوطار میں اس حدیث کے
 ضعیف ہونے پر اشارہ کیا ہے اور مستفی بھی
 ان کے کلام کو دیکھ کر دھوکہ میں پڑ گیا
 اور کہنے لگا کہ حضرت انسؓ سے جس نے یہ
 حدیث روایت کی ہے وہ ضعیف ہو اور
 اس کی سند میں عتبہ بن حمید الضبی بصری
 بھی ہے، جس کو احمد نے ابو طالب کی رقاہت
 میں ضعیف کہا ہے، اور اس میں اسماعیل بن
 عیاش حمصی بھی ہے جس کے ثقہ ہونے میں
 اختلاف ہے اور جب وہ اہل شام کے

بالروایۃ عن النہائی قال ابو حاتم مع تشدید
 ہو صالح الحدیث واسمعیل بن عیاش
 ثقة فی حدیثہ علی الشامیین (فیہ لالة
 علی کون عقبہ من اہل الشام و لکن صرح
 الحافظ فی التقریب والتہذیب بکونہ
 بصریا ۳) قلت وقد وثق بعضهم اسما
 بن عیاش مطلقا وفصل اکثرہم رد
 عن اہل بلداہ عن روایتہ عن غیرہم
 کہا یظہر من تہذیب التہذیب قال
 السیوطی فی اللالی المصنوعة نقل عن
 القول المسدد للحافظ بن حجر وقد ثقتہ
 (رای اسمعیل بن عیاش) بعضهم مطلقا
 (۱۳۵۶ھ) فی بطل الاجماع الذی
 ذکرہ المستفتی وبالجملہ فحدیث انس
 ہذا ان لریکن صحیحاً فلا اقل من ان
 یکون حسنا واما قول المستفتی ومع
 ہذا ہو خلاف ما علیہ الامۃ من
 لدن رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم الی یومنا ہذا (ص ۲۱)
 فجراۃ شديدة وفریۃ بلامریۃ
 فقد ذکرنا عن رحمة الامتات
 قول ابی حنیفۃ ومالك و
 احمد موافق۔
 الامۃ کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں کہ امام ابو حنیفہ اور مالک احمد کا قول اس حدیث کے بالکل موافق
 علاوہ کسی سے روایت کرے تو بالاجماع
 ضعیف ہے اور اس اعتراض کا جواب
 علامہ ابن القیم نے جو شوکانی جیسے ہزاروں
 سے زیادہ فن حدیث کو جاننے والے ہیں علامہ
 المومنین میں اس طرح دیا ہے کہ ہمارے شیخ نے
 فرمایا کہ حضرت انس سے جو شخص بھی نامی تھا
 کر رہا ہے وہ عیسیٰ بن یزید ہنائی ہے جو مسلم
 کے رواۃ میں سے ہے۔ اور عقبہ بن حمید
 ہنائی کے شاگردوں میں مشہور ہے، ابو حاتم
 نے باوجود تشدد کے اس کو صالح الحدیث
 کہا ہے، اور اسماعیل بن عیاش اہل شام کے
 روایت کرنے میں ثقہ ہے اور، میں کہتا ہوں
 کہ علامہ سیوطی نے حافظ بن حجر کے رسالہ القول
 المسدد کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ بعض
 محدثین نے اسمعیل بن عیاش کو مطلقاً ثقہ کہا
 ہے، (خواہ اہل شام سے روایت کرے یا غیر
 اہل شام سے) پس مستفتی نے جو اجماع نقل
 کیا ہے وہ باطل ہو گیا، الغرض یہ حدیث
 اگر صحیح نہیں تو حسن سے تو کسی طرح کم نہیں،
 رہا مستفتی کا یہ قول کہ یہ حدیث رسول اللہ
 علیہ وسلم کے وقت سے لے کر اس وقت تک
 عمل امت کے خلاف ہے اور تو یہ سخت
 بے باکی اور صریح بہتان ہے، کیونکہ ہم رحمۃ
 اللہ علیہ کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں کہ امام ابو حنیفہ اور مالک احمد کا قول اس حدیث کے بالکل موافق

مع ذکرہ ابن حبان فی الثقات کہ سانی تہذیب التہذیب ۱۲

اور عالمگیری سے معلوم ہوتا ہے کہ شمس
الائمہ حلوائی نے اسی کو اختیار کیا ہے، ہاں
امام شافعی نے مقروض کے ہدیہ و دعوت
قبول کرنے کو جائز فرمایا ہے، جب کہ شرط
نہ کی گئی ہو اور علامہ کرنی کا میلان بھی اس کی
طرف ہے اس سے معلوم ہوا کہ جمہور کا عمل
اس حدیث کے اطلاق ہی پر ہے اور
علامہ شوکانی نے تیسرے الاوطار میں حضرت
ابو ہریرہؓ کی اس حدیث کی شرح میں جس
میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک
شخص سے اونٹ قرض لینا اور اس کے
اونٹ سے عمدہ ادا کرنا مذکور ہے، فرمایا
ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو چیز
قرض لی گئی ہو اس سے افضل ادا کرنا جائز
ہے، جب کہ اس کی شرط نہ ہوئی ہو جمہور
اسی کے قائل ہیں، اور مالکیہ سے روایت
ہے کہ اگر عدد بڑھا کر ادا کیا جائے تو جائز
نہیں، اور ان پر حدیث جابر سے اشکال
وارد ہوگا، کیونکہ اس میں تصریح ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے
دین سے ایک قیراط زیادہ دیا میں
کہتا ہوں اس سے مالکیہ پر اشکال
وارد نہیں ہوتا، کیونکہ مالکیہ نے قرض
میں زیادت عدد کو ممنوع قرار دیا ہے
اور جابر کی حدیث میں قرض کا معاملہ نہیں

لما فی الحدیث انس ہذا وہو ضار شمس
الائمہ الحلوائی کما ذکرہ فی الہندۃ
نعمہ شہب الشافعی الی جواز قبول ہدیۃ
الغریب ودعوته اذا کان من غیر شرط
والیہ مال الکرضی منا وقال الشوکانی
فی النیل فی شرح حدیث ابی ہریرۃ فی
استقراض النبی صلی اللہ علیہ وسلم سنا
من الابل وقضائہ سنا فوقہ مانصہ
وفیہ جواز دماہوا افضل من المقتروض اذا
تقم شرطیۃ ذلک وبہ قال الجہود
المالکیۃ ان کانت الزیادۃ بالعدا لم یجہ
وان کانت بالوصف جائز و
یرد علیہم حدیث جابر المذکور
فی الباب فانہ صرح بانہ
صلی اللہ علیہ وسلم زادہ
قیراطا رقلت لا یرد ذلک علیہم
فانہما منعوا الزیادۃ عددا
فی القرض وحدیث جابر
وارد فی الزیادۃ فی ثمن الابل ولا
خلاف فی جوازها والعجب من
المستفتی انہ مع تفرقتہ بین القرض
والدین یجعل الاول من التبرع
والثانی من مبادلتہ المال
بالمال کیف یتدل بحدیث
جابر ہذا علی جواز الزیادۃ

فی اداء القرض (۱۲) قال الشوکانی
واما اذا كانت الزیادة مشروطة
فی العقد فتحرم اتفاقا روفیه رد
صریح علی المستفتی حیث جواز
الفضل المشروط فی القرض وخالف
الاجماع (۱۳) قال والحاصل ان
المهدیة والعاریة ونحوهما
اذا كانت الاجل التنفیس فی
اجل الدین اولاجل رشوة
صاحب الدین اولاجل انیکوز
لصاحب الدین منفعة فی مقابل
دینه فذلک محرم لانه امانوع
من الربا اورشوة رقیه رد صریح
علی المستفتی فان الفضل
المشروط فی القرض لا یخلو من
احد هذا الاغراض (۱۴) وان کان
ذلک لاجل عادة جاریة بین
المقرض والمستقرض قبل لتداین
فلا بأس وان لم یکن ذلک لغرض
اصلا فالظاهر المنع لاطلاق النهی
عن ذلک رقیه دلیل علی کون حدیث
انس معمولا به خلاف ما ذکره المستفتی
جراة علی دین الله وتقول بالرائی (۱۵)
قال واما الزیادة علی مقدار
الدین عند القضاء بغیر شرط

بلکہ قیمت شتر میں زیادت کا ذکر ہے اور
اس کے جواز میں کسی کو اختلاف نہیں، کیونکہ
جب تک مبیع موجود ہو اس وقت تک
خمن میں زیادتی کی جو کچھ ہوگی اصل عقد سے
لمحق ہوگی اذہم کو مستفتی پر تعجب ہے کہ
باوجودیکہ اس کے نزدیک قرض اور دین کا
علم الگ الگ ہے، پھر بھی وہ حدیث
جائز سے قرض پر زیادت کے جواز کو کیونکر
خاموش کرتا ہے کیونکہ اس میں قرض کا ذکر ہی
نہیں (۱۶) اس کے بعد علامہ شوکانی فرماتے ہیں
کہ اگر عقد قرض میں زیادت کی شرط کی جائے
پھر اتفاقاً حرام ہے اس میں مستفتی کے قول کا
صاف اور صریح رد ہے، کیونکہ وہ شرط کے
ساتھ بھی قرض سے زائد لینے کو جائز کہتا
اور اجماع کا خلاف کرتا ہے (۱۷) اس کے
بعد علامہ شوکانی نے خلاصہ کے طور پر فرمایا،
کہ ہدیہ اور عاریت اگر اس غرض سے ہوتا کہ
دین کی میعاد میں کچھ توسیع ہو جائے یا قرض
دینے والے کو رشوت کے طور پر ہدیہ وغیرہ
دیا جائے یا یہ غرض ہو، کہ قرض دینے والے کو
قرض دینے والے کو قرض دینے کے بدلہ میں
کچھ نفع پہنچ جائے تو یہ سب صورتیں حرام
ہیں کیونکہ ان میں یا تو ربا کی کوئی نوع پائی جائیگی
یا رشوت کی اس میں بھی مستفتی کا صریح رد ہے
کیونکہ قرض میں جب زیادہ وصول کرنے کی

ولا اضمار۔

شرط ہوگی تو ان اغراض میں سے کوئی غرض

ضرور پائی جائے گی ۱۱۲ اور اگر یہ ہدیہ وغیرہ اس عادت و معمول کے موافق ہو جو پہلے سو قرض خواہ اور قرض دینے والے کے درمیان جاری تھا تو اس کا مضائقہ نہیں، اور اگر ان میں سے کوئی بھی سبب و غرض نہ ہو تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں بھی ہدیہ وغیرہ دینا اور قبول کرنا ممنوع ہے، کیونکہ حدیث میں ممانعت اطلاق کے ساتھ وارد ہے (اس کے معلوم ہوا کہ حدیث اس معمول بہ ہے متروک العمل نہیں ہے، جیسا مستفتی نے جرات و بیباکی سے دعویٰ کیا ہے) شوکانی فرماتے ہیں کہ ادائے قرض کے وقت مقدار بڑھا کر ادا کرنا جب کہ شرط نہ کی گئی ہو اور دل میں بھی زیادہ دینے لینے کا پہلے سے ارادہ نہ ہو،

بنظاہر جائز ہے، خواہ زیادت و صفیں

ہو یا مقدار میں اور مقدار قلیل ہو یا کثیر میں

کہتا ہوں کہ شوکانی نے اس بات کو کسی مجتہد

کی طرف منسوب نہیں کیا، بلکہ اس سے پہلے

وہ خود مالکیہ کا خلاف عدد و مقدار زیادہ

کرنے میں ذکر کر چکے ہیں، اور حنفیہ کا قول بھی

مالکیہ کے موافق ہے، جیسا ہم مفصل بیان

کر چکے ہیں، پس تنہا شوکانی کا قول کسی پر

حجت نہیں جب تک کسی مجتہد کے قول سے

اس کی موافقت معلوم نہ ہو، ہاں اگر

اس کا یہ مطلب لیا جائے کہ ہبہ کے طور

پر زیادت ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں تو مسلم

ہو سکتا ہے، اور اگر ہم علامہ شوکانی کے

قول کو بدون تاویل کے بھی تسلیم کر لیں جب

بھی مستفتی کو اس سے کچھ فائدہ نہیں

پہنچ سکتا، کیونکہ علامہ نے اس کو اس

قید کے ساتھ جائز فرمایا ہے کہ قرض کے

فالظاهر الجواز من غیر فرق بدين

الزيادة في الصفة والمقدار والقيل

والكثير، رقلت له ينسب للشوکانی

الى احد من الائمة بل ذکر من

قبل خلاف المالکية في الزيادة

بالعدد والمقدار و قول الحنفية

مثل قولهم کما ذکرناہ قبل

فلا حجة لاحد بقول الشوکانی

وحده ما لم يظهر موافقة لقول

واحد من المجتہدين اللهم الا

ان يحمل على الزيادة بطريق

الهيئة فيجوز والا فلا وان

سلمناہ بلا تاویل فلا راحة

للمستفتی فيه لكونه قد قيد الجواز بان

يكون من غير شرط ولا اضمار قال الشوکانی

قال المحاملي وغيره من النجاشي للمستقرض ان

يزواجود مما اخذ رقلت هذا من الزيادة

فی الوصف ولا خلاف فی ذلك اذا
 كان من غیر شرط (۱۳) قال ومبايد ل
 علی عدم حل لقرض الذی یجوز الی
 المقرض نفعا ما اخرجہ البیهقی فی المعتر
 عن فضالة بن عبید موقوفنا
 بلفظ کل قرض جر منفعة فهو وجہ
 من وجوه الربا ورواه فی السنن
 الکبری عن ابن مسعود وابی بن
 کعب وعبد اللہ بن سلام وابن
 عباس موقوفا علیہم اھ (ص ۹۹،
 ۱۰۰ ج ۵) قلت فی کلامہ دلالة علی صلا
 الآثار کلھا للاحتجاج بہ وانھا باجمہا
 بمعنی اثر فضالة بن عبید فبطل ما
 ذکرہ المستفتی من الکلام فی بعض هذه
 الآثار وان بعضها خال عن ذکر الربا،
 ص ۲۱، ۲۲ فان جمیع هذه الآثار مشتمل
 علی المنع من منفعة جرھا القرض
 والنہی اصلہ التحريم ولما ورد فی
 بعضها مفسرا ان علة المنع كونھا
 ربا والاحادیث یفسر بعضها بعضا
 یحمل الكل علی ذلك حتما قال المستفتی
 اما اثر ابی ابن کعب انه قال لوزین
 جُبیش انک بارض الربا فیہا کبیر فاش
 فاذا اقترضت رجلاً فاهدی
 الیک هدیة فخذ قرضک

وقت شرط بھی نہ ہوا ورنہ میں ارادہ بھی
 نہ ہو (۱۳) علامہ شوکانی اس کے بعد فرماتے
 ہیں کہ محاطی وغیرہ شافعیہ کا قول ہے کہ
 قرض خواہ کو مستحب یہ ہے کہ اس نے جو قرض
 لیا ہے اس سے عمدہ اور بہتر ادا کرے، میں
 کہتا ہوں کہ یہ تو وصف میں زیادتی ہوتی
 اور ایسا بدون شرط کے ہو تو اس کے جواز
 میں کسی کا خلاف نہیں (۱۴) اس کے بعد فرمایا
 ہے کہ جو قرض نفع حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا
 جائے اس کے حرام ہونے کی وہ دلیل ہے جو
 بیہقی نے فضالہ بن عبید سے موقوفاً روایت
 کی ہے، کہ جو قرض نفع کا ذریعہ بنایا جائے
 وہ بھی ربا کی ایک قسم میں داخل ہے، اور
 سنن کبریٰ میں بیہقی نے ابن مسعود و ابی ابن
 کعب و عبد اللہ بن سلام و ابن عباس سے
 بھی موقوفاً اس کو روایت کیا ہے، آہ
 میں کہتا ہوں کہ شوکانی کے کلام سے معلوم
 ہوا کہ یہ تمام آثار احتجاج کے قابل ہیں
 اور یہ سب کے سب فضالہ بن عبید کی حدیث
 کے ہم معنی ہیں پس مستفتی کا ان آثار میں سے
 بعض کی سند پر کلام کرنا اود یہ کہنا کہ بعض
 میں ربا کا ذکر نہیں ہے لغو و باطل ہے کیونکہ
 ان سب آثار میں اس نفع سے منع کیا گیا ہے
 جو قرض سے حاصل کیا جائے، اور ممانعت
 دراصل قرض کے لئے ہوتی ہے، اور جب

وارد دھدیثہ ففیہ کلثوم بن
الاقمر مجهول ۱۵ ص ۲۱ قلت کلا
بل هو معروف ذکرہ ابن حبان
فی الثقات وقال دوی عن جماعة
من الصحابة راوی عنه اهل
الکوفة وهو اخو علی بن الاقمر
کذا فی اللسان (ص ۴۸۹) وکذا
جزم عمران بن محمد بن عمران
الهمدانی فی طبقات رجال همدان
بانہ اخوه وتبع فی ذلک ابن
سعد کما فی التهذیب (ص ۷۲۸۴)
وعلی بن اقرم من الرجال الجعفی
معروف،

کہ اس نے صحابہ کی جماعت سے روایت کی ہے، اور اس سے اہل کوفہ روایت کرتے ہیں،
اور وہ علی ابن اقرم کے بھائی ہیں، عمران بن محمد بن عمران نے بھی طبقات ہمدان میں ابن سعد کی
موافقت کرتے ہوئے جزم کے ساتھ ان کو علی بن اقرم کا بھائی بتلایا ہے، اور علی بن اقرم
اصحاب صحاح کے راویوں میں مشہور ہیں، پس یہ آخر بھی حسن سے کم نہیں،

قال وکذا راوی ابن سیرین ان ابی
بن کعب اهدى الى عمر بن الخطاب
من تمر ارضه فردھا فقال ابی لہ
وردت علی ہدیثی وقد علمت انی
من اطیب اهل المدينة تمرۃ فخذ
عنی ما ترد علی ہدیثی وكان عمر اسلفہ
عشرۃ آلاف درہم قال البیهقی
هذا منقطع ۱۵ ص ۲۱ قلت وما

اسی طرح مستفتی نے ابن سیرین کے اس اثر
میں کہ ابی ابن کعب نے حضرت عمر کو اپنے
باغ کے چھوڑے ہدیہ میں دیئے تو حضرت
عمر نے ہدیہ کو رد کر دیا ابی ابن کعب نے فرمایا کہ
آپ نے میرا ہدیہ کیوں واپس کر دیا حالانکہ آپ کو
معلوم ہے کہ تمام اہل مدینہ سے میرے چھوٹے
زیادہ پاکیزہ (اور حلال) ہیں آپ مجھ سے
وہ چیز لے لیجئے جس کی وجہ سے آپ نے میرا ہدیہ

فان مرواسیل ابن سیرین صحیحہ عنہم
 صرح بہ ابن عبد البر فی ادائل التمهید
 کہا فی الجوہر النقی (ص ۳۲۳) قال وکن
 مادوی ابو صالح عن ابن عباس قال فی
 رجل کان لہ علی رجل عشر ودرہما
 فجعل یدئ الیہ فجعل کلما یدئ
 انیہ ہدیۃ باعھا حتی اذا بلغ ثمنھا ثلثۃ
 عشر درہما فقال ابن عباس لا تاخذ منہ
 الا سبعة درہم لان ابا صالح لم یسمع
 عن ابن عباس وکنالک مادوی سالم
 بن ابی الجعد کان لتاجار سماء علیہ
 لرجل خمسون درہما فکان یدئ الیہ
 السمک فاتی بن عباس فقال قاصہ
 بما اهدئ الیک ام ص ۲۱ قلت اما
 قوله ان ابا صالح لم یسمع ابن عباس
 فان کان ابو صالح هذا اسما مینرا
 البصری فقد صحیح ابن حبان حدیثہ
 عن ابن عباس فی زیارة النساء للقبو
 واورده فی صحیحہ کما فی التہذیب
 (ص ۳۸۵ ج ۱) والمنقطع لیس بجمیع عندہم
 ففیہ دلیل علی سماع ابی صالح عن
 ابن عباس وان کان ہو با ذام ادبا ذان
 مولی ام ہانی بنت ابی طالب
 فعدم سماعہ عن ابن
 عباس لیس بجمیع علیہ وانما

واپس کیا ہے (یعنی اپنا قرض وصول کر لیجئے)
 اور حضرت عمرؓ نے ان کو دس ہزار درہم قرض
 دے رکھے تھے، یہ کلام کیا ہے کہ بیوقوف نے اسکو
 منقطع بتلایا ہے، میں کہتا ہوں پھر کیا ہوا
 ابن سیرین کے مرواسیل تو محدثین کے نزدیک
 صحیح ہیں، چنانچہ جو ہرقی میں حافظ ابن عبد البر
 کے حوالہ سے اس کی تصریح موجود ہے، مستغنی
 کہتا ہے کہ اسی طرح وہ حدیث بھی منقطع ہے
 جو ابو صالح نے ابن عباس سے روایت کی، و
 کہ عبداللہ بن عباس نے ایک شخص کے متعلق
 جس کے بیس درہم دوسرے کے ذمہ قرض
 تھے اور وہ اس کو ہدیہ دیتا تھا یہ اس کے
 ہر ہدیہ کو بچتا رہا، یہاں تک کہ اس کی قیمت
 تیرہ درہم کو پہنچ گئی یہ فرمایا کہ تم اس سے
 صرف سات درہم لے لو (زیادہ نہ لو) کیونکہ
 ابو صالح کا سماع حضرت ابن عباس سے ثابت
 نہیں ایسے ہی سالم بن ابی الجعد کی یہ روایت
 بھی منقطع ہے کہ ہمارا پڑوسی ایک ٹھیکر تھا
 اس کے اوپر کسی کے پچاس درہم قرض تھے
 یہ اس کو پھلی ہدیہ میں دیا کرتا تھا، تو وہ
 قرض دینے والا حضرت ابن عباس کے پاس
 (مسئلہ پوچھنے) آیا عبداللہ بن عباس نے فرمایا
 کہ اس کے ہدیہ کو بھی اپنے قرض میں محسوب
 کر لو، میں کہتا ہوں کہ مستغنی کے اس قول
 میں کہ ابو صالح کا سماع ابن عباس سے

هو قول البعض قال الشوكاني في التيل ثابت نہیں ہم کو یہ کلام ہے کہ اگر یہ البوصالح وہ
قد قيل انه لم يسمع ابن عباس اه ہے جس کا نام میزان بصری ہے تو اس کی حدیث تو
(ص ۳۳۳، ج ۳) وقد تابعه سالم بن ابن عباس سے عورتوں کی زیارت قبور کے مسلم میں
ابی الجعد علی روایت مثل تلك القصة ابن حبان نے اپنی کتاب صحیح میں داخل کی ہے، اور
عن ابن عباس وعدم سماع سالم منقطع محدثین کے نزدیک صحیح نہیں اس سے معلوم ہوا
منه لم ترا حد اقاله غير المستفتی کہ البوصالح کا سماع ابن عباس سے ثابت ہے
کیف وقد صح سماعه عن ابن عمر اور اگر اس کا نام باذام یا باذان مدنی
وعند البخاری وعبد الله بن عمرو ام ہانی ہے تو ابن عباس سے اس کا سماع نہ ہوا
اقدم موتاً عن ابن عباس كما في متفق علیہ نہیں، بلکہ بعض کا قول ہے جیسا
دول الاسلام للذهبی وسمع عن علامہ شوکانی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے
جابر بن عبد الله عندهما كما في كتاب پھر سالم بن ابی الجعد نے بھی ایسا ہی قصہ بن
الجمع بين رجال الصحيحين (ص ۱۷۱) عباس سے روایت کیا ہے، جیسا البوصالح نے
وهو ای سالم اقدم موتاً من عكرمة بیان کیا ہے اور سالم بن ابی الجعد کا ابن عباس
مولی ابن عباس کہا یظهر من التقريب سے سماع نہ ہونا مستفتی کے کلام میں نہیں دیکھا
فكيف لا يسمع ابن عباس وايضا گیا۔ اور مستفتی کا یہ دعویٰ کیونکر چل سکتا ہے،
ان المرسل اذا تأيد برسل حالانکہ سالم بن ابی الجعد کا سماع عبد اللہ بن عمرو
اخره وحجة عند الكل كما سے بخاری کے نزدیک ثابت ہے، اور عبد اللہ
في تدريب الراوى وغيره، بن عمرو کی وفات عبد اللہ بن عباس سے پہلے ہوئی
ہے، اور سالم نے جابر بن عبد اللہ صحابی سے سنا ہے، اور سالم کی وفات عکرمہ مولیٰ
ابن عباس سے پہلے ہوئی، پھر عبد اللہ ابن عباس سے اس کا سماع کیوں نہ ہوگا، علاوہ
ازیں یہ کہ ایک مرسل کی تائید جب دوسرے مرسل سے ہو جائے تو وہ بالاتفاق حجت ہے،
قال المستفتی واثرفضالة بن عبيد اس کے بعد مستفتی کہتے ہیں کہ فضالہ بن عبید کے
مع ضعفه ايضاً ليس فيه لفظ الربا بل اثر میں علاوہ ضعف کے یہ بات بھی ہے کہ
لفظه كل قرض جرم بقة فهو وجه اس میں ربا کا لفظ نہیں ہے، بلکہ اس کے
من وجوه الربا فظاهره يدل على الفاظ یہ ہیں کہ جو قرض نفع حاصل کرنے کا ذریعہ

انه ليس بربا بل له شبهه من الربا
 اه وقال في الحاشية اخرج البيهقي
 بسند ابراهيم بن سعد عن ادریس
 بن عیسی عن عبد الله بن عیاش عن عبد الله
 بن عیاش منكر الحديث و ابراهيم
 لم يعرف حاله وكذا حال ادریس
 ويمكن ان يكون ادریس بن عیسی الخزازي
 ذكره ابن حبان في ثقاته اه ما، قلت
 عبد الله بن عیاش روی له مسلم
 استشهدا و قال ابو حاتم ليس
 بالمتين صدوق يكتب حديثه وذكره
 ابن حبان في الثقات كما في التمهيد
 (ص ۳۵۱، ج ۵) ومنكر الحديث ليس
 بجرح في كلام غير البخاري ما لم يعرف
 ان التكره منه او ممن هو فوقه ودونه
 و ما لم يعرف قتلها من كثرتها
 فعبد الله هذا حسن الحديث البتة
 لا سيما وقد استشهد به مسلم في صحيحه
 و ابراهيم بن سعد و ادریس بن
 عیسی لم يضعفهما الذهبي في الميزان
 مع التزامه ان لا يحدث في اسم واحد
 ممن له بتليين ما في كتب الائمة فهما
 ثقتان ومن هنا قال الهيثمي في

بنے وہ بھی ربا کی صورتوں میں سے ایک صورت
 ہے، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ربا
 نہیں بلکہ ربا کے مشابہ ہے اور مستفتی نے حاشیہ
 کتاب میں لکھا ہے کہ اس کی سند میں عبد اللہ
 بن عیاش منکر الحدیث ہے، اور ابراہیم بن
 سعد و ادریس بن عیسی کا حال معلوم نہیں
 میں کہتا ہوں کہ عبد اللہ بن عیاش سے مسلم
 نے اپنی صحیح میں بطور استشہاد کے روایت
 کی ہے، اور ابن حبان نے اس کو ثقات میں
 شمار کیا ہے، ابو حاتم نے اس کو سچا بتلایا،
 اور لفظ منکر الحدیث اگر بخاری کے سوا
 کسی دوسرے کے کلام میں وارد ہو تو اس
 سے جرح لازم نہیں آتی جب تک یہ نہ معلوم
 ہو کہ نکارت اس کی طرف سے ہے یا اس کے
 مشائخ و تلامذہ کی طرف سے ہے، اور
 نکارت قلیل ہے یا زیادہ ہے، پس عبد اللہ
 بن عیاش کی حدیث یقیناً حسن ہے، خصوصاً
 جبکہ مسلم نے اس سے استہاد کیا ہے، اور
 ابراہیم و ادریس کو امام ذہبی نے میزان میں
 ضعیف نہیں بتلایا حالانکہ انہوں نے اس کا
 التزام کیا ہے کہ جس راوی میں کچھ بھی کلام ہو
 اس کو میزان میں ضرور بیان کریں گے، اسی
 التزام کی بنا پر حافظ ہبیشی نے مجمع الزوائد

۵ فان قلت فلم ضعف الحافظ ابن حجر اثر فضاله في بلوغ المرام قات كعله اجم قول من ضعف عبد الله بن
 عیاش هذا ولكنه لا يمشي على اعلنا فان التعديل مقدم عندنا على الجرح اذا كان غير مفسر ان كان عددا لمضعفين اكثر منه

مجمع الزوائد (ص ۳، ۱۷) ان شیوخ
الطبرانی الذین لم یضعوا فی المیزان
ثقات اہم فالحدیث حسن اما قوله فظاهر
یدل علی انه لیس بریاء بل لہ شبهہ من
الربا ففیہ ان هذا الظاہر خفی عندنا
بل الظاہر ان المراد بوجه الربا ماروا
عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عن
النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الربا
ثلاث وسبعون بابا ایسرہا مثل
ان ینکح الرجل امہ وواہ الحاکم
وقال صحیح علی شرطہما کذا فی الترغیب
للمتذری وروی بمعناہ اثنا عشر
(ص ۳۳۱) فالمعنی ان کل قرض جر منفعة
فہو باب من ابواب الربا الی الی ادناھا
ان یزنی الرجل بامہ وایضا فان
الاحتراز عن شبهة الربا واجب ایضا
وهذا اذا لم تکن المنفعة مشروطة
والا ففی اشد الربا واعظم لکونہ من
ربا الجاہلیۃ الی الی عنہ القرآن من
شواہدہ مارواہ مالک فی الموطا نہ
بلغہ ان رجلا اتی عبداللہ بن عمر
فقال یا ابا عبد الرحمن انی اسلفت
رجلا سلفا واشترطت علیہ افضل
مما اسلفته فقال عبداللہ بن عمر
قد لک الربا وقال مالک انہ بلغہ ان

میں تصریح کی ہے، کہ طبرانی کے جن شیوخ
کو میزان میں ضعف نہیں کہا گیا وہ سب
ثقات ہیں، پس فضالہ بن عبید کا یہ اثر حسن
ہے، رہا یہ کہ بظاہر اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے
کہ یہ ربا نہیں بلکہ ربا کے مشابہ ہے اس کا جواب
یہ ہے کہ یہ ظاہر ہمارے نزدیک خفی ہے
بلکہ ہمارے نزدیک بظاہر اس کے معنی
وہ ہیں جو عبداللہ بن مسعود کی اس حدیث
کے معنی ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے کہ ربا کے تہتر شعبے ہیں جن میں ادنیٰ
شعبہ کا گناہ ایسا ہے جیسے کوئی اپنی ماں سے
زنا کرے، اس کو حاکم نے روایت کر کے شعبین
کی شرط پر صحیح بتلایا ہے ترغیب میں اسی طرح
مذکور ہے اور اسی معنی میں اور بھی بہت روایتیں
ہیں، پس مطلب یہ ہوا کہ جو قرض نفع کا سبب
ہے وہ بھی ربا کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے
جس کا ادنیٰ درجہ گناہ میں ایسا ہے جیسا ماں
سے زنا کرنا، علاوہ ازیں یہ کہ شبہ ربا رہنے
سے اس کا جائز ہونا، کیونکہ معلوم ہوا،
بلکہ شبہ ربا سے بھی بچنا واجب ہے، اور یہ گفتگو تو
اس وقت ہے جبکہ قرض میں نفع کی شرط نہ کی
گئی ہو اور اگر نفع مشروط ہو وہ تو ربا کا گناہ
درجہ ہے، کیونکہ وہ تو ربا جاہلی کی قسم سی جس کی
قرآن نے حرام کی ہے، اور حدیث کل قرض جر
نفعاً الحاکم کا ایک شاہد وہ ہے جو مالک نے موطا میں

عمر بن الخطاب قال في رجل سلف
رجلا طعما على ان يعطيه اياه في بلدا
فكره ذلك عمرو قال فابن المحمل يعني
حملانه قال المحدثي نقله عن المحلى اى
اجرة الطعام وصار ذلك قرضا جرمنا
وهو ربا بالنص اه قال مالك انه بلغه
ان ابن مسعود كان يقول من اسلف
سلفا فلا يشترط افضل منه وان
كان قبضة من علف فهو ربا اه (ص ۷۲)
قلت وبلاغات مالك كلها مستندة
صحيح سوى اربعة ليست هذه منها
كما تقدم ،

بیان کیا ہے، کہ ان کو یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک شخص
نے عبداللہ بن عمر کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا کہ
میں نے ایک شخص کو قرض دیا ہے اور اس سے
یہ شرط کر لی ہے کہ اپنے قرض سے افضل وصول
کروں گا، عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ یہ تو ربا (سو)
ہے، امام مالک فرماتے ہیں کہ ان کو یہ بھی خبر
پہنچی ہے کہ حضرت عمر سے سوال کیا گیا کہ ایک
شخص نے دوسرے کو غلہ اس شرط سے دیا کہ
دوسرے شہر میں مجھے دیدینا، تو حضرت عمر نے
اس سے کراہت ظاہر کی اور فرمایا کہ بار بار کی
کہاں گئی آہ محشی نے محلی کے حوالہ سے اس کی
شرح میں کہا ہے کہ مراد بار برداری کی مزدوری

ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ تو اس قرض میں داخل ہو گیا جو نفع کا سبب بنایا جائے کیونکہ قرض
دینے والا قرض دینے والا قرض دے کر بار برداری کی اجرت سے بچنا چاہتا ہے، امام مالک
فرماتے ہیں کہ ان کو خبر پہنچی ہے کہ عبداللہ بن مسعود فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص کسی کو کچھ قرض دے
اس سے افضل وصول کرنے کی شرط نہ کرے، اگر ایک سٹھی چارہ بھی (زمانہ) لے گا تو وہ ربا
ہوگا، آہ میں کہتا ہوں کہ مالک کے بلاغات سب کے سب صحیح فیصل ہیں بجز چارہ کے اور
یہ ان میں سے نہیں ہیں۔

نیز حدیث کل قرض جو نفعاً کا ایک شاہد
وہ ہے جس کو امام بخاری نے عبداللہ بن سلام
رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں
نے ابو بردہ ابن ابی موسیٰ سے فرمایا کہ تم ایسی
زمین میں رہتے ہو جہاں ربا بہت شائع ہے
تو جب تمہارا کسی پر کچھ حق ہو پھر وہ تم کو ہتھ
میں بھوسے کی ایک جالی یا جو اور چارہ کی

ومن شواہدہ ایضا ما أخرجه البخاری
عن عبد اللہ بن سلام انه قال لا بی بركة
بن ابی موسیٰ انک بارض فیہا الربا فاش
فاذا کان لك على رجل حق فاهدی
اليك حمل تین او حمل شعیر او حمل قتہ
فلا تأخذہ فانه ربا کذا فی النیل
ر ۹۹، ۵ ج ۵، و قول المستفق انه

متروک العمل باتفاق الامۃ ص ۱۵،
 باطل قطعاً و فریۃ بلا مریت حتماً کما
 ذکرناہ غیر مرۃ و قوله انه مضطرب
 کما فی ص ۱۷ فدعوی بلا بینۃ منشأها
 الغفلة عن معنی الاضطراب ومن
 شواہدہ ایضاً ما رواہ حماد بن سلمۃ
 فی جامعہ (عن ابی ہریرۃ مرفوعاً)
 بلفظ اذا رهن شاة شرب المرهن
 من لبنها بقدر علقها فان استفضل
 من اللبن بعد ثمن العلف فهو ربا
 کذا فی تیل الاوطار (ص ۵۳۱۰۲)
 ومعناہ اذا اذن الراهن للمرهن في
 شرب لبنها بالنفقة والافقال لشافعی
 وابو حنیفۃ ومالك وجمهور العلماء
 ینتفع المرهن من الرهن بشئ بل لقوا
 للراهن والمؤن علیہ کما فی التیل
 ایضاً و اذا کان ما استفضل من اللبن
 بعد ثمن العلف رباً مع کونه فی مقابله
 العلف ویصم مقابله اللبن الكثير بالعلق
 القلیل فی البیع وانما منع عنہ فی
 الرهن لكون الراهن لا یرضی بذلك

ایک گٹھری ہے تو مت لینا کیونکہ یہ ربا ہے،
 اور مستفتی کا اس کو باتفاق امت متروک العمل
 کہنا قطعاً باطل اور صریح بہتان ہے، جیسا
 بارہا ہم نے بیان کیا ہے، اور اس اثر کو مضطر
 کہنا دیکھنا دلیل ہے جس کا منشاء اضطراب کے
 معنی سے ناواقف ہی ہے نیز اس حدیث کا ایک
 شاہد وہ ہے جس کو حماد بن سلمہ نے اپنی جامع
 میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً
 بایں الفاظ روایت کیا ہے کہ جب کوئی شخص
 کسی کی بکری رہن رکھے تو مرہن بقدر چارہ کی
 قیمت کے اس کا دودھ پی سکتا ہے، اور چارہ
 کی قیمت وصول کرنے کے بعد جو دودھ فاضل
 رہے وہ ربا ہے (تیل الاوطار) مراد یہ ہے کہ جب
 رہن مرہن کو اجازت دیدے کہ چارہ کے
 بدلے دودھ پی لیا کرے اس وقت یہ حکم ہو ورنہ
 امام شافعی و ابو حنیفہ و مالک و جمهور علماء
 کے نزدیک مرہن کو رہن سے کسی قسم کا
 نفع حاصل کرنا جائز نہیں بلکہ متنافع بھی
 رہن کے ہیں اور جانور کے مصارف
 بھی اسی کے ذمہ ہیں، اب سمجھ لو کہ جب
 چارہ کی قیمت سے قاضل دودھ کو بھی

مہ و ما ذکر فی بعض کتب الفتاویٰ من جواز الانتفاع بالمرہون باذن الراهن فلا یصح اصلاً وانما ہو قول بعض
 المتأخرین ولا جرحہ باذکان خلاف المنقول عن الامام ومعارضاً للحدیث وان سلم فلا رادہ للمستفتی فیہ لاتفاقہم علی تحريم الانتفاع
 بہ اذا کان مشروطاً قال الطحاوی والغالب من احوال الناس انہم انما یریدون عند الدفع الانتفاع ولولاه لما اعطاه
 الدائم ہذا بمنزلۃ الشرط فان المعروض بالمشروط وہو مما یعین المنع واللہ تعالیٰ اعلم کذا فی رد المحتار ص ۴۷، ج ۵، فقط

حضور نے ربا فرمایا حالانکہ اس دودھ کو چارہ کے عوض میں لے لیا جاتا ہے اور بیع کی صورت میں تھوڑے سے چارہ کو بہت سے دودھ کا عوض بتالینا جائز ہے مگر رہن کی صورت میں اس واسطے جائز نہیں کیا گیا کہ رہن قرض کے دباؤ سے اس پر راضی ہوگا خوشی و رضی نہ ہوگا، تو اگر قرض میں زیادہ رقم وصول کرنے کی شرط ہوگی وہ کیونکر ربا نہ ہوگا، کیونکہ یہ زیادت تو سوائے مدت اور اجل کے

کسی چیز کے بھی مقابلہ میں نہیں، خوب سمجھ لو، اب رہی یہ بات کہ امرت نے اس حدیث کی قبول کے ساتھ تلقی کی ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ تمام مجتہدین کے فتاویٰ اس منفعت کی حرمت پر متفق ہیں، جو قرض سے حاصل کی جائے، اور سب نے اس کو ربا میں شمار کیا ہے، امام محمد کتاب الآثار میں ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ۔

جو قرض منفعت حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا جائے اس میں خیر نہیں، محمد فرماتے ہیں کہ ہم بھی اسی کے قائل ہیں اور امام ابو حنیفہ کا بھی یہی قول ہوا اور ابراہیم نخعی کا یہ کہنا کہ اس میں خیر نہیں حرمت کے منافی نہیں، کیونکہ فقہاء بعض دفعہ ایسے اطلاق حرام پر بھی اطلاق کر دیتے ہیں، اور ضائدہ کی مراد کو اصحاب متون و شروح دوسروں سے زیادہ سمجھتے ہیں اور درمختار و خلاصہ وغیرہ میں اس کی حرمت کی تصریح موجود ہے، پس لاخیر فیہ سے حرمت ہی مراد ہے، اور مدونہ کبریٰ مالکیہ میں ہے کہ ابن قاسم سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص کا دوسرے کے ذمہ قرض ہے تو کیا

الاما علیہ من ثقل الدین وضلم القرض کان الفضل المشرط فی القرض ربا حتما لکونہ لیس فی مقابله شیء غیر الاجل فافہم واما تلقی الامۃ لہذا الحدیث بالقبول فدلیل ذلک اتفاق فتاویٰ المجتہدین علی حرمة المنفعة التوجہا القرض وعدہم ایاہا من الربا قال محمد فی الآثار اخبرنا ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراہیم،

کسی چیز کے بھی مقابلہ میں نہیں، خوب سمجھ لو، اب رہی یہ بات کہ امرت نے اس حدیث کی قبول کے ساتھ تلقی کی ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ تمام مجتہدین کے فتاویٰ اس منفعت کی حرمت پر متفق ہیں، جو قرض سے حاصل کی جائے، اور سب نے اس کو ربا میں شمار کیا ہے، امام محمد کتاب الآثار میں ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ۔

قال کل قرض جر منفعة فلا یمسک فیہ و بہ ناخذ و هو قول ابی حنیفۃ (ص) و قوله لا یمسک فیہ لا ینافی الحرمة لما مران الفقہاء و بما اطلقوا المکرہ و لا یمسک فیہ علی الحرام و اصحاب المتون و الشرح من العلماء اعرف بما ادرنا المذہب من غیرہم وقد صرح فی الدرر الخلاصۃ بحرمۃ کما مر فی المرادۃ وقال فی المدونۃ الکبریٰ مالک وقد سئل عن رجل له علی رجل دین ایصلح لہ ان یقبل منہ ہدیۃ قال مالک لا یصلح ان یقبل منہ ہدیۃ الا ان یکون رجلا کان ذلک بینہما معروفا

وہو يعلم ان ہدیۃ لیس لمکان دینہ
فلا باس بذلک قال ابن وہب عن محمد
بن عمرو عن ابن جریج ان عطاء بن ابی
ربیع قال لہ رجل اتی اسلف رجلاً فآخذ
لی قال لا تاخذہ قال قد کان یھدی الی
قبل سلفی قال فخذ منہ قال عطاء الا
ان یکون رجلاً من خاصۃ اھلک او خاصۃ
لا یھدی لک لہما تظن فخذ منہ وعن یحیی
بن سعید انہ قال اما من کان یتھادی
ہو وصاحبہ وان کان علیہ دین او سلف
فان ذلک لا یتقابع احد ثم ذکر اثر ابی
بن کعب فی اھدائہ الی عمر ہدیۃ فرؤھا
الیہ وقد مرأہ (ص ۱۹۹ ج ۳) وقال فی
باب السلف الذی یحرم منفعۃ وکذا ذلک
ان اقرضۃ دنانیر او دراہم طلب المقرض
المنفعۃ بذلک لنفسہ ولم یعلم بذلک
صاحبہ الا انہ کرہ ان یکون فی بینہ و
ابادان یحرم ہا فی ضمان غیرہ فاقرضھا
رجلاً قال مالک لا یجوز ہذا قلت ارایت
ان قال المقرض انما اردت
بذلک منفعۃ نفسی ایصدق
فی قول مالک ویاخذ حقہ قبل
الاجل قال لا یصدق و لکنہ قد
جرح فیما بینہ و بین خالقہ قلت ان
کان امرامعروفاً ظاہراً یعلم انہ انما اراد

اس کو اس کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے، کہا امام
مالک نے فرمایا ہے کہ اس کا ہدیہ قبول کرنا جائز
نہیں، البتہ اگر ان دونوں کے درمیان پہلے
سے اس کا معمول ہوا اور یہ جانتا ہو کہ قرض کی
وجہ سے ہدیہ نہیں دیا گیا تو کچھ مضائقہ نہیں
ابن وہب محمد بن عمرو سے وہ ابن جریج سے
روایت کرتے ہیں کہ عطاء بن ابی رباح سے ایک
شخص نے عرض کیا کہ میں نے ایک شخص کو قرض
دیا ہے وہ مجھ کو ہدیہ دیتا ہے فرمایا مت لو کہا
وہ مجھے قرض سے پہلے بھی ہدیہ دیتا تھا، فرمایا
تو لے لو، عطاء نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص تمھارا
خاص عزیز یا خاص دوست ہو جس کے ہدیہ
پر تم کو یہ گمان نہ ہو کہ قرض کی وجہ سے دیتا ہے
اس سے لیلو، اور یحییٰ بن سعید سے روایت
کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کے درمیان
بایم ہدیہ کا لین دین ہو ان میں اگر کسی پر دوسرے
کا قرض بھی ہو تو اس کے ہدیہ کو کوئی برا نہیں
سمجھتا، پھر ابی بن کعب کا اثر بیان کیا کہ انھوں
نے حضرت عمر کو ہدیہ دیا تھا اور انھوں نے
واپس کر دیا، اہ، پھر مدونہ کے دوسرے باب
میں جو قرض سے نفع حاصل کرنے کے بارے میں
یہ کہا ہے کہ اگر کسی کو درایم و دنانیر قرض
دیئے جائیں اور قرض دینے والا اپنے لئے نفع کا
طالب ہو مگر قرض خواہ کو اس کی خبر نہیں کرتا،
بلکہ اس کے دل میں یہ بات ہے کہ اپنے گھر میں

المنفعة لنفسه اخذ حقه
حالا ویطل الاجل فی قول
مالک قال نعم لانه ليس
بسلف والتمام الى الاجل
المحرام وانما مثل ذلك
الذي يبيع البیع الحرام الى اجل فيفسخ
الاجل او يكون عليه قيمة نقد فيفسخ
الاجل اذا فانت السلعة ولا يؤخر
القيمة الى الاجل قال وسمعت مالكا يحدث
سے مدت معینہ سے پہلے لے سکے گا، کہا اس کے قول کی تصدیق نہ کی جائے گی مگر باطناً خدا
کے نزدیک وہ گنہگار ہوا، ابن قاسم سے کہا گیا، کہ اگر قرض دینے والے کی حالت سوا صاف
طور سے یہ معلوم ہو رہا ہو کہ اس نے اپنے ذاتی نفع کے لئے قرض دیا ہے تو کیا اس صورت
میں وہ اسی وقت اپنا حق لے سکے گا اور مدت کی تعیین مالک کے نزدیک باطل ہو جائے گی، فرمایا
ہاں، کیونکہ یہ قرض نہیں اور اس کی مدت کپڑا کرنا حرام ہے بلکہ اسی وقت معاملہ کا توڑ دینا لازم
ہے، اور اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص حرام طریقہ پر ایک مدت مقرر کر کے بیع کرے تو مدت
کو فسخ کیا جائے گا، اور مبیع ہلاک ہو گئی ہو تو اسی وقت نقد قیمت ادا کرنا خریدار کے ذمہ واجب
مدت معینہ تک مہلت نہ دی جائے گی، ابن قاسم نے فرمایا کہ میں نے امام مالک سے سنا ہے وہ حدیث
بیان کرتے تھے کہ ایک شخص

اتی عبد الله بن عمر فقال يا ابا عبد الرحمن
اتی اسلف رجلا سلفا واشتطت
عليه افضل مما اسلفته فقال
عبد الله ذلك الربا، فقال
كيف تأمرني يا ابا عبد الرحمن
عبد الله بن عمر کے پاس حاضر ہوا، اور کہا اے
ابو عبد الرحمن میں نے ایک شخص کو قرض دیا ہے
اور اس سے شرط کر لی ہے کہ قرض سے افضل
لوں گا، فرمایا یہ تو ربا ہے، اس نے عرض کیا
کہ آپ مجھ کو یہ حکم کیسے دیتے ہیں فرمایا قرض

فيه دس على ان القرض اذا اريد به المنفعة فليس هو بقرض وانما هو كالبيع ۱۲ منہ

قال السلف على ثلاثة وجوه سلف
 تريد به وجه الله فلك وجه الله
 وسلف تريد به وجه صاحبه
 فلك ليس لك الا وجه صاحبه
 وسلف تسلف لتأخذ خبيثا بطيب
 فذلك الربا قال فماذا تا مرفى
 يا ابا عبد الرحمن فقال ادى ان تشق
 الصميفة فان اعطاك مثل الذى
 اسلفته قبلته وان اعطاك دون
 ما اسلفته فاخذ به اجرت الحديث
 قال ابن عمر انما القرض منحة وقال
 القاسم وسالما انه لا بأس به داي
 بان يستسلف با فر يقية ديتا راجر
 جيريا ويرده بمصر منقوشا) مالم يكن
 بينهما شرط وقال ابن عمر من اقرض قرضا
 فلا يشترط الا قضاءه وقال ابن
 وهب عن رجال من اهل العلم عن
 ابن شهاب و ابي الزناد وعرواحد
 من اهل العلم ان السلف معروف
 اجرة على الله فلا ينبغي لك ان تأخذ
 من صاحبك في سلف اسلفته شيئا
 ولا تشترط الا الاداء قال عبد الله
 بن مسعود لمن سلف سلفا واشترط
 افضل منه وان كان قبضة من
 علف فاته ربا ذكره عنه مالك

کی تین قسمیں ہیں، ایک وہ جس سے خدا کی ذات
 مطلوب ہو (یعنی خدا کو راضی کرنا) تو اس سے
 تم کو خدا کی رضا حاصل ہوگی، ایک قرض وہ
 ہے جس سے اپنے دوست کا راضی کرنا مقصود
 ہو، اس سے تم کو بجز دوست کی رضا کے کچھ
 حاصل نہ ہوگا (یعنی ثواب نہ ملے گا) اور ایک
 قرض یہ ہے کہ اپنا پاکیزہ مال دیکر خبیث مال
 لینا چاہو (یعنی قرض دے کر نفع حاصل کرنا چاہو)
 تو یہ ربا ہے، کہا پھر آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں
 فرمایا میری رائے یہ ہے کہ تم اس کا غزوہ (جس میں
 قرض کی مقدار اور شرط وغیرہ لکھی ہے) چاکے دو
 راور قرض خواہ کو بھی اس کی اطلاع کر دو کہ ہم نے
 اس شرط سے رجوع کر لیا ہے) پھر اگر وہ تم کو قرض
 کے برابر دے قبول کر لو۔ اور اگر قرض سے کم دے
 اور تم منظور کر لو تو ثواب ملے گا الخ ابن عمر نے
 فرمایا کہ قرض ایک عطیہ ہے، اور قاسم و سالم کا
 قول ہے کہ اگر کوئی افریقہ میں کسی سے صاف دینا
 قرض لے اور مصر میں نقشین دینا را داکرے تو
 اس کا کچھ مضائقہ نہیں، جب کہ اس کی شرط نہ
 کی گئی ہو، اور ابن عمر کا ارشاد ہے کہ جو کسی کو قرض
 دے تو اس سے ادائے قرض کے سوا اور کسی بات
 کی شرط نہ کرے، ابن وہب نے بہت سے علماء
 کے واسطے سے ابن شہاب اور ابوالزناد اور
 بہت سے اہل علم کا قول بیان کیا ہے کہ قرض
 ایک احسان ہے جس کا ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے

لہ ای تريد رضا لمصالح دينية لا لكونه اخاك في الاسلام ۱۲۰

پس تم کو قرض دے کر کسی زائد چیز کا لینا جائز نہیں، اور زبردستی قرض کے اور کچھ شرط نہ کرو۔ ابن مسعود نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی کو قرض دے اور اس سے زائد وصول کرنے کی شرط کرے اگرچہ ایک مسمیٰ چارہ ہی ہو تو وہ بھی ربا ہے، اس کو مالک بن انس نے ابن مسعود سے روایت کیا ہے ابن قاسم سے کہا گیا کہ اگر میں آپ کو فسطاط مصر میں اس شرط پر غلہ قرض دوں کہ آپ مجھے اسکندریہ میں ادا کریں تو یہ شرط کیسی ہو فرمایا کہ امام مالک نے اس کو حرام کہا ہے، اور کہا کہ حضرت عمر نے اس سے منع فرمایا ہے، آہ اور عطا نے فرمایا ہے کہ صحابہ قرض سے کراہت کرتے تھے جس سے نفع حاصل کیا جائے، اس کو ابن ابی شیبہ نے مستحجج روایت کیا ہے، (کراہت سے مراد حرمت ہے کیونکہ حضرت عمر نے اس سے کراہت ظاہر کی تھی، جس کی تفسیر امام مالک نے حرام کی ہے) اور مستفتی نے خود کہا ہے کہ جمہور فقہاء، منافع قرض کی حرمت پر حدیث کل قرض جرم منفعة الخ سے استدلال کرتے ہیں تو اس نے خود اقرار کیا کہ تمام ائمہ نے اور امت نے قبول کے ساتھ اس حدیث کی تلقی کی ہے، اور اصل چہارم میں ہم بتلا چکے ہیں کہ صورت حدیث کا مدار فقط سند پر نہیں، بلکہ کبھی قرآن سے بھی حدیث صحیح ہو جاتی ہے، اور تلقی بالقبول سے بھی خواہ تلقی قولاً ہو یا عملاً، اور اس حدیث کی صحت کے لئے اس سے بڑھ کر کیا قرینہ ہو گا کہ،

بن انس قلت رأيت ان اقرضتك حنطة بالفسطاط على ان توفيهما بالاسكندرية قال قال مالك ذلك حرام قال مالك فحي عند عمر بن الخطاب (۱۹۴ و ۱۹۵ و ۱۹۶ ج ۳) وقال عطاء كانوا (۱۹۷) (۱۹۸) (۱۹۹) (۲۰۰) (۲۰۱) (۲۰۲) (۲۰۳) (۲۰۴) (۲۰۵) (۲۰۶) (۲۰۷) (۲۰۸) (۲۰۹) (۲۱۰) (۲۱۱) (۲۱۲) (۲۱۳) (۲۱۴) (۲۱۵) (۲۱۶) (۲۱۷) (۲۱۸) (۲۱۹) (۲۲۰) (۲۲۱) (۲۲۲) (۲۲۳) (۲۲۴) (۲۲۵) (۲۲۶) (۲۲۷) (۲۲۸) (۲۲۹) (۲۳۰) (۲۳۱) (۲۳۲) (۲۳۳) (۲۳۴) (۲۳۵) (۲۳۶) (۲۳۷) (۲۳۸) (۲۳۹) (۲۴۰) (۲۴۱) (۲۴۲) (۲۴۳) (۲۴۴) (۲۴۵) (۲۴۶) (۲۴۷) (۲۴۸) (۲۴۹) (۲۵۰) (۲۵۱) (۲۵۲) (۲۵۳) (۲۵۴) (۲۵۵) (۲۵۶) (۲۵۷) (۲۵۸) (۲۵۹) (۲۶۰) (۲۶۱) (۲۶۲) (۲۶۳) (۲۶۴) (۲۶۵) (۲۶۶) (۲۶۷) (۲۶۸) (۲۶۹) (۲۷۰) (۲۷۱) (۲۷۲) (۲۷۳) (۲۷۴) (۲۷۵) (۲۷۶) (۲۷۷) (۲۷۸) (۲۷۹) (۲۸۰) (۲۸۱) (۲۸۲) (۲۸۳) (۲۸۴) (۲۸۵) (۲۸۶) (۲۸۷) (۲۸۸) (۲۸۹) (۲۹۰) (۲۹۱) (۲۹۲) (۲۹۳) (۲۹۴) (۲۹۵) (۲۹۶) (۲۹۷) (۲۹۸) (۲۹۹) (۳۰۰) (۳۰۱) (۳۰۲) (۳۰۳) (۳۰۴) (۳۰۵) (۳۰۶) (۳۰۷) (۳۰۸) (۳۰۹) (۳۱۰) (۳۱۱) (۳۱۲) (۳۱۳) (۳۱۴) (۳۱۵) (۳۱۶) (۳۱۷) (۳۱۸) (۳۱۹) (۳۲۰) (۳۲۱) (۳۲۲) (۳۲۳) (۳۲۴) (۳۲۵) (۳۲۶) (۳۲۷) (۳۲۸) (۳۲۹) (۳۳۰) (۳۳۱) (۳۳۲) (۳۳۳) (۳۳۴) (۳۳۵) (۳۳۶) (۳۳۷) (۳۳۸) (۳۳۹) (۳۴۰) (۳۴۱) (۳۴۲) (۳۴۳) (۳۴۴) (۳۴۵) (۳۴۶) (۳۴۷) (۳۴۸) (۳۴۹) (۳۵۰) (۳۵۱) (۳۵۲) (۳۵۳) (۳۵۴) (۳۵۵) (۳۵۶) (۳۵۷) (۳۵۸) (۳۵۹) (۳۶۰) (۳۶۱) (۳۶۲) (۳۶۳) (۳۶۴) (۳۶۵) (۳۶۶) (۳۶۷) (۳۶۸) (۳۶۹) (۳۷۰) (۳۷۱) (۳۷۲) (۳۷۳) (۳۷۴) (۳۷۵) (۳۷۶) (۳۷۷) (۳۷۸) (۳۷۹) (۳۸۰) (۳۸۱) (۳۸۲) (۳۸۳) (۳۸۴) (۳۸۵) (۳۸۶) (۳۸۷) (۳۸۸) (۳۸۹) (۳۹۰) (۳۹۱) (۳۹۲) (۳۹۳) (۳۹۴) (۳۹۵) (۳۹۶) (۳۹۷) (۳۹۸) (۳۹۹) (۴۰۰) (۴۰۱) (۴۰۲) (۴۰۳) (۴۰۴) (۴۰۵) (۴۰۶) (۴۰۷) (۴۰۸) (۴۰۹) (۴۱۰) (۴۱۱) (۴۱۲) (۴۱۳) (۴۱۴) (۴۱۵) (۴۱۶) (۴۱۷) (۴۱۸) (۴۱۹) (۴۲۰) (۴۲۱) (۴۲۲) (۴۲۳) (۴۲۴) (۴۲۵) (۴۲۶) (۴۲۷) (۴۲۸) (۴۲۹) (۴۳۰) (۴۳۱) (۴۳۲) (۴۳۳) (۴۳۴) (۴۳۵) (۴۳۶) (۴۳۷) (۴۳۸) (۴۳۹) (۴۴۰) (۴۴۱) (۴۴۲) (۴۴۳) (۴۴۴) (۴۴۵) (۴۴۶) (۴۴۷) (۴۴۸) (۴۴۹) (۴۵۰) (۴۵۱) (۴۵۲) (۴۵۳) (۴۵۴) (۴۵۵) (۴۵۶) (۴۵۷) (۴۵۸) (۴۵۹) (۴۶۰) (۴۶۱) (۴۶۲) (۴۶۳) (۴۶۴) (۴۶۵) (۴۶۶) (۴۶۷) (۴۶۸) (۴۶۹) (۴۷۰) (۴۷۱) (۴۷۲) (۴۷۳) (۴۷۴) (۴۷۵) (۴۷۶) (۴۷۷) (۴۷۸) (۴۷۹) (۴۸۰) (۴۸۱) (۴۸۲) (۴۸۳) (۴۸۴) (۴۸۵) (۴۸۶) (۴۸۷) (۴۸۸) (۴۸۹) (۴۹۰) (۴۹۱) (۴۹۲) (۴۹۳) (۴۹۴) (۴۹۵) (۴۹۶) (۴۹۷) (۴۹۸) (۴۹۹) (۵۰۰) (۵۰۱) (۵۰۲) (۵۰۳) (۵۰۴) (۵۰۵) (۵۰۶) (۵۰۷) (۵۰۸) (۵۰۹) (۵۱۰) (۵۱۱) (۵۱۲) (۵۱۳) (۵۱۴) (۵۱۵) (۵۱۶) (۵۱۷) (۵۱۸) (۵۱۹) (۵۲۰) (۵۲۱) (۵۲۲) (۵۲۳) (۵۲۴) (۵۲۵) (۵۲۶) (۵۲۷) (۵۲۸) (۵۲۹) (۵۳۰) (۵۳۱) (۵۳۲) (۵۳۳) (۵۳۴) (۵۳۵) (۵۳۶) (۵۳۷) (۵۳۸) (۵۳۹) (۵۴۰) (۵۴۱) (۵۴۲) (۵۴۳) (۵۴۴) (۵۴۵) (۵۴۶) (۵۴۷) (۵۴۸) (۵۴۹) (۵۵۰) (۵۵۱) (۵۵۲) (۵۵۳) (۵۵۴) (۵۵۵) (۵۵۶) (۵۵۷) (۵۵۸) (۵۵۹) (۵۶۰) (۵۶۱) (۵۶۲) (۵۶۳) (۵۶۴) (۵۶۵) (۵۶۶) (۵۶۷) (۵۶۸) (۵۶۹) (۵۷۰) (۵۷۱) (۵۷۲) (۵۷۳) (۵۷۴) (۵۷۵) (۵۷۶) (۵۷۷) (۵۷۸) (۵۷۹) (۵۸۰) (۵۸۱) (۵۸۲) (۵۸۳) (۵۸۴) (۵۸۵) (۵۸۶) (۵۸۷) (۵۸۸) (۵۸۹) (۵۹۰) (۵۹۱) (۵۹۲) (۵۹۳) (۵۹۴) (۵۹۵) (۵۹۶) (۵۹۷) (۵۹۸) (۵۹۹) (۶۰۰) (۶۰۱) (۶۰۲) (۶۰۳) (۶۰۴) (۶۰۵) (۶۰۶) (۶۰۷) (۶۰۸) (۶۰۹) (۶۱۰) (۶۱۱) (۶۱۲) (۶۱۳) (۶۱۴) (۶۱۵) (۶۱۶) (۶۱۷) (۶۱۸) (۶۱۹) (۶۲۰) (۶۲۱) (۶۲۲) (۶۲۳) (۶۲۴) (۶۲۵) (۶۲۶) (۶۲۷) (۶۲۸) (۶۲۹) (۶۳۰) (۶۳۱) (۶۳۲) (۶۳۳) (۶۳۴) (۶۳۵) (۶۳۶) (۶۳۷) (۶۳۸) (۶۳۹) (۶۴۰) (۶۴۱) (۶۴۲) (۶۴۳) (۶۴۴) (۶۴۵) (۶۴۶) (۶۴۷) (۶۴۸) (۶۴۹) (۶۵۰) (۶۵۱) (۶۵۲) (۶۵۳) (۶۵۴) (۶۵۵) (۶۵۶) (۶۵۷) (۶۵۸) (۶۵۹) (۶۶۰) (۶۶۱) (۶۶۲) (۶۶۳) (۶۶۴) (۶۶۵) (۶۶۶) (۶۶۷) (۶۶۸) (۶۶۹) (۶۷۰) (۶۷۱) (۶۷۲) (۶۷۳) (۶۷۴) (۶۷۵) (۶۷۶) (۶۷۷) (۶۷۸) (۶۷۹) (۶۸۰) (۶۸۱) (۶۸۲) (۶۸۳) (۶۸۴) (۶۸۵) (۶۸۶) (۶۸۷) (۶۸۸) (۶۸۹) (۶۹۰) (۶۹۱) (۶۹۲) (۶۹۳) (۶۹۴) (۶۹۵) (۶۹۶) (۶۹۷) (۶۹۸) (۶۹۹) (۷۰۰) (۷۰۱) (۷۰۲) (۷۰۳) (۷۰۴) (۷۰۵) (۷۰۶) (۷۰۷) (۷۰۸) (۷۰۹) (۷۱۰) (۷۱۱) (۷۱۲) (۷۱۳) (۷۱۴) (۷۱۵) (۷۱۶) (۷۱۷) (۷۱۸) (۷۱۹) (۷۲۰) (۷۲۱) (۷۲۲) (۷۲۳) (۷۲۴) (۷۲۵) (۷۲۶) (۷۲۷) (۷۲۸) (۷۲۹) (۷۳۰) (۷۳۱) (۷۳۲) (۷۳۳) (۷۳۴) (۷۳۵) (۷۳۶) (۷۳۷) (۷۳۸) (۷۳۹) (۷۴۰) (۷۴۱) (۷۴۲) (۷۴۳) (۷۴۴) (۷۴۵) (۷۴۶) (۷۴۷) (۷۴۸) (۷۴۹) (۷۵۰) (۷۵۱) (۷۵۲) (۷۵۳) (۷۵۴) (۷۵۵) (۷۵۶) (۷۵۷) (۷۵۸) (۷۵۹) (۷۶۰) (۷۶۱) (۷۶۲) (۷۶۳) (۷۶۴) (۷۶۵) (۷۶۶) (۷۶۷) (۷۶۸) (۷۶۹) (۷۷۰) (۷۷۱) (۷۷۲) (۷۷۳) (۷۷۴) (۷۷۵) (۷۷۶) (۷۷۷) (۷۷۸) (۷۷۹) (۷۸۰) (۷۸۱) (۷۸۲) (۷۸۳) (۷۸۴) (۷۸۵) (۷۸۶) (۷۸۷) (۷۸۸) (۷۸۹) (۷۹۰) (۷۹۱) (۷۹۲) (۷۹۳) (۷۹۴) (۷۹۵) (۷۹۶) (۷۹۷) (۷۹۸) (۷۹۹) (۸۰۰) (۸۰۱) (۸۰۲) (۸۰۳) (۸۰۴) (۸۰۵) (۸۰۶) (۸۰۷) (۸۰۸) (۸۰۹) (۸۱۰) (۸۱۱) (۸۱۲) (۸۱۳) (۸۱۴) (۸۱۵) (۸۱۶) (۸۱۷) (۸۱۸) (۸۱۹) (۸۲۰) (۸۲۱) (۸۲۲) (۸۲۳) (۸۲۴) (۸۲۵) (۸۲۶) (۸۲۷) (۸۲۸) (۸۲۹) (۸۳۰) (۸۳۱) (۸۳۲) (۸۳۳) (۸۳۴) (۸۳۵) (۸۳۶) (۸۳۷) (۸۳۸) (۸۳۹) (۸۴۰) (۸۴۱) (۸۴۲) (۸۴۳) (۸۴۴) (۸۴۵) (۸۴۶) (۸۴۷) (۸۴۸) (۸۴۹) (۸۵۰) (۸۵۱) (۸۵۲) (۸۵۳) (۸۵۴) (۸۵۵) (۸۵۶) (۸۵۷) (۸۵۸) (۸۵۹) (۸۶۰) (۸۶۱) (۸۶۲) (۸۶۳) (۸۶۴) (۸۶۵) (۸۶۶) (۸۶۷) (۸۶۸) (۸۶۹) (۸۷۰) (۸۷۱) (۸۷۲) (۸۷۳) (۸۷۴) (۸۷۵) (۸۷۶) (۸۷۷) (۸۷۸) (۸۷۹) (۸۸۰) (۸۸۱) (۸۸۲) (۸۸۳) (۸۸۴) (۸۸۵) (۸۸۶) (۸۸۷) (۸۸۸) (۸۸۹) (۸۹۰) (۸۹۱) (۸۹۲) (۸۹۳) (۸۹۴) (۸۹۵) (۸۹۶) (۸۹۷) (۸۹۸) (۸۹۹) (۹۰۰) (۹۰۱) (۹۰۲) (۹۰۳) (۹۰۴) (۹۰۵) (۹۰۶) (۹۰۷) (۹۰۸) (۹۰۹) (۹۱۰) (۹۱۱) (۹۱۲) (۹۱۳) (۹۱۴) (۹۱۵) (۹۱۶) (۹۱۷) (۹۱۸) (۹۱۹) (۹۲۰) (۹۲۱) (۹۲۲) (۹۲۳) (۹۲۴) (۹۲۵) (۹۲۶) (۹۲۷) (۹۲۸) (۹۲۹) (۹۳۰) (۹۳۱) (۹۳۲) (۹۳۳) (۹۳۴) (۹۳۵) (۹۳۶) (۹۳۷) (۹۳۸) (۹۳۹) (۹۴۰) (۹۴۱) (۹۴۲) (۹۴۳) (۹۴۴) (۹۴۵) (۹۴۶) (۹۴۷) (۹۴۸) (۹۴۹) (۹۵۰) (۹۵۱) (۹۵۲) (۹۵۳) (۹۵۴) (۹۵۵) (۹۵۶) (۹۵۷) (۹۵۸) (۹۵۹) (۹۶۰) (۹۶۱) (۹۶۲) (۹۶۳) (۹۶۴) (۹۶۵) (۹۶۶) (۹۶۷) (۹۶۸) (۹۶۹) (۹۷۰) (۹۷۱) (۹۷۲) (۹۷۳) (۹۷۴) (۹۷۵) (۹۷۶) (۹۷۷) (۹۷۸) (۹۷۹) (۹۸۰) (۹۸۱) (۹۸۲) (۹۸۳) (۹۸۴) (۹۸۵) (۹۸۶) (۹۸۷) (۹۸۸) (۹۸۹) (۹۹۰) (۹۹۱) (۹۹۲) (۹۹۳) (۹۹۴) (۹۹۵) (۹۹۶) (۹۹۷) (۹۹۸) (۹۹۹) (۱۰۰۰)

مع قلت فيه دلالة على ارادة الحرام بلفظ الكراهية فان الرواية عن عمر بن الخطاب بلفظ الكراهية كما تقدم عن الموطأ ۱۲

ومطابقة فتاوى الفقهاء اياها واتفاق الصحابة ومن بعدهم على كون اشتراط الزيادة والمنفعة في القرض دبا كما قاله عطاء والعلامة العيني وابن رشد المالكي وغيرهم من العلماء واذا تقررت ذلك فتوى امام الحرمين والغزالي انترای حدث كل قرض جرم منفعة فهو ربا (۲۷۵) صحیح کما ذکر الحافظ فی التلخیص ولم یرده علیہما (۲۷۶) صحیح لا غبار علیہ واما قول الشوکانی فی النیل لاخبرة لهما بالحق منشاء عدم القهر لوجه قولهما فانها لم یصححها علی طریقة علم الاسناد بل صححها لتلقى الناس له بالقبول اتفاق عملهم وقتا واهم علیہ فافهم ولا یکن من الغافلين والحديث اذا تلقاه الآمة بالقبول یصیر بذلک مشهورا فوق الاحاد حتی یجوز به الزیادة علی الکتاب كما صرح به الاصوليون فی غیر موضع هذا ومما یدل علی كون الربا غیر البیع خلاف ما رواه الاوزاعي عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال یأتی علی الناس زمان یتحلون الربا بالبیع قال ابن القتیبة والحديث وان کان موسلا فانه

اجلہ صحابہ نے اس کی موافقت کی ہے، اور فقہاء کے فتاویٰ اس کے مطابق ہیں وہ صحابہ و تابعین وغیرہ سب نے اس پر جماع کر لیا ہے، کہ قرض میں زیادتی یا نفع کی شرط لگانا ربا ہے جیسا کہ عطاء اور علامہ عینی اور ابن رشد مالکی اور ان کے سوا دیگر علماء کے اقوال سے ثابت ہو چکا، اب سمجھو کہ امام الحرمین اور غزالی نے جو حدیث کل قرض جرم نفع الخ کو صحیح کہا ہے جیسا حافظ ابن حجر نے تلخیص جبر میں بلا تردید کے ذکر کیا ہے ان کا قول بلا غبار صحیح ہے، اور علامہ شوکانی نے جو اس قول کو یہ کہہ کر رد کیا ہے کہ ان لوگوں کو فن حدیث سے واقفیت نہیں، اس کا منشا یہ ہے کہ شوکانی نے ان کی قول کی وجہ نہیں سمجھی کیونکہ امام الحرمین وغزالی نے علم اسناد کے طریقہ پر اس کی تصحیح نہیں کی، بلکہ امت کی تلقی بالقبول اور فقہاء کے فتاویٰ اور عمل کی موافقت کی وجہ سے اس حدیث کو صحیح کہا ہے خوب سمجھ لو اور نادان نہ بنو، اور جب امت کسی حدیث کو قبول کے ساتھ تلقی کرے تو اس سے وہ حدیث درجہ آحاد سے بڑھ کر مشہور ہو جاتی ہے یہاں تک کہ کتاب الشریعہ اس سے زیادت جائز ہو جاتی ہے، جیسا اصولیین نے مختلف مواقع میں اس کی تصریح کی ہے، اور منجملہ ان دلائل کے جن سے ربا اور بیع کا الگ الگ ہونا

معلوم ہوتا ہے وہ حدیث ہے جس کو اوزاعی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا جس میں وہ ربا کو بیع (کے نام) سے حلال کر لیں گے، ابن القیم کہتے ہیں کہ یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے، مگر تائید کے لئے بالاتفاق قابل ہے اور اس کے معنی میں احادیث متصلہ بھی موجود ہیں آہ اس حدیث سے مستفیٰ کا یہ دعویٰ کہ ربا بیع میں منحصر ہے باطل ہو گیا، کیونکہ اگر ربا ہوتی تو بیع کے نام سے ربا کو حلال کرنے کے کیا معنی؟ قاعدہ تو یہ ہے کہ حرام شے کو دوسری مباح شے کے نام سے حلال کیا کرتے ہیں (خود اسی کے نام سے حلال نہیں کیا کرتے، کیونکہ اس کی حرمت تو معلوم ہے) چنانچہ ابومالک اشعری کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں بعض لوگ شراب پیئیں گے اور اس کا نام کچھ اور رکھ لیں گے اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں حسادیں گے اور ان میں سے بعض کو بند اور برکوں کی شکل میں مسخ کر دیں گے، الحدیث اس کو ابن ماجہ نے صحیح میں روایت کیا ہے (یہی مطلب اس حدیث کا ہے کہ ربا کو بیع کے نام سے حلال کریں گے یعنی اس کا نام بدل دیں گے) اس سے معلوم ہوا کہ حقیقی ربا بیع سے الگ ہے

صالح للاعتضاد به بالاتفاق ولہ من المستند ما یشہد له کذا فی النیل (ص ۵۵ ج ۵) قالو کان الربا بیعاً لم یکن لا ستحولاً له بالبیع معنی فان الشئ انما یستحل باسم غیره من المباحات کما فی الحدیث عن ابی مالک الاشعری رضی اللہ عنہ انہ سمع رسول اللہ علیہ وسلم یقول تشرب ناس من امتی الخمر لیس موتھا بغیر اسمھا یخسف اللہ بہم الارض ویجعل اللہ منهم القردة والتخازیر رواہ ابن ماجہ وابن حبان فی صحیحہ کما فی الترغیب (ص ۴۱) فعلم بذلك ان الربا الحقیقی هو غیر البیع واما البیع التي عداھا الشارع علیہ السلام من الربا فہی ربا غیر حقیقی الحقت بالحقیقی سد الذرائع وهذا هو الذی بدل علیہ لفظ القرآن ذلك بانهم قالوا انما البیع مثل الربا واحل اللہ البیع وحرم الربا فانه مشعر بالتفرقة بینہما خلاف ما زعم المستفتی من کون الربا من البیع ومعنی الآية واحل اللہ البیع لذاته (الما حرمه لعارض سد الذریعة الی الربا ۱۲) وحرم الربا لذاته وهو تعارفہ اهل الجاہلیۃ ۱۳ فالربا والبیع شیئان مختلفان

عہ منہ ما مر فی قول ابن القیم فی ۲ من ہذا الکتاب لفظ وقد ذکرنا شرع ہذا حکمہ بینہما فانہ حرمة سد الذریعة ربا الشافعی فی تحریم ربا الفضل فانی افا علیکم الذما والذما ہو الربا آہ واللفظ رواہ مالک فی موطا عن عمرو فیانی افا علیکم الربا ربا الربا ۲۴ ہو

هذا احرام لذاته وهذا حلال لذاته ^{فہم} فان الحق لا يجتاز عنده وهو الذي صرح به غير واحد من العلماء كما تقدم ،
 اور جن بیوع کو شارع نے ربا میں شمار کیا ہے وہ حقیقی ربا نہیں بلکہ ان کو انتظام و سد باب کے لئے ربا کے ساتھ ملحق کیا گیا ہے الفاظ قرآن سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کفار کو یہ سزا اس لئے ملے گی کہ انھوں نے یوں کہا کہ بیع بھی تو ربا کے مشابہ ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال اور ربا کو حرام فرما دیا ہے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بیع اور ربا دونوں الگ الگ ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ خدا نے بیع کو لذاتہ حلال کیا ہے کسی عارض سے ممنوع ہو جائے تو اور بات ہے، اور ربا کو لذاتہ حرام کیا ہے، پس ربا اور بیع دونوں جدا جدا ہیں، یہ اپنی ذات سے حرام ہے اور وہ اپنی ذات سے حلال ہے خوب سمجھ لو، کہ حق یہی ہے، اور اسی کو بہت سے علماء نے صاف صاف بیان کیا ہے، جیسا پہلے مفصل معلوم ہو چکا،
 قال المستفتی اخراوا اذا كان القرض عبادۃ و صدقة فحكم الاستیجار والاستنفاع علیہ
 كحكم الاستیجار علی الصدقات والعبادات كالا ستیجار علی تعلیم القرآن وتعلیم الفقه والحديث والاستیجار علی قرآن لتراویح
 وسائر امور الدین من الوعظ والتذكیر والافتاء الخ والجواب ان البغاث یارضا لا یستنسر وهذا كله من الاغلو طات والباطیل التي لا یلتفت الیہا مسلم فی قلبہ حب اللہ ورسولہ ابدافا القرض فی الاصل من المعاوضات ولذا یدکرہ الفقہاء فی المعاوضات والمعاملات لانی العبادات والطاعات وانما هو تبرع ابتداء فقط کما مر مفصلا وایضا
 مستفتی نے انیہ بات یہ کہی ہے کہ جب قرض، عبادت ہے تو قرض کا کرایہ اور نفع لینا ایسا ہوا جیسا اور عبادات پر اجرت لینا، مثلاً تعلیم قرآن و تعلیم فقہ و حدیث اور تراویح میں قرآن سنانے اور وعظ و نصیحت، فتویٰ دینے پر اجرت اور نفع لینا جائز ہے تو اسی طرح قرض پر کرایہ اور نفع لینا جائز ہوگا (۱۲) اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے سامنے ایسی کمزوریات نہیں چل سکتی یہ بیہودہ باتیں کسی اور کو سنانا جس مسلمان کے دل میں اللہ و رسول کی کچھ بھی محبت ہے وہ ان پر کان نہیں دے سکتا، کیونکہ قرض دراصل عقود معاوضہ ہے اسی لئے فقہاء اس کو باب معاوضات و معاملات میں بیان کرتے ہیں، عبادات طاعات کے باب میں بیان نہیں کرتے، ہاں صرف ابتداء

مہ لا یخفی ما فیہ فان الاستیجار علی قرآن التراویح لم یحیذہ الحنفیۃ اصلاً ۱۲ منہ

لہ تراویح میں قرآن سنانے پر اجرت لینا حنفیہ متاخرین کے نزدیک بھی جائز نہیں اس کا ذکر مستفتی نے فضول کیا ۱۲ منہ

فان حرمة الاستیجار علی الطاعات لیس
بمتفق علیها بین الامة والائمة ولم یرد
فی حرمة نص قاطم بل النصوص فیها مختلفة
بعضها بقید حله وبعضها حرمة قال النبی
صلی اللہ علیہ وسلم ان احق ما اخذتم علیہ
اجرا کتاب اللہ اخرجہ البخاری فی صحیحہ
عن ابن عباس مرفوعاً وہو احتج بالائمة
الثلاثة علی جواز الاستیجار علی الطاعات
وحملوا ما یعارضہ ان ثبت علی من
تقین علیہ التعلیم ولذا افتی المتأخرون
من الحنفیة بقول الائمة الثلاثة فی مثل
ذلك لتعذر حفظ الدین والاحکام بدونه
بخلاف الاستیجار والاستنفاع علی القرض
فحرمة متفق علیها قد اجمعت الامة
والائمة علیها کما قد مناه مفصلاً
فقیاس الحرمة المجمع علیها علی
الحرمة المختلف فیها قیاس مع الفارق
باطل لا محالة وانما افتی المتأخرون
من الحنفیة بمجوازه لضرورة دینیة
لما شاهدوا فی الناس من التکاسل
والتقاعد فی امور الدین وتعذر بقاء
الدین وحفظ بدون الافتاء ^{ہیک} بمذا
الغیر ولا ضرورة للذین الی اجازة
الاستیجار علی القرض والاستنفاع
منہ بل فیہ توہین الاسلام وتحقیقہ

اس کو تبرع مانا گیا ہے جیسا اوپر مفصلاً گذر
چکا (پس اس کو طاعات و عبادات پر قیاس کرنا
غلط ہے) دوسرے یہ کہ طاعات مذکورہ پر
اجرت لینا تو ائمہ کے نزدیک بالاتفاق حرام
تھیں اور نہ اس کی حرمت میں کوئی نص قطعی وارد
ہوئی، بلکہ اس میں مختلف نصوص ہیں، بعض سے
اس کا جواز معلوم ہوتا ہے، اور بعض سے
حرمت، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے کہ جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو ان
میں سب سے زیادہ مستحق اجرت کا قرآن ہے اس کو
بخاری نے اپنی صحیح میں ابن عباس سے روایت
کیا ہے اور اسی سے ائمہ ثلاثہ مالک و شافعی
واحمد نے طاعات پر اجرت لینے کا جواز ثابت
کیا ہے، اور اس کے معارض روایات کو
بشرط ثبوت اس صورت پر محمول کیا ہے،
جبکہ وہ کام کسی خاص شخص پر منحصر ہو گیا ہو کہ
اس کے سوا کوئی کرنے والا اس کام کا نہ ہو تو
اس کو اجرت لینا حرام ہے (تو چونکہ یہ حرمت
اتفاقی نہ تھی، اسی لئے حنفیہ نے اس مسئلہ
میں (ضرورت کے موقع پر) ائمہ ثلاثہ کے قول
پر فتویٰ دیدیا ہے، کیونکہ بدون اس کے دین
اور احکام کی حفاظت دشوار ہو گئی تھی، بخلاف
قرض پر کرایہ اور نفع لینے کے کہ اس کی حرمت
پر تمام ائمہ کا اور ساری امت کا اجماع ہو
چکا ہے پس ایسی حرمت کو جو اجماعی ہے اس پر

فی عیون المخالفین وجعلہ اضمحکۃ بین
الانام فان حرمة هذا الاستیجار استقباحاً
مما جبلت علیہ اهل لادیان کلہا والناس
کلہم یعدونہ ظلماً وعدواناً وینسبون
قاعلہ الی البخل الذی لا داء دواء منہ
ولا یرضی بہ الا طائفة قليلة من الغنیاء
الذین جمعوا المال وعدوہ وقلیل
ماہم واما المعسرون والمفالیس فہم
اکثر الناس عددًا والموسر والذین
لا یجمعون المال فلا یرضون بربا القم
ابداد الواجب علی واضع القانون مراعاتاً
الاکثرین دون الاقلین فقہیم الربا
عن محاسن الشریعة الاسلامیة و
مناقبہا الستی جذبت القلوب الیہا
فالضرورة الدینیة داعیة الی تحمیم
ذلک حرمة ابدیة والعجب
من المستفتی ومن جرأۃ علی الاجتهاد
من غیر علم کیف یرضی بمجعل الاسلام
اضمحکۃ بین الانام ویزلت فی عیون
العقلاء ولی الافہام بتجویز الظلم الصیغ
الذی لا یجوزہ الا طائفة من اللثام
الطعام الذین قالوا انما البیع مثل
الربا وذہلوا ان اللہ احل البیع
وحرم الربوا هذا ولنجب بعد
ذلک عن الاسئلة التی عرضہا

قیاس کرتا جو اختلافی ہے یہودہ قیاس ہے
پھر حقیقہ متاخرین نے بعض طاعات پر اجرت
لینے کو محض دینی ضرورت سے جائز کیا ہے،
جب کہ انھوں نے مسلمانوں کے اندر دین کے
کاموں میں سستی اور کاہلی دیکھی، اور دین کا
بقار اور اس کی حفاظت دشوار ہو گئی، اس لئے
اپنے مذہب کے خلاف دوسرے اماموں کے
مذہب پر فتویٰ دیدیا گیا اور قرض پر کرایہ
اور نفع لینے کو جائز کرنے میں دینی ضرورت
کچھ بھی نہیں، بلکہ اس کو جائز کرنے میں تو
مخالفین کی نظروں میں اسلام کی توہین و
تذلیل ہے، اور اسلام کو غیر قوموں کے
استہزاء کا تختہ مشق بنانا ہے، کیونکہ قرض
پر کرایہ اور نفع لینا عام طور پر تمام اہل
ادیان کے نزدیک قبیح ہے، سب لوگ اس کو
ظلم و تعدی سمجھتے ہیں، اور ایسا کرنے والی کو
بخل سے بدنام کرتے ہیں، جس سے بڑھ کر
کوئی عیب نہیں اور اس فعل سے بجز سڑیالوں
کے جن کے پاس بہت مال و دولت جمع ہے
اور کوئی خوش نہیں ہوتا اور سرمایہ داروں
کی شمار دنیا میں بہت کم ہے، رہ گئے مفلس
اور تنگ دست اور زیادہ شمار انہی کی ہے
نیز وہ اغنیاء جو مال کو جمع نہیں کرتے وہ اس
سے ہرگز خوش نہیں ہوتے کہ قرض پر کرایہ
اور نفع لیا جائے اور واضع قانون پر

علینا المستفتی فی خاتمة الكتاب
مع الجواب والی اللہ المشتکی من
تخلیطه ولبسه الحق بالباطل
والخطاء بالصواب۔

لازم یہ ہے کہ رعایا کے زیادہ افراد کے
نقصان کی رعایت کرے نہ کہ اقل کی، پس
ربا کا حرام کرنا شریعت اسلامیہ کے ان محاسن
میں سے ہے جس نے قلوب کو اپنا گرویدہ بنا لیا

پس ضرورت دینیہ کا تقاضا تو یہ ہے کہ ربا القرض کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا جائے
ہم کو مستفتی کی اس جرأت اور بیباکانہ اجتہاد پر حیرت ہے کہ وہ اسلام کو دنیا کے تمسخر کا تختہ
مشق بنانے اور عقلا کی نظروں میں اسے ذلیل کرنے پر کیونکر راضی ہو گیا کہ ایسے صریح ظلم کو
جائز کرنا چاہتا ہے جس کو بجز ایک کمیونہ جماعت کے جس کا خیال یہ ہے کہ بیع بھی تو ربا کے مثل ہے
اور کسی نے جائز نہیں سمجھا، مگر یہ لوگ اس بات کو بھول گئے کہ خدا تعالیٰ نے بیع کو تو حلال کیا
ہے اور ربا کو حرام، خوب سمجھ لو،

اس کے بعد ہم مستفتی کے اُن سوالات کا نمبر وار جواب دینا چاہتے ہیں جو اس نے خاتمہ
کتاب میں مع جواب کے لکھے ہیں، اور اس میں اس نے جس قدر تلبیس و تخلیط سے کام لیا ہے اور
صواب کو خطا کے ساتھ مشتہم کر دیا ہے، اس کی فریاد ہم صرف خدا ہی سے کرتے ہیں۔

۱۔ پہلا سوال یہ ہے کہ آیت احل التبايع
و حرم الربوا میں لفظ ربا محل ہے یا نہیں خصوصاً
حنفیہ کے نزدیک اور محل ہے تو اس کی تفسیر
قرآن و حدیث میں کیا بیان ہوئی ہے، اس کا
جواب یہ ہے کہ لفظ ربا عرف عرب میں محل
نہیں، بلکہ اہل عرب و اہل کتاب سب کے
سب اس آیت کے نزول سے پہلے ربا کو جائز
اور اس کا لین دین کرتے تھے، حالانکہ وہ حد
ابو سعید و عبادہ کو جانتے بھی نہ تھے، چنانچہ
اہل کتاب کی مذمت آیت لا کلہم الربا وقد
نہوا عنہ میں موجود ہے کہ اہل کتاب سود
کھاتے ہیں حالانکہ ان کو اس سے منع کیا گیا ہے

۱۔ فنقول لفظ الربا فی آية احل الله
التبیع و حرم الربوا ليس بمحمل عرف قابل
العرب تعرفه و تفعله قبل نزول الآية
و كذلك اهل الكتاب فان الله تعالى
قد اذم المشركين و اهل الكتاب لا کلهم
الربوا و قد نہوا عنه و لم یکنوا یعرفون
حدیث عبادة و لا غیرہ کہا هو مصرح
فی قوله فان تبتم فلکم رؤس اموالکم
و هو یقتضی وقوع الربا قبل نزول الآية
حتماً و السنة متاخرة عن الآية قطعاً
فلو كانت لفظة الربا فی القرآن مجعلة
لا بیان لها الا بالسنة لکان کلهم

الربوا قبل نزول الآية وقيل، معناه
بالسنة مستحيلاً ولا يقول بذلك
ولا يحمل كلام العلماء عليه إلا من
أعنى الله قلبه وجعل على بصره غشاوة
بل مراد من قال بالاجمال فيها ان
لفظ الربوا معروف المعنى وظاهر
المراد عند اهل العرب ولكن صار
مجهولاً لما الحق الشارح به بعض
ماله يكن العرب يعرف بالربا قال
صلى الله عليه وسلم الربا ثلث وسبعون
باباً كما تقدم وقد ذهب الطحاوي
من الحنفية وهو اعرف الناس
بمذاهبهم ومن اذهب العلماء الى
ان الربا القراءان غير ربا السنكما
قد مناه قال قول بان الربا المذکور
مجموع عند الاحناف وغيره من
الائمة حتى يصح ان يقال اتفقت
عليه الامة كما قاله المستفتي من
باطل قطعاً كيف وقد صح ابن العربي
المالکی فی احکام القراءان له کونه غیر
مجموع كما مر مفصلاً ولو علمنا
کونه مبیحاً لانسلم ان بیا حدیث
الذهب بالذهب والقضبة بالقضبة
الخ فقط بل بیا نهذا حدیث کل
قرض جرم فقه الخ وانما الربا فی النسيئة

اور فان يتم فلکم رؤس امواکم سے بھی معلوم
ہوتا ہے کہ اس آیت کے نزول سے پہلے مشرکین
میں ربا کا لین دین تھا، اور یقیناً حدیث ابو
سعید و عبادہ اس آیت کے بعد ارشاد ہوئی
ہے، تو اگر قرآن میں لفظ ربا مجمل ہو تا کہ اس کے
معنی بدون حدیث کے سمجھ میں نہیں آسکتے تو
اہل کتاب و مشرکین میں نزول آیت سے پہلے
ربا کا لین دین بدون جانے یوحی کیونکر ہو گیا
اور جن لوگوں نے آیت ربا کو مجمل کہا ہے ان کا
مطلب یہ ہے کہ لفظ ربا کے معنی عرف عرب میں
تو ظاہر تھے، مگر جب شارع نے اس کے ساتھ
معاملات کی بعض وہ صورتیں بھی ملحوظ کر دیں
جن کو اہل عرب ربا نہ سمجھتے تھے۔ جیسا کہ حنفیوں
کے اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ ربا
کے تہتر شعبے ہیں، اس وقت اس لفظ میں
معنی شرعی کے لحاظ سے اجمال آگیا، اور
امام طحاوی جو حنفیہ کے مذہب اور دیگر
علماء کے مذاہب سب سے زیادہ جانتے
ہیں۔ اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن میں
جس ربا کا ذکر ہے وہ اس ربا کے علاوہ
ہے جس کا حدیث میں بیان ہے اس سے
صاف معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک ربا قرآنی
مجمل اور حدیث اس کا بیان نہیں، ورنہ
دونوں متحد ہوتے (۱۲) پس مستفتی کا یہ قول کہ
ربا مذکور در قرآن اخاف اور ان کے

سوا دیگر ائمہ کے نزدیک بھی مجمل ہے، حتیٰ کہ یہ کہتا صحیح ہے کہ امت نے اس پر اتفاق کر لیا ہے آہ بالکل باطل ہے اور کیونکر نہ ہو جب کہ علامہ ابن العزنی مالکی نے صاف کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ قرآن میں لفظ ربا مجمل نہیں، اور اگر ہم اس کو مجمل بھی مان لیں تو ہم کو یہ مسلم نہیں کہ اس کا بیان صرف ابو سعید عباد ہی کی حدیث ہے (جو بیع کے متعلق ہے بلکہ اس کے ساتھ حدیث کل قرض جبر منفعة فہو ربا اور حدیث انما الربا فی التبیہ بھی اس کا بیان ہے) اور سب کے ملانے سے حاصل یہ ہوا کہ ربا بیع میں بھی ہوتی ہے، اور قرض میں بھی جس لئے مستفتی کا یہ دعویٰ باطل ہو گیا، کہ ربا صرف بیع میں منحصر ہے (۱۲)

۲۔ الربا ان یؤخذ للاجل عوض، هذا هو الربا الحقیقی الذی کان العرب یعرفہ بالربا صرح بہ الجصاص فی احکام القرآن لمرۃ ۴۶ والطحاوی فی معانی الآثار ۲۳ ج ۲ بلفظ فیکون مشتريا للاجل بمال اہم وانتفعت الآثار علی کوثر ربا اهل الجاہلیۃ الذی نفی اللہ عنہ کما ذکرہ مالک فی الموطا وابن جریر فی تفسیرہ واتفق العلماء علی ذلک ایضا کما حکاہ ابن رشد المالکی فی بدایۃ المجتہد لہ واما ما ذکرہ الفقہاء ان الربا هو الفضل الخالی عن العوض فی البیع فہو حد لربا البیع الذی ہو ربا السنۃ او یقال ان زیادۃ لفظ البیع فیہ تمثیل ولس للخصر کما تقدم بیا ذلک عن ابن عابدین وغیرہ۔

۳۔ دورا سوال یہ ہے کہ ربا کی حقیقت قرآن اور صحیح احادیث سے بتلاو، اس کا جواب یہ ہے کہ ربا کی حقیقت یہ ہے کہ اجل اور مدت کا معاوضہ لیا جائے حقیقی ربا جس کو اہل عرب ربا سمجھتے تھے یہی ہے، جصاص نے احکام القرآن میں اور طحاوی نے معانی الآثار میں اس کی تصریح کی ہے، اور آثار سب اس پر متفق ہیں کہ اہل ہجرت کی ربا جس سے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں منع فرمایا ہے یہی ہے جیسا موطا، مالک، تفسیر ابن جریر طبری کی روایات سے واضح ہے، اور علماء نے بھی اسی پر اجماع کیا ہے، جیسا ابن رشد مالکی نے بدایۃ المجتہد میں بیان کیا ہے، اور فقہاء نے جو ربا کی تعریف ان لفظوں سے بیان کی ہے کہ ربا وہ زیادت ہے جو بیع میں عوض سے خالی ہو یہ ربا غیر حقیقی کی تعریف ہے، یعنی ربا البیع کی، یا یوں کہا جائے کہ اس میں بیع کا لفظ تمثیل کے طور پر ہے حصر کے لئے نہیں جیسا علامہ۔

شامی وغیرہ کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے۔

۴۔ الفضل المشروط فی القرض

۳۔ تیسرا سوال یہ ہے کہ قرض میں خاص

ربا منصوص وهو الربا المحقق الذي كانت العرب تعرفه بالربا ونهى عنه القرآن دون ربا البيع الذي ودعوا به في السنة فان العرب لم يكن تعرفه ربا صرح به الجصاص وغيره من العلماء كالطحاوي وابن الهمام وابن رشد والفخر الرازي وغيرهم ودل عليه الاشارة الواردة في تفسير ربا الجاهلية،

۴۔ الدلیل علی حرمت الفعل المشروط فی القرض اجماع العلماء علی ان ربا الجاهلیۃ الذی نھی اللہ عنہ فی القرآن بقوله واحل اللہ البیع وحرم الربا هو هذا الفضل المشروط فی القرض والدين كما تقدم تفصیله مستوفی وقال الهمیثی فی الزواجر ص ۱۰۰ (۱۶) وهو ای الربا ثلثة انواع ربا الفضل وهو البیع مع زیاده احد العوضین المتفق الجنس علی ان ربا الید وهو البیع مع خلو قبضهما وقبض احدہما عن المجلس بشرط اتحادہما علۃ وان اختلف الجنس وربا النساء وهو البیع للطعومین وللتقدین المتفق الجنس او المختلفین لاجل و زاد المتولی نوعا رابعا وهو ربا القرض ولكنه فی الحقیقۃ یرجع الی ربا الفضل لانه الذی فیہ شرطین نفعاً للقرض فکانہ اقرب هذا الشئ

مقدار نفع کی مشروط ہو تو یہ ربا منصوص، یا غیر منصوص، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ربا منصوص قطعی ہے بلکہ حقیقی ربا جس کو اہل عرب ربا جانتے تھے یہی ہے، اور ربا البیع جس کا ذکر حدیث میں ہے ان کے نزدیک ربا نہ تھی، جیسا امام جصاص و علامہ طحاوی و ابن الہمام و ابن رشد و فخر رازی وغیرہم کی تصریح سے اوپر معلوم ہو چکا ہے، اور ربا جاہلیت کی تفسیر میں جو آثار وارد ہیں وہ بھی یہی بتلاتے ہیں۔

۴۔ چوتھا سوال یہ ہے کہ قرض میں نفع کی شرط لگانا اگر ربا ہے تو فقہاء کے نزدیک اس کے ربا ہونے کی دلیل معتبر کیلئے اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے ربا ہونے کی دلیل علماء کا اس بات پر اجماع کرنا ہے کہ جس ربا جاہلی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد و اصل الشریع و حرم الربا میں حرام کیا ہے وہ یہی ہے کہ قرض و دین میں نفع کی اور زیادہ وصول کرنے کی شرط کی جائے، جیسا اوپر تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا، علامہ ابن حجر عسقلانی نے کتاب الربا و اجوبہ ربا کی چار قسمیں، ربا الفضل ربا الید، ربا النساء، ربا القرض، بیان کئے فرمایا ہے، کہ یہ چاروں قسمیں بالاجماع آیات مذکورہ و احادیث آئندہ کی نصوص سے حرام ہو چکی ہیں، اور جتنی وعیدیں ربا کے متعلق وارد ہوئی ہیں، وہ ان چاروں قسموں کو شامل ہیں، اور زمانہ جاہلیت میں ربا، النساء ہی مشہور تھی،

بمثله مع زیادة النفع الذی عاد الیه کل من
هذه الانواع الا ربعة حرام بالاجماع بنصر
الاثبات المذكورة والاحادیث الاتیة وكل
ما جاء من الوعيد شامل للانواع
الاربعة وربا النسئة
هو الذی کان مشهورا فی الجاهلیة
ان الواحد منهم کان یدفع ماله لغيره
الی اجل علی ان یاخذ منه کل شهر قدرا
معینا ویأسی المال باق بحاله فاذا حل
طالبه برأس ماله فان تعذر علیه الاداء
زاد فی الحق والاجل وهذا التنوع مشهور
الآن بین الناس وواقع کثیرا وکان ابن
عباس ربه لا یحرم الا رببا بالنسئة
محتجاً بانہ بینہم فی نصف النص الیه لکن
صحیح الاحادیث بتخییر الانواع الاربعة
السابقة من غیر مطعن ولا نزاع لاحد
فیہا ومن ثم اجمعوا علی خلاف قول
ابن عباس علی انه رجع عنه اهـ قال المستفی
النفع المشرط فی القرض لما لم یثبت کونه
ربا بالقرآن وبالحدیث استدلال علی کونه
ربا تارة بالقیاس وتارة بحدیث کل قرض
جر نفعاً الخ قلت ان اراد بالنفع المشرط
اشترائط الجودة والسکنة ونحوها واشترط
الاداء ببذل المقرض ونحوه فاستدل
الفقهاء علی حرمة هذا الحدیث مسلم

جس کی صورت یہ تھی کہ ایک شخص اپنا مال دوسرے
کو مدت معینہ کے لئے اس شرط پر قرض دیتا
تھا کہ ہر مہینہ کچھ رقم معین اس سے لیتا رہیگا
اور اصل مال بدستور اپنے حال پر قائم رہے گا
پھر جب مدت پوری ہو جاتی اس سے اس مال
کا مطالبہ کرتا، اگر وہ ادا نہ کر سکتا تو اس مال
کو بڑھا کر مدت میں توسیع کر دی جاتی اور یہ صورت
آج کل بھی بہت مشہور اور کثیر الوقوع ہے، اور
ابن عباس رضی اللہ عنہ صرف اسی صورت کو
یعنی ربا النسئة کو حرام کہتے تھے، اور دلیل بیان
کرتے تھے کہ اہل عرب میں متعارف یہی ہے اس لئے
نہیں سی کی طرف رجوع ہوگی، مگر چونکہ صحیح احادیث کے
مذکورہ بالا چاروں قسموں کی حرمت ثابت ہو چکی
ہے، جن میں نہ کسی کو (سندہ) طعن ہے اور نہ
(معنی میں) کچھ نزاع ہے، اسی لئے علمائے ابن
عباس کے قول کے خلاف (سب کی حرمت)
پر اجماع کر لیا ہے، علاوہ ازیں یہ کہ ابن عباس
نے بھی اپنے قول سے رجوع کر لیا ہے (وہ بھی
چاروں کی حرمت کے قائل ہو گئے) اس سے
معلوم ہوا کہ قرض میں جو نفع اور زیادتی مشروط
ہو وہ بھی ربا منصوص ہے اس کی حرمت پر بھی
اجماع ہے، اور اس کلام سے ہمارے اس دعویٰ کی
بھی تائید ہو گئی کہ لفظ ربا عرفاً مجمل نہیں البتہ
شرعاً جب اس کو انواع اربعہ کے لئے عام کیا
گیا تو اس میں اجمال پیدا ہو گیا پس جو صورت

وقد قد منا ان حدیث التلقی الامة
له بالقبول وان كان حسنا لغيره من
حيث الاسناد ولا حاجة الى القياس
بعد وجود النص وربما يذكر الفقهاء
العلة القياسية مع وجود النص تأييدا
لما لا يحتاجه كما هو دأب صاحب
المهذبة والبدائع والطحاوی
وغيرهم فمن فهم من ذلك كون
الحكم قیاس فقد خلع رقيقة
الفقة عن عنقه،

جب تو یہ مسلم ہے کہ فقہاء نے اس کی حرمت کو حدیث کل قرض جہ نفع سے ثابت کیا ہے
اور ہم بتلا چکے ہیں کہ یہ حدیث تلقی بالقبول کی وجہ سے صحیح ہے گو سند کے لحاظ سے حسن نہیں ہے
اور نص کے ہوتے ہوئے قیاس کی کچھ ضرورت نہ تھی، مگر فقہاء کی عادت ہے کہ وہ نص کے ہوتے
ہوئے بھی تائید کے طور پر قیاسی علت بیان کرتے ہیں، جیسا کہ صاحب ہدایہ و ضابطہ دارع و امام
طحاوی کا طرز ہے اس سے حکم کو قیاسی سمجھ لینا فقہ سے تابعدار ہونے کی دلیل ہے۔

لكون ذلك مفضيا الى ان لا يوجد
حكم منصوص في الشرع اصلا فافهم لا
يذكرون النص في مسألة الا ويذكرون
مع علة قياسية ايضا وان اداد بالنفع
المشروط الفضل والزيادة المشروطة فيه
وزنا اعدادا فقولهم انهم يستدلون على
كونه ربا تارة بالقياس وتارة بمحدیثا كل
قرض جرم منفعة غير مسلم بل باطل قطعا
فان دليله عندهم الاجماع على
حرمة وكونه من ربا الجاهلية

کیونکہ اس سے تو یہ لازم آئیگا کہ شریعت
میں حکم منصوص ایک بھی نہ ہو، کیونکہ صاحب
ہدایہ تو ہر مسئلہ میں نص بیان کرنے کے بعد علت
قیاسی بھی ضرور بیان کرتے ہیں، اور اگر نفع
مشروط سے مراد وہ زیادتی ہے جو وزن اور
عدد میں قرض سے زائد لے جائے تو اس کے
متعلق یہ مسلم نہیں کہ فقہاء اس کی حرمت کو
کبھی قیاس سے ثابت کرتے ہیں کبھی حدیث
کل قرض جہ نفع الخ سے بلکہ یہ قول قطعاً
باطل ہے، کیونکہ اس کی حرمت کی بڑی

الذی فی اللہ تعالیٰ عنہ مع
 الاشارة الواردة فی تفسیر سربا
 الجاهلیة کہا تقدم و انما ینکون
 هذا الحدیث والقیاس تأییداً
 قال المستفق ولو سلم صحة
 القیاس ففیہ ان الاحکام
 القیاسیة تقبل التعلیل بتغیر الاخر ما لم
 (۴) قلت هذا کلمہ بناءً الفاسد علی
 الفاسد فقد بیتا ان حرمۃ الفضل
 المشروط فی القرض لیست بقیاسیة
 بل هی منصوصة و مجمع علیہا بین
 الامت والائتم کلہم وایضاً فقولہما ان
 الاحکام القیاسیة تقبل لتغیر بتغیر
 الزمان علی الاطلاق باطل بل اذا
 تغیرت العلة بتغیر الزمان ومثل ذلك
 یقبلہ المحکم المنصوص ایضاً کما فی مخبر
 النساء الی الاعیاد والجمعات والجماعات
 فكان جائزاً فی الصمد الاول ای زمان
 النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعلہ الامن
 من الفساد الا نادراً ثم تغیر المحکم
 بتغیر الزمان لتغیر العلة وکوقع
 الطلقة الواحدة بقول الرجل للمذخ
 یہانت طالق، طالق، طالق، فی الصمد
 الاول لعلہ سلامة الصمد وصدق
 اللسان وقلۃ الاختراق اذ ذاک فاذا

دلیل توامت کا اس کی حرمت پر اجماع ہو
 اور اس امر پر اتفاق کرنا کہ جاہلی بجا جس سے
 اللہ تعالیٰ نے قرآن میں منع فرمایا ہے یہی ہے کہ
 قرض میں نفع اور زیادت کی شرط کی جائے
 نیز وہ آثار بھی جن میں رہا جاہلی کی تفسیر وارد
 ہے اس کی حرمت پر ہوا ہے اور اس حدیث
 اور قیاس کا ذکر تو محض تأیید کے درجہ میں کیا
 جاتا ہے، اس کے بعد مستفقی نے علت قیاسیہ
 ذکر کی کہ اس پر اعتراض کیا، پھر کہا کہ اگر اس
 قیاس کو صحیح بھی مان لیا جائے تو احکام قیاسیہ
 تغیر زمانہ سے تغیر پذیر ہو سکتے ہیں، یہی کتابوں
 یہ تمام تر گفتگو بنا، الفاسد علی الفاسد کیونکہ
 ہم بتلاچکے ہیں کہ قرض میں نفع اور زیادتی لینا
 سے حرام ائمہ نے اور امت نے اس کی حرمت اتفاقاً
 کر لیا ہے، قیاس پر اس کی حرمت کا مدار نہیں پھر
 مستفقی کا علی الاطلاق یہ دعویٰ کرنا کہ احکام
 قیاسیہ تغیر زمانہ سے تغیر پذیر ہو سکتے ہیں، بالکل
 غلط ہے بلکہ احکام قیاسیہ میں تبدل زمانہ سے تغیر
 اس وقت ہوتا ہے جبکہ تغیر زمانہ سے علت حکم بدل گیا
 اور ایسا تغیر تو احکام مقصودہ میں بھی ہو جاتا ہے
 ویکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں
 عورتوں کو جمعہ اور جماعات اور عیدین کی نماز
 کے لئے گھر سے نکلتا جائز تھا، کیونکہ اس وقت
 فساد کا اندیشہ غالب نہ تھا، پھر جب تغیر زمانہ سے
 یہ علت بدل گئی (اور فساد کا اندیشہ غالب ہو گیا)

قال الرجل ما اردت به الا واحداً
قبل قوله قضاء وديانة ثم لما تابع
الرجال في الطلاق ولو يبق فيهم سلامة
الصدر وصدق اللسان كما كان قبل
قضى عمر بايقاع الثلث قضاء وان لا
يقبل نيت الواحدة الا ديانة،
اس لئے مرد کا قول قضاء بھی قبول تھا، اور ديانة بھی، پھر جب طلاق کی کثرت ہونے لگی اور
قلوب میں سلامتی اور زبان میں سچائی پہلے سے کم ہو گئی تو حضرت عمرؓ نے اس صورت میں طلاق
ہونے کا فیصلہ فرمایا، اور اب مرد کا یہ دعویٰ کہ میں نے تو ایک طلاق کی نیت کی تھی صرف ديانة
معتبر ہے قضاء معتبر نہیں،

ومن زعم ان الاحكام القياسية تتغير
بتغير الزمان مع بقاء العلة فقد افتوى
على الائمة كذا باوليس منه الافتاء بمذهب
غير امامه في مسئلة للحاجة فبذلك لم يتغير
مذهب الامام بتغير الزمان بل هو على حاله
وانما غايته ترك تقليد الامام في
المسئلة واختيار قول الاخرين من المجتهدين
فيما لكون اختلاف الامة رحمة فلم يتغير
الحكم وانما تغير التقليد وامامات نقله المستفي
هناك في الحاشية عن بعض الفقهاء من اعتبار
العرف والزمان واختلاف الاحكام باختلاف
فانتم لم يدركوا مرادهم ولو يفهم حق
الفهم وحاصل ما ذكره ان ما كان من
الاحكام مبيناً على الالفاظ المتعارفة للمعنيين
والطلاق فلا بد فيه من اعتبار فعل كل قوم في كل
اور جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ احکام قیاسیہ وجود
بقا، علت کے بھی تغیر زمانہ سے تغیر پذیر ہو جاتے
ہیں، وہ ائمہ پر افراتفرات ہے اور کسی مسئلہ میں ضرورت
کے وقت اپنے امام کے مذہب کو چھوڑ دینا دوسری
بات ہے، اس کو تغیر حکم بتغیر زمانہ میں داخل نہیں
کر سکتے، کیونکہ اس صورت میں امام کا مذہب
تو تغیر زمانہ سے متغیر نہیں ہوا، بلکہ وہ تو اپنے حال
پر بدستور باقی ہے، ہاں یوں کہو کہ تم نے اختلاف
علماء کو رحمت سمجھ کر اس مسئلہ میں اپنے امام کا قول
چھوڑ کر دوسروں کا قول اختیار کر لیا ہے پس
حکم میں تغیر نہیں ہوا، بلکہ تمہاری تقلید میں ہوا،
مستفی نے اس مقام پر حاشیہ کتاب میں کچھ
اقوال فقہار کے اس باب میں نقل کئے ہیں کہ احکام
میں عرف و زمان کا لحاظ بھی ہوتا ہے، اور عرف
و زمان کے تغیر سے احکام بدل جاتے ہیں، مگر وہ

زمان فلو قال لا اضع قدمی فی دار فلان و المتعارف عندہم یہ الدخول بحکم بالحنث بالدخول لا بوضع القدم من غیر الدخول و من علی ذلك الفاظ الطلاق و غیرہ فلو تعارف قوم بلفظ الطلقة البتہ الثلاثہ المغلطۃ یعنی یوقع الثلاث حتما و ما کان منها لا یتنی علی الالفاظ المتعارفۃ بل علی الدلائل الفقہیۃ فاختلفوا فی کون العرف دلیلا لہا و لا فزع بعضهم ان تعارف المسلمین عملا فی ديارهم من زمان من غیر تکیہ و دلیل ایضا علی جوازہ شرعا لکونہ داخل فی ما رآہ المسلمون حسنا و لکونہ نوعا من انواع الاجماع العلی و لا شک فی ان تعامل الصحابۃ و تعارفہم عملا من غیر تکیہ حجتہ لکونہم عدا و کثیارا لا یتخالفون النض فی عملہم عملا و اصلا و اما تعامل غیرہم لا سیما تعامل من بعد القرون الثلاثۃ المشہورۃ لہا بالتحیر فی اعتبارہ تفصیل ذکرہ ابن عابدین فی رسالۃ نشر العرف و الحب من المستفتی انہ ذکر منہ شیئا یسیرا و ترک منہ ما یتخالف و هل هذا الا اتباع الرہوی الذی من اتبعہ فقد غوی و هل هذا الا لیس الحق بالیقل و بیع العاجل بالاجل اعادنا اللہ منہ قال ابن عابدین رحمہ اللہ قد صرحوا بان الروایۃ اذا کانت فی کتب ظاہر الروایۃ

ان کا مطلب نہیں سمجھا، فقہاء کے اقوال کا حاصل تو صرف اس قدر ہے کہ احکام کی دو قسمیں ہیں، بعض وہ ہیں جو الفاظ متعارفہ پر مبنی ہوتے ہیں جیسے یمین و طلاق و غیرہ ان میں تو ہر قوم کا عرف ہر زمانہ میں قابل اعتبار ہے، مثلاً اگر کوئی یوں کہے کہ فلاں شخص کے گھر میں قدم نہ رکھوں گا اور عرفاً اس کے معنی یہ ہیں کہ گھر میں داخل نہ ہوں گا تو اگر وہ بدون قدم رکھے گھر میں داخل ہو جائے (مثلاً کسی آدمی یا جانور پر سوار ہو کر جائے) تو قسم ٹوٹ جائے گی، اور اگر قدم رکھ دے مگر دخول نہ پایا جائے (مثلاً ایک پیر یا ہر رہے) تو قسم نہ ٹوٹے گی، اسی طرح اگر کسی قوم کے عرف میں لفظ البتہ سے تین مغلط طلاق مفہوم ہونے لگیں تو اس سے تین طلاق واقع ہو جانے کا فوٹ دیا جائے گا، اور بعض احکام وہ ہیں جو الفاظ متعارفہ پر مبنی نہیں، بلکہ دلائل فقہیہ پر مبنی ہیں، ان کے بارے میں فقہاء کے درمیان گفتگو ہوتی ہے، کہ جیسے کتاب و سنت و اجماع و قیاس ان احکام کیلئے دلائل ہیں اسی طرح عرف اہل اسلام بھی ان احکام کی دلیل بن سکتا ہے، یا نہیں تو بعض کا قول یہ ہے کہ اہل اسلام کے درمیان کسی عمل کا ایک زمانہ ہے بلا خلاف متعارف ہو جاتا بھی اس عمل کے جائز ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ وہ ما رآہ المسلمون حسنا میں داخل ہے، دوسرے یہ تعارف بھی اجماع علی کی ایک قسم ہے، اور اس میں تو شک نہیں

لا يعدل عنها الا اذا صح
المشاخ غير ها كما اوضحت
ذلك في شرح الاسر جوزه فكيف
يعمل بالعرف المخالف لها
الرواية وايضا فان ظاهر الرواية
قد يكون مبينا على صريحه -

کہ کسی عمل پر حضرات صحابہ کا بلا تکیہ تعامل و تعامل
ہونا تو واقعی حجت ہے کیونکہ یہ حضرات سب تک
عادل و متقی تھے، وہ عمد انص کے خلاف تعامل
نہیں کر سکتے تھے، اور صحابہ کے سوا دوسروں کا
تعامل خصوصاً ان لوگوں کا تعامل جو تابعین و
تابع تابعین کے بھی بعد ہوئے ہیں اس کے معتبر

و غیر معتبر ہونے میں تفصیل ہے، جس کو علامہ شامی نے اپنے رسالہ نشر العرف میں بیان کیا ہے، ہم کو مستفتی
پر تعجب ہے کہ اس نے اس رسالہ کی مختصر سی عبارت نقل کر کے اپنے خلاف مطلب مضمون کو چھوڑ دیا
تو کیا اسی کا نام اتباع ہوئی نہیں جس کا انجام گمراہی ہے، اور کیا اس کو تبلیغ بالباطل نہ کہا جائے گا
جو اس مثل کا مصداق ہے، کہ "از بہر دنیا دہدیں بباد" نعوذ بالشر من علامہ ابن عابدین (اپنے اس
رسالہ میں) فرماتے ہیں کہ فقہار نے اس کی تصریح کی ہے کہ جب کوئی مسئلہ ظاہر روایت میں موجود ہو
اس کو ترک نہیں کیا جاسکتا، مگر جب تک مشائخ نے اس کے خلاف کو صحیح کہا ہو، پھر جو عرف ظاہر
روایت کے خلاف ہو اس پر کیونکر عمل کیا جاسکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ظاہر روایت کبھی نص صریح
پر مبنی ہوتی ہے۔

من الكتاب اذ السنة اذ الاجماع ولا اعتبار
للعرف المخالف للنص لان العرف قد يكون
على باطل بخلاف النص كما قال ابن المهيمن
وقد قال في الاشباه العرف غير معتبر
في المنصوص عليه قال في الظهيرية
من الصلوة وكان محمد بن الفضل
يقول السرة الى موضع نبات الشعر
من الغانة ليست بعورة لتعامل
العمال في الابداء عن ذلك الموضع عند
الانزاد وفي النزاع عن العادة الظاهرة
نوع حرج وهذا ضعيف وبعيد لان

خواہ قرآن کی آیت ہو یا حدیث ہو یا اجماع او
جو عرف نص کے خلاف ہو وہ ہرگز معتبر نہیں
کیونکہ عرف بعض دفعہ ناحق بھی ہوتا ہے، اور نص
حق کے خلاف نہیں ہو سکتی، جیسا ابن ہمام فرمایا
ہے، اور اشباہ میں ہے کہ مسئلہ منصوص میں عرف
کا کچھ اعتبار نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ ظہیر میں
علامہ محمد بن فضل کا یہ قول کہ ناف اور بیڑو کا
درمیا فی حصہ جو موئے زہار سے خالی ہے ستر میں
داخل نہیں، کیونکہ مزہ دوری کرنے والے مسلمانوں
کا تعامل یہ ہے کہ وہ لنگی باندھتے ہوئے اس جگہ کو
نہیں چھپاتے، اور لوگوں کو ان کی عادت سر

التعامل بخلاف النص لا يعتبر وفي
الاشباه ايضا الفائدة الثالثة المشقة
والخرج انما يعتبران في موضع لا نص فيه
واما مع النص بخلافه فلا الى ان قال فنقول
ان العرف نوعان خاص وعام وكل منهما
اما ان يوافق الدليل الشرعي و
المتصوص عليه في كتب ظاهرا لروايتها
اولا فان وافقهما فلا كلام والا فاما ان
يخالف الدليل الشرعي او المتصوص عليه
في المذهب فتذكر ذلك في ما بين البابين
الاول اذا خالف العرف الدليل الشرعي
فان خالفه من كل وجه بان الزم منه
ترك النص فلا شك في رده كتعاقد الناس
كثيرا من المحرمات من الربا وشرب الخمر ولبس الحرير
والذهب وغير ذلك مما ورد تحريمه نصا وان
يخالفه من كل وجه بان ورد الدليل عاما
والعرف خالفه في بعض افرادها وكان الدليل
قياسا فان العرف معتبران كازعاما
فان العرف العام يصلح مخصصا و
يتروك به القياس كما صرحوا به في مسئلة

ہٹانے میں تنگی ضرور ہے، ذکر کر کے کہلے کہ قیل
ضعیف اور حق سے دور ہے، کیونکہ نص کے خلاف
جو تعامل ہو اس کا اعتبار نہیں ہو سکتا، نیز اشباہ
میں قائد و ثالثہ کے تحت میں لکھا ہے کہ مشقت
اور تنگی کا اسی موقع پر لحاظ کیا جاتا ہے، جہاں
نص موجود نہ ہو، اور جہاں نص موجود ہو وہاں
اس کا اعتبار نہ کیا جائیگا، اس کے بعد فرمایا ہے
کہ عرف کی دو قسمیں ہیں، عرف خاص و عرف
عام اور دونوں کی دو قسمیں ہیں، یا تو وہ دلیل
شرعی اور ظاہر روایت کی تصریح کے موافق ہوگا
یا مخالف اگر ان کے موافق ہو، جب تو اس کے
معتبر ہونے میں کچھ کلام ہی نہیں، اور اگر دلیل
شرعی یا ظاہر روایت کی تصریح کے خلاف ہو،
تو اس کو ہم دو بابوں میں بیان کرنا چاہتے ہیں،
پہلا باب اس صورت کے متعلق ہے کہ عرف
دلیل شرعی کے خلاف ہو تو اگر ہر جہت سے
خلاف ہو کہ اس سے نص کا ابطال لازم آئے
جب تو عرف کے مردود ہونے میں کچھ شبہ نہیں،
جیسے بہت لوگوں میں آج کل بہت حرام کام
مستحرف ہیں، مثلاً سو لینا، شراب پینا، ریشم

مہ انظر الى هذا القيد فيما اذا كان الدليل قياسا لا بد من كون العرف عاما من غير تكثير وحرمة الفضل المشروط في بعض
ليس بالقياس بل بالنص والاجماع وليس في التعامل بعرف من المسلمين بل انما يتركب بعض الفساق والجهال من العوام
الذين جمعوا مالا وصدوده وهوا لا الشريعة قليلون واما المقام ليس وكثيرا ما هم وكذا الاغنياء الذين لا يجمعون المال
فلا يرضون به ابدا ولا يتعاملون الا مضطرين ومنكرين الصلح والعلماء من المسلمين الامن كان من الطوائف قد باع دينة
بالدنيا ووقع حماره في الطين ۱۲ منہ

الاستصناع ودخول الحمام والشرب
من السقا وان كان العرف خاصاً
فان لا يعتبر وهو المذهب
كما ذكره في الاشباه قال هل المعتبر
في بناء الاحكام العرف العام او مطلق
العرف ولو كان خاصاً المذهب
الاول انتهى ويتفرع على ذلك لو
استقرض الف واستاجر المقرض ،
جیسا مسئلہ استصناع ودخول حمام اور ستادہ سے پانی پینے کے مسئلہ میں فقہاء نے تصریح کی
ہے۔ اور اگر عرف خاص ہو تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، مذہب یہی ہے، جیسا اشباہ میں مذکور ہے
کہ بناء احكام میں عرف عام معتبر ہے یا ہر عرف گو خاص ہی ہو، مذہب یہ ہے کہ شق اول معتبر ہے یعنی
عرف عام، اور اس پر یہ مسئلہ متفرع ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی سے ایک ہزار روپے قرض لا اور
تحفظ مراۃ او ملعقتہ کل شہر بعشرۃ و
قیمتھا لا تزيد علی الاجر فقیھا ثلاثۃ
اقوال (۱) صحۃ الاجارۃ بلا کراہۃ
اعتبار العرف خواص بخاری
(۲) والصحة مع الکراہۃ للاختلاف
(۳) والفساد لان صحۃ الاجارۃ بالتعاد
العام ولم یوجد وقد افتی
الا کابر بفسادھا الی ان قال

اور سونا پہنتا وغیرہ جن کی حرمت نص میں صراحۃً
وارد ہے، اور اگر ہر جہت سے خلاف نہ ہو، بلکہ
صور یہ ہو کہ دلیل شرعی تو عام ہے اور عرف
بعض خاص صور تو ہیں اس کے خلاف ہے،
یا دلیل قیاسی ہے (منصوص نہیں) اس وقت
عرف کا اعتبار کیا جائے گا بشرطیکہ عرف عام ہو
(خاص نہ ہو) کیونکہ عرف عام سے نص میں تخصیص
ہو سکتی ہے، اور قیاس کو ترک کیا جاسکتا ہے،
جیسا مسئلہ استصناع ودخول حمام اور ستادہ سے پانی پینے کے مسئلہ میں فقہاء نے تصریح کی
ہے۔ اور اگر عرف خاص ہو تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، مذہب یہی ہے، جیسا اشباہ میں مذکور ہے
کہ بناء احكام میں عرف عام معتبر ہے یا ہر عرف گو خاص ہی ہو، مذہب یہ ہے کہ شق اول معتبر ہے یعنی
عرف عام، اور اس پر یہ مسئلہ متفرع ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی سے ایک ہزار روپے قرض لا اور
تحفظ مراۃ او ملعقتہ کل شہر بعشرۃ و
قیمتھا لا تزيد علی الاجر فقیھا ثلاثۃ
اقوال (۱) صحۃ الاجارۃ بلا کراہۃ
اعتبار العرف خواص بخاری
(۲) والصحة مع الکراہۃ للاختلاف
(۳) والفساد لان صحۃ الاجارۃ بالتعاد
العام ولم یوجد وقد افتی
الا کابر بفسادھا الی ان قال

قرض دینے والے کو اپنے ایک آئینہ یا چمچ کی
حفاظت کے لئے دس درہم ماہوار پر لو کر رکھ لے
(تاکہ اس جیلہ سے اس کو قرض کا کچھ نفع ملتا رہے)
تو اس تین اقوال ہیں۔ (۱) یہ کہ یہ اجارہ بلا کراہۃ
صحیح ہے اہل بخاری کے عرف خاص کی بناء،
پر (۲) یہ کہ مع الکراہۃ صحیح ہے کیونکہ عرف
مختلف ہے (۳) یہ کہ اجارہ قاسد ہے،
کیونکہ صحت اجارہ کی بناء عرف عام پر ہے

عہ اس میں صاف تصریح ہے کہ قیاس کو عرف عام ہی سے ترک کیا جاسکتا ہے نہ عرف خاص سے اور قرض پر نفع لینا مسلمانوں
میں عام طور سے متعارف نہیں بلکہ سرمایہ داروں میں متعارف ہی، علماء و صلحاء اور فقراء اور وہ اغنیاء جو سرمایہ دار نہیں
سب اس سے ناراض ہیں اور مجبور ہو کر سود دینے پر آمادہ ہوتے ہیں، پس اگر اس مسئلہ کا مدار قیاس پر ہوتا جب بھی
ایسے عرف سے اس کا ترک جائز نہ تھا مگر ہم بتلا چکے ہیں کہ اس کا مدار قیاس پر نہیں بلکہ اس کی حرمت منصوص
اور اجماعی ہے اور نص کے خلاف نہ عرف عام معتبر ہے نہ عرف خاص خوب سمجھ لو ۱۲ منہ

وحاصلہ ان ماذکروانی حیلۃ اخذ المقرض
رجحاً من المستقرض ملعقة مثلاً ویستاجرہ
علی حفظہا فی کل شہر یکذا غیر صحیح لان
الاجارۃ مشروعة علی خلاف القیاس
لا تھا بیع المنافع المعدومة وقت العقد
وانما جازت بالتعارف العام وقد تعارفوا
سلفاً وخلفاً ولا یحقی انہ لا ضرورة الی
الاستیجار علی حفظ مال یحتاج الی حفظہ
باضطاف قیمۃ فانی لیس مما یقصدہ
العقل ولذا العرجی استیجار دابة
لیجنبہا ودر اہم لیزین بہا دکانہ
کما صرحوا بہ ایضاً فتبقى علی اصل
القیاس ولا یثبت جوازہ بالعرف الخاص
فان العرف الخاص یتروک بہ القیاس
فی الصحیح علی ان هذا العرف لم
یشہر فی بلدۃ بل تعادقہ بعض اہل
بخاری دون عامتہم ولا یثبت التقار
بذلک اھ (ص ۱۱۶ تا ۱۱۸ ۲۳۷)

اور وہ یہاں موجود نہیں، اس کے بعد فرمایا ہے کہ
خلاصہ یہ ہے کہ بعض علماء نے جو قرض دینے والے کے
لئے قرض خواہ سے نفع حاصل کر لے کا یہ حیلہ نکالا ہے
کہ قرض خواہ قرض دینے والے کو مثلاً ایک چمچہ
کرایہ پر دیدے کہ تم اس کی حفاظت کرو اور اس
حفاظت کا معاوضہ ماہوار تم کو اس قدر ملے گا
یہ حیلہ صحیح نہیں، کیونکہ اجارہ کا جواز دراصل خلاص
قیاس ہے، کیونکہ اس میں منافع معدومہ کی بیع
ہوتی ہے مگر عرف عام کی وجہ سے جائز ہو گیا ہے
کہ سلف سے خلف تک سب اس عقد اجارہ کا
رواج رہا ہے، اور ظاہر ہے کہ جس چیز کی حفاظت
کی کچھ بھی ضرورت نہیں اس کی حفاظت کیلئے
کسی کو مزہ دوری پر رکھنا محض فضول ہے کیونکہ
عقلاً ایسا کبھی نہیں کرتے اسی لئے گھوڑے کو
کوئل ساتھ رکھنے کے لئے اجارہ پر لینا یا دکان
بجانے کے لئے دراہم کرایہ پر لینا جائز نہیں
جیسا کہ فقہاء نے تصریح کی ہے تو یہ اجارہ یعنی
قرض دینے والے کو چمچہ یا آئینہ کی حفاظت

کے لئے کرایہ اور مزہ دوری پر رکھنا اصل قیاس پر (فاسد و باطل) ہوگا، اور عرف خاص سے قیاس
متروک نہیں ہو سکتا، صحیح قول یہی ہے، دوسرے یہ عرف تو کسی ایک شہر میں بھی رائج نہیں ہوا بلکہ
مع قلت ولو کان الاستیجار والاستراح علی القرض جائزاً ولو عند احد من المجتہدین لم یحتاجوا الی مثل تلك الحيلة والويل
كالويل لاهل الربا ان تلك الحيلة ايضاً لا تجوز فی المذهب فیا لجرأة هذا المستفتی کیف اغض عینہ عن کل ذلک قال جواز
الاستراح والاستیجار علی القرض نفسه مخالف لاجراء ولم یخیر، اللہ تعالیٰ فی تحلیل الربا المحرم نقول باللہ من الخذلان ۱۲ منہ
منہ وکذا لا ضرورة الی استیجار الدار ہم بل ولا یحقق فیہ معنی الاجارۃ اصلاً لغیر ذلک بقا، المستاجر باللمح والانتفاع
بنا نم واما الاجارۃ علی استہلاک العین فباطلة قطعاً ۱۲ منہ

بلکہ بخاری کے بعض خاص لوگوں میں پایا گیا ہے، عام طور پر وہاں بھی نہیں ہے، اور اتنی بات سے تعارف ثابت نہیں ہو سکتا۔ (۱۷ تا ۱۸ ج ۲)

ہذا اخو ما اردنا ایراد فی جواب هذا الاستفتاء
الذی وصل صاحبہ فی تحریف الاحکام وتبدیل
الشرع غایۃ الانتہاء ولحدی ان الذین کالوا
یحوزون الربا فی الہند مع الکفار لکونہا داراً
ہم احسن حالاً من هذا المستفتی و
خیر ما لا لکونہم اخذین بقول امام من
الائمة ولو ضعیفاً لا یجوز الاقتناء عندنا
الانصراف شديداً واما هذا المستفتی
فقد اتى بالجواب من تحلیل الحرام
والی اللہ المشتکی ما احدثہ المنتسبون
الی العلوی الاحکام وغیرہا من شرع اللہ
وشرع رسولہ افضل لانام علیہ صلوة
اللہ وسلامہ الی یوم القیام وعلی الہد
اصحابہ البررة الکرام والحمد للہ رب
العالمین، اللہم توفنا مسلمین والحقنا
بالصالحین واذا اردت بقوم قتلتہ فتوفنی
غیر مفتون۔

اب ہم استفتاء کے جواب کو اسی جگہ پر ختم کر دیتا
چاہتے ہیں، صرف اتنا اور کہتا چاہتے ہیں کہ مؤلف
استفتاء نے احکام کی تحریف اور شریعت کی
تبدیلی میں نمبر اول پایا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے
کہ جو لوگ ہندوستان میں کفار کی ساتھ دارالکفر
کی آڑ لے کر سودی معاملات کو جائز کہتے ہیں
وہ اس مستفتی سے موجودہ حالت کے اعتبار سے
بھی اچھے اور انجام کے لحاظ سے بھی بہتر ہیں
کیونکہ وہ کسی امام مجتہد کے قول کو تو لے ہوئے
ہیں گو ہمارے نزدیک وہ قول بھی ضعیف ہے
جس پر بدون ضرورت شدیدہ کے عمل جائز
نہیں، مگر اس مستفتی نے تو حرام کو حلال کرنے
میں غضب ڈھا دیا، پس ہم خدا ہی سے اس
فتنہ کی فریاد کرتے ہیں جو علم کی طرف نسبت
رکھنے والوں نے احکام شرعیہ میں آجکل برپا
کیا ہے کہ خدا و رسول کی شریعت کو جس طرح
چاہتے ہیں بدل دیتے ہیں، رسول خدا افضل

المخلوق علی الشعلیہ وسلم پر قیامت تک درود و سلام نازل ہوتا رہے اور آپ کے تمام خاندان و
اصحاب پر بھی جو کہ نیک اور کریم تھے، والحمد للہ رب العالمین اللہم توفنا مسلمین والحقنا بالصالحین و
اذا اردت بقوم قتلتہ فتوفنی غیر مفتون، آمین۔

حررہ المفتقر الی رحمۃ ربہ الصمد عبدہ المذنب ظفر احمد النزیل بالخانقاۃ الامداد

بمکانہ بھون — ۳۷ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ

تَمَتُّةُ الْكَلَامِ

قد اورد المستفتی فی آخر رسالتہ علی قول الشیخ ثناء اللہ ونصہ ان المراد بالربا مغلہ للقرض وهو الزیادۃ وہی عما یقر عن فضل یطو علی المماثلۃ والمساوات فواجب تعالیٰ فی المایعۃ والمقارضۃ المماثلۃ والمساوات فالمتبرک فیہا المماثلۃ بالاجزاء کیلا او وزنات ان اتحد جنس المبدلین وکانا من ذوات الامثال وعند اختلاف الجنس تکتفی المماثلۃ المعنویۃ وہی القیمۃ وجعلت القیمۃ مماثلۃ للبذل لان ما لکی البدلین رضیا عند علیہ المبادلۃ فیصیر کل من البدلین مثلاً لمجموع البدل الاخر باصطلاحہما انتهى بان المماثلۃ لا یوجد فی القرض لانه لیس فیہ وجود الطرفين وبان القرض لیس فیہ المبادلۃ عند الشرع وهذا الشیخ ایضاً اقام علیہ الأدلۃ ثم قال اعطى الشرع لمثلہ حکم عینہ وبانہ علی هذا لا یجوز للمشتري ان یبیع ما اشتراه باكثر من الثمن الذى اشتراه به کانه الفضل لغۃ مع انہ جائز باتفاق الامۃ وعند الشیخ ایضاً (ص ۴۷) والجواب عن الاول والثانی بان القرض معاوضۃ انتہاء فکیف لا یوجد فیہ المبادلۃ والمماثلۃ من هذه الجہۃ وهذا هو مراد الشیخ قدس اللہ سرہ نعم لا مبادلۃ ولا مماثلۃ فی القرض ابتداءً لکونہ تبرعاً من هذه الجہۃ فلا یصح القول بنفی المماثلۃ والمبادلۃ عن القرض مطلقاً بل لا بد من تقيیدہ بالابتداء وهذا لا یضر الشیخ ولا ینفع المستفتی علی ان القرض کالبيع عند محمد کما صرح بہ مالک العلماء فی البدائع ونصہ اما رکنہ فهو الايجاب والقبول وهذا قول محمد واحدی الروایتین عن ابی یوسف وروی عن ابی یوسف اخرى ان الرکن فیہ الايجاب والقبول لیس برکن وجہ قول محمد ان الواجب فی ذمۃ المستقرض مثل المستقرض قلہذا اختص جوازہ بمالہ مغل فامشہ البیع فکان القبول رکناً فیہ کما فی البیع (ص ۲۹۹) ویؤیدہ قول الہیثمی فی الزواجر بان ربا القرض یرجع فی الحقیقۃ الی ربا الفضل الخ کما مر ذکرہ علی هذا فما حکاہ المستفتی عن بعض الاعلام ان القرض یرجع فی الحقیقۃ الی ربا الفضل الخ کما مر ذکرہ علی هذا فما حکاہ المستفتی عن بعض الاعلام ان القرض لیس غیر البیع ومباینالہ بل داخل فیہ (الصواب ان یقال بل هو مثلہ^{۱۲}) لان القرض مبادلۃ انتہاء فهو قسم من اقسام البیع لا غیر (الاصوب القول بانہ فی حکم البیع^{۱۳}) صحیح

۱۲ اس مضمون کے ترجمہ کی ضرورت نہیں سمجھی گئی کیونکہ دقیق ہے عوام کی فہم سے باہر ہے ۱۳

على قول محمد ومن افقه فانه قاسه على البيع لاجل المبادلة التي فيه وجعل لا يجزى والقبول ركنين له كما البيع فافهم -

وعن ثالثه بان المماثلة المعنوية وهي القيمة عند اختلاف جنس البديلين لما كان مدارها على اصطلاح العاقدین ورضا هما لا بد وان تختلف باختلاف العاقدین والعقد فالثمن الذي اصطلح عليه العاقدان هو مثل بدل له في هذا العقد والثلث الذي تراضى عليه الاخران هو مثل هذا الشيء في ذلك العقد فيجوز للمشتري ان يبيع ما اشتراه باكثر من الثمن الذي اشتراه به لغير البائع الاول ولهذا البائع ايضا بعد اداء الثمن في العقد الاول لاختلاف العقد والعاقدین لسكون البائع مشتريا والمشتري بائعا في العقد الثاني وليس ذلك من الفضل لغة ولا عرفا فان الفضل والزيادة لا يظهر لغة وعرفا الا في المتحد الاجناس فلا يقال ان مائة درهم ازيد من الثوب ولا ان الدينار ازيد من الفلوس فاذا تراضى العاقدان في المختلفة الاجناس على ثمن كان مثل بدل له مماثلة معنوية فافهم وكن من الشاكرين هذا جوابنا عن ايراد المستفتي على كلام الشيخ ثناء الله دام دعويه بان الشيخ انما قال ذلك اي ان المراد بالربا معناه اللغوي بعد ما تنبه على ان نفع القرض المشروط لا يدخل في الربا المحرم بالنص على المسكين قد عوى بلا بية فان كلام الشيخ رحمه الله في تفسير اية الربا صريح في كون نفع القرض داخل في ربا القرآن من ما بالنص كما تقدم ذكره واعترف المستفتي بذلك نفسه لكنه نسي ما قدمت يداه فذكر ثانيا خلافا ما اولا ابداه وذلك من ديدن المخلطين الملبسين يخبطون داتها خبط عشواء ولا يستقيمون لحظة على منهج سواء والله تعالى اعلم (النور ص ۳۴۴)

قرض دادن کے را کہ از یہ سوال ایک شخص ہندو کو روپیہ قرض دیتا ہے، اس امید روپیہ سود حاصل کی کند پر کہ جب گڑ پیدا ہوگا تو اس روپیہ کا گڑ اس وقت کے نرخ سے ہم لیں گے مگر وہ ہندو مدیون دوسرے ہندو کو سود لیکر اس روپیہ کو تقسیم کرتا ہے اور ان لوگوں سے گڑ خرید کر اصل دائن کو دیتا ہے، اور دائن کو یہ بات معلوم ہے کہ مدیون سودی روپیہ تقسیم کرے گا۔ آیا اصل دائن اعانت علی المعصیۃ کے جرم میں شرعاً مآخوذ ہوگا یا نہیں؟

الجواب، چونکہ قرض دینے سے وہ روپیہ اس مقرض کی ملک سے نکل گیا، اور روپیہ

بالخصوص موضوع بھی نہیں اقامت محصیت کے لئے، بلکہ وجوہ جائزہ سے بھی منتفع ہو سکتا ہے۔ پھر ثمان معاملات مبادلات میں متعین بھی نہیں ہوتے اس لئے ظاہر ہے اعانت علی المعصیۃ نہیں صحابہ کی داد درست ہو۔ آکلین سحت کے ساتھ بلا نیکر متعارف و شائع تھی، والٹر اعلم، ۱۶ شعبان ۱۳۲۲ھ

سوال متعلق سوال مذکور:- چونکہ صفائی معاملات کی عبارت دیکھی گئی، مگر سود لینے والے کی اعانت قرض سے کی، اور اعانت گناہ کی گناہ ہے اس وجہ سے صورت مسئلہ میں شبہ پیدا ہو گیا کہ یہاں بھی بذریعہ قرض کے اعانت علی المعصیۃ لازم آتی ہے، اور باوجود غور و فکر کے دونوں قرضوں میں مجھے کچھ فرق نہیں معلوم ہوا، اس سبب سے میں نے وہ سوال پیش کیا ہے اور پوری عبارت صفائی معاملات کی یہ ہے صلا بعض لوگ سودی بنکوں میں روپیہ امانت جمع کرتے ہیں اور اس کا نفع نہیں لیتے، سوچو کہ بالیقین بنک میں روپیہ بعینہ محفوظ نہیں رہتا، کاڑیاں لگا رہتا ہے، اس لئے وہ امانت نہیں رہتا، بلکہ قرض ہو جاتا ہے، اور گو اس شخص نے سود نہیں لیا مگر سود لینے والے کی اعانت قرض سے کی، اور اعانت گناہ کی گناہ ہے، اس لئے روپیہ داخل کرنا ہی درست نہیں۔“

الجواب:- تامل سے یہ فرق معلوم ہوتا ہے کہ بنک میں تو روپیہ موضوع اسی واسطے ہے بخلاف صورت مسئلہ عتہا کے، اور جس قدر یقین لزوم اور ضرورت میں ہوتا ہے دوم اتفاق میں نہیں ہوتا، لیکن احتیاط صورت عتہا میں بھی بہتر ہے، بعد تامل ایسے بنک میں ایک اور وجہ منع کی خیال میں آئی، وہ یہ کہ یہ خلط بالاذن ہے تو موجب شرکت ہو گیا، اور شرکت مزیل ملک نہیں تو روپیہ والے کی ملک پر اس میں تصرف غیر مشروع ہوا۔ ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ

(امداد جلد دوم ص ۱۶۲)

متحد القدر مختلف الجنس میں | سوال (۲۴۴) بحوالہ صفائی معاملات مطبوعہ مطبع مجیدی
تنبیہ نہ ہونے پر شبہ | کا پوریزیر عنوان سود کا بیان صفحہ ۱۰، ۱۱ ”جو چیزیں متحد القدر
غیر متحد الجنس ہوں ان میں کمی بیشی تو جائز ہے مگر ادھار جائز نہیں“ اس سے معلوم ہوا
کہ روپے پیسے کا اگر اندج و غلہ خریدنا چاہیں تو ادھار جائز نہ ہوگا،

الجواب، ہاں سرسری نظر میں یہ شبہ ہو سکتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ دونوں کے وزن کرنے کے باٹ مختلف ہیں، اس لئے شریعت میں اس کا حکم ویسا ہی ہے جیسے غیر متحد القدر کا یعنی اختلاف نوع قدر بجائے اختلاف قدر کے ہے کذا فی الہدایہ باب الربو تحت متن اذا

عدم الوصفان فی قوله الا اذا سلم النقود فی الزعفران ونحو کوز الخ ایک وزنی ہود و سر غیر وزنی،
۹ رمضان ۱۳۵۵ھ (النور حب ۳۵ ص ۱۳۵)

سوال (۱۳۵) سرکار قدسیہ یکم مرحوم نے کچھ روپیہ گورنمنٹ
انگریزی کو دیا تھا جس کے سود میں تمام پانی شہر میں آتا ہے مسجدوں
میں حوض میں بڑے بڑے قاضی مفتی پیتے ہیں وضو کرتے ہیں۔ آیا ایسا پانی جائز ہے یا نہیں
ہم لوگ سب مبتلا ہیں، مگر اس میں شک نہیں ہے کہ اس کے سود ہی سے یہ پانی کے نل کاری
کئے گئے ہیں، یا عموم بلوئی کے لئے جائز ہوگا، غرض کہ اس مسئلہ کے جواز و عدم جواز سے ضرور
مطلع فرمائیے؟

الجواب۔ جس شے میں خبث ہو اس کا استعمال حرام ہے نہ کہ اس سے مس کی ہوئی چیز
کا بھی کیونکہ مس بالخبیث اسباب خبث سے شرع میں نہیں ہے، ورنہ مس بالکافر سے تلوث لازم
ہوتا چاہئے، پس تل میں اگرچہ خبث ہو مگر وہ رعایا کے استعمال میں نہیں ہے کیونکہ وہ اہل حکم کے
تصرف میں ہے، پس وہ اس کے مستعمل ہیں، اور جو پانی استعمال میں ہے وہ مباح ہے گو نل سے
مس کئے ہوئے ہو اور مس بالخبیث کا اسباب خبث میں سے نہ ہونا اور پرتابیت ہو چکا، واللہ اعلم
(حوادث ۵۷) ۲۰ جمادی الاخریٰ ۱۳۵۵ھ (امداد ۱۵ ج ۲)

سوال (۱۳۶) جہاں میں ملازم ہوں اس ریاست میں لین دین سو کا
ازکا شتکا ہووٹی ہوتا ہے، اور مجھ کو بھی حسابات سود کے مرتب کرنے ہوتے ہیں، اور بسا اوقات
وصول کرنا بھی ہوتا ہے، اس وجہ سے غالباً یہ ملازمت میرے واسطے جائز نہیں ہو سکتی، سوال
یہ ہے کہ اگر محض کاشتکاران دخیلکاران ہی سے زائد رقم بقدر گنجائش وصول کی جاوے تو گنا
کی صورت نکل سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب، ایک طرح درست ہے وہ یہ کہ ان دخیلکاروں سے قبل تخم ریزی زبانی
ہی یہ کہدیا جاوے کہ آج سے ہم اپنی زمین کا کرایہ اتنا لیں گے، اگر منظور نہ ہو چھوڑ دو مثلاً
وہ زمین اس وقت پچاس روپے لگان پر ہے ہم اس سے یوں کہیں کہ آپ سے سو روپیہ لگان
لیں گے، پس اس کے بعد اگر اس نے کاشت کیا تو شرعاً اس پر سو روپے واجب ہو گئے،
اب یہ سو روپے جس نام سے بھی ہم وصول کر سکیں حلال ہے،

(حوادث اول ص ۹۹)

سوال (۲۳۷) ایک کاشتکار کے ذمہ کسی کاروپہ چاہتا تھا | حکم استبدال نقد بہ غلہ نیس | اس کاشتکار نے یہ کہا کہ میں بعوض روپے کے فصل میں اس نرخ سے غلہ دیدوں گا جس کی مقدار دس من پختہ ہوئی، جب فصل آئی تو اس نے نو من غلہ دیا، باقی کو کہہ دیا کہ فصل آئندہ میں دوں گا تو یہ درست ہے یا نہیں اور بعوض اس غلہ کے دوسرا غلہ دیدے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ بیع الکائی حدیث دفعہ میں منہی عنہ ہے، اس لئے وہ عقد اول ہی جائز نہیں ہوا کہ میں بعوض روپے کے فصل میں اس نرخ سے غلہ دیدوں گا، بلکہ اس مبادلہ کے جواز کی صورت صرف ایک ہو سکتی ہے، کہ جتنے روپے کے عوض میں جس قدر غلہ ٹھہرا ہے وہ اسی مجلس میں تسلیم کر دیا جاوے ورنہ ناجائز ہے جب عقد اول ہی صحیح نہیں تو عقد ثانی تو اسی پر مبنی ہے وہ کیسے جائز ہوگا (تمتہ ثالثہ ص ۶۳)

سوال (۲۳۸) بیع باطل و فاسد میں جو حدود کے اندر فرق بیان رہا کا معاملہ بیع | **فاسد یا باطل** | کئے گئے ہیں، اس سے بظاہر مال ربوا فاسد معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ جاہلین سے مال مستقوم ہے۔ ایک روپیہ کے عوض دو روپے وزن چاندی خریدی تو دونوں طرف مال ہے جس پر بظاہر بیع فاسد کی تعریف صادق آتی ہے نہ بیع باطل کی، اس صورت میں مشتری کی ملک ہو جانا چاہئے۔ بلکہ بائع کی بھی ملک جبیث ہوتا چاہئے، اور بیوع فاسدہ میں تبدیل ملک سے دوسرے کے حق میں حکم حلت ہے، ربوا میں یہ حکم جاری ہو سکتا ہے یا نہیں، اور قرض میں بھی یہ حکم ہوگا یا نہیں، یعنی قرض بشرط سود یا گیا، اور بعد وصول اصل و سود کے ملک جبیث مثل بیع فاسد کے ہوگی یا نہیں، خلاصہ سوال یہ ہے کہ سود خوار جس کا اکثر مال سود کا ہے ہدیہ خواہ صدقہ اجارۃ بیعاً ضیافۃ اس سے کچھ روپیہ وغیرہ لینا جائز ہے یا نہیں، اگر نہیں جائز ہے تو شبہ مذکور کا جواب کیا ہے، عالمگیر یہ میں ایک جزئی نظر آئی کہ سود خوار جس کا اکثر مال حرام کا ہے اس کی دعوت و ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں، اگر صحیح ہے تو شبہ سے تشفی عطا فرمادیں؟

الجواب، شبہ کی بنا ہی ضعیف ہے، کیونکہ بیع فاسد میں دو چیز کا باہم معاوضہ ہوتا ہے اور ربانام ہے زیادت بلا عوض کا، پس وہاں معاوضہ ہی نہیں، لہذا وہ بیع باطل میں داخل ہے، امید ہے کہ تمام شبہات جو اس پر متفرع تھے دفع ہو گئے ہوں گے، اور اگر اب بھی باقی ہو تو کمر لکھئے، ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۲۵ھ (تمتہ اولیٰ مسہ)

سوال (۲۴۹) ایک بار بندہ نے حضور کی خدمت میں کھاکہ مال عقد ربوے جو مال مال ہو اس کی دو صورتیں
ربوے حسب تعریف فقہاء بیع فاسد معلوم ہوتا ہے کہ بعد القبض جب ملک ہے، لہذا تبدیل ملک موجب صلت ہوتا چاہئے، یعنی مال ربوے سے دوسرے شخص کی ملک میں آوے تو حسب قاعدہ فقہاء حلال ہونا چاہئے، اس کے جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا تھا کہ مال ربوے چونکہ بلا عوض ہے، لہذا بیع فاسد نہیں، بلکہ باطل ہے، درمختار میں مضمون ذیل نظر آیا جس سے شبہ پیدا ہوا قل فی الدر المختار فیجب رد عین الربوے لوقائلا لیرد ضمانہ لانہ لا یمکن بالقبض قنیہ و بخر و شامی سے بر دوئی کا یہ قول نقل کیا ہے من جملہ صور البیع الفاسدۃ جملۃ العقود الربویۃ یمکن العوض فیہا بالقبض، اور ہدایہ کی بعض عبارات سے بھی یہ مضمون مفہوم ہوتا ہے، لہذا اس امر میں جو تحقیق ہو تحریر فرماویں، ایک بار حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بیع فاسد ارشاد فرمایا تھا ربانی دریافت کیا تھا۔

الجواب، کتاب دیکھنے کی تو فرصت نہیں، قواعد سے یوں سمجھیں آتا ہے کہ اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ مبادلہ میں بدل اور زیادت مجتمعا ہاتھ آوے اور دوسرے یہ کہ مثلاً قرض کسی سے لیا اور بقدر اصل پہنچنے کے بعد حساب سود میں کچھ دے رہا ہے، پس مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ اور فقہاء کا قول صورت اول کے متعلق ہے اور میرا قول صورت ثانیہ کے فلا تعارض، ۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ (تمتہ اولیٰ ۱۵۹)

سوال (۲۵۰) کچھ روپیہ ڈاکخانہ میں جمع کیا، ظاہر ہو کہ سرکار سود دیتی ہو۔۔۔ آیا وہ سود ڈاکخانہ پر چھوڑا جاوے یا لے کر غربا کو دیدیا جاوے کوئی صورت بہتر ہے، اور ڈاکخانہ پر چھوڑ دینے سے سود لینے کا گناہ تو لازم نہیں ہوتا، کیونکہ ڈاکخانہ تو اپنی طرف سے دے چکا پھر کیوں نہ لیکر غربا کو دیدیا جاوے۔

الجواب، اول تو جمع نہ کرنا چاہئے اور اگر جمع کر دیا واپس کر لینا چاہئے، اور جو چھوڑ چکا ہے وہ لیکر غربا کو دیدے، ۳ شعبان ۱۳۲۹ھ (حوادث اولیٰ ص ۳۵ و تتمہ اولیٰ ص ۲۸)

سوال (۲۵۱) زید عمرو میں ڈاک خانہ میں روپیہ جمع کرنے کی نسبت گفتگو ہے زید کہتا ہے کہ محض بغرض حفاظت ڈاکخانہ میں جمع کر دینا جائز ہے، عمرو کہتا ہے کہ یہ روپیہ سودی تجارتوں میں لگایا جاتا ہے، اور اس جمع کرنے میں سودی تجارت کی اعانت ہے، لہذا

ناجائز ہے، زید کہتا ہے کہ سب کا روپیہ تجارت میں نہیں لگایا جاتا، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنا روپیہ برآمد کرنا چاہے روپیہ برآمد ہو جائے گا، البتہ بعض کا روپیہ تجارت میں لگایا جاتا ہوگا یا تھوڑا تھوڑا سب کا لگایا جاتا ہو، بہر حال یہ معلوم ہونا مشکل ہے بلکہ عادی ناممکن ہے کہ کس کا روپیہ تجارت میں لگایا گیا، کس کا نہیں لگایا گیا یا کس نسبت سے روپیہ لگایا گیا، کیونکہ سب کا روپیہ ہلاک رکھا جاتا ہے، اور بالفرض اگر سب روپیہ تجارت میں لگایا جاتا ہے، جب بھی اعانت علی المعصیت کا الزام نہیں، کیونکہ اس قسم کی اعانت علی المعصیت کو اعانت علی المعصیت ہی نہیں خیال کیا گیا، مثلاً ولایت کی ہزاروں چیزیں، کپڑے، برتن، گھڑیاں، دیالستانی وغیرہ ہندوستان میں فروخت ہوتی ہیں اور ہم کو یقیناً معلوم ہے کہ ان کے بنانے والے انگریز ہیں جو سودی لین دین اور سودی تجارت کے عادی ہیں، اور ببی، کلکتہ وغیرہ میں جو مال لیا گیا ہے وہ بھی ناجائز طریقہ تجارت سے لیا گیا ہے، پھر ہم تمام مسلمان کیا عوام کیا علماء و صلحا سب ہی ان چیزوں کو خریدتے اور کام میں لاتے ہیں، مسلمانوں کا خرید کرنا سودی تجارت کو ترویج دینا ہے یا نہیں، اگر پوری ترویج نہیں تو مسلمان تھوڑی ترویج تو ضرور ہی دیتے ہیں، مگر سودی تجارت کی تھوڑی ترویج بھی تو آخر حرام ہی ہوگی، اور اعانت علی المعصیت کے تحت میں داخل ہوگی، جس طرح ڈاک خانہ میں روپیہ جمع کرنے سے اعانت علی المعصیت ہے، اسی طرح بلکہ غور سے دیکھو تو اس سے کہیں زائد ولایتی چیزوں کے خرید کرنے میں اعانت علی المعصیت ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ عمر و اس کو جائز کہے اور اس کو ناجائز، اس کے علاوہ ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر چادر کا ایک کونہ ناپاک ہو گیا ہو اور یاد نہ آتا ہو کہ کونسا کونہ ناپاک ہو گیا تھا تو جس کونہ کو دھو ڈالیں گا چادر پاک ہو جائیگی اس جزی کو یاد رکھو اور دیکھو کہ چادر کیوں پاک ہو جائے گی بظاہر چادر کو پاک نہ ہونا چاہئے کیونکہ ممکن ہے اس نے وہ کونہ نہ دھویا ہو جو ناپاک تھا، بلکہ وہ کونہ دھویا ہو جو پہلے سے پاک تھا، مگر پھر بھی شریعت نے چادر کو پاک کہا اس پاک کہنے کی دو وجہ ہو سکتی ہیں۔ ایک تو دفع حرج دوسرے یہ کہ جب شبہ ہو گیا کہ معلوم نہیں ڈ کونہ ناپاک ہے معلوم نہیں یہ کونہ ناپاک ہے تو صرف شبہ سے ہر کونہ کو ناپاک نہیں کہتے، اس کی ایک نظر کتب فقہ میں اور بھی موجود ہے، وہ یہ ہے کہ جب غلہ کی بالوں کو بیلوں سے پامال کر لیتے ہیں تو بیل ان پر بول و برا نہ کرتے ہیں اس غلہ کو پاک ہونے کو فقہاء نے لکھا ہے کہ کچھ غلہ محتاجوں کو دیدیا جائے، یا حصہ داروں میں تقسیم کر دیا جاوے تو کل غلہ پاک ہو جائے گا۔ اور وجہ یہ لکھتے ہیں کہ شبہ ہو گیا

کہ شاید ناپاک غلہ دوسرے کے حصہ میں چلا گیا ہو، ہمارے حصہ میں نہ رہا ہو اس میں شک نہیں کہ یہ وجہ یا اس کے مثل جو اور وجوہات ہوں سب کمزور ہیں، اور سب کا حاصل یہ ہے کہ عموم بلوئی دفع حرج، تعامل علماء صلحا، یا تعامل خلایق کی وجہ سے یہ چیزیں حلال اور پاک اور جائز ہیں، انھیں دونوں صورتوں پر ڈاک خانہ میں روپیہ جمع کرنے کو خیال کرو، جس طرح کہ شبہوں سے ناپاک چادر اور ناپاک غلہ پاک اور حلال ہو جاتا ہے اسی طرح کے شبہوں سے یہاں ڈاکخانہ کا حرام اور ناپاک روپیہ بھی حلال اور پاک ہو جائے گا حرام اور ناپاک علی سبیل الفرض کہا گیا ورنہ وہ ایسا نہیں ہے) اور اگر اس قسم کے شبہوں سے قطع نظر کر کے وہاں عموم بلوئی دفع حرج تعامل علماء صلحا سے حرام و ناپاک کو حلال و پاک بنایا جاتے تو یہاں بھی ایسا ہی ہونا چاہئے، دونوں میں فرق کرنے کی کوئی وجہ نہیں اگر یہ کہا جائے کہ جب ڈاکخانہ نہ تھے تو صرف حفاظت کی غرض سے لوگ روپیہ کہاں رکھتے تھے جہاں پہلے رکھتے ہوں وہیں اب بھی رکھا کریں، کہا جائیگا جب ڈاکخانہ نہ تھے اور منی آرڈر کے ذریعہ روپیہ نہیں بھیجا جاتا تھا، تو لوگ کس طرح روپے بھیجتے تھے، جس طرح پہلے بھیجتے تھے اسی طرح اب بھی بھیجیں، اگر وہ جائز تو یہ کیوں ناجائز دونوں میں کیا فرق ہے، اگر وہاں کوئی وجہ جواز کی ہے تو یہاں بھی کوئی وجہ جواز کی ہے۔

الجواب، قاعدہ کلیہ ہے کہ امانت اگر مالک کی اجازت سے دوسرے اموال میں مخلوط کر دی جائے تو مجموعہ مشترک ہو جاتا ہے، فی الدر المختار کتاب الایدار وان باذن اشترکا شرکۃ الماک کما لو اختلطت بغیر صنعة کان انشاق الیکس لعدم التعدی، پس جب حسب بیان سائل وہ روپیہ ملا کر رکھا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ غلط بالاذن ہے، تو جس قدر روپیہ تجارت ناجائزہ میں لگے گا اس میں سب کا تھوڑا تھوڑا روپیہ ضرور ہوگا، پس ہر شخص بقدر اسی حصہ مشترک کے معین اس تجارت کا ہوگا، اور معصیت کی اعانت ضرور معصیت ہی، اور خرید و شیا کو سودی تجارت کی اعانت نہیں کہہ سکتے، کیونکہ ہم نے جب کوئی شے خرید کر اس کی قیمت ادا کر دی تو وہ قیمت اس تاجر کی ملک ہو گئی، ہمارا روپیہ معصیت میں صرف نہیں ہوا، اور یہاں تو خود ہمارا ہی روپیہ تجارت حرام میں لگایا گیا ہے، اور جو نظائر فقہیہ سوال میں مذکور ہیں ان سب کا جواب یہ ہے کہ ان نظائر میں بعض اجزاء واقع میں اجزاء خمسہ سے متمیز و منفرد ہیں تو دفع حرج کے لئے اس کا اعتبار کر لیا گیا اور یہاں باساقین ہر جز میں بوجہ اشتراک اعانت علی المعصیۃ ہو رہی ہے اور عموم بلوئی کا جواب مسئلہ منی آرڈر میں مذکور ہو چکا ہے، اور منی آرڈر اور ایس

جو فرق دریاقت کیا ہے اول تو فرق - ہو، مضرت نہیں، کیوں کہ اس کو بھی منع کیا جاتا ہے جیسا مفصلاً مذکور ہوا، پھر تاویل اخیر کے اعتبار سے فرق بھی ہو سکتا ہے، کہ اس میں ایسی تاویل اب تک نہیں نکلی، قافرتا، البتہ اگر یقیناً تحقیق ہو جاوے کہ اس روپے سے ناجائز کام نہیں ہوتا تو بدون سو لینے کے جمع کرنا جائز ہوگا، واللہ اعلم ۸ (ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ رمداد ۱۲۹۲ ج ۳ و حواذ اول)

سوال (۲۵۲) نمبر ۱، جو مال بیمہ کرا کر جہاز میں روانہ کیا جاتا ہے اور ان کا جواز یا عدم جواز یعنی جب جہاز روانگی کے واسطے تیار ہوتا ہے تو ایک شخص اس مال کی ذمہ داری لیتا ہے کہ اگر یہ مال فلاں مقام پر خیریت سے نہیں پہنچا اور راہ میں کچھ یا کل کا نقصان ہو گیا تو میں اس نقصان کو پورا کروں گا، اور مالک مال سے بیمہ کرنے والا ہزار کے حساب سے پیشگی روپیہ لے کر جہاز ان کو لے کر اٹھانے کا حکم دیتا ہے یہ معاملہ شریعت میں جائز ہے یا نہیں۔

نمبر (۲) اگر یہ بیمہ مالک جہاز کے اس صورت سے کہ معمولی کرایہ سے دو چنڈیا سے چند کرایہ لے کر مال بھرے اور نقصان کا ذمہ دار رہے تو جائز ہے یا نہیں۔ اگر ناجائز ہے تو جو بیمہ پاسل ڈاک خانہ میں کرایا جاتا ہے، اس میں اور اس میں کیا فرق ہے نقصان اور ضائع ہونے کے احتمالات ہر دو جگہ موجود ہیں۔

نمبر (۳) جو مال بیمہ کرا کر جہاز میں روانہ کیا جاتا ہے اس مال میں تو کوئی نقص و خرابی نہیں آتی اور اس کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں۔

الجواب، نمبر (۱) اول چند مسئلے معلوم کر لئے جاویں، پھر جواب سوال سمجھنا سہل ہوگا۔ ۱۔ کفالة خاص ہے حق مضمون کی ساتھ فی الدر المختار کتاب الکفالة و اما کفالة المال فتصحبہ، ولو المال مجهول اذا كان ذلك المال دیناً صحیحاً ہو ما لا یسقط الا بالبراء او بالاعاء،

۲۔ فی الدر المختار کتاب الایداء وہی امانة فلا تضمن بالهلاك الا اذا كانت اودیعتہ باجر الخ، اس روایت سے معلوم ہوا کہ جس امانت کی حفاظت پر اجرت لی جاوے تلف سے اس کا ضمان لازم ہوتا ہے۔

۳۔ فی الدر المختار باب ضمان الاجیر ولا یضمن (ای الاجیر المشترك) ما هلك فی یدہ وان شرط علیہ الضمان لان شرط الضمان فی الامانة باطل کالمودع الی قوله خلافاً للاشیاء فی رد المحتار ای من ان شرط ضمانہ ضمن اجماعاً وهو منقول عن الخلاصة وعراً

ابن الملک للجامع وفي رد المحتار قوله ولا يضمن الخ اعلم ان الهلاك اما بالفعل الاجبر او
والاول اما بالتعدي او لا والثاني امان يمكن الاحتراز عنه اولاً ففي الاول بقسميه يضمن
اتفاقاً وفي الثاني لا يضمن اتفاقاً وفي اوله لا يضمن عند الامام مطلقاً ويضمن عند هذا
مطلقاً۔ اس سے معلوم ہوا کہ اجیر مشترک کے ہاتھ میں ہلاک ہونے کی چند صورتیں ہیں، جن میں اصل
مذہب کے اعتبار سے تفصیل ہے، لیکن اشیاء میں اشتراط ضمان سے ضمان کا فتویٰ دیا ہے، اب جواب
سوال کا لکھا جاتا ہے، وہ یہ کہ جہاز والا اجیر مشترک ہے، اصل مذہب کے اعتبار سے دو صورتوں میں
وہ ضامن ہے، ایک وہ جہاں ہلاک بفعل اجیر ہو، خواہ بتعدی یا بلا تعدی، اور ایک صورت
میں ضمان نہیں ہے، یعنی جہاں ہلاک بدون فعل اجیر ہو اور اس سے احتراز بھی نہ ہو سکے، جیسے
غرق وغیرہ، اور ایک صورت میں اختلاف ہے، جہاں ہلاک بدون فعل اجیر ہو اور احتراز
ہو سکے، پس اگر جہاز والے نے یہ شرط نہیں ٹھہرائی کہ ہم تمہارے اسباب تلف شدہ کے ذمہ دار
و ضمان ہیں، تب تو بعض صورتوں میں وہ ضامن ہے بعض میں نہیں، اور بعض میں اختلاف ہے جس
میں گنجائش ضمان کے قول پر عمل کرنے کی ہے اور اگر جہاز والے نے ذمہ داری کر لی ہے تو بقول
اشیاء وہ ہر صورت میں ضامن ہے، اس تفصیل سے تو تعیین ہو گئی اور صورتوں کی جن میں جہاز والے
کے ذمہ ضمان ہے، اور جن میں اس کے ذمہ ضمان نہیں ہے۔ اور اس کا ماخذ مسئلہ ۷۳ ہے، پس
اگر بیمہ والی کمپنی نے ان مذکورہ صورتوں میں سے کسی ایسی صورت میں بیمہ جس کی حقیقت ضمانت ہے
کیا ہے، جس میں جہاز والے کے ذمہ ضمان ہے تب تو یہ بیمہ جائز ہے، اور اگر ایسی صورت میں بیمہ کیا ہے
جس میں جہاز والے کے ذمہ ضمان نہیں ہے تو یہ بیمہ جائز نہیں جیسا مسئلہ ۷۴ میں مذکور ہے کہ صحت کفالت
کے لئے اس حق کا مضمون ہونا شرط ہے، یہ جو کچھ لکھا گیا جب ہے کہ دوسری کمپنی بیمہ کرے اور اگر
جہاز والے خود بیمہ کریں، تو اس کی حقیقت یہ ہوگی کہ اجیر مشترک پر ضمان کی شرط ہوئی، یہ بقول
اشیاء ہر حال میں جائز ہوگا، اور ڈاک خانہ کا بیمہ اسی میں داخل ہے کہ خود عامل شرط ضمان قبول
کرتا ہے اور اگر ایسی صورت کی جاوے کہ مال پہنچانے کا معاوضہ تو جہاز والوں کو دیا جائے اور
انتظام حفاظت مال کا معاوضہ بیمہ کی کمپنی کو دیا جاوے کہ وہ اپنا آدمی خاص حفاظت نگہ رانی کے
لئے جہاز میں رکھیں تو اس صورت میں کمپنی کا بیمہ کرنا ہر حال میں جائز ہے خواہ جہاز والوں پر شرعاً
ضمان ہو یا نہ ہو جیسا مسئلہ ۷۵ میں مذکور ہے، خلاصہ یہ کہ خود جہاز والے کا بیمہ اور کمپنی جب اپنا آدمی
حفاظت کے لئے جہاز میں رکھے اس وقت کمپنی کا بیمہ یہ دو صورتیں تو مطلقاً جائز ہیں، اور اگر جہاز والے

بیمہ نہ کریں اور نہ کمپنی اپنا آدمی جہاز میں رکھے تو جن صورتوں میں جہاز والوں پر شرعاً ضمان ہے ان میں بیمہ کمپنی کا جائز ہے اور جن صورتوں میں جہاز والوں پر ضمان نہیں ہے ان میں بیمہ کمپنی کا جائز نہیں اور ان صورتوں کی تفصیل اوپر لکھی جا چکی ہے

جواب نمبر ۳۔ کسی بیمہ کے ناجائز ہونے سے مال میں خست نہیں آتا، واللہ اعلم،

۱۵ صفر ۱۳۳۳ھ (تمہ اولیٰ نشا و حوادث اولیٰ مٹ ۳)

سوال (۲۵۳) میں کپڑے کی تجارت کرتا ہوں اور اس سود سے نجات کے لئے سودے کی قیمت بڑھا دیتا جائز ہے | میں سود بھی دینا پڑتا ہے، اور صورت اس کی یہ ہے کہ وقت معینہ پر جب مہاجن کا روپیہ ادا نہیں ہو سکتا تو وہ سود لگاتا ہے یا رہا اس کام کو چھوڑ دینے کو جی چاہتا ہے، مگر بظاہر اور کوئی صورت معاش متصور نہیں ہوتی، بڑا پریشان اور مجبور ہوں دعا فرمائیے اللہ تعالیٰ اس تہلکہ سے نجات بخٹے۔ اور نیز عرض ہے کہ اگر مہاجن سے اس بات کا فیصلہ کر لیا جاوے کہ ہم اس کو پانچ پیسے روپے کے حساب سے نفع دیتے ہیں اگرچہ پیسے روپے کے حساب سے نفع دینے لگیں اور وہ اس بات پر راضی ہو جاوے تو یہ صورت جائز کی ہے یا نہیں اگرچہ وقت معینہ پر اس کا روپیہ نہ ادا ہو کیونکہ اس ایک پیسہ کی زیادتی کی وجہ سے جو فی رتبہ بڑھا دی گئی ہے وہ مہاجن تاخیر ادا کے رقم کو بلا سود منظور کر لے گا۔

الجواب۔ ہاں یہ صورت جائز اور مستحسن ہے کہ اس کا نفع بڑھا دیا جاوے، اور سود نہ دینا پڑے، اگرچہ وقت معین سے اس کے ادا کرنے میں کتنی ہی دیر ہو جائے،

یکم ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ (تمہ رابعہ مٹ ۶)

سوال (۲۵۴) سود دادن بحربیان الخ سود دادن بحربیان درست یا نہ۔

الجواب۔ عبارات کتب فقہیہ عام واقع شدہ اند دادن و گرفتن را شامل اند مثل لادبوا بین المسلمین والحرب فی دار الحرب وقاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی در رسالہ توجیہ دادن سود نیز نوشته اند این وقت فقیر را یا نیست لیکن این قدر ظاہر است کہ گرفتن سود از حربیان با وجه حلال است کہ مال حربی مباح است اگر در ضمن آن نقض عہد نباشد و حربی چوں خود بخود بدہد بلا شبہ حلال خواہد بود و دادن سود بحربیان باین وجه حلال است کہ خوراندن حرام بمسلمان درست نیست و آنہا حرام خوراند اگرچہ بی طریق سود داده خواہد شد بیش ازین نیست کہ حرام خواہد خورد۔

کتاب الوکالۃ

سوال (۲۵۵) ایک قطعہ زمین میں چند حجرے طلبہ کے لئے بنائی
جواز واپسی روپیہ ازکیل
قبل صرف

تجویز ہوئی جس میں تخمیناً دو ہزار روپیہ خرچ ہوگا، اور ظاہر اوہ ہوں نہیں
سکتا، اس کے لئے چندہ فراہم کیا، اس قدر رقم فراہم نہیں ہوئی، کہ جس میں وہ حجرے تیار ہو جائیں
بلکہ فراہم کنندہ تساہل بھی کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ جو رقم فراہم ہوگئی اور جو ہوگی حسب تجویز
مقررہ حجروں میں صرف کریں گے، اسی قطعہ میں مسجد بھی تیار ہو رہی ہے، مگر اس کا بانی اور شخص
ہے، حجروں کے چندہ دہندوں میں سے ایک شخص اپنی رقم واپس لینا چاہتا ہے اور اس رقم کو مسجد
میں خرچ کرنا چاہتا ہے، اور کہتا ہے کہ چونکہ تم تعمیر حجروں میں تساہل کرتے ہو تو میں اپنی رقم کو کیوں
معطل کروں بلکہ تعمیر مسجد میں خرچ کروں، ساعیان تعمیر حجرہ کہتے ہیں کہ تم نے حجروں کی تعمیر کے لئے یہ رقم
دی ہے تم کو واپس لینا اور دوسری تعمیر میں خرچ کرنے کا اختیار نہیں، پس صورت مذکورہ میں وہ اپنی
رقم واپس لے سکتا ہے یا نہیں اگر اس کو حق رجوع حاصل نہیں اور اس نے باصرہ تجویز سے لے لئے تو
دونوں گنہگار ہوں گے یا نہیں اور تحویل ارضا من ہوگا یا نہیں،

الجواب، کسی شخص کو کسی خاص جگہ صرف کرنے کے لئے روپیہ دینے سے وہ روپیہ اس
دینے والے کی ملک سے خارج نہیں ہوتا، لہذا یہ شخص اپنی رقم واپس کر سکتا ہے اور واپس کر کے اختیار
ہے خواہ مسجد میں دے یا جہاں چاہے صرف کرے، کیونکہ جس شخص کو روپیہ دیا ہے وہ وکیل ہے،
اور وکیل مثل ید موکل ہے پس جس طرح اپنے پاس ہونے سے خارج عن الملك نہیں ہوتا، اسی طرح
وکیل کے پاس جانے سے بھی اور یہ روپیہ وقف نہیں ہوتا کہ گنجائش شبہ ہو۔

۵ شعبان ۱۳۲۴ھ (امداد فتاویٰ ج ۳)

سوال (۲۵۶) زید عمرو کے کتب خانہ کا مہتمم اور عمرو کا دوست ہوزید کو
نفع درمیان داشتن
گمان غالب ہو کہ اگر میں کتب خانہ میں کوئی جزیئی تصرف کروں گا تو عمرو کے
خلافت نہ ہوگا، اس گمان پر زید کتب خانہ کی بعض کتابیں خالد کو اس وعدہ پر دیدیتا ہے کہ
خالد ان کتابوں کو فروخت کر کے اپنا کام چلائے اور پھر جب خالد کے پاس وہ کتابیں

موجود ہوں تو زید کو دیدے، اور زید بدستور وہ کتابیں کتب خانہ میں داخل کر دے، اس طرح کرنے سے عمرو کے کتب خانہ کا کچھ نقصان نہیں اور خالد کا کام بھی چل جاتا ہے اور چونکہ زید کو گمان غالب ہے کہ عمرو اس جزئی تصرف جو بغرض نفع رسانی خالد ہے کہ خالد بھی عمرو کا دوست ہے) جائز رکھے گا، اس لئے تصریحاً اجازت تصرف نہیں لیتا تو کیا زید و خالد کو ایسا تصرف جائز ہے، بصورت مذکورہ بالا زید نے اصلاح الرسوم و تعلیم الدین (جو ایک ہی جلد میں مجلد تھیں) خالد کو دیں، خالد کے ایجنٹ نے ان کو فروخت کر ڈالا۔ اصلاح الرسوم کی قیمت ۳۰ ہے اور تعلیم الدین کی ۶ جلد کی قیمت ۱۰ رکھی گئی اور خالد کے ذمہ کل ۴۰ لگائے گئے جو اصلی قیمت ان کتابوں کی ہے، پھر خالد کے ایجنٹ نے خالد کی طرف سے زید کو اصلاح الرسوم اور جلد کی قیمت ۳۰ دیدی اور تعلیم الدین کی قیمت نہیں دی، بلکہ خالد کی کتابوں میں تعلیم الدین کے نسخے موجود تھے انہی میں سے ایک نسخہ تعلیم الدین کا زید کو دیدیا یہ نسخہ زید نے ۸ کو فروخت کر ڈالا، (۱) اب اگر ۶ کو تعلیم الدین اور ۴ کو اصلاح الرسوم خرید کر کے اور ایک آنہ جلد بندی کا دے کر دونوں کتابیں ایک میں مجلد کر کے کتب خانہ میں بدستور رکھ دے اور ۲ جو تعلیم الدین کے فروخت ہوتے ہیں نفع ہوا یہ خود لے لے، یہ جائز ہے یا نہیں۔

(۲) یا یہ ۸ جو تعلیم الدین فروخت کرنے سے زید کو ملے ہیں، اگر یہ ۸ زید خالد کو دیدے اور خالد پھر دوسری تعلیم الدین جس کی عام قیمت ۶ ہے لیکر مجلد کر کے بطریقہ مذکورہ بالا کتب خانہ میں رکھ دے تو جائز ہے یا نہیں تعلیم الدین کی عام اور اصلی قیمت ۶ ہے لیکن خالد کم یا ب ہونے کی وجہ سے اپنے یہاں ۸ رکھ دیتا ہے اسی بنا پر ۸ کو فروخت کیا ورنہ لیا ۶ کو تھا،

الجواب، اول دو امر سمجھنا چاہئے، اول یہ کہ یہ تصرف فضلی کا ہے اور تصرف فضولی کا بعد اذن مالک کے مثل تصرف وکیل کے ہے، دوسرا امر یہ کہ حقیقت اس تصرف کی اقرضہ انتقراض نہیں، کیونکہ کتاب ذوات الیقیم سے ہے ذوات الامثال سے نہیں ان دونوں امور سے معلوم ہو گیا کہ زید وکیل عمرو کا ہے، اور خالد وکیل زید کا اور ایجنٹ وکیل خالد کا پس ایجنٹ کا فروخت کرنا بواسطہ مثل بیع اصل مالک کے ہے اور زید نے جو خالد کے ذمہ ۴۰ لگائے، چونکہ زید مشتری نہیں بلکہ ماذون فی البیع ہے۔ اس لئے یہ ۴۰ لگانا ایسا ہے جیسے موکل وکیل سے کہہ دے کہ یہ چیز ۴۰ کو فروخت کرنا تو اس سے یہ ۴۰ اس کے ذمہ نہیں ہوئے اور اگر اس سے زیادہ کو فرو کرے تو وہ ملک موکل کی ہے اس کا رکھنا وکیل کو جائز نہیں، اب اصلاح الرسوم اور جلد کی

قیمت جو یہ دی گئی یہ تو فروخت ہوگئی اور تعلیم الدین بدستور ملک عمرو کی ہے، اور دوسرا نسخہ تعلیم الدین کا جو مبادلہ میں لیا اور یہ نسخہ جدیدہ مثل اہل نسخہ مبدل بہ ملک عمرو کی ہوگی اب جو زید نے ۸ روپے فروخت کیا یہ ۸ بھی ملک عمرو کی ہیں، لہذا ۲ زید کو رکھنا حرام ہیں (جواب سوال دوم متعلق سوال اول) جب یہ ۸ عمرو کی ملک ہیں تو بشرط رضائے متیقن عمرو کے اگر زید نے اس کی تعلیم الدین خرید لی تو بیع صحیح ہو جاوے گی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ زید ان سب تصرفات میں غیر اصل ہے نہ خود اس کو کوئی انتفاع جائز اور نہ کوئی ایسا تصرف جائز جس میں شک ہو کہ عمرو راضی ہے یا نہیں،

۱۲ رجب ۱۳۲۲ھ (امداد ج ۳)

ادائے قرض کے واسطے نابالغ (جس کا کوئی) سوال (۲۵۷) کا فرنا بالغ مقروض ہے اور اس کا کوئی ولی نہیں، مال کے فروخت کرنے کی توکیل دی نہیں، اب نابالغ اگر اپنا کچھ مال فروخت کے لئے بنا برادار قرض کسی کو وکیل مقرر کر کے دے تو یہ وکالت ٹھیک ہوگی،

الجواب۔ ایسے شخص کا ولی حاکم اسلام ہے اور جب یہ نہ ہو تو عامہ مسلمین اسی کے حکم میں ہیں، پس اگر وہ چار خیر خواہ و ذی اثر مسلمان اس کو وکیل کو جائز رکھیں تو جائز ہے (تمہ اولیٰ ص ۲۱۳) توکیل مذکور میں وکیل کو کمی بیشی سوال (۲۵۸) اور اسی مال کی قیمت میں اگر کمی بیشی کرنے کا ثمن کا اختیار ہے یا نہیں اختیار بھی دے تو آیا یہ اختیار بھی حاصل ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب، غین سیر کا اذن ہے یعنی جو عرف کے خلاف نہ ہو، (تمہ اولیٰ ص ۲۱۴)

مہتمم مدرسہ معطین چندہ کی طرف سے وکیل ہوا و زکوٰۃ کا روپیہ سوال (۲۵۹) مہتمم مدرسہ کا طلبہ تنخواہ مدرسین میں عطا نہیں کر سکتا اور اس کے لئے حیلہ متعارفہ ناجائز، کی جانب سے نائب ہر یا حیطی چندہ کی طرف سے وکیل ہے، اگر نائب ہو تو قبضہ مہتمم کا خود قبضہ طلبہ کا ہے، اس صورت میں ہر ایک طرح کا مال زکوٰۃ وغیرہ زکوٰۃ مخلوط کرنا اور مدرسہ کی ہر ایک ضرورت تنخواہ مدرسین و خرید کتب میں صرف کرنا جائز ہو چاہے اور کسی حیلہ حوالہ کی ضرورت نہیں مثل ولی صغیر کے ہوگا، اور اگر مہتمم معطی کا وکیل ہے تو بیچارہ مہتمم کو بڑی تکلیف کا سامنا ہوگا، اس لئے کہ مدارس میں اکثر مال زکوٰۃ اور صدقہ واجبہ کا آتا ہے اور مدرسہ میں زیادہ خرچ تنخواہ وغیرہ کا ہوتا ہے، اور خاص خوراک طلبہ میں بہت کم صرف ہوتا ہے اور ہر ایک مال کو علیحدہ رکھنا اور کسی طرح مخلوط نہ کرنا نہایت مشکل ہے، اس سے برأت کی کیا شکل ہے، بعض جگہ جو یہ حیلہ کیا جاتا ہے کہ کسی ایک طالب علم کو دو سو پانچ سو روپیہ دیدیا، اور

پھر وہ اس کو مدرسہ میں داخل کر دیتا ہے، کیا یہ حیلہ کافی ہے، اور اس سے ہر ایک طرح کے مال کو مخلوط کرنا اور مدرسہ کی ہر ایک ضرورت میں صرف کرنا جائز ہوگا، یا مہتمم بعض وجوہ میں نائب ہی اور بعض وجوہ میں وکیل (جیسا کہ تذکرۃ الرشید کے صفحہ ۱۶۱ میں حضرت مولانا قدس سرہ کے جواب سے مفہوم ہوتا ہے) تو وجوہ نیابت و وکالت کی تعیین فرمادیں کہ کس صورت میں مہتمم نائب ہے اور کس صورت میں وکیل ہے، مینوا تو جبروا،

الجواب، ظاہراً مہتمم وکیل معطی کا ہے اس لئے اس کو مال زکوٰۃ تنخواہ وغیرہ میں صرف کرنا جائز نہ ہوگا، رہا مخلوط کرنا تو باذن مالکین جائز ہے اور جہاں مہتمم معتمدین سمجھا جاتا ہے وہاں غالب عادت ناس سے یہی ہے کہ ایسے امور کا اذن ہوتا ہے، البتہ احتیاط یہ ہے کہ رقوم واجبة التملیک وغیرہ واجبة التملیک کو باہم مخلوط نہ کرے اور اگر وکیل طلبہ کا بھی فرض کیا جائے تو اس کے قبضہ کو مثل قبضہ طلبہ کے سمجھا جاوے گا، لیکن اگر طلبہ کے قبضہ میں یہ مال جاتا تو کیا وہ تنخواہوں وغیرہ میں صرف کرتے اسی طرح مہتمم کو بھی بجز طلبہ کی خاص حوائج کے دوسری جگہ صرف نہ کرنا چاہئے، جس طرح امیر المسلمین نائب فقرا کا ہے مگر بیت المال سے رقم زکوٰۃ کو دوسری مذاات میں خرچ نہیں کر سکتا ہے اور یہ حیلہ متعارفہ لاشع ہے فقط،

۲۴ رمضان ۱۳۲۹ھ (تمتہ اولیٰ ص ۲۱۴، حوادث اول ص ۴۹)

سوال (۲۶۰) زید نے اپنی زندگی میں عمرو کو عدم ضمان وکیل مصروف بلاذن و بعد موت مؤکل و عدم جواز صرف وکیل باقی بعد موت مؤکل را مبلغ سو روپے واسطے کسی کار خیر کے دیا، اور ٹاپو فلاں سے خط تحریر کیا کہ یہ روپیہ جس کار خیر میں مناسب ہو خرچ کرو اگر کمی ہوگی تو اور دو ٹاپو ایک چاہ پختہ کا انتظام کیا گیا، کسکر کھودنے اور دیگر اسباب کے ہتیا کرنے میں تخمیناً نصف روپیہ خرچ ہو گیا، چاہ کا انتظام ہوا تھا وہ گر گیا، اسی اثنا میں زید مع اپنی بیوی کے حج کو خرچ وافر لیکر گیا واپسی میں جہاز پر زید کا انتقال ہو گیا۔ زوجہ زید نے ایک شخص سے راہ میں اپنا خطبہ کر لیا، بعد کو جب مکان پر آئی زوجہ زید و صاحب خطبہ بیان کرتے ہیں کہ زید سو روپیہ قرض لیکر مرا ہے اور کہہ گیا ہے کہ جو روپیہ عمرو کے یہاں ہے اُسے لیکر قرض ادا کرنا باوجودیکہ زید نے علاوہ اُس روپے کے اور ترکہ بھی مثل مکان وغیرہ چھوڑا ہے اور جو حجاج ہمراہ تھے ان کا بیان ہے کہ زید نے قرضہ نہیں لیا اب ایسی صورت میں عمرو روپیہ کہاں خرچ کرے، آیا زوجہ کو واپس دے یا کہ کار خیر میں خرچ کرے یا اس کے ایک لڑکا نابالغ ہے، اس کے لئے امانت رکھے اور جو خرچ ہو چکا ہے اس کا تاوان

دے جو جواب شرعی ہوا ارشاد فرمادیں،

الجواب، جو روپیہ خرچ ہو چکا ہے اس کا تاوان عمرو کے ذمہ نہیں، کیونکہ حیات مالک میں اس کے اذن سے خرچ ہوا ہے اور جو باقی ہے اس میں زوجہ زیدہ اور اس کے خاٹب کا دعویٰ بلا دلیل شرعاً معتبر نہیں لیکن زید کے مرتے ہی وہ روپیہ امانت ہو گیا اور اذن خرچ کرنے کا جاتا رہا، اس لئے یہ باقی روپیہ زید کی ملک ہو گا اور شرعاً اس میں اس کے ورثہ کی میراث جاری ہوگی، یعنی تقدیم حقوق مقدمہ علی المیراث مثل قرض وغیرہ کے ۱/۲ زوجہ زیدہ کو اور باقی ۱/۲ اس کے نابالغ بچے کی ملک ہے اور اگر اور کوئی وارث بھی ہو تو ظاہر کر کے سوال کرنا چاہئے۔ (تمتہ ثانیہ ص ۲۸)

استیفائے دین از | سوال (۲۶۱) کسی شخص کو اپنا قرض وصول کرنے کو ایک شخص کو وکیل وکیل بقبض آن، بتایا اور اطمینان کے واسطے اول اس سے روپیہ لے لیا بعد وصول ہونے کے وہ مجرا دیا، یہ جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ بایں تاویل جائز ہے، کہ اس وکیل سے اس نے قرض لے لیا پھر اس نے وصول کر کے محسوب کر دیا، ۲ شعبان ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثانیہ ص ۶۰)

رعایت مہتمم مدرس را | سوال (۲۶۲) جو مدرس مدرسہ باوجود تقررات تعلیم و تعلم میں وقت پورا نہ کرے یا بانی یا مہتمم یا سرپرست مدرسہ چشم پوشی کرے تو شرعاً کتنا گناہ ہے؟

الجواب، متعارف چشم پوشی جائز ہے زیادہ ناجائز۔

۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ (حوادث اول ص ۲۰)

حکم ملکہ زمینداران و نمبرداران | سوال (۲۶۳) ایک رقم ہوتی ہے وصولی کے وقت نمبردار اپنے زمینداروں سے فی روپیہ کچھ رقم یعنی پلیسہ یا ادھتاج جمع سے زیادہ وصول کرتے ہیں اور اس کے وصول کرنے کی تمام زمینداران سے اور سرکار سے اجازت ہے، وہ ملکہ نمبردار حسب مرضی نمینداران مفصل ذیل کاموں پر خرچ کر سکتا ہے،

۱۔ کوئی مولوی صاحب وعظ کے لئے آئیں اُن کو نذرانہ دیا۔

۲۔ کوئی فقیر سادھو آیا اس کو دیدیا،

۳۔ کوئی سرکاری سپاہیوں کا خرچ اٹھا وہ ملکہ میں سے پورا ہوا،

۴۔ کوئی سرکاری چپراسی آیا اس کو خوراک دیدی،

۵۔ کوئی ناگہانی خرچ گاؤں میں درپیش ہوا اس میں دیدیا،

۶۔ نمبردار تحصیل میں جمع سمجھنے گئے وہاں سرائے میں روٹیوں پر اور آمدورفت میں جو خرچ ہوا اس میں طلبہ میں سے رقم دیدی سو جناب من اس طلبہ سے فدوی کو نمبردار دیتا ہے، کہ یہ رقم ہم تم کو دیتے ہیں دراصل ایک لکڑی میں نے خریدی ہے اس کی قیمت مجھ سے نہیں دلانا چاہتے، وہ نمبردار وغیرہ کہتے ہیں یا تو طلبہ سے یہ رقم دیدیں یا ہم خود اپنے پاس سے دیدیں، تو یہ فرمادیں کہ طلبہ کی لینا جائز ہی کیا الجواب، بالغوں سے جبکہ وہ برضا مندی دیں اور برضا مندی خرچ کی اجازت دیں، اس کا لینا جائز ہے، اور نا بالغوں کی رقم سے جائز نہیں، اور اگر لکڑی کی قیمت کوئی زمیندار اپنی پاس سے دے تو اس میں بھی اسی شرط سے اجازت ہے کہ وہ رقم بالغ دے اور برضا مندی کر دے۔

۱۴ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۵ھ (حوادث اول ص ۲۳)

سوال (۲۶۴) ہم جس اسکول میں رہتے ہیں گورنمنٹ اسکول ہیں کے تحقیق صرف کردن خرچ متفرق اسکول بعض اخراجات کے لئے مبلغ ۵۰ روپے سالانہ ساتھ روپے سرکار سے ملتا ہے اور اس کے لئے بعض مدد مقرر ہے اس سے زائد اس بارہ میں جو مقرر ہے نہیں ملے گا مثلاً جھاڑو کش کیلئے ۸ مقرر ہے مگر آٹھ آنے میں جھاڑو کشی کا کام مہینہ بھر ہونا دشوار ہے اور نوکر نہیں مل سکتا، اور وہ ۸ خرچ نہ ہوں تو پھر گورنمنٹ سے وہ بھی ملنا موقوف ہو جائے گا اور جھاڑو کش کا رہنا ضروری ہے تو ایسی مجبوری کے وقت میں جھاڑو کش کا کام کسی طرح انجام دیا جاتا ہے اور وہ ۸ پیسہ نک جاتا ہے ایسی ہی اور بھی مددیں ہیں جس کا پیسہ کچھ بچتا ہے اگرچہ پانچ روپے تک خرچ کرنے سے اور اس کا حساب دینے سے چاہے غلط ہو یا کچھ سرکار رو لے گی تو نہیں مگر حساب نہ دینے سے کیفیت طلب کرتی ہے، اور حساب ماہ بہ ماہ بھیجا جاتا ہے تو ایسے وقت میں وہ زائد پیسہ جو بچتا ہے اپنی ذات میں خرچ کرنا کیسا ہے، ایسی ہی کل آفس میں خود لے لیتے ہیں، چنانچہ پہلے ہمارے عہدہ میں یہاں جو تھے وہ بھی اسی طرح اپنی ذات خاص میں خرچ کرتے تھے، اور دیگر مددیں کو دیتے تھے تو دوسرے کو بھی دیتا کیسا ہے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، آپ نے لکھا ہے کہ جھاڑو کش کا کام کسی طرح انجام دیا جاسکتا ہے، تو وہ ۸ اسی شخص کو کیوں نہ دیدیے جاویں، اسی طرح دوسرے کاموں میں اور خود رکھنا کسی طرح جائز نہیں، کیونکہ یہ شخص سرکار کا وکیل ہے، اور وکیل مالک نہیں ہوتا امین ہوتا ہے، امین کو انتظام امانت سے بدون اذن موقوف حرام ہے،

۲۸ محرم الحرام ۱۳۳۵ھ (حوادث اولیٰ ص ۱۳۱)

عدم جواز مخالفت مؤکل برائے وکیل وعدم جواز خریدن چیز یکم | سوال (۲۶۵) اگر سامان مذکور برائے فروخت از وکیل باخذ ————— برائے نفس خود، کا افسر متعلقہ جس کے ذریعہ سے سامان بیلا م ہوتا ہے وہ کسی مستری سے اس سامان کی قیمت دریافت کر کے کہ موجودہ صورت میں اس سامان کی کیا قیمت ہو سکتی ہے، اور پھر وہی قیمت وہ افسر داخل سرکاری خزانہ کر کے وہ سامان لیکچو تو یہ بیع جائز ہے یا ناجائز جب کسی قسم کی بولی وغیرہ نہ دیوے۔

الجواب، اگر قانوناً اس افسر کو ایسی کارروائی کی اجازت ہو تو جائز ہے، ورنہ شرعاً بھی جائز نہیں، لا الوکیل لا یجوز له المخالفة، ولا ان یشترى لنفسه،

۱۱ جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ (حوادث اولیٰ ص ۱۲۱)

رفع شبهہ بعدم جواز آمدنی وکالت، | سوال (۲۶۶) ہدایہ میں تصریح ہے کہ ان طاعات پر اجرت جائز نہیں جو مسلمان کے ساتھ مختص ہوں، نصرت مظلوم اگرچہ طاعت ہے لیکن مسلم کے ساتھ مختص نہیں پس وکالت کی آمدنی کیوں ناجائز ہے جیسے کہ اعلیٰ حضرت نے فرمایا تھا،

جواب، یوں تو تعلیم مذہب بھی مخصوص باسلم نہیں، یہ قید اختصاص باسلم کی غیر واجب میں معلوم ہوتی ہے، جیسا نکاح و ذبح، بخلاف نصرت مظلوم یا تعلیم دین کے امور واجبہ ہو ہیں گو اختصاص نہ ہو واللہ تعالیٰ اعلم وعلہ اتم، (۱۳ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ، امداد ثالث ص ۶۳)

توجیہ و شرائط جواز پیشہ وکالت | سوال (۲۶۷) حضور نے دربارہ وکالت احقر کے استفتاء پر تحریر فرمایا تھا کہ اگر مؤکل سچا ہے تو مظلوم ہے مظلوم کی نصرت واجب ہے، واجب پر اجرت لینا ناجائز ہے، اور اگر جھوٹا ہے تو ظالم ہے، ظالم کی نصرت حرام ہے اور حرام پر اجرت لینا بھی حرام ہے، لیکن اگر وکالت کی فیس کو واجب یا حرام کی اجرت نہ کہا جاوے بلکہ مثل نفقہ

قاضی یا حاکم کے اس کو بھی نفقہ کہا جاوے تو جواز کی گنجائش ہو سکتی ہے یا نہیں، اور اگر یہ تاویل نہ چل سکے تو پھر یہ تاویل ہو سکتی ہے کہ وکیل نصرت کی اجرت نہیں لیتا ہے بلکہ ایک خاص وقت اور خاص دن میں مجبوس رہنے کی اجرت لیتا ہے، کیونکہ غایت مافی الباب وکیل پر مؤکل کو قانونی مشورہ دیدیتا واجب ہوگا، اب مؤکل کو چاہئے کہ اس کے مشورہ کے موافق عمل کرے، اگر خود عمل کرنے پر قادر نہیں ہے تو وکیل اس کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا باوجود اس کے وکیل کو عدالت میں لے جانا اور اپنے کام کے لئے مجبوس رکھنا یہ غالباً مقوم عند الشرع ہو سکتا ہے، اس میں ہم کسی قدر اس کی تائید ہو سکتی ہے، کہ بسا اوقات ایک مقدمہ میں کئی وکیل کرتے ہیں جن میں سے

بعض گفتگو کرتے ہیں اور بعض خاموش بیٹھے رہتے ہیں، جب عدالت کا وقت ختم ہو جاتا ہے چلے جاتے ہیں، اب ان وکیلوں نے جتھوں نے خاموشی کی حالت میں عدالت کے وقت کو پورا کر دیا، باوجود مقدمہ میں نصرت نہیں کی مگر قیس لے لی، اس سے معلوم ہوا کہ محض جیس کی قیس لی ہے، ورنہ ان کو کچھ نہیں ملنا چاہئے تھا، کیونکہ مقدمہ میں نصرت نہیں کی، آیا اس تاویل سے عدالت جائز ہو سکتی ہے یا نہیں، فقط بینوا توجروا،

الجواب، سائل نے جو توجیہات اس کے جواز کی لکھی ہیں وہ کافی ہیں، اور ان سب سے سہل تر توجیہ یہ ہے کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ حرمت استیجار مخصوص ہے طاعة مختصہ بالمسلم کے ساتھ اور نصرت مظلوم بمجملہ طاعات عامہ کے ہے، پس اس میں اس حرمت کا حکم نہ کیا جاوے گا، اصل یہ کہ پیشہ عدالت فی نفسہ جائز ٹھہرا، مگر شرط یہ ہے کہ سچے مقدمات لیتا ہو۔

۲۴ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ (حوادث اولیٰ ص ۱۵۳)

کتاب الکفالة

دعویٰ مہر بغیر | سوال (۲۶۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا نکاح ہندو سے بہر مبلغ اڑھائی ہزار روپے کے قرار پایا اور خالد والد زید ضامن اداۓ مہر از طرف زید ہوا بعد عرصہ چھ سات سال کے خالد نے اپنی جائیداد منقولہ اپنے تین لڑکوں عمر و بکر و زید اور اپنی ایک زوجہ میں زبانی تقسیم کر کے اپنے قبضہ میں رکھی اس کے چند یوم بعد زید کا انتقال ہو گیا، بعد ازاں خالد بھی مر گیا، اس حالت میں عمر و بکر اس کی جائیداد کے وارث ہوئے، اور جو حصے عمر و بکر کو جائیداد خالد سے ملے ہیں وہ بہت کم قیمت ہیں، اب زوجہ زید دعویٰ اپنے مہر کا اپنے بھائی اور ماموں کی معرفت سے عمر و بکر پر کرتی ہے، اور گواہی زبانی گواہان نکاح و قاضی نکاح پر ٹھہانے والی کی ضمانت خالد اداۓ مہر حسب منشاء خود ثابت کرتی ہے، اور کوئی ثبوت تحریری اس بارہ میں نہیں رکھتی اور عمر و بکر اور یہ شبہ نہ ہو کہ جب یہ نصرت مظلوم ہے اور واجبہ گو محقق مسلم نہ ہو تو اس پر اجرت لینا کب جائز ہوگا جواب یہ ہو کہ یہ عدم جواز بوقت تعیین ہے اور یہاں تعین نہیں پس جائز ہوگا، نظیرہ مافی الدر المختار والافضل ان بغیر لیٰ فان اتبني الناس الا جبر جازان کان ثم غیرہ والا لا لتعین علیہ الخ کذا فی باب الجنان۱۲ منہ

بکر بیان کرتے ہیں کہ ہم سے کبھی خالد نے اپنا ضامن ہونا مہر کا بیان نہیں کیا تو کیا از روئے شرع شریف عمرو بکر مستحق اداۓ مہر مذکور ہو سکتے ہیں، اور اگر ہو سکتے ہیں تو جس قدر رث پائی ہے اس کے موافق عمرو بکر دیں گے یا اور زیادہ بھی دینے کے مستحق ہیں، بینوا تو ہر وا،

الجواب، در حالیکہ کفالت کے گواہ موجود ہیں کفالت ثابت ہو جائے گی، اور کفالت بالمال موت کیس سے باطل نہیں ہوتی، پس اداۓ مذکور کفالت میراث پر مقدم ہو پس ہندہ جائیداد خالدی جو کہ عمرو بکر کے قبضہ میں ہے زمرہ وصول کر سکتی ہے، اگر جائیداد کفایت نہ کر سکے زائد کا مطالبہ عمرو بکر سے نہیں ہو سکتا، اور عمرو بکر زید کے ترکہ سے بقدر اپنے حق کے وصول کر سکتے ہیں بشرطیکہ کفالت بامر زید ہوئی ہے ورنہ زید کے ترکہ سے عمرو بکر کچھ تعرض نہیں کر سکتے، اما کیفیل بالمال فلا تبطل لان حکمها بعد موتہ فیونی من مالہ ثم ترجع الورثۃ علی المكفول عنہ ان کانت بامرہ، شامی جلد ۳ صفحہ ۲۵۴۔

۱۵ ربیع الاول (امداد ثالث ص ۴۲)

سوال (۲۶۹) اگر بریگ سے قفل توڑ کر کسی جس سے ریل والوں نے مال چرایا ہو تو عدالت کیس سے وصول درست ہے یا نہیں؟

الجواب ریلوے کیسٹی ضامن ہوتی ہے، حفاظت اموال بریگ کی اس لئے اس سے وصول کرنا درست ہے، ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۴۳)

کتاب الحوالہ

سوال (۲۷۰) ایک شخص نے کسی کی واجب الادا رقم روک لی دوسرے نے اپنے نام سے وصول کر کے حیلہ سے دیدی یعنی جس کی واجب الادا رقم تھی جو اصل قرضخواہ تھا اس کو دیدی اور وصول کئے ہوئے شخص کو کہہ دیا کہ تمہارے روپے ہم اس کو دیدیئے اس نے جواب نہ دیا تو یہ معتبر ہوا یا نہیں؟

جواب، جائز و معتبر نہیں بدل علیہ اشتراط رضا، الحیل والمحتال فی الحوالہ،

۲۷ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (امداد ثالث ص ۴۲)

سوال (۲۷۱) روپیہ پیسہ یا کوئی چیز ایچ لینے کا معاملہ درست ہے

یا نہیں، صورت اس کی اس طرح پر ہے میں نے ایک رسالہ ۲ پر عبد الحفیظ کے ہاتھ فروخت کیا اس نے ہم کو ایک چوتی دی اور کہا کہ ۱: روپس کرو میں نے محمدی سے اس کے سامنے کہہ دیا کہ ۱: جو تمہارے ذمہ کتاب کے دام باقی ہیں عبد الحفیظ کو دیدینا، محمدی نے منظور کر لیا اور عبد الحفیظ نے بھی کہا کہ میں محمدی سے لے لوں گا اب تم سے کچھ واسطہ نہیں ہے پس یہ لینا دینا کیسا ہے۔

الجواب، یہ حوالہ ہے اور حوالہ درست ہے، مگر اس صورت خاص میں اس قدر اور ضرورت ہے کہ آپ عبد الحفیظ سے ۱: بقیہ کے نسبت اتنا اور کہہ دیجئے کہ یہ ہم کو بالفعل قرض دیدو اور وہ منظور کر لے۔ پھر یہ معاملہ حوالہ کا کیجئے، ۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ (نتمہ ثانیہ ص ۲۲) مبادلہ حوالہ اقل نقد باکثر نسب | سوال (۲۷۲) زید نے بعوض کچھ اپنے گذشتہ حسا کتاب کے مثلاً چار سو پچاس روپے نقد کے دلا پانے کی ڈگری ایک انگریز پر باقاعدہ حاصل کر لی ہے، انگریز چند ماہ میں بالاقساط مبلغ ۱۰۰ روپے کا زید چونکہ کسی دور دراز جگہ کا باشندہ ہے، یہاں مقیم نہیں رہ سکتا لہذا وہ کسی دوسرے شخص مثلاً خالد کو جو یہاں کا مقیم ہے وہ ڈگری مذکور بدیں شرط حوالہ کرتا ہے کہ خالد اس کو مثلاً دو صد روپیہ نقد کی منت ابھی ادا کر دے اور بعد میں دو صد بجاہ روپیہ بالاقساط وصول کر کے اپنے قبضہ و تصرف میں لاوے، زید کو اس رقم سے کوئی واسطہ نہ ہوگا، آیا خالد جو یہاں کا مقیم ہے زید کی شرط مذکورہ بالا کو شرعاً کر لینے کا مجاز ہے یا نہیں اس داد و ستد کا رروالی میں کوئی امر خلاف شریعت تو نہیں ہے؟

الجواب، یہ تو جائز نہیں مگر یوں کرے کہ خالد کو وکیل بنائے کہ تم اس انگریز سے تقاضا کر کے وصول کرو، اور اڑھائی سو روپے اس کام پر تمہاری اجرت ہے، اور دو سو روپیہ تم ہم کو قرض دیدو، وہ بھی وصول کر کے اپنے قرضہ میں رکھ لیتا،

۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ (حوادث اول ص ۱۷)

سوال (۲۷۳) زید کا قرض دس روپیہ عمرو کے ذمہ ہے۔ خالد نے زید سے کہا کہ دس روپیہ تم مجھ سے لیلو میں اپنا یہ روپیہ عمرو سے وصول کر لوں گا،
الجواب، اگر تینوں راضی ہوں تو جائز ہے۔

۱: لیکن اگر خالد کو اس انگریز سے وصول نہ ہوا تو وہ اپنا روپیہ زید سے واپس کر لے گا ۱۲

کتاب الودیع

سوال (۲۷۴) زید کا ایک بکس مودع بالاجر کے ذریعہ سے آیا جو از گرفتن مال تلف شدہ | جس میں تین سو روپے کا مال تھا، مگر اس میں سے پچاس روپے کا مال راستہ میں چوری ہو گیا، زید نے ہر چند کوشش کی کہ جو مال تلف ہو گیا ہے اس کا معاوضہ مل جائے مگر مودع بالاجر نے کچھ نہیں دیا، اب تھوڑے عرصہ کے بعد زید کا ایک بکس مال کا جس میں پچاس روپے کا مال تھا اسی مودع بالاجر کے پاس گم ہو گیا ہے، اب مودع بالاجر نے اس گم شدہ کی فہرست طلب کی ہے، اب زید اپنے پچاس روپے سابق کے اس میں اس طرح وصول کر سکتا ہے کہ بجائے پچاس روپے کے لکھ دے کہ میرا مال اس میں سو روپے کا تھا تو مودع بالاجر دیدیگا یہ صورت جائز ہوگی۔

الجواب - جائز ہے۔ ۱۷ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ (حوادث خاص ۲۶)

سوال (۲۷۵) زید عمرو کے پاس قفا قفا امانت رکھتا تھا اور بوقت ضرورت لیتا دیتا رہا۔ گو یہ معاملہ مدت تک رہا مگر عا بنین نے کچھ لکھا لکھا یا نہیں ایک مرتبہ زید نے عمر سے مبلغ مئہ جو اس کا امانت تھا طلب کیا، عمرو نے کہا کہ مجھے تو یاد ہے کہ صرف مئہ رہیں زید نے زبانی یاد دلایا۔ آخر ش عمرو نے لاکر پورے مئہ حوالہ کئے، اب زید نے دوبارہ عمرو کو مئہ روپے دئے کہ فلاں ماہ میں فلاں شے خرید کر ہمارے پاس روانہ کرنا، عمرو نے نہ بھیجا اس وقت روپیہ لیکر وعدہ تو کیا جب زید بذریعہ تحریر متقاضی ہوا تو عمرو نے لکھا کہ میرے ذمہ تمہارا کچھ نہیں پھر تو اس کی حیصہ بیس ایک مدت تک رہی زید نے رفع دفع کرنے کی غرض سے یہ لکھا کہ تم یہ مبلغات خمسہ کسی مدرسہ یا یتیم خانہ میں دیدو، بایں نیت کہ یا اللہ اگر زید کا روپیہ ہے تو اسکو ورنہ مجھ کو ثواب ملے، عمرو نے جھٹاکے صرف زید کے نام روپیہ داخل کیا اور لکھا کہ تم نے جبراً دلوایا ہے، تو ایسی مشتبہ صورت میں جب کہ زید کی تحریر کے خلاف روپیہ عمرو نے صدقہ کیا تو آیا زید کو مبلغ مئہ روپے عمرو کو دینا چاہئے یا نہیں، فقط۔

الجواب، جب اول بار میں زید کی یاد دہانی پر عمرو نے مئہ روپے ادا کئے تو بدالالت حال اس کے وجوب کا اقرار کر لیا، جو اس پر حجت ہے، اب دوبارہ جو زید نے عمرو کو مئہ دیئے، وہ امانت ہیں اس کا رکھنا عمرو کو جائز نہ تھا، اس لئے یہ کہنا کہ جبراً دلوایا غلط ہے، اور یہ صدقہ زید کی طرف

ہو گیا اور یہ صدقہ دینا خلاف تحریر زید نہیں ہے، زید کا اصل مقصود تو یہی تھا کہ میری طرف سے دیا جا
دوسری بات محض رفع نزاع کے لئے کہدی تھی، پس خلاف مقصود نہیں ہوا، اس لئے یہ ضرر نہ زید
سے عمرو لے سکتا ہے اور نہ عمرو سے زید، واللہ اعلم ۶ رذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (امداد جلد سوم ص ۴۳)

نزع امانت نابالغ | سوال (۲۷۶) اگر عم در مال ایتام برادر اعیانی خود خیانت می کند و
از دست حنائن | مال او شان بے قاعدہ مصروف می سازد و دریں صورت مال ایتام مذکور
برائے محافظت و تصرف بر آنان حوالہ شخص دیگر امین معتبر کردہ شود جائز است یا نہ، و نیز جد
فاسد مادری دارند اگر بایشان حوالہ کردہ شود درست است یا نہ، بینوا تو جروا،

الجواب، فی الدر المختار باب الحضانة ولو الاب مبذر یا یدفع کسب الابن الی امین کما
فی سائر املاک ام الذین روایت ثابت شد کہ ہر گاہ پدر کہ علی الاطلاق ولایت می دارد بتبذیر و
اتلاف ممنوع التصرف و سلب ولایت می شود پس تابع عم چہ رسد و در امین تخصیص مادر نیست
ہر کس کہ اہلیت امانت و حفاظت داشته باشد احق و مقدم تر است، واللہ اعلم۔

۵ رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ (امداد جلد سوم ص ۴۴)

تصرف متولی در رقم چندہ | سوال (۲۷۷) ایک قصبہ میں جامع مسجد و عید گاہ کی ترمیم کی
خلافت رہنمائے اہل چندہ | وقتاً فوقتاً ضرورت واقع ہوئی اور بنظر آسانی ایک آمدنی دوامی کی جست
محسوس ہوئی لہذا تمام باشندگان نے جمع ہو کر یہ صورت نکالی، اور اس امر پر اتفاق کیا کہ تمام لوگ
بوقت فروختگی مال بحساب فی روپیہ ایک چھدام دیا کریں، تاکہ رفتہ رفتہ رقم معتد بہ ہو جائے، اور بوقت
ضرورت خاص ان ہی مسجدوں میں کام آئے اور صرف کی جائے، چنانچہ اس پر عملدرآمد شروع ہوا، او
اہتمام و انتظام کے لئے امام جامع مسجد کو متولی مقرر کیا، اور یہ آمدنی ہمیشہ بطور امانت خریداران قصبہ
پاس جمع ہوتی رہی، اور بوقت ضرورت متولی نے خریداران سے وصول کر کے مصارف مخصوصہ و
مقرر شدہ میں صرف کیا، اور کبھی کسی خریدار نے علاوہ مصارف مقررہ کے اور مصارف یا کسی دوسری
مسجد میں صرف کیا تو اہالیان قصبہ و متولی نے ان سے دام دام وصول کیا اور ہمیشہ زمانہ دراز
تک امور مذکورہ بالا پر عملدرآمد ہوتا رہا، اب کچھ زمانہ سے چند خریداران جو محض بحیثیت امین اس
رقم امانت پر قابض ہیں دینے سے انکار کرتے ہیں تو آیا ان حضرات کو شرعاً رقم مذکور کو روک لینا
اور علاوہ اس مسجد کے جس کے لئے تخصیص کی گئی جس مسجد اور کار خیر میں چاہیں صرف کر سکتے ہیں یا
نہیں، اور متولی مساجد مخصوصہ کو استحقاق وصول کرنے رقم مسطورہ کا ہے یا نہیں، بینوا بالکتاب،

الجواب، جس شخص کے پاس یہ رقم جمع ہوئی ہے اس میں اگر خود اس شخص کی بھی کسی قدر رقم ہے تو اس قدر میں اس امین کو اختیار ہے کہ جو چاہے تصرف کرے اور جس قدر دوسروں کی رقم ہے اس میں اگر کوئی صاحب رقم اس امین کو اختیار و اجازت دوسرے تصرف کی دیدے اسی طرح اس میں بھی اس کو تصرف جائز ہے، اور ان دونوں رقموں میں متولی کو یا کسی اور کو کوئی حق مطالبہ و مزاحمت کا نہیں ہے، اور جس قدر دوسروں کی رقم ہے اور ان اصحاب رقوم کی طرف سے اس امین کو تصرف کی اجازت بھی نہیں ہے، اس میں کوئی تصرف جائز نہیں، بلکہ ان اصحاب رقوم کو یا جس شخص کو وہ اختیار دیدیں خواہ متولی ہو یا اور کوئی ہو وہ اختیار حاصل ہے اور اگر مجموعی رقم سے کچھ خرچ ہو چکا ہو اور اس کے بعد یہ نزل ہوا ہو تو احکام مذکورہ مفصلہ سابقہ ہر قسم کی رقوم میں حصہ رسد جاری ہونگے البتہ اگر کوئی رقم مختلط نہ ہوئی ہو تو اس جاری رکھی ہوئی رقم میں اس کا حکم خاص مستقلاً جاری رہیگا، یہ تو سوال مذکور کا جواب تھا، اور ایک مستقل کلام سوال مذکور کے متعلق اس پر ہے کہ آیا ایسا قانون آمدنی کا مقرر کرنا جائز ہے، یا ناجائز، چونکہ اس کو پوچھا نہیں گیا اس لئے جواب سے تعرض نہیں کیا گیا، لیکن چونکہ اکثر لوگوں کو اس طرف التفات کم ہے اس لئے اس قدر اجمالاً تنبیہ کر دی گئی، اور جن قواعد شرعیہ پر یہ تقریر مبنی ہے، چونکہ وہ نہایت معروف ہیں اس لئے نقل عبارات کتب کی حاجت نہیں سمجھی، واللہ اعلم وعلیہ اتم و احکم،

۱۲ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد جلد سوم، ص ۴۲)

ضمان مودع المودع | سوال (۲۷۸) ایک مسماۃ نے زید کو چپا کلی و جگنو واسطے بنوانے کے دی، چونکہ وہ معتکف تھا اس نے عمرو کو دیدی، اس کا بیان ہے کہ میں طاقت پر و برو رکھ کر پانچ ماہ پہننے لگا اور بھول کر چلا گیا اب مسماۃ زید سے دعویٰ کر سکتی ہے یا نہیں اور زید عمرو سے دعوے کر سکتا ہے یا نہیں،

الجواب، صورت مذکورہ میں مسماۃ مؤککہ حکم مودعہ اور زید وکیل حکم مودعہ اور عمرو وکیل الوکیل حکم مودعہ المودعہ میں ہے، کما ہو ظاہر اور مودعہ المودعہ مثل مودعہ کے ہلاکت و دیوت کے ضامن نہیں ہوتا، استہلاک سے ہوتا ہے، اور زیان استہلاک ہی، پس صورت مسئلہ میں عمرو ضامن ہے، اب مسماۃ کو اختیار ہے خواہ زید سے دعویدار ہو اور وہ عمرو سے دعوے کرے اور خواہ ابتداءً عمرو ہی سے دعویٰ کرے اور زید سے کچھ تعرض نہ کرے نہ زید عمرو سے کچھ مواخذہ کرے، فرع ولو قال وضعہا بین یدی و قیمت و نسبتہا فضاغت لضعیف، شامی ج ۳ ص ۵۰۰، وہی

امانة فلا تضمن بالهلاك مطلقا سوارا مكن التخرعنه ام لا درمخار قوله سوارا مكن التخرعنه ام لا وليس منه النسيان كقول قال وضعت عندي فنيست وقمت بل يكون مفراطا بخلاف ما اذا قال ضاعت ولا ادري كيف ذهبت فان القول قوله مع يمينه ولا يضمن لانه امين حموي بتصرف طحاوي جلد ۳ صفحہ ۳۷۶ ولو استهلك الثاني الودیعة ضمن بالاتفاق ولصاحب الودیعة ان يضمن الاول ويرجع على الثاني وان يضمن الثاني ولا يرجع طحاوي جلد ۳ صفحہ ۳۸۲ ، والله اعلم ،

۹ سوال روز جمعہ ۱۳۳۸ھ (امداد جلد ۳ ص ۴۶)

سوال (۲۷۹) انگریزی قانون کے موافق کرایہ نامہ اسٹامپ پر لکھا جاتا ہے کہ رکا ہو یا سہم رکا اور یہاں یہ قاعدہ رواج پکڑ رہا ہے کہ جب کوئی مکان کرایہ پر دیا جاتا ہو تو کرایہ پر لینے والے اسٹامپ خرید کر مالک کو دیدیتا ہے کہ لکھوا لینا یہاں وقت انتخاب میں بہت سے اسٹامپ ایسے نکلے کہ جواب تک سادہ ہیں ان کا پتہ چلے گا مالکان کو واپس کرنا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے لیکن جو اشخاص بیرونی ہیں یا مرگئے ہیں یا ان کا پتہ نہیں ان کی بابت کیا کرنا چاہئے ان اشخاص میں اہل اسلام اور ہندو دونوں ہیں۔

الجواب، جن مالکان اسٹامپ کا کچھ پتہ نہ چلے ان اسٹامپ کو فروخت کر کے وہ دام من جانب مالکوں کے مصارف خیر میں صرف کر دئے جائیں ،

کتاب الضمان

سوال (۲۸۰) زر و مال امانت خواہ کسی بالغ کا ہو یا نابالغ کا امین مودع یا بنیصر آن یا اس کے ملازم یا عزیز و آشنا کے پاس سے جس کو امین نے معتمد سمجھ کر رکھ دیا سرقہ یا تلف یا گم ہو جاوے یا الٹ جاوے ، اور امین کی جانب سے یا جس کے پاس امین نے رکھ دیا تھا بددیانتی و بے احتیاطی ظہور میں نہ آئی ہو تو وہ زر و مال امین وغیرہ پر ادا کرنا لازم ہوگا یا شرعاً اس تاوان سے وہ محفوظ رکھے جائیں گے ، اور اگر امین کا زر و مال بھی شامل زر و مال امانت کے تلف ہوا ہے اور کچھ حصہ زر کا سرقہ و اتلاف و لوٹ سے بچ رہا ہے اور دونوں کے زر کی تعداد مساوی نہیں کم و بیش ہے ، تو وہ دونوں کس حساب سے بقیہ زر تقسیم کریں گے ، بحصہ رسد یا کیونکر

اور اگر ایک مکان و ایک کس و صندوق وغیرہ میں امین کا ذاتی روپیہ اور نیز زرا امانت رکھا ہوگا، مگر تحصیل یا ظروف جن میں روپیہ ہے دونوں کے جُدی جُدی ہیں، اور اتنا قیمہ بلا ظہور بددیانتی امین کے زرا امانت چوری ہو گیا، اور امین کا ذاتی روپیہ بچ رہا، تو امین زرا امانت کا در بندار ہوگا یا نہیں؟

الجواب، اگر امانت جدا رکھی ہے اور باوجود نگہداشت کے تلف ہو گئی امین ضامن نہ ہوگا، اور اگر شامل رکھی ہے سو اگر ایسی چیز اس کے ساتھ شامل ہے کہ جدا ہو سکتی ہے تو بھی امین ضامن نہیں، تلف شدہ و باقی ماندہ مالک کی ہے، اور اگر ایسی چیز کے ساتھ مخلوط ہے کہ تمیز شواہد ہے سو اگر بدون شامل کئے ہوئے شامل ہو گئی تب دونوں شریک ہیں تلف شدہ و باقی ماندہ دونوں پر حصہ رسد تقسیم ہوگا، اور اگر دانستہ شامل کی ہے تو اگر مالک کی اجازت سے کی ہے تب بھی دونوں مثل سابق کے شریک ہیں اور متلف اور باقی دونوں کا حصہ رسد ہے اور اگر بلا اجازت خلط کر دیا، محض خلط سے ضامن ہو جائے گا جو کچھ تلف ہوگا امین کا ہوگا، اور اس کی امانت کی قیمت ادا کرنا واجب ہوگا و کذا لو خلطها المودع بماله بغیر اذن بحیث لا یتیمز الا بکلفہ کحفظہ بشعیر و دراهم جیاد بریوف مجتبیٰ ضمتہا لاستہلاکہ بالخلط (قولہ لا یتیمز فلو کان یکن الوصول الیہ علی وجه التیسیر کخلط الجوزہ باللوز و الدرہم السود بالبیض فاند لا یقطع حتی المالک اجماعاً شامی) وان باذنه اشترک شریک المالك کما لو اختلطت بغیر صنعه ۱۲ قولہ بغیر صنعه فان ہلک ہلک من ماجبعا لہما و یقسم الباقی بینہما علی قدر ما کان لکل واحد متہما کمال المال المشترک بحر شامی) اور اگر امانت جاری رہی اور امین کی ذاتی چیز بچ گئی باوجود حفظ کے ضامن نہیں وہی امانت فلا تضامن بالہلاک مطلقاً سواء امکان التحرر عنہ ام لا ہلک معہا شئی ام لا ۱۲ واللہ اعلم، (امداد ج ۳، ص ۴۶)

سوال (۳۸۱) زید کے دو پارچے کرتا عمر و خیاط نے بکر کو جو زید کے ضامن امین بہ ارسال امانت بدست اجنبی ملازم کا لڑکا عاقل بالغ ہے یہ کہہ کر دیئے کہ ان کو زید کے پاس پہنچا دے اور بکر نے بخوشی خاطر ان کو اپنی تفویض میں لے لیا، اور سواری رتھ سوار ہو کر روانہ ہوا، راستہ میں بکر کی غفلت سے ایک کرتا گم ہو گیا، اب زید کو اس کرتے گم شدہ کی قیمت بکر سے لینا جائز ہے یا نہیں، بیسوا تو جروا،

الجواب، فی الہدایۃ ومن استعار دابة فردہا مع عبده او اجیرہ لم یضمن و کذا اذا ردہا مع عبد رب الدابة او اجیرہ وان کان ردہا مع اجنبی ضمن ام ج ۲ ص ۲۶۶، اس سے معلوم ہوا کہ عمر و خیاط کو یہ کپڑے بکر کو سپرد کرنا جائز نہ تھا اس لئے اس کا تاوان عمر و سے لے سکتا ہے، ۱۰ بیح الشانی ص ۳۳۸ (تمتہ ثالثہ ص ۳۸)

سوال (۲۸۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع برکے کہ بعد فقدان اول دستخط اوٹھانے جابجا بنکوں میں نوٹ کا نمبر بھیج کر سب کو اپنے گم شدہ نوٹ کی خبر دیدی اور اس کا پتہ چلانے کیلئے لکھ دیا، بعد سال ڈیڑھ سال کے اس نوٹ کپتہ چل گیا اور وہ نوٹ ایک شخص عمر کے پاس مل گیا پولیس نے ان تمام اشخاص سے جنھوں نے گم شدگی کے زمانہ میں نوٹ چلا کر اپنے دستخط نوٹ پر ثبت کئے تھے (مثلاً بکرو خالد و بشیر کہ عمر دے کر سے خریدا تھا اور بکرو خالد سے اور خالد نے بشیر سے اور بشیر کا حال معلوم نہیں کہ اس کو کس طرح وہ نوٹ حاصل ہوا) اقرار لے کر نوٹ کے دست بدرت مستعمل ہونے کا ثبوت حاصل کیا، لیکن آخری نام کا مسمیٰ مثلاً بشیر مر گیا ہے، اس سے بذریعہ اقرار ثبوت نہیں پہونچا سکتے ہیں، لیکن بذریعہ بینہ اس کے دستخط اور اس کے روپے پانے کا ثبوت ہو سکتا ہے، لیکن بعد ثبوت دریافت طلب یہ امور ہے کہ وہ بشیر اس نوٹ کو چرانے والا یا بطور نقطہ کے پانے والا قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں، صرف اسی دلیل سے کہ نوٹوں کے چلانے میں لوگوں کا معمول اسی طرح جاری ہے کہ نوٹ دوسرے شخص کو دے کر اس سے روپیہ مندرجہ نوٹ وصول کر لیتے ہیں، اور اس نوٹ پر اپنے دستخط ثبت کر دیتے ہیں، اب علمائے دین کیا فرماتے ہیں کہ یہ تعامل لوگوں کا دلیل شرعاً اس امر کی ہو سکتا ہے یا نہیں، کہ آخری دستخط والا شخص یعنی بشیر وہی چور یا بطور نقطہ پانے والا ہے اگرچہ عقلاً جائز ہے، کہ آخر شخص چور یا بطور نقطہ پانیوالا نہ ہو، بلکہ اس نے دوسرے شخص جو فی الواقع چور یا بطور نقطہ پانے والا ہے اور وہ شخص ناواقف ہے دھوکہ دے کر بقیہ ت ارزان لے لیا ہو، یا اور کسی طرح سے مفت یا بقیہ ت ارزان لے لیا ہو، اور بوجہ ناواقفی کے اس نے دستخط نہ کئے ہوں، لیکن یہ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں بھی واقف کار آدمی کو جس نے ناواقف سے نوٹ لے لیا ہے یہ ضرور ثابت ہو جائے گا کہ یہ نوٹ اس نے کہیں سے پایا ہے، یا چرا کر لایا ہے بہر حال وہ واقف کار پانے والا نوٹ کا تب بھی مجرم قرار دیا جاسکتا ہے، کیونکہ ایسا مال لینا بھی ناجائز ہے، الغرض جب ایسی صورت واقع ہو جائے اور وہ آخری شخص یعنی بشیر مر جائے تو اس شخص کو شرعاً مجرم قرار دے کر اس کے مال سے روپیہ وصول کر سکتے ہیں یا نہیں؟

تتمہ سوال، سرکاری قانون کے بموجب مالک نوٹ کا روپیہ آخری شخص کے مال سے دلایا جائے گا، اور یہاں روپیہ سوائے مالک کے اور کسی کا نہیں ضائع ہوتا ہے، کیونکہ صورت مفروضہ یہ ہے کہ مثلاً زید مالک سے نوٹ گم ہو گیا، فرض کیجئے کہ بشیر نے وہ نوٹ زمین پر پڑا ہوا

پایا، یا بشیر نے مالک کے پاس سے چرا لیا بعدہ بشیر نے خالد کے ہاتھ نوٹ چلایا، یعنی خالد کو نوٹ اپنے دستخط کرنے کے بعد دیدیا، اور اس سے مندرجہ نوٹ روپیہ وصول کر لیا، بعدہ خالد نے بکر کے ہاتھ نوٹ چلایا، بعدہ بکر نے عمرو کے ہاتھ نوٹ چلایا، بعدہ عمرو نے بینک گھر میں نوٹ چلایا، بینک گھر سے روپیہ تو عمرو کو مل گیا، لیکن عمرو کا نام و نشان ملا زمان بینک نے اپنی کتاب میں لکھ کر مالک کو نوٹ کو یعنی زید کو نوٹ کے مل جانے کی خبر دیدی، اور پھر بموجب حکم گورنمنٹ کے ملا زمان پولیس نے عمرو سے شروع کر کے بشیر تک اس نوٹ کے چلانے والے کا پتہ اور نشان بند کر اقرار ثبات کیا، بشیر چونکہ مرچکا تھا، اس لئے اس کے دستخط اور اس کے نوٹ چلانے کا ثبوت بذریعہ شہادت معتبرہ حاصل کیا گیا، اب بموجب حکم قانون کے وہ آخری شخص یعنی بشیر ہی مجرم قرار پاتا ہے، اور سرکامس کے مال سے مالک نوٹ کو روپیہ دینا چاہتی ہے، لیکن مالک بغیر اجازت شرع شریف کے اس روپیے کو لینا نہیں چاہتا ہے، اب جیسا کچھ شرع شریف کا حکم ہے آنجناب مطلع فرماویں، تاکہ اس پر عمل کیا جاوے، میں اس قصہ کو کچھ تفصیل کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ عرصہ دو ڈیڑھ سال کا ہوا جب کہ نوٹ قیمتی پانصد روپے مالک یعنی محمد ابو بکر خاں صاحب رئیس دادون ضلع علی گڑھ کے ایک محترم ملازم کے پاس سے گم ہو گیا نہ معلوم کہ اس کے پاس سے کسی نے چور لیا، یا اس کے پاس سے کسی جگہ گر پڑا، ہر چند تلاش کیا گیا نہیں ملا، پھر خاندان صاحب موصوف نے مالک ہند کے بینک گھروں میں جا بجا اطلاع دیدی کہ ہمارا ایک نوٹ فلاں نمبر کا فلاں تاریخ کو گم ہو گیا ہے، اس کا پتہ چلانا چاہئے، پھر آگے قصہ وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا ہے کہ جواب بہت جلد عثایت ہووے، اور سرکاری قانون میں جو آخری شخص کو مجرم قرار دیا ہے، تو صرف اس وجہ سے کہ اس کے دستخط کے بعد مالک یا کسی اور شخص کے دستخط پھر نوٹ پر نہیں ہیں، اور قانوناً بغیر دستخط کے ہوتے چلانا جائز ہے، لہذا اس کو مجرم قرار دیا ہے اب آنجناب شرع شریف سے اس تعامل کے سند ہونے کی دلیل پیش کریں،

الجواب، نوٹ خود معقود علیہ مقصود نہیں ہوتا، چنانچہ نوٹ جل جانے کے بعد اگر نمبر محفوظ ہو تو مالک کو خزانہ سے روپیہ مل جاتا ہے، اگر وہ خود معقود علیہ ہوتا تو ہلاک المبیع بعد التسليم میں بالغ پر رجوع بالتمن کا حق نہیں ہوتا، پس معلوم ہوا کہ وہ معقود علیہ نہیں ہے، بلکہ معقود علیہ روپیہ ہوتا ہے، اور عقد حوالہ اور نوٹ اس کی سند، اور صحت حوالہ میں محیل یعنی مدیون اور محال یعنی دائن اور محال علیہ یعنی قبول کنندہ حوالہ (ولو لم یکن علیہ للمحیل دین)

سب کی رضا شرط ہے کما صرحوا، پس حقیقت معاملہ مذکورہ فی السؤال کی شرعاً یہ ہے کہ جس شخص نے سب سے اول یہ نوٹ خزانہ سرکار سے خریدا خزانہ اس کا مدیون ہے، اور وہ شخص دائن اور اس مدیون نے اپنے قانون نفاذ نوٹ میں گویا اپنی رضا ظاہر کر دی، کہ اگر تم کسی کے ہاتھ اس نوٹ کو بیع کر دو گے، یعنی تم اس سے روپیہ قرض لے کر یہ سند حوالہ اس کے سپرد کر دو گے، تو ہم یہ روپیہ اس کو دیدیں گے، پھر جب اس مشتری من الخزانہ نے کسی کے ہاتھ فروخت کیا، اور اس نے خریدا جس کی حقیقت بھی وہی ہے کہ اس بائع نے اس مشتری سے قرض لے کر خزانہ پر حوالہ کر کے سند دیدی تو یہ مشتری من الخزانہ کہ دائن تھا اور وہ مشتری من ہذا مشتری کہ قبول کنندہ حوالہ ہے نیز رضا مند ہو گئے، اسی طرح یہ سلسلہ لا تقف عند حدہ برضا مندی چلا جاتا ہے اور عقد صحیح ہوتا رہتا ہے یہ تو بیع نوٹ کی حقیقت ہے، اور اگر مثلاً اس مشتری من الخزانہ نے کسی کو یہ نوٹ ہبہ کیا تو اس کے معنی ہیں کہ خزانہ کے ذمہ جو میرا قرض ہے اس پر قبضہ کر کے تم مالک ہو جاؤ، پھر اگر اس موہوب نے کسی کے ہاتھ بیع کیا تو وہ مشتری اس موہوب لے کو قرض دیتا ہے، اور یہ موہوب لے اس مقرض کو خزانہ سرکاری پر حوالہ کرتا ہے اور اس کو سب قبول کرتے ہیں، اور گواہ اس موہوب لے کا کوئی قرض بذمہ خزانہ نہیں ہے، لیکن محیل (یعنی مدیون) کا کہ یہاں یہ موہوب لے ہے کچھ قرض بذمہ محال علیہ (یعنی قبول کنندہ حوالہ کہ یہاں خزانہ ہے) ہونا کچھ ضروری نہیں، اس لئے یہ معاملہ بھی صحیح ہو جاوے گا، جب اس کا حوالہ ہونا اور حوالہ میں سب کی رضا کا شرط ہونا ثابت ہو گیا تو اب سمجھنا چاہئے کہ جب زید یعنی البوکریاں صاحب کا نوٹ گم ہو گیا تو جس شخص کے بھی وہ ہاتھ لگا اس نے جو کسی کے ہاتھ فروخت کیا جس کی حقیقت مشتری سے قرض لے کر حوالہ کرنا ہے خواہ وہ بشیر ہو یا غیر بشیر، چونکہ اس میں بیع صورۃ اور حوالہ معنی کا وقوع بلا اذن زید یعنی البوکریاں صاحب ہوا اس لئے یہ عقد صحیح نہیں ہوا، مثلاً غیر بشیر نے بشیر کے ہاتھ بیچا تو بتایا تقریر بالا یہ معاملہ درست نہیں ہوا تو بشیر کا روپیہ اس غیر بشیر کے ذمہ رہا، اسی طرح بشیر نے جو خالد کے ہاتھ بیچا وہ بھی حوالہ ہے، اور خالد کی رضا معلق ہے، اس نوٹ کے غیر مسروق ہونے کے ساتھ اور وہ شرط مفقود ہے، اس لئے خالد بھی راضی نہیں اس کا روپیہ بشیر کے ذمہ رہا اسی طرح بکر کا خالد کے ذمہ رہا، اور اسی طرح عمرو کا بکر کے ذمہ رہا۔ اور اسی طرح بینک کا عمرو کے ذمہ رہا، اور زید کا بینک کے ذمہ رہا، کیونکہ حوالہ میں اگرچہ محیل یعنی مدیون بری ہو جاتا ہے لیکن جب دائن کا حق سالم نہ رہے تو پھر وہ مدیون پر رجوع کرتا ہے، کما صرحوا بہ اور یہاں ظاہر ہے

کہ حق سالم نہیں رہا، اس لئے ہر دیون مشغول الذمہ ہو گیا، جیسا اوپر مذکور ہوا، پس اس کا مقتضی یہ تھا کہ بینک (بروئے قوانین مجوزہ مسلمہ وکیل وکیل خزانہ ہے) وہ روپیہ زید کو دیتا، اور اپنا دیا ہوا غروسے لیتا، اور وہ بکر سے لیتا اور وہ خالد سے لیتا، اور وہ بشیر سے لیتا، اگر بشیر زندہ نہیں تو اس کے مال سے لے سکتا تھا، اور اگر بشیر کو بھی دھوکہ ہوا ہے تو وہ اس غیر بشیر سے لیتا، مگر جب وہ غیر معلوم ہو تو کالمعدوم ہے، پس انیر ضمان بشیر اور اس کے مال پر آتا ہے اور ابو بکر خاں صاحب کا ملازم چونکہ امین ہے اور اس کا کسی سے روپیہ لیتا اور نوٹ دینا ثابت نہیں، اور امین پر ضمان نہیں ہوتا (صرف مالک امانت کے شبہ کے وقت اس سے حلف لیا جاسکتا ہے) اس لئے وہ بری ہے، لیکن چونکہ قانون سرکاری اس طرح ہے جیسا سوال میں مذکور ہے، اور نوٹ کا معاملہ کرنے والے بوجہ التزام کے اس قانون پر راضی ہیں اس لئے یہ کہا جاوے گا کہ یہاں حوالہ کے ساتھ کفالت بھی ہے، مثلاً بشیر نے نوٹ جب رضامندی سے بیچا تو اس نے گویا یہ کفالت بھی کر لی ہے کہ اگر ابو بکر خاں صاحب کا روپیہ مثلاً بینک سے وصول نہ ہو تو میں کفیل ہوں میں دوں گا۔ اس لئے بشیر سے یا اس کے مال سے اس بتا پر ابو بکر خاں صاحب کو لینا بشرط جواز جائز ہوگا، اور وہ جواز کی شرط یہ ہے کہ بشیر کا نوٹ بیچنا حجت شرعیہ سے ثابت ہو، مثلاً دو شاہدوں کا معائنہ ہو یا دو شاہد یہ گواہی دیں کہ بشیر نے ہمارے رو برو اس بیع کا اقرار کیا تھا، یا بشیر کے ورثہ جو کہ مال موروث کے مالک ہیں اقرار کریں کہ بشیر نے بیچا تھا۔ اور اگر بعض اقرار کریں اور بعض نہ کریں یا بعض بالغ ہوں اور بعض نابالغ ہوں (اور نابالغ کا اقرار بھی صحیح نہیں) تو صرف مقرین بالغین کے حق میں حصہ رسد اقرار صحیح ہوگا، مثلاً مقرین بالغین کے حصہ میں دوثلث جائیداد ہو تو اس رقم نوٹ کا دوثلث اس جائیداد سے لے لیا جاوے گا، باقی میں کچھ اثر نہ ہوگا، اور اگر کوئی اقرار نہ کرے تو محض دستخط حجت شرعیہ نہیں، کیونکہ الحظ یشبہ الحظ مقرر عند الفقہاء ہے اور الاما استثنیٰ و ہذا لیس منہ کما لا یخفی علی اہل العلم، خلاصہ یہ ہے کہ اگر دو شاہد بشیر کی بیع یا اقرار بالبیع کی شہادت دیں یا ورثہ بالغین اقرار کریں تو ابو بکر خاں صاحب بتفصیل بالالے سکتے، ورنہ شرعاً خزانہ سے لے سکتے ہیں، مگر قانوناً کسی سے بھی نہیں لے سکتے، واللہ اعلم وعلیہ اتم واحکم،

اوائل رجب ۱۳۳۷ھ (حوادث اول ص ۱۰۲)

سوال (۳۸۳) کیا فرماتے ہیں علمائے اسلام اس صورت میں کہ مثلاً زید کی گائے چوری ہو گئی اور دریا عبور کرتے ہوئے وہ گائے کیچڑ میں پھنس گئی۔ اور جب چوروں سے نہ نکل سکی تو وہ ویسی ہی کیچڑ میں پھنسی ہوئی چھوڑ کر چلے گئے۔ ملاحوں نے اس گائے کو پھنسا ہوا پا کر نکال لی اور وہ گائے ملاحوں کے پاس ان کے مویشیوں میں جگل میں چرتی پھرتی رہی بیس دن پہینے تک جس مدت میں ان کے پاس وہ گائے رہی انھوں نے نہ تو تھانہ میں اطلاع دی اور نہ اس قصبہ کے باشندوں کو اطلاع دی کہ جس قصبہ کا داغ اور نشان گائے پر تھا باوجودیکہ یہ ملاح بوجہ قریب المسکن ہونے کے خوب سمجھتے تھے کہ یہ فلاں قصبہ کی گائے ہے، جب تلاش کرتے کرتے مالک کو گائے کی کیچڑ میں پھنس جانے اور ملاحوں کے نکالنے کا حال معلوم ہوا اور اس نے ملاحوں سے اپنی گائے طلب کی تو وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سے گم ہو گئی ہے مگر معلوم نہیں کہ فی الواقع ملاحوں سے گائے گم ہوئی یا انہوں نے خود ہضم کر لی۔ اب سوال یہ ہے کہ ملاحوں پر ضمان ہے یا نہیں۔

الجواب، فی الدر المختار فی اللقطہ فان اشہد علیہ بانہ اخذہ لیردہ علیہ ویکفیہ ان یقول من سمعتموہ ینشد لقطہ قد لویہ علی وعرف الی ان علم ان صاحبہا لا یطیلہا وادانہا تفسد ان لقیت کانت اما انتہ لم تضمن بلا تعد فلو لم یشہد مع التمكن منه اولو یعرفہا ضمن ان انکر ربہا اخذہ للرد و قبل الشانی قوله بيمينہ وبہ تاخذ حاوی اہم ملخصا۔ وفي رد المختار قوله فان اشہد علیہ ظاہر المبسوط اشتراط العدلين فتح۔ قوله مع التمكن منه ای من الاشہاد اما لو لم یجد من یشہد عند الرقم او نفاق انه لو اشہد عنده یاخذہ منه الظالم فترکہ لا یضمن قوله ان انکر ربہا اما لو صدق فلا ضمان اجبا عا بحی قوله وبہ تاخذ الخ وکذا ذکر الطحاوی کما فی الزہر عن الاتقان قال فی البحر فی الولو الجنیۃ محل الاختلاف فیما اذا اتفقا علی كونہا لقطۃ لکن اختلف اهل التقطہ للمالك اولاً اما اذا اختلفا فی كونہا لقطۃ فقال المالك اخذتها غصباً وقال الملتقط لقطۃ وخذ اخذتها لك فالملتقط ضامن بالاجماع۔ ج ۳ ص ۴۹۳، ۴۹۴۔ یہ گائے ملاحوں کے ہاتھ میں لقطہ ہے جس کی اطلاع نہ دینے کا اگر کوئی عذر معقول نہ ہو اور مالک گائے بھی اس کو قبول نہ کرے کہ تو نے مالک کو واپس کرنے کے لئے رکھی تھی تو اگر ملاح قسم کھالیں کہ ہم نے واپسی

کی بیعت سے رکھی تھی تو ضمان نہیں ہے ورنہ ضمان لازم ہے۔ یہ امام ابو یوسفؒ کے قول کے موافق حکم ہے اور یہی قول ماخوذ بہ ہے متاخرین کا۔ ۲۰ ربیع الثانی

کتاب العاریۃ

سوال (۲۸۴) خسریا خوشدامن نے بہو سے کچھ ظروف مستی و چینی بطلان عاریت بہو تھے۔ ضمان عاریت بتوئی استعمال کیواسطے لئے، اور تصریح بہو یا عاریت کی نہیں ہوئی، وہ لوگ ان کو استعمال کرتے رہے، پھر وہ بہو مر گئی اور شوہر اور والدین اور اطفال خرد سال بعض ہیار بعض محض لایعقل وارث چھوڑے اور ان میں سے بعض ظروف قبل موت و بعد موت مرحومہ شکستہ بھی ہو گئے، اب تین امر دریافت طلب ہیں، اول تو یہ کہ یہ بہو کہا جاوے گا یا عاریت دوسرے یہ کہ بر تقدیر عاریت ہونے کے بعد موت مالک بھی خواہ باذن ورثہ یا بحکم اذن سابق موروثہ استعمال ظروف جائز ہے یا نہیں، تیسرے یہ کہ ظروف شکستہ کا ضمان بھی لازم ہے یا نہیں؟

الجواب، صورت مذکورہ ہر گاہ متردد ہے درمیان بہو و عاریت کے اور بہو کا کوئی قرینہ قوی موجود نہیں ضرورت عاریت پر محمول ہوگی، کیونکہ وہ ادنیٰ متیقن ہے، جیسا وقت تعارض بہو و ودیعت کے ودیعت پر حمل کیا جاتا ہے، لان الاعطاء بحمل الہبتہ لکن الودیۃ ادنیٰ و ہمتیقن، درمختار مع الشامی ج ۴ ص ۴۹۳، جب عاریت ہوتا ثابت ہو گیا تو عاریت موت معیر یا مستعیر سے باطل ہو جاتی ہے، اذامات المعیر والمستعیر تبطل العاریۃ خانیہ ۲ شامی، ج ۴ ص ۵۰۴، پس ورثہ سے دوبارہ عاریت لینا ضرور ہوا، ان میں سے شوہر اور والدین بنفس خود و طفل عاقل باذن پدر مختار عاریت دینے کے ہیں قولہ (رو فی حکم العبد الماذون) یملک الاعارة و کذا الصبی الماذون شامی ج ۴ ص ۵۰۶، پس ان کی اجازت تو ممکن ہے، البتہ طفل غیر ممیز نہ تو خود اجازت کا مجاز، نہ باپ کو اس کے مال کا عاریت دینا جائز، و لیس للاب اعارة مال طفله لعدم البدل و کذا القاضی دالوصی درمختار مع الشامی ج ۴ ص ۵۰۶، اور بوجہ مشترک ہونے کے بدون تقسیم اپنے حصہ کے مقدار میں بھی کسی کی اجازت صحیح نہیں پس قبل از تقسیم رد کرنا اس کا واجب ہے، اور جو ظروف بعد موت معیر شکستہ ہوئے ان کا ضمان تو قطعاً آویگا، کیونکہ بعد بطلان ہتعارہ کے اس کا حکم مثل غصب کے ہوا، کہ تلف سے ضمان واجب ہے، اور قبل موت حالت بقا اعادہ میں جو تعدی اور غفلت سے منع ہوا

اس کا ضمان لازم ہے ورنہ نہیں۔ ولا تضمن بالہلاک من غیر تعدد وختار مع الشامی کتاب العاریت ج ۳ ص ۵۰۳
واللہ اعلم، یکم رمضان روز شنبہ سنہ ۱۴۱۸ھ (امداد الفتاویٰ جلد سوم)

کتاب الاجارہ

سوال (۲۸۵) مذہب قدامیس عبادات پر اجرت لینا دینا حرام ہے، ان حضرات کی دلیل کیا ہے، متاخرین نے کن کن عبادات پر اجرت جائز فرمائی ہے، اور مصلحت مجوزہ کیا تھی اور وہ مصلحت مجوزہ شاملہ ہے یا غیر شاملہ، اگر شاملہ ہے تو اخصاص بعض بعض کیوں، اور اگر غیر شاملہ ہے تو وہ کونسی ہے، یہاں زیارت قبور و صلوة جنازہ و تہلیل خوانی و قرآن خوانی بر قبور فاتحہ، ذبح، فتویٰ نویسی، فرائض نویسی، دستخط بر فتویٰ، فرائض شہادت و عقد و غیرہ عبادات پر اجرت لیتے ہیں، اور اجرت لینا دینا مشہور ہے، اس طرح پر اگر کسی جانب سے اجرت کا ذکر بھی نہ ہوتا، ہم اجرت دیتے ہیں، اگر نہ دیں تو خفا ہوتے ہیں کیسا ہے؟

الجواب، اصل مذہب یہ ہے کہ کسی طاعت مقصودہ پر اجرت لینا جائز نہیں، مگر جس طاعت میں دوام یا پابندی کی ضرورت ہے اور وہ شعار دین میں سے ہو کہ ان کے بند ہونے سے اغلال دین لازم آدے گا، اور ویسے کسی کو مہلت نہیں، ایسے امور کو اس کلیہ مستثنیٰ کر دیا ہو، اور ظاہر ہے کہ زیارت قبور و تہلیل خوانی، قرآن خوانی بر قبور فاتحہ کے متروک ہونے سے نظم دین میں کوئی غلل لازم نہیں آتا، اس لئے یہ اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا، علیٰ ہذا القیاس گواہی نہ دینے سے دین میں بے روتقی نہیں ہوتی، خود کا تم گنہگار ہوگا، دستخط میں کوئی مشقت نہیں، نہ شعار دین سے ہے، ذبح و عقد و فرائض نویسی میں البتہ بایں وجہ کہ عبادت مقصودہ میں سے نہیں گنجائش معلوم ہوتی، منصف طالب کے لئے اتنا کافی ہے، مگر علماء مجاہدین کے لئے با اثر سے بھی سکوت و قبول کی امید نہیں، اس لئے اس پر بس کیا گیا، فقط واللہ اعلم، اشرف علی عفی عنہ (امداد ص ۸۴ ج ۳)

السوال (۲۸۶) صاحب کس بکے چیز بدیدہ و بگوید کہ برائے من دعا بکنید جائز است یا نہ؟
الجواب، اگر عوض دعا دادہ است رشوت است و اگر مستقلاً درخواست دعا نمود حتیٰ کہ اگر معلوم شود کہ دعا، نخواہد کرد یا زہم ندیدہ مضائقہ نیست و اگر عوض دعا رد ادین مقصود نیست بلکہ

عوض خلیفہ است اگرچہ عقبش دعا ہم باشد جائز است ودعا تبعاً خواہد بود۔

۲۵ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ (النور ص ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ)

تحقیق مسئلہ مستفسرہ کجور | یہ معاملہ کہ نصف تاڑی ٹھیکہ دار لے لیوے، اور نصف مالک کو دیدے خود معاملہ باطل ہے، خواہ وہ تاڑی یا اس کا گڑ حلال ہو یا حرام، وجہ یہ کہ یہ معاملہ بیع ہی یا اجارہ اگر بیع ہے تو اول تو مجہول، ثانیاً موضع غریب میں مثل لین فی الضرع ثالثاً چونکہ دونوں بدل ایک شخص کی ملک ہیں اس لئے یہ بیع بیع الشئ بملک نفسہ ہے وہو باطل، کیونکہ بیع کی ماہیت مقتضی اس کی ہو کہ ایک بدل ملک بائع میں ہو اور دوسرا ملک مشتری میں، اور اگر اجارہ ہے جیسا کہ ظاہر ہے، سو یہ داخل فقیر الطمان ہی جس کا حاصل یہ ہے کہ جس اجرت کی تحصیل عامل کے عمل پر موقوف ہو اس کا اجرت مقرر کرنا بمقابلہ عمل اس عامل کے حرام ہی، اور یہاں ایسا ہی ہے، کیونکہ تحصیل اجرت یعنی نصف تاڑی کا موقوف اوپر استخراج اس شخص کے ہے اور یہ نصاً منع ہے، ثانیاً اجرت کا معلوم ہونا واجب ہے، اور یہاں مجہول المقدار ہے، غرض یہ معاملہ کسی عقد صحیح میں داخل نہیں اس لئے باطل ہے، اب رہی تحقیق حلت و حرمت اس کی اور اس کے گڑ کی سو یہ امر تو ظاہر ہے کہ قبل سکروہ حلال ہے اور بعد سکروہ حرام و نجس، اور انقلاب ماہیت و زوال سکروہ سبب حلت، پس اگر گڑ پکا کر بنایا جائے بدون اس کے کہ اس میں کوئی شے مخلوط ہو جیسے نیشکر کا بنتا ہے وہ حلال ہو جاوے گا، اور حکم اس کا مثل مثلث کے ہے اور اگر کسی چیز نجس کے مخلوط کر کے بناتے ہوں سو چونکہ خلط بالنجس موجب نجاست ہے وہ مرکب نجس و حرام رہے گا، اور اس صورت میں قلب ماہیت مفید نہیں جیسے دقیق معجون بالنجس حرام ہے، خواہ اس کی روٹی مسکرنہ ہو بوجہ نجس کے فلکا ہذا، قائل، حاصل یہ کہ اگر گڑ حلال بھی ہو تب بھی یہ عقد باطل و حرام ہے، اور وجہ حرمت کی مختصر سکر میں نہیں جو دفع اس کا مستلزم رفع حرمت کو ہو بلکہ وجوہ حرمت متعدد ہیں، اور یہاں وہ حرمت موجود ہے کما مر سابقاً فقط،

(امداد ص ۲۹ ج ۳)

تحقیق معصیت بودن اجارہ فاسدہ | سوال (۲۸۷) آجکل اجارہ فاسد بہ کثرت رائج ہیں مثلاً مطابیع میں تصبیح و کتابت وغیرہ کا ایک خاص دستور ہے اس کے موافق اجرت مل جاتی ہے اور کچھ طے نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات اجیر کو بوجہ ناواقفیت کچھ بھی معلوم نہیں ہوتا، اس خیال پر کہ جو کچھ دیدیں گے لے لوں گا، کام کیا کرتا ہے، اس کے علاوہ اور اجارات رائج زمان، ان کے متعلق دریافت طلب یہ ہے کہ اجارہ فاسدہ کا اثر صرف دنیوی ہے یعنی اجرت ملنا اور دوسرا

اجر کسی کا نہ ملنا یا کچھ اخروی اثر بھی ہے یعنی استحقاق عقوبت و گناہ و جنت و جہنم وغیرہ ،
الجواب ، تصریحاً نظر سے نہیں گذرنا مگر غالباً معصیت سے خالی نہیں لارکاب
 المنہی عنہ اور اجرت میں جنت نہیں آتا مشروعیت با صلہ وان کان غیر مشروع بوصفہ والشرع علم
 ۱۸ ربيع الاول ۱۳۳۵ھ (امداد ص ۵۰ ج ۳)

تحقیق اجرت زانیہ | سوال (۲۸۸) شامی ص ۲۸ ج ۲ فاس میں ہے وفی غرر الافکار
 عن المحیط ما اخذتہ الزانیۃ ان کان یعقد الاجارۃ فخلال عذابی حنیفۃ لان اجر المثل فی الاجارۃ
 الفاسدۃ طیب وان کان الکسب حراماً وحرماً عندہما وان کان بغیر عقد فحرام اتفاقاً لانہما
 اخذتہ بغیر حق اھ ، تعجب ہے زانیہ جو روپیہ بعد اجارہ کسب کرے وہ طیب ہو حالانکہ صریح
 لفظ حدیث مہربانی حرام کہہ رہا ہے ، اس سے بڑھ کر اور یہ بات ہے کہ درمختار مکہ و نیز دیگر
 متون و شروح میں ہے لا تصح الاجارۃ بعسب التیس ولا لاجل المعاصی مثل الفنا والنوح
 والملاہی الخ علامہ شامی اسی کے قریب نقل کرتے ہیں ، وفی المغنی امرأۃ ناکتہ او صاحبۃ طبل
 او زمرۃ کتبت مالاً روتہ علی زبآن علموا ولا یتصدق بہ وان من غیر شرط فہو لہا قال الامام الاستاذ
 لا یطیب والمعروف کالمشروط اھ قلت و ہذا مما یتعین الاخذ بہ فی زماننا لعلمہم انہم لایذہبون الا
 باجر البتۃ اھ زمارہ وغیرہ کا مال تو طیب نہ ہو اور زنا کا کسب طیب ہو ، اس میں کیا توجیہ ہو سکتی
 ہے ، کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے ، اور روایت مذکورہ کو دیکھ کر بڑی حیرت ہے ، ادھر تو اتنی سختی اور
 ادھر اتنی مسابقت کہ حلال طیب اور مخالفت حدیث مزید برآں حضور اس مسئلہ کے متعلق
 ثانی جواب اور قول فیصل تحریر فرما دیں کہ تسکین ہو ،

الجواب ، حلت ما اخذتہ الزانیۃ کی علت فساد اجارہ کو ٹھہرایا ہے ، اور ظاہر ہے
 کہ فاسد کہتے ہیں مشروع با صلہ وغیر مشروع بوصفہ کو اور یہ بھی ظاہر ہے کہ زنا فعل محرم ہے
 اس کا اجارہ بوجہ حرمت معقود علیہ کے مشروع با صلہ نہیں ہو سکتا ، پس یہ یقینی دلیل ہے
 اس پر کہ مراد اس سے وہ صورت ہے کہ اجارہ ہو اسے فعل مباح پر مثل خبز و طبخ وغیرہما اور
 اس میں یہ شرط ٹھہرائی کہ تجھ سے زنا بھی کیا کریں گے ، چونکہ یہ مشروع با صلہ وغیر مشروع
 بوصفہ یعنی بشرط ہو یہ اجارہ فاسد ہوگا ، اس صورت میں جو اجرت ملے گی وہ حلال ہے ، چنانچہ
 یا تو جنت طریق کو خبیث مال میں مؤثر سمجھتے ہوں گے ، انہوں نے شرط کو شرط قرار دیا ہے
 اور امام صاحب نے تصحیح عقد کے واسطے اس کو شرط کہا ہے ، کہ عاقل بالغ کے تصرف کو

مہا ممکن صحیح کرنا اولیٰ ہے۔ اس وجہ سے اختلاف ہو گیا۔ اور بغیر عقد میں وہی عقد مباح مراد ہے، یعنی اگر عقد مباح ہوا ہی نہیں صرف زنا ہوتا رہا تو جو ماخوذ ہو گا وہ ماخوذ بالزنا گا اس لئے وہ حرام ہے، اگرچہ زنا کو معقود علیہ بھی نہ ٹھیرایا ہو، لان المعروف کا لشروط اور ما شاؤ کلا کہ خود زنا کو معقود علیہ بتا کر کوئی مسلمان اس کو اجارہ قاسدہ اور اس کی آمدنی کو طیب کہہ یقیناً وہ اجارہ باطلہ اور آمدنی اس کی حرام و ضیث ہی، اور امام صاحب کی تو بڑی شان ہے فقط واللہ اعلم
۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۵ھ (امداد صفحہ ۳)

مستفتی کا اس جواب پر شبہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، تاویل مسئلہ بہت خوب ہے مگر ذرا یہ شبہ ہے کہ بحوالہ ائق جلد ہشتم صفحہ ۲۲ میں ہے وفي المحيط ومهر البغی فی الحدیث ہوان یواجرا متہ علی الزنا وما اخذہ من المہر حرام عندہا وعند الامام ان اخذہ بغیر عقد بان زنی بامۃ ثم اعطاها شیئاً فہو حرام لانہ اخذتہ بغیر حق وان استاجرہا لیزنی بها ثم اعطاها مہرہا او ما شرط لہا لا باس یاخذہ لانہ فی اجارۃ قاسدۃ فیطیب لہ وان کان السبب حراما ما ام
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خاص زنا کے لئے اگر اجارہ واقع ہو تو اس میں اجر طیب ہے یہ بہت صاف ہے جیسا ارشاد ہو۔

الجواب۔ سرسری نظر میں واقعی شبہ قوی ہے، مگر ذرا غور کیا جائے تو خود تعلیل حکم کی لاندہ فی اجارۃ قاسدۃ اس کی توجیہ بتلا رہی ہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں مقدمے اجماعاً مسلم ہیں کہ (۱) زنا حرام بعینہ ہے اور (۲) جو معقود علیہ حرام بعینہ ہو وہ اجارہ باطلہ ہے، نہ قاسدہ پس جب اجارہ کو قاسدہ کہا ہے اس سے معلوم ہوا کہ معقود علیہ زنا کو نہیں ٹھیرایا، پس لامحالہ لیزنی بہا کو زنا کے معقود علیہ بتانے پر محمول کرنا صحیح نہ ہوگا، ورنہ کلام کے اول و آخر باہم متعارض ہوں گے جو ادنیٰ عاقل کے کلام میں بھی محتمل نہیں نہ کہ افاضل و اکابر فقہاء کے کلام میں ایسا واقع ہو بلکہ یہ لام غایت و غرض کا ہے، اور غرض کا غرض ہوتا تصریح غرضیت پر موقوف نہیں ہوتا بلکہ تعلق قصد کافی ہے مثلاً اسلمت لا دخل لجنۃ کی صحت میں یہ ضرور نہیں کہ اسلام کے وقت اس کا اشتراط بھی زبان سے کرے بلکہ محض قصد مراد ہے پس معنی اس کلام کے یہ ہوں گے کہ استیجار ہوا ہے مطلقاً جیسے اجیر خاص ہوتا ہے کہ تسلیم نفس معقود علیہ ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر آقا کوئی کام نہ لے مگر اجیر کی جانب سے تسلیم نفس پایا جاوے تو اجرت

واجب ہو جاتی ہے، پس اسی طرح کسی نے اُمّہ کو مثلاً اجیر خاص کے طور پر نوکر رکھا اور غرض و مقصود دل میں یہ رکھا کہ اس سے بدکاری کریں گے تو چونکہ معقود علیہ تسلیم نفس ہے لہذا اجارہ باطل نہ ہوگا، اور چونکہ یہ قرآن مقامیہ یا مقالیہ اس اجارہ میں یہ شرط بھی معلوم ہو اور المعروف کا لمشرط قاعدہ متقررہ ہے، پس جیسا صراحتہ معقود علیہ تسلیم نفس ہو اور اس میں ایسی شرط ہو تو بوجہ مشروع باصلہ وغیر مشروع بوضفہ ہونے کے اجارہ فاسد ہوتا ہے، اسی طرح یہاں بھی ہوگا بلکہ اگر ہم اس غرض کو مصرح تو لا بھی مان لیں تب بھی یہ توجیہ مذکورہ دافع اشکال ہے یعنی معقود علیہ مطلق تسلیم نفس کو کہا جائے اور اس میں اس غرض کی بھی تصریح کر دی تب بھی حسب تقریر مذکور یہ اجارہ فاسد ہوگا ہاں اگر قاص معقود علیہ اسی فعل خبیث کو بتائے تو مال کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں، رہا یہ کہ بغیر عقد کے کیوں حرام ہے تو وجہ اس کی یہ ہے کہ المعروف کا لمشرط جب اس کے کچھ عقد نہیں کیا اور پھر دیا، تو دلالت حال سے ظاہر ہے کہ اسی کے مقابلہ میں یہ بخلاف عقد مباح کے کہ تنصیص علی المباح پر دلالت اعطار علی الحرام کو ترجیح نہیں ہو سکتی لان الدلالة لا یفوق لصریح التوجیہ خلاف ظاہر معلوم ہو تب بھی بوجہ حدیث وقواعد فقہیہ اس کا ارتکاب لازم ہے ورنہ ہم کو ایک عبارت کا بمقابلہ حدیث وقواعد فقہیہ صحیحہ رو کر دیتا سہل ہوگا، والسلام

یکم جمادی الاخریٰ ۱۳۲۱ھ (امداد منہج ۳)

الْمَكْنُون

سر مکنون متعلق مسئلہ مذکورہ | وفي المقام سرّ دقیق عمیق ہو مبتنی بقول الامام لیسلم یذکرہ للخواص ولا تاذن لهم باذاعته للعوام او من كان مثلهم وانه یقتضی سبق مقدّمات الاولی فی الفتمہ و ذکر انه فی الخلاقیات للیہقی عن علیؑ وهو فی مسند ابی حنیفہ من مقسم عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادرؤا الحدود بالشبهات فیہ ایضاً فی اجماع فقہاء الامصار علی ان الحدود تدبر بالشبهات کفاية الثانية ان الشبهة كما فی الهدایۃ حقیقتہا ما يشبه الثابت لنفس الثابت الثالثة ان الاجارة كما قال الفقہاء عقد ترد علی ملک المتافع الرابعۃ فی سنن الدرمذی قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایما امرأة نکحت بغیر اذن ولیہا فتکاحها باطل فان دخل بها قلها المهر بها انتحل من فرجها دل الحد علی ان وجوب المهر لا یتانی بطلان العقد

اذا وجد شبهة ومن ثم قال علماء نان الوطی فی دار الاسلام لا یخلو عن حد او مهر
الخامسة ان ما وجب اعطاؤه لا یدل على ان لا یكون حراماً عليه والا لزم كون اعطاء الحرام
واجباً وهو باطل کیف واعطاء الحرام ليس بجائز فضلاً عن ان يكون واجباً اذا
تمهدت لك المقدمات فاعلم ان من استاجر امرأة لیزنی بها وجد ههنا صورة
الاجارة وان لم توجه حقیقتها لكون المعقود عليه حراماً العینه كما فی نکاح المحارم
وجد صورة النکاح وان لم یوجد حقیقتها فتتحقق شبهة الاجارة وترتب علیها
شبهة ملك المنافع بالمقدمة الثانية والثالثة فاندفع الحد بالمقدمة الاولى
فوجب العقر بالمقدمة الرابعة ولا یكون هذا العقر خبیثاً للمرءة وكذا من اعطته
للمقدمة الخامسة فالحكم بكونه حلالاً لیس من حیث كونه اجرة بل من حیث
كونه عقرًا یدل على العاقد والعقر وان قسر على بعض الاقوال بمهر المثل
لكن مهر المثل فی العقد الفاسد على ما فی الهدایة لا یزاد على المسمى عندنا خلافاً
لذکره قلذ الم یجیب فی الاستیجاد الا ما سبیه ومن ثم عبروا عنه بقوله ما اخذ^{ته}
او المهر او ما شرط لها ولم یسموه اجرة هذا اذا عقد الاجارة اما اذا العر استاجر بحیث
العقر فلا یكون الما خذ حلالاً لكون الحل مبنيًا على العقرية فلما انتفى المبني
انتفى المبني فبقی بدلاً محضاً عن الزنا اما الحديث الحاكم بكونه خبیثاً فجوابه
انه لما ثبت كونه مبنيًا بقى على الحديث الامر بدفع الحدود بالشبهات وجب
الجمع بین الحد یثین بجمل حرمة مهر البغی على ما اذا لم یوجد التعدد ولا
یبعد مثل هذا التخصیص اذا اضطر الى الجمع بین الاحادیث كما لا یخفى
على ذوی العلم ولها لم یعتبره الصحابان شبهة او جافیه الحد فلم یوجب العقد
فیكون الحكم فی العقد وغیره عندهما سواء كما اعتبر الامام نکاح المحارم شبهة
فی سقوط الحد ولم یعتبره ویؤید هذا كله ما فی الفقه ومن شبهة العقد ما اذا
استاجرها لیزنی بها ففعل لاحد علیه ویعزى وقالا ههنا والشافعی ومالك واحمد
یجدون عقد الاجارة لا یتبیح به البضع فصاركها لو استاجرها للطبخ ونحوه من
الاعمال ثم زنی بها فانه یجد اتفاقاً ولما ان المستوفى بالزنا المنفعة وهی المعقود
علیه فی الاجارة لکنه فی حکم العین قبل النظر الى الحقیقة یكون محلاً لعقد الاجارة

قاوڑث شہتہ بخلاف الاستیجار للطبخ ونحوہ لان العقد لم یضف الی المستوفی بالوطی والعقد المضاق الی محل یورث الشہتہ فیہ لانی محل اشتر فی الکافی لوقال امہرتک کذا لانی بک لم یجب الحد وھکذا لوقال استاجرک اوخذ ھذہ الدراہم لا طأبک والحق فی ھذا کلمہ وجوب الحد اذا المذکور معنی یعارضہ کتاب اللہ الزانیۃ والزانی فاجلدوا فاما المعنی الذی یفید ان فعل الزنا مع قولہ ازنی بک لا یحد معہ للفظۃ المہر معارض لہ ام وقد بان لك بقول الفقہ والحق ان القول بعدم وجوب الحد مرجوح فکذا القول بکون المال حلالاً الذی کان بناء علیہ وبالجملۃ لا یسم الاخذ بکون المال حلالاً لکن لا مسلغ للطعن علی الامام لانہ قال ما قال بالحدیث لا بالرأی وقد تأید ما قال بحدیث الترمذی المذکور فیما قبل حیث حکم بالبطلان وادجب المہر وھو مسقط للحد بالافتقار ھذا والله اعلم بالصواب فی کل باب - غرۃ جہادی الاخر ۳۲۲ د امداد ص ۵۵ ج ۳

جواز اجرت تاذین دامامت | سوال (۳۸۹) مجھے گوپال پیٹھی کی مسجد کی خدمت جاروب کشی وغیرہ تعین ثواب دیر حالت | آپ کشی اہتمام روشنی، اذان دہی اور مسجد کی دیکھ بھال کے لئے ماہانہ ماہوار لے کر ماہوار ہونے کے لئے یہاں کے ساکنان فرما رہے ہیں، اس بارے میں جیسا ارشاد ہو حسب عمل کیا جاوے گا، صاف صاف ارشاد ہو کہ ماہوار لیکر مؤذنی یا پیش امامی کرتا شرعاً جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہو تو روپیہ لینے کے باعث آخرت میں ان کاموں کا ثواب ملے گا، یا بوجہ ماہوار لینے کے ثواب زائل ہو جاوے گا؟

الجواب، جائز ہے اور اگر یہ نیت ہے کہ اگر مجھ کو اس سے زیادہ کہیں روپیہ ملا تو میں اس کو چھوڑ کر اس کو اختیار کر لوں گا، تب تو ثواب نہ ملے گا، اور اس کو اجرت محض کہا جاوے گا اور اگر یہ نیت رہے کہ زیادہ کے لئے بھی اس کو نہ چھوڑوں گا تو ثواب ضائع نہ ہوگا اور اس کو اجرت نہ کہا جاوے گا، بلکہ نفقہ، جس و کفایت مثل رزق قاضی کہا جائے گا،

۳ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ (متمہ ثالثہ ص ۹۷)

حکم عدم تعین اجرت | سوال (۲۹۰) ہمارا کام جو سلائی کا ہے اگر کپڑا بغیر سلائی ٹھہرائے وقت تعین رضا سی دیں اور جو کچھ سلائی وہ دے اس پر خوش ہو جائیں، وہ جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب، جائز ہے وقد ذکر الفقہاء نظیرہ عقد البیع بعد استہلاک المبیع والتاویل تاویل

۱۴ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۱۴۰)

سوال (۲۹۱) ہمارے یہاں مسجد کے واسطے پز اوہ لگوایا تھا اور نقص اجرت پز اوہ گر کہ ناتمام گذاشتہ بود پز اوہ گر سے یہ معاملہ ہوا تھا کہ فی ہزار خشت کا ایک روپیہ اجرت دی جاوے گی اور اس مدت وغیرہ ہمارا ہوگا، اور ان کی تہوانی اور پختگی کا جو کچھ تردد ہوگا وہ تمہارے ذمہ، یعنی پز اوہ گر کے، سواب جس وقت اینٹیں پز اوہ میں لگا چکا اور لگا کر آگ دے چکا، آگ دے کر اس کی دہائی میں کوتاہی کر کے اپنے گھر چلا گیا، بعد میں اس نے کچھ خبر نہ لی پس بوجہ دیباہی نہ ہونے کے اس میں ہوا مکمل گئی جب ہوا مکمل گئی پز اوہ بالکل خراب ہو گیا، اور ہم سے للعلیہ روپے لے گیا اس کے پچاس روپے چاہتے تھے، سواب ہم اگر اس کے باقی ماندہ روپے کو اور اس کے اسباب کو جو ہمارے یہاں چھوڑ گیا ہے ضبط کر لیں تو یہ جائز یا نہیں کیونکہ وہ تو دھوکہ دے کر ہمارے پز اوہ کو خراب کر گیا، اور چھوڑا اور ادھورا چھوڑ کر پھر بھی خبر نہ لی، اب شرع شریف کا جو حکم ہو اس سے اطلاع بخشیں،

الجواب، جتنا کام اجیر ہونے کی حیثیت سے اس کے ذمہ تھا پچاس روپے اس مجموعی کام کی اجرت تھی، جب عمل پورا نہیں ہوا اجرت پوری واجب نہ ہوگی مگر اس نے جتنا کام کیا، ہوا اس کی کوئی خاص اجرت نہ ٹھہری تھی کہ اگر دیباہی کم ہوگی تو اتنی اجرت دیں گے اور ایسی صورت میں شرعاً اجیر مل واجب ہوتا ہے، پس دو متدین تجربہ کاروں سے پوچھنا چاہئے کہ اگر مقرر کئے ہوئے کام میں اتنی کمی رہ جاوے تو کتنی اجرت کم ہو جانا چاہئے، اگر وہ چھ روپے یا زیادہ بتلاویں تو پھر اس بقیہ کا ضبط کر لینا جائز ہے اور یہ رقم اس کمی کے لئے کافی نہ ہو تو اسباب کا محسوس کر لینا جائز ہے، جب تک کہ اس سے وہ رقم وصول نہ ہو اس کا مالک ہو جانا اصل مذہب میں درست نہیں،

۲۱ رمضان ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۱۵۱)

سوال (۲۹۲) رسالہ الامداد میں ونیز پارسل رمضان میں میرے سنے اجرت بر شفاعت یہ امر قرار پایا تھا کہ اصل وکالت جائز ہے کہ وہ طاعت مختص بالمسلم نہیں اور اجرت لینا فقہار نے طاعت مختص بالمسلم پر حرام لکھا ہے اس لئے وکالت کی اجرت حلال ہے، اس بنا پر تو شفاعت وغیرہ پر اجرت لینا بھی حلال معلوم ہوتا ہو، کیونکہ وہ بھی مختص بالمسلم نہیں، کیونکہ وکالت جس طرح طاعت لغیرہ ہے اسی طرح شفاعت بھی تو طاعت لغیرہ ہے۔

الجواب، وجہ منع صرف اجرت علی الطاعة میں منحصر نہیں یہ بھی احد الوجوہ ہے، دوسری وجہ منع کی اس عمل کا غیر متقوم عند الشرع ہونا، جیسا فقہار نے اجارہ اشجار لتخفيف الثياب کو منع کہا ہے، پس شفاعت بھی شرعاً غیر متقوم ہے، لانه لو ينقل تقومہ، وتقوم المتافع بغير القياس فما لم ينقل لا يجوز القول بتقومہ وايضا فلا تعب في الشفاعة ولا يعطون الاجر عليها من حيث انه عمل فيه مشقة بل من انها مؤثرة بالوجاهة والوجاهة وصف غير متقوم فجعلوا اخذ الاجر عليها رشوةً وسحتاً والله اعلم،
۱۷ شوال ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۱۵۵)

حکم لائی متعارف **سوال (۲۹۳)** کھیتی کٹوانے میں آجکل یہی عرف ہے کہ کاٹنے والے کو اسی کھیت کٹے ہوئے سے کچھ دیدیے ہیں۔ پس یہ اجارہ بسبب جہالت اور اجرت ہونا اس چیز کا جو اجرت لینے والے کے ہاتھ سے تیار ہوئی ہے فاسد ہونا چاہئے۔ پس اس کے متعلق امور ذیل کا جواب ارشاد فرماویں۔ ۱۔ یہ اجارہ فاسد ہے یا نہیں اگر نہیں تو دلیل کیا ہے ۲۔ بنا بر فاسد ہونے اجارہ مسطورہ کے وہ اجرت کرنے والا اس اجرت کا بعد القبض مالک ہو جاتا ہے یا نہیں۔ ۳۔ بنا بر فاسد ہونے اجارہ مذکورہ کے کوئی چلہ جواز کا ہے یا نہیں، اس میں جو عموم بلوی ہے اس کا کچھ اعتبار ہو گا یا نہ،

الجواب، جہالت کی نسبت تو یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ مجہول محض نہیں ہوتا ایک اندازہ ہوتا ہے اور جہالت بسیر کو فقہانے مواضع کثیرہ میں عفو کیا ہے اور فقیر طمان کے شبہ کی یہ توجیہ ہو سکتی ہے بلکہ واقع بھی ہے کہ خواہ عملاً اسی محصور میں سے دیدیے ہوں مگر اس کی شرط تہیر ہوتی حتیٰ کہ اگر یوم سابق کے محصور میں سے کوئی اسی انداز سے دینے لگے کوئی انکار نہیں کرتا اس لئے میں اس عمل کو جائز سمجھتا ہوں۔ ۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۳ھ (تمتہ رابعہ ص ۱۶۱)

دفع بقرہ بر نصف نما **سوال (۲۹۴)** زید نے اپنا بچھڑا بکر کو دیا کہ تو اس کو بیدارش گے بعد جوان ہونے کے اس کی قیمت بکر کے ہم دونوں میں سو جو چاہو گا نصف قیمت دوسرے کو دے گے اسے رکھ لے گا، یا زید نے خالد کو ریوڑ سونپا اور معاہدہ کر لیا کہ اس کو بعد ختم سال پھر پڑتال لیں گے، جو اس میں اضافہ ہو گا وہ باہم تقسیم کر لیں گے، یہ دونوں عقد شرعاً جائز ہیں یا قیض طمان کے تحت میں ہو جیسا کہ عالمگیری جلد پنجم ص ۱۷۱ مطبوعہ احمدی میں ہے۔ دفع بقرہ الی رجل علی ان یعلقھا وما یکون من اللبن والثلث بینھما انصافاً والتجارة فاسدة۔

الجواب، کتب الی بعض الاصحاب من فتاویٰ ابن تیمیہ کتاب الاختیارات مانصہ، ولودفع دابتہ، اذ دخلہ الی من یقوم لہ ولہ جزء من نمائہ، صح وھو روایت عن احمد ج ۴ ص ۵۴ س ۱۴، پس حنفیہ کے قواعد پر تو یہ عقد ناجائز ہے، کما نقل فی السؤال عن عالمگیریہ لیکن بنا برنقل بعض اصحاب امام احمد کے نزدیک اس میں جواز کی گنجائش ہے، پس تحرزا حوط ہے، اور جہاں ابتلا، شدید ہو تو وسیع کیا جاسکتا ہے،

۲۵ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۵ھ (تمہ رابعہ ص ۴۵)

سوال (۲۹۵) ہمارے ملک سندھ میں لوگ دادن بعض پرندگان برائے پرورش کردن بر شرط شرکت در منافع دریائی سفید پرند پالتے ہیں، اس کی پشت کے پر تیس

روپے فی تولہ بیچتے ہیں، جو لاکھوں روپے کی تجارت ہوتی ہے، اور ان پرندوں میں اس طرح شرکت کرتے ہیں کہ کسی نے دوسو روپے کے پرند خرید کر کے کسی کو اس شرط پر دیئے کہ ان کا پالنا تیرے ذمہ یعنی فقط خدمت گذاری باقی خورش ان کی، پیدائش (آمدنی) سے اول نکال کر جو باقی پیداوار رہے گی، اس سے پہلے میرے دوسو ادا کئے جائیں گے، بعدہ جو ہوگا وہ دونوں نصفاً نصف ہوگا، باقی پرند روپے والے ہی کی ملک رہیں گے، ۳ یا بعد ادا دوسو کے خود پرندوں پر مع پیدائش (آمدنی) کے نصفاً نصف مالک کر دے تو جائز ہے یا نہیں، اگر ناجائز ہے تو کوئی صورت اس کے جواز کی بن سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب، یہ دونوں صورتیں نہ اجارہ ہیں نہ شرکت، لفقدان شروط طہا اور دوسرے عقود کا احتمال ہی نہیں اس لئے ناجائز ہیں، البتہ اس طرح جواز ہو سکتا ہے کہ مالک ان پرندوں کا نصف یا کم و بیش اس عامل کے ہاتھ فروخت کرے، اور جو منافع پیدا ہوں گے وہ دونوں میں مشترک ہوں گے، اس عامل کے حصہ کی قیمت یہ مالک اپنے ثمن میں لے لیا کرے، اور جب سب ثمن ادا ہو جاوے پھر منافع باہم تقسیم ہو جا یا کرے۔ لیکن اس صورت میں عامل پر جبر نہ ہوگا، کہ وہی خدمت کرے، وہ ہر وقت انکار کر سکتا ہے، اور اپنی خوشی سے کرتا رہے تو جائز ہے، ۲۸ رمضان ۱۳۳۵ھ (حوادث ۱، ۲، ص ۱۲۰)

سوال (۲۹۶) ہمارے یہاں قحط سالی کی وجہ سے سرکاری تالاب وغیرہ تردید در اجرت ٹھیکہ داران تالابوں و نہروں کے کام جاری کئے اور قاعدہ یہ نکلا ہے کہ کام ٹھیکہ داران کے سپرد کئے جائیں تاکہ وہ بکوشش تمام مزدوروں سے کام لیں اس لئے کہ قحط سالی

والے مزدور سرکاری کام سمجھ کر پورا کام نہیں کرتے ہیں، سرکار نے ٹھیکہ داران کو اندازہ بتلادیا، کہ یہ کام اس نرخ سے ہونا چاہئے اگر اس سے کم ہوگا تو ہم تم سے پیسہ کاٹ لیں گے، تم اپنے پاس سو مزدوروں کو پیسہ دے کر کام لو۔ جس قدر تمہارا پیسہ خرچ ہوگا ہم تم کو دیدیں گے، اور دس روپیہ فی صدی کمیشن بعوض تمہاری محنت کے اودیں گے بشرط مذکورہ بالا کہ اگر نرخ مقررہ سے کام ہوا، مزدوروں سے کام لیتے میں غلطی کی تو ہم اس کا پیسہ تم سے کاٹ لیں گے، صورت مسئلہ میں کسی قسم کا رپوا تو نہیں ایسا ٹھیکہ لیٹا درست ہے یا نہیں، بینو اتوجروا۔

الجواب، بعد تامل کے یہ ٹھیکہ دار اجیر مشترک معلوم ہوتے ہیں اس لئے کام کی تعیین تردید کے ساتھ جائز ہے کہ اگر اتنی مقدار سے کام ہوا تو یہ دیں گے اور اگر اتنی مقدار سے ہوا تو یہ دیں گے جیسا کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر قمیص سے گا تو اتنی اجرت اور اگر قبایہ سے گا تو اتنی اجرت اور دس روپیہ فی صدی جو کمیشن ہے اس کو بھی اجرت کا جزو کہا جاوے گا اس بنا پر اس کے عدم جواز کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ ۳۰ محرم ۱۳۳۵ھ (تمتہ رابعہ ص ۶۲)

تحقیق محسوب شدن یا نہ شدن وقت تامل | **سوال (۲۹۷)** جو سبق بندہ کو پڑھنا ہوتے در بعض مقامات سبق در اوقات مدرسه ہیں اس میں سب کو خارج اوقات میں دیکھ کر پڑھانا ضروری ہے یا جو دشوار ہوتے ہیں صرف انہی کو دیکھنا کافی ہے، ثانیاً یہ عرض ہے کہ اگر بڑے دیکھے آسان کتاب کو پڑھاتا ہوں تو بعض دن اس میں بھی بعض مضمون غور طلب آجاتا ہے، جسے تامل کرنے کی حاجت ہوتی ہے، نیز یہ بھی عرض ہے کہ میں اب تک یہ کرتا تھا کہ جو کتابیں بلا دیکھ کر پڑھائی نہ جاتیں ان کو دیکھتا تھا اور جو بلا دیکھے پڑھالیتا تھا گو تامل سے انھیں مطالعہ نہیں کرتا تھا، اس میں یہ بھی عرض ہے کہ اگر دیکھ کر پڑھاتا تو پڑھانے میں وقت کم صرف ہوتا بہ نسبت بلا دیکھے پڑھانے کے تو اس صورت میں میرے ذمہ مدرسہ کا حق باقی رہا یا نہیں، اور اس کی کس طرح تلافی ہو سکتی ہے اور اس بارہ میں کیا معمول رکھنا لازم ہے؟

الجواب، میرے نزدیک اس باب میں اس قاعدہ کو حکم قرار دیا جائے گا المعروف کاملہ شرط اور اس میں معروف وہی ہے جس کو آپ نے اس جملہ سے شروع کیا ہے کہ میں اب تک یہ کرتا تھا الخ پس ایسا کرنے میں مدرسہ کا کوئی حق آپ کے ذمہ نہیں ہے اور آئندہ بھی یہی معمول کافی ہے۔ ۱۴ شعبان ۱۳۳۵ھ (تمتہ خامسہ ص ۶۴)

حاشیہ کے ازاں علم | تفصیل اور توضیح اس کی کہ جو کتابیں مدرسہ بتامل قلیل مدرسہ میں بغیر مطالعہ

سابقہ پڑھاتا ہوا اس طرح کہ اگر مطالعہ کر لیتا تو مدرسہ کا وقت کم صرف ہوتا اب زیادہ صرف ہوتا ہے تو یہ نقصان مدرسہ کا صرف اس حد تک قابل اعتبار نہیں اور عفو ہے جہاں تک کہ عرف اس کو گوارا کرے، نہ مطلقاً مثلاً چھ گھنٹہ کے ایسے ہی چھ سبق ہوں اور اس میں تین گھنٹہ شامل میں گذریں تو یقیناً عرف اس کو گوارا نہ کرے گا، اور کہے گا کہ مکان پر مطالعہ کرو، لہذا اس کی تعیین ضروری ہے کہ کس قدر وقت عرفاً صورت مسئلہ میں عفو ہے، میرے نزدیک فی گھنٹہ دس بارہ منٹ معلوم ہوتا ہے۔

حکم نذرانہ بمقابلہ مہلت دادن در ادائے | سوال (۲۹۸) میں نے ایک عریضہ میں عرض
محصول زمین کیا تھا کہ کاشتکاروں سے نذرانہ وغیرہ لے کر ان کو لگان

ادا کر دینے میں مہلت دیدینا بغیر کسی قسم نقصان مالک کے کیسا ہی، اور اس قسم کا نذرانہ لیٹا جائز ہی یا نہیں، جناب نے اس کا کوئی جواب نہیں تحریر فرمایا تھا، اب مطلع فرمائیے گا،
جواب، شاید نظر سے چوک گیا ہو گا اب لکھتا ہوں کہ گو مالک کا نقصان نہ ہو مگر دیکھتا یہ ہے کہ آخر یہ رقم کس چیز کا معاوضہ ہے اور جس چیز کا معاوضہ ہے آیا وہ معاوضہ کے قابل ہی یا نہیں اس بارہ میں اپنی معلومات ظاہر کئے جاویں تو منفع جواب دیا جاوے،

جواب استفسار در سوال بالا، کاشتکاروں سے لگان وصول کرنے کے واسطے گورنمنٹ نے خریف کی قسط میں ۱۰ اپریل اور امسی اور ربیع کی قسط میں ۲۵ اکتوبر اور ۲۶ نومبر مقرر کر رکھی ہیں ان مقررہ تاریخوں کے گذرنے کے بعد زمیندار کو اختیار دیا گیا ہے کہ اگر کاشتکاران مقررہ تاریخوں پر روپیہ لگان کا کل ادا نہ کرے تو زمیندار عدالت میں نالش کر سکتا ہے بعض آدمی تو فوراً تاریخ گذرتے ہی نالش کر دیتے ہیں اور بعض نہیں کرتے۔ صاحب اکتوبر کے مہینے میں اپنے مواضع کا حساب مجھ سے سمجھتے ہیں اور سال بھر میں جو کچھ روپیہ جس کاشتکار وصول ہوتا ہے وہ میرے ہی پاس امانت میں رہتا ہے، خواہ تاریخ مقررہ وصول ہووے یا بعد میں ان کو اس کو کچھ روکار نہیں ہے، جو کاشتکار وقت پر یعنی تاریخ مقررہ پر روپیہ ادا نہیں کرتے ہیں تو وہ کاشتکار اپنی کارکن کو نالش کے خرچ سے بچنے کی غرض سے کچھ نذرانہ جو تخمیناً نالش کے عدالتی خرچ سے کم ہوتا ہے دیدیتے ہیں، اور خریف کا واجب الادا روپیہ ربیع میں دینے کے واسطے یا ربیع کا خریف میں دینے کے واسطے مہلت لیلیتے ہیں، کیونکہ کاشتکار یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر کارندہ نالش کر دے گا تو عدالت میں ہم زیادہ خرچ کے زیر بار ہوں گے، اور کارندہ بھی ناخوش رہے گا، اور کارندہ کو دینے کی

حالت میں نالش کے خرچ میں بچت یقینی ہو جاتی ہے اور کارندہ بھی خوش رہتا ہے، تو اس قسم کا نذرہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب، جائز نہیں، یہ رقم بمقابلہ مہلت کے ہے، جو کہ حرام ہے اور نہ کارندہ کے ذمہ ہو کہ آقا کو اپنے پاس سے بلیاق کرے خواہ وصول ہو یا نہ ہو، اگر کارندہ اس ذمہ داری کو سبکدوش ہو جاوے تو پھر نذرانہ کی طرف اس کو التفات نہ رہے، لکھنؤ (تمہ خامسہ ص ۵۴)

دادن عمامہ و نقد خطیب را | سوال (۲۹۹) عید کے خطبہ میں ایک عمامہ کچھ نقد منجانب تحصیل اور ایک منجانب پولیس و تاضی صاحب کو دیا جایا کرتا ہے، ان میں سے ایک عمامہ قاضی صاحب مجھ کو دیا کرتے ہیں میں نے اس عمامہ کو آج تک سر پر باندھا نہیں ہے، دو عمامے کسی تقدستی ہیں ان کے استعمال کی شرعاً گنجائش ہو تو عید کو باندھوں ورنہ خیر؟

الجواب۔ اس میں چند اسباب اشتباہ کے ہو سکتے ہیں ہر ایک کے متعلق کلام کرتا ہوں اول بظاہر یہ اجرت طاعت پر معلوم ہوتی ہے لیکن عند التامل یہ اجرت نہیں ہو بلکہ اکرام ہے پس واقع میں یہ وجہ مانع نہیں ہو سکتی،

دوم جو دینے والے ہیں بوجہ اس کے کہ رسم سمجھ کر دیتے ہیں اور نہ دینے میں بدنامی کا اندیشہ کرتے ہیں اس لئے طیب قلب سے دینے میں شبہ قوی ہے اور ظاہر انتفا ہے، اور حلت مال کے شرائط میں سے طیب قلب معطی بھی ہے، واذافات الشرطقات المشروطیہ وجہ مانع قوی ہو سکتی ہے اور یہ وجہ خود پولیس اور تحصیل والوں کے دینے میں اور خود ایک امام کے دوسرے امام کو دینے میں مشترک اور عام ہے،

سوم دینے والے جس مال سے دیں وہ رقم جائز ہو مثل رشوت وغیرہ کے اس کا حکم یہ ہے کہ اگر معطی کا مال حلال غالب ہے تو یہ اشتباہ مانع نہیں، اور حلال غالب نہیں تو یہ اختلاط مانع ہو خلاصہ یہ ہے کہ فی نفسہ یہ دینا لینا جائز ہے اور وجہ اول منع موثر نہیں، اور وجہ سوم کا انتفار اگر یقینی یا مظنون ہو تو بھی موثر فی المنع نہیں، البتہ وجہ دوم قوی اور غالب الوقوع ہے، اس لئے یہ لینا دینا ممنوع لغیرہ اور مکروہ ہے اور خود لینا ہی بُرا ہے، خواہ استعمال بھی نہ کیا جائے والسلام

۴ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ (امداد ج ۲ ص ۱۷۷)

سوال (۳۰۰) اصلاح الرسوم کے آخری صفحہ پر گلے بھینس کا طیب بودن بچہ گاؤں درحق مالک اگر خرید کردہ باشد از پس دادن گاؤں و حصہ بچہ حصہ پر دینے کے معاملہ کو حرام لکھا ہے، اور اگر خدمت کنندہ کو وہ

جانور ملکیت ہو جاوے تو وہ ملکیت خبیث اور اس کی قربانی مردود نہ کی ہی، اب اس کے متعلق یہ سوال ہے کہ اگر وہ حصہ پر دیا ہو یا جانور خدمت کنندہ کے پاس نہ رہے، بلکہ اصل مالک خدمت کنندہ کا وہ حصہ خود خرید لے تو کیا پھر بھی وہ جانور ملکیت خبیث قرار دیا جا کر قابل قربانی نہ ہوگا، **جواب**، اس صورت میں اس انیور مشتری کے حق میں خبیث نہ ہوگا، نہ فعل کا نہ ملک کا

۵ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ (تمتہ خامسہ ص ۶۶)

سوال (۳۰۱) ہمارے یہاں جتنے سینے والے ہیں سب نے یہ مقرر کر رکھا **گرفتن و تقسیم کردن** ہے کہ جو کوئی شاگرد کرے اس شاگرد سے دس روپیہ کی مٹھائی لے کر سب سینے والوں کو تقسیم کرے چاہے وہ خوشی سے دے یا ناراضی سے دے مگر ضرور لینا چاہئے یہ روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، اس طرح جائز نہیں البتہ اگر یہ ٹھہر جاوے کہ اتنے روز تک اور اتنے وقت تک سکھانے کی اجرت ہم دس روپے یا دس روپے کی چیزیں گے اس طرح جائز ہے پھر اتنے دنوں سکھانا پڑے گا، مگر پھر یہ روپیہ یا چیز اس شخص کی ملک ہوگی تقسیم کرنا واجب نہیں بلکہ چونکہ دوسروں کا مالکنا ظلم ہے اور تقسیم اس ظلم کی اعانت ہے اس لئے تقسیم کے جواز میں بھی شبہ ہے، **قرب ۳۳۷ھ** (تمتہ خامسہ ص ۸۸)

سوال (۳۰۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ جو طلبہ **بایت ایام بیماری** اور مدرس مدرسہ اسلامیہ کے بیمار ہو جاویں ان کو ایام بیماری کی تنخواہ یا وظیفہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، ظاہر ایہ سوال متعلق چندہ کے ہے، سو اصل یہ ہے کہ ایسے اموال میں کسی تصرف کا جواز عدم جواز معطین اموال کی اذن و رضا پر موقوف ہے، اور ہتم مدرسہ ان معطین کا وکیل ہوتا ہے، پس وکیل کو جس تصرف کا اذن دیا گیا ہے وہ تصرف اس وکیل کو جائز ہے، سو جس ہتم نے مدرسین کو مقرر کیا ہے اگر اس ہتم کو معطین نے اس صورت کے متعلق کچھ اختیارات دیئے ہیں، اور ہتم نے ان مدرسین سے اس اختیار کے موافق کچھ شرائط کر لئے ہیں تب تو ان شرائط کے موافق تنخواہ لیتا جائز ہے، اسی طرح جو اختیارات و وظیفہ کے متعلق ہتم کو دیئے گئے ہیں ان کے موافق اس کا دینا لینا بھی جائز ہوگا، اور اگر تصریحاً اختیارات و شرائط نہیں ہوئے، لیکن مدرس کے قواعد مدون و معروف ہیں تو وہ بھی مثل مشروط کے ہوں گے، اور اگر نہ مصرح ہیں اور نہ معروف ہیں

تو دوسرے مدارس اسلامیہ میں جو معروف ہیں ان کا اتباع کیا جاوے گا اور اگر یہ آمدنی کسی وقف جائیداد کی ہے تو اس کا حکم دوسرا ہے فقط، ۱۵ صفر ۱۳۳۳ھ (تمہ خامسہ ص ۸۲)

تحقیق استحقاق تنخواہ | سوال (۳۰۳) مدرس بیمار ہو گیا ایام مرض کی تنخواہ کا مستحق ہو گا یا درایم مرض نہیں، اگر ہے اور اس نے نہیں لی تو لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب، اگر تالایا حالاً اہل چندہ کی رضا سمجھی جاوے تو یہ شرط ٹھہرانا درست ہے کہ ایام مرض کی تنخواہ دی جاوے گی ورنہ درست نہیں، پھر اگر شرط نہ ٹھہری تب تو استحقاق نہیں ہے اور اگر شرط ٹھہر گئی تھی تو وہ مستحق ہے، پھر اگر اہل چندہ کی رضا معلوم ہو تو چندہ سے دینا درست ہے ورنہ جس نے مدرس کو رکھا ہے وہ اپنے گھر سے دے۔ ۵ شعبان ۱۳۳۳ھ (حوادث اولیٰ ص ۹۱)

حکم تنخواہ ایام تعطیل و وضع تنخواہ | سوال (۳۰۴) عربی مدارس میں رمضان شریف کی تعطیل ہوتی ایام رخصت ہے تو اس کی تنخواہ کا بلا معاوضہ کام ہونا تو ظاہر ہے باقی وقت بھی مدرس اپنا وقت مدرسہ میں مجبوس نہیں رکھتا اس کی وجہ سے لے سکے اب لینا اس کو کیسے درست ہے اگر مدرسہ کے مہتمم کسی مدرس کو شعبان کی ۲۹ تاریخ کو مدرسہ کی ملازمت سے علیحدہ کر دے تو یہ مدرس رمضان کی تنخواہ کا مستحق ہے یا نہیں؟

مدرس مدرسہ میں بحال رہتے ہوئے رمضان کی تعطیل میں رمضان کی تنخواہ کا مستحق ہو گا جب سب رمضان ختم ہو جائے یا ختم شعبان پر؟

الجواب، تنخواہ تو ایام عمل ہی کی ہے مگر تعطیل کا زمانہ تبعاً ایام عمل کے ساتھ ملحق ہو تاکہ استراحت کر کے ایام عمل میں عمل کر سکے، اس سے سب اجزاکا جواب نکل آیا، اول کا یہ حکماً بلا معاوضہ کام کے نہیں، دوسرے کا یہ کہ شعبان کے ختم پر معزول ہو جانے سے تنخواہ نہ ملے گی اور عدم عزل میں رمضان کے ختم پر تنخواہ ملے گی بشرطیکہ شوال میں بھی کام کیا ہو۔ ۱۵ رمضان ۱۳۳۴ھ (تمہ خامسہ ص ۹۲)

سوال (۳۰۵) اواخر شعبان و اوائل شوال و تمام ماہ رمضان و دیگر ایام عید الضعی وغیرہ میں تعطیل ہوتی ہے، ان ایام کی تنخواہ کا مدرس مستحق ہے یا نہیں؟

الجواب، برضا اہل چندہ، چندہ سے دے سکتے ہیں ورنہ عدم اشتراط میں استحقاق نہیں، اور اشتراط میں بذمہ موجد واجب ہے جیسا کہ اوپر کے دو جوابوں میں مذکور ہوا۔

۵ شعبان ۱۳۳۲ھ (حوادث اول ص ۹۲)

سوال (۳۰۶) اور طلباء کو تعطیل کا مشاہرہ لیتا یا مہتمم کو لینا جائز یا نہیں؟

الجواب، المعروف بالشروط کے قاعدہ سے جائز ہے۔ ۴ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (حوادث ثانیہ ص ۱۵۶)
وضع تنخواہ ایام رخصت | **سوال (۳۰۷)** کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کو عمر و نے بمشاورہ بیس روپے ماہوار بر ملازم رکھا لیکن زید ملازم کو اپنی ضروریات کی وجہ سے رخصت کی ضرورت ہوئی، تو زید اپنے آقا عمر و سے اجازت حاصل کر کے گیا، جب مہینہ ختم ہوا اور تنخواہ ملنے کا وقت ہوا تو عمر و آقا نے زید ملازم کی تنخواہ سے ان ایام کی تنخواہ کہ جن ایام میں وہ اجازت حاصل کر کے گیا تھا وضع کر لی، جب زید نے اس بارہ میں کچھ کہنا چاہا تو عمر و نے یہ جواب دیا کہ ہمارے یہاں سال میں ایک ماہ کی رخصت ملتی ہے خواہ بیماری ہو یا شادی ہو یا غمی یا دیگر قانہ داری کی ضرورت ہو اس سے زیادہ رخصت نہیں مل سکتی اور زید نے عمر و کو ملازم رکھتے وقت کوئی قاعدہ طے نہیں کیا، اور چند سال تک کسی قسم کی کوئی بات ظہور میں بھی نہ آئی، لیکن چند سال کے بعد عمر و نے اسی زید کے ساتھ متذکرہ بالا قواعد کی پابندی شروع کر دی، جب زید نے عمر و آقا کو یہ عذر پیش کیا کہ ساہمے گذشتہ میں اس قاعدہ کا آپ نے کیوں نہیں برتاؤ کیا تو عمر و نے یہ جواب دیا کہ ہم کو اختیار ہے اب ہم رعایت نہیں کرتے، جب ہم رعایت کرتے تھے یہ صورت شرعاً جائز نہیں تھی؟
الجواب، جائز ہے، اور رخصت کی تنخواہ دینا جب کہ کوئی شرط نہ ٹھہری ہو تبرع اور احسان ہے، البتہ اگر کچھ شرط ٹھہر چا دے یا ایسا عرف عام ہو کہ سب اس میں متفق ہوں کہ وہ بھی بمنزلہ شرط کے ہے، تو اس وقت اس شرط پر عمل کرنا واجب ہے فقط۔

۲۹ رجب ۱۳۳۲ھ (حوادث اول ص ۱۰۸)

تحقیقی استحقاق اجرت زمانہ | **سوال (۳۰۸)** اگر مدارس اسلامیہ میں مدرسین کے لئے ایک ماہ رخصت رعایتی مدرسین کی رعایتی رخصت کا اعلان ہے جس ماہ میں تعلیم نہیں ہوئی کس طرح وہ تنخواہ کے مستحق ہو سکتے ہیں، مہتمم یا اہل شوریٰ ایسے قواعد مقرر کر سکتے ہیں یا نہیں؟
الجواب، مہتمم و اہل شوریٰ وکیل ہیں اہل چندہ کے، پس اگر بتصریح یا بقرائن اس قانون پر اہل چندہ کو اطلاع اور ان کی رضا ثابت ہو تو چندہ سے تنخواہ دینا جائز ہے ورنہ ناجائز، اگر رضا نہ ہو اور شرط ہو تو جس نے مدرس کو نوکر رکھا ہے وہ اپنے پاس سے دے،

۵ اشعبان ۱۳۳۲ھ (امداد جلد سوم ص ۴۵ و حوادث اول ص ۹۱)

حکم زمین مورد وثیقہ | **سوال (۳۰۹)** اگر مورد وثیقہ دار منود ہوں تو ان سے فیس اور کھانا بلا تقیید کسی طریقت کی لے لیتا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، مجھ کو تو مسلمان ہی کا سا حکم معلوم ہوتا ہے، کیونکہ یہ عقود فاسدہ بالترافی سے نہیں جو تفاوت ہو، یہ تو غضب ہے جو سب کے لئے حرام ہے۔ ۲۴ جمادی الثانی، ۱۳۳۳ھ (تمہ فائزہ)

سوال (۳۱۰) جس زمین کو کوئی کاشتکار بارہ سال تک کاشت کرے تو قانون سرکاری سے اس کو ایک حق حاصل ہو جاتا ہے، کہ اس اراضی سے بے دخل وغیرہ نہیں ہو سکتا، پس کاشتکار کا اس زمین کو اپنے قبضہ میں رکھنا اور اس منفعہ ہونا جائز ہے یا نہیں اور للشر خیرات کرنا اور امید ثواب کی رکھنا یا کسی کو ہدیہ دینا اس آئندہ سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ فی کتاب الغصب من الہدایۃ ومن غصب عہداً استغله

فمنقصت الغلۃ فعلیہ التقصان ویصدق بالغلۃ ۱۵ اس سے معلوم ہوا کہ شے مغصوبہ جتنا نفع ہوتا ہے اس سے انتفاع اس غاصب کو درست نہیں، اور جب یہ غاصب ہے تو اس لئے جس قدر اس کا خرچ ہوا ہے اس قدر تو پیداوار میں سے رکھ سکتا ہے، اور جو زائد نفع ہوا ہے اس کا نہ تو خود استعمال درست ہے، نہ کسی کو ہدیہ وغیرہ دینا اس میں سے جائز ہے، بلکہ مالک زمین کی طرف سے غیب محتاجوں کو دیدے، اور خود امید ثواب کی نہ رکھے، یہ تو پیداوار کا حکم ہوا، اور زمین کے لئے یہ حکم ہے کہ آئندہ کے لئے اس کو چھوڑ دے، ورنہ ظلم و غصب کے گناہ میں مبتلا رہے گا، واللہ اعلم، ۳۱ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (امداد ج ۳ ص ۸۵)

سوال (۳۱۱) بکر زید کا موردی کاشتکار ہے، بکر نے مرتہن بھی حکم میں غاصب کے ہے موردی کھیت کو عمرو کے یہاں مبلغ چالیس روپے پر رہن رکھا ہے اب عمرو خود موردی کھیت مرہونہ کو کاشت کرنے لگا، زرنگان کھیت کا اصل مالک زید کو دیتا ہے جیسا کہ بکر زید کو دیا کرتا تھا،

(۱) تو عمرو کو رہن رکھ لینا جائز ہو گا یا نہیں (۲) اگر عمرو اللہ تعالیٰ کے خوف سے چالیس روپیہ تک نفع حاصل کرنے کے بعد بکر کو کھیت واپس کر دے تب بھی عند اللہ ما خود ہو گا یا نہیں (۳) اگر عمرو نے چالیس روپیہ سے زیادہ نفع حاصل کر لیا ہے تو یہ زائد کس کو دینا چاہئے، زید کو یا بکر کو کہ عند اللہ ما خود نہ ہو یا اس زائد کی معافی کرنا چاہئے، تو کس سے کراوے زید سے یا بکر سے (۴) اب عمرو معاملہ رہن کے ختم ہو جانے کے بعد پھر اس کھیت کو کاشت کرتا چاہتا ہے، اور بکر رضا مند ہے، اب عمرو کو اس قسم کی کاشت ٹھیکہ کرنا درست ہو گا یا نہیں (جب کہ زرنگان اصل مالک زید کو دے اور کچھ منافع بکر کو) اگر درست ہو گا تو کس طرح آیا اصل مالک کو

راضی کرنے کی ضرورت ہوگی، یا صرف بکری رضا مندی کافی ہے؟

الجواب۔ بکری و وجہ سے غاصب ہے، اول دعویٰ موروثیت کی وجہ سے، دوسرے اس ترین کو رہن رکھ دینے کی وجہ سے جس کا اس کو شرعاً اختیار نہیں، اور غاصب سے عاریت یا اجارہ یا رہن لینے والا حکم میں غاصب کے ہے، اور غاصب کا حکم یہ ہے کہ بقدر اپنے اس المال کے شے معضوب سے نفع حاصل کر سکتا ہے زیادہ نہیں، اس سے سب سوالوں کا جواب نکل آیا، چرخی طور پر بھی نقل کئے دیتا ہوں (۱) جائز نہیں (۲) اصل معاملہ میں مستحق مواخذہ ہو اور اس سے چونکہ زائد وصول نہیں کیا، اس حیثیت سے قابل مواخذہ نہیں (۳) اگر توقع ہو کہ بکری زائد اصل کو زید کی طرف واپس کر دے گا تو عمر ویہ زیادت بکری کو دیدے ورنہ زید کو دینا چاہئے، اور معافی بھی زید سے چاہئے، (۴) چونکہ بکری غاصب سے اس لئے اس سے کوئی معاملہ درست نہیں اگر اصل مالک راضی ہو جاوے تو پھر کل زرنگان اصل مالک ہی کو دینا چاہئے۔ واللہ اعلم

۱۔ اجماعی الاولیٰ ۳۲۲ھ (تمہ اولیٰ قص و حوادث اومص ۴۱)

حکم حق موروثی | سوال (۳۱۲) انگریزی قانون کے مطابق جو زمین بارہ برس تک کسی کاشتکار کے قبضہ میں رہے تو اس زمین پر کاشتکار کا حق مقابضت ثابت ہو جاتا ہے، یعنی زمیندار کو نہ اس زمین کے بیچنے کا مجاز ہے نہ مالگداری معینہ کے بڑھانے کا بلکہ بیچنے کا مجاز کاشتکار کو حاصل ہوتا ہے یہ حق شرعاً کاشتکار کو حاصل ہے یا نہیں، بعد بیع بیع مشتری کی ملک ہوگی یا نہیں؟

الجواب۔ اس کاشتکار کو کوئی حق شرعی حاصل نہیں ہوتا ہے، اگر ایسے کاشتکار کو کوئی

خریدے گا تو وہ مشتری بھی مالک نہ ہوگا، ۱۸ ربيع الثانی ۱۳۳۳ھ (حوادث اومص ۱۸)

برہن قبول کردن زمین خود | سوال (۳۱۳) بعض کاشتکار موروثی اپنی کاشت کو بضرورت

از کاشتکار موروثی خود کسی مہاجن وغیرہ سے روپیہ لیکر کاشت موروثی کو رہن کر دیتے ہیں

اور مرتہن منافع کاشت موروثی کا لیتا ہے، ایسی صورت میں اگر بجائے اس کے کہ کاشتکار موروثی غیر شخص کے پاس روپیہ لیکر کاشت کو رہن کرے، اگر زمیندار اپنے پاس سے روپیہ دے کر اس کاشت کو خود رہن کر لے، تو ایسی حالت میں زمیندار مرتہن کو منافع کاشت کاشتکار موروثی مباح ہوگا یا مثل دیگر رہن کے یہ منافع لینا بھی اس کے حق میں حرام ہے، اور زمیندار عموماً جو کاشت موروثی اپنے پاس رہن رکھتے ہیں اس کی چار صورتیں ہیں۔

(۱) کبھی کل کاشت کا خود تردد کرتے ہیں (۲) کبھی خود جزو کاشت کرتے ہیں، اور جزو

اسی کاشتکار یا دوسرے کاشتکار کو دیتے ہیں (۲) کل کاشت مرہونہ دوسرے کاشتکار کو دیتے ہیں اور لگان خود وصول کرتے ہیں (۳) کبھی جہلم کاشت راہن کے حوالہ کرتے ہیں اور لگان زائد وصول کرتے ہیں۔

الجواب، یہ موردی جو بلا رضائے مالک حق کاشت کا دعویٰ کرتا ہے، غاصب ہی، اور مالک کو ہر حیلہ سے اس سے اپنی زمین کا استرداد اور اس زمین سے انتقل جو مشروع ہو جائز ہی پس گویہ رہن اس لئے باطل ہے کہ اول تو حق کاشت کوئی حق مالی نہیں، اور مرہون کا حق مالی ہونا شرط ہے، دوسرے اس لئے کہ مرہن خود ہی مالک ہے، اور مرہن کا غیر مالک ہونا شرط ہے، وقد عللوا بطلان بیع المرہن من الراہن بان ملکہ باق کن فی رد المحتار ج ۵ ص ۵۷۵ لیکن اس باطل ہونے کے معنی یہ ہیں کہ کالعدم ہے، نہ یہ کہ گناہ ہی، بہر حال اگر بہ بہانہ رہن اس سے اپنی زمین لے لی، تب بھی درست ہوا، اور جو جو انتقل اپنی زمین سے شرعاً مباح ہے اس صورت میں بھی مباح ہوگا، چنانچہ سوال میں جو چار صورتیں لکھی ہیں، وہ سب درست ہیں، البتہ اس رہن رکھنے میں جو مالک زمین نے اس کاشتکار کو بعنوان زر رہن روپیہ دیا ہے وہ شرعاً رشوت ہے، جس کا بلا ضرورت دینا حرام تھا، لیکن اس نے اپنے استخلاص حق کے لئے بجبوری دیا ہے، اس لئے اس کا بھی گناہ نہیں ہوا، ۲ صفر ۱۳۳۳ھ (حوادث ثالث ص ۱۳۱)

سوال (۳۱۴) اگر کوئی شخص موردی زمین نکلنے کی وجہ سے موردی برائے استخلاص حق خود دادہ مجبوراً کاشتکار کو روپیہ دے کر اپنی زمین کو اس سے علیحدہ کرے، تو اس شخص کو حق ہے کہ اتنا روپیہ کسی ذریعہ سے وصول کرے یا نہیں، آیا اس روپیہ دینے کو بہرہ بالاکراہ میں داخل کر کے مثل بیع صحیح کہا جاوے گا یا نہیں؟

الجواب، یہ رشوت میں داخل ہے اور درمختار میں ہے الرشوة کاتملک بالقبض اس لئے اس روپیہ کا استرداد کسی حیلہ سے جائز ہے، اشرف علی، ۲ شعبان ۱۳۳۳ھ (حوادث ثالث ص ۱۳۱) **سوال** (۳۱۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ بعد بیع کردن بدست زمیندار میں کہ سرکار انگریزی ایک اراضی کی مالک تھی، کاشتکار اس میں زراعت کرتے تھے، اور لگان سرکار کو ادا کرتے تھے، بعد کو سرکار نے اس اراضی کو اسی لگان کی حیثیت پر بحالت موردیثیت کاشتکاران زمینداروں کو فروخت کر دی، پس اس وقت تک ان کاشتکاران کی موردیثیت کاشت چلی آتی ہے، مگر لگان موردیثیت میں ۵ اور

۲۰ کی نسبت ہے، اس صورت میں عند الشرع بھی حق کاشتکاری بہ لگان قدیمی ان کاشتکاروں کا ہے یا نہیں؟ اور مالک زمین کو ان کو بے دخل کر دینے کا اختیار ہے یا نہیں؟ بیٹو! تو جروا۔

الجواب، جب سرکار نے وہ زمین زمینداروں کے ہاتھ فروخت کر دی اب یہ زمین رضا مندی زمیندار جدید کے کاشتکار کو اس زمین کا استعمال کرنا بنا بر استحقاق قدیم کو جائز نہیں، ۲۵ محرم ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۱۲۶)

سوال (۳۱۶) ایک اراضی قانون انگریزی سے موروثی حکم کاشت زمین موروثی بعد اجازت مالک ہو گئی ہے، اس میں تین بھائی شریک ہیں، ایک شخص مستعفی ہونا چاہتا ہے، لیکن قانوناً جب تک تینوں اشخاص کے دستخط نہ ہوں استعفا نہیں ہو سکتا، اور تینوں رضا مند نہیں ہیں، تو ایک شخص کو اگر مالک زمین کچھ اضافہ پر یا اسی دین پر دیویں تو اس شخص کو اس زمین کی کاشت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب، جواب مسئلہ کا یہ ہے کہ جائز ہے، لیکن ضروری ہے کہ ایک استغفے کا مضمون لکھ کر مالک کو دیدے، کہ اس شخص کی قدرت میں اتنا ہی ہے، ممکن ہے کسی وقت کسی طریق پر وہی سادہ تحریر کام دیدے، فقط۔ رجب ۱۳۳۳ھ (تمتہ خامسہ ص ۶۳)

سوال (۳۱۷) بعد سلام مسنون، والا نامہ ارسال خدمت وصول حق واجب خود از کاشتکار موروثی ہے، اور اس کے جواب میں التماس ہے کہ (سوال) مالک زمین اپنا حق جس کو انھوں نے غصب کر رکھا ہے ملج (جواب) حق مالک زمین جس کو کاشتکار موروثی نے غصب کر رکھا ہے وہ یہ ہے کہ موروثی کاشتکار کے پاس مثلاً جو زمین ایک روپیہ فی بیگہہ کر ایہ پر ہے واقع میں وہ زمین اگر اس کے پاس موروثی نہ ہوتی تو چار روپیہ فی بیگہہ اس سے وصول ہوتا، تو صورت مذکورہ میں مالک زمین کے تین روپیہ فی بیگہہ کا حق کاشتکار موروثی نے غصب کر رکھا ہے (سوال) اور وہ وصول کس طرح ہو جاوے گا؟

(جواب) صورت وصول یہ ہے کہ مثلاً اگر کسی کاشتکار موروثی نے تین سال تک روپیہ لگان ادا نہیں کیا تو مالک زمین کو یہ جائز ہے یا نہیں کہ وہ تین سال کا اس قدر روپیہ کہ در صورت سود ہوتا، بعنوان سود خود یا بذریعہ عدالت وصول کر لے، اور سود مقصود نہ ہو، بلکہ اپنے اس حق کا وصول کرنا مقصود ہو جو کہ کاشتکار مذکور نے غصب کر رکھا ہے، جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے، بیٹو! تو جروا؟

الجواب، اس طرح سے وصول کرنا درست نہیں، کیونکہ کوئی عقد نہیں پایا گیا، جس سے تعین ہو جاوے کہ اس قدر حق واجب ہے، البتہ اس کی ایک صورت ہو وہ یہ کہ صورت مذکورہ میں مالک اس کا شتکار سے ایک دفعہ یہ کہدے کہ میں ایک روپیہ فی بیگہ کرایہ زمین پر راضی نہیں ہوں بلکہ چار روپیہ فی بیگہ لوں گا یا تو چھوڑ دے اور نہیں تو چار روپیہ بیگہ لوں گا، اس کے بعد اگر وہ نہ چھوڑے گا تو اس کے ذمہ یہ کرایہ واجب ہو جاوے گا پھر بطریق مذکورہ سوال اس سے وصول کرنا جائز ہے،

۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (حوادث ۱ و ۲ ص ۱۳۳)

سوال (۳۱۸) گورنمنٹ کا قانون ہے کہ جس زمیندار کی زمین جو شخص ایک دفعہ بھی بولیوے وہ اس کی موروثی ہو جاتی ہے زمیندار کو حق نہیں رہتا کہ وہ کسی دوسرے شخص کو کاشت کے لئے دیدے اور کاشتکار کو حق ہوتا ہے کہ وہ حاکم کی یہاں درخواست دیکر اگر لگان غلہ ہے تو وہ روپیہ کر لے اس طرح فی من ایک روپیہ ہو جاتا ہے مثلاً اگر کسی زمین کا لگان غلہ ہے تو اس کے سہ روپے ہو جاویں گے اس میں زمیندار کو بہت زیادہ نقصان ہوتا ہے لیکن اس کاشتکار کے درخواست دینے سے غلہ کے روپیہ اس وقت ہوں گے جبکہ اس کے ذمہ کچھ بقایا نہ ہو ورنہ زمیندار کا جب جی چاہے لگان کا دعویٰ کرے جس کی ادائیگی کی ایک میعاد مقرر ہو جائے یا کرتی ہے اور اس میعاد میں لگان ادا نہ کرنے سے کاشتکار زمین سے بیدخل ہو جاتا ہے اور زمیندار کو کلی تصرفات کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ زمیندار اگر اس نقصان سے محفوظ رہنے کے لئے صورت ذیل اختیار کر لے تو اس کے لئے شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

چونکہ کاشتکار کا درخواست دے کر غلہ سے روپیہ کرانا اس کے ساتھ مشروط ہے کہ اس کے ذمہ بقایا نہ ہو اس لئے زید نے اس کی یہ تدبیر سوچی ہے کہ کاشتکار سے لگان کو وصول کر لیا کرے اور اس کو رسید نہ دیا کرے اور جب کاشتکار قانون ناجائز مذکور بالا کو استعمال کرنا چاہے تو اس کی تین برس کی نالاش اور اپنا قرض کاشتکار کے ذمہ ثابت کر دے کیونکہ وقت تحصیل لگان اس کو رسید نہیں دی تھی اور بغیر وصول رسید ادائیگی لگان قانوناً غیر معتبر ہے۔

سہ تین برس کی تفتید اس لئے ہے کہ گورنمنٹ کا قانون ہے کہ اگر کسی شخص کا لگان کسی کو ذمہ ہو تو وہ اس سے صرف تین سال وصول کر سکتا ہے اس سے زیادہ دنوں کا نہیں اس کی میعاد نکل جاتی ہے ۱۲ منہ محمد احمد غفرلہ

لہذا جب کا شتکار کے ذمہ تین سال کا لگان ثابت ہو جاوے گا اور وہ اس کو ایک دم قلیل مدت میں ادا نہ کر سکے گا تو زمین سے بیدخل ہو جاوے گا، چونکہ اس صورت میں جھوٹ بولنا بہتر تاہم اور جھوٹا وعدہ کا شتکار کے ذمہ کیا جاتا ہے اس لئے اس کے جواز میں شک ہے اور عموماً اس صورت میں جھوٹے وعدے وغیرہ کی نوبت بہت ہی کم آتی ہے کیونکہ کا شتکار پر دباؤ رہتا ہے رسید نہ ہونے کی وجہ سے اور وہ کچھ نہیں کرتا۔ والسلام

الجواب، جائز ہے مگر اس کا فتویٰ ایسے شخص کو نہ دیا جاوے جو کا شتکار سے مکرر وصول کر لے یا وصول ہونے کے بعد اس کو واپس نہ کرے۔ اور شبہ کا جواب یہ ہے کہ زمیندار کا شتکار کے اس دعوے استحقاق میں مظلوم ہے اور ظلم کے دفع کے لئے ایسا کرتا ہے۔

۲۷ رجب ۱۳۲۹ھ

وجوب تحقیق اراضی در صورت اعتماد کا شتکار بر بیان مالک | سوال (۳۱۹) ایک کا شتکار کو ایک عدم وجوب آں در صورت رضا مندی آں کی پیشی ارضی | قطعہ اراضی کا پٹہ بقید نمبر و رقبہ و لگان بہ زرند مبلغ پانچ روپے بیگہ دیا گیا، پٹہ میں جو زمیندار کی طرف سے کا شتکار کو دیا جاتا ہے، یہ شرط بھی منجملہ اور شرائط کے درج ہے کہ کسی پیشی اراضی کی صورت میں لگان بحساب مبلغ پانچ روپے بیگہ کم و بیش کیا جاوے چونکہ محال کچھار ہے، اراضی کی کمی و بیشی کا احتمال رہتا ہے، اس وجہ سے یہ شرط لکھ دی جاتی ہے، اب ادائے لگان کے وقت کا شتکار نے لگان طے شدہ بلا کسی عند و دباؤ کے ادا کیا، یعنی اراضی کی کمی بیشی کا کوئی عذر نہیں کیا، بلکہ جو لگان با خود ہلے ہو چکا تھا وہ ادا کیا، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا زمیندار کو محض اپنے اس شبہ پر کہ ممکن ہو اراضی موقع پر کم و بیش ہو تو شرعاً اس کے ذمہ اس اراضی کی جانچ یعنی صحیح رقبہ کیا ہے، ضروری ہے یا نہیں، اور اگر رضا مندی کا شتکار لگان وصول ہو گیا، اور اراضی کے متعلق کوئی جانچ کمی بیشی کی نہیں کی گئی تو وہ رقم لگان حلال ہے یا نہیں، اور اس کو اپنے صرف میں لانا جائز ہے یا نہیں،

الجواب، اگر کا شتکار نے رضا مندی سے دیا ہو اور قرائن سے معلوم ہو گیا کہ زمیندار پر اعتماد نہیں کیا بلکہ کمی بیشی پر بھی راضی ہے تب تو درست ہے، اور اگر قرائن سے معلوم ہو کہ زمیندار کے بیان پر اعتماد کیا ہے تو اس صورت میں جانچ ضروری ہے، سوال ۳۳۳ (تمتہ خامسہ ص ۱۰۰)

عدم جواز خطوط نویسی | سوال (۳۲۰) دفتر کے وقت میں ذاتی خط وغیرہ لکھنا چاہئے یا نہیں؟ | الجواب، نہیں، (تمتہ خامسہ ص ۲۳۴)

سوال (۳۲۱) مدرسہ کے وقت میں مدرس کو کوئی اپنا کام پیش آیا، اور اس در وقت ملازمت میں وہ مستحق کل تنخواہ کا ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب، مدرسہ عقد اجارہ ہے اگر باہم معاہدہ اجارہ کے وقت وقت کی تخصیص ہوئی ہو کہ فلاں وقت میں کام کرنا ہوگا تو دوسرے وقت کام کرنے سے مستحق اجر کا نہیں ہے، اور اگر صرف مقدار معین ہوئی اور تخصیص نہیں ہوئی تو مستحق اجر ہے، فقط،

۱۵ شعبان ۱۳۲۹ھ (امداد جلد ۳ ص ۵۴، حوادث ۲ ص ۹۱)

سوال (۳۲۲) ایک ملازم جو اپنی ملازمت کے علاوہ کام کرنا اور اس کی اجرت لینا دوسرا کام خواہ اپنے متعلق یا غیر متعلق علاوہ فرائض منصبی کے اس کا وہ معاوضہ یا حق المحنت لینے کا مجاز ہے یا نہیں؟

نمبر ۲ کوئی ملازم اپنے آقا کے بلا علم یا اس کی مرضی کے خلاف دوسرا کام اپنے مفاد کا ان اوقات میں جو اس کی نوکری کے علاوہ ہیں کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب، اگر نوکری کے اوقات معین ہیں تو دوسرے اوقات میں ملازم کو اپنا کام کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ کام آقا کے کام میں مغل نہ ہو، اور اگر نوکری کے اوقات معین نہیں ہیں تو بلا اجازت آقا کے اپنا کام یا دوسرے کام کرنا جائز نہیں،

۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۴۸)

سوال (۳۲۳) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مولانا برائے اجیرت میں انہٹوی نے مولانا صاحب صدر المدین مدرسہ ہذا سے زبانی کہا

تھا کہ میرے ایک شاگرد اسلام نگر کے رہنے والے نے جو معززہ پر حیدر آباد دکن میں ملازم ہیں کہا تھا کہ میں تمہارے لئے مائے ہوار کچھ اور اپنے پاس سے اور کچھ چندہ کر کے بھیجتا رہوں گا آپ کسی اور جگہ تشریف نہ لے جا دیں، ایک جگہ رہ کر تعلیم دیں اور یہ روپیہ مائے ہوار کسی امین کے پاس جمع ہوتا رہے گا، آپ کو اختیار ہوگا کہ جس قدر مناسب ہوگا آپ اس میں سے مائے ہوار خرچ لیتے رہیں پچانچہ شاگرد صاحب یہ رقم قصبہ انہٹوی میں امین کے پاس جمع کرانے لگے ہیں، اور میں اس میں سے موافق ضرورت کے خرچ لیتا رہتا ہوں، اگر مدرسہ کے سرپرستوں کی رائے ہووے تو میں اس رقم کو مدرسہ میں منتقل کر دوں، اور یہیں رہ کر تعلیم دوں، اور بچوں کی نگرانی کر دوں، اس کے

بارہ میں مولانا... صاحب نے زبانی حضرت مولانا صاحب سے کہا تھا، زبانی شاہ صاحب نے منظور فرمایا تھا، پھر ایک عریفہ بھیجا گیا، اس پر مولانا صاحب نے یہ تحریر فرمائی ہے جو خدمت والا میں ارسال ہے، مولانا صاحب کو ابتدائی تعلیم کا انتظام اچھا آتا ہے، اور اس کے ساتھ بہت دلچسپی ہے، اگر مناسب ہو تو مقرر فرمائے جاویں، اور علاوہ رقم موصولہ کے مدرسے سے صرف دس روپیہ ماہوار ملتے رہیں، اور رقم کے اندر ان کو اختیار خرچ کا رہے گا، جس طرح چاہیں گے خرچ کریں، جیسے ارشاد ہو تعمیل کی جاوے۔

الجواب، مخدومی السلام علیکم ورحمۃ اللہ، مجھ کو اس میں ایک شبہ ہے اگر وہ رفع ہو جائے تو یہ صورت بہت مستحسن ہے، پھر مگر مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں اس میں احتمال غائب یہ ہے کہ یہ خدمت بمقابلہ تعلیم کے کرنا مقصود ہے، محض تبرع نہیں تو یہ صورت اجیر خاص کی ہوگی اور اجیر خاص کو دوسرے کا عمل کرنا اور اس عمل کی اس سے اجرت لینا جائز نہیں، اگر مدرسہ کی جانب سے تبرعاً دیا جاوے تو یہ مدرسہ والوں کو جائز نہیں، اس کی اصلاح ہو سکتی ہے ان صاحب کو اس تمام ترجیح ویز کی اطلاع کر دی جاوے اور لکھ دیا جاوے کہ تعلیم کا کام مثلاً اس مدرسے میں کروں گا، اور نگرانی کا کام مثلاً مدرسہ کی جانب سے کروں گا، اور اس کا عوض مدرسے لوں گا، اور وہ صاحب بھی شرکاء چندہ کو اس کی اطلاع کر دیں، یا ان کی طرف سے وہ وکیل مطلق کر دئے جاویں، اور میرے نزدیک قطع نظر اس شبہ فقہیہ کے ان کو اطلاع کرنے میں یہ بھی مصلحت ہو کہ اگر اور کسی ذریعہ سے ان صاحب کو خبر پہنچی کہ اس کے علاوہ مدرسہ سے بھی لیتے ہیں، تو خواہ مخواہ بزرگوں پر گمان حرص کا ہوگا جس کا اثر اور ثمرہ سب کے لئے بُرا ہے، والسلام، ۴ صفر ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۳۳)

سوال (۳۲۴) کسی نادار الوجود جانور کو پر دے میں رکھ کر لوگوں کو فیس گرفتن برنظارہ | **جالتور عجیب** ایک دو پیلیہ لیکر دکھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، فی الدار المقادیر لا تصح اجارۃ لدا بئہ لیجبتہا ولا یرکبہا ولا یرکبہا جل ان یربطہا علی باب دارہ لیراہا الناس فیقال لہ فرس الی قولہ لما قد منان ہذا منفعتہ غیر مقصودۃ من العین و اذا فسدت فلا اجواز ص ۲۲۱، باب ما یجوز من الاجارۃ اس روایت کی بنا پر صورت مسئلہ میں پیسے لیتا جائز نہیں الا ان بقصد اجارۃ ذاک البیت لتلك الساعة لدخولها وهو بعيد كما ترى - ۱۲ شعبان ۱۳۳۳ھ (حوادث خامسہ ص ۹)

سوال (۳۲۵) ایک شخص کے پاس جو ریلوے کا ملازم ہے دو آدمیوں
 بایں حیلہ کہ ملازم اوست کا پاس بلا ہوا ہے کیا ہر شخص جس کو دیکھا جاتا ہے جا سکتا ہے شرعاً کوئی
 جرم تو نہیں ہے؟ جبکہ وہ یہ کہہ دینگا کہ یہ میرا آدمی ہے، خواہ اس آدمی کا ہو یا نہ ہو، افسر ریلوے اسکو نہیں
 پکڑ سکتا ہے نہ کوئی جرم ہے، شبہ اس وجہ سے ہے کہ جب اس کا خاص آدمی نہیں ہے محض دوست یا رشتہ دار
 ہے تو شاید شرعاً اس آدمی کو جانا جائز نہ ہو؟

الجواب، واقعی جائز نہیں، (حوادث خامسہ ص ۱۷)

سوال (۳۲۶) رجعت القاب و آداب (عرض ہو کہ ہم ایک انگریز
 از مال مسروقتہ ادا کر دے شود کے گھریں نوکری کرتے ہیں، اور ایک خانساں ہے جو کہ بازار کرتا ہے
 اور بازار کے پیسہ میں چوری کرتا ہے، اور وہی پیسہ ہم کو دیتا ہے، اور یہ چوری کی بات صاحب جانتا ہے
 تو کیا یہ پیسہ ہمارے لئے جائز ہے یا نہیں، اور خود انگریز حکم دیتا ہے کہ دو روپی چوری کا پیسہ) تو اسیں
 کو کسی بات پر عمل کیا جاوے؟

یہاں سے یہ تنقیح کی گئی

جب تم انگریز کے نوکر ہو تو تنخواہ انگریز کے پیسہ سے ملتا چاہئے، خانساں کے پیسہ کیسی ملتی
 ہے، یہ بات سمجھ میں نہیں آئی، اس کو صاف لکھو تو جواب دیا جاوے،

تنقیح کا یہ جواب آیا!

پیسہ صاحب کا ہے، فقط صاحب پیسہ بازار کرنے کو دیتا ہے، اور خانساں اس میں سے
 چوری کرتا ہے اور صاحب ہم لوگوں کو تنخواہ جدا دیتا ہے۔

یہاں سے اس کا یہ جواب دیا گیا

مطلب اب بھی صاف نہیں ہوا، شاید یہ مطلب ہے کہ انگریز سب کام بذریعہ خانساں کے
 لیتا ہے، یعنی سودا بھی خانساں ہی سے منگاتا ہے، اور جو دام وہ بتلا دیتا ہے، انگریز دیکھتا ہے
 اور اسی طرح تمہاری تنخواہ دینے کو بھی اسی خانساں سے کہہ دیتا ہے، پھر حساب معلوم ہونے کے بعد
 وہ تنخواہ بھی اس کو بیباق کر دیتا ہے، تو وہ خانساں جو تنخواہ دیتا ہے وہ اس چوری کے پیسے
 سے دیتا ہے جس کو روزمرہ کے سودے میں سے چراتا ہے، سو اگر یہی مطلب ہے تو اس کا جواب یہ ہے
 کہ چونکہ وہ پیسہ اسی انگریز کا ہے تو تنخواہ انگریز ہی کے پیسہ سے ملی اس لئے تم کو حلال ہے، کیونکہ
 وہ پیسہ خانساں کے حق میں حرام ہے نہ کہ اس انگریز کے حق میں اور اسی طرح وہ انگریز جس کو

دلالت اس کے حق میں بھی حرام نہیں، اور اگر کچھ اور مطلب ہے تو صاف لکھو،

۲۸ سوال ۳۳۳ (حوادث خاصہ ص ۱۸)

سوال (۳۲۷) حکم عہدہ قضائے نکاح | حضور عالی درین روزگار عہدہ قضائے عالمگیریت

و مولویان بخوابش تمام اختیاری کنند این عہدہ جائز است یا نہ و نیز گورنمنٹ قانون نافذ ساختہ کہ در ہر دلیل نکاح یا طلاق یک روپیہ فیس گرفتہ شود لیکن قاضیان زائد از مقدار معین می گیرند و بعض قاضی می گویند کہ قانون سرکاری در حلت و حرمت مؤثر نیست چہ حلت شرعی است نہ سرکاری و نیز می گویند کہ ملایان در خواندن نکاح دوسہ روپیہ جبرائی گیرند و این باتفاق علماء درست است و جبری نکاح نیز از ہمیں قبیل است پس چرا جائز نخواہد شد، امید کہ جواب مرحمت فرمایند، بینو اتوجروا
الجواب من مولانا محمد اسحاق، اجرت نکاح خوانی مثل اجرت دیگر امور

مباح است نہ این استیجار علی الطاعہ است و نہ استیجار علی المعصیت کہ ناجائز باشد پس اگر بر تراضی طرفین اجرتے مقرر شود بشرطیکہ در ان جبر و اثر و جابہت و غیرہ نہ باشد جائز است لیکن نکاح خوانان طریقہ جبر و تعدی و تاذی اختیار نمودند لہذا مفسد ہا بر پائی شوند و غریب رعایا بجاں می آیند لہذا حکام وقت نکاح خوانی را تحت ضابطہ آوردہ شخصیکہ بزعم ایشان معتبری دانند، چند در بہات یا محلات متعلق می کنند کہ ساکنان آنجا خواهند کہ انبے ضابطگی فلاں فلاں کسان دستکاری می خواہند پس فلاں شخص را طلبیدہ جبری نکاح کنند و با ضابطہ رسید و غیرہ گیرند کہ اگر نوبت بخصومت رسید یا واقعہ پیش آید بذریعہ ہی سرکاری اثباتش معتبر نباشد با قاضی معتمد مدوش کند و ہر گاہ مقصود رفاہ عام است، و از عدم تجدید اجرت سلوک طریق جبر و تعدی ممکن بود لہذا فیس نکاح مقرر شدہ کہ عام رعایا آگاہ شدہ بسہولت با انجام دہی امر قادر شوند و تجدید فیس از روی فقہ نیز درست است چنانچہ در قسمت

اموال فی الہدایہ ص ۳۹ کتاب القسمة و ینبغی للقاضی ان ینصب قاسما بوزن من بیت المال یقسم بین الناس لغير اجولان القسمة من جنس عمل القضاء من حیث یتہم بہ قطع المناذعہ قاشبہ اذ ذاق القاضی فان لم یفعل نصب قاسما یقسم بالاجرم معناه باجور علی المتقاسمین لان النفع لہم علی الخصوص وقد راجع مثله کیلا یتحکم بالزیادۃ الخ

پس غرضہ را کہ مد نظر داشتہ احدث این عہدہ شدہ یعنی از اثر و جابہت خویش قضاۃ اجرت نہ گیرند بلکہ ازین ممنوع اند پس قضاۃ زمانہ برخلاف آن روز پس علاوہ طلب موضوع و خلاف بزی حکام مخالف روایت فقہی نیز درست پس آناں کہ از فیس مقرر زائد می گیرند اگر آن را بالمیلد نفس امارت نکاح

می دہند (و این تقریباً مفقود است) جائز شدن میتواند و اگر بغیر طیب نفس از اثر دو جاہت خود زنا جرت مقررہ زائد می گیرند همانا کہ رشوت است پس اگر این عہدہ قضا را کہ حسب قانون ایجاد شد قضاة زمانہ جائز می چندان پس آثارش کہ مترتب بر آن است چنانست کہ حالیکہ عہدہ و فیس ہر دو از قانون سرکاری مستفاد شدہ پس قانون درجوازی این عہدہ مؤثر باشد و برعکس کہ ثمرہ آنست مؤثر نباشد چہ معنی دارد بہر حال قبول عہدہ قضا درست است و بر فیس معینہ کہ یک روپیہ است زیادہ گرفتن بغیر طیب نفس رشوت است۔ قال اللہ تعالیٰ یا ایہا الذین آمنوا لا تاكلوا اموالکم بیکہا بالباطل الا ان تكون تجارة عن تراض منکم واللہ اعلم،

تصحیح از صاحب فتویٰ

جواب صحیح است آری بعض اجزائے جواب قابل توضیح است،

قولہ ۱ فی الجواب اگر بہر ارضی طرفین الخ فی الحال مشاہدست کہ عاقد این اجارہ بقاضی ولی دختر می باشد و اجرت از زوج یا ولی او بجزئی دہاند۔

قولہ ۲ فی الجواب ساکتان آنجا اگر خواہند الخ فی الحال مشاہدست کہ اگر اہل معاملہ نخواہند تاہم قضاة یا نائبان ایشان بر آنان جبری کنند و درج ضبط کردہ بزور اجرت می گیرند و این حرام است، بچنین اگر دیگرے بکلیت خوانند ہم میگیرند خواہ نائب او باشد یا اجنبی و بچنین از نائب خود با وجود عدم عمل روپیہ میگیرند محض بر بنائے انابت و این صریح رشوت است۔

قولہ ۳ فی الجواب و عدم تحدید اجرت سلوک طریق الخ فی الحال این تحدید موجب تعدی شدہ کہ اگر اہل معاملہ بر آن مقدار راضی نباشند قضاة بجزئی گیرند و مثل آن دیگر مفاسد نیز هست پس اسلم و اسد للباب ہمین است کہ از قبول این عہدہ منع کردہ شود، ۹ ذیقعدہ ۱۳۳۳ (حوادث قاصص ۱۹)

عدم جواز نذرانہ در ترک کردن | سوال (۳۲۸) میں نے تین کاشتکار کو آراضی سے بیدخل کرنے کے لئے اور نالاش نہیں کی، اور یہ سوچ لیا ہے کہ اگر آئندہ اس پر نالاش کروں گا تو اس کا روپیہ واپس کروں گا ورنہ نہیں، اس میں مجھے شبہ ہے کہ جائز ہے یا ناجائز اگر ناجائز ہے تو ابھی واپس کروں گا،

الجواب، یہ ناجائز ہے مگر ایک تاویل سے جواز ہو سکتا ہے، وہ یہ کہ اس سے جواز جرت زمین میں موروثی ہو جاتی ہے، اور اس زمینداری میں چند شرکار بھی ہیں جب ان میں سے ایک کاشتکار کو خیر ہوئی تو اس نے مجھے دس روپے نذرانہ دیئے ہیں کہ مجھ کو بیدخل نہ کرو، چنانچہ میں نے دس روپے لئے اور نالاش نہیں کی، اور یہ سوچ لیا ہے کہ اگر آئندہ اس پر نالاش کروں گا تو اس کا روپیہ واپس کروں گا ورنہ نہیں، اس میں مجھے شبہ ہے کہ جائز ہے یا ناجائز اگر ناجائز ہے تو ابھی واپس کروں گا،

کی ٹھیری ہوئی ہے اس اجرت میں اتنی زیادت کر دے خواہ ایک ہی سال کے لئے

قرب ۳۳۴ھ (حوادث قاسمہ ص ۲۳)

ترجیح صورت ملازمت مدرسہ کہ جزو آمدنی آن محکمہ شراب | سوال (۳۲۹) سود لینے اور سود دینے
است برآن کہ کل آمدنی آن از سود است | دونوں کی سحت ممانعت آئی ہے مسئلہ ذیل میں

مقابلہ گوشتی صورت روزگار کے اعتبار سے اختیار کی جا سکتی ہے؟

۱۔ ایک شخص مدرسہ میں کسی ریاست کے ملازم ہے، والی ریاست نے ایک رقم کثیر سرکاری
بنک میں جمع کر دی، کہ اس کے سود سے اس مدرسہ کے اخراجات نکلتے ہیں، گو دوسری مدت سے امداد
آجاوے مگر مستقل آمدنی سود والی ہے،

۲۔ ایک دوسرا مدرسہ دوسری ریاست کا ہے، جس میں کوئی خاص آمدنی وقف نہیں کی گئی اور
تنخواہ ریاست کی سرکاری خزانہ سے دی جاتی ہے، جس میں محکمہ شراب کی بھی آمدنی شامل ہے، لیکن
آخر الذکر ریاست کے سکس کا تبادلہ اگر سکس انگریزی سے کرنا ضروری پڑے (مثلاً وطن کو روپیہ روانہ
کرنا ہے اور وہ انگریزی علاقہ میں ہے) اور اس کو اپنی تنخواہ کا قلیل حصہ کٹوا دینا پڑے، جس کو والی
ریاست اس کو پنشن دیتے وقت مع کچھ اضافہ کے واپس کرے جس کی نسبت یہ تصریح نہیں ہے کہ
وہ بنک میں جمع کیا جاتا ہے یا تجارت میں لگایا جاتا ہے، بدرجہ مجبوری اور روزگار نہ ہونے کی حالت میں
کون صورت قابل اختیار ہے،

الجواب، دوسری، ۲۸ شعبان ۱۳۳۴ھ (حوادث خامسہ ص ۲۷)

تحقیق استحقاق اجرت وقت | سوال (۳۳۰) مدرس مدرسہ میں آیا طلبہ بیمار ہیں یا بوجہ قلت سبق
غیر حاضری یا کمی طلبہ | تمام وقت مقررہ مدرسہ تعلیم میں مشغول نہیں تو اس صورت کل تنخواہ کا
مستحق ہوگا یا نہیں؟

الجواب، یہ اجیر خاص ہے تسلیم نفس سے استحقاق اجرت کا ہو جاوے گا، پس اگر یہ اس

وقت میں حاضر رہا تو مستحق ہے ورنہ نہیں، ۱۵ شعبان ۱۳۳۴ھ (حوادث اول ص ۹۱ و امداد ج ۳ ص ۵۴)

تحقیق استحقاق تنخواہ سہی چندہ | سوال (۳۳۱) مہتمم نے ایک ساعی چندہ کے لئے مقرر کیا، اور
درحالت عدم سہی | اس کی تنخواہ مقرر کی، اس کی سہی سے چندہ مقرر ہوا، اب وہ سہی جیسا کہ

پہلے کرتا تھا کہ سفر یا شہر میں جدید چندے مقرر کرائے نہیں کرتا، بلکہ محروم وغیرہ کی نگرانی وغیرہ کرتے ہیں، اور
جس وقت نگرانی کرتے ہیں اس وقت کی تنخواہ تعلیم وغیرہ ہی کی وہ لیتے ہیں پس اس صورت میں وہ

سعی چندے کی تنخواہ کے مستحق ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب، جب عمل نہیں استحقاق اجرت نہیں جیسا ظاہر ہے۔

۵ شعبان ۱۳۲۷ھ (حوادث اول ص ۹۲ د امداد جلد ۳ ص ۵۵)

سوال (۳۳۲) کاشتکار سے سرکاری معینہ رقم سوزیادہ وصول کرنا جواز اخذ اجرت اراضی زائد از تعیین سرکاری جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، اس سوال کے معنی جو میں سمجھا ہوں وہ یہ ہیں کہ زمیندار یعنی مالک زمین کو ملک نے کسی قانون سے یہ حکم کر دیا ہے کہ تم اپنی زمین کے کاشتکار سے اس قدر مقدار سے زیادہ لگان نہیں لے سکتے ہو، اگر یہی معنی ہیں تو جواب یہ ہے کہ اجرت ٹھیرانے کا استحقاق مالک کے ہوتے ہوئے غیر مالک کو نہیں ہے، اس لئے یہ حکم شرعاً غیر معتبر ہے، اور زمیندار کو بلاشبہ یہ حق حاصل ہے کہ کاشتکار کو مجبور کرے کہ ہم کو اس قدر لگان دینا ہوگا ورنہ ہم تم کو کاشت کی اجازت نہیں دیتے، اگر اس کے بعد وہ بڑھاوے گا تو زمیندار کے لئے حلال طیب ہے اور اگر اس نے نہ بڑھایا تو ایسی زمین کی کاشت سوزہ گنہگار ہوگا اور اگر سوال کا کچھ اور مطلب ہو تو اس کی توضیح کے بعد جواب ممکن ہے

۳۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۷ھ (امداد جلد سوم ص ۵۷)

تحقیق بعض احکام دلال **سوال** (۳۳۳) دلال اجیر مشترک ہے یا خاص (۲) بیع و شرا میں دلالی کا اجورہ کس قسم کا جائز ہے (۳) تیل اور چینی اور کپڑے کے تجارت مال آڑھت والے کو پاس بھیج دیتے ہیں آڑھت والا مال حفاظت سے اپنے مکان میں رکھتا ہے جب خریدار آجاتا ہے اس کو فروخت کر کے عڑ یا علم فی صدی رقم آڑھت کی جو مقرر ہے لے لیتا ہے آیا اس قسم کی اجرت درست ہو سکتی ہے (۴) کپڑے کی آڑھت والے کے پاس خریدار فرمائش لکھ کر بھیج دیتے ہیں، آڑھت والا فرمائش کے مطابق کپڑا خرید کر بھیج دیتا ہے اور حق آڑھت کا چھڑ فی صدی جو مقرر ہے لے لیتا ہے، آیا یہ درست ہے (۵) بعض جگہ دلالوں کی دلالی فی روپیہ ایک پیسہ مقرر ہے یعنی جتنے روپے کا کپڑا فروخت کر دیں فی روپیہ ایک پیسہ دلالی لے لیتے ہیں ایسی دلالی جائز ہے یا نہیں (۶) چینی کے دلال ہربیل میں ۲ دلالی پاتے ہیں یہ درست ہے یا نہیں۔ (۷) بعض جگہ یہ رسم ہے کہ وہاں کی قوم متفق ہو کر بعض شخص کو دلال مقرر کرتے ہیں، اور ان کے خیال میں وہ خاندانی دلال متصور ہوتا ہے، اور جتنی اولاد اس کے خاندان میں ہوتی ہے سب دلال کہی جاتی ہے، اور حق دلالی کا رکھتی ہے، کیا دلالی ایسی شے ہے کہ اس میں

توریت جاری ہو سکتی ہے، (۸) نکاح کی دلالی میں بعض لوگ اجرت دیتے لیتے ہیں یہ درست ہے یا نہیں۔
جواب، (۱) اجیر مشترک ہے (۲) یہ سوال سمجھ میں نہیں آیا (۳) فی شرح الطريقة
المحمدیۃ للخادمی الجزء الرابع منه عن لب الایحاء واما اعانتہ علی عمل معین المقولہ او مباحثا
تعب بحیث یجوز الاستیجار علیہ حل اخذہ وهو جعل اہ فی ردالمحتار عن جامع الفصولین
للقاضی ان یاخذ ما یجوز لغيرہ المقولہ حوازا اخذ الاجرة الزائدا وان کان المحمل مشقة قليلة
ونظرہم لمنفعة المکتوب لہ اہ قلت ولا یخرج ذلک عن اجرة مثله فان من تفرغ لہذا ^{لعمل}
کثقاب اللآی مثلا لا یاخذ الاجر علی قدر مشقة فائدہ لا یقوم بہو منہ دلوا الزمناہ ذلک
لزم ضیاع ہذہ الصنعة فکان ذلک اجر مثله اہ جلد خامس ص ۸۶، اس روایت سے
معلوم ہوا کہ چونکہ آرٹہت میں عمل اور مشقت موجود ہے اس لئے اجرت درست ہے (۴) جیسے
ادپر کی صورت میں بیع میں مشقت تھی، اس صورت میں اشتراک میں مشقت ہے لہذا اس میں بھی
اجرت درست ہے (۵) جب اس اجرت کا جواز ثابت ہو گیا، اور اس کے شرائط میں سے تعیین
اجر ہے، اور تعیین کی یہ بھی ایک صورت ہے اس لئے جائز معلوم ہوتا ہے (۶) اس میں بھی مثل نمبر
کے تعیین ہے لہذا درست معلوم ہوتا ہے (۷) دلالی عقد اجارہ ہے، اور اجارہ محل توریت نہیں چنانچہ
فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اگر موجر یا مستاجر مرجع اسے اجارہ فسخ ہو جاتا ہے، اس کے ورثہ قائم
مقام نہیں ہوتے، البتہ اگر اپنی خوشی سے پھر اسی شخص کی اولاد سے معاملہ رکھے یہ اور بات ہے، لیکن
جبر نہیں ہو سکتا، نہ موجر کی طرف سے نہ مستاجر کی طرف سے (۸) فی شرح الطريقة المحمدیۃ
بعد العبارة المذكورة فی غیور ما نصہ او لا تعب فیہ ککلمة او فعلتہ من ذی الجاہ حرم
اخذہ اذ لو ثبتت فی الشرع تعویض عن الجاہ، اس سے معلوم ہوا کہ جہاں اجرت بمقابلہ جاہ
کے ہو وہ حرام ہے اور نکاح میں یقیناً قبول قول ساعی موقوف ہے اس کی جاہ پر چنانچہ اگر کوئی
غیر ذی جاہ اس سے زیادہ سعی کرے اور کامیابی نہ ہو ہرگز اس کو اس قدر عوض نہ دیا جائے گا اور
جاہ شرع میں کوئی چیز قابل اجارہ نہیں، اس لئے یہ دلالی حرام ہے، ۱۶ شعبان ۱۳۲۲ھ۔

سوالات متعلقہ سوالات بالا

بندہ نے ماہ شعبان میں چند سوالات بھیجے تھے اس کا جواب آیا مگر شکوک نہیں زائل ہوئے
دلالی کے مسئلہ میں یہاں رائے مختلف ہیں، عبارتیں کتابوں کی اور شک پیدا کرتی ہیں اس وجہ سے

میں کتابوں کی عبارت نقل کر کے بالتفصیل اپنے شکوک عرض کرتا ہوں، امید کہ جواب ثانی سے سرفراز فرمایا جاؤں۔ توضیح سوال نمبر ۲: چونکہ عبارات منقولہ نمبر ۱ و ۲ و ۳ سے صاف ثابت ہو کہ بلا تعین مدت بیع و شرا کی دلالی ہمارے مذہب میں درست نہیں، اور جب تعین وقت ہوگی تو دلال اجیر مشترک نہیں رہ سکتا، بلکہ وہ اجیر خاص ہو گیا، اسی وجہ سے مجھے شبہ ہوتا ہے کہ دلال جب اجیر مشترک ہے تو بیع و شرا میں کس قسم کی دلالی اس کی جائز ہے، (توضیح سوال سوم) آڑھت دار اگر چہ مال اپنے مکان میں رکھتا ہے مگر اس کے لئے کوئی مدت معین نہیں بلکہ مجہول ہے اگر وہ ماہ تک مال فروخت نہ ہو تب بھی وہ سیکڑہ حق آڑھت لیتا ہے اور اگر ایک روز میں فروخت ہو بلکہ اسٹیشن پر قبل پہنچنے مکان آڑھت کے مال فروخت ہو جائے تب بھی اسی قدر آڑھت کی رقم لیتا ہے، اور اگر کہا جائے کہ وہ اجورہ مکان نہیں بلکہ دلالی ہو تو دلالی اس قسم کی بمذہب حنفیہ نادرست ٹھہرتی ہے جیسا کہ عبارت منقولہ سے واضح ہے، اس وجہ سے مجھے تامل ہوتا ہے کہ آڑھت کی رقم کو جائز کہوں یا ناجائز (توضیح نمبر ۴، ۵، ۶) چونکہ اس صورت میں تعین وقت نہیں ہے، بمذہب امام نادرست ہونا چاہئے چنانچہ عبارات منقولہ شاہد ہیں،

عبارات کتب معتبرہ

(۱) فتاویٰ قاضی خان ج ۳ ص ۵۳ میں ہے رجل امر سمساراً لیشتري له الكرابيس او دلالاً لیبيع له هذه الاثواب بددهم ولا يجوز هذه الاجارة لان البیع لا یتبر بالدلال وانما یتوبہ وبالمشتري ولا یدری متى یحیی المشتري فان ذکر لذلک وقکان ذکر الوقت اولاً ثم الاجرة بان قال استاجرک الیوم بددهم الیوم علی ان تبیع لی کذا اجاز وان ذکر الاجرة او لا ذکر الوقت بان قال استاجرک الیوم بددهم الیوم علی ان تبیع لی کذا وتشتري لایجوز و هذه ومسئلة تذریة الکدس سواء واذا فسدت الاجارة والعمل واتوا العمل کان له اجر مثله علی ما هو العرف فی اهل ذلک العمل و ذکر محمد الحیلۃ فی استیجار السمسار و قال یا مره ان یشتري شیئاً معلوماً ویبیع ولا یدکر له اجر اثر یواسی بشئاً اما هبتہ او جزاء عملہ فیجوز ذلک لیساس الحاجة کما جاز دخول الحمام باجرة غیر مقدرة ثم یعطى الاجر عند الخروج فکذا الرجل شرب الماء من السقاء ثم یعطى له فلساً او شیئاً وکذا الختان والحجام و... اخذ السمسار اجر مثله هل یطیب له ذلک اختلفوا فیہ قال الشیخ الامام المعرف بنحوها

یطیب له ذلك وهكذا عن غيره واليه اشار محمد في الكتاب وهو نظير ما لو اشترى شيئاً شراءً قاسداً فهلك المبيع عنده واخذ البائع قيمته طابت القيمة للبائع وقال بعثتهم لا يطيب للدلال والسمسار اجر مثله لانه مال استفاده يعقد قاسداً هذا اذا امر السمسار بالببيع والدلال بالشراء ولم يذكروا وقاما اذا ذكر له وقابان قال استاجر منك اليوم بدرهم على ان تبيع لي هذه الاثواب او تشتري لي كذا حتى جازت الاجارة كازله المسمى فيطيب له عند الكل اه (۲) اور فتاویٰ عالمگیری جلد ۳ صفحہ ۶۲۲ میں ہے اذا استاجر رجلاً يبيع له بكذا ويشترى له بكذا فهي قاسدة فان باع وقبض الثمن فهو امانة كذا في البقية ثمة وان ذكر لك وقتاً فان ذكر الوقت اول الامر الاجر بان قال له استاجر منك اليوم بدرهم على ان تبيع لي وتشتري لا يجوز الخ الى ان قال هكذا في فتاویٰ قاضی خان (۳) رد المحتار جلد ۲ ص ۲۰۹ میں ہے قال في النزاعية اجارة السمسار والمناذی والحمامی والصكك وما لا يقدر فيه الوقت ولا العمل تجوز لما كان للناس به الحاجة ويطيب الاجر المأخوذ لو قدر اجر المثل اه ايضاً فيه ط ۳ (۴) قال في التارخانية وفي الدلال والسمسار يجب اجر المثل وما توافوا عليه ان في كل عشرة دنانير كذا الف الحرام عليهم وفي الحاوي سئل محمد بن سلمة عن اجرة السمسار فقال ادجوان لا يباس به وان كان في الاصل قاسداً لكثرة التعامل وكثير من هذا غير جائز فحوزه الحاجة الناس اليه كدخول الحمام اه بخاري شريف ج ۲ ص ۹۰ میں ہے باب اجرة السمسرة ولم ير ابن سيرين وعطاء وبراھيم والحسن باجر السمسار باسا ، فتح الباري ج ۲ و تاسع مائے میں ہے كان المصنف اشار الى الرد على من كرهها وقد نقله ابن المنذر عن الكوفيين وايضاً فيه ط ۴ (۵) ثم اورد المصنف حديث ابن عباس رضي الماضی في البيوع والمراد منه قوله في تفسير المنع لبیع الحاضر للبادی ان لا يكون له سمساراً فان مفهومه انه يجوز ان يكون سمساراً في بيع الحاضر للحاضر ولكن شرط الجمهور ان تكون الاجرة معلومة وعن ابی حنيفة ان دفع له القاعلي ان يشتري بها بزايا جرة عشرة فهو قاسداً فان اشترى قله اجرة المثل ولا يجوز ما سهي من الاجرة وعن ابی ثور اذا جعل له في كل الف شيئاً معلوماً لم يجز لان ذلك غير معلوم فان عمل قله اجر مثله وحجة من منع انها اجارة في امر لا بد غير معلوم وحجة من اجازة انها اذا عين له الاجرة كفي ويكون من باب الجعالة والله اعلم اه اور عمدة القاري شرح بخاري ج ۵ ص ۶۲۱ میں ہے (۶) وهذا الباب فيه

اختلاف العلماء فقال مالك يجوز ان يستاجر على بيع سلعة اذا بين ذلك قال وكذلك اذا قال له بع هذا الثوب ولك درهم انما جائز وان لم يوقت له ثمننا وكذلك ان جعل له في كل مائة دينار شيئاً وهو جعل وقال احمد لا بأس ان يعطيه من الالف شيئاً معلوماً وذكر ابن المنذر عن حماد والثوري انهما كرهها اجرة وقال ابو حنيفة ان دفع له الف درهم يشتري بها عشرة دراهم فهو فاسد وكذلك لو قال اشتر ما ته ثوب فهو فاسد فان اشترى قلمه اجر مثله ولا يجاوز ما سمي من الاجر وقال ابو ثور اذا جعل له في كل الف شيئاً معلوماً لم يجز لان ذلك غير معلوم فان عمل على ذلك قلمه اجرة وان اكتره شهراً على ان يشتري له ويبيع فذلك جائز، اور مسئلہ دلالی کے متعلق ایک شبہ یہ بھی ہوتا ہے کہ جب وہ اجارہ فاسد ہو تو اجرت مثل دلائی جاوے گی اور اجرت مثل کا موازنہ اور تخمینہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ کوئی فرد اس کا جائز ثابت ہو، مگر کتابوں کی عبارت سے نہیں ثابت ہوتا ہے کہ بیع و شراء میں کسی قسم کی دلائی جائز ہو

الجوابات

(جواب توضیح سوال نمبر ۱) فی الواقع ان عبارات کا یہی مقتضا ہے لیکن بوجہ حاجت عامہ روایت بزاز یہ مندرجہ ۱ در روایت حادی مندرجہ ۲ پر فتویٰ دینا ارفق بالناس ہے، ہذا ما یأیت واللہ اعلم (جواب توضیح سوال ۱) عبارت سوال ۱ صریح ہے اس میں کہ یہ آڑ ہست والادلال ہی وقد علم حکمہ آنفاً (جواب توضیح سوال نمبر ۵، ۶) یہ بھی اوپر کی تحقیق پر متفرع و مبنی ہے، فحکمہ واللہ اعلم، اور اخیر کا شبہ بعد ثبوت جواز خود دفع ہو جاوے گا، واللہ اعلم و علمہ اتم واحکم، ۱۴ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد ج ۳ ص ۵۷)

اجرت برسماع قرآن | سوال (۳۳۵) سماعت قرآن کی اجرت اور قرأت قرآن کی اجرت بغرض نسیح میں کیا فرق ہے کہ ثانی حرام ہے اور اول حلال؟

جواب، سماعت قرآن سے غرض یہ ہے کہ جہاں بھولے گا بتلاوے گا، پس یہ تعلیم ہی اور تعلیم پر اجرت لینے کے جواز پر فتویٰ ہے بخلاف قرأت کے کہ اس میں تعلیم مقصود نہیں اس کو کلیہ حرمت اجر علی الطاعت میں داخل رہے گا، فقط واللہ اعلم ۱۱ رمضان ۱۳۲۲ھ (امداد جلد ۳ ص ۶۱)

حکم حیلہ اور اجرت بر تعلیم | سوال (۳۳۵) جو شخص کہ جواز اجرت تعلیم قرآن کا قائل نہ ہو اور کسی کو قرآن بتلغی احکام | تعلیم قرآن شریف دے کر نخواہ یعنی محض ناجائز سمجھتا ہو مطابق رائے متقدمین کما س کو اگر ان بچوں کے سرپرستوں سے جسے وہ قرآن شریف پڑھاتا ہو، اوقات مخصوصہ میں

یعنی جس وقت وہ زکوٰۃ نکالتے ہوں یا صدقہ دیتے ہوں کچھ روپیہ مل جا یا کرے اور وہ معلم ان روپیوں کے لینے والوں میں اپنے کو زیادہ مستحق سمجھتا ہو اور ان بچوں کے سرپرستوں کا بھی ایسا ہی خیال ہو، بسبب تعلیم و تعلم کے چنانچہ اگر اس شخص کو اسی قدر روپے دیئے جاویں جس قدر اوڑں کو بھی دیئے گئے ہیں، تو ان کی خفگی کا باعث ہو، اور دینے والے بھی ان کی خفگی بجا سمجھتے ہوں پس ایسے شخص کو اس کے اعتقاد کے مطابق ایسی صورت میں وہ روپے جائز ہوں گے یا ناجائز اور اگر باعث خفگی نہ ہو بلکہ لیتا اور نہ دیتا نہ دیتا مساوی سمجھا جاتا ہو تو کیسا ہے فی زمانہ جیسا کہ مرض پھیلا ہوا ہے کہ لوگ مرید کیا کرتے ہیں، اور کسی خاص وقت میں یا جس وقت بھی وہ مریدوں کے یہاں پہنچ جائیں انھیں کچھ روپے مل جا یا کرتے ہیں اور اگر وہ روپے نہ ملیں تو گو وہ اپنی زبانوں سے برا بھلا نہیں کہیں گے مگر اس کا ملال انھیں ضرور ہوگا ایسے روپیہ کا دینا اور لیتا کیسا ہے اور اگر ایسی بات نہیں ہے بلکہ وجود و عدم یعنی دینا اور نہ دینا مساوی سمجھا جاتا ہے پھر کیسا ہے،

حاصل کلام یہ کہ اگر تعلیم مذکور عبادت قرار دیا جاوے بریں تقدیر و رشتہ صبیان کو بطور قاطرداری داد و دہش کرتا جائز ہے یا نہ اگرچہ اس داد و دہش کو مزدوری قرار نہ دیا جائے و حال پیران مرشدان کیا ہے، اس صورت میں کہ ان کو بھی بطریق خاطر داری بوجہ تلقین و تذکیر و پیغمبر دیا جاوے، بر تقدیر عبادت یہ روپیہ پیران مذکور کو لینا جائز ہے یا نہ اور مریدان کو دینا ان جملہ صورتوں میں یہ داد و دہش اجرت قرار نہیں دی گئی ہے۔

الجواب، اگر ایسا لینا دینا عام طور سے متعارف ہو جاوے کہ لینے دینے کو ضروری سمجھا جانے لگے تب تو بقاعدہ المعروف کا مشروط یہ صریح عوض اور اجر ہے، اور مرشد کے لئے اتفاقاً ناجائز اور مسلم کے لئے مختلف فیہ مگر دینے والے کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اور اگر معروف کے درجہ میں نہیں پہنچا تو نہ دینے سے دل میں رنج و شکایت ہونا دلیل ہے فساد نیت و حرص و قصد عوض کی اس سے معلم کو ثواب تعلیم اور مرشد کو ثواب تلقین نہ ملے گا اور حرص کی ظلمت و وبال میں مبتلا ہوگا لقولہ علیہ السلام انما الاعمال بالنیات لیکن زکوٰۃ ادا ہو جاوے گی، رہا اس روپیہ کا حلال یا غیر حلال ہونا سو اگر دینے والا بطیب خاطر دیتا ہے، تب تو روپیہ حلال ہے، اور اگر تنگ اور گراں خاطر ہو کر دیتا ہے تو روپیہ بھی حلال نہیں لقولہ علیہ السلام الا لایحل مال امرئ الا بطیب نفس، البتہ اگر محض محبت سے دیتا ہو گو وہ

محبت بوجہ معلم اور مرشد ہونے کے ہو وہ ہدیہ سنو نہ ہے جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ وہ محبت نبوت کی وجہ سے تھی، مگر اس کو تبلیغ احکام کا عوض نہ کہا جاوے گا، اور یہ سب امور بہت ظاہر ہیں، ۱۶ رمضان ۱۳۲۲ھ (جلد ۶ ص ۶۱) غیر گرفتن از کاشتکار | سوال (۳۳۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید بکر کا ملازم باغتیا مختار عام ہے، اور بکر کی طرف سے اس کے گاؤں زمینداری کو روپیہ کی تحصیل کے واسطے جاتا ہے، دو چار دن یا ہفتہ عشرہ موضع مذکور میں بکر روپیہ تحصیل کرتا ہے، اور جنس خوردنی کا انتظام تو بطور خود کرتا ہے، لیکن دودھ دہی کاشتکاروں کی گھر سے بقدر ضرورت باری باری سے منگاتا ہے، کوئی کاشتکار خوشی سے کوئی ناخوشی سے دیتا ہے، لیکن جبر و تعدی ناخوشی سے دینے والے پر بھی نہیں کیا جاتا دودھ دہی دیہات میں فروخت ہونے کا دستور نہیں ہے، زمیندار و کارندہ عموماً دودھ دہی کاشتکاروں سے بلا قیمت حسب ضرورت لیتے ہیں، کاشتکاروں سے کوئی معاوضہ گاؤں میں رہنے اور مویشی کے گھاس چرائے کا نہیں لیا جاتا، یہ بھی لحاظ فرمایا جاوے کہ کھانا روزمرہ کا زید کا بکر کے ذمہ ہے، سفر و حضر میں اسی کے ذمہ کھانا ہے تو ایسی حالت میں یہ دودھ دہی اس کو حلال و مباح ہے یا نہیں۔

الجواب، قاعدہ کلیہ ہے کہ حقوق واجبہ کے سوا جو آمدنی بواسطہ حکومت کے ہو وہ قسماً رشوت میں کی ایک قسم ہے اور زمیندار و کاشتکار کا علاقہ شرعاً حاکم و محکوم کا نہیں، بلکہ موجود مستاجر کا ہے، پس جو کچھ کاشتکار سے لیا جاتا ہے، اس کو سکنائی یا زرعی صحرائی زمین کے معاوضہ کا یعنی اجرت کا ایک جز ٹھہرا سکتے ہیں، البتہ اجرت کے شرائط میں سوا اجرت کا معین و معلوم ہونا بھی ہے، پس صورت مسئلہ میں بقاعدہ المعروف کامل شرط یہ دودھ دہی بھی داخل اجرت زمین ہے، اس لئے اصل میں جائز ہے لیکن اس میں شرعاً اتنا فساد ہے کہ اس کی مقدار معین نہیں پس اس کی اصلاح اس طرح واجب ہے کہ معاہدہ اجارہ یا اضافہ کے وقت ہر کاشتکار سے تصریحاً کہہ دیا جاوے کہ تم کو سال بھر یا ششماہی میں اس قدر دودھ دہی بھی دینا ہوگا، پھر اس کا حساب ذہن میں یا لکھ کر یاد رکھے کہ سال بھر میں فلاں فلاں کاشتکار سے اس قدر آیا تا کہ اس مقدار سے زائد دودھ دہی نہ آنے پاوے اگر کم آئے تو مضائقہ نہیں، اس طرح مقرر کر لینے میں اگر اس سے ناخوشی کے ساتھ بھی وصول ہوگا تو حلال ہے اور اگر اس طرح مقرر نہ کیا تو اجارہ فاسد کی وجہ سے اس کا لینا اور کھانا درست نہیں خواہ اپنے ذمہ کھاتا ہو، یا اپنے آقا و ذمہ کھائے اور اگر تھوڑی توجہ کی جائے تو شرط جواز کا اہتمام کچھ دشوار نہیں، فقط ۱۶ ربیع الاول ۱۳۲۳ھ (جلد ۶ ص ۶۲)

الصراح فی اجرة النکاح

رسالہ در تحقیق حکم | بعد الحمد والصلوة والسلام للہ تعالیٰ و علی رسولہ وآلہ واصحابہ الکرام، بہت
اجرت نکاح خوانی | روزے میرے دل میں خیال تھا کہ اس نکاح خوانی کی اجرت متعارفہ کے متعلق کچھ
تحقیق کیا جاوے لیکن اتفاق سے آج کل خاص طور پر اس کا ایک استفتاء آگیا، چونکہ اس کا جواب
قدرے مفصل لکھا گیا جس سے وہ ایک چھوٹے رسالہ کی برابر ہو گیا، اس لئے بمناسبت مضمون
الحق الصراح فی اجرة النکاح اس کا نام رکھنا مناسب معلوم ہوا، وجہ استفتاء کی یہ ہوئی تھی
کہ احقر نے ایک جگہ ایک حافظ صاحب کو نیا بت سے منع کر دیا تھا، اس لئے منیب کے صاحبزادے
نے بغرض اپنے والد ماجد کو کہ ان کا قیام دوسری جگہ ہے۔ حکم شرعی سے اطلاع دینے کے اس کی تحقیق
کی۔ فبارک اللہ تعالیٰ فیہم، العبد محمد اشرف علی عفی عنہ

سوال (۳۳۷) حضرت اقدس جناب مولوی صاحب مدظلہ العالی، السلام علیکم ورحمۃ
اللہ وبرکاتہ۔ حافظ صاحب نے جسٹرنکاح یہ فرما کر واپس کر دیا ہے کہ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ
اول تو یہ آمدنی ناجائز ہے اور اگر طوعاً و کرہاً جائز ہوئی بھی ہے تو اس طرح ناجائز ہوتی ہے کہ تم اس میں
کچھ جزو قاضی صاحب کو دیتے ہو جو مقدمہ رشوت ہے رشوت جبریہ تو جائز ہے مگر یہ رشوت طبعی ہے
بلا کسی دباؤ کے محض بغرض انتفاع اس لئے ناجائز ہے جناب والد صاحب یہاں تشریف نہیں رکھتے
جو اس کام کو خود انجام دیتے یا کوئی اور انتظام فرماتے، لہذا میری عرض یہ ہے کہ ان کی خدمت میں بذریعہ
عریفہ کل احکام متعلقہ جواز و عدم جواز عرض کر دوں تاکہ انتظام میں سہولت ہو ورنہ خدا جانے
کیا انتظام ہوا اور ناحق بھی مبتلائے گناہ ہونا پڑے،

پس گزارش ہے کہ جناب ضروری احکام متعلقہ سے مطلع فرما کر سرفراز فرماویں گے اور نیز اس
سے بھی مطلع فرماویں گے کہ آیا بطور تنخواہ دام کے کسی شخص سے یہ کام لیا جاوے تو جائز بھی ہے یا نہیں
اطلاعیہ بھی گزارش ہے کہ لوگ نکاح خواں کا حق صرف چارہی آنہ خیال کرتے ہیں، باقی ایک
روپیہ قاضی صاحب کے نام کا ہوتا ہے، جس کو عطیہ یا نذرانہ جو کچھ بھی ہو کہتا چاہئے اور اکثر ایسا ہوا
بھی ہے کہ قاضی صاحب کے نام کا روپیہ انھوں نے نکاح خواں کو نہیں دیا خود اپنے آپ آکر دی گئی ہیں
مگر یہ ہے کہ اگر حافظ صاحب نے یہ کام نہ کیا تو اور لوگوں سے یہ امید نہیں کہ وہ مسائل کی تحقیق کریں گے،
پس بہت سے نکاح خلاف شرع ہوا کریں گے،

جواب، اس کا مہل جواب تو یہ ہے کہ مولانا محمد اسحاق دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے مسئلہ
العین میں ایک ایسے سوال کے جواب میں خزانۃ الروایات سے استدلال کر کے اس کے ناجائز ہونے کا
فتویٰ دیا ہے، چنانچہ وہ سوال و جواب مع روایات نقل ہوتا ہے،
مسئلہ، بعد نکاح بقاضی و وکیل و شہدان کہ از طرف عروس می آیند بخوشی خود بدین
مطالبہ شان چیزے دادن جائز است یا نہ؟

جواب، دادن این مردمان بدون مطالبہ و جبر از طرف ایشان مہلح است و اگر جبر
کنند و خواہ مخواہ بکند و اصرار طلب نمایند و بگیرند، پس مہلح نیست چنانچہ در کتاب خزانۃ الروایات
مرقوم است، و مما سنہ القضاۃ فی دار الاسلام طلوع صریح و ہوان یاخذن و امن الا
تکحت، شیئاً ثم یجیزون اولیاء الزوج و التزوج بالماکحت فانهم ما لیرضوا بشئ من اولیاء
لہم یجیزوا بذلک فانہ حرام للقاضی و المتاکم انتہی الجواب المذکور قلت فلکما ان الاجازۃ
غیر متقومۃ لایحل العوض عنہا کذلک البجاء و العقود الفاسدۃ الی ہی المنشاء فی اکثر لہذا
الاخذ کما سیأتی غیر متقومۃ لایحل العوض عنہا،

اور مفصل جواب یہ ہے کہ جو چیز کسی کو دی جاتی ہے اس کی دو حالتیں ہیں، یا تو بعوض دیا جاتا ہے
یا بلا عوض، اور جو بعوض دیا جاتا ہے دو حال سے خالی نہیں، یا تو ایسی شے کا عوض ہے جو شرعاً مقوم
و قابل عوض ہے اور یا ایسی شے کا عوض ہے جو شرعاً مقوم و قابل و عوض نہیں، خواہ حقیقتہً جیسا
عقود باطلہ میں ہوتا ہے یا حکماً جیسا عقود فاسدہ میں ہوتا ہے، اور جو بلا عوض دیا جاتا ہے وہ بھی
دو حال سے خالی نہیں یا تو محض طیب خاطر اور آزادی سے دیا جاتا ہے یا تنگی خاطر و کراہت قلب سے دیا جاتا
ہے، خواہ وہ تنگی اور کراہت زیادہ ہو یا کم ہو، یہ کل چار قسمیں ہوتیں،

قسم اول جو مقوم شے کے عوض میں حاصل ہو، قسم دوم جو غیر مقوم شے کے عوض میں حاصل ہو
قسم سوم جو بلا عوض بطیب خاطر حاصل ہو، قسم چہارم جو بلا عوض بکراہت حاصل ہو۔

قسم اول بوجہ اجرت یا ثمن ہونے کے اور قسم سوم بوجہ ہدیہ و عطیہ ہونے کے حلال ہے اور قسم
دوم بوجہ رشوت یا ربوہ حقیقی یا حکمی ہونے کے، اور قسم چہارم بوجہ ظلم یا جبر فی التبرع ہونے کے حرام
ہے، اب دیکھنا چاہئے کہ نکاح خوانی کی آمدنی کون قسم میں داخل ہے تاکہ اس کا ویسا ہی حکم ہو،
اگر قسم اول میں داخل کہا جائے جیسا خود نکاح پڑھنے والے کی نسبت اس کا ظاہر احتمال ہو سکتا ہے
کیونکہ جو خود نکاح پڑھنے نہ جائے وہاں تو اس کا احتمال ہی نہیں، البتہ نکاح خواں کے اعتبار سے

ظاہراً اس کا شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ نکاح خواں کے اس عمل کی اجرت ہے، مگر غور کرنے کے بعد یہ احتمال صحیح نہیں رہتا، کیونکہ صحت اجارہ کے لئے شرعاً چند امور لازم ہیں، وہ یہ کہ کام لینے والے کو پورا اختیار ہو جس سے چاہے کام لے، اور کام کرنے والے کو پورا اختیار ہو کہ کام کرے یا نہ کرے، اور اسی طرح مقرر اجرت ٹھہرانے میں کام لینے والے کو پورا اختیار ہو کہ جس قدر چاہے کم کہہ سکے، اور زیادہ پر راضی نہ ہو اور کام کرنے والے کو بھی پورا اختیار ہو کہ جتنا چاہے زیادہ مانگے، ان امور میں اپنی آزادی و اختیار سے منتفع ہونے میں ایک پر دوسرے کی طرف سے کوئی ظمن یا ملامت مائع نہ ہو، اور یہ سب امور مسئلہ میثوت عہتا میں مفقود ہیں، کیونکہ گو کام لینے والے کو اس میں تیر آزادی حاصل ہے، کہ کسی سے مفت نکاح پڑھوالے، لیکن اگر وہ اجرت پر کسی نئے شخص سے نکاح پڑھوالے، مثلاً جمع حاضرین میں سے کسیما اتفق کسی کو کہہ دے کہ تم پڑھ دو اور وہ اجرت تم کو دیں گے یا اسی مقرر نکاح خواں سے کہے کہ تم دوسری جگہ اتنا لیتے ہو ہم تو اس سے نصف دیں گے، اور نہیں پڑھتے تو ہم کسی دوسرے کو بلا لیں گے، یا اسی طرح اگر کام دینے والا نہ تو خود جاوے اور نہ اپنی طرف سے کسی کے بھیجے کا اہتمام کرے، بلکہ صاف جواب دیدے کہ کچھ ہمارے ذمہ نہیں، یا یوں کہے کہ گو اور جگہ سے ایک روپیہ لیتا ہوں مگر تم سے دس لوں گا چاہے لے چلو چاہے نہ چلو تو ضرور ان چاروں صورتوں میں ایک دوسرے کی طرف سے بھی ادغام ستنے دیکھنے والوں کی طرف سے سخت ملامت ہوگی کہ لو صاحب ہمیشہ سے تو اس طرح چلا آ رہا ہے، انہوں نے یہ نئی بات نکالی، اور سب قائل معقول کر کے اسی رسم قدیم پر اس کو مجبور کریں گے، پس جب صحت اجارہ کے شرائط مفقود ہیں تو اجارہ مشروع نہ رہا، پھر اجرت کہنے کی گنجائش کہاں ہی پھر غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نکاح خواں بلانے والے کا اجیر نہیں سمجھا جاتا بلکہ خود اصل قاضی کے خیال میں بھی اور دوسرے عوام کے خیال میں بھی اصل قاضی کا نوکر سمجھا جاتا ہے چنانچہ وہ قاضی اس کو جب چاہے معزول کر دیتا ہے، اور اس صورت میں اس کا غیر مشروع ہوتا اور زیادہ ظاہر ہے، کیونکہ تو کر کسی کا اور اجرت کسی کے ذمہ یہ خود باطل ہے اور شرع میں اس کی کوئی نظیر نہیں، اور اگر قسم سوم میں داخل کیا جاوے جیسا خود نکاح نہ پڑھنے والے کی نسبت اس کا ظاہراً احتمال ہو سکتا ہے کیونکہ جو شخص نکاح پڑھانے گیا ہے وہاں تو مفت ملنے کا احتمال ہی نہیں البتہ غیر نکاح خواں کے اعتبار سے ظاہراً علیٰ عکس القسم الاول اس کا شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ اس کو عطیہ و ہدیہ کے طور پر دیا گیا ہے، جیسا سوال میں اس سے تعرض بھی ہی، مگر غور کرنے کے

بعد یہ احتمال بھی صحیح نہیں رہتا، کیونکہ مشروعیت ہدیہ کے لئے بھی چند امور لازم ہیں، وہ یہ کہ نہ تو دینے والا اس کو لینے والے کا اور نہ خود لینے والا اس کو اپنا حق سمجھے اور دیتا بھی ضروری نہ سمجھا جاوے، اور اسی طرح مقدار ہدیہ میں دینے والے کو اختیار ہو کہ خواہ کم دے یا زیادہ دے غرض کہ نہ دینے میں بھی ملامت نہ ہو اور کم دینے پر بھی ملامت نہ ہو اور سب ملکہ مجتہدین میں یہ امور بھی مفقود ہیں، کیونکہ گو بعض لوگوں کو اس میں آزادی حاصل ہے، کہ بالکل نہ دیں، چنانچہ جو لوگ اس سے پورے واقف ہیں کہ ان کا کوئی حق نہیں وہ بالکل نہیں دیتے، اور ان پر ملامت بھی نہیں کی جاتی، لیکن عوام میں سے جو لوگ دیتے ہیں وہ بیشک یہی سمجھ کر دیتے ہیں کہ ان کا حق ہے، خواہ بوجہ قدامت کے کہ ان کے بڑوں سے یہ بات چلی آ رہی ہے، خواہ اس خیال سے کہ ان کو اس کام پر سرکار نے مقرر کر دیا ہے، خواہ بوجہ زمینداری کے کہ ہم ان کی رعایا ہیں، جیسا مختلف مقامات پر مختلف عادات و خیالات ہیں، غرض دینے والے بھی حق سمجھتے ہیں اور لینے والے بھی، بعض تو ویسے بھی حق سمجھتے، چنانچہ بعض اُن میں قرض خواہوں کی طرح مانگ مانگ کر بھیجتے ہیں، اور بعض تدبیرات و تقریرات سے اس کی کوشش کرتے ہیں کہ عوام میں یہ خیالات جاگزیں رہیں کہ یہ اُن کا حق ہے حتیٰ کہ اگر دوسرا ان ہی کی طرح اس کام کو کرنا شروع کرے تو اس سے آزر دہ اور اس کے درپے ہوتے ہیں کہ یہ ہمارے حق میں خلل ڈالتا ہے، اسی طرح اگر کوئی بجائے روپیہ کے آنہ دوا نہ دیتا چاہے تو خود لینے والا بھی اور دوسرے لوگ بھی اس کو طریقہ مقررہ کے خلاف سمجھ کر موجب ملامت قرار دیں گے جب مشروعیت ہدیہ کے شرائط مفقود ہوئے، پھر ہدیہ کہنے کی گنجائش کہاں رہی، جب اس آمدنی کا قسم اول و سوم میں داخل نہ ہونا ثابت ہو گیا، پس لامحالہ قسم دوم یا چہارم میں داخل ہوگی، جس کی وجہ قسمین منفین کی تقریر نفی سے خود ظاہر ہو چکی ہے اور تنبیہ مکرر کے لئے اس کا خلاصہ پھر عرض کئے دیتا ہوں، کہ بدون نکاح پڑھے جیسا کہ اکثر منیب کو ملتا ہے، یا تو ان کے جاہ و قدت و زمینداری کے عوض میں ہے، اور یہ سب غیر متقوم ہیں، تب تو یہ دینا رشوت ہوگا، اور یا پابندی رسم کے سبب حق سمجھنے کی وجہ سے ہے، تو یہ جبر فی التبرع ہوگا اور نکاح پڑھوا کر دیتا جیسا اکثر نائب کو اور کہیں منیب کو ملتا ہے، یہ اجارہ فاسدہ پر مبنی ہے اور خصوصاً جبکہ نائب نوکر قاضی کا سمجھا جاوے تو یہ آمدنی اجارہ غیر مشروع کی حکماً ربوا ہوگی، جب اس کا قسم دوم یا چہارم میں داخل ہونا ثابت ہو گیا تو ان دونوں قسموں کا جو حکم تھا یعنی عدم جواز وہ بھی ثابت ہو گیا اور یہ تقریر تو اس عمل کی نفس حقیقت کے اعتبار سے تھی، اور اگر اس کے ساتھ ایک امر قاری کو بھی ملاحظہ فرمایا جاوے جو کہ

وقوع میں اس کا مقترن ہے، وہ یہ کہ اکثر جگہ عادت ہے کہ نکاح خوانی کے لئے بلانے والا تو دولہا کا والد ہوگا اور نکاح خوانی دلوالتے ہیں دولہا والے سے، اور وہ بوجہ پابندی رسم کے خواہ مخواہ دیتا ہے جو کہ شرعاً محض ناجائز ہے، کہ بلا وجوب شرعی کسی سے کوئی رقم اس کو ضروری و لازم قرار دے کر وصول کیجاو تو اس عارض کی وجہ سے اس کا عدم جواز اور سودہ ہو جائے گا، غرض باعتبار نفس عمل کے بھی اور باعتبار اس عارض کے بھی یہ رقم ناجائز ٹھہری اور تمام کلام خود لینے والے کے اعتبار سے ہے اور دوسرے کو دینا جیسا نائب کے ذمہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ ایک بڑا حصہ اس رقم کا اپنے منیب کو دے، سو یہ دینا محض اس بنا پر ہوتا ہے کہ اس نے مجھ کو اس کام کے لئے اجازت دی ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ اجازت دینا شریعت میں امر غیر متقوم کے عوض میں دینا رشوت ہے، اور رشوت بلا ضرورت دفع ظلم دینا حرام ہے پس اس دینے والے کو ایک گناہ رشوت دینے کا اور زائد ہوا، غرض جو صورتیں اس کے متعارف ہیں اس میں کسی کو نہ لینا جائز ہے، اور نہ دینا جائز ہے، اور اس میں نائب و منیب اور شادی والے سب آگئے، جیسا بوجہ اکمل و ابسط اس کی تفصیل گذر چکی،

اب ان متعارف صورتوں کے علاوہ دو صورتیں اور رہ گئیں، جن میں ظاہر جواز کا احتمال معلوم ہوتا ہے، ایک یہ کہ بطور اجارہ کے قاضی کسی کو نوکر رکھ کر اس کی تنخواہ مقرر کر دیں، اور اس سے کام لیں، جس سے سوال میں بھی تعرض ہے، دوسرے یہ کہ بطور شرکت تقبل کے قاضی میں اور کسی دوسرے شخص کے باہم قرار داد ہو جاوے کہ دونوں نکاح پڑھا کریں، اور جو کچھ دونوں کی آمدنی ہو وہ فلاں نسبت سے باہم تقسیم کر لیا کریں، سو تامل کرنے کے بعد ان میں بھی جواز نہیں معلوم ہوتا، مثلاً اول صورت میں اگر اس کو اجیر خاص کہا جائے تو اس میں دوسری نوکری نہیں کر سکتا، حالانکہ اس میں نائب کو اس کی ممانعت نہیں ہوتی، اور اگر اجیر مشترک کہا جاوے تو اجیر مشترک ہر شخص کا جو کام چاہے کر سکتا ہے، حالانکہ یقینی بات ہے کہ اگر قاضی کو معلوم ہو جاوے کہ یہ نائب کچھ نکاح میری طرف سے پڑھا رہا ہے، اور کچھ دوسرے کی طرف جو اتفاقاً مثل قاضی کے وہ بھی یہی کام کرتا ہے، تو یقیناً اس نائب کو معزول کر دے گا، پھر دونوں شقوں میں محذور مشترک یہ ہے کہ خود قاضی میں اور اہل تقریب میں باہم کوئی عقد اجارہ نہیں ٹھہرتا پھر اس قاضی کو اجرت لینا کس طرح جائز ہوگا، اور اگر کہا جاوے یہ نائب و کالہ اہل تقریب سے عقد اجارہ ٹھہرا لے جو قبول قاضی کے ہوگا، اس کا جواب ایک تو ان پر دونوں شقوں کے جدا جدا محذور سے معلوم ہو گیا، کیونکہ جواز اور عدم جواز کے مقتضیات جمع ہونے سے عدم جواز کا مقتضی مؤثر ہوگا، دوسرا جواب آگے شرکت تقبل کے محذور رسوم میں آتا ہے، یہ تحقیق تو اول صورت کی ہوئی، اور دوسری صورت یعنی شرکت تقبل

اولاً تو ایسا واقع نہیں کیونکہ قاضی کو جو بولتا ہے اس میں سے نائب کو کچھ نہیں دیا جاتا، دوسرے ہدایہ کتاب القسمۃ میں مصرح ہے کہ جو لوگ تقسیم کا کام اجرت پر کرتے ہیں، حاکم اسلام کو چاہئے کہ اُن کو یا ہم شریک نہ ہوئے دے، کہ عمل تقسیم کی اجرت گراں نہ ہو جاوے، یہی حال ہے نکاح خوانی کا کہ ضرورت اس کی دنیا اور دین دونوں اعتبار سے ہر شخص کو پڑتی ہے، اور اکثر نکاح خواں لوگ باوجاہت ہوتے ہیں، اگر سب جدا جدا رہیں گے، ہر شخص انڈاں بٹے گا، اور اگر سب شریک ہو گئے تو گراں ہو جاویں گے تیسری خرابی وہی ہے جو قسم سوم کی نفی میں مذکور ہوئی ہے، کہ عرفایہ قاضی کا حق مختص سمجھا جاتا ہو، ظاہر ہے کہ اختصاص کا کوئی استحقاق نہیں، اور جو شخص قاضی یا نائب قاضی کو بلاتا ہے اسی استحقاق و مختص کی بنا پر بلاتا ہے، پس قاضی کا اجیر بتانا جب اس بنا، فاسد ہے یعنی ہے تو خواہ وہ بالانفراد اجیر ہو جیسا ابھی صورت اولیٰ میں مذکور ہوا، جس میں حوالہ اسی محذور رسوم کا دیا گیا ہے، اور خواہ بالاشتراک اجیر ہو جیسا اس صورت دوم میں فرض کیا گیا ہے، ہر حالت میں بنا، الفاسد علی الفاسد کے سبب ناجائز ہوگا، پس سابقہ متعارف صورتیں اور اخیر کی غیر متعارف صورتیں سب ناجائز قرار پائیں البتہ اگر مثل دیگر معمولی اجالات تعلیم اطفال و فرائض نویسی اور دوسری صنعتوں اور حرفتوں کے اس کی بھی حالت رکھی جاوے کہ جس کا دل چاہے جس کو چاہے بلاوے، اور کسی کی خصوصیت نہ سمجھی جائے، اور جس اجرت پر چاہیں جانبین رضا مند ہو جاویں، نہ کوئی اپنے کو اصل مستحق قرار دے نہ دوسرے کے ذہن میں اس کو پیدا کیا جائے، اور اگر اتفاق سے کوئی دوسرا یہ کام کرنے لگے نہ اس سے رنج و آزدگی ہو، اگر نائب نیابت سے دست بردار ہو کر خود مستقل طور پر یہ کام شروع کر دے نہ اس کی فکارت ہو، اور شہر میں جتنے چاہیں اس کام کو کریں ان سب کو آزاد سمجھا جاوے، ہاں جو اس کا اہل نہ ہو اسکو خود ہی جائز نہ ہوگا، وہ ایک عارض کی وجہ سے روکا جاوے گا، جیسا کوئی امام اگر قرآن صحیح نہ پڑھتا، امامت سے روکا جاوے، لیکن جو بہت سے آدمی اس کے اہل ہوں تو ان میں مختلف و متعدد آدمی اس کام کو کرنے کے مختار سمجھے جاتے ہیں، اسی طرح اس نکاح کے ساتھ معاملہ کیا جاوے، اور نیز بلانے والا اپنے پاس اجرت دے، دولہا والوں کی تخصیص نہ ہو اس طرح البتہ جائز اور درست ہے، غرض دوسرے اجرت کے کاموں میں اور اس میں کوئی فرق نہ کیا جاوے، یہ تحقیق ہے اس اجرت نکاح خوانی کے متعلق اور جو مضمون اخیر میں مکرر کے عنوان سے لکھا ہے، اس کا جواب بہت واضح ہے، کہ دوسرے شخص کے دین سنوارنے کے لئے اپنا دین بگاڑنا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا جبکہ اس کا دوسرا طریقہ بھی ممکن ہو جیسا کہ احقر نے ابھی عرض کیا تھا، کہ اس پیشہ کو عام رکھا جاوے مگر نااہل کو نہ بلایا جاوے اس کا تو کام

لینے والے خود یا کسی ذی علم سے دریافت کر کے انتظام کر سکتے ہیں، دوسرے یہ کہ اس انتظام متعارف میں بھی مشاہدہ کیا جاتا ہے، کہ بہت جگہ نااہل اس کام کو کر رہے ہیں، پھر اس انتظام کی پابندی سے شرعاً کون نفع خاص ہوا اور پابندی نہ کرنے سے کون ضرر خاص ہوا، پھر یہ کہ قاعدہ شرعی ہے کہ جب کسی امر میں مفسدہ و مصلحت جمع ہو جاوےں مفسدہ مؤثر ہوتا ہے، مصلحت مؤثر نہیں ہوتی، پس اگر اس مصلحت کو تسلیم بھی کیا جائے تو اس قاعدہ کی بنا پر اس عمل کی اجازت نہ دیا جائے گی واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و حکم، ۲۱ محرم ۱۳۲۷ھ (امداد جلد سوم صفحہ ۶۳)

سوال (۳۳۳) علمائے دین و مفتیان شرع متین ابقاہم اللہ احکام اجارۃ ارض برائے بتا، الی یوم الدین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے زمین افتادہ ایک دو سال کو کرایہ لیکر اجازت سے چھپر ڈال لیا، بعد چند روز چھپر اتار کر کے بغیر اجازت مالک زمین کے مکان قائم بتا لیا، جب مالک زمین کو اطلاع ہوئی تو کہا کہ کیوں بغیر اجازت میری مکان بتا لیا، کرایہ والے نے کہا کہ اپنے آرام کو بتا یا ہے، یہ مالک زمین اپنی زمین کا ہر سال کرایہ لیتا رہا، اب پندرہ برس کے بعد مالک زمین کہتا ہے کہ میری زمین مع ملکہ خالی کر دو تو اب وہ ملکہ مالک زمین کا ہے یا کرایہ والے کا۔ اور جس وقت زمین کرایہ کو لی گئی تھی اس وقت کوئی وعدہ مقرر نہیں کیا گیا تھا، کہ ہم دس برس یا پندرہ برس تک کرایہ کو لیتے ہیں، جب سال گذر کر کرایہ دیدیا، اول جب زمین کرایہ کو لی تب سال بھر کا وعدہ کیا تھا اور سال گذر کر کرایہ دیدیا، اسی واسطے اس قدر عرصہ گذر گیا۔

الجواب، فی الهدایۃ، ویجوز ان یستاجر الساحتہ لیبنی فیہا ویغرس فیہا نخلاً و شجرًا ثم اذا انقضت مدۃ الاجارۃ لزمہ ان یقلع البناء والغرس ویسلمہا فارغۃ الا ان ینتارخصاً الارض ان یعزم لہ قیمتہ ذلک مقلوعاً و یتملکہ قلہ ذلک و ہذا برضا صاحب الغرس و الشجر الا ان ینقص الارض بقلعہا حیثئذ یتملکها بتیور رضاء اہ، و فیہا ومن استاجر دارا کل شہرہ یددھم قال العقد صحیح فی شہر واحد قاسد فی بقیۃ الشہور الا ان یسمی جملۃ الشہور معلومۃ فان سکن ساعۃ من الشہر الشانی صحیح العقد فیہ و لیس للمواجر ان ینتزعجہ الی ان ینقضی و کذلک کل شہر سکن فی ادلہا،

اس عبارت سے چند امور ثابت ہوئے مابدون اجازت مالک زمین کے مکان نہ بنانا چاہئے تھا، بعد بتانے کے بھی اگر اجازت نہیں دی تو مالک زمین کو اختیار ہے جب چاہے مکان کو التواء دے اور اگر بعد بنانے کے اجازت دیدی ہے تو اس میں یہ حکم ہے کہ جس روز یہ سال کرایہ کا ختم ہوتا، وجب

وہ روز آوے اس روز تو زمین خالی کر لینے کا اختیار ہے، اور اگر درمیان سال کے خالی کرنا چاہو تو اس کرایہ دار کی رضامندی پر خالی ہو سکتا ہے، البتہ اگر درمیان سال کے مالک زمین یوں کہہ دے کہ دیکھئے یہ سال ختم ہو کر پھر میں کرایہ پر زمین دینے پر رضامند نہیں ہوں، کرایہ کو توڑے دیتا ہوں تو سال ختم ہونے کے بعد خواہ عین ختم کے دن خواہ اس کے کتنے دن بعد مالک زمین کو زمین خالی کر لینے کا اختیار ہوگا۔ مالک زمین کو تفصیل بالا جس وقت زمین خالی کرانے کا اختیار شرعاً حاصل ہو کرایہ دار کو انکار جائز نہیں، اے جس وقت زمین خالی کرانے کا وقت آجائے اس وقت اگر مالک زمین و مالک مکان دونوں اس بات پر رضامند ہوں کہ ملکہ کی جو قیمت بحالت اکھڑے ہوئے ہونے کے ہو وہ قیمت مالک زمین اس مالک مکان کو دیکر مکان کو کھڑا رہنے دے، اور زمین مع مکان لے لے، تو بھی جائز ہے، اور اگر دونوں اس پر اتفاق نہ کریں تو مکان والا اپنا ملکہ اکھاڑ کر لے جائے اور زمین والا اپنی زمین لے لے، ملکہ زمین والے کا نہیں ہے، واللہ اعلم بالصواب فقط،

۵ جمادی الاولیٰ ۱۲۵۲ھ (امداد جلد سوم ص ۷۰)

سوال (۳۳۹) اگر کسی محصل چندہ کو اہل مدرسہ تحصیل چندہ کے لئے اس شرط پر مقرر کریں کہ جو آدمی ہووے اس کا چہارم یا سوم یا پنجم یا نصف یا دو تہائی حصہ دیں گے تو ایسا اس زمانہ کی موجودہ حالت اور ضرورتوں کے لحاظ سے شرعاً مباح ہے یا نہیں؟
الجواب، حقیقہ کے اصول پر یہ اجارہ قاسدہ ہے اور دوسرے مذاہب کی تحقیق نہیں فقط

۱۲ ذیقعدہ ۱۲۵۲ھ (امداد جلد سوم ص ۷۱ و حوادث اولیٰ ص ۹۲)

سوال (۳۴۰) اگر کسی شخص کو کچھ اجرت دے کر مچھلی پکڑوائی تو کھانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب، یہ ملک ہوئی پکڑنے والے کی اس سے بڑور لیتا جائز نہ ہوگا، بخوشی دیدے تو درست ہے، اور یہ اجارہ باطل ہے، ۵ ذی الحجہ ۱۲۵۲ھ (امداد جلد سوم ص ۷۱)

سوال (۳۴۱) اگر کوئی شخص دو آدمی خواہ تین آدمی مقرر کر دیوے کہ تم لوگ مچھلی تالاب سے پکڑ کر دو، ہم تم لوگوں کو اس قدر مزدوری دیوں گے درست ہے کہ نہیں، اور مچھلیوں کا کھانا درست ہے کہ نہیں؟

الجواب، اجارہ باطل ہے مچھلی آخذ کی مالک ہے اگر بخوشی دیدے کھانا جائز ہے، والدلیل علیہ ما فی الدال المختار استاجرا لیسید لہ او یحتطب لہ فان وقت لذت و مقاجز والا لا

فی رد المحتار قولہ جازلانہ اجیر و حد و شرطہ بیان الوقت قولہ والا لای و الخطب للعامل ط
ج ۵ ص ۵۹ ، وفيہ فلولہ یوقت و عین الخطب قد و الخطب للمستاجر و علیہ لجر مثله

۵ اذی الحجۃ ۳۲۵ (امداد، ج ۳، ص ۷۱)

سوال (۳۴۲) مثل معمار و غیرہ کے اگر پلاچ اپنا جال لے کر اجرت معلوم
پر پانی میں جال ڈالے اور مچھلی لے یا نہ لے اتنی دیر تک جال ڈال کر مزدوری لے لے تو جائز ہے یا نہیں

الجواب، جائز ہے، ۳ جمادی الاولیٰ ۳۳۳ھ دتہ ثانیہ ص ۲۶

سوال (۳۴۳) نوکری کر دین کا سبب حرام یا
چھوٹے فروخت بدست ایشان اس مسئلہ میں کہ کسی شخص نے ایک کسی یا سود خور یا مے فروش کی نوکری

کی، اور عینوں کی آمدنی محض حرام ہے تو اب اس کو اس مال حرام سے جو تنخواہ ملی حلال ہے یا نہیں
یا کسی شخص نے اپنے گیسوں یا کوئی اور چیز کسی مے فروش کے ہاتھ فروخت کی، اور اس نے اس
آمدنی نا جائز سے قیمت دی تو اب اس کو وہ حلال ہے یا نہیں، اس مسئلہ کی اچھی طرح تشریح فرمائیے۔

الجواب، جن کی آمدنی بالکل حرام خالص ہے جیسے کسی یا مے فروش یا سود خوار وغیرہم
ان کی نوکری نا جائز ہے، اور جو تنخواہ اس میں سے ملتی ہو وہ حلال نہیں، اور اسی طرح اپنی چیز
اس کے ہاتھ فروخت کر کے اسی مال حرام میں سے قیمت لینا بھی حلال نہیں، قال اللہ تعالیٰ
ولا تتبذروا الخبیث بالطیب تو اپنی پاکیزہ مزدوری یا پاکیزہ چیز کو اس نا پاک مال سے
بدلنا نا جائز ٹھہرا، وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل ثمن الکلب ولا حلوان
الکاهن ولا مهر البغی ۱۳۷ وقال عمران اللہ حرم الخمر و ثمنہا ص ۱۳۷ وعن ابن

عباس رضی قال رأیت رسول اللہ علیہ وسلم جالساً عند الرکن قال فرقم بصرہ الما السہاء فضجوا
فقال لعن اللہ الیہود ثلاثاً ان اللہ تعالیٰ حرم الشحوم فباعوها واکلوا ثمنہا وان اللہ
تعالیٰ اذا حرم علی قوم اکل شیء حرم علیہ ثمنہ ص ۱۳۷ ، لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اکل الربا و موکلہ ص ۱۳۷ سنن ابی داؤد جلد ثانی وغیر ذلک من الآیات والحدیث
ہاں جن لوگوں کی آمدنی مشتبہ اور مختلط الحلال و الحرام غالب الحلال ہو، مثلاً یہی لوگ
کسی مے فروش یا سود خوار وغیرہم کوئی دوسرا پیشہ مباح مثل تجارت حلال یا اور کچھ بھی کرتے ہوں
اس وقت ان کی نوکری اور اپنی چیز ان کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے، بشرطیکہ تنخواہ یا قیمت
حلال مال میں سے دیں یا خبر مشتبہ غالب الحلال سے دیں، غانا صلحہ عن کسب الامتہ الا

ما عملت بیدھا وقال هكذا باصا بعدا فحو الخبز والغزل والنقش، ابوداؤد ج ۲^{۱۳۲}
وجہ یہ کہ مضتبہ سے تحریر متعذر اور دشوار ہے پس بضرورت جائز ہے (ان الضرورات
تبیح المحظورات ولا يكلف الله نفسا الا وسعها اگرچہ خلاف تقویٰ ہے کہ

دع ما یریبک الی ما لا یریبک وهو الموفق، ۳ محرم ۱۳۳۵ھ (امداد ج ۳ ص ۷۶)

سوال (۳۴۴) ایک شخص کا دندان سازی پیشہ ہے
دندان سارا - اس سے اجنبی عورت دندان بنوانا چاہتی ہے، اور اس عورت

کا فحش و حرام پیشہ ہے، غالباً اجرت بھی اسی حرام کمائی سے دے گی، اس حالت میں دندان
بنانے کی ضرورت سے غیر عورت کے بدن کو مس کرنا اور حرام کمائی سے اجرت لینا اس شخص کو
درست ہے یا نہیں؟

الجواب، اس میں دو سوال ہیں، مس کرنا اور ایسی اجرت لینا، سوس اجنبیہ کو بضرورت
جائز رکھا گیا ہے، جیسے مداوات مرض میں، پس اگر دانت بضرورت بنوائے جاتے ہیں تو یہ ایک
قسم کی مداوا ہے، دندان ساز کو مس جائز ہے، اور اگر بلا ضرورت بنوائے جاتے ہیں تو مس جائز نہیں
جیسا احتقان ضرورت میں جائز رکھا گیا، اور بعض منفعات بلا ضرورت کے لئے حرام کذا فی الشامیۃ
الجزء الخامس ۳۶۵ اور اجرت لینا مال حرام سے حرام ہے، البتہ اگر وہ قرض لے کر دیے اور
اس کو یقین ہو جائے تو درست ہے، واللہ تعالیٰ اعلم و اعلمہ اتم،

۲ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ (امداد ج ۲ ص ۱۶۸)

سوال (۳۴۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید
حلت یا حرمت بتخواہ مری

بکر کا ملازم ہے اور رشوت لیتا ہے، ایسی حالت میں وہ بتخواہ معینہ اپنی بکری سے حاصل کرتا ہے وہ حلال یا حرام؟
الجواب، قال اللہ تعالیٰ ولا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل الا یہ یعنی لوگوں کے مال
باطل طریق سے مت کھاؤ، پس رشوت چونکہ اکل بالباطل ہے اس لئے حرام ہے اور جو بتخواہ معینہ بمقابلہ
نوکر کی ملتی ہے اگر وہ نوکر کی خلاف شرع نہیں تو چونکہ وہ اکل بالباطل نہیں اس لئے حلال ہے، اور اگر
خلاف شرع ہے تو وہ نوکر کی بھی حرام ہے اس کی بتخواہ بھی حرام ہے، ۵ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (امداد ج ۳ ص ۳۷)
سوال (۳۴۶) سرشتہ مسکرات مثل آبکاری و اقیزون وغیرہ میں اہل اسلام

کو نوکر کی کرنا کیسا ہے، اور ایسے ملازم قابل امامت ہیں یا نہیں؟
الجواب، نوکر کی کرنا ایسے کارخانوں میں جائز نہیں، کہ اعانت علی المعصیت ہے،

قال الله تعالى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان وعن انس قال لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الخمر عشرة عاصرها وشاربها وحاملها والحاملت اليه وساقها وبيعها واكل ثمنها والمشتري لها والمشتري له دواء ترمذي دايت ما به خير المواعظ اوراقيون استعمال جس صورت میں ناجائز ہے اس کے اعتبار سے تو اس کا حکم مثل خمر کے ہے، قالمعین فی ذاک کالمعین فی هذا القولہ علیہ السلام الا ان کل مسکر حرام وکل مفتر حرام وکل مخدر حرام دواء ابو نعیم خیر المواعظ، اور جس صورت میں استعمال جائز ہے اس کے اعتبار سے اس کی بیع سے روکنا دوسروں کو ظلم ہے اور ظلم کی اعانت بھی حرام ہے، غرض ہر حال میں یہ شخص بھی معین ہے فعل ناجائز کا، اور یہ لوگ بھی فاسق ہیں ان کی امامت بھی مکروہ ہے، لما مرے

لے قدم برداشتہ از راہ دیں از چہ شد ماکول و ملیو ست چنیں
چند مال شبہ ناک آری بکف چند جاکٹ پوش باشی خوش علف
عاقبت سازد ترا از دیں بری، ایں تن آرای و ایں تن پروری

کتبہ محمد اشرف علی عفی عنہ (امداد ج ۳ ص ۷۳)

حقوق زمینداری عطا سرکار سوال (۳۴۳) برہما کے علاقہ کے دیہات میں ہر سچا پس یا برکاشتکار زائد گھروں کے اوپر ایک شخص سرکار گورنمنٹ کی طرف سے مقرر ہے جس کو روڈ اسوگری کہتے ہیں، روڈ ا محلہ، سو شخص، گرتی بڑا، یعنی محلہ کا بڑا آدمی، ایسے لوگوں کو اس قدر اقتدار حکومت دی گئی ہے کہ مختصر چیدد قعات فوجداری کے مقدمات کا فیصلہ کریں فقط پانچ روپے تک جرمانہ کریں، اور ایک شیانہ روز تک قید کریں، اور بعض سیارت بھی کریں فریادی سے، فقط ایک روپیہ فیس کا روڈ اسوگری اپنے نفس کے لئے وصول کرے، خواہ آئندہ وہ مقدمہ میں کامیاب ہو یا ہار جائے، مگر در صورت کامیابی یعنی جب فریادی جیتتا ہے تو وہ علاوہ جرمانہ یا تعزیرات کے ایک روپیہ فیس کا مدعا علیہ وصول کرے فریادی کو دلاتے ہیں، بجز ایک روپیہ فیس کے اور کوئی تنخواہ گورنمنٹ کی طرف سے نہیں ہے، اس روپیہ کا نام کوالمیور روپیہ ہے یعنی پان خراج کا روپیہ یعنی پان کھا کر یہ کام کوئی انجام کرے، اور یہ ایک روپیہ جبکہ مقدمہ دائر ہوگا، روڈ اسوگریوں کو ملتا ہے گا، خواہ بعد میں صلح ہی ہو جاوے، اس کے متعلق سرکار سے چند رجسٹر بھی (دفتر) دیئے جاتے ہیں، جرمانہ سرکار کو ملتا ہے، ایک روپیہ فی مقدمہ روڈ اسوگری کو ملتا ہے، گویا یہ روپیہ اس کی تنخواہ ہی، چنانچہ کچری میں کورٹ فیس اسٹامپ لگا کر در خواست

کرنا ہوتا ہے، وہ سرکاری جمع ہوتا ہے، تنخواہ حکام کی علیحدہ دیتے ہیں اور یہاں فقط دفتر میں مرقوم ہوتا ہے رو اسوگرمی سب لے لیتے ہیں،

سوال یہ ہے (۱) یہ کہ ایک روپیہ فیس کا فریادی سے وصول کرنا بطور تنخواہ روا شوگر کے لئے حلال ہو گا یا نہیں (نمبر ۲) اور یہ جرمناہ اور قید کرنا درست ہو یا نہیں، اس کے لئے عند اللہ ماخوذ ہو گا یا نہیں (نمبر ۳) اگر کوئی فیس نہ لے اور حکومت جاری رکھے، مواخذہ سوچ سکتا ہو یا نہیں (نمبر ۴) اگر فیس لے لے اور آپس میں صلح کر لے، جواز کی گنجائش ہو یا نہیں (نمبر ۵) یہ عہدہ کیسا ہو (نمبر ۶) اسی طرح اگر طرفین کے جھگڑے چکانے کے واسطے مثلاً ایک روپیہ محنتانہ ظاہر دیا کر کسی کو ثالث مقرر کریں حکم بناویں (بلا اجازت سرکاری) اور وہ حسب شرع حکم کرے وہ ایک روپیہ محنتانہ مثلاً لے سکتا ہے یا نہیں، اب بیت المال نہیں ہے، مفت کام کرنے والے کم ہیں اس کے ترک میں مفاسد کی زیادتی بیشک ہوگی۔

(السائل منشی احمد ضلع اکیاب پورٹ راسیدنک موضع چانگنانہ)
الجواب، یہ نوکری اور فیس جس حد تک کہ سوال میں لکھی ہے، ایک تاویل سے جائز ہو، بشرطیکہ اس کو کسی اور مقصد کے کا ذریعہ نہ بنایا جائے باقی تقویٰ یہ ہے کہ اس سے بچے، واللہ اعلم بالصواب،
۱۰ رجب المرجب ۱۳۳۵ھ (حوادث ۲۰۱ ص ۷)

بعض حقوق زمینداری | سوال (۳۴۸) دستور دہلی بھوسہ، لکڑی، کٹڈے، بیٹان، کمی کی مقررہ زمینداری | گدی گندم کی کیاری، ساگ کیاری، گاجر، تمباکو، خربوزہ وغیرہ وغیرہ بھیٹ بیگار علاوہ لگان اراضی کے اس نواح میں رعایا سے لیتے ہیں،
الجواب، اگر یہ سب پٹہ سے نکھا جاوے یا زبانی معاہدہ ہو جاوے تو جائز ہے، بیگار میں بھی مقدار مقرر ہونا شرط ہے

سوال (۳۴۹) جب کسی رعایا کی بیٹی یا بیٹے کی شادی ہوتی ہے تو مبلغ پیم نقد اور کچھ آٹا یا کھانا جو اس کے یہاں ہوتا ہے لیتے ہیں؟

الجواب، یہ چونکہ گاہے ہوتا ہے اور گاہے نہیں ہوتا ہے، اس کو درست نہیں، البتہ اگر یہ معاہدہ ہو جاوے کہ ہر سال پیم اور اتنا بھی لیں گے، اور پھر یوں کریں کہ اگر شادی ہو جائے ورنہ معاف کر دے، یہ درست ہے، (حوادث ۲۰۱ ص ۹)

ایضاً سوال (۳۵۰) اور جب کوئی لاندہ عورت اپنا دوسرا نکاح جس کو ان کی اصطلاح

کراؤ کہتے ہیں کرتی ہے تو مبلغ کا نقد زمیندار لیتے ہیں اسی کو دستور دیہی کہتے ہیں،

الجواب، اس میں بھی مثل بالا تفصیل ہے (حوادث ۲ ص ۹)

ایضاً سوال (۳۵۱) اس نواح میں اور نیز جس موضع میں نیازمند رہتا ہے ایک اراضی

جس میں پونہ جس سے چھپر وغیرہ بندہ تے ہیں پیدا ہوتا ہے، اس کی حفاظت بجانب زمیندار ہوتی ہے، جب تیار ہوتا ہے تو فروخت کر دیا جاتا ہے،

الجواب، جائز ہے، (حوادث ۲ ص ۹)

ایضاً سوال (۳۵۲) یا قبل تیاری مویشی پرانے کی اجازت دی جاتی ہے تو فی مویشی

عہد یا لیتے ہیں، اس میں تخم ریزی یا آب پاشی وغیرہ کا اہتمام نہیں ہوتا ہے خود رد ہے۔

الجواب، جائز نہیں، (حوادث ۲ ص ۹)

ایضاً سوال (۳۵۳) اس مسئلہ میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں کہ زید مثلاً عمر و سوا یک

ارضی خریدنا چاہتا ہے اور عمرو بائع اراضی کو ان شروط پر بیع کرنا چاہتا ہے کہ فی بیگہ قیمت مبلغ ایک سو روپے لوں گا اور ہر سال کے بعد ہمیشہ کے واسطے بمقابل فی بیگہ اراضی کے مبلغ عا حق مالکانہ لیتا رہوں گا، تا حال حیات زید مشتری کے میرا قبضہ اراضی سے کوئی تعلق نہ ہوگا، لیکن زید مشتری کو اراضی کے بیع کرنے کا اختیار نہ ہوگا، البتہ عقدین کا اختیار ہوگا، بعد مرنے زید مشتری کے اگر اولاد نہ ہوگی تو وہ اراضی پر قابض مثل زید کے سمجھی جاوے گی، اور اگر اولاد اناٹ ہوگی تو وقت عقد نکاح تک اراضی ان کے پاس بدستور رہے گی، بعد نکاح ہو جانے کے میں قابض ہوں گا، اگر اولاد نہ ہوگی تو زید مشتری کی زوجہ حیات قابض رہے گی، اگر نہ اولاد ہو نہ زوجہ تو بھی میں اراضی کا مالک سمجھا جاؤں گا، عمرو بائع اس عقد کو بیع موروثی نام رکھتا ہے، اور کہتا ہے کہ ہماری گورنمنٹ کا یہ قانون ہے، میں اس کے خلاف نہ کروں گا۔ فی الحال بیع کے وقت اگرچہ عمرو بائع یہ شروط مفصل ذکر نہیں کرتا صرف اس عبارت کے ساتھ بیع کرتا ہے کہ میں فلاں اراضی اتنی قیمت بیع موروثی کرتا ہوں، اور علاوہ قیمت اراضی کے اتنا مال تمام حق مالکانہ لیتا رہوں گا جس کی تفصیل بالا مذکور ہے، مگر سرکاری فتاویٰ میں شروط مذکورہ لفظ بیع موروثی میں ملحوظ ہوتے ہیں، اس واسطے بیع کے وقت ان کی تفصیل کی ضرورت نہیں ہوتی، شروط مذکورہ کے ساتھ بیع شرعاً جائز ہے یا نہیں، اور اگر شروط مذکورہ صلب عقد میں نہ ہوں، قبل عقد یا بعد عقد ہوں تو جائز ہوگا یا نہیں، اگر جائز ہوگا تو یا وجود تسلیم کر لینے زید مشتری کے شروط مذکورہ کو عمرو بائع شروط مذکورہ کا

مستحق ہوگا، شرعاً یا نہیں، اور زید مشتری پر ایفاء واجب ہوگا یا نہیں، جواب مفصل سے سرور فرمائیں، چونکہ زید مشتری کے علاقہ میں بغیر ان شروط کے جو کہ اوپر مذکور ہیں، اراضی کی بیع نہیں ہوتی، اور زید کو اراضی کی ضرورت ہے تو اس صورت میں بوجہ ضرورت بیع جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب، عا جائز نہیں، ۱۲ المعروف کا مشروط کے قاعدہ سے قبل اور بعد بھی مثل صلب عقد کے ہوگا اور ناجائز ہوگا، ۱۳ ہوس کی ضرورت شرعاً معتبر نہیں کیا بدون زمین کے مالک ہونے کوئی ضروری حاجت بند ہے، ۱۴ شعبان ۱۳۳۵ھ (حوادث ۱، ۲ ص ۹)

سوال (۳۵۴) ایک شخص کی زمین بیس بیگہ ہے، اس کو اکتالیس معاف کردن پیداوار زمین تا مدت معلوم بعوض مبلغ روپے اس اقرار پر دیئے کہ عرصہ دس برس تک اس کی پیداوار ہم لیتے ہیں اور جو محصول سرکاری پٹہ کا ہے اہل مالک ادا کرے گا، مگر روپے اکتالیس بعد دس برس کو مالک زمین سے کھانے والا پیداوار زمین کا واپس نہ لیگا، اور بعد دس برس کے مالک زمین اپنی زمین پر قابض ہو جائیگا، اس طرح کا کھانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب، معلوم نہیں کہ اس زمین میں کوئی چیز پیداواری کی موجود ہے، یا یہ کہ بطور کرایہ کی زمین لی ہے کہ اس میں جس طرح چاہئے بوئے اور پیداوار لے، پس اگر دوسری صورت ہے تو یہ عقد اجارہ ہی، دس برس کی میعاد تک وہ زمین بمقابلہ اکتالیس روپے کے اجارہ لی ہے، یہ جائز ہی، کچھ حرج نہیں اختیار ہے جو چاہے بوئے اور حاصل کرے، مگر اس میں شرط یہ ہے کہ یہ اجارہ بدون دباؤ قرض کے ہو اور اگر مقصد اکتالیس روپے کا قرض لینا تھا، اور قرض دینے والا قرض پر نفع حاصل کرنے کی غرض سے یہ حیلہ کرے کہ یہ زمین جس میں منفعت زیادہ ہے، بمقابلہ اس اکتالیس روپے کے دید و تو بوجہ اس کے کہ یہ رعایت قرض کے دباؤ میں ہوئی ہے حرام اور سود ہے، اور اگر اس زمین میں کوئی چیز آمدنی کی مثل باغ وغیرہ موجود ہے، تو یہ عقد جائز نہیں کیونکہ اجارہ تو ہو نہیں سکتا، کہ اجارہ میں تملیک منافع کی ہوتی ہے اور یہ تملیک عین ہے، نہ رہن مجری ہو سکے، کیونکہ رہن مجری میں بعد حصول پیداوار اس کی قیمت لگاتے ہیں اور یہاں پہلے ہی ہو چکی، دوسرے اس میں کوئی مدت نہیں ہوتی، بلکہ جب تک مجرانہ ہوئے وصول کئے جائے پھر چھوڑ دے، یہاں مدت ٹھہری ہے نہ بیع پیداوار کی ہو سکی، کیونکہ وہ معدوم و مجہول ہے اور بیع موجود و معلوم ہونی چاہئے، پھر زمین پر قبضہ بے معنی ہی ہے پس جب عقود صحیحہ میں کچھ نہیں ہو سکتا تو معاملہ باطل ٹھہرا، حاصل یہ کہ اگر اس زمین میں کوئی چیز پیداواری کی موجود نہیں، اور روپیہ والا دس برس تک بطور اجارہ کے رکھ کر

اس سے متعنت حاصل کرے جائز ہے، مگر اس میں وہی شرط ہے جو اوپر مذکور ہوئی، اور اگر کوئی چیز موجود ہے تو یہ معاملہ باطل ہے، اور اگر کچھ زمین بطور اجارہ ہے، اور کسی قدر میں کوئی چیز موجود ہے، پس اگر ہر ایک کا جدا معاملہ کریں تو معاملہ اجارہ کا جائز ہوگا اور دوسرا معاملہ باطل اور دونوں کا ایک معاملہ کریں تو بسبب شیوع فساد کے سب باطل ہوگا، واللہ اعلم فقط،

۲ صفر ۱۳۳۴ھ (امداد ج ۳، ص ۴۲)

سوال (۵۵۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ خلافت شرع میں کہ جس شخص کا دل نوکری بسبب قواعد کے کہ اس میں نماز فرضی قضا ہوتی ہے اور انگریزی زبان سیکھنی اور بولنی پڑے، اور اصل مقصود اس قواعد وغیرہ سے یہ ہے کہ جب کہیں لڑائی درپیش ہو تو قواعد ادا بھیجے جاویں نہ چاہتا ہو اور والدین واسطے چھوڑنے کے از بس ناراض ہیں اور نوکری کرنے میں خوش ہیں، اس کے جواب سے سائل کو معزز فرمادیں،

الجواب، یہ نوکری بوجہ اس کے کہ نماز فرض فوت ہوتی ہے، اور وقت مقابلہ کفار و مسلمین کے تائید کفار کی کرنی پڑتی ہے اور وقت پر انکار ہو نہیں سکتا، ناجائز ہے، اس کو چھوڑ دینا چاہئے، اگرچہ والدین ناراض ہوں، خدا تعالیٰ کے سامنے کسی کی طاعت نہیں ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ان الحکم الا اللہ الایۃ وایضا قال جل شانہ وان جاهدک علی ان تشرک بى مالیس لک بہ علم فلا تطعہما الایہ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا طاعة لمخلوق فی معصیۃ الخالق الحدیث واللہ اعلم فقط ۴ محرم ۱۳۳۴ھ (امداد ج ۳، ص ۴۵)

سوال (۵۵۶) حضرات علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے مثلاً اپنی زمین جس میں درخت ڈھاک کے تھے کسی کو دو سال پر ٹھیکہ پر دیدیئے، اور جس کو دیدیئے اس سے یہ کہا کہ اتنی مدت تک یہ زمین تیرے قبضہ میں ہے، تجھ کو اختیار ہے کہ تو ان درختوں کو کاٹ یا رکھ، بعد الفقنا، مدت معہودہ یہ زمین میں تجھ سے لے لو تو آیا یہ معاملہ اس کو کرنا جائز ہے یا نہیں، اور وجہ عدم جواز کی کیا ہے (مولوی عبدالرحمن مراد آبادی)

الجواب، یہ معاملہ صحیح نہیں، کیونکہ معنی کلام کے یہ ہوئے کہ دو سال تک جتنے درخت تو کاٹ

لیگا وہ تیرے ہاتھ بیع ہیں، اور تعداد ان درختوں کی معلوم نہیں کہ دو سال میں کتنے کٹیں گے، تو بیع

مجمول کی ہوئی اور یہ جائز نہیں، سلخ محرم ۱۳۳۴ھ (امداد ج ۳، ص ۴۵)

مدرسہ کو بجائے کھانے کے اگر نقد روپیہ دیا جائے تو ایام رخصت میں بھی یہ روپیہ یا جائیگا یا نہیں **سوال (۵۵۷)** ایک

مدرس عربی کی دس روپے تنخواہ ہے، اور کھانا بھی مدرسہ کے ذمہ ہے، کھانے کی بنظمی کی وجہ سے مدرسہ مذکور نے یہ درخواست کی کہ مجھ کو کھانے کی عوض نقد دیا کرو، اس کو اہل مدرسہ نے قبول کر کے تین روپے ماہوار مثلاً بغرض طعام معین کر دیا، اب بجائے دس کے تیرہ روپے مدرسہ دیتا ہے، اب مقصود سوال یہ ہے کہ عیاقاً عند مقررہ مدرسہ کی ہر ماہ رمضان کی تعطیل میں مدرسین مکان کو چلے جاتے ہیں، ان کو تنخواہ ماہ رمضان المبارک کی مدرسہ سدی جاتی ہے، اب مدرسہ مذکور کو یہ تین روپے تنخواہ میں متصور ہوں گے یا نہیں، اور رمضان المبارک کی تنخواہ دس دیئے جائیں گے یا تیرہ؟

الجواب: اس کا مدار عرف پر ہے، جبکہ کوئی خاص تصریح نہ ہو، اور میرے نزدیک عرف یہ ہے کہ جب بجائے کھانے کے نقد اس طرح معین ہو جائے کہ وہی مستقل ہو جائے اس طور پر کہ پھر عود طعام کا احتمال بعید ہو جائے تو وہ نقد مثل دوسرے جزو و تنخواہ کے ہو جائے گا، اور ایام تعطیل میں بھی تیرہ روپے دیئے جائیں گے، البتہ اگر کسی شخص کو اس کے خلاف عرف محقق ہو جائے تو اس کو موافق حکم ہوگا، ۱۸ رجب ۱۳۲۶ھ (تمتہ اولیٰ ص ۴۴، حوادث ۲ ص ۳۶)

سوال (۳۵۸) ایک شخص نے دودھ دیتی ہوئی گائے خریدی، ایک دودھ کے عوض اجیر رکھنا روزانہ اپنا کھلا کر اس روز کا دودھ ایک شخص کو اس وعدہ پر دیا کہ دو روز تک اس گائے کو چرائے گا اس کھلائے، غرض کل خدمت اس کی کرے، اور دونوں روز کا دودھ مالک کو دے، پھر آخر روز کے دودھ سے اسی طرح عہد کیا تو یہ جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: چونکہ اجرو عمل معلوم ہیں لہذا جائز ہے، کیونکہ تعمیل اجرت خود جائز ہے، البتہ یہ شرط ہے کہ صرف چرانے کی شرط ٹھہری، گھاس کاٹ کر یا خرید کر کھلانے کی شرط نہ ٹھہری، کیونکہ اجارہ استہلاک عین پر جائز نہیں ہے، (تمتہ اولیٰ ص ۱۷۵)

سوال (۳۵۹) مثلاً کھجور کی تاڑی ایک روز کسی نے اپنی مزدوری پہلے دے دینا دیکر اتر وایا اور نصف تاڑی دے کر اس کو وعدہ لیا کہ کل تاڑی مجھ کو دینا، کل کی مزدوری ہم آج دیتے ہیں، اسی طرح چند بار کیا تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ بھی جائز ہے، مگر دونوں مسلوں میں ہر بار کا دینا مجداً جائز ہے، لہذا انکار کرنے پر حق جبر نہیں، ۱۸ شعبان ۱۳۲۶ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۷۵)

سوال (۳۶۰) زید نے دودھ ایک روز کے دودھ کے عوض گائے چرانے اور گھاس کاٹنے اور کھلانے پر اجیر رکھنا اور دودھ کو قیمت گھاس کی اور اجرت قرار دینا دیتی ہوئی گائے خریدی ایک روز اپنا

کھلا کر دودھ اس روز کا بکر کو اس وعدے پر دیا کہ گائے اور بچہ کو دو روز چرائے اور اپنے گھر باندھ دیکھو گئے اور دونوں روز کا دودھ دودھ کھالک کے پاس پہنچائے پھر دوسرا وعدہ ہوا کہ دوسرے روز کا دودھ تم لیکر پھر دو روز اس کی جمیع خدمت کرتا، علیٰ ہذا القیاس، لیکن گھاس کاٹ کر یا خرید کر یا اپنے پاس ہی بھوسا کھلانے کا بھی وعدہ ہوا، اور اپنے گھر باندھنے کا اس طریق پر کہ نصف دودھ مذکور گھاس بھوسہ کی قیمت ہے، اور نصف حق خدمت، یا اس طرح پر کہ دودھ حق خدمت ہو اور نصف بچہ ایک سال کو گھاس بھوسہ کی قیمت یا بکرے دودھ حق خدمت لیا، اور گھاس بھوسہ تبرعاً دینا کیا، یا گھاس بھوسہ کی نظر ٹھیکہ کے تخمینے بالمطلع قیمت ایک سال مثلاً دس روپے طے ہوئے، یا ایک سیر دودھ روزانہ یا دوسرے روز گھاس بھوسہ کی قیمت دی جائے اور نصف بچہ حق خدمت ایک سال کے تو کون صورت جائز ہے؟

الجواب، سب صورتیں ناجائز ہیں، ولو جہ عدم وجدان شرائط الاجارۃ والبیع

کما هو ظاہر والله اعلم، ۳ رمضان ۱۳۲۶ھ رتمہ اولیٰ ص ۱۴۵

سوال (۳۶۱) بعد تعظیم و تکریم کے معروض یہ ہے، جناب مخالفین سے
قرآن خوانی پر اجرت لینا بغیر تاویلات کے اور کوئی دلیل معتبر کتب سے نہیں دے سکتے تھے، فی الحال ایک کتاب حقیقت الاسلام ہے، اس کتاب سے دلیل دیتے ہیں، اور وہ کتاب قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی تصنیف ہے، اور وہ دلیل یہ ہے :-

صورت سوم آن کہ شخصے حبیبہ للہ ثواب خواندہ خود را بجسے بخت یا بقصد ثواب و خواندن آغاز کند و ہرگز خیال معاوضہ در خاطر او خطور نکند و آن کس بطریق مکافات بعد ازاں یا در اثنا خواندن آن کو چیرے بپہر یا احسانے نماید شخصے باشد کہ از سالہا بر شخصے انعام و احسان می کند و آن کس در مکافات آن قرآن و کلمہ تہلیل و امثال آن بپڑے اومی خواند و ثوابش بے بخشد، ایں صورت جائز است بلاشبہ، بلکہ مستحب زیرا کہ مکافات احسان و احسان مناسب موافق است، چنانچہ کہ بحديث قدسی آمدہ است من صنع الکیم معروفاً کافوہ غورے می باید اگر نیت در خواندن احسان اوست جائز و مستحب است، اما اجاز نشد و اگر خیال معاوضہ باشد جائز نیست، پس بوقت خواندگی تامل و درکار است،

جنابا حدیث شریف کے نیچے سے جو عبارت ہے اس سے جواز ہونے کا زیادہ زور کرتے ہیں ورنہ اور کوئی دلیل قوی نہیں، جنابا ابھی بندہ کی معروض یہ ہے کہ عبارت کا جو مضمون صحیح ہو یا نہ اور جو مکافات اور معاوضہ کا فرق بیان کیا، یہ بھی صحیح ہے یا نہ اور جو لکھا کہ احسان کا خیال کر کے پڑھنے سے درست ہوگا

مے صودہ ادبی میں عدم جواز کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی چنانچہ مسئلہ ۱۔ میں بعینہ اسی صورت کا جواز تحریر فرمایا ۱۲ رجب المرجب ۱۳۲۶ھ

معاوضہ کے خیال سے درست نہیں ہوگا، یہ بھی صحیح ہے یا نہ احسان کے کیا معنی لہذا کیا تعریف ہو اور حدیث شریف کے اوپر سے جو عبارت ہو اس کے معنی کسی صورت میں مطابق ہوگا کیونکہ ہمارے یہاں معاوضہ کا خیال نہ ہوتا یہ ہرگز نہیں، جتنا با ان سب باتوں کی تحقیق فرما کر اطلاع فرما دیں،

الجواب، حدیث شریف کے نیچے جو عبارت ہے، اس کی صورت متعارفہ کے جواز پر استدلال کرنا محض بے معنی ہے، کیونکہ اس میں تصریح ہے کہ اگر خیال معاوضہ باشد جائز نیست اور ظاہر متیقن ہے کہ جہاں اس کی عادت ہو وہاں دینے والے لینے والے دونوں کا خیال معاوضہ ہوتا ہے، اگر کوئی بات بنا کر خلق کے سامنے بری ہو گئے، مگر حق تعالیٰ تو نیت کو دیکھتے ہیں تو قیامینہ و بین التہ کیسے برأت ہوگی؟

خلق را گیرم کہ بفریبی تمام در غلط اندازی تا ہر خاص و عام

کار ہا با خلق آری جملہ راست با خدا تیز و یر و میلہ کے رو است

کار ہا اور راست باید داشتن رایت اخلاص و صدق افزا شدن

اور جو فرق مکافات و معاوضہ کا بیان کیا ہے، مقصود فرق کے آثار و امارات کا بیان کرتا ہے عاقل اس سے اور دوسرے آثار و قرائن سے بھی دونوں کے فرق کو سمجھ سکتا ہے، اور آپ کا یہ کہنا ٹھیک ہے کہ ہمارے یہاں معاوضہ کا خیال نہ ہوتا ہرگز نہیں، پس جواز کی گنجائش نہ ہوئی، والسلام

۲۹ ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۶۶)

شاہ عبدالعزیز صاحب فتویٰ سے ایصال ثواب کیلئے **سوال** (۳۶۲) در فتاویٰ شاہ عبدالعزیز رضا قرآن خوانی پر اجرت لینے کے جواز پر استدلال کا جواب می نویسد شخصے قرآن را نہ برو جہ طاعت بلکہ بنا بر قصد مباحثے می خواند و بران اجرمی گیر و مثل رقیہ و تعویذ و ختم بعض سور قرآن برائے حصول بعض مطالب دنیوی و یا برائے استخلاص از عذاب گویا برائے انس زندہ یا مردہ بصورت خوش و این قسم نیز جائز است بلا کراہت و ہمین است مراد این حدیث ان احق ما اتخذتم علیہ اجرا، کتاب الشرائع اگر نیت طاعت و ثواب تھا خدا استخلاص از عذاب گویا برائے انس مردہ چہ معنی دارد، و این عبارت را طاعت فروشان این دیار سندی کردند و شنیدہ ام کہ در رسالہ حقیقت الاسلام قاضی ثناء اللہ صاحب نیز نوشتہ اند کہ برائے استخلاص از عذاب گویا قرآن بر اجرت خواندن جائز است،

الجواب، اولاً انتساب این فتویٰ بشاہ صاحب محتاج سند است و دوم خطر القناد، ثانیاً اصل قاعدہ کہ مہد کردہ شدہ است وہاں مقصود مستصحیح است کہ شخصے قرآن را الخ البیہ استخلاص از عذاب گویا در مسئلہ اش داخل نہ ہوں بالیقین صحیح نیست خواہ از کبوتہ جواد باشد یا از تحریف

نساخان و متفق علیہ است کہ اگر مثالی بر قاعدہ منطبق نباشد اس مثال قابل طرح میباشد پس ہر گاہ ثابت است کہ استخلاص از عذاب گور بدون ثواب تمیض و قرآن خواندن باین غرض داخل طاعت گشت و آن قابل استیجار نیست و عبارت قاضی صاحب تا وقتیکہ دیدہ نشود بر آن کلام متوان شد از ناقلان مطالبہ تصحیح نقل می باید کرد فقط ، ۲۹ ذیحجہ ۱۳۲۷ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۷۷)

سوال (۳۶۳) اکثر بلاد میں مثل سورت وغیرہ کے درخت ہائے کھجور خود بخود پیدا ہوتے ہیں مثل اور نباتات کے اور بعض اس کو ہوتے بھی ہیں ، اور پھر اس کو اجارہ پر دیتے ہیں ، اور اجارہ دار اس درخت ہائے کھجور سے تاڑی نکالتا ہے ، سوئے تاڑی کے اور کوئی نفع مقصود نہیں ہوتا ، اور تاڑی مسکر ہے ، تو اب عبد الشرع شریف ان درختوں کو اجارہ پر دینا درست ہے یا نہیں ، بینوا تو جروا ، بحوالہ کتب معتبرہ و عبارات واضحہ ،

الجواب ، قطع نظر اس سے کہ یہ اعانت علی المعصیۃ ہے یا نہیں خود یہ معاملہ اس لئے ناجائز ہے کہ یہ اجارہ تو اس لئے نہیں کہ اجارہ استہلاک منافع پر ہوتا ہے ، اور یہاں استہلاک عین پر ہوا ، اور بیع اس لئے نہیں کہ بیع مقدور التسلیم بلکہ بعض صورتوں میں موجود بھی نہیں ، ۲۸ ذیحجہ ۱۳۲۷ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۷۸)

سوال (۳۶۴) کھجور ناریل تاڑی کے درختوں کو اجارہ پر دینا میں کسی نقد معین پر دینا جیسا کہ اس ملک ہند میں مروج ہے جائز یا نہیں؟

الجواب ، جائز نہیں ۔ (تمتہ اولیٰ ص ۱۸۳)

سوال (۳۶۵) کرایہ دار اگر میعاد مشروط سے پہلے مکان خالی کرے تو کرایہ کل پڑے گا یا بعض سا کسی مالک مکان سے بشرط ایک سال یا چھ ماہ دعدہ کے کرایہ معینہ ماہوار شرح مقرر کر کے لیوے اور اندر میعاد معینہ کے مکان خالی کرے ، تو مالک مکان کو حق پہونچتا ہے کہ کرایہ میعاد مشروط اس سے وصول کرے ، ؟

الجواب ، یہ خالی کرنا اگر کسی عذر سے ہے تو کل کرایہ وصول نہ کیا جاوے گا ، ورنہ وصول کیا جاوے گا ، اس عذر کو بیان کرنا چاہئے ، ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۸۴)

سوال (۳۶۶) کوئی ملازم کارخانہ یا مدرسہ وغیرہ کا خارج اوقات ملازمت یعنی بعد عصر یا شب میں دوسرے کارخانہ میں ملازمت کر سکتا ہے یا نہیں ؟

معنی علاوہ عبارت مذکورہ سوال سابق کے کہ اس سے استدلال نہ ہو سکتا اس سوال کے جواب میں مذکور ہو چکا ہے

الجواب، جو اجیر خاص ہو اس کو جتنا وقت اس عمل کے لئے معین ہو سکتا ہے، اس میں دو کام کرنا بلا اذن جائز نہیں۔ اور اذن بھی صاحب عطار یا وکیل مطلق صاحب عطار کا معتبر ہے،

۸ محرم ۱۳۳۲ھ (تمہ ثانیہ ص ۱۱۲)

سوال (۳۶۷) گورنمنٹ کے چھاپہ خانہ میں کسی شخص کی تنخواہ مقرر زیادہ روپیہ وصول کرنا نہیں ہے، سب لوگ ٹھیکہ پر کام کرتے ہیں، اور گورنمنٹ نے ایک طریقہ ترقی کا سب لوگوں کے واسطے یہ مقرر کیا ہے کہ ہر سال میں جنوری، فروری، مارچ ان تین مہینوں کا حساب دیکھا جاتا ہے، اگر کسی شخص کو ان تین مہینوں میں برابر چالیس روپیہ ملا ہوگا تو اس کو ترقی ہوگی، اور اس کا ۳۰ گھنٹہ مقرر ہوگا، اگر ان تینوں مہینوں میں چالیس روپیہ سے کم ملا ہوگا تو ترقی نہ ہوگی، پس ایسا کوئی نہیں جو اکیس چالیس روپیہ کا کام برابر تین مہینہ کر سکے، جب چالیس روپیہ تین مہینے برابر نہ کر سکیں گے تو ترقی بھی نہ ہوگی، اس پر چند لوگ یہ کارروائی کرتے ہیں کہ دو آدمی صلح کر کے خلافت حکم گورنمنٹ شرکت میں کام کرتے ہیں، جب ان دو آدمیوں نے مل کر ایک مہینہ میں ساٹھ روپے کا کام کیا، اب جس وقت حساب کے واسطے ان کا کام گورنمنٹ میں بھیجا جاتا تو ایک آدمی اپنے نام چالیس روپے کا کام لکھے گا اور ایک آدمی بیس کا کام لکھے گا، مگر تنخواہ ملنے پر دونوں آدمی پورا پورا حصہ تقسیم کریں گے، جس نے چالیس روپے کا کام اپنے نام لکھا ہے محض اسی غرض سے کہ میری ترقی ہو، جب سال تمام ہوگا اس وقت ان کی ترقی ضرور ہو جاتی ہے، یہ گورنمنٹ کو دھوکہ دے کر ترقی کرائی گئی، اور گورنمنٹ نے تو یہ سمجھ کر ترقی دی کہ اس نے اکیلے برابر تین مہینے چالیس روپے کا کام کیا ہے اور گورنمنٹ کا حکم ہے کہ کوئی آدمی آپس میں شرکت سے کام نہ کرے سب الگ الگ کریں۔ اگر گورنمنٹ کو معلوم ہو جائے کہ چند لوگ شرکت میں کام کرتے ہیں تو ان لوگوں کو جرمانہ ہو جائے، یا نکال دیئے جائیں تو اس طرح سے کام کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں اور یہ روپیہ شرعاً حلال ہے یا حرام فقط

الجواب، یہ عقد اجارہ ہے، اور اجیر کی خاص صفت پر اجرت زیادہ دینے پر گورنمنٹ کی رضا مندی ہے جب وہ صفت اجیر میں نہیں تو وہ زیادت اجرت خداع و فریب کے کرائی گئی ہو لہذا یہ جائز نہیں اور جس قدر دھوکہ سے ترقی کی ہے اس قدر روپیہ خبیث ہے،

۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ (تمہ اولیٰ ص ۱۷۱ و حوادث ۲ ص ۳)

سوال (۳۶۸) امامت اور وعظ پر اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: استیجار علی الطاعات جو ناجائز ہے اس میں سے امامت مستثنیٰ ہے، اور وعظ کو بھی بعض نے مستثنیٰ کہا ہے، اور بعض نے عدم جواز میں داخل رکھا ہے، تطبیق یہ ہے کہ اگر وعظ کی توجہ کر لی مثل امامت کے تو اجرت لینا جائز ہے، اور اگر توجہ نہیں ہے عین وقت پر وعظ پر اجرت کی شرط کرے تو جائز نہیں جیسے عین وقت پر امامت پر اجرت مانگنے لگے فقط

اشعبان ۱۳۲۹ھ مرتبہ اولیٰ ص ۱۴۹

سوال ۳۶۹ کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص اپنی جائیداد صحرائی یا کئی کسی شخص کو ٹھیکہ پر دیتا اور زر ٹھیکہ پیشگی وصول کرتا جائیداد صحرائی جو بذریعہ ٹھیکہ نامہ جات مزارعان کے پاس بشرح نقدی معینہ پر ہو، یا سکنی جو بذریعہ کرایہ نامہ جات کرایہ داروں کے پاس کرایہ معینہ پر ہو کہ جس میں کمی بیشی نہ ہو سکے جزیہ کو یا کل کو حیثیت مستاجری کسی شخص کو ٹھیکہ پر مدت کم از کم بارہ سال یا زائد بارہ سال کے لئے دی، اور اس آمدنی کا زرچہارم یا کم و بیش معین جو کرایہ داروں یا ٹھیکہ داروں سے یعنی کاشتکاران و پٹی داران سے وصول ہوتا ہے اس کو چھوڑ کر ٹھیکہ پر دیدے اور نفع نقصان کا ذمہ زر ٹھیکہ دار ہو، خواہ اس کا کرایہ وغیرہ وصول ہو یا نہ ہو خواہ باسانی ہو یا بذریعہ عدالت اس کو وصول کرنا پڑے، اور معاہدہ مالک کا کرایہ داروں یا پٹہ داروں سے ہے اس کا پابند رہے، اور زر ٹھیکہ کل یا جزو مدت کا بغرض اطمینان یا بغرض ضرورت مالک اراضی پیشگی وصول کرے، ایسی حالت میں یہ ٹھیکہ جس کو مستاجری کہتے ہیں جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا فقط۔

الجواب: یہ مستاجری باطل ہے، کیونکہ معقود علیہ اگر متافع ارض میں تو وہ متافع بوجہ عقد اجارہ حق مزاعین یا سکان مکانات ہیں بدون انقضائے مدت اجارہ یا فسخ عقد بالتراضی ان میں تصرف کرنیکا مالک کو اختیار حاصل نہیں، اور اگر معقود علیہ متافع اس مستاجر کے نفس کے ہیں، یعنی انتظام و سعی وغیرہ اور وہ ربح عوض ان متافع کا ہی تو بشرط اجتماع شرائط صحت اجارہ صحیح ہو سکتا ہے، مگر اس صورت میں اس مستاجر سے پیشگی روپیہ لینا بلا حق ہے، بلکہ جب کاشتکاران سے وصول ہو اس وقت لینے کا حق ہی، اور اگر اس پیشگی روپیہ میں قرض کی تاویل کی جائے تو اول تو شرط قرض باطل ہے دوسرے اس کا مقضایہ ہے کہ اگر مستاجر کو وصول نہ ہو تو مالک اس کی رقم اس کو واپس کر دے اور نہیں ہوتا لہذا ناجائز ہے۔ ۳ رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ مرتبہ اولیٰ ص ۱۴۹

سوال (الف ۳۶۹) زید کاشتکار اپنا موروثی کھانہ کاشتکار کا مالک زمین کو ٹھیکہ پر زمین دینا عمر کو پانچ سال کے ٹھیکہ پر دیتا ہے، اور دوسرے

عمر سے قرض کے لیکر اپنا قرضہ ادا کرتا ہے، موروٹی کھاتہ کا لگان زیدنی بیگہ عہ زمیندار کو دیتا ہے،
عمر کے ٹھیکہ میں جب یہ کھاتہ موروٹی آجائے گا، تو وہ یعنی عمر اس آراضی کو کسی کا شتکار کوئی بیگہ
مہ پر دیوے گا، کیونکہ ٹھیکہ میں آنے سے وہ پانچ سال تک غیر موروٹی تصور ہوگا، اور غیر موروٹی
کا لگان فی بیگہ پانچ روپے ہے، پانچ سال تک عمر اس پیداوار سے زمیندار کا جو لگان موروٹی مقرر
ہے وہ ادا کر کے باقی اپنے خرچ میں لائے گا، اور پانچ سال کے بعد ٹھیکہ فتح ہوتے پر عمر و زید کی آراضی
کو چھوڑ دے گا، اور مبلغ دو سو روپے اپنے واپس لے لے گا، یہ صورت شرع شریف سے جائز ہی نہیں
اگر یہ صورت جائز نہ ہو تو اور جو صورت مطابق شرع شریف کہ ہو سکے تحریر فرمائیے گا،
دوسری صورت یہ کہ زید کا شتکار اپنے زمیندار عمر کو اس صورت سے ٹھیکہ دے تو زمیندار کو
جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، اس میں ایک قباحت تو یہ ہے کہ زید بوجہ دعویٰ موروثیت غاصب اور غاصب
سے ٹھیکہ لیتا حرام ہے، دوسرے اگر زید اس زمین کا مالک بھی ہو تا تب بھی یہ ٹھیکہ قرض کے دباؤ میں
دیا گیا ہے، اور بقاعدہ کل قرض جہ نفعاً قہور یا یہ سود اور حرام ہوا، اس کو یہ ٹھیکہ لینا جائز نہیں،
علاوہ کا یہ ظلم ہے اس لئے وہ مرتکب حرام کا ہوگا، اور زمیندار بوجہ تکم مظلوم ہے اور مالک زمین کا
ہے، اس لئے وہ بوجہ اس کے کہ اپنی زمین سے منتفع ہو رہا ہے، اور اپنے استخلاص حق کے لئے سعی کی ہے
اس کو گستاہ نہ ہوگا، ۳ صفر ۱۳۳۳ھ (تمہ اولیٰ ۱۸۳، حوادث دوم ص ۳۹)

سوال (۳۷۰) کسی مندر کے لئے چھوڑی ہوئی زمین کو کسی مسلمان کا
حصہ پر یا کسی معین اجارہ پر لے کر زراعت کرنا اور اس سے ففع اٹھانا جائز ہے یا نہیں، اپنی فائدہ کے
لحاظ سے اس زمین کو درست کر کے ترقی پیداوار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، جائز ہے، (تمہ اولیٰ ص ۱۸۳)

سوال (۳۷۱) کھجور اور تار کے درختوں کا ٹھیکہ دیتا جائز ہے یا نہیں، بر
تقدیر عدم جواز بایں حیلہ کہ ان درختوں کے ساتھ وہ زمین جس میں یہ درخت واقع ہیں، ٹھیکہ
میں وہ زمین دی جائے ایسی حالت میں یہ آمدنی شرعاً جائز ہوگی یا نہیں؟

جواب۔ اس حیلہ سے بھی جائز نہیں، کیونکہ یہ حیلہ کسی قاعدہ شرعیہ پر منطبق نہیں،

۱۸ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ (حوادث دوم ص ۱۸)

سوال (۳۷۲) کام اور وقت دونوں معین کے اجیر رکھنا درست ہے یا نہیں؟

کر کے مزہ دور کرنا درست ہی یا نہیں، مثلاً یوں کہا کہ ایک دن میں چار عدد اس قسم کے ٹوکریے بنا دیتا آٹھ آنہ روزانہ دیں گے یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب، اگر مقصود صرف کام ہو اور وقت کا ذکر تعبیل کے لئے ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں

(تمتہ اولیٰ ص ۱۸۳)

سوال (۳۷۳) ایک عورت کا لوگوں پر کچھ روپیہ آتا ہے اور کہ جو وصول ہوگا اس کا ثلث تم کو ملے گا اس کی دستاویز بھی ہے، گواہ بھی موجود ہیں، مگر وہ دیون روپیہ دا نہیں کرتا، اور وہ عورت نالش کرنے سے قاصر ہے، لہذا ایک معتمد علیہ کی ایسا بندوبست کیا گیا کہ تم ہمارا حق لوگوں کی بندریہ نالش یا کسی اور تدبیر سے وصول کر دو تو تم کو اس کا ثلث روپیہ بطور محنتانہ دیا جائے گا بلکہ میرے پاس نالش کا پورا خرچ نہیں ہے، اپنی طرف سے ثلث خرچ بھی دینا تو خرچ وضع کر کے جو بچے گا وہ آپس میں تقسیم ہو جائے گا، یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب، یہ شخص اجیر ہے، لہذا تنخواہ معین ہونا چاہئے، خواہ ماہانہ خواہ یکمشت کہ بعد کامیابی کے اتنا دیں گے، اور یہ شخص جو خرچ کرے گا وہ ہر حال میں عورت پر قرض ہوگا، خواہ کامیابی ہو یا نہ ہو، ۳ شعبان ۱۳۳۳ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۸۳)

سوال (۳۷۴) جو شخص بندوق کا نشانہ اچھا لگاتا ہو اس کو بندوق شکار اجیر یا ملازم رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، جائز ہے، ۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ (حوالہ بالا)

سوال (۳۷۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مراد آباد کے اسٹیشن پر ایک مسجد ہے، اس کے متعلق ایک سرانے وقف ہے اس متولی حافظ عبدالواحد صاحب ہیں، انھوں نے سرانے مذکور کو بیعاً دس سال حاجی نبی احمد صاحب کو ٹھیکہ مبلغ ۳۰۰ روپے ماہوار کو دیدیا، حاجی نبی احمد صاحب نے اپنی طرف سے بیعاً دس سال بنام کفایت اللہ دیدیا، ہر دو ٹھیکہ دار سے یہ شرائط تحریر تھی کہ صفائی سرانے ذمہ ٹھیکہ دار اور شکست و ریخت ذمہ متولی کے ہے، جس زمانہ میں سرانے ٹھیکہ پر لی تھی اس زمانہ میں منجانب سرکار یہ حکم ہوا تھا کہ ایک محرر شب کو مسافروں کے نام اور علیہ اور پتہ رب رجسٹر میں لکھ کر لیجا یا کرتا تھا، اس کے دس پندرہ یوم بعد منجانب سرکار یہ حکم ہوا کہ ہمارا محرر اب نہیں آوے گا، بلکہ جو شخص سرانے میں رہے وہ رجسٹر کا کام کیا کرے، سرکاری حکم مجبوری ماننا پڑا، ٹھیکہ دار دویم نے ٹھیکہ دار اول سے کہا کہ مجھ کو منشی رکھنا پڑے گا

تشدد کرنا ہوتا ہے، اس کے لئے کیوں مثل امامت بنچگانہ کے امام بالاجرت سوار کان معروفاً او مشروطاً نہیں رکھ سکتے؟

الجواب، یہ سنت کون سی ہے، تراویح یا ختم قرآن، اگر تراویح ہے تو تراویح بدون اجرت کے قائم ہو سکتی ہے، اگر ختم قرآن ہے تو اس پر تشدد کس نے لکھا ہے،

م ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ (تمتہ ثانیہ ص ۹۲)

سوال (۳۷۷) رشتہ کرانے کی اجرت لیتا جیسے حجام پیام و سلام لڑکی ولڑکے کا کرا کے کچھ لیا کرتے ہیں، یا پہلے کچھ مقرر کر لیتے ہیں، کہ اس قدر نقد اور ایک جوڑا تو شرعاً تو اس لین دین میں کچھ حرج نہیں ہے؟

الجواب، اگر اس ساعی کو کوئی وجاہت حاصل نہ ہو اور جہاں اس نے سعی کی ہو وہاں کوئی دھوکہ نہ دے تو اس اجرت کو جانے آنے کی اجرت سمجھ کر جائز کہا جاوے گا، والا فلا کجوز اخذ الاجر علی الشفاعة ولا علی الخداع، ۱۲ ذی قعدہ ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۸۲)

سوال (۳۷۸) حضور ہمارے ملک میں رواج ہے، کہ سال کے پہلے از جانب سرکار ایک جگہ مقرر کی جاتی ہے، اس لئے کہ بیل وغیرہ جو رعایا کی زراعت کا نقصان کرتا، وہاں لیسکر بند کرتے ہیں اور پیسہ و روپیہ علی تفاوت النوع لیسکر چھوڑ دیتے ہیں، وگرنہ اس بیل وغیرہ کو بعد پندرہ سولہ دن کے نیلام کرتے ہیں اور یہ پیسہ لیتا اور نیلام کرنا از جانب سرکار ہوتا ہے اس کو کھڑکتے ہیں، اسی کو سرکار بہادر بیچتے ہیں کہ اس کھڑ کو ایک برس کے لئے میں اتنے روپیہ میں بیچاؤں جو کوئی لے گا بیل وغیرہ کی قیمت وہ لیں گے، پس یہ صورت کیسی ہے، اور اس کو خریدنا درست ہو یا نہیں اور بیچنا کیسا ہے؟

الجواب، اس صورت میں بیع وہ روپیہ جو سال بھر میں جرمانہ یا قیمت مویشی کا وصول ہوگا، سوا اول تو وہ روپیہ معین نہیں، دوسرے موجود نہیں، تیسرے ابھی حق سرکار بھی نہیں ہوا، اس لئے وہ روپیہ بیع ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اس لئے یہ بیع حرام اور باطل ہے، اور قمار و سود میں داخل ہے، فقط ۹ محرم ۱۳۳۵ھ (امداد ج ۳ ص ۱۰)

سوال (۳۷۹) ٹھیکہ مویشی خانہ جیسا کہ جلد سوم امداد الفتاویٰ کے صفحہ ۳۹۳ میں لکھا گیا ہے وہ بعینہ ضلع چانگام میں مرقع ہے، اس کا حکم تو امداد الفتاویٰ میں مذکور ہے، کہ بیع حرام اور باطل اور سود اور قمار میں داخل ہے، لیکن ضلع اکیا میں اس کی صورت دیگر ہے، وہ یہ ہے کہ گاؤں

کے بڑے آدمی جس کو ہیڈ مین روا سو گری کہتے ہیں، پانچ روپے جرمانہ اور چوبیس گھنٹہ کی قید کرنیکا اختیار رکھتا ہے بعض ایسے شخص کو سرکار کی طرف سے یہ پروانہ دیا جاتا ہے کہ تم کو کھڑ دیا گیا، پس تم کو چاہئے کہ جو شخص کسی مویشی کو اس کی زراعت کا نقصان کرنے سے تمہارے پاس لاوے، تم اس کو بند رکھو، سات دن تک اگر نہ چھڑائے جائے اس کی رپورٹ کر کے نیلام کر دو، فیس حسب ذیل وصول کرنا (۱) ہاتھی کا جرمانہ دو روپے، گھوڑے کا ایک روپیہ، بھینس کے اٹھانے، گلے کے چارٹنے، بکری کا ایک آنہ، گائے کے بچے کے دو آنے (۲) پہلے روز سے جب تک بند رہو گا کافی رو بمقدار جرمانہ چرائی بھی وصول کرو، جرمانہ تو فقط وہی مقدار مقرر ہے، اور چرائی ہر روز کی جڈاگانہ ہے حکم سرکار یہ ہے کہ (۱) چرانے کی بابت جس قدر وصول ہو وہ تو صاحب کھڑ کا حق ہے، وہ خود چراؤ کے یا دوسرے سے جس طرح چاہے چروائے (۲) جرمانہ کی بابت جس قدر وصول ہو وہ اگر پانچ روپے تک ایک ماہ میں نہ پہونچے، بلکہ پانچ روپے سے کم رہے، وہ صاحب کھڑ کھا لیوے، اس میں سرکار کا کوئی حق نہیں، ہاں البتہ اگر ایک مہینہ کے اندر پانچ روپے یا زیادہ جرمانہ میں آمدنی ہو وہ مقدار زر سرکار میں داخل کر دے، پس بیع کی صورت بالکل نہیں ہے، فقط سرکاری آمدنی وصول کرنے کا گویا تحصیلدار ہے، اس تحصیلدار کی تنخواہ یا فیس حسب مرقوم بالا تحصیلدار کو ملتا ہے، اپنی طرف سے کچھ نقد پیشگی یا بعد میں تعیین قسط دینا نہیں ہوتا ہے، نیلام کرنے کی وجہ سے جو قیمت جمع ہوتی ہے یعنی ہر مویشی جانور کی قیمت علیحدہ ہوتی ہے، کھڑ کے مجوزہ حق پورے ہو کر اگر کچھ مقدار بچت میں جمع رہے وہ صاحب جانور کو بوقت طلب واپس دیا جاتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ (۱) اس کھڑ کی آمدنی جائز ہے یا نہیں اگر تفصیل ہو تو تفصیل وار جواب عنایت ہو (۲) اس نیلام میں جانور فروخت ہونے سے مالک جانور کا حق منقطع ہوگا یا نہیں، خریدار مالک ہوگا یا نہیں؟

الجواب، جو کچھ ان مذاات میں وصول ہوتا ہے وہ استیلار سے سرکار کی ملک ہو جاتا ہے، اگرچہ وہ استیلار بواسطہ نائب کے ہو، پس سرکار اپنے مملوک روپیہ سے اس تحصیلدار کو دیتی ہے جو کہ بوجہ رضا کے مباح ہے، اور بعینہ اسی دلیل سے نیلام ہونے سے حق مالک کا اس سے منقطع ہو جاتا ہے، ۲۵ ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ (حوادث ۲ ص ۱۰)

سوال (۳۸۰) در مدارس ایں دیار از طالبان فیس گرفتہ می شود آیا از طفلان نابالغ کہ یتیمان نیز در آن موجود اند بشرط اجازت ولی فیس گرفتن جائز است یا نہ ؟

الجواب، فیس اجرت است اجرت عمل کہ نفعتش بہ نابالغ عائد باشد از مال او گرفتن جائز

است باذن ولی، (حوادث اود ۲ ص ۱۷)

زیادت مقدار آڑہت | سوال (۳۸۵) ایک مہاجن ادھار مال دیتا ہے، حق آڑہت ایک بجائے سود روپیہ فی سیکڑہ مقرر ہے، اگر دوسرے ماہ میں روپیہ ادا نہ ہو تو اصل پر سود لگاتا ہے، مسلمان سود نہیں دینا چاہتا اور یہ کہتا ہے کہ بجائے سود کے حق آڑہت بڑھالو، بجائے ایک روپے کے دو یا تین روپیہ سیکڑہ لوئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، جائز ہے، ۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ (حوادث اود ۲ ص ۱۹)

تلبیس بہ غلط نویسانین | سوال (۳۸۱) جو مال تجارت بستی یا کلکتہ سے ریل کے اندر آتا مال در ریل ہے، ریلوے مالک نے ہر ایک مال کی الگ الگ کلاس اپنے ہاں رکھی ہے کسی مال کی کلاس چار روپے من کی ہے، اور کسی مال کی دو روپے من کی، کسی کی ایک روپے من کی اور کسی کی گیارہ آنہ من کی ہے، مگر مال سب کلاس کا ایک ہی گاڑی کے اندر آتا ہے، کوئی خاص درجہ کسی مال کا نہیں ہے، چاہے چار روپے من کا مال ہے چاہے گیارہ آنہ من کا مال، ایک ہی گاڑی میں آتا ہے، اب سود اگروں نے یہ کفایت نکالی ہے کہ مال چار روپے من کا ہو اس مال کو گیارہ آنہ من کی چیز لکھوا کر منگاتے ہیں، اور کچھ تو بمبئی میں خرچ کرتے ہیں اور کچھ دہلی میں، غرض لے دیکر مال اپنا لے آتے ہیں، ریلوے مالک نے اپنے ہاں یہ قانون مقرر کر رکھا ہے، کہ جو اس قسم کی کارروائی کئے یعنی چار روپے من کی چیز کو گیارہ آنہ من کی لکھوائے، تو ہم اس کو آٹھ روپے من کا بھاڑا دیں گے اگر ہم کو خبر مل گئی، اب یہ صورت ہے کہ جو ریلوے نے ہندوستان میں سب سے بڑا افسر مقرر کیا بلکہ اسکو تمام باتوں کا اختیار دیا ہے، وہ خود روپیہ کھا کر اور مال کم کی کلاس میں بھیجتا ہے، اس کو سب خبر ہے کہ یہ مال چار روپے من کا ہے اور گیارہ آنہ من میں جا رہا ہے، اب آپ فرماویں کہ اگر چار روپے من کا مال ۱۱ من میں منگاویں تو ٹھیک ہے یا نہیں، سب دو کا نذر ایسا ہی کرتے ہیں، اگر ہم چار روپے من کا بھاڑا دیتے ہیں تو نقصان ہوتا ہے،

الجواب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ، زیادہ محصول کا مال کم محصول میں اس طرح لجاؤ

جس طرح سوالی میں مذکور ہے حرام ہے، اور بڑے افسر کی رضا یا اذن اس لئے معتبر نہیں کہ وہ ریلوے کا مالک نہیں، والسلام، ۳ جمادی الاولیٰ (حوادث اود ۲ ص ۲۲)

ملازمیت چنگی | سوال (۳۸۲) اس محکمہ میں افسر سکرٹری و ماتحت افسران سپرنٹنڈنٹ و محرران و چپراسیان ہوتے ہیں، کام اس محکمہ کا یہ ہے کہ جو مال باہر سے تجارت پیشہ لوگ لائیں

ان پر وہ محصول جو کہ گورنمنٹ کی طرف سے لگایا گیا ہے لگا کر وصول کر لیا جاوے۔ محرر تخریضہ کر کے محصول لگا کر وصول کرتے ہیں، سپرنٹنڈنٹ جانچتا ہے، سگریٹری بعض وقت جانچتا بھی ہے، اور احکام جاری کرتا ہے، چیرا سیان تجارت وغیرہ کو محصول کے لئے روکتے ہیں، وہ اسباب تو لیتے ہیں جن پر محصول لگایا جائیگا، محصول کا روپیہ صدر کو لیجاتے ہیں، غرض اس محکمہ کے سب لوگ محصول کو متعلق کوئی نہ کوئی کام کرتے ہیں، آیا اس محکمہ میں کسی قسم کی ملازمت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، جو قواعد شریعت نے اموال پر محصول لینے کے مقرر فرمائے ہیں جن کو فقہاء نے باب العشر میں ضبط کیا ہے، چونکہ محکمہ مذکور کے قواعد ان پر منطبق نہیں ہیں، اس لئے بوجہ خلاف انزال اللہ ہونے کے غیر مشروع ہو گئے ہیں، اور حسب ارشاد الہی لا تعادوا علی الاثم والعدوان، اسکی امتناع بھی معصیت ہوئی، لہذا محکمہ مذکور کی ملازمت ناجائز ہے، مگر جو تنخواہ ملتی ہے وہ بوجہ اس کے کہ حاکم غیر مومن کا استیلاء اموال پر موجب تلک ہو جاتا ہے، اور حاکم غیر مومن جو مال برضا کے خود کسی مومن کو دیں خواہ کسی عنوان سے ہو وہ مباح ہے، اس لئے وہ تنخواہ حلال ہے، غرض خدمت غیر مشروع اور من و بہ مشروع بھی پس عامل کو صرف عمل کا گناہ ہوگا، اور غیر عامل جو اس تنخواہ سے مستغنی ہو مثلاً اس اہل و عیال یا اہلیات و احباب ان کو کوئی گناہ نہ ہوگا (حوادث اول، ص ۷۷)

سوال (۳۸۳) طلبہ کو بوجہ سرزنش کسی روزہ سبق نہیں پڑھا یا یاد نہ کر دن سبق طلب اس روزہ کی تنخواہ کا مستحق ہوگا یا نہیں؟

الجواب، برضائے اہل چندہ، چندہ سے دے سکتے ہیں ورنہ عدم اشتراط میں استحقاق نہیں اور اشتراط میں بدمذہب و جروا جب ہے، ۱۵ شعبان ۱۳۲۸ھ (حوادث اول ص ۹۲)

سوال (۳۸۴) زید نے عمر کو بیس روپے اس اقرار پر دیئے کہ عمر وہ بیس روپے اپنے پاس سے لگا کر مبلغ چالیس روپے کو کپڑا سینے کی مشین خرید کر کے اس مشین کو ذریعہ سلائی کا کام کرے، اور جو کچھ کرے اس کا نصف زید کو دیا کرے، تو کیا یہ صورت شرکت جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو شرکت کے چار اقسام میں سے کس قسم میں داخل ہے؟

الجواب، مشین جب مشترک روپیہ سے خریدی گئی وہ مشترک ہو گئی، اب جیسا ایک شریک نے دوسرے شریک کو اجازت اس کے استعمال کی اس شرط پر دی کہ نصف آمدنی مجھ کو دے تو اس کی حقیقت یہ ہوئی کہ یہ شریک دوسرے شریک کو اپنا نصف حصہ مشین کا کرایہ پردیتا ہے، اور کرایہ نصف آمدنی ٹھہراتا ہے، سو یہ صورت اجارہ کی شرعا جائز نہیں، بلکہ کرایہ معین کرنا چاہئے، پھر خواہ

آمدنی کم ہو یا زیادہ ہو، اور جتنی مدت اس شرط مذکور پر کام کیا گیا ہے، اس کا کرایہ بقاعدہ اجر
مثل دیا جاوے گا، مگر یہ اجر مثل آمدنی واقعی کے نصف سزا نکتہ ہو فقط

۲۵ صفر ۱۳۳۱ھ (حوادث ۲ ص ۱۰۰)

سوال (۳۸۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ
تحقیق عدم تعیین عمل و اجرت در استیجاب عمال مزارعین ہمارے علاقہ میں رواج ہے کہ نجاریا حد اذراعت کاروں سے
یہ عقد کر لیتے ہیں کہ مثلاً جو کام زراعت کے متعلق لکڑی یا لوسے کا ہو گا بلا تعیین کرتے رہیں گے
اور زراعت سے جو کچھ پیدا ہو گا ایک من ہو بیس من مثلاً اس سے چالیسواں حصہ لیں گے
تو اول تو اس میں تعیین کام نہیں ہے، اور اسی طرح تعیین اجرت بھی نہیں، کسی موقع پر کام کثرت
سے ہو جاتا ہے اور بوجہ آفات کے زراعت سے کچھ پیدا نہیں ہوتا، اور کبھی بحیثیت اجرت کام
سے دو گنی بلکہ دس گنی زیادہ ہو جاتی ہے، غرض اس عقد میں نہ تعیین ماحول علیہا کی ہوتی ہے
نہ اجرت کی، اور نہ تعیین مدت کی، تو لہذا یہ عقد فاسد ہو گا، اور یہ اجرت بوجہ شبہہ بولہ کے
حرام ہوگی یا نہیں؟

الجواب، بوجہ ابتلائے عام کے اس عقد کو اس تاویل سے جائز کہا جاوے گا کہ
ابتدائے گفتگو کو عقد نہ کہیں گے، اور وعدہ کہیں گے، اور اجرت دینے کے وقت چونکہ عمل
معقود علیہ جزو وجود میں آنے سے متعین ہو گیا، اجرت کو اس کے مقابلہ میں کہہ کر اس وقت
عقد کو منعقد مانا جاوے گا، اب اس میں کوئی معذور نہیں رہا، نظیرہ فی رد المحتار عن الولوجیۃ دفع
در اہم الیٰ خباز الی قولہ ولوا عطاء الدراہم وجعل یاخذ منہ کل یوم خمسۃ امانہ
ولہ یقل فی الابتداء اشتریت منک یجوز ہذا احلال وان کان تلبتہ وقت الدفع

الشراۃ لانہ بمجرد النیۃ لا ینعقد البیع وانما ینعقد البیع الان بالتعاطی والآن
المبیع معلوم فینعقد البیع صحیحاً، الخ قال الشامی قلت وجہ ان ثمن الخبز معلوم
فاذا انعقد بیعا بالتعاطی وقت الاخذ مع دفع ثمن الثمن قبل فکذا اذا تاخر دفع الثمن لا بد
بح ۴ ص ۱۸ قلت فیقاس المتأخر علی الاعیان باشتراک العلۃ، اشعراۃ ۳۳۱ھ (حوادث ۲ ص ۱۰۰)

سوال (۳۸۶) میں وہاں سے آن کر اس انتظار میں رہا کہ جاننا
کا انتظام ٹھیک ہو جاوے، تو عریضہ تحریر کر دی، اب نفلہ تعالیٰ سب بند و بست ہو گیا
لہ البتہ اگر زراعت بالکل پیدا نہ ہو تب بھی کچھ دیدینا ضروری ہو گا تاکہ یہ تاویل باطل نہ ہو ۱۲ منہ

اگر یک نومبر تک ملنے کا وعدہ ہے، میں نے کہہ دیا ہے کہ یکم نومبر کو نہ ملے گی تو ایک روپیہ بارہ آنے کے حساب سے دام دوں گا، اور اگر مل گئی تو یکم کے حساب سے دوں گا۔

الجواب، ابھی ہدایہ منگا کر دیکھا تو امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک جائز ہے گو امام صاحب کا دوسرا قول ہے، مگر اس پر بھی عمل درست ہے، خصوصاً جبکہ کارگیر پر اس کا اثر ہو، اور بدو اس کے احتمال سستی کا ہو، مگر یہ اس وقت ہے کہ سوت اپنے پاس ہی دیا جاوے، ورنہ یہ شرط فاسد ہے کہ اگر یکم نومبر کو نہ ملے الخ اگر شیعہ واقع ہو تو بطیب خاطر از سر نو ایجاب و قبول ضروری ہے،

۲۳ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ (حوادث ۲ ص ۱۲۳)

سوال (۳۸۷) بندہ نے ایک دوکان بائیسکل کی کھولی ہے کرایہ سواری کہ بتعین وقت کرایہ کروہ شود | **مقبل از وقت واپس شود** یعنی بائیسکلیں کرایہ پر چلتی ہیں اور لوگ ہم فی گھنٹہ کے حساب سے بائیسکل بندہ سے لجاتے ہیں، سو اگر کوئی شخص ۵ منٹ میں مثلاً بائیسکل واپس لائے تو اس سے ہم بندہ کو لیتا جائز ہے یا ایک آنہ مفصل ارشاد ہو؟

الجواب، یا تو جو رواج ہو اس کے موافق کیا جاوے، یا اگر رواج معین نہ ہو تو وقت دینے کے کہہ دیا جاوے کہ گھنٹہ اور جزو گھنٹہ کا کرایہ مساوی ہے، ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ (حوادث ۲ ص ۱۲۵)

سوال (۳۸۸) از زمین و راہ کدام زمین دار و مقطوعہ دار گلہ گاداں گو سفندان و گاڑیان بار و اربوری کنند از ایشان راہ داری مقرر کردہ خواہ میگیرند ہر سال ہیں راہ داری را با جاہ میدہند مثلاً از ہر گلہ گو سفند خواہ کلاں باشد یا خرد ۲ رواز گلہ گاداں فی - رازیندی کہ در ان از قریہ جات غلہ در چوب و آہک وغیرہ اسباب بار کردہ بیارند در شرع چہ حکم دارد؟

الجواب، اگر آن زمین مملوک آن زمیندار است بطریق مشروعی، پس کرایہ اش گرفتن از گزرتندگان یا ادراہ کرکرایہ سالانہ دادن ہر دو امر جائز است فی الدر المختار باب ما یجوز من الاجارۃ و تصح اجارۃ الارض للبنا و الغرس و سائر الانتفاعات و اگر بطریق حق عام است پس محصول گرفتن بر آن حرام است، آری اگر اس محصول گیرندہ عابراں را پیچیرے مددکن چنانکہ در بعضی معاہدہ شتی مملوک می باشد و بر آن کشتی سوار کردہ می گز مانند کرایہ شتی گرفتن ہم جائز است، لیکن ہر کہ بدون کشتی گذر کردن خواہ برد جبر کردن حرام باشد، (تمتہ اولیٰ ص ۳۱۴)

سوال (۳۸۹) کیا حکم ہے شریعت مطہرہ کا اس میں کہ ایک شخص نہ طبع نسخہ و زائدہ بر سنگھ کاپی ضافرائش | **تحقیق جواز و عدم جواز طبع کردن** ہے اور وہ دوسرے کتاب فروشوں کی کتابیں چھپائی کی اجرت لیکر چھپاتا ہے

بعد پوری کتاب طبع کرنے کے بغیر اجازت کے بھی صاحب کتاب کے موجودہ پتھروں پر اپنی حسب ضرورت پانچ سو اور ایک ہزار چھاپ کر فروخت کر ڈالتا ہے، ایسی کتابوں کا خریدنا تا جرکتب کو واقفیت کی حالت میں کیسے، عدم واقفیت کی حالت میں کیسے، چھاپنے والا کہاں تک مجرم ہے؟

الجواب، قواعد سے اس میں تفصیل معلوم ہوتی ہے، وہ یہ کہ اگر معاملہ کی یہ صورت ہوتی ہو کہ صاحب مطبع نے کہا ہم اتنے روپے میں اتنی کتابیں چھپی ہوئی تم کو دیں گے، تو یہ استتعار ہے، اور فرمائش کے مطابق جتنی کتابیں صاحب فرمائش کو دے گا وہی اس کی ملک ہوں گی، اور باقی سب سامان مالک مطبع کی ملک ہے، اس میں جو چاہے تصرف کئے۔ اس تصرف میں یہ بھی داخل ہو کہ بغیر اجازت صاحب فرمائش کے ان پتھروں پر جتنی کتابیں چھاپے، بلکہ یہ شرط ٹھہرانا کہ اور کتابیں نہ چھاپی جا دیں، قاعدہ سے مفید عقد ہے، البتہ اگر اس فعل کو صاحب فرمائش کا غالب ضرر یا خسارہ ہو تو اس صورت میں دوسرے قاعدہ کی بنا پر کہ اپنی ملک میں بھی ایسا تصرف درست نہیں جس سے دوسرے کا ضرر ہو، یہ چھاپنا درست نہ ہوگا، جیسا اپنی دیواریں دیکھ کھولنا جس سے ہمسایہ کی دیوار پر ہو فقہانے منع لکھا ہے، اور اگر معاملہ کی یہ صورت ہو کہ جتنا اخیر تک صرف ہوگا اس کا غرض حاصل کیے۔ بیباق کیا جاوے گا تو اس صورت میں کاپی کی روشنائی جس قدر پتھر پر لگی ہے وہ صاحب فرمائش کی ملک ہے، اس کو انتفاع بلا اس کی اجازت کے درست نہیں، اگر اس صورت میں چھاپے گا تو گنہگار ہوگا، مگر چونکہ اس پتھر پر بریلین پھیرا جاتا ہے، اس لئے صرف انتفاع کا گناہ ہوگا، لیکن ان کتابوں میں کوئی خبث نہ آوے گا، اس میں اس کی ملک بھی طیب ہے اور دوسرے خریدار کو بھی خریدنا اس کا درست ہے، البتہ چونکہ یہ خریدنا ایک بعید درجہ میں اعانت کا سبب ہے، اس صاحب مطبع کی، اس لئے نہ خریدنا اولیٰ ہے، واللہ اعلم، ۲۷ محرم ۱۳۸۸ھ (حوادث ۲۵۱ ص ۱۲۸)

سوال (۳۹۰) بعد سلام مستون کے عرض ہے کہ کچھری کے ملازم جو کہ نقلیں کرنے پر مامور ہیں، ان کی وہ ملازمت جائز ہے یا ناجائز ہے، اتنی بات ضرور قابل تحریر ہے کہ بعض ملہ اس کی نظیر یہ ہے کہ ایک شخص کا کپڑا دوسرے کے رنگ میں بلا اجازت رنگا گیا، تو کپڑے والے کو بدون اس کی اجازت کے اس کا استعمال درست نہیں، کیونکہ رنگ اس کی ملک ہے، اگر ایسا کیا تو رنگ کی قیمت صاحب رنگ کو دینا پڑے گی، اسی طرح یہاں بھی اس کاپی کی قیمت عرفیہ صاحب مطبع کے ذمہ ہوگی اور طریقہ اس کی قیمت معلوم کرنے کا یہ ہے کہ پتھر کی قیمت جبکہ وہ کاپی سے خالی ہو کی جاوے، پھر اس کی قیمت جبکہ کاپی جی ہو کی جاوے، پھر دونوں قیمتوں میں دیگیا جاوے کہ کیا تفاوت ہے، پس وہی تفاوت کاپی کی قیمت ہے ۱۲ منہ

نقل میں سود کا ذکر ہوتا ہے، اور بعض میں نہیں، جبکہ تمام نقلیں سود کی اور بغیر سود کی سالموں کو دیتا ہوتا ہے، اگر یہ ملازمت جائز نہیں، تو کوئی شرعی طریقہ جائز ہونے کا تحریر فرمائیے کہ جس میں تنخواہ نقل نویسی کی جائز اور درست ہو جاوے؟

الجواب، نقل کرنا سود کے مضمون کا سائل کے دینے کو یہ اعانت، سود کی، یہ تو ناجائز ہے الامن لم یکن مخاطبا بحد متد، لیکن تنخواہ اس کام کی ایک قاعدہ فقہیہ کی بنا پر حلال ہو رہی ایاحتہ مال غیر المسلم والذی برضاہ فی غیر دار الاسلام، یکم ربيع الاول ۱۳۳۲ھ (حوادث ۲۱۱) حرام بودن اجرت کار حرام | سوال (۳۹) ملک آسام ایک مقام ہے جہاں چائے کی کاشتکاری ہوتی ہے، وہاں ہزار ہا مزدور کام کرتے ہیں، اور وہاں کی آب و ہوا بعض کو موافق آتی ہے اور بعض کو نہیں، اور مزدوری بھی بعض باغوں میں کام کرنے والوں کو کافی ہوتی ہے، اور بعض کو نہیں، یہ لوگ وہاں پہونچکر آرام و راحت کا نام تک نہیں جانتے، ان سے کام لینے میں وہ دشمنی برتی جاتی ہے جس کے وہ متحمل نہیں ہو سکتے، ان تکالیف سے مجبوراً اپنے شہر واپس جانا چاہیں تو بلا ایسے کی اجازت جلتے نہیں دیتے چونکہ ان سے پانچ برس کام لینے کی تمسک کھوالی جاتی ہے، مزدوروں کو وہاں بھجوانے کی واسطے آدمی مقرر ہے، یہ لوگ کوشش کر کے مزدوروں کو بڑی بڑی امیدیں دلا کر گندہ معاش کا اچھا دہتر طریق ذہن نشین کروا کر بلکہ مزدوروں کو سمجھاتا کہ چند دن تجھے اچھی طرح کام کرو تو بہت سارے روپیہ اپنے اخراجات ضرور یہ سے بچا کر پس انداز بھی کر لو گے وہاں روانہ کر دیتے ہیں، روزی کے مارے ان کی باتوں میں آکر چلے جاتے ہیں، وہاں جو آکر کھپتے ہیں، چونکہ اول تو وہاں کی آب و ہوا ہر شہری کے موافق نہیں آتی، دوسرے روزانہ جتنا ان سے کہا گیا اتنا نہیں ملتا، بلکہ ضروری اخراجات بھی نہیں چلتے، تیسرے کام کی سختی حد سے زائد، چوتھے پانچ سال کے اندر اپنے شہر کو واپس نہیں آ سکتا، ان مصائب سے اکثر لوگ مر جاتے ہیں زندہ کوئی واپس نہیں آیا، اگر کوئی آیا بھی تو وہی جس کے ساتھ آب و ہوا نے اچھا سلوک کیا، یہ بھی دیگر تکالیف مذکورہ کے باعث جاں بلب ہو جاتا ہے، وہ لوگ جو مزدوروں کو بھیجتے ہیں ان کو وہاں کی اصلی حالت سے بالکل واقف نہیں کرتے، اگر ایسا کرتے تو ایک شخص بھی نہ جاتا، اور بھیجتے والوں کو پوری کیفیت معلوم ہے، تاہم اپنا کام چلانے کے لئے اس پر بروہ ڈالتے ہیں، مزدوروں کو ہرے بھرے باغ دکھا کر یوں جان لیتے ہیں، اور مزدور پیچھے کچھ روپیہ مقررہ بھیجے والے اپنے مساعی کے معاوضہ میں لیتے ہیں، گویا انھوں نے اس کو اپنا کسب مقرر کر رکھا ہے، اس قسم کی روزی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، بالکل حرام ہے مسلمان کو بلکہ غیر مسلمان کو بھی دھوکہ دینا حرام ہے، اور اگر کام کی تنخواہ بھی حرام ہے، ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ (حوادث ۲۰۱ ص ۱۴۰)

سوال (۲۹۲)، ما قول العلماء رحمہم اللہ تعالیٰ اندر میں مسئلہ کہ مسلمان رجسٹر اڈے کی قاضی کہ برائے رجسٹری نکاح و طلاق از جانب گورنمنٹ مقرر است زمام اختیار انصرام کا رجسٹری بدست ایشان تفویض است لیکن ایشان را از وظیفہ سرکار گورنمنٹ نصیب نیست، و ہر جیکہ آمدہ ہی و کاغذات رجسٹری گورنمنٹ مسلمان رجسٹرار تا نیل بند آں ہم بقیمت است مفت نیست و اجرت مسلمان رجسٹرار بذمہ آن کسان است کہ متدعی رجسٹری بدینہ نکاح یا طلاق باشند لیکن اختیار تقرر مقدار اجرت گورنمنٹ بدست مسلمان رجسٹرار و مستاجر یعنی متدعی رجسٹری نہ سپردند بلکہ قانونی تہادہ اند کہ اگر رجسٹری باقیس قاضی شود رجسٹری فی زائد از یک روپیہ نیست، اگر بیروں آفس بحسب استدعا مستاجران رجسٹری شود علاوہ رجسٹری فی سہ روپیہ کمیشن فی و بر تقدیر بعد مسافت فی میل سہ آنہ را خرچہ مستحق باشد پس ہمدین صورت اولاً اختیار ای عہدہ جائز باشد یا نہ، و بر تقدیر جواز مسلمان رجسٹرار بتقرر مقدار اجرت بمقابل قانون گورنمنٹ مختار است و زائد از معینہ گورنمنٹ گرفتن تو اندیا نہ و نیز مسلمان رجسٹرار اگر بحسب درخواست بخانہ داعی آمدہ بحسب پیش آمدن امرے کہ مخالف قانون باشد بانصرام رجسٹری قاضی پس دریں صورت مسلمان رجسٹرار را خرچہ کمیشن و فی گرفتن، بدینا و جروا،

الجواب، فی الدر المختار وینصب قاسم یرزق من بیت المال الی قولہ ان نصب باجوا مثل یصح لانہا لیست بقضاء حقیقۃ فجازلہ اخذ الاجرة علیہا وان لم یحضر علی القضاء ثو قال ولا یتعین واحد لہا لہا یتکثر بالزیادۃ ولا یشترک التامہ تو طہم کلام دریں مسئلہ در چند جا است اول خود ایں عمل رجسٹری جائز است یا نہ، جواب آں کہ رجسٹری توثیق است عقد را پس در جواز و عدم جواز تابع عقد است اگر عقد جائز است اسے رجسٹری اش ہائزہ است، دوم آنکہ اجرت گرفتن بر آں جائز است، یا نہ، جواب آنکہ حقیقتش کتابت شہاد است، پس شہادت اگر چہ طاعت واجب است، لکن کتابت واجب نیست، اجرت بر آں جائز است و صرح الفقہاء بکذا اخذ الاجرة علی الکتابۃ سوم آں کہ ایں اجرت گرفتن از اہل معاملہ یعنی ہر کہ رجسٹری خواہد جائزہ است یا نہ، جواب آں کہ جائزہ است، نظیر آں اجرت

مگر فقہ کا حکم است از طالبان قسمت و روایت صدر برائے اغیات ہیں نظیر نقل کردہ شد چہ ارم آن کہ برآ
 این غرض یک کس را معین کردن جائز است یا نہ، جوابش آنکہ اگر چہ ظاہر و قیاساً علی القاعہ این ممنوعی
 نماید لیکن چون علت منع یعنی تسلیتکم بالزیادۃ دیدیں یافتہ نمی شد پس لایاس بہ است، پنجم آنکہ اجرت از مگر
 معین شدن جائز است یا نہ جوابش آن کہ این ہم ظاہراً جائز نہ تھا شد مصافیہ من التسعیر المذموم عنہ لکن نظر
 غائر چون مقصود ازاں ہی از زائد گرفتن است نہ کہ نہی از کم کردن زیرا کہ اختیاری است، لہذا این ہم لایاس
 بہ است، ششم آنکہ اگر بعارض رجسٹری نشود اجرت گرفتن جائز است یا نہ، جوابش آنکہ این فیس چنانچہ بمقابلہ
 کتابت است نیز در حالت سفر بمقابلہ مشقت سفر است پس ہر گاہ کہ سفر کرد و مانع از رجسٹری ظاہر نہ فیس
 گرفتن جائز باشد، ہفتم آن کہ زائد از فیس مقرری تو اں گرفت، یا نہ جوابش آن کہ نے لاندہ تحکم بالزیادۃ
 بخیر رضا و العاقد و هو حرام بخلاف المحرف (لاندہ کالمشترط و قد رضی بجمیث دعا فاقہ و ہو و اللہ اعلم

۲۴ جمادی الثانیہ ۱۳۳۲ھ (حوادث ۲۱ ص ۱۴۲)

اجرت پٹواریاں بر نقل کھا: سوال (۳۹۳) پٹواریوں کو سرکار سے حکم ہے کہ نقل جمع بندی جو زمیندار
 لیتے ہیں اس کی اجرت فی کھاتہ ۲۰ روپے کھاتہ تک، اگر اس سے زیادہ ہوں تو دو پیسہ فی کھاتہ کے
 حساب سے لی جاوے، پٹواریوں کا یہ طریقہ ہے کہ جس کو ایک کھاتہ کی نقل دی جاوے اس سے بھی ایک
 روپیہ اور جس کے زیادہ ہوں مثلاً بیس ہوں تب بھی ایک روپیہ لیتے ہیں، اسی طرح اپنی کمی بیشی پوری
 کر لیتے ہیں کیا از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں اور اقوام سکھ (کا فر مشرک) کو اگر زیادہ اجرت جس قدر
 چاہیں لی جاوے تو کیا حکم ہے؟

الجواب، دونوں صورت میں نقل لیتے والا اگر اس اجرت پر رضا مند ہو جائے اس کا
 لینا جائز ہے لان الامر الى المتعاقدين ولا يلزم التسعیر،

۲۹ رمضان ۱۳۳۲ھ (حوادث ۲۱ ص ۱۵۱)

توجیہ و شرائط جواز پیشہ و کالت | یہ مسئلہ بایں عنوان کتاب الوکالۃ میں درج ہے،
 فیس داخلہ و خارجہ و تنخواہ کامل | سوال (۳۹۴) ملک بنگال میں دستور ہے جب طالب علم داخل
 باوجود ناقص بودن مدت | مدرسہ ہوتے ہیں تو اس سے فیس داخلہ علاوہ اس ماہ کے مشاہرہ کے

لیا جاتا ہے، اور مشاہرہ بھی اس ماہ کا اگر ایک دن بھی گزر چکا ہو، تو پورا مشاہرہ لیا جاتا ہے اگر کسی
 دوسری جگہ کوئی طالب علم جانا چاہے تو اگر ماہ کا ایک دن بھی گزر چکا ہو، تو پورا مشاہرہ لیا جاتا ہے
 اور اس کے علاوہ فیس خارجہ بھی لیا جاتا ہے، اب یہ دونوں مشاہرہ اور دونوں قسم کی فیس لینا

جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب، اس تاویل سے یہ سب جائز ہے کہ معنی عقد کے یہ کہے جاویں گے کہ اگر اتنا کام کریں گے تب بھی اس قدر اجرت لیں گے، اور اگر اس سے کم کریں گے تب بھی اسی قدر اجرت لیں گے

۹ شوال ۱۳۳۲ھ (حوادث ۲۰۱ ص ۱۵۵)

سوال (۳۹۵) دخانی جہاز میں ایک شخص سوار ہوا جو کہ کسی قیمت ٹکٹ زائد مالک جہاز کمپنی کا ہے (سرکار کا تیس) ٹکٹ ماسٹر سے دو آدمیوں کا ٹکٹ مانگا کہ ایک شخص میرا رفیق ہے، وہ آتا ہے، دو ٹکٹ کی فیس (درا کر) ادا کرنے کے بعد رفیق آیا، اس نے بھی پلا اطلاع اس کے اپنا ٹکٹ لیا، اس نے ایک ٹکٹ دوہرا ہو گیا، ماسٹر سے کہا گیا کہ ایک ٹکٹ واپس لو کہ زیادہ ہوا، ماسٹر نے انکار کیا اور واپس نہیں لیا، اس نے یہ شخص چاہتا ہے کہ کسی طرح اپنا حق (ایک ٹکٹ زائد کا محصول) کمپنی سے وصول کرے، وصول کر سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب، کر سکتا ہے۔ (حوادث ۲۰۱ ص ۱۶۱)

سوال (۳۹۶) دوسرے شخص سے اسی جہاز میں بھول سو محصول نہیں کیا یہ واجب جہاز دین یا گیا تھا، وہ شخص بخوف مواخذہ آخرت چاہتا ہے، کہ ٹکٹ خرید کر کے نہ جائے، اسی طرح سے مالک تک اس کا حق محصول پہنچائے، اس ماجرے کو مسئلہ اولیٰ والے نے سنا اور کہنے لگا کہ بھائی وہ محصول مجھ کو دو کہ کمپنی پر میرا پاتا ہے، اور مسئلہ اولیٰ کی تفصیل بیان کر دی، اب یہ شخص پوچھتا ہے کہ یہ اپنے سوار ہونے کا محصول کمپنی تک نہ پہنچا کر اس مانگنے والے کو اگر دیکھ بڑی اللہ ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب، نہیں، ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (حوادث ص ۱۶۲)

سوال (۳۹۷) میرے پاس بعض لوگ تعویذ کرانے آتے ہیں تو میں ان کی حاجت کو سن کر اس حاجت کے مناسب حال کوئی اسم اسما الہیہ لکھ کر یا کوئی آیت مناسب لکھ کر یا بالعموم سورہ فاتحہ لکھ کر دیدیتا ہوں کہ اس کو دھوکہ ملاؤ، اکثر اکیس روز کے لئے دیتا ہوں، اور ایک روپیہ چار آنہ یا جو مناسب قع ہو لیتا ہوں، یہ درست ہے یا نہیں میں یہ دیکھتا ہوں کہ اکثر شفا ہوتی ہے،

الجواب، قبل شفا کے لینے میں تو بدنامی ہے جو منفردین عوام ہے، اور شفا کے بعد لینے میں یہ محذور تو نہیں لیکن مقتدیوں کے لئے کچھ نامناسب معلوم ہوتا ہے، پس جب تک

حاجت شدید نہ ہو تو خرزا ولی ہے، ۲ شعبان ۱۳۳۳ھ تہتمہ ثالثہ ص ۶۳)
 حکم منی آرڈر دروغ بعض شبہات | یہ مسئلہ بایں عنوان کتاب الریوایں گذر چکا ہے،
 جواز ضیافت قاطبین | سوال (۳۹۸) جو لوگ دو دروازہ مقام سیر کی کی سنگتی کے
 لئے آویں، بعد گفتگو شرعی ملے ہونے کے اور سنگتی مشروع ہونے کے اس خیال سے
 کہ یہ لوگ دور سے آئے ہیں مہمانی کے طور پر ان کو ایک آدھ یا بدعوت دی جائے
 تو ہمدردی انسانی اور مروت سے بعید نہیں، دعوت دی جاوے تو کچھ شرعی قباحت
 تو نہ ہوگی، اور اگر یہ سنگتی دعوت دینا شرعاً درست ہو تو قبل از سنگتی دی جاوے تو جائز
 ہوگا کہ نہیں، جیسا ارشاد ہوئے ہوگا،

الجواب، بہریت مذکورہ دونوں حالت میں درست ہے قبل سنگتی بھی اور بعد سنگتی بھی

۳ جمادی الثانیہ ۱۳۳۳ھ (تہتمہ اربعہ ص ۳۹)

حق کارندہ | سوال (۳۹۹) یوقت تبادلہ اراضیات یا وصول تحصیل کارندہ کی جو
 نذرانہ بختا رب کا شکاراں بعلم آقا یعنی زمیندار مثل حقوق کے ملتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، جائز ہے، (حوادث ۲۰۱ ص ۹۹)

ایمٹ | سوال (۴۰۰) آقا کے ساتھ کارندہ کو بھی ملتا ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، برضامندی مالک جائز ہے (حوادث ۲۰۱ ص ۲۹۹)

کرایہ از رعایا | سوال (۴۰۱) اپنی اراضی میں اگر کسی شخص کو سکونت کا حق دیا جاوے تو
 اس کا معاوضہ لیتا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، جائز ہے جو چیز کہ شرعاً کرایہ قرار پائے، (حوادث ۲۰۱ ص ۹۹)

اشیا متفرقہ متعینہ گرفتن زمینداران | سوال (۴۰۲) یہ بھی دستور ہے کہ علاوہ گان نقد

از کاشکاران در اجارہ کے فی ہل ایک من پختہ بھوسہ اور ایک چھیرا آپلے اور ایک

گھڑا اس اور ایک ہمیلی فصل میں لیں، یہ سب حقوق زمینداری کے نام سے موسوم ہیں،

الجواب، یہ سب جائز ہیں بوجہ معین ہونے کے، ۲۶ شوال ۱۳۳۳ھ (حوادث ثالثہ ص ۱۵۱)

بعض حقوق زمینداری و اشتراط | سوال (۴۰۳) زید نے اپنی جائداد کا عمرہ کو بمبادلہ مبلغ

وقف نفع و وقف برائے خود | سو روپے گان ٹھیکہ دیا، اور یہ بھی ملے پایا کہ اس روپے کے ساتھ

ہی ایک گاڑی آپلے اور ایک چھیرا بھوسہ بھی دینے ہوں گے، اور جس سال نیشکر ہوگی تو اس سال

ایک جھیلی گڑکی، اور راب ہو تو پانچ سیر راب پختہ اور ایک گھڑ اس کا، اور پچیس گتے اور دینے ہوں گے، علاوہ نقد کے، جس قدر اشیاء متذکرہ بالا ٹھہری ہیں ان کا تمام حقوق زمینداری ہے تو یہ ٹھیکہ جائز ہے یا نہیں، دیگر یہ کہ زمینداری اب اس جائداد کو بحق مدرسہ اس طرح وقت کر دیا، کہ اس کا لگان نقد ہمیشہ مدرسہ میں صرف ہوا کیے، اور علاوہ لگان نقد کے دیگر اشیاء مذکورہ بدستور میں لیتا رہوں گا، تو یہ جائز ہے یا نہیں، اس ہی کی ایک صورت یہ ہے کہ واقف خود متولی جائداد بھی ہے بوقت وقف اس نے یہ متعین کر دیا ہے کہ اس جائداد سے جو آمدنی نقد ہے وہ بحق مدرسہ صرف ہو، اور علاوہ انہیں جو دیگر حقوق زمینداری متذکرہ زمین ہیں وہ صرف متولی رہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب، فی ہدایۃ واذا قال للخیاطان خطت ہذا الثوب فارسیاً فبد رہم وان خطتہ رومیاً فبد رہمین جائز ای عمل من ہذین العینین فعل مستحق الاجر، ^{۲۹۴} ^{۲۹۵} اسی قیاس پر اس شرط کے کہ جس سال نیشکر ہوگی انہی معنی ہوں گے کہ اس خاص صورت میں اجرت کی اور مقدار ہے اور اس خاص صورت کے غیر میں اجرت کی اور مقدار ہے، سو یہ جائز ہوگا، اور باقی شرائط بلا تکلف جائز ہیں اور چونکہ واقف کو اپنے لئے کل منافع وقف کی شرط حیات تک ٹھہر لینا بھی جائز ہے تو بعض منافع کی بددہ اولیٰ جائز ہے،

۲۴ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ (تتمہ رابعہ ص ۲۰)

سوال (۵-۴) البواب و حقوق زمینداری و کاشتکار سے
غلہ خرید کرتے ہیں، وہ بازار کے نرخ سے ایک سیر زیادہ لیتے ہیں، اور اگر دانہ بندی کر کے اپنے حق کے غلہ کے ان سے دام لیتے ہیں وہ بازار کے نرخ سے ایک سیر کم کر کے ان سے قیمت لیتے ہیں، یا بٹا کاہ چرائی بکر لیا جاتا ہے، یا روغن زرد بزمہ کاشتکاران مقرر ہیں، یا اور حقوق ہیں وہ جائز ہیں یا ناجائز؟

الجواب، جو کچھ حقوق زمینداروں نے کاشتکاروں پر مقرر کر رکھے ہیں اگر علاوہ اجرت زمین کے ہیں مثلاً چرائی کا بکر لیتے ہیں ان کے ممنوع ہونے میں تو کچھ شک نہیں، قال اللہ تعالیٰ وکلا کلوا اموالکم بینکم بالباطل الا یہ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شرکاء فی ثلاث فی المار والکلا والنار الحدیث، و تحقیقہ فی موضعہ، اور اگر یہ حقوق اجرت زمین میں داخل ہیں تو اجرت کا معلوم متعین ہونا، اور وقت عقد تصریح کرنا ضرور ہے، دلائل صحیحہ

الاجرة) حتی تكون المنافع معلومة والاجرة معلومة ہدایہ، پس ان حقوق میں سے جو غیر معین ہیں یا قابلیت اجرت ہونے کی نہیں رکھتے جیسے کاشتکار سے ایک سیرغلہ زیادہ لینا یا اپنا کم کر کے دینا و علیٰ ہذا القیاس، یہ بھی جائز نہیں، اگرچہ شرط کرے، بلکہ شرط کرتے سے اجارہ بھی قاسد ہو جائیگا اور جو حقوق متعین ہوں مثلاً ہم روغن زرد اس قدر لیں گے، پس یہ حقوق اگر وقت عقد یعنی پرہ لکھنے کے صراحتہ کہہ دے اور لکھ دے اور وہ راضی ہو جاوے جائز ہیں، بقولہ تعالیٰ الا ان تکون تجارۃ عن تراضٍ متکرم ورنہ جائز نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم (امداد ص ۳۷ ج ۳)

صلہ کہے کہ دیگرے یا **سوال (۴۰۶)** شخصے نوکری خود را استغفادادہ دیگرے بجائے خود قائم بجائے خود نوکر نہسد **مقام نمود آن شخص دیگرے بدیں احسان اودار و پیداد آن روپیہ برائے مستحق رشوت شود یا نہ**

الجواب، اگر ایسے تہرے مشروط یا معروف باشد رشوت نیست و گرنہ رشوت محرم است

۲۱ رجب الاول ۱۳۳۳ھ (تمہد رابعہ ص ۱۸)

سوال (۴۰۷) خادم قصبہ کے مدرسہ سرکاری میں نائب مدرس ہے اگر گرفتہ باشد بدون اطلاع غیر حاضری اور کوئٹہ قصبہ ہذا سے میل کو قاصدہ پر ہے، ایام تعطیل میں اپنے گھر جانے کا اتفاق ہوا، بارش و دیگر کارخانگی کے سبب ایک یوم زائد علاوہ تعطیل کے صرف ہو گیا، جب ایک روز غیر حاضر رہ کر مدرسہ پہنچا تو ہیڈ مدرس نے زبانی نہائش کی کہ سمجھا دیا کہ آئندہ سے غیر حاضری نہ کرنی چاہئے لیکن غیر حاضری کی رپورٹ نہ مدرس موصوف نے دفتر کو کی، اور نہ کسی نے آج تک اس کی تفتیش کی، اب دل میں خیال آیا کہ غیر حاضری کی تنخواہ اپنے صرف میں نہ لانی چاہئے، پھر کیا کیا جائے، تنخواہ ماہانہ مبلغ بیس روپے ملتی ہے،

الجواب، کبھی ایسا کیجئے کہ کچھ معین ایام کی رخصت لے کر ایک روز قبل حاضر ہو کر کام کیجئے

وہ دن رخصت ہی میں لکھا رہنے دیجئے۔ ۶ جمادی الاول ۱۳۳۳ھ (تمہد خامسہ ص ۲۶۹)

سوال (۴۰۸) چند بیوپاریوں نے ایک بیوپاری کے پاس اپنا کچھ مال منفع دلال را بھیج دیا، اور لکھ دیا کہ پانچ روپے من فروخت کر کے ہمارے پاس روپیہ بھیج دو، بیوپار مذکور نے مال مذکور چھ روپے من فروخت کر کے پانچ روپے کے حساب سے مالکوں کے پاس روپیہ بھیج دیا، اور روپیہ من جو زیادہ پڑا وہ خود رکھا، اور اس امر کی مالکوں کو خبر بھی ہو گئی، اور وہ راضی ہو گئے، کیونکہ اصل قیمت حسب دل خواہ ہمارے پاس لگئی، اور اس نے اپنا حق المحت رکھا، پس اس طور سے ہمیشہ کوئی

کیا کہے یہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب، یہ مال جو چھ روپے من کو فروخت ہوا ہے، یہ سب روپے مالکوں کا حق ہے کیونکہ ان کا مال کا بدلہ ہے، اس میں سے بیوپاری مذکور کو فی من ایک روپیہ رکھنا جائز نہیں ہاں اگر مالکوں کو خبر ہو جاوے اور وہ اس کو معاف کریں، تو بعد معاف کر دینے کے اس کو ملال ہو جاوے گا، اگر مالکوں کو خبر نہ ہوتی یا وہ معاف نہ کرتے تو اس کو وہ روپیہ حرام رہتا، قال اللہ تعالیٰ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَيْنَ رِجْلَيْنِ تَرَاوَعْتُمْ الْآيَةَ، فقط

۵ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ (امداد ص ۲۶ ج ۳)

سوال (۴۰۹) ازیکہ منصف صاحب ساعی عہدہ انسپکٹر اسٹامپ کی ملازمت جائز ہے | انسپکٹر اسٹامپ کے فرائض یہ ہیں کہ صوبہ بھر میں دورہ کرنا ہوگا، اور ہر عدالت دیوانی و کلکتری و سرکاری دفاتر کا معائنہ کرنا ہوگا، اور یہ دیکھنا ہوگا کہ مقدمات دیوانی اور مال میں اور درخواستوں پر سرکاری رسوم یا فیس کافی ادا کی گئی ہے، یا کم ہے، اگر کم ہے تو رپورٹ کرنا ہوگا کہ عدالت یا دفتر متعلقہ فریق قاصر سے وصول کرے۔

الجواب، یہ حقیقت میں امانت ہے اسٹامپ کی، اور جو از و عدم جواز میں اس کے تابع ہو اب قابل تحقیق اسٹامپ کا حکم ہے، سو غور کرنے سے اس میں گنجائش کی یہ توجیہ ہو سکتی ہے، کہ مقدمات کے فیصلہ وغیرہ میں جو عملہ خرچ ہوتا ہے وہ اہل مقدمہ سے بعوض عمل کے جن کا نفع اہل مقدمہ کو پہنچتا ہے وصول کر کے عملہ کی تنخواہ وغیرہ میں صرف ہوتا ہے، گویا اسٹامپ کی قیمت جو اہل فریقین سے وصول کی جاتی ہے، وہ معاوضہ و اجرت ہے، اس کام کی جو عدالت بواسطہ عملہ کے اس فریق کا کام کرتی ہے، پھر عدالت عملہ کو اس کام کا عوض و اجرت دیتی ہے، جو عملہ سے کام لیتی ہے، جیسے منی رڈر کی فیس، یا کمٹ کی قیمت کہ ڈاک خانہ اپنی خدمت کی اجرت لیتا ہے، پھر عملہ کو ان کی اجرت دیتا ہے، اس توجیہ سے جب اسٹامپ میں جواز کی گنجائش ہے تو اسٹامپ کی انسپکٹری میں بھی اسی طرح گنجائش ہے، اور ہر حال میں منصفی سے غنیمت ہے، ۱۶ ربیع الاول ۱۳۸۷ھ (النور ص ۳۰، ذیقعدہ ۱۳۸۷ھ)

السوال (۴۱۰) ایک مسئلہ بہت روز سے دریا فت کرنا چاہتا تھا اب کے ربانی بھی موقع نہ ملا، وہ یہ کہ عدالتی عملہ سے خواہ تنخواہ دار ہوں مثلاً سب جی منصفی ڈپٹی کلکٹر کی تحصیلداری، خواہ بلا تنخواہ مثلاً آنہری مجسٹریٹ غیر مسلم حکومت کے تحت میں قبول کرنے جہاں فیصلے لا محالہ غیر اسلامی قانون کے مطابق کرتا پڑیں گے، کہاں تک جائز ہے، بظاہر تو صورت عدم جواز ہی کی

معلوم ہوتی ہے، لیکن اگر یہ ہمدے سے نہ قبول کئے جائیں، تو امت اسلامیکہ ہی دوسرے مصالح فوت ہوتے ہیں، جناب کی کسی تحریر میں کوئی قول اس باب میں نہیں دیکھا، ورنہ الگ دریافت کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔

الجواب، میں نے اس کے متعلق لکھا تو ہے، مگر اس وقت مقام مجھ کو یاد نہیں، اس لئے اس وقت جو ذہن میں حاضر ہے مختصر عرض کرتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ بعض افعال ایسے ہیں شرعی کلی قانون سے حرام ہیں، لیکن ضرورت میں شرعاً ہی اس کی اجازت دیدی جاتی ہے، خواہ نصاً خواہ اجتہاداً، جیسے اکل میتہ تناول خمر مخمّر میں، یا اکلا میں یا اساعہ لقمہ غاصہ کے لئے، ایسے ہی افعال میں باقتضای قواعد یہ مناصب مسئول عنہا بھی داخل کئے جاسکتے ہیں، اگرچہ کوئی نقل جزیی اس وقت میری نظر میں نہیں، مگر کلیات نظائر سے تسک ممکن ہے، چنانچہ اس کی نظیر فقہاء نے ذکر کی ہے دفع النابۃ والظلم عن نفسہ، اولی الی قولہ دیو جر من قام بتوزیعہم بالعدل وان کان الاخذ باطلا قولہ دیو جر من قام بتوزیعہا بالعدل ای بالمعادلۃ کہا غیر فی القنیۃ ای بان یحمل کل واحد بقدر طاقتہ لانہ لو ترک توزیعہا الی الظالمین بما یحمل بعضہم صلا یطیق فیصیر ظلماً علی ظلمہم فی قیام العادق بتوزیعہا بالعدل تقلیل للظلم فلذا یوجز و هذا الیوم کالکسیریت الاحمر بل ہو اندام دمخار و ردالمحتار قبیل باب المصرف من کتاب الرکۃ، نظیر ہوتا ظاہر ہے کہ مقصود کافی نفسہ غیر مشروع ہونا اور اہل کے ساتھ میں ہونے سے اشد الفساد میں کا اخف الفساد میں سے متبدل ہو جانا دونوں میں مشترک ہے، البتہ کلام ضرورت میں ہے، اور یہی اہم ہے، سو اس کی تحقیق یہ ہے کہ ضرورت کی عرفی دو قسمیں ہیں، ایک تفصیل منفعت خواہ دینی ہو یا دنیوی، خواہ اپنی ہو یا غیر کی، دوسری دفع مضرت اسی تسیم کے ساتھ، سو تفصیل منفعت کے لئے تو ایسے افعال کی اجازت نہیں، مثلاً محض تفصیل قوت و لذت کے لئے دوائی حرام کا استعمال، یا اجتماع لا یتلغ الاوط کے لئے آلات لہو و غما کا استعمال و شل ذلک، اور دفع مضرت کے لئے اجازت ہے جب کہ وہ مضرت قواعد صحیحہ منصوصہ یا اجتہادیہ سے معتد بہا ہو اور شرعی ضرورت یہی ہے مثلاً دفع مرض کے لئے دوائے حرام کا استعمال جبکہ دوسری دوا کا نافع نہ ہونا تجربہ سے ثابت ہو گیا ہو کیونکہ بدون اس کے ضرورت ہی کا تحقق نہیں ہوتا، اور مثلاً مسئلہ منقولہ مذکورہ میں ضرورت دفع ظلم اشد کے تو زیج کی، کہ وہ بھی ظلم اخف ہے اجازت دی گئی، پس یہی تفصیل واقعہ مسئول عنہا میں سمجھتی چاہئے، کہ یہ مناصب

فی نفسہ شرعاً حرام میں جس کی وجہ خود سوال میں بھی مذکور ہے، اور اگر عمل کے ساتھ خاص یہ قسۃ مستیدہ یعنی ہو کہ حکم قانونی کو بمقابلہ حکم شرعی کے مستحسن و راجح سمجھا جائے تو کفر ہے جس کو میں نے بیان القرآن سورہ مائدہ آیت ۵۰ من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ہم الکفرون کی تفسیر میں بیان بھی کیا ہے، مگر اس وقت کلام صرف اس درجہ میں ہے جو محض معصیت اور حرام ہے پس فی نفسہ حرام ہونے کے بعد ان کو اگر حلیہ متفوت مالید یا جاہیہ کی غرض سے اختیار کیا جاوے تو کسی حال میں جائز نہیں، اور اگر دفع مضرت کی غرض سے اختیار کیا جائے کہ امت مسلمہ پر کفار کی طرف جو مظالم و مضرات پہنچتے، یہ اہل مناصب یقدر امکان ان کو دفع کر سکیں تو اس صورت میں حکم جواز کی گنجائش ہر والشراعلم،

نوٹ: میں نے یہ مسئلہ کسی نقل جزیئی سے نہیں لکھا، استدلال سے لکھا ہے جس پر مجھ کو اعتماد نہیں، اس لئے مناسب بلکہ واجب ہے کہ دوسرے علماء محققین سے بھی اطمینان کر لیا جائے اور پھر بھی عمل کرتے وقت حضرت امام مالکؒ کے ارشاد تفعل و ستغفر کو معمول رکھیں،

۳۰ رمضان ۱۳۵۵ھ (النور)، ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ

سوال (۱۱۴) پرسوں جب فلان صاحب یہاں سے جانے لگے تو انہوں نے بسلسلہ گفتگو مجھ سے یہ کہا کہ میرے ساتھ اسباب بہت زیادہ ہے اگر یہاں سے وزن کر کے جائے قیام تک یہاں تو بہت محصول دینا پڑتا، مگر اب تو چھ سات آدمی اسی گاڑی سے میرے ساتھ سہارنپور جا رہے ہیں، لہذا وہاں تک بنا محصول چلا جائیگا، کیونکہ چھ سات ٹکٹ سے نائد کا اسباب نہیں ہے، سہارنپور سے الیتہ ملو اگر یہاں سے جائے گا، میں نے کہا کہ چھ سات آدمیوں سے کیا مطلب، اسباب تو تنہا آپ کا، انہوں نے کہا اس طرے یہاں سے جائے گا، مجھے کچھ علم تو ہے نہیں کہ آگے بڑھتا لہذا خاموش ہو گیا، مگر یہ بات جی کو لگی نہیں، نہ شرح صدر ہوا، چونکہ اس قسم کے واقعات اکثر لوگوں کو پیش آیا کرتے ہیں، اور ممکن ہے مجھ سے بھی کو پیش آجائے، تو ایسی حالت میں کیا کرنا چاہئے؟

الجواب، چونکہ یہ عقد اجارہ ہے، اس لئے مالک کے جائز قانون کے خلاف کرنا جائز نہیں اب یہ امر قابل تحقیق رہ گیا کہ قانون کا حائل کیا ہے، سو غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قانون میں یہ قید تو نہیں ہے کہ وہ مال اسی مسافر کا ہو، اسی لئے اگر مسافر کے متعلق یہ معلوم ہو جائے کہ یہ کسی دوست کا یا اس کے آقا کا سامان لے جا رہا ہے، تب بھی اس کو کوئی ذمہ دار منظم نہ روکے گا، لیکن یہ قید ضرور معلوم ہوتی ہے کہ وہ اسباب اس کی تحویل و سپردگی میں ہو، خلاصہ یہ کہ ملک شرط نہیں مگر قبضہ و نگرانی شرط

ہے، پس اس کا مقتضایہ ہے کہ صرف معیت سفر کی اور ٹکٹوں کی مبتدا و منتہا کا اتحاد کافی نہیں، بلکہ اگر اسباب سب اس طرح تقسیم کر دیا کہ شخص ایک ایک حصہ لے اپنے سامان کے اپنی نگرانی میں لیکر سفر کرے تو یہ صورت جائز ہے، اور اگر نگرانی مالک ہی کی رہی تو جائز نہیں، باقی کسی قانون داس سے اگر مزید تحقیق قانون کی کرنی جاوے تو ممکن ہو کہ اس کا حاصل کچھ اس کے خلاف کو مقتضی ہو واللہ اعلم

۱۸ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ (النور ربیع الاول ۱۳۵۶ھ ص ۱۵)

اجرت دہانیدن حاکم قاضی | سوال (۴۱۲) اگر سرکار سے برضا مندی فریقین عالیے برابرے یا شاہدان را از سر یقین فیصلہ شرعی منصف سازد و اجرت از فریقین دہانند یا مسلمان را کہ عالم باشد منصف فریقین برائے تصفیہ شان سازد و اجرت از فریقین ایں منصف را دہانند یا فریقین خود کی را حاکم سازد و چیزے اجرت فیصلہ دہند گرفتن جائز است، و علیٰ ہذا القیاس شاہدان را از مدعی خرچہ حرجہ می دہانند شاہدان را گرفتن جائز؟

الجواب، اولاً فقہاء رزق القاضی را جائز نوشتہ اند اگر ایں اجرت بقدر کفایت خراج باشد و اصل رزق القاضی ست در جواز ششہ نیست و بچین شاہدان را بقدر خرچہ راہ و خوراک سفر گرفتن جائز است و زیادہ ازین اجرت ست بر شہادت چوں شہادت عبادت ست مثل قضا براں اجرت گرفتن جائز نباشد، ۲۵ شعبان ۱۳۲۲ھ (امداد ج ۳ ص ۸۱)

طیب عطا میں چارم کا معاملہ | سوال (۴۱۳) حکیم و عطار میں جو چہارم کا معاملہ طے ہو جاتا ہے یعنی حکیم، عطار سے یوں کہتا ہے کہ جس قدر ہم تمھارے یہاں نسخہ جات بذریعہ مریض روانہ کریں اس میں قیمت وصول ہو، اس میں سے چہارم ہمو دیتا، چنانچہ اس کو عطار تسلیم کر لیتا ہے، تو اب فرمائیے کہ یہ چہارم عطار کو دینا اور حکیم کو لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب، درست نہیں، ۲۵ شعبان ۱۳۲۲ھ (تمتہ ادلی ص ۲۰۱)

فیس مقدمات | سوال (۴۱۴) گھر کے بعض تعلقات پھر سرکاری بھی کسی قدر تعلقات ہیں جو کہ حکم مت کا معاملہ ہے پانچ روپیہ تک جرمانہ کرنا اور ایک شبانہ روز قید کرنے کی اقتدار ہے، اس میں ہر مقدمہ میں ایک روپیہ فریادی سولیا جاتا ہے، جو کہ بحکم سرکار ہے، اس کا حکم شرعی حضور کو بذریعہ مولوی محمد ریافت کیا تھا، حضور نے یہ جواب لکھا تھا کہ یہ عہدہ اور فیس ایک تاویل سے درست ہے مگر تصریح اس کی نہیں فرمائی گئی تھی، مولوی محمد نے جو سمجھا تھا وہ بیان کیا تھا، لیکن حضور کی طرف سے اگر اس تاویل کی تصریح فرمائی جاوے تو اطمینان کی صورت میں وہ عہدہ رکھا جائے،

الجواب، وہ تاویل وہی ہے جو آج کے فتویٰ یعنی مکتبہ ۳۹ ص ۳۷ میں لکھی ہے، کہ استیلاء

بواسطہ نائب کے ہے۔ ۲۵ ذی قعدہ ۱۳۳۷ھ (حوادث ۲۱۵، ص ۱۱)

سوال (۴۱۵) میرا ایک ہم شیر زادہ میرے گھوڑے کا بار گیر ہے تقسیم تنخواہ درمیان سید مالک اور میں اس کا سحدر ہوں، یعنی گھوڑا میرا ذاتی ہے، اور وہ نوکری کرنے والا، سحدر کی ماہوار ۲۵ مقرر ہے، اس میں ملے بعض خدمت سرکار سے بار گیر کو دیئے جاتے ہیں، اور باقی مجھ سحدر کو، اب عرض یہ ہے کہ میرا بار گیر تارک الصوم والصلوۃ زنا کار، نشہ باز، ریش تراش، گرفتار افعال ممنوعہ و رسوم قبیحہ ہے، میں نے برسوں اس کو زجر و توبیخ و تنبیہ سزا و محفل سازی و ترک معاملات وغیرہ کی سزا دی اور اقرار نامے لئے کہ آئندہ نماز روزہ احکام شرع برابر ادا کروں گا اور گھوڑے کو اچھی حالت میں رکھوں گا اور رقم سحدری ماہ بہ ماہ بھیجوں گا، وغیرہ لیکن اس نے جملہ قراروں کے خلاف عمل آوری کی اور کہا ہے، کوئی تغیر و تبدل اُس کے افعال میں نہیں ہوا، بلکہ روز افزوں حالت شنیعہ میں گرفتار ہے، گھوڑے کو لاغر کر دیا ہے، اور میری معتد بہ رقم کھا گیا ہے اس کو ہر طرف کر دینے کے ارادہ میں ہوں، لیکن میری والدہ صاحبہ جو میرے بار گیر کی نانی ہیں اس سے سخت رنجیدہ و بددعا کسان رہتی ہیں، حضرت چونکہ میرے راہ نمائے دین و دنیا ہیں، ان حالات پر نظر فرما کر جو ارشاد فرماویں گے اس پر عمل کروں گا اور مزید شکریہ ادا اور غرق بحر فحار احسان عظیم رہوں گا؟

الجواب، اس کے اوپر کے سوال کا جو جواب لکھا گیا ہے، اسی کی بنا پر اس تقسیم تنخواہ کی یہ تاویل ہو سکتی ہے، کہ تنخواہ توکل کی کل بار گیر کا حق ہے، وہ آپ کے گھوڑے کا کرایہ ہے، اگر یہ تاویل کسی وجہ سے نہ چل سکے تو خود یہ معاملہ ہی جائز نہیں، اور اگر کوئی امر مانع تاویل نہ ہو تو اس صورت میں ان افعال شنیعہ کا وبال خود اس بار گیر پر ہوگا، آپ کیوں پریشان ہوں البتہ گھوڑے کی لاغری کے سبب اگر آپ اس کو موقوف کرنا چاہیں تو دوسری بات ہے، اور اس صورت میں مال کی اطاعت فرض نہیں، کیونکہ دابہ کا حق تلف کرنا معصیہ اور کلاۃ المخلوق فی معصیۃ الخالق،

۲۳ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۷ھ (حوادث ۲۱۵، ص ۱۰۱)

سوال (۴۱۶) اگر کوئی لقاہ بیرنگ ہونے سے بچ جائے اور قانواہ بیرنگ ہونا چاہئے تھا مثلاً اس پر ٹکٹ لگا ہوا نہیں تھا تو اس شخص کے ذمہ ۱۰ روپے کا

ملک تلف کرنا ہے یا ایک آنہ کا۔

الجواب: عقد اجارہ کا تب و مرسل کے ساتھ منعقد ہوا ہے اجرت اُس کے ذمہ واجب ہے نہ کہ مکتوب الیہ کے اس کا ادا کرنا نیا بہتہ و تبرعاً ہوتا ہے اور اجارہ مختلف یا اختلاف شرط جائز ہے پس عدم تکمیل ادائے اجرت میں جو ایک آنہ مقرر ہے وہ بذمہ کاتب واجب ہے۔ ۲۵ سوال ۳۵

کتاب الدعوی

سوال (۴۱۷) ایک شخص نے اپنی جائیداد و موردی حکم دعویٰ اقارب بعد سکوت و قتر بیع عقار سکنی و زرعی کو مختلف اوقات میں اپنی بہن حقیقی کی جس کی عمر اب زائد از بیس سال اور خاوند المفاصل والی ہے، موجودگی اقد علم کی حالت میں بذریعہ بیع جائز اپنے عزیز رشتہ دار اور ہمسایوں کی طرف منتقل کر دی، اور عرصہ زائد گیارہ سال میں ہر ایک مشتری کے مالکانہ تصرف میں زمین مبیعہ اس صورت پر آگئی کہ زمین مسکوئہ پر مکانات بن گئے، اور زمین مزدوم پر دہشت لگ گئے، اور کاشت کی آمدنی وصول کرتے رہے، بالفعل بائع جائیداد مذکور نے اپنی بہن حقیقی کے ساتھ بوجہ بدینتی اور طمع فاسد کے سازش کر کے دعویٰ وراثت شرعیہ کا کرایا، اور تمدنی قانونی سے محفوظ رہنے کی وجہ سے اپنی بہن مدعیہ کی عمر بہت سالہ اور اپنی والدہ کے انتقال کو اند میعاد بار سال کے بیان کیا حالانکہ مدعیہ کی عمر زائد ۳۲ سال و اس کی والدہ کے انتقال کو سترہ سال و زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، مدعیہ کا وجود پورے طر پر علم بیع ہونے اور تصرف خریداروں کے ایک عرصہ دراز تک چپ ہونا شرعاً بجائے اقرار و اعتراف و تسلیم بیع کے ہے یا نہیں چند روایات بغرض استفادہ لکھی جاتی ہیں، باع عقار اوامراتہ اوولدا و بعض اقارب حاضر یعملو البیع و وفتح المتقاربین بینہما و تصرف المشتري فی ذلک زماناً ثم ادعی من کا حاضر عند البیع از العقار لم ولم یکن للبائع لا تسمع دعوی المدعی لان حضوره عند البیع وترك المنازعة اقرار منہ اند ملث للبائع وقيل سکوتہ فی ہذا الحالۃ کالافصاح بالاقرار دلالة قطعاً لا طبع الفاسدة لاهل العصر في الاصرار بالناس وفي الجامع الصغير سکوت المالك فی ما اذا باع رجل ملكه وهو حاضر لا یكون رضی بالبیع وهذا فی غیر الاقارب، حشرانہ المفتین

باع شيئاً و زوجتہ او بغض اقاربہ ساکت ثوادعاه لا یسمع و اختار القاضي فی فتاواه انه یسمع فی زوجة لا فی غیرها وائمه خوارزم ما ذکرناه بخلاف الاجنبی فان

سکوتہ وقت البیع والتسلیم لا یكون رضى من البرازية في تمام البكر المسكوت لا یباع
في ثلثین مسئلة مذکورة فی العادیة وجامع الفصولین و غیرہا الاولی سکوت البکر
عند تزویجہا الثانیة والثالثتان قال الثانیة والعشرون سکوت القریب عند بیع
عقار بحضرة وکذا سکوت احد الزوجین الثالث والعشرون سکوت من رأى غیره يتصرف
زمانا فی ملکة ثم ادعى انه ملکة الرابعة والعشرون سکوت المالك اذا رأى غیره یبيع متاعا
الخ کذا فی الفتاوی الظہیریة من الفوائد الزینیة لابن نجیم

الجواب، فی الشامیة عن الانشباہ (۲۴۷) سکوتہ عند بیع زوجة او قریبہ
عقاراً اقرار بانہ لیس له علی ما افتی بہ مشایخ سمرقند خلافاً لما شاع بمختاراً فالینظر
المفتی ای الاختلاف التصحیح کما سید کر الشارح لکن المتن علی الاول فقد مضی علیہ فی
الکنز والملتقى آخر الكتاب فی مسائل شتی واحترز بالبیع عن نحو الاجارة والرهن (۲۵) راه
یبيع عرفاً او داراً فتصرف فیہ المشتري زماناً وهو ساکت تسقط دعواه ای ان الاجنبی
کما لجار مثلاً لا یجعل سکوتہ مسقطاً لدعواه بمجرد روية البیع بل لا بد من سکوتہ ای
عند روية تصرف المشتري فیہ زرعاً ونباء بخلاف الزوجة والقریب فان مجرد سکوتہ
عند البیع یدفع دعواه اه وفيها ایض عن البرازية فی آخر الفصل الخامس عشر من کتاب
الدعوی اذا باع عقاراً وامراته او ولده حاضر ساکت الی ان قال بعد حکایتہ اختلاف لفتوی
ما نصرد فی الفتاوی یتامل المفتی فی ذلك فان رأى المدعی الساکت الحاضر ذاحیلة افتی
بعدم السماع لکن الغالب علی اهل الزمان الفساد فلا یفتی الا بما اختاره اثنته خوارزم اه
وفيها ای قلت لکن لا یلزم من غلبة الفساد ان لا یوجد من یعلم بحالہ بالصلام وعدم
التزویر تا مل اء

ان روایات سے چند امور معلوم ہوئے :- ۱۔ یہ حکم کہ بیع کے وقت زوجہ یا کسی عزیز قریب کا
سکوت کرنا گویا ان کا اقرار ہے کہ بیع ملک بائع ہے یہ حکم اصلی نہیں ہے، بلکہ معتل ہے علت کے ساتھ
کہ قرینہ تسلیم ہے، ۲۔ یہ کہ مختلف فیہ ہے، ۳۔ یہ کہ جنہوں نے اس کی تصحیح کی ہے بوجہ عارض یعنی غلبہ
فساد زمان کے کی ہے، ۴۔ چونکہ فساد غالب ہے اسی لئے مناسب اسی پر فتویٰ دینا ہے، ۵۔
یہ کہ اگر قرائن قویہ سے مدعی کی صلاحیت معلوم ہو جاوے تو اس پر فتویٰ نہ ہوگا، تیس کہتا ہوں
کہ امور خمسہ ثابتہ سے لازم آگیا کہ اگر مشتری کو قرائن و شہادت قلب کو معلوم ہو جاوے کہ بائع

کی قرابت دار مدعی کا واقع میں اس مبیع میں حق ہے، اور یہ بھی معلوم ہو جاوے کہ اُس کا سکوت بیع کے وقت کسی لحاظ و دباؤ سے تھا، اجازت و اذن بطیب خاطر اُسے نہ تھا، تو اس صورت میں اس کے حق کے قدر کا امساک اس مشتری کو حلال نہ ہوگا، اور اگر اس کا حق ہی ثابت نہ ہو تو اس صورت میں اس کا وہ سکوت اقرار بملک بائع سمجھا جاوے گا، اور اگر حق ثابت ہو اور سکوت کسی دباؤ سے نہ ہو، تو سکوت کو اقرار بملک بائع نہ ہوگا، مگر اجازت لبيع الفضولی ہوگی، جو منو نفاذ بیع و قاطع حق مدعی ہے، اس تفصیل سے سوال کی سب شقوق کا جواب ہو گیا، فقط واللہ اعلم،

۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۸ھ (امداد، ج ۳، ص ۲)

سوال (۴۱۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عموماً بوجہ بنامزد کردن دیگرے بغاوت حاکم وقت اپنی جائداد بغرض محفوظی زید اپنے برادر زادہ حقیقی کے نام کرادی اور ہمیشہ وہ جائداد بقبض و تصرف عمرورہی، اور کبھی قبضہ زید کا مالکانہ اس پر نہیں ہوا اب زید بعد وفات عمر و فقط اس وجہ سے کہ وہ جائداد اس کے نام بغرض مذکور کرادی تھی، وارثان عمر و سے دعویٰ ملکیت کرتا ہے تو اس صورت میں ملک اس کی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور یہ دعویٰ اُس کا صحیح و درست ہے یا نہیں؟

الجواب، اس صورت میں عموماً محفوظی جائداد کے واسطے ایک حیلہ کیا ہے، پس یہ کسی طرح اس جائداد کا مالک نہیں ہو سکتا، کیوں کہ نہ تو استیلا حاکم اس جائداد پر پایا گیا، کہ یوں کہیں کہ حاکم کی طرف سے زید کی ملکیت ہو گئی، اور نہ قبضہ زید کا اس جائداد پر مالکانہ پایا گیا، پس دعویٰ زید کا غلط ہے، اور وہ جائداد وارثان عمر و کی ہے، فقط (امداد، ج ۳، ص ۷)

ایضاً مثل بالا | سوال (۴۱۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مرد مسلمان جو کچھ نقد و جنس اپنی آمد و تجارت یا تو کسری وغیرہ کے ذریعہ سے پیدا کر کے بغرض حفاظت اپنی زوجہ کے تحویل میں رکھے، یا کوئی جائداد بغرض انتظام و حفاظت اپنی زوجہ پر خرید کرے، اور بیعنامہ میں زوجہ کے نام تحریر کر لے اور اس جائداد کی آمدنی بھی اپنے خرچ خانگی میں صرف کرتا ہے، اور جب زوجہ مذکور بقبضائے الہی انتقال کر جائے تو وہ مرد مسلمان اس جائداد کو اپنے قبضہ و تصرف میں رکھے، تو ایسی حالت میں اس شخص کے سپر جو اس زوجہ کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں اپنی والدہ کا ترکہ سمجھ کر بیعنامہ میں زوجہ کا نام لکھا دیا تھا، اپنے باپ سے واپس مانگتے ہیں، اور شوہر ہی حصہ ایک ربح دیتے ہیں، لہذا وہ جائداد شرعاً اس مرد مسلمان کی ہے یا اس کی زوجہ کی، اور مہر زوجہ

ادا ہو گیا تھا، اس کا جھگڑا اس میں کچھ نہیں ؟

الجواب، اگر واقعہ مطابق صورت مذکورہ سوال کہے تو زوجہ کے حق میں کوئی امر سبب ملک سے نہیں پایا گیا، یعنی وہ مشتری ہے، اصلۃً یا ذکاۃً، اور نہ یہ ہے کہ خوہر نے بطور اشتراک فضولی کے اس کی طرف سے خرید لیا ہو اور اس نے اس بیع کو اپنی طرف سے جائز رکھا ہو، پھر خواہش خود دیتی یا تبرعاً کوئی دوسرا دیدیتا، اور نہ زوج کی طرف سے کوئی صیغہ مہ پایا گیا، اور نہ زوج کی جانب سے کوئی اقرار اس کا کہ یہ جائیداد زوجہ کی ملک ہے پایا گیا، اور یہی اسباب ملک کے اس صورت میں ہو سکتے تھے جو مشتفی ہیں، تو جائیداد ملک زوجہ کی ہے، زوجہ کی نہیں، البتہ اگر اسباب مذکورہ میں سے کوئی امر باقرانہ زوج کے یا ورثہ زوجہ کے بینہ یعنی گواہ قائم کرنے سے ثابت ہو جاوے تو اس وقت جائیداد ملک زوجہ کی ہے، اور میراث جاری ہوگی، وذا کلہ ظاہر واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۷ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۸ھ (امداد، ج ۳، ص ۷۶)

سوال (۳۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر کو کہا کہ فلاں زمین میرے دادا کی تیرے دادا نے ہم دو اپنے قبضہ و تصرف میں کر کے کچھ غلہ مقرر کر لیا تھا، وہ ملتا بھی رہا۔ اب عرصہ چالیس پینتالیس سال سے وہ بھی نہیں ملا، بکر نے جواب دیا کہ اس حال کی مجھ کو بالکل خبر نہیں، نہ میں نے کبھی اپنے موروثوں سے سنا نہ کوئی کاغذ ایسا دیکھا، اور نہ کسی سوگت ہوا، اور زمانہ حیات موردث میں کیوں دعویٰ نہ کیا، اور اس زمانہ میں بکر کے دادا کی جائیداد ورثہ پر بھی تقسیم ہو گئی ہے، مگر زید کا دعویٰ صرف بکر سے ہے، اس بنیاد پر اگر بقریب ڈھچھوٹ کوئی مقدمہ عدالتی حکام وقت زید بکر پر قائم کر کے نقد روپیہ وصول کرے، تو اس کو جائز ہے یا نہیں، فقط ظہیر الدین، از انہیہ،

الجواب، اگر زید اس دعویٰ میں سچا ہے تو جس حالت میں کہ وہ زمین سب ورثہ میں منقسم ہے فقط بکر پر دعویٰ کرنا جائز نہیں، مدعا علیہم سب ہیں، سب سے دعویٰ کر کے اول تو اگر کسی طور پر ممکن ہو تو وہ زمین ہی لے لے، اور اگر نہ ہو سکے تو جھوٹا مقدمہ قائم کر کے تو روپیہ وصول کرنا جائز نہیں، ہاں بقدر اپنے حق کے روپے ورثہ سے چھین لے یا چرائے یا کسی جیلہ کو لے لے، مثلاً قرض کا بہانہ لے کر پھر نہ دے یہ جائز ہے، یعنی جتنے جتنے کسی وارث کے پاس ہیں بقدر اس کی قیمت کے اس سے لے لے، مگر احتیاط کرنا یعنی روپیہ نہ لینا بہتر ہے، کیونکہ صاحب حق کا خلاف جنس سے لینا مختلف فیہ ہے، فی کتاب العجو من الشامی قال الحموی فی شرح الکفر

نقلاً عن العلامة المقدسی عن جده الامام شمس القدری للاخصب ان عدم جواز
الاخذ من خلاف الجنس كان في زمانهم لمطاع و عنهم في المحققة والفتوى اليوم على
جواز الاخذ عند القدرة من اى مال كان لاسيما ديارنا لهذا و منهم العقوق قال لشارح
عقلاء على هذا الزمان فانه زمان عقوق لا زمان حقوق وكل رفيق فيه غير مرافق وكل
صديق فيه غير صدوق ج ۵ ص ۹۵ وليس لذي الحق ان ياخذ غير جنس حقه و
جوزة الشافعي وهو الادب سم ۱۲ در مختار قوله وجوزة الشافعي قد منافي كتاب المحرر
عدم الجواز كان في زمانهم اما اليوم فالفتوى على الجواز ۱۲ شامی جلد خامس ص ۲۴۱
۴ ربيع الثاني سنة ۱۳۳۸ (امداد ج ۳ ص ۴۴)

تحقیق عدم سماعت دعوی بعد میعادی | سوال (۴۲۱) قديم زمانہ میں جب کہ معاملات کے

انفصال کا شریعت پر حصر تھا، تمام معاملات اور دعویٰ میں سولے اوقاف اور ایسے دعاوی
کے جو منافع عام کے متعلق ہیں سماعت کے لئے پندرہ سال تک تحدید کر دی گئی تھی جس کو علماء
شریعت نے (مرور زمان) سے تعبیر کیا ہے، اور عملدرآمد اسی پر رہا ہے، کہ اگر مدعا علیہ اس قدمیعیاد
گذر جانے کی وجہ سے قابل سماعت نہ رہنے کا عند پیش کرتا تھا، تو عذر اس کا مسموع ہوتا تھا،
بالفعل عثمانی حکام شریعت اور حکام عدالت دیوانی اس تحدید کے پابند ہیں، سہولت کے لئے
چند معتبر کتب شریعیہ کا حوالہ بھی ذیل میں دیا گیا ہے اگر جناب کے نزدیک بھی عملدرآمد اسی پر ثابت
ہو جاوے، اپنے قلم یا مہر سے اس پرچہ کو مزین فرماویں فی فتاویٰ العقبالی لا تسیم الدعوی
بعد سبع و ثلاثین سنة ولكن المختار الآن ان لا تسیم بعد خمس عشرة سنة
الابا الامر السلطان وعليه الفتوى، بزازیہ من کتاب الدعوی ورد الامر السلطان
بعد سماع حادثة لها خمس عشرة سنة وقد افتيت بعدم سماعها لنهيها من الجحوا
فی کتاب الدعوی القضاء يجوز تخصيصه تقييداً بالزمان والمكان واستثناء بعض
الخصومات كما في الخلاصة فعلى هذا الامر السلطان بعدم استماع الدعوی بعد خمس
عشرة سنة لا تسیم الاشباه والنظائر وهكذا في الظهيرية لان السلطان لم يוכל
بسماع الدعوی بعد خمس عشرة سنة فيكون الافتاء بقول الشارع لا القانون فقط

الجواب، فی الدار المختار (فرع) القضاء منظر لا مثبت ویتخصص بنماز و مکان
و خصوصية حتى لو امر السلطان بعدم سماع الدعوی بعد خمسة عشر فسمعها الحوزة قد قلت فلا

تسمع الآن بعداها الا بما راجع الى اس روایت سے حکم مسئول عنہ کی لم اور حقیقت اور بنی مصلیٰ
منكشف ہو گیا، یعنی چونکہ ولایت قاضی کی مستفاد ہوتی ہے، امر سلطانی سے تو جس قدر سلطان
نے اس کو اختیارات دیئے ہیں، ان سے زائدیں وہ قاضی ہی نہیں، اس لئے اس کے احکام
ان امور میں نافذ ہوں گے، پس جب سلطان نے اس کو کہہ دیا کہ اتنی مدت کے بعد تم دعویٰ
مست سنا، اور بتصریح روایت فقہیہ قضا کی تقید مکان و زمان کے ساتھ جائز ہے، اس لئے
معنی کلام سلطان کے یہ ہوئے کہ تمہاری قضا خاص ہے، ان ہی واقعات کے ساتھ جو اس
میعاد کے اندر ہوں، اور دوسرے واقعات میں ہم تم کو قاضی نہیں بناتے، یہ وجہ ہے قضا نافذ
ہونے کی، اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقع میں صاحب حق کا حق زائل و باطل ہو جاوے
یا خود سلطان کو اس قید کا رفع کرنا جائز نہ ہو، چنانچہ قول الامام خود اس کا صریح مؤید
ہے، اور جب اس حکم کی علت معلوم ہو گئی تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ تقید اسی وقت اور اسی
شخص کے حق میں ہے، جو اس سلطان کا محکوم ہو، اور جب تک وہ سلطان زندہ رہے اور اپنے
اسی حکم پر قائم رہے، اور اگر کوئی حاکم و قاضی اس سلطان کے دائرہ حکومت خارج ہو، یا وہ
سلطان مر جائے جس کے منہ سے بتصریح فقہاء اس کا حکم مرتفع ہو جاتا ہے یا خود وہ سلطان اپنا
حکم منسوخ کر دے ان صورتوں میں یہ حکم نہیں، خلاصہ یہ کہ حکم مقصود شرعی نہیں بلکہ شعبہ توحید
بامر خاص کا، چنانچہ عبارت سوال میں یہ قول لان السلطان بعد کل الخ اس کی صریح دلیل ہے
اس بنا پر بغیر حدود سلطنت عثمانیہ میں ان روایات کو حکم فقہی سمجھ کر عمل کرنا جائز نہیں، اور
حدود عثمانیہ میں بھی صرف قضاۃ پر عمل واجب ہے، نہ اہل حقوق پر۔ (امداد ج ۳، ص ۷۸)

کتاب الصلح

تحقیق کفایت تحلیل جمالی الخ سوال (۴۲۲) بندہ کو یاد ہوتا ہے کہ بندہ نے زبانی یہ
دریافت کیا تھا کہ جس شخص پر کسی کا مالی حق ہے اور ظاہر کرنا اس کا صاحب حق کو مناسب
نہ ہو تو اس سے مدیون یہ کہہ دے کہ جس قدر تمہارے حقوق مجھ پر ہیں وہ کل معاف کر دو تو حضور
نے یہ فرمایا تھا کہ غیبت وغیرہ حقوق تو اس سے معاف ہو جاویں گے مگر مالی حقوق میں تصریح
کی ضرورت ہے اگر یہ یاد بندہ کی صحیح ہے تو یہ پرچہ ملفوفہ کی بعض عبارات اس پر دال ہیں

کہ مالی حقوق بھی بغیر تصریح کے معاف ہو جائیں گے۔ یہ پرچہ اسی سوال پر ایک مولوی صاحب نے دیا ہے نہ ان کو حضور کے جواب کی اطلاع ہے نہ مباحثہ مقصود ہے بلکہ تحقیق مسئلہ ہی ضرور تھا مقصود ہے اور اگر یہ میری یاد غلط ہے تو جواب میں اطمینان ہے۔ وہ عبارت یہ ہے قال جعلتك في حل الساعة اوفى الدنيا برئ في الساعات كلها والداين خلاصه غضب عينا فحلله ما لكها من كل حق هولہ قبلہ قال ائمة بلخ التحليل يقع على ما هو واجب في الذمة لا على عين قائم كذا في القنية وعز محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اذا كان للرجل على اخر مال فقال قد حللت لك قال هو هبته وان قال حللتك منه فهو براءة كذا في الذخيرة من الجزء الثاني من تكملة رد المحتار بطلاق ابرار عن الاعيان | سوال ۲۳۳ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ مسماۃ ہندہ کے چار پسر اور ایک دختر تھی اور سب صاحب مال تھے منجملہ چار لڑکوں کے ایک لڑکے نے عرصہ ۱۹ سال کا ہوا انتقال کیا اور دوسرے لڑکے نے عرصہ گیارہ سال کا گذر کہ انتقال کیا اور دونوں لڑکے صاحب اولاد تھے مسماۃ ہندہ نے جو ان کی والدہ تھی ان کے متروکہ میں کچھ حصہ نہیں لیا بعد ازاں تیسرے لڑکے نے انتقال کیا جس کو عرصہ پانچ سال کا گزرا اور تیسرا لڑکا بھی صاحب مال و صاحب اولاد تھا حسب شریعت جو حصہ لڑکوں اور لڑکیوں کا تھا مال متروکہ تیسرے لڑکے سے ان کو دیدیا گیا، سولے والدہ تنو فی کے کہ اس نے حصہ لینے سے انکار کیا اور یہ کہا کہ ہم کو حصہ لینے کی ضرورت نہیں ہم نے اپنا حصہ بحق اولاد تیسرے پسر اپنے کے چھوڑ دیا اور معاف کر دیا ازاں بعد اس تیسرے پسر کے مرنے کے تین سال بعد مسماۃ ہندہ نے انتقال کیا اب مسماۃ ہندہ کا ایک لڑکا اور ایک لڑکی باقی رہے۔ اب قصہ یہ درپیش ہے کہ بہ جو تھا لڑکا اپنی والدہ کی حقیقت کا اپنے بھائی تیسرے کے متروکہ میں مدعی بنتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ کو میری والدہ کی حقیقت میں بقدر میرے حصہ کے ملنا چاہئے اور بہن کہتی ہے کہ میں نہیں لے سکتی اس لئے کہ ہماری والدہ نے حصہ لینے سے انکار کیا اور معاف کر دیا۔ اور بحق اولاد پسر اپنے کے چھوڑ دیا۔ اب دریافت طلب چند امور۔ اول یہ کہ اس صورت مذکورہ میں مدعی اپنی والدہ کی حقیقت کا اپنے تیسرے بھائی کے متروکہ میں شرعاً بطریق وراثت کسی حصہ کا مستحق ہو سکتا ہے یا نہیں، دوسرے یہ کہ یہ الفاظ کہ حصہ لینے سے انکار کیا اور معاف کر دیا اور بحق اولاد پسر اپنے کے چھوڑ دیا ہم کو حصہ لینے کی ضرورت

نہیں جُدا ہر لفظ سے کیا سمجھا جاتا ہے اور مجموعہ الفاظ سے کیا آیا یہ بہ سمجھا جاتا ہے یا کچھ اور۔ اور چھوڑ دیا اور حصہ لینے سے انکار کیا اور معاف کر دیا ہر ایک صراحتاً الفاظ بہ سے ہے یا نہیں اور بحیثیت مجموعی الفاظ بہ ہو سکتے ہیں یا نہیں یا بہ کے کسی قاعدہ کلیہ کے تحت میں داخل ہو سکتے ہیں یا نہیں جواب ہر جزو مع نقل عبارات و حوالہ کتب تعداد صفحات مزین بمواہیر مرحمت فرمانا ضروریات سے ہے۔ بینوا تو جروا۔

الجواب۔ فی الدار المختار والابراء عن الاعیان باطل قہستانی وقیہ و

قولہم لا براء عن الاعیان باطل معناه بطل الابراء عن دعوی الاعیان ولہ بصیر ملکا للبدعی علیہ ولذا الوظف بتملك الاعیان حل لہ اخذہا لکن لا تسمع دعواہ فی المحکمہ فی رد المختار برأتک عن هذه الدار وعن خصوصتی فیہا او عن دعوی فیہا و هذا اکلہ باطل حتی لو ادعی بعد تسبع ولو اقامت بینة تقبل اہ تامل ج ۴ ص ۲۶، و ص ۲۷، ان روایات معلوم ہوا کہ حصہ نہ لینے سے یا الفاظ مذکورہ سوال کہہ دینے سے والدہ کا حق باطل نہیں ہوا اور جن کے لئے چھوڑ دیا ہے ان کی ملک نہیں ہوا اس لئے وہ خود بھی بعد اس انکار کے اپنا حصہ لے سکتی تھی اور اب اس کے بعد اس کے ورثہ بھی لے سکتے ہیں، اس تقریر سے سب سوالوں کا جواب نکل آیا۔ ۲۴ رجب ۱۳۳۲ھ

سوال (۴۲۴) دو شخصوں نے مار پیٹ کی ایک کے سر میں سخت چوٹ لگ گئی اور زخم ہو گیا، مجروح نے نالش کر دی اور لوگوں نے اس طرح صلح کرادی کہ تمہیں پچیس روپے مدعا علیہ سے دلوا دیئے جائیں گے تم مقدمہ کو خارج کرادو اس صلح کر لی اب وہ روپیہ مدعی کو لینا درست ہے یا نہیں۔

الجواب۔ ایسے زخم میں حکومت عدل ہے جس کا مدار تخمین یا باہمی رضامندی پر ہے اس لئے یہ روپیہ لینا مدعی کو درست ہے۔ (۱۰ ذالحجہ ۱۳۳۱ھ)

کتاب المضاربت

سوال (۴۲۵) زید نے مثلاً عمر کو ایک ہزار روپیہ بایں مضارب سے کوئی خاص مقدار | نفع کی ٹھہرانا
شرط دیا کہ فی آٹھ ماہ لوں کا خواہ عمر کو نفع ہو یا نقصان مجھ کو

ہم اگر نفع سے کام ہے، اب جس قدر مال عمر و خریدتا ہے اس قدر زید مہاجن کے یہاں
 خرید کر دیتا ہے جس وقت ہزار روپیہ کا مال تیار ہو جاتا ہے اس وقت مہاجن حساب کر کے نفع
 و اصل دام وصول کر لیتا ہے اور مہاجن کو مال کے خرید و فروخت سے کوئی نسبت نہیں
 ہوتی، اس صورت میں زید کو یہ نفع لینا درست ہے یا کیا۔

الجواب ۱۔ درست نہیں۔

سوال (۴۴) زید نے چار سو روپیہ تجارت میں لگائے
 عدم جواز شرکت و مضاربت | اس روپیہ میں کسی دوسرے کی شرکت نہیں ہے خود زید اس کا
 مرمضاربت را الخ

مالک ہے اس کے ساتھ ہی عمرو نے اور چار سو روپیہ بطور مضاربت زید کو دیئے کہ اس
 روپیہ چار سو کا جو نفع ہوگا نصف مالک کا اور نصف مضارب کا ہوگا محنت زید کی ہے اور
 منعمہ آٹھ سو روپے کے چار سو روپیہ عمر و کا ہے اور محنت سے اس کو کوئی تعلق نہیں ہو ایسی
 صورت میں اپنے چار سو کا نفع علیحدہ لیکر بقیہ چار سو کا نصف نفع زید نے لیا اور نصف
 عمرو نے یہ شرکت اور مضاربت جائز ہے یا نہیں۔

الجواب ۱۔ اگر عمرو کو یہ بات معلوم ہے کہ زید اپنی رقم تجارت کے ساتھ ملا کر کام کریگا
 اور معلوم ہونے کے بعد اس کی اجازت دی تو جائز ہے۔ فی الدار المخذار کتاب المضاربة
 لا یمکن المضاربة والشرکة والمخلط بمال نفسه الا باذن او اعمل برایک اذا الشئ
 لا يتضمن مثله ۱۵

سوال (۴۵) اس ضمن میں دوسرا سوال یہ ہے کہ زید سے ایک تیسرے شخص نے کہا کہ
 اپنی مجموعی تجارت میں دو سو روپیہ ہمارا شامل کر لو ہم محنت میں برابر شریک رہیں گے اور عمرو
 سے اس تیسرے شخص کو کوئی تعلق کوئی معاہدہ نہیں ہے نہ اس سے کوئی شرط ہوئی زید نے
 دو سو روپے کے منافع سے شریک کیا ہے کیا یہ تیسرا شخص عمرو کے روپیہ کا جو منافع بطور مضاربت
 زید لیتا ہے یہ تیسرا شخص بھی شرعاً باوجود نفی و انکار کے کہ اس میں تمہارا کوئی حق نہیں ہے مستحق
 ہو سکتا ہے۔

الجواب ۱۔ اس تیسرے شخص کا عمرو کے روپیہ کے نفع میں شریک ہونے کا استحقاق موقوف
 ہے اس ثالث کے مضارب ہونے پر اور وہ موقوف ہے دو امر پر ایک یہ کہ عمرو زید کو اس کی
 اجازت دے دوسرے یہ کہ زید اس کا معاہدہ اس ثالث سے کرے اگر یہ شرط نہ پائی جاوے تو

اس ثالث کا اس عمرو کی رقم میں کوئی حق نہیں ہے بلکہ اس ثالث کا خود شریک بلا مضاربت کرنا بھی اذن عمرو پر موقوف ہے۔ کماذکر فی الجواب عن السؤال الاول۔

(۵۱ صفر المنظر ۳۳۲ھ)

سوال (۴۲۸) اگر کسی شخص سے روپیہ اس واسطے لیا گیا ہو کہ گرفت و تجارت الخ روپیہ بنام مضاربت تجارت کریں گے اور وہ روپیہ تجارت میں لینے والے نے نہیں لگایا بلکہ اپنے کام میں صرف کر لیا گیا، سال تمام میں لینے والا اس کو کچھ روپیہ دیدے کہ یہ نفع کی بابت ہے اور روپیہ والے کو اس کی خبر نہ ہو تو وہ نفع کی بابت روپیہ لیتا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ بے خبری میں معذور ہے لیکن خبر ہونے کی صورت میں لینا جائز نہیں اور جس نے یہ دھوکہ دیا ہے اس کو ہر حال میں گناہ ہوا اور اس کو اس کا نفع حلال نہیں اور وہ مقروض ہے مال والے کا روپیہ واپس کرنا اس کو واجب ہے۔ ۱۲ شعبان ۱۳۳۳ھ

سوال (۴۲۹) روپیہ جس شخص نے لیا ہے اس کو اس طور سے منافع دینا جائز ہے یا نہیں کہ تجارت میں تو لگایا نہیں اور اپنے کام میں لگا کر بدون نفع ہوئے اپنے پاس نفع دیکر **الجواب۔** اس طرح دینا سود ہے کیونکہ وہ روپیہ کام میں لگانے سے قرض ہو گیا

باقی خود بلا اطلاع ایسا تصرف حرام ہے جیسا اوپر مذکور ہوا۔ ۱۲ شعبان ۱۳۳۳ھ

عقد مضاربت سوال (۴۳۰) محمد فخر الدین محمد بشیر نے مل کر ایک اشتہار دیا کہ ہم نے ایک کمپنی قائم کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے حصہ لوگ خریدیں اور اس کے روپیہ سے کتاب چھاپ کر بیچیں نفع ہو نفع کے تین حصے ہوں ایک صاحب روپیہ کا۔ دو ان دونوں کے لوگوں نے روپیہ دیا فخر الدین محمد بشیر کے درمیان اختلاف ہو گیا۔ دوران اختلاف میں حصہ داران نے بذریعہ تحریر یہ کہا کہ ہمارے روپیہ کا مال محمد بشیر کے سپرد ہونا چاہئے، ہم کو فخر الدین پر اعتبار نہیں ہے فیصلہ کرنے والوں نے مال مجموعی حیثیت سے حساب تخمینہ لگا کر مال دلوادیا فخر الدین کے قبضہ سے دیگر فیصلہ کرنے والوں نے ذریعہ فروخت فخر الدین کو دیدیا۔ اور مال حصہ داروں کی خواہش سے محمد بشیر کو دیدیا۔ محمد بشیر کے پاس ذریعہ فروخت نہ تھا اس لئے مال پڑا رہا دیگر ذریعہ پیدا ہونے کے لئے زمانہ کی ضرورت تھی۔ حصہ داروں نے محمد بشیر پر سخت تقاضا شروع کیا کہ ہمارا روپیہ دیدو۔ ایسی حالت میں محمد بشیر کے ذمہ یہ بات ہے کہ وہ روپیہ کی فکر کر کے دیدیا جاوے یا شریعت مال صاحب مال کو دلوائے گی۔ محمد بشیر نے باقاعدہ حساب کر کے مال کا دیکھا تو مبلغ امانت کے

چار سو پچاس کا مال فخر الدین سے کم ملایہ اسکا شک چار سو پچاس صرف محمد بشیر کے ذمہ رہیں گے یا سب حصہ داروں کے ذمہ "ذریعہ فروخت" حاصل کرنے کے لئے بعض حصہ داروں کی رائے سے محمد بشیر نے مقدمہ لڑا یا مقدمہ کی کامیابی ہوئی، مصارف مقدمہ رب کے ذمہ ہوں گے یا صرف محمد بشیر کے ذمہ رہیں گے فقط

الجواب - یہ عقد مضاربت ہے۔ فخر الدین محمد بشیر مضارب ہیں اور روپیہ والے رب المال اور اس کے بعد جو حصہ داروں نے محمد فخر الدین سے مال محمد بشیر کو دلوانا چاہا اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک مضارب کو علیحدہ کیا اور مضارب کو مضاربت سے معزول کرنے اور اس سے عقد مضاربت کے فسخ کرنے کا حکم یہ ہے کہ جتنا مال موجود ہے اس مضاربت کو فروخت کرے اور نفع تقسیم کر کے اصل روپیہ رب المال کو دیدیا جائے لیکن اگر رب رضا مند ہو کر مال ہی کو تقسیم کرنا چاہیں تو بھی درست ہے بلا رضامندی درست نہیں اور صورت مسئلہ میں چونکہ رضا مندی سے ایسا کیا گیا جائز ہو گیا۔ پس فخر الدین کے حصہ میں جتنا مال آگیا وہ فخر الدین کی ملک ہو گیا۔ اور محمد بشیر کے پاس رہا اس میں حسب شرط مقررہ وقت عقد مضاربت قائم رہی اور رب المال کو مضاربت سے روپیہ مانگنے کا اختیار نہیں ہوتا صرف مضارب کے ذمہ فروخت کرنے کی کوشش کرنا ہے اس لئے حصہ دار محمد بشیر پر جبر نہیں کر سکتے جب مال فروخت ہو گا حسب شرط نفع تقسیم کر کے حصہ داروں کو اصل روپیہ دیدیا جاوے گا۔ اور اگر خسارہ ہوا صرف حصہ داروں پر پڑے گا۔ پھر اس کے بعد جو حساب کرنے سے مال کم بلنا ثابت ہوا یہ سب حصہ داروں کے ذمہ ہے کیونکہ سب کی رضامندی سے یہ مال کی تقسیم ہوئی ہے اور ذریعہ فروخت ایک مبہم لفظ ہے جب تک اس کی تبیین و تصریح نہ کی جائے اس کے متعلق جو سوال آخر میں کیا گیا ہے اس کا جواب نہیں ہو سکتا اور نہ اس کو متعلق دوسرے احکام کی تحقیق ہو سکتی ہے کہ آیا اس کا دینا فخر الدین کو جائز تھا یا ناجائز اور آیا دینے سے فخر الدین کا حق اس سے متعلق ہو گیا یا نہیں اور آیا فخر الدین کو دینے کے بعد یہ مقدمہ لڑانا جائز تھا یا نہیں اور پھر مصارف کس کے ذمہ ہوئے اگر اس کے متعلق پھر سوال آوے تو یہ پرچہ ہمراہ آنا چاہئے۔

۲۷ محرم ۱۳۳۲ھ

جواب سوال متعلق سوال (۳۰) رام لال جو ہمارا پہلا مضارب تھا جس وقت وہ مضارب علیحدہ ہونے لگا تو نفع کا حساب کر کے جو رقم اس کے حصہ کی نکلتی تھی وہ

اس کے حوالہ کی گئی، حساب اس طور پر جوڑا گیا (۱) زر نقد جو تحویل میں تھا (۲) مال چمڑہ و سامان وغیرہ جو دوکان و کارخانہ میں تھا (۳) بقایا جو بیوپاریوں و کارگیروں کے ذمہ تھا ان تینوں کو جمع کر کے نفع نکال لیا گیا، مثلاً جس وقت کام شروع کیا تھا تو دس ہزار روپیہ لگائے گئے تھے۔ اور جب کام ختم کیا گیا تو از روئے حساب بالاجودہ ہزار ہو گئے اس سے معلوم ہوا کہ چار ہزار نفع ہے۔ رام لال کے علاوہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے فرائض ادا کرنے میں کوتاہی کرتا تھا اور اسی وجہ سے جو نفع ہوا وہ دراصل خدا کا فضل اور بظاہر دوسرے مضارب اور رب المال کی مساعی کا نتیجہ تھا۔ بقایا میں کچھ اور رقوم بھی تھیں جو ناقابل وصول سمجھے کہ خارج از حساب کر دی گئی تھیں اور اگر وہ بھی شمار کر لی جائیں تو نفع کی مقدار اور بڑھ جاتی، طے شدہ حساب کے بعد دوسرے مضارب اور رب المال کی کوشش اور روپیہ اور وقت خرچ کرنے سے بعض ناقابل وصول رقوم وصول ہو گئیں جو مضارب اول رام لال کے خیال میں ڈوبی ہوئی تھیں اور بعض رقوم جو بقایا میں قابل وصول سمجھے کہ داخل کی گئی تھیں اور اسی حساب سے رام لال کا حساب کیا گیا تھا باوجود محنت و وقت اور مزید روپیہ خرچ کرنے کے ڈوب گئیں۔ اس صورت میں مضارب ڈوبی ہوئی رقوم کا ذمہ دار اور وصول شدہ رقوم کا حصہ دار بنے یا نہیں، یہ ظاہر ہے کہ رقوم وصول نہ ہوتیں اور بعد میں خارج از حساب کرنی پڑتی تو وہ یہ کہہ کر انہیں مجرا دینے سے انکار کرتا کہ ہم تو الگ ہو گئے۔ اب ہمیں کیا تعلق۔ اس نے بعض بقایا کے وصول کرانے میں ایک بددیانتی یہ بھی کی کہ جس پر سو روپے آتے تھے اس کا مثلاً اسی کا مال سو روپے میں خرید لیا گو اس مقروض سے اُسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ اس صورت میں اس سے کس طرح حساب کیا جائے۔ جو رقوم ناقابل وصول وصول ہوئیں ان پر روپیہ اور محنت اور وقت صرف ہوا ہے اس وجہ سے ان کی تعداد کسی قدر ڈوبی ہوئی رقوم سے زیادہ ہی ہوگی لیکن حساب میں اندازہ سے مہینے خریدے ہوئے مال اور صرف شدہ روپے کا اندازہ ہو سکتا ہے مگر جو وقت مضارب ثانی اور رب المال کا صرف ہوا ہے اس کی قیمت کا کوئی اندازہ کرنا مشکل ہے کیونکہ اسے کسی روز سوا اور پانچ سو روپے کی آمدنی ہوتی ہے اور کسی دن کچھ بھی نہیں۔ اسی طرح سال کی او آمدنی بھی متفاوت ہوتی ہے کبھی کم نفع ہوا کبھی زیادہ۔

الجواب۔ رام لال کے ذمے ہے کہ سب رقوم یافتنی وصول کرے۔ اس کو انکا

کرنے کا کوئی حق نہیں، لیکن اس کا حصہ دار ہونا اس کے وصول کرنے پر موقوف نہیں یعنی اگر بدون اس کی سعی کے یا رب المال وغیرہ کی سعی سے ہو گئیں تو اگر وہ نفع کی رقم ہے جیسا سوال سے ظاہر ہے تو وہ اس میں حصہ دار ہے اور در صورت وصول نہ ہونے کے اس کو یہ کہنے کا حق نہ تھا کہ ہم الگ ہو گئے ہیں۔ کیا تعلق اس کو وہ رقم مجرا دینا پڑتی ہے اور یہ بددیانتی کی کہ اسی کا مال سو میں خریدا یہ غبن یہ ہے جس کا مضارب کو اختیار ہے گو بددیانتی سے وہ گنہگار ہو مگر عقد نافذ ہو جاوے گا اور اس کے سب احکام مرتب ہوں گے اور جو رقم متوقع الوصول تھیں اور وصول نہیں ہوئیں وہ حساب سے خارج کی جا دیں گی۔ پس اگر رقم غیر متوقع الوصول جو کہ وصول ہو گئی مقدار میں رقم متوقع الوصول سے جو کہ وصول نہیں ہوئی زیادہ ہے تو اس زیادہ کی بھی تقسیم حسب شرط مضاربت ہوگی اور وقت و سعی کی کوئی قیمت بدون عقد کے نہیں ہوتی۔ اس لئے اس کا اعتبار نہیں مقتضی عقد کا تو یہی جواب ہے لیکن اگر اس خلیجان سے متعاقدین بچنا چاہیں تو اس کی صورت یہ ہے کہ چڑھی رقم میں عام اس سے کہ وہ متوقع الوصول ہوں یا غیر متوقع الوصول بحثاً حصہ مضارب کا بتراضی متعاقدین قرار پاوے اس مجموعی کے حصہ کے عوض میں رب المال کوئی چیز گو کیسی ہی خفیف قیمت کی ہو مضارب کو دیدے تو وہ تمام چڑھی ہوئی رقم رب المال کی ملک ہو جاویں گی اور یہ اشکال مذکور فی السؤال اس میں پیش نہ آوے گا۔ اب بھی ایسا ہی کر لیا جاوے۔ ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ

کتاب القضاء

قضاء علی الغائب کا سوال (۴۳۱) شوہر غائب ہے، اور عورت کو دعویٰ طلاق ہے، اور بضرورت جائز ہونا احضار مدعی علیہ متغذر بلکہ خود عورت کو شوہر تک پہنچنا بھی دشوار ہے، اس صورت میں شہادت علی الغائب پر عند الضرورة دفعاً للخرج بالتابع دیگر ائمہ کرام حنفی المذہب کو حکم طلاق دینا جائز ہے (جیسا کہ امر منفقود الخیر میں اتباع امام مالک عند الحفیہ جائز ہے) یا نہیں؟

الجواب - قال العلامة الشامی ز قلا عن جامع الفصولین بعد بحث طویل

فالظاهر عندی ان يتأمل في الوقائع الى قوله ولا ينافي ما مر كان تجويز هذا
 للمصلحة والصراحة ۲۶، ص ۵۲۵، ۵۲۶ وفي الدر المختار ولو قيد السلطان
 بصيحه مذهبنا نقيد بلا خلاف اه ان روایات سے امور ذیل ثابت ہوئے
 ۱۔ قضا علی الغائب کے جواز پر مطلقاً فتویٰ نہ دیا جاوے گا، بلکہ جہاں قاضی
 کی رائے میں ضرورت و مصلحت ہو، یہ جواز اس صورت کے ساتھ مقید ہوگا، ۲۔ صوت
 مسئول عنہا میں ضرورت ہے اس لئے قضا علی الغائب کو جائز کہیں گے، ۳۔ بہتر ہے
 کہ اس غائب کی طرف سے کوئی اس کا پیروکار مقرر کر دیا جاوے کہ وہ بمقابلہ مقضیٰ لہا کے
 جرح و قدح کر سکے ۴۔ اگر قاضی کے منشور قضا میں یہ قید لکھی ہو کہ صرف مذہب حنفی کے
 قول راجح کے موافق قضا کرے تو اس صورت میں احتیاط یہ ہے کہ والی سے اس قضا علی
 الغائب کے نفاذ کا اختیار حاصل کرے۔ فقط والشرع علم،

۳ ربيع الاول ۱۲۸۵ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۸۵)

ایلا، بودن بعرف و تحلیف قاضی دران | سوال (۴۳۲) میاں بیوی میں کسی وجہ سے
 ٹکرا رہو گیا۔ میاں نے حالت غصہ میں بیوی سے کہا کہ میرے گھر کا کھانا تجھ کو حرام ہے
 اگر میں تیرے اوپر ازار بند کھولوں تو اپنی لڑکی پر ازار بند کھولوں اور اپنی ران پر ہاتھ
 مار کر کہا جا مردوں کے یہی بول ہیں، یہ مذکورہ بالا بیان خودت کا ہے اور مرد اس بیان سے
 انکار کرتا ہے کہ میں نے نہیں کہا، فقط حالت غصہ میں یہ کہا تھا کہ میرے گھر کا کھانا تجھ کو
 حرام ہے، اور اس میں میسر ہی کوئی نیت طلاق وغیرہ کی نہیں تھی، عورت کے پاس گواہ
 نہیں ہیں۔ یہ دونوں میاں بیوی اگر کسی عالم کے پاس رجوع کریں تو کس طرح فیصلہ کرنا چاہئے
 اگر عورت کا قول صحیح مانا جاوے تو مرد کا یہ کہنا کہ تجھ کو میرے گھر کا کھانا حرام ہے، اگر میں تیرے
 اوپر ازار بند کھولوں تو اپنی لڑکی پر ازار بند کھولوں، عورت کے حق میں ایلا، ہوگا یا طلاق
 اس بارہ میں جو حکم شرع شریف ہو اس سے مطلع فرمایا جاوے، تاکہ اس کے مطابق ان کا
 فیصلہ کر دیا جاوے۔ اور ان کو شرعی حکم سنایا جاوے۔ کیا البینۃ علی المدعی والیمین علی
 من انکر پر عمل کیا جاوے؟

الجواب۔ فی الدر المختار ومن حرم ای علی نفسه شیئاً ثم فعله كفر

بیمین۔ لما تقرران تحريم الحلال یمن الی قول کل حل او حلال الله او حلال

المسلمین علی حرام فهو علی الطعام والشراب والفتویٰ فی زماننا علی انه تبیین اموالہ بتطبیقہ فی رد المحتار والحاصل ان الاعتبار انصار هذه الالفاظ عربیة او فارسیة الی معنی المتعارف بلانیة فیہ فان لم یترعارف نسل من نیتم و قیما ینصرف بلانیة لوقا اردت غیوہ لا یصدقہ القاضی و قیما ینہ و بین اللہ تعالیٰ هو المصدق امر ج ۳ ص ۹۵ تا ص ۱۰۰ و فی الدر المختار والفاظہ (ای الایلاء) صریح و کتایہ فی رد المحتار عن البحر لوادعی فی الصریح انه لم یعن الجماع لا یصدق قضاء و لصدق دیانہ و کتایہ کل لفظ لا یسبق الی الفہم معنی الوقاع منه و یحتمل غیوہ و لا یكون ایلاء بلانیة و یداین فی القضاء و فیہ عن المنتقی لا انا م معك ایلاء بلانیة و کذا لا بمس فحی الی قول الشافعی مؤید المنتقی ان الصراحة منوطة بتبادر المعنی والمتبادر من قولك فلان نام مع زوجته هو الوطی الخ جلد ۲ ص ۷۹۰ ان روایات سے تو اس جملہ کا (اگر میں تیرے اوپر الخ) یمن و ایلاء ہونا ثابت ہوا کہ عرفاً متبادر اس سے یہی ہے اور چونکہ عرفاً یہ صریح ہے، اس لئے متکلم اگر دعویٰ کرے کہ صحبت کرنا مراد نہ تھا، تو قضاء اس کی تصدیق نہ کی جاوے گی، البتہ اگر کسی جگہ عرفاً اس سے یہ معنی متبادر نہ ہوں تو اس صورت میں قضاء تصدیق کیا جاوے گا، اور اگر کسی جگہ عرفاً یہ طلاق میں لزوماً مستعمل ہوتا ہو تو اس سے طلاق بائن ہو جاوے گی، اگرچہ نیت نہ کی ہو، اور نیت خلاف کے دعویٰ میں قضاء مصدق نہ ہوگا، اور اگر طلاق وغیر طلاق دونوں میں مستعمل ہوتا ہو تو جس کی نیت کی ہوگی وہی ہوگا، خلاصہ یہ کہ اس جملہ کے مفہوم کی تعیین کا مدار عرف پر رہا، پس اول اس کی تعیین کی جاوے، اس کے بعد اگر زوجین میں سے ایک یعنی زوج انکار کرے اور زوجہ دعویٰ کرے اور دونوں متفق و رضا مند ہو کسی عالم کو حکم بناویں تو وہ مثل تاضی کے ذیل کے موافق فیصلہ کرے، اور اگر حکم نہ بناویں تو محض افتار اس فیصلہ ذیل کے موافق نہ ہوگا۔ بلکہ اس کا حکم روایات بالا کے ضمن میں جا بجا جو مذکور ہوا ہے وہ بتلا دیا جاوے گا، اور وہ فیصلہ بصورت حکیم یہ ہے کہ اگر مدعیہ بینہ پیش نہ کر سکے تو مدعی علیہ یعنی زوج سے حلف لیا جاوے گا، اور اگر وہ حلف کر لے تو حکم کر دیا جاوے گا کہ یہ جملہ اس نے نہیں کہا، اور اگر حلف سے انکار کرے تو حکم کر دیا جاوے گا کہ اس نے کہا ہے، پھر بعد فرض اس تقدیر کے اس جملہ کے مفہوم میں جو تفصیل لکھی گئی ہے، اس کے

سوا فن حکم کر دیا جاوے گا۔ والحلف لان الایلاء من الاشیاء انی اختلف فی التحلیف فیہا دہی النکاح والرجعة والفقہ عن الایلاء والاستیلاء والرق والنسب والولاء والحد واللعان کذا فی الدر المختار ثم نقل الفتویٰ علی التحلیف فی الکلی الالحد و دو منها حد قذف ولعان ج ۴ ص ۶۵۲ مع رد المختار اور ایلاء اگر ثابت ہو تو اس کا حکم مشہور ہے۔ ۲۵ رد المحتار ۳۳۲ ھ رتنمہ ثانیہ ص ۲۰۲

بودن حکام مسلمین از جانب سوال (۴۳۳) قاضی دریں ملک نصاریٰ در کسے جا موجود است نصاریٰ در حکم قضاۃ یا نہ وقاضی چگونہ می شود اگر مردم قصبہ کلان اعلیٰ ادنیٰ جمع شدہ امام جمعیہ و جماعت و عیدین یکے عالم را سازند آن عالم کار قاضی کردن می تواند یا نہ، مولانا رشید احمد صاحب در جواب نوشتہ بودند کہ نابالغہ نکاح کردہ برادر چوں بالغہ شد و بفرورست حیض انکار کرد نکاح فسخ میشود پس یکی نابالغہ خاندان ماکہ از بیوقوفی و انصبب قوم ب نکاح صغیر درآمدہ بود، بالغ شدہ انکار کرد، پدر تا بالغ را راضی کردہ حکم ساختہ از حکم فسخ کننا نیدیم و بدیگر خویش نکاح کردیم بعض اقوام ما معترض ہستند دریں حکم چیست فقط

جواب، قاضی آن کہ برائے فصل خصوصیات حاکم ساختہ شود و برائے عموم نفاذ احکامش دو طریق است تولیت از سلطان گو کا فر باشد و تولیت از امام مسلمین و اگر در واقعہ خاصہ صرف متخاصمین بنفس خود ہا و راہ الی سازند آن حکم است و در حق نفس آنہا مثل قاضی است نہ در حق غیر آنان پس بناءً علیہ دریں ملک آن احکام کہ برائے این غرض از سرکار مامور کردہ می شود اگر مسلمان باشد در حکم قضاۃ ہستند مثل ڈپٹی وغیرہ فی الدر المختار و يجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجاہل ولو کافر اذا کرہ مسکین وغیرہ و فیہ ولو فقد وال بغلبۃ الکفار وجب علی المسلمین تعین وال و امام للجمعیۃ، فتح پس آنکس کہ مسلمانان اور امض برائے اقامت اعیان و جمعہا قائم کردہ اند در حکم قاضی نیست البتہ اور امتخاصمین حکم می توانند ساخت، پس در صورت مسئلہ اگر شوہر نابالغہ بشرطیکہ خود بالغ باشد و منکوحہ مذکورہ کسے را حکم ساختہ قضا لیش برایشان نافذ گردیدے و پدر شوہر اگر کسے را حکم سازد تا معتبر است چرا کہ حکم حکم بر غیر حکم نافذ نمی شود۔ فی الدر المختار و ہوای (التحکم) تولیۃ الخصمین حاکما یحکم بینہما و فیہ لا یتقد حکمہ الی غیرہما پس چوں از شوہر حکیم صادر شد لہذا قضائے حکم نافذ نہ گردیدے، واللہ اعلم، ۲۱ رجب ۱۳۲۱ ھ راجع ۱ ص ۷۹ و حوادث ۲۱ ھ

سوال (۴۳۴) اگر حقیقہ مفقود الزوج را از شافعی عالم فتویٰ گرفتہ
از کل مفقود الزوج عمل کردن جائز باشد مطلع فرمایند از تمام و مقامش تارجوع یا و کند،
جواب فتوے محض کافی نیست لما مر فی الجواب عن السؤال الاول والیض فی
فتاویٰ المفتی المرحوم بالنصہ والیض فیہا کان بمنزلۃ الفتویٰ منہ فلا یرفع الخلاف قصار وجود
کدیرہ فاذا رفعت الحادۃ الی حنفی فانہ یکم بمقتضیٰ مذہبہ ولا یمنعہ حکم المالکی، من ذلک فانہ
فتویٰ و لیس حکم امہ پس ازین عبارت نیز معلوم شد کہ فتویٰ صرف درین خصوص کافی نیست
واللہ اعلم، شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد جلد ۳ ص ۷۹، و حوادث ۱۰۱ ص ۹۴)
اجرہ دہانیدن حاکم قاضی | یہ مسئلہ بایں عنوان کتاب الاجارہ میں
یا شاہدان را از سر یقین | درج ہو چکا ہے۔

سوال (۴۳۵) ہندو را مبالغہ و ادم منکر شد، تنہا بوجدوم منکر
شد، در شرع با و حلف اگر آید چہ حلف دادہ آید؟
الجواب فی الدر المختار والوشی باللہ تعالیٰ لانہ یقر بہ وان عبد
غیرہ امہ ازین روایت مفہوم شد کہ ہندو را کہ بت پرست بود حلف باللہ کافی
است، واللہ اعلم۔ شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد ج ۳، ص ۸۲ و حوادث ۱۰۲ ص ۹۶)
سوال (۴۳۶) اگر فریقین نے بذریعہ عدالت کسی کو بیخ مقرر
قبل فیصلہ کیا، قبل فیصلہ دینے کے ایک فریق نے انکار کر دیا تو آیا اس کے
بعد اس بیخ کو جبراً فیصلہ کر دینا شرعاً درست ہے یا نہیں، گو عدالت اس فیصلہ جبریہ کو
جائز رکھتی ہے۔

الجواب، جب تک حکم فیصلہ نہ دے، اس وقت تک مدعی اور مدعا علیہ میں سے
ہر ایک کو حکم کو معزول کر دینے کا اختیار ہے، اور بعد معزول کر دینے کے اب حکم کو جبراً
فیصلہ کرنا درست نہیں، اور یہاں ایک شبہ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ اس وقت ہوتا جب
صرف فریقین ہی حکم بناتے اور یہاں تو عدالت نے مقدمہ سپرد کیا ہے، تو یہ شخص حکم
نہیں، حاکم بنیابت عدالت ہے، اور حاکم کو جبراً فیصلہ کر دینا جائز ہے، جواب
یہ ہے کہ عدالت نے اپنے اختیارات سے یہ مقدمہ سپرد نہیں کیا بلکہ فریقین کی درخواست
پر تو گویا عدالت لسان اور مجبراً اور حاکمی ہے فریقین کی، اور دس اس کی یہ ہے کہ اگر

باوجود عدالت کے سپرد کر دینے کے حکم اپنی خوشی سے فیصلہ سے انکار کر دے تو خود عدالت بائپرس نہیں کرتی، بخلاف اس کے کہ کوئی آنریری مجسٹریٹ مقدمہ کی سماعت چھوڑ دے تو اس سے اس کی بابت بائپرس ہوتی ہے، پس وہ حکم حکم ہی رہا حاکم نہ رہا، اور وہ شبہ جاتا رہا۔

۲ شعبان ۱۳۳۷ھ (حوادث ۲ ص ۱۰۹)

سوال (۴۳۷) مدعی عدالت میں جب دعویٰ دائر کرتا ہے، تو بعض اوقات یہ صورت پیش آتی ہے کہ حاکم ہر دو فریق کو ایک یا دو اشخاص پر رضا مند کرتا ہے کہ وہ اس مقدمہ کی تحقیقات کریں، بعض دفعہ تو ان اشخاص کو صرف تحقیقات کا اختیار ہوتا ہے، اور اس صورت کا نام یا ان اشخاص کا نام کمیشن ہوتا ہے۔ اور ان کے حسب تحقیق حاکم حکم دیتا ہے، اور بعض دفعہ ان اشخاص کو ہی حکم قرار دیا جاتا ہے جس کا نام ثالث ہے، کہ وہ تحقیقات کر کے فیصلہ دیں، دونوں صورتوں میں فریقین سے ایک رقم تجویز ہو کر وصول کی جاتی ہے، اور وہ اس کمیشن اور ثالث کو دی جاتی ہے، آیا یہ رقم اس کو یسینی درست ہے یا نہیں۔ دونوں صورتوں میں سے کسی کو یسینی درست ہے اور کسی کو ممنوع ہے؟

الجواب۔ یہ تحقیق اور فیصلہ دونوں باب قضا سے ہیں، اور قضا پر اجرت لینا جائز نہیں، البتہ بیت المال سے بقدر کفایت نفقہ پانے کا مستحق ہے، بوجہ اس کے کہ یہ شخص مجبوس بحق مسلمین ہے، اور بیت المال مال مسلمین ہے، اور مجبوس کا نفقہ من لہما کے مال میں بوجہ جزاء الجبس کے ہوتا ہے، پس اس بنا پر اس مفتش و حکم کو اجرت لینا تو جائز نہیں، لیکن چونکہ یہ ایک وقت خاص تک ان کے کام میں مشغول رہے ہیں، اس وقت کے لئے ان کا ضروری نفقہ اہل معاملہ کے مال میں ہوگا، پس بقدر نفقہ ضروریہ اس وقت کے رکھ لینا جائز ہوگا، باقی جو زائد ہو وہ اہل معاملہ کو واپس کر دیں۔

۲ رمضان ۱۳۳۷ھ (حوادث ۲ ص ۱۱۵)

سوال (۴۳۸) بعض دفعہ ایک فریق ایک کو اپنا ثالث مقرر کر دے اور دوسرا فریق دوسرے شخص کو، دونوں کا متفقہ کوئی شخص حکم نہ ہوا، اگر ان ہر دو ثالث میں اختلاف رہا تو تیسرا شخص متفقہ بنام سرینج مقرر ہوتا ہے، کہ وہ اعدا التجویزین کو پسند کر کے فیصلہ دیتا ہے، یا خود حاکم اعدا التجویزین پر فیصلہ کرتا ہے

اول حالت میں جب ہر دو فریق کا علیحدہ علیحدہ ثالث ہوا، اور متفقہ کوئی حکم نہ ہوا، اور ان دونوں ثالثوں نے متفق ہو کر فیصلہ دیا تو یہ فیصلہ صحیح ہوا یا نہیں کیونکہ یہ صورت ظاہر اذکالت کی ہے کہ ہر فریق کا گویا ایک وکیل اور حکم کے لئے ایسا شخص ہونا چاہئے کہ ہر دو فریق کا اس پر اتفاق ہو؟

الجواب واقعی یہ شخص حکم نہیں وکیل ہے، جب دونوں کے وکیل راضی ہو گئے

فیصلہ نافذ ہو گیا۔ ۲ رمضان ۱۳۳۵ھ (حوادث او ۲ ص ۱۱۶)

سوال (۴۳۹) فی زمانہ جو مسلمان متجانس سرکار انگریزی مقدمات فیصلہ مطابق قانون سلطنت غیر اسلامی فیصل کرتے ہیں وہ مطابق احکام شریعت نہیں ہوتے مثلاً شریعت

میں حکم ہے البینۃ علی المدعی والیمن علی من انکر، قانون انگریزی میں اثبات نفی دونوں کے لئے ثبوت مطلوب ہے، شریعت میں شاہد عدل شرط ہے، قانون میں جو شہادت مقبول ہے اس کے لئے شاہد کے واسطے وہ شرائط لازمی نہیں۔ شرعیہ میں لازم ہیں، شریعت میں بحالت اثبات سرقہ و زنا قطعید و سنگسار کا حکم ہے، قانون میں یہ نہیں، نیز دیگر حالتوں میں قانون میں قید جرمانہ مقرر ہیں، جو شریعت میں نہیں ہیں، آیا شریعت کی اس خلاف ورزی کا اثر بادشاہ وقت پر ہے یا مسلمانان مامور پر، اور اگر مسلمانان مامور پر نہیں تو حکم عام من لہر یحکم بہما انزل اللہ کی کیا تعبیر ہے؟

الجواب۔ قاعدہ شرعیہ ہے کہ اشد الضررین کے دفع کے لئے اخف الضررین کو گوارا کر لیا جاتا ہے، اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ حصول نفع کے لئے ضرر دینی کو گوارا نہیں کیا جاتا، اس بنا پر اس مسئلہ میں تفصیل ہوگی کہ جو لوگ ان حکومتوں کو اختیار کرتے ہیں دیکھنا چاہئے کہ ان کے قبول نہ کرنے سے خود ان کو یا عامہ اہل اسلام کو کوئی ضرر شدید لاحق ہونا غالب ہو یا نہیں، دوسری صورت میں تو ان حکومتوں کو قبول کرنا جائز ہے، اور اول صورت میں دیکھنا چاہئے کہ آیا اس شخص کی نیت اس ضرر کے دفع کی ہے یا کوئی نفع مالی یا جاہی حاصل کرنے کی، اول نیت میں جواز کی گنجائش ہے اور دوسری نیت میں ناجائز پس کل تین صورتوں میں سے صرف ایک صورت میں جواز کی گنجائش ہوتی، اور اس صورت میں محل آیت کا بقیہ دو صورتیں ہوں گی، خصوصاً اگر جائز یا مستحسن سمجھے کفر ہے البتہ اگر دو ناجائز صورتوں میں بھی سلطنت کی طرف سے مجبور کیا جاوے۔ اور عذر قبول

نہ کیا جاوے تو پھر ان میں بھی گنجائش ہے، لیکن ہر حال میں جہاں تک ممکن ہو خلاف شریعت سے بچنے کی کوشش کرے، اور صرف اس خیال سے خلاف شرع فیصلہ نہ کرے کہ آگے جا کر یہ منسوخ ہو جائے گا، البتہ جہاں جرم قانون و عتاب شاہی کا اندیشہ ہو صرف وہاں بھی گنجائش ہوگی، ایک صورت میں تو بلا جبر بھی اور دو صورتوں میں بجز،

۶ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (حوادث او ۲ ص ۱۶۰)

رفع شہادت متعلقہ مسئلہ نفاذ | سوال (۴۴۰) ایک کتاب موسوم بہ مجموعہ فتاویٰ حصہ
قضاء قاضی ظاہر و باطناً | اول صفحہ ۵۶ باب اٹھارہویں میں یہ مسئلہ ہے کہ قضا قاضی
ظاہر و باطناً نافذ ہو جاتا ہے، یعنی اگر کوئی شخص کسی عورت پر دعویٰ کرے کہ یہ میری عورت
ہے اور قاضی کے سامنے جھوٹے گواہ پیش کر کے مقدمہ جیت لیا، اور وہ عورت اس کو مل جاوے
تو وہ عورت عند اللہ و عند الناس حلال ہو جاوے گی، اور صحبت اس سے جائز ہوگی،
اور خدا کے نزدیک مواخذہ میں گرفتار نہ ہوگا، جیسا کہ ہدایہ چھاپہ مصطفائی کی جلد دوسری
صفحہ ۱۳۵ میں موجود ہے، اب گزارش یہ ہے کہ یہ حکم عند الناس کے مقابلہ میں تو جیسا کہ
لکھا ہے ٹھیک معلوم ہوتا ہے، مگر عند اللہ خیال میں نہیں آتا ہے، کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ
سمیع و بصیر ہیں، ان کو ان سب واقعات کی خبر ہے، تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ عورت
کیسے حلال ہوئی، نور الہدایہ ترجمہ اردو شرح وقایہ مولفہ مولوی وحید الزماں نفاذ
قضاء قاضی ملاحظہ فرما کر حضور اس کے جواب سے مطلع فرماویں تاکہ جو شبہ ہے وہ رفع
ہو جاوے۔

الجواب، مفصلاً سمجھتا تو اس مسئلہ کا زبانی آسان ہے، باقی مجلاً اتنا لکھ
دیتا ہوں کہ صحبت کا حلال عند اللہ ہونا موقوف ہے، نکاح کے منعقد ہو جانے پر خواہ
طریق انعقاد میں گناہ ہی ہو، مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو قتل کی دھمکی دے کر اس کی بی بی
کو طلاق دلوائے اور وہ جب طلاق دیدے تو بعد عدت کے عورت کو قتل کی دھمکی
دے کر اس سے ایجاب و قبول کے الفاظ کہلوائے تو طلاق بھی واقع ہو جائے اور نکاح
بھی منعقد ہو جائے گا۔ البتہ اس طریق کے اختیار کرنے کا اس کو سخت گناہ ہوگا، پس
اس طرح اس طریق مذکور فی السؤال میں یہ شخص سخت گنہگار ہوگا۔ لیکن نکاح منعقد ہو گیا
پس صحبت کے حلال ہونے پر کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ وہ فرع ہے صحبت نکاح کی، البتہ نکاح

منعقد ہونے کا سوال ہو سکتا ہے جب کہ واقع میں نکاح نہیں ہوا، سو اس انعقاد کا سبب قضاء، قاضی ہے و شخصوں کی شہادت پر جن کو قاضی سچا سمجھتا ہے، بشرطیکہ عورت کسی کی منکوحہ و متدہ نہ ہو، باقی قضاء قاضی کا سبب ہو جانا یہ لکھنے سے سمجھ میں نہ آوے گا۔ کبھی ملاقات کے وقت پوچھے گا۔ انشاء اللہ الطہینان کردوں گا۔ ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثالثہ ص ۳)

ضمیمہ متعلقہ مسئلہ نفاذ قضاء قاضی ظاہر و باطناً

اصل میں سب حقوق ملک حق تعالیٰ کی ہیں مگر اختیارِ عبد کی مصلحت و حق تعالیٰ نے ان حقوق کے اعداد و انہاد کا (کہ عبارت ہے عقد و فسخ سے) اختیارِ عبد کو بھی دیدیا، جس طرح عبد کی مصلحت اس کو مقتضی ہے کہ اس کو اس کے نفس میں یہ اختیارات دیئے جاویں اسی طرح بعض احوال میں اس کی مصلحت اس کو بھی مقتضی ہے کہ اس کے نفس میں اس کے حکام کو بھی یہ اختیارات دیئے جاویں۔ اور وہ بعض احوال اختلاف و نزاع قیما بینہ حال ہے، کیونکہ ایسے وقت میں بحرِ عطاء اختیارِ استحکام کے ان حقوق کے طے ہونے کی کوئی صورت نہیں، اور اگر اس میں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ صورت اختیار بھی اس کے لئے کافی ہے، حقیقت اختیار کی حالت میں لیکن ایسا ہونے سے نزاع و فساد کبھی منقطع نہیں ہو سکتا، مثلاً ان مدعی علیہا کا واقعہ میں اگر نکاح صحیح نہ ہوا تو ہمیشہ وہ اپنے کو بچائے گی یا مرد مدعی عورت کے حقوق ادا نہ کرے گا، اور ہمیشہ تباغض و نزاع رہے گا، پس صورت اختیار کیسے کافی ہوگی، پس ضرور حقیقت اختیار ثابت ہونا چاہیے، اور چونکہ ملک کا اثبات اور رفع خود اپنے نفس میں تصرف کرنے کے وقت بھی اسی عقد و فسخ پر مبنی ہے، اس لئے احکام کے اختیارات کا محل بھی یہی ہوگا ملاک مسئلہ نہ ہوں گے کہ وہ بلا واسطہ عقد و فسخ کے خود صاحب حق کے تصرف ہی مثبت و رفع حقوق کے نہیں ہوتے، گو بعض جگہ اباحت ہو جاتی ہے کالاموال، اور بعض جگہ اباحت بھی نہیں ہوتی، کالفروج، اس لئے ان عقود و فسخ کو محل نفاذ قضاء ظاہر و باطناً رکھا گیا۔ اب یہ بات محتاج دلیل نقلی رہ گئی کہ حق تعالیٰ نے ایسے اختیارات حکام کو عطا فرمائے ہیں یا نہیں، سو اس کے لئے حدیث شاعداک زوجا کہ مرفوع حکمی ہے اور حدیث تفریق فی اللعان کہ مرفوع حقیقی ہے، کافی دلیل ہے، اور نظائر اس کے بعض متفق علیہ ہیں، کالودایت فی النکاح و التفریق فی اللعانہ اور بعض مختلف فیہ ہیں، اس میں بعضے صرف امام صاحب کے

نزدیک ہیں کھل الجھٹ اور بعض دوسرے انہم کے نزدیک ہیں، امام صاحب کے نزدیک نہیں، جیسے تفریق فی العسار تو امام صاحب پر اس میں شبہ تو تسع کا بھی نہیں ہو سکتا چونکہ بعض اُن کے یہاں تضیق اور حقیقت امر کی ان سب نظائر سے متعلق ہے، خصوصیت شہادت کو محل شبہ قرار دینا ناشی قلیت تدبر سے ہے، ۶ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۳ھ

(تمتہ ثالثہ ص ۴۰)

سوال (۴۴۱) ہندہ کا خالد سے نکاح ہوا، خالد ہندہ کو بڑی طرح بحالت اضرار زوج جواز جبراً کم بتطلیق بلکہ طرح طرح کی تکلیفیں دیتا ہے، جس سے ہندہ کو زندگی و بال بوسی ہے، خالد سو مطالبہ طلاق کرتی ہے تو طلاق نہیں دیتا، اور حسن معاشرت چاہتی ہے تو وہ بھی نہیں کرتا، جب گفتگو ہوتی ہے تو کہتا ہے اپنا مہر لے کر یاپ کے یہاں جا کر رہو، مگر طلاق نہ دوں گا اور نہ کبھی تیرے پاس پشکوں گا، گو ہندہ یہاں بھی کا ملعلقہ ہے، میاں بوسی کا معاملہ بالکل نہیں، چونکہ چند عورتوں نے اس قسم کے خاوندوں کی طرف بدعنوانتیاں دیکھ کر ایسا کیا ہے کہ بعض عیسائی ہو گئیں، اور بعض ہندو ہو گئیں، لہذا اگر یہ عورت قاضی یا حاکم کے یہاں یہ استغاثہ کرے کہ مجھ کو میرے شوہر سے جبراً طلاق دلوادی جاوے، اور حاکم جبراً خاوند کو مجبور کر کے طلاق دلوادے تو یہ فعل جائز ہے، اور شرعاً عورت ایسا دعوے رجوع کرنے کا حق رکھتی ہے یا نہیں؟

الجواب، قال اللہ تعالیٰ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَلَا تَنْسِكُوْهُنَّ فِیْ سِرٍّ اِذَا تَبَيَّنَ فَاِیْہِ اٰیۃِہِ عَمُوْمُ الْفَاظِ سے دال ہے تحریم اضرار پر اور ایجاب تسریح پر، جبکہ امساکن المعروف نہ ہو سکے، پس جب صورت مسئلہ میں زوج پر تطلیق واجب ہو، اور واجب پر تقاضا شخص پر جبر جائز ہے، اس لئے حالت کذا یم میں حاکم سے استغاثہ و استعانت جبرنی بتطلیق میں بلا شبہ جائز ہے، باقی اگر شوہر باوجود اس کے طلاق نہ دے تو خود حاکم کا حکم بالتفریق کافی ہو لفقہ شرائط، ۱۱ شعبان ۱۳۳۳ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۰)

سوال (۴۴۲) جب عیدین میں مثل معاملات کے شہادت فرق درمیان عیدین کتاب القاضی در شرائط طہین اور رجل و امرأتین مشروط ہے تو کیا وجہ ہے کہ کتاب القاضی الی القاضی کے تمام شرائط عیدین میں معتبر نہ ہوں۔

الجواب، عبارات و جزئیات فقہ سے تصریحاً ثابت ہے کہ عیدین میں کل الوجہ مثل معاملات

و حقوق العباد کے نہیں بلکہ من وجہ دیانت ہے، اسی لئے اس کے بعض احکام مثل دیانات کے ہیں، پس کتاب القاضی کے شرائط کا معتبر ہونا ضروری اور لازم کسی دلیل سے نہیں، و تلك الجزئیات هذه فی الدار المنقار و شرائط نصاب الشهادة و لفظ اشهد و عدم الحد فی قذف لتعلق نفع العبد لكن لا يشترط الدعوى كما لا يشترط في عتق الامة و طلاق المحرة فی رد المقر و الفطر ان كان فيه حق عبد لكن فيه حق الله تعالى لحرمة صومته و وجوب صلوة العید و هو بعنق الامة امثله فلا يشترط فيه الدعوى ص ۱۲۶ جلد ثانی، و فی الدار المنقار ولو كانوا ببلدة لاحاکم فیها صاموا بقول ثقة و افطر و ابخار عدلین فی العلة للضرورة، فی رد المقر ای ضرورة عدم وجود المحاکم ليشهد عنده ص ۱۲۶ جلد ثانی فی رد المقر فی تعییر المصنف کغیره بالظن اشارة الى جواز التسحر و الافتار بالتعوی الى قوله لان التعوی یفید غلبة الظن و هی کالیقین جلد ثانی ص ۱، فقط

ہارذی الجہ ۳۳۱ (امداد، ج ۳ ص ۴۳)

سوال (۴۴۴) جن مسائل میں قضا اور قاضی کی ضرورت ہے
بودن حاکم مسلم انگریزی | ان میں انگریزی عدالت کا حکم و فیصلہ وہی حکم رکھتا ہی یا نہیں۔
بجائے قاضی
الجواب۔ اگر صاحب اہل اس مسلم ہو وہ شرعاً قاضی ہے۔ ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ

کتاب الشہادت

سوال (۴۴۴) یہاں ایک محلہ میں اہل محلہ نے چندہ کر کے
شہادت قتل ہو جہ فسق کے مردود | محفل رقص کی، حسب دستور بہت تماشائی جمع ہو گئے، مکان میں
ہونے کی صورت میں کیا حکم ہے
تو جو لوگ تھے ان کے علاوہ اور لوگ ایک دیوار پر جو صرف تھکروں کی چنی ہوئی بلا چونہ دگل کی تھی
بیٹھے ہوئے اور زیادہ ہوتے جاتے تھے، تماشائی جو داخل مکان رقص تھے وہ ان کو اس دیوار
پر بیٹھنے سے بار بار منع کرتے تھے اور وہ باز نہ آتے تھے، یکایک دیوار گری اس دیوار کے بیٹھنے
والے بھاگے، اور ان کے پیچھے وہ لوگ جو داخل مکان رقص میں محصور تھے، بھاگے یہ کہتے تھے
کہ پکڑو پکڑو، غرض ان لوگوں نے دوا دیسوں کو پکڑ لیا، اور اس میں مار پیٹ شروع ہو گئی
ان دوا دیسوں میں سے ایک آدمی اسی ضرب سے مارا گیا، جب تحقیق ہوئی تو معلوم ہوا کہ

مقتول پولیس کا نوکر ہے، اس وقت یہ تماشا دیکھنے آیا تھا اور جو ضارب و قاتل ہیں تماشائی ہیں اس قتل پر گواہی پوری گزر گئی کہ فلاں فلاں شخص نے اس شخص کو مارا ہے، یہاں تک کہ اس کا اٹھا کر لیجاتا اور پانی پلانا اور اس کا کسی شخص کی گود میں دم نکھنا سب گواہان بیان کرتے ہیں، مگر یہ سب گواہ وہی نالغ دیکھنے والے فساق ہیں۔ ان کی شہادت پر حکم قصاص یا دیت ہو سکتا ہے یا نہیں؟ یا یہ گواہی بوجہ فسق شہود کا لعدم سمجھ کر اس قاتل کو (لا یعلم قاتله) کا مصداق مان کر حکم قسامت جاری کریں، یعنی منع لھاظ و دیگر شروط قسامت مثل دعویٰ وغیرہ، صرف دریافت طلب یہ امر ہے کہ جب شہادت بوجہ فسق کے مردود ہے، تو کیا حکم کیا جاوے، اور در صورت رد شہادت قسامت اہل محلہ محلہ پر عائد ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر قسامت بوجہ عدم تزکیہ گواہان یا بوجہ عدم نصاب شہادت وغیرہ رد کی جائے اور دعویٰ مدعی موجود ہو تو قسامت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ یا قسامت کے مواقع اور ہیں؟

الجواب - فی العالمگیریۃ الفصل الثانی من الباب الرابع من کتاب

الشہادۃ اتفقوا علی ان الاعلان بکیفۃ یمنع الشہادۃ فی الصغائر ان کان معلنا
بمذنب مستشنع یمس بہ الناس بذلک فاسقا مطلقا لا تقبل شہادۃ وان لم
یکن کذلک فان کان صلاح اکثر من فسادہ وصوابہ اغلب من خطائہ ولا یمکن
سلیم القلب یمکن عدلا تقبل شہادۃ کذا فی فتاویٰ قاضی خان وعن ابو یوسف
الفاسق اذا کان وجہا فی الناس ذامرۃ تقبل شہادۃ والا صرح ان شہادۃ لا تقبل کذا
فی الکافی۔ چونکہ فسق مذکور فی السؤال علاوہ خلاف شرع ہونے کے مروت یعنی تہذیب و
شائستگی کے بھی خلاف ہے، اس لئے ایسے فاسق کی رد شہادت میں کسی کا اختلاف بھی نہیں
بالجملہ یہ شہادت تو مقبول نہیں، پس کا لعدم ہوئی، اب دیکھنا چاہئے کہ ولی مقتول دعویٰ
کس پر کرتا ہے، آیا اہل محلہ پر کرتا ہے، خواہ کل پر خواہ بعض غیر معین پر خواہ بعض معین پر
یا کہ غیر محلہ کے اس معین تماشا دیکھنے پر کرتا ہے، جس کا نام وہ گواہ لیتے ہیں پھر اول صورت
میں قسامت و دیت اہل محلہ پر ہوگی۔ کما فی الہدایۃ باب القسامۃ هذا الذی ذکرنا
اذا ادعی الولی القتل علی جمیع اهل المحلۃ کذا اذا ادعی علی البعض لا باعیا فحدود
الدعوی فی العدا والمخطاء لا یمیزون عن الباقی والدعوی علی البعض باعیا فہم

انہ قتل ولیہ عمدًا او خطأ فکذاک الجواب یدل علیہ اطلاق الجواب فی الکتاب
وهكذا الجواب فی المبسوط الخ اور صورت ثانیہ میں مدعا علیہ سے حلف لیا جاوے گا، اگر
حلف کر لیا بری ہو جاوے گا اور اگر نکول کیا تو دیکھنا چاہئے کہ قتل بالجبر و دیا بالمشقہ صورت
ثانیہ میں نکول سے حکم دیتا کیا جاوے گا اور صورت اولیٰ میں نکول کرنے والے کو مجبوس
کر دیا جاوے گا، اگر اقرار کر لیا قصاص لیا جاوے گا اور اگر حلف کر لیا بری کر دیا جاوے گا۔
كما فی الہدایۃ بخلاف ما اذا ادعی علی واحد من غیرہما الی قولہ ثم حکم ذلک ان
یثبت ما ادعاه اذا کان لم یبینه وان لم تکن استحلفہ بیہنا واحدة ثم ان
حلف برئ وان نکل والدعوی فی المال ثبت بہما وان کان فی القصاص فهو علی اختلاف
مضی فی کتاب الدعوی وقال فی کتاب الدعوی ومن ادعی قصاصا علی غیرہ
فجحدہ استحلف بالاجماع الی قولہ وان نکل فی النفس حبس حتی یحلف
ادیقہ، فقط ۸۰ از حرم ۳۲۶ (تمتہ اولیٰ ص ۱۸۶)

دیوار کے پیچے سے سکر طلاق و سوال (۳۴۵) اگر شاہد دیوار کے پیچے یا مکان کے باہر سے
عناق کی شہادت دینا | سکر طلاق و عناق کی شہادت دے تو شرعاً مقبول ہوگی یا نہیں؟ فقط
الجواب، مقبول نہ ہوگی، كما فی الہدایۃ ولو سمع من وراء الحجاب لا یجوز
لہ ان یشہد ولو قسر للقاضی لا یقبلہ لان النخبة یشبہ النغمة فلم یحصل العلم۔
البتہ ایک خاص صورت جس کا تحقق بہت نادر ہے اس سے مستثنیٰ ہے، جس کو اس کے بعد ہی
اس عبارت میں مستثنیٰ کیا ہے۔ الا اذا کان دخل البیت و علم انه لیس فیہ احد سواہ
ثم جلس علی الباب و لیس فی البیت مسلک غیرہ فسمع اقرار الداخل ولا یراہ لہ
ان یشہد لانه حصل العلم فی ہذا الصورة جلد ثانی ص ۱۴۲ جس کا حاصل یہ ہے
کہ پہلے سے کوئی گھر خالی ہو، اور ایک شخص اس گواہ کے رو برو اس کے اندر گیا اور بجز
اس دروازہ کے اور کوئی آنے کی جگہ بھی اس گھر میں نہ ہو اور ایسی حالت میں اندر سے کوئی
مضمون سنائی دیا تو یقین کیا جاوے گا کہ اس جاننے والے ہی کی آواز ہے پس اس صورت
میں شہادت جائز ہے، اور اس زمانہ کے اعتبار سے یہ بھی شرط ہے کہ اس مکان میں گراموفون
بھی نہ ہو۔ فقط،

۳۰ ردی الحجۃ ۳۲۶ (تمتہ اولیٰ ص ۱۸۶)

سوال (۴۴۴) اگر فی الحقیقت زوجہ کے والدین طلاق کے مانع قبول شہادت نہیں مدعی ہوں، لیکن چونکہ شاہدین ان کے خادم و ملازم ہیں، اس لئے زوجہ کو مدعی ظاہر کر دیں، تو اس حیلہ سے باپ کے خدام کی شہادت بیٹی کے حق میں معتبر ہو جائے گی یا نہیں فقط،

الجواب۔ اول تو جس پر مدعی کی تعریف صادق آوے گی اسی کو مدعی کہیں گے خواہ اپنی رائے سے دعویٰ کرے یا دوسرے کے اغوا سے اور خواہ صادق ہو یا کاذب پس زوجہ سے پوچھا جاوے اگر وہ دعویٰ کرے گی مدعی کہی جاوے گی پس شاہدوں کا اس کے باپ کا خادم ہونا مانع قبول نہ ہوگا، جب کہ وہ عادل ہوں، دوسرے طلاق کی شہادت میں خود دعویٰ کا تقدم ہی شرط اور ضروری نہیں، فی الدر المختار اول کتاب الشہادة وبلا طلب حق اللہ تعالیٰ کطلاق امرأۃ وحق امتہ، پس شہادت میں شاہد و مشہودہ کی خصوصیت و تبعیت مانع قبول نہ ہوگی۔ فقط

۳۰ رجب ۱۳۲۷ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۸۸)

سوال (۴۴۵) رویت ہلال ماہ شوال یا ذی الحجہ کی و یا طلاق و عقد نکاح کی اگر صرف چار یا پانچ عورتیں شہادت دیں تو ان امور میں ان کی شہادت مقبول ہے یا نہیں، یعنی چار یا پانچ عورتوں کی شہادت سے طلاق و عقد نکاح و ماہ شوال و ماہ ذی الحجہ ثابت ہو جاوے گا یا نہیں؟

الجواب۔ ثابت نہ ہوگا، فی الدر المختار اول کتاب الشہادات بعد ذکر نصہا فی الزنا والحدود والقصاص والولادة والبکارة وحبوب النساء مانصہ ونصاہا لغيرها من الحقوق سواء كان الحق مالا او غيره کتکاح وطلاق الی قولہ رجلان اور رجل وامرأتان ثم قال ولم تقبل شہادة اربع بلا رجل، واللہ تعالیٰ اعلم

۶ رجب ۱۳۲۷ھ (امداد ج ۳، ص ۸۲)

سوال (۴۴۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک شخص شہادت دو کس پر یک جزو دعویٰ دے اور دوسرے نے دو امر کے دعوے کئے، اس کے ثبوت میں شہادت پیش کی، دو شخصوں نے ایک امر کی شہادت دی، اور دوسرے امر کی، اول دو شخصوں میں سے ایک نے بیان کیا کہ مجھے دوسرے امر کا علم نہیں، اور وہ اسی جلسہ میں

مگر یہ نہیں معلوم ہوا کہ دل سے آخر تک یا تھوڑی دیر، پس اس صورت میں دوسرے امر کی شہادت ثابت ہو جاوے گی یا نہیں، نصاب شہادت موجود ہے، اس شخص کا انکار ہے اور تردد ہے کہ تمام جلسہ میں رہا یا نہیں؟

الجواب۔ فی الہدایۃ باب الاختلاف فی الشہادۃ واذا شہد شہدان انہ قتل زید یوم الخمر مکتہ وشہدا اخران انہ قتلہ یوم الخمر بالكوفة واجتمعوا عند الحاکم لم یقبل الشہادتین لان احدهما کاذبۃ یمیقن ولیست احدهما باولی من الاخری اس روایت سے معلوم ہوا کہ جہاں دو دو شاہد ایسے دو امر پر ہوں جن میں تنافی نہ ہو، دونوں شہادتیں مقبول ہیں، پس صورت مسئلہ میں دونوں شہادتیں مقبول و ثابت ہیں، و ہذا ظاہر جدا واللہ اعلم۔

الردی الحجۃ ۳۲۲ (امداد ثالث ص ۸۲)

سوال (۴۴۹) جو واقعہ چشم دید نہ ہو اور اکثر لوگوں میں مشہور ہونے کی وجہ سے یا بعض قرائن سے ظن غالب ہو جائے ایسے واقعہ کی شہادت دینی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ جائز نہیں۔ ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ ص ۳۱)

سوال (۴۵۰) ایک عورت تھی وہ بیماری کی حالت میں اپنے باپ کے ہمراہ اپنے خاوند کے گھر سے خوشی بخوشی خاوند سے گئی اور لڑکا لڑکی اس عورت کے کچھ نہیں ہوا، وہ قریب ایک ہفتہ کے اپنے باپ کے گھر جا کر مر گئی بعد میں اس کے باپ نے اپنے داماد پر دعویٰ کر دیا کہ مہر مجھ کو بتا دیا ہے، اور دو گواہی بھی پیش کی، اور اس عورت کے خاوند نے اپنے خسر سے کہا کہ مہر مجھ کو معاف کر دیا، کئی برس ہوئے اور اس نے بھی گواہ پیش کئے، مگر یہ جھگڑا برادری میں ہے۔ عدالت میں نہیں، اس کی بابت کیا حکم ہے؟

الجواب۔ خاوند کے گواہ مقدم ہیں، اگر معتبر ہوں، لاندہ بدعی خلاف الظاہر

۲۴ رمضان ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ ص ۷۸)

سوال (۴۵۱) کتمان شہادت بخوف جرح وکلاء، عدالت انگریزی میں سچی شہادت میں بھی شاہد سے جرح وغیرہ میں گھبرا کر جھوٹ کہتا ہے لیکن

اور ناجائزہ کا رسید سے ملا کو اس کا زیادہ اندیشہ ہے، اس اندیشہ سے انکار کر دیا جائے گا یا نہیں
الجواب۔ اگر اس واقعہ کے ثبوت کا مدار اس کی شہادت پر ہو تو کتمان و عذر
 ناجائزہ ہے اور جرح میں سچا آدمی جس کو خاص کسی شق کا ثبوت کرنا مقصود نہ ہو بلکہ یہ نیت رکھے
 کہ خواہ مقدمہ بگڑے یا سنورے بجز سچ کے کچھ نہ کہوں گا، ایسا شخص جرح میں کبھی پریشان
 نہیں ہوتا۔ ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ (حوادث ۲۱ ص ۲۱)

سوال (۴۵۲) دوسری بات یہ ہے کہ جب کام
 ختم ہو جاتا ہو تو روپے کا حساب کا جو کاغذ ہوتا ہے اس پر ہم کو گواہ کے طور پر دستخط کرنا ہوتا
 ہے، اور اس میں اکثر بعض بعض کچھ زیادہ روپیہ بڑھالیتا ہے تو اس کاغذ پر ہم کو
 جھوٹی گواہی دینی ہوتی ہے، اگر ویسے کچھ انکار کیا جاوے تو رنج پڑتا ہو تو یہ دستخط کرنا چاہیے
 یا نہیں؟ **الجواب**۔ یہ تو ظاہر بات ہے اس میں پوچھنا کیا (حوادث ۲۱ ص ۱۳۵)
سوال (۴۵۳) یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی، خلاصہ
 جواب عنایت فرما دیں کہ گواہی پر دستخط کروں یا نہ کروں، اگرچہ صاحب رنج ہو یعنی نہ کرنے
 میں ضرور رنج ہوگا، اگر اس میں گنہگار ہوتا ہوں تو مجھ کو اس کی ناراضگی قبول ہے جو انتہائے
 فرماویں، **الجواب**۔ ہاں جائز تو نہیں اگر بہت ہی ضرر کا اندیشہ ہو تو مجبوری میں
 گنجائش ہے، ربیع الاول ۱۳۲۲ھ (حوادث ۲۱ ص ۱۲۵)

سوال (۴۵۴) سرکاری عدالتوں میں شہادت دینے کے لئے
 نفقہ شامی یعنی خوراک گواہ | **از عدالت** زادراہ ملت ہے، کیا اس کا لینا جائز ہے؟

الجواب، جائز ہے۔ لیکن ضروری خرچ سے جو بچے وہ صاحب رقم کو واپس کر دیا
 جائے اور اگر یہ شخص اہل و عیال کے لئے کوئی کام کرتا ہو، اور اس کے کام کا کوئی خرچ
 ہو تو اس میں سے اہل و عیال کا خرچ بھی لے لے پھر جو بچے واپس کر دے۔

۱۳ صفر ۱۳۳۳ھ (تمہہ رابعہ ص ۶۳)

سوال (۴۵۵) اگر عدالت بلا کر کے شہادت لیں
 اور ہم خوراک عدالت سے ملے اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟
الجواب، اس شخص کا جتنا خرچ ہوا ہے اس کو رکھ کر باقی روپے والے کو
 واپس کر دے، ۲۴ شعبان ۱۳۳۳ھ (حوادث ۲۱ ص ۱۱۵)

کتاب الشفہ

استحقاق الشفہ در زمین کہ بعض کی سابق | سوال (۴۵۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین
کہ بوجہ استحقاق غیر ذمیغ یا شدادہ می شود | اس میں کہ کسی امیر احمد نے مسماۃ وزیر النساء کی بعض
اس اپنے روپے کے کہ اس نے بشمول اراضی ملکیت اپنے کے لویہ درجہ اراضی ملکیت ملکیت
مسماۃ عید و زوجہ کلہ و چین پسر کلہ کے خرید کر لی تھی، ایک زمین تعدادی تیرہ درجہ کی کہ جس کا
مسی رشید احمد شفیق ملاحق ہے، کہتے ہیں کہ جو وزیر النساء نے اکتالیس درجہ نوگرہ اراضی
بذریعہ بیع نامہ سابق بنا علیہ احمد بیع کی تھی اس میں اتیس درجہ اراضی کی کمی بسبب ثبوت استحقاق
غیر ذمیغ عید و غیرہ کے، امیر احمد کو پڑی، وزیر النساء نے اس تعداد اراضی اکتالیس درجہ نوگرہ
مذکورہ بیع سابق کو اس تیرہ درجہ اراضی سے پورا کر دیا پس یہ معاوضہ کسی بیع نامہ سابق ہے،
کوئی بیع جدید نہیں کہ جو رشید احمد کو شفہ ہو چکے، اب رشید احمد کو شفہ بموجب شرع شریف کے
لینا پہنچتا ہے یا نہیں ۱۰ اور یہ معاوضہ اقرار نامہ بیع ہے یا نہیں۔

صورت مسئلہ میں جو وزیر النساء نے امیر احمد کے ہاتھ زمین فروخت
کر دی، اور اس میں غیر کا حق نکل آیا، اور اس کی وجہ سے اس بیع میں کمی ہو گئی تو بقدر اس
کمی کے وزیر النساء، امیر احمد کا روپیہ واپس کرنا واجب ہوا، لیکن وہ دونوں باہم رضی
ہو گئے ہیں، اور اس روپیہ کے عوض کچھ زمین وزیر النساء نے امیر احمد کو دیدی پس یہ بیع
جدید ہوئی، کہ مبادلہ مال بمال ہے، اور اس میں رشید احمد شفہ کو شفہ شرعاً پہنچے گا اور بظاہر
اگرچہ یہ بیع تکمیل بیع اول کی معلوم ہوتی ہے مگر حقیقت میں بیع اول سے کچھ علاقہ نہیں بیع جدید
ہے، کیونکہ جب بوجہ استحقاق غیر اس زمین میں کمی آگئی تو بقدر اس کمی کے وزیر النساء، بالئے
پرمشتری کا روپیہ لوٹانا واجب ہوا اور مشتری وہ روپیہ اس بالئے سے برہبرے سکتا ہے، بالئے
کو مجاز نہیں کہ روپیہ نہ دے اور عوض میں زمین دے اور اسی طرح اگر بالئے روپیہ دے تو مشتری
کو مجاز نہیں کہ روپیہ لینے سے انکار کرے اور زمین عوض میں طلب کرے۔ غرض واجب الادا
روپیہ مذکور ہے زمین کے دینے لینے پر بالئے مشتری مجبور نہیں بلکہ زمین کا معاوضہ تراضی
طرفین پر موقوف ہے تو اگر یہ بیع اول نہ ہوتی تو بوجہ ایجاب و قبول و تراضی سابق بالئے و

مشتري پر زمین کے دینے لینے میں جبر کیا جاتا اور روپیہ کا دینا یا لینا بلا رضا مشتری و بائع کے جائز نہوتا کیونکہ روپیہ کا واپس ہونا فتح ٹھیرتا اور فتح بیع بلا رضا جابین جائز نہیں تو جب زمین کے معاوضہ میں کسی کا جبر نہیں۔ اور روپیہ لینا دینا بجر جائز ہے تو معلوم ہوا کہ یہ بیع اول نہیں بیع جدید ہے، کہ تراضی طرفین کی حاجت پڑی، پس جب بیع جدید ہوئی تو استحقاق شفعہ سے اب کون مانع ہے، یہ بات بہت ظاہر ہے ذرا تامل سے معلوم ہو سکتی ہے۔

۳۰ رزیح الاول ۱۳۳۵ھ (امداد ثالث ص ۸۶)

شفعہ شریک دقت | سوال (۴۵۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مبايعت شریکین جائداد مشاع غیر منقسم ہے، اس میں کسی شخص شریک ہیں اگر ایک شریک اپنا حصہ دوسرے شریک کے ہاتھ بیع کرے، تو دیگر شرکاء کو دعویٰ شفعہ کا پہنچتا ہے یا نہیں اور با کو برابر پہنچتا ہے یا کم و زیادہ، فقط۔

الجواب۔ دیگر شرکاء کو دعویٰ شفعہ کا پہنچتا ہے کیونکہ سب کا استحقاق جائداد میں برابر ہے، اور سب شرکاء کو برابر حق پہنچنے کا، کم و زیادہ نہیں۔ واذا اجتمع الشفعاء فالشفعة بينهم على عدة رؤسهم ولا يعتبر اختلاف الاملاك، هذا یسبح ۲ ص ۳۰ واللہ اعلم۔ ۵ اصفہر ۱۳۳۵ھ (امداد جلد ۳ ص ۸)

عدم استحقاق شفعہ باتصال | سوال (۴۵۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع بالمتصل۔ ستین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسیٰ زید ایک موضع کا مالک ہے کہ جس کا نام الہداد پور ہے، اس کے متصل دوسرا موضع پرورہ نام کا واقع ہے اور موضع پرورہ کے متصل ایک تیسرا موضع ہے کہ جس کا نام محکم پور ہے۔ موضع پرورہ اور محکم پور کا ایک شخص دوسرا مالک تھا اسی نے ان ہر دو مواضع کو ایک ہی بیعتنامہ کے ذریعہ سے کسی غیر شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ موضع پرورہ کا پانی بہہ کر موضع الہداد پور میں چلا ہے اور موضع الہداد پور کا پانی اراضی موضع پرورہ میں جاتا ہے اور اسی طرح سے آب پاشی موضع الہداد پور کے کھیتوں کی موضع پرورہ کے چاہات سے ہوتی ہے اور موضع پرورہ کے کھیتوں کی موضع الہداد پور کے چاہات سے ہوتی ہے اور راستہ ہر دو مواضع کا ایک دوسرے میں ہو کر جاتا ہے اور اسی طرح موضع محکم پور کا راستہ اراضی موضع پرورہ سے گزرتا ہے اور پرورہ کا راستہ موضع محکم پور سے گزرتا ہے اور منافع آمد و رفت راستہ

اور پانی وغیرہ کے ہر دو مواضع کے یعنی پرورہ اور محکم پور کے متحد ہیں اس صورت میں زید یعنی مالک موضع الہد او پور کو آیا استحقاق شفعہ بیعنا مشترکہ ہر دو دیہات مذکورہ یعنی پرورہ اور محکم پور حاصل ہو گا یا نہیں فقط

الجواب ملک رجل ملک رجل فی عالمکیویۃ المجلد السادس صفحہ ۱۳۴ مانصہ صاحب الطریق اولیٰ بالشفعة من صاحب مسیل الماء اذ العریکن موضع مسیل الماء ملکالہ آہ سوال کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مالک موضع الہد او پور شریک فی نفس المبیع تو نہیں مگر ان مواضع میں باہمی تعلقات ثابت کر کے ان کے شریک فی حق المبیع ثابت کرنے کی کوشش کی ہے مگر اول تو الہد او پور اور پرورہ میں اس کا احتمال ہو سکتا تھا سو چونکہ ان دونوں کا کوئی طریق یا مسیل وغیرہ مدعی شفعہ و بائع میں مشترک بملک متماثل نہیں اور عالمگیری کی روایت بلا سے اس کا اشتراط معلوم ہوتا ہے لہذا خلط فی حق المبیع بھی ثابت نہیں اب صرف حق جوار رہ گیا جو صرف موضع پرورہ میں حاصل ہے سو اس میں دعویٰ شفعہ کا ہو سکتا ہے بشرط عدم مسطل۔ واللہ اعلم

۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ

سوال کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین بیچ اس حکم شفعہ کی ایک صورت کا الخ مسئلہ کے کہ ایک شخص نے ایک مکان بیچ لیا اس مکان کے پڑوسی نے جس کی بیچ کی دیوار ملی ہوئی ہے اور راستہ ہر دو مکانات کا شارع عام میں ہے) بعد طلب سوا ثبت اور استنباد شرعی کے بعد الت دیوانی دعویٰ شفعہ کر دیا اور بحریک مدعی علیہ فیصلہ ثالث شخص پر منقطع ہوا (جس کا میں بھی ایک رکن ہوں) اس لئے ازدوئے شرع شریف فتویٰ لکھا جاوے تاکہ حق بجانب حقدار رسید کر دیا جائے۔

(۱) اگر مدعی علیہ (مشتري) نے کوئی کسی قسم کی لاگت مکان بیعہ میں لگائی ہو تو اس کی برداشت کون کرے گا شفعہ یا مشتری۔

(ب) خرچہ عدالت فریقین کس طرح ڈالا جائے اس کا جواب مع اثبات مہر علمائے دین استفتاء ہذا کی پشت پر تحریر فرمایا جاوے اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا فرماوے۔

الجواب فی الدال المنخار و یاخذ الشفیع بالثمن و قیمۃ البناء والغرس مستحق القلع کما مر فی الغصب قلت دامالودھنہا بالوان کشیورۃ او طلاھا

بحق کثیر و خیر الشیوع بین ترکھا و اخذھا و اعطاء ما زاد الصبغ فیھا
 لتعد رنقضه و لا قيمة لمنقضه بخلاف البناء حاوی الزاھدی و سیحی بوبنی
 المشتوی ادغرس او کلف الشقیع المشتوی قلعهما الا اذا کان فی القلغ نقصان
 الارض فان الشقیع له ان یاخذھا مع ھیمة البناء و الغرس مقلوعة غیر ثابتة
 قہستانی فی رد المحتار قولہ او کلف عطف علی یاخذ ج ۵ ۲۲ عبارت بالا سے یہ
 امور ثابت ہوئے ہا شفیع کو حق شفیع دلا یا جاوے گا جو لاگت مشتری نے لگائی ہے
 دیکھنا چاہئے اس کی کیا صورت ہے اگر کوئی عمارت بڑھائی ہے تو اس میں تفصیل ہے کہ
 اگر اس کے توڑنے پھوڑنے میں زمین کا کچھ نقصان ہے تب تو شفیع سے اصل قیمت اور
 ملبہ کی قیمت دونوں چیزیں دلائی جاویں گی مگر ملبہ کی وہ قیمت دلائی جاوے گی جو
 اتہام کے بعد قرار دی جاوے اور اگر زمین کا کوئی نقصان نہیں تو شفیع کو اختیار ہے
 خواہ مشتری سے کہدے کہ اپنی تعمیر جدا کر لے اور خواہ اصل زمین اور قیمت ملبہ بقید مذکور
 دیکر مکان لے لے، اور اگر کوئی تعمیر نہیں بنائی بلکہ کچھ لیپ پوت کیا ہے تو شفیع کو دو اختیار
 ہیں خواہ حق شفیع چھوڑ دے اور خواہ لاگت دے کر مکان لے لے اور خرچہ عدالت آیا
 مشتری کی جوابدہی کے سبب ہو یا ابتدائی درخواست میں شفیع کا صرف ہوا۔
 ۲۲ سوال المسکرم ۳۳۳

کتاب الغصب

برآۃ از حق با دار حق بلا اطلاع مالک | سوال (۴۶۰) کسی چور یا چور کے دوست کے
 پاس مال مسروقہ رکھا ہے، اب اللہ نے چور کے دل میں یا جس کو چورتے وہ مال مسروقہ
 ہیہ کر دیا ہے، یہ بات ڈالی کہ یہ مال ہمارے لئے حرام ہے، اس کو واپس کرنا چاہئے، یا
 اگر وہ مال خرچ ہو گیا ہے، تو اس کی قیمت مالک تک پہنچانا چاہئے، مگر چور اور
 چور کے دوست جس کو چورتے وہ مال مسروقہ ہیہ کیا ہے۔ دونوں کو اندیشہ ہے کہ
 اگر مال یا مال کی قیمت مالک تک پہنچائیں گے تو حال کھل جائے گا، اور بے عزتی
 کے علاوہ قید کا خوف ہے تو کیا جیل کرے جس سے مالک کو مال یا قیمت پہنچ جائے، اور جو

اور چور کے دوست کی بے عزتی بھی نہ ہو؟

الجواب۔ پوشیدہ طور پر وہ مال مالک کے قبضہ میں جس تدبیر سے چاہے پہنچا دے
سے یہ بری الذمہ ہو جائے گا۔ مالک کو اس کی اطلاع کی حاجت نہیں، کہ فلاں شخص نے
یہ میرا حق دیا ہے۔ فی المدار المتعار کتاب الغصب ویبرء بردها ولو بغیر علم المالك
الی قوله وكذا الوصلها اليه بجهة اخوى كهية او ايداع او شراء اه والبرء اعلم
۸ رد یقعدہ ۳۲۳ (امداد ج ۳ ص ۸۴)

سوال (۴۶۱) زید کا ایک اسلامی ریاست سے بطور تنخواہ
بمال منسوب دادہ شود کے کچھ مقرر ہے، زید اس بات کو خوب جانتا ہے کہ ریاست اسلامیہ میں
روپیہ بوجہ موافق احکام شرعیہ کے رعایا سے وصول نہ کئے جانے کے ظلماً وصول کیا جاتا ہو
اور استیلاً مسلم علی مال المسلم موجب ملک ہے نہیں، پس اس صورت میں زید کی یہ آمدنی جائز
ہوگی یا نہیں، اور اسی بنا پر ایسی ریاستوں کی نوکری بھی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، ہر چند کہ غصب و ظلم کا مال اپنے مال میں یا دوسرے منسوب مال
میں ملا دینے سے ملک غاصب میں داخل ہو جاتا ہے، مگر وہ ملک خبیث ہوگی، نہ اس کو
خود اس کا صرف کرنا جائز ہے، نہ دوسروں کو اس کا قبول کرنا جائز ہے، جب تک کہ غاصب
اس کا ضمان ادا نہ کر دے، پس صورت مسئلہ میں زید کی آمدنی جائز نہ ہوگی، نہ ایسی ریاست
کی نوکری جائز ہوگی، والروایات هذه اما التملك بالخلط بمال نفسه (وغیره
فلما فی الدر المنقار ولو خلط السلطان المال المصوب بماله ملكه فتجب الزکوة فيه
ویورث عنه لان الخلط استهلاك اذا لم یکن تمییزه عند ابی حنیفہ وقوله
ارفق اذ قلما یخلو مال عن غصب ۱۳۵ وقیه اما اذا اخذ من انسان مائة ومن
اخر مائة و خلطهما ثم تصدق لای کفر لانه لیس بحرام لعینه بالقطع الاستیلا
بالخلط ۱۳۵، قلت وافاد ایضاً کون هذا المخلوط حراماً خبیثاً ولو حراماً لا لعینه ۱۲
واما حرمة الانتفاع به فلما قیه ایضاً فان غصب و غیر المصوب فزال اسمه
واعظم منافعه او اختلط المصوب بملك الغاصب بحیث یدنم امتیازہ او
یمکن بحرج ضمه وملكه بلا حل الانتفاع قبل اداء ضمانه ای رضاء مالکہ باداء
اداء او تضمین قاض والقیاس حله وهو روايته فلو غصب طعاماً فبضعه

حق صار مستهلکاً یبتلعه حلاً لا فی رواية تحراماً علی المستند بحمل المادة الفساد
۲۶۶، واما حرمة قبول الغیر له فلما فیہ ایضاً وجاز رد ذی القاضی من بیت
المال لو بیت المال حلاً لا والا لیم یحل ۳۱۹ قلت والفرع بعد تمهید الزموم
ظاہر حکمہ واللہ اعلم فقط (امداد ص ۸۴ ج ۳)

حق مسیل | سوال (۴۶۲) پانی پر نالہ ہمسایہ کا اپنی چھت یا صحن میں لے کر
اندھ حق متعلقہ آبچک پر نالہ کے بزور بازو یا زور عدالت زائل کرانا جائز ہے یا نہ فقط

منشی ظہیر الدین از انہیٹ

الجواب۔ مسیل یعنی پر نالہ و بدرو وغیرہ نکالنا حقوق ملک سے ہے، جو شخص
اس جگہ کا مالک ہے اس کو ہر طرح کا تصرف پہنچتا ہے، پس یہ شخص جو حق پر نالہ ہمسایہ کو
زائل کرنا چاہتا ہے، اگر وہ پر نالہ گرنے کی جگہ اس شخص کی مملوک ہے اور اب تک
بطور تبرع و احسان و عایت ہمسایہ کو پانی ڈالنے کی اجازت دے رکھی تھی اور اب
زائل کرنا چاہتا ہے اور پر نالہ بند کرتا ہے، یہ جائز ہے، اپنی ملک کا اختیار ہے۔ اور اگر یہ
جگہ ہمسایہ کی مملوک ہے تو اس شخص کو اس کا پر نالہ بند کرنا جائز نہیں کہ یہ غصب ہے۔

ومن اشترى بيتنا في دار او منزل لا او مسكنه يمكن له طريق الا ان يشترى به بكل حق
هوله او بهراقه او بكل قليل وكثير وكذا الشرب والمسيل هذا ج ۲ ص ۴۹

واللہ اعلم۔ ۳ جمادی الاول ۱۳۳۵ھ (امداد ج ۳ ص ۸۵)

سفر ریل بلا کرایہ با اجازت گارڈ | سوال (۴۶۳) زید نے تحریک گارڈ ریلوے گاڑی پر
بلا کرایہ سفر کیا، چونکہ گارڈ نے اٹیشن ماسٹر وغیرہ سے کہہ دیا کہ یہ شخص میرا دوست ہے، بسذا
کسی ملازم ریلوے نے کرایہ زید سے نہ مانگا، گارڈ کہتا ہے کہ مجھ کو اختیار ہے کہ بلا کرایہ اپنے
ہمراہ دو ایک اشخاص کو ریل پر سفر کراؤں، حالانکہ یہ بیان گارڈ کا بالکل ہی غلط ہے، گارڈ
ملازم ریلوے کہنی کا ہے، نہ کہ مالک ریل کا، لہذا اس صورت میں زید کا سفر ریل بلا کرایہ جائز ہے
یا نہیں، اور اگر ناجائز ہے تو اب کرایہ کیونکر ادا کرے۔ اپنی اس غلطی کے اظہار میں خوف ہے
کہ فوجداری سپرد نہ ہو جاوے، لہذا اس کو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے۔ مینوا تو جبروا۔

الجواب۔ زید کو یہ دیکھنا چاہئے کہ میرے ذمہ کتنا کرایہ واجب ہے، اس قدر
داموں کا ایک ٹکٹ اسی ریلوے کا خرید کر اس ٹکٹ کو ضائع کر دے، اس سے کام نہ لے

حق واجب کمپنی کا ادا ہو جاوے گا۔ ۲۵ رجب ۱۳۳۵ھ (حوادث اود ۲ ص ۱۰۴)
 جواز وصول کردن حق خود از جس حق | سوال (۴۶۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں
 عدم جواز آن از غیر جس | (۱) زید نے عمرو کے مبلغ عا یا ایک ٹوپی جس کی قیمت مبلغ عا
 ہے، غضب کر لی، اور عمرو بوجہ کمزور ہونے کے وصول نہیں کر سکتا، کیا عمرو کو یہ حق ہے کہ زید کا
 جوتہ جو کہ مبلغ عا کا ہے یا اور کوئی چیز اسی قدر قیمت کی یا نقد عا جس طرح ممکن ہووے،
 وصول کرے۔ اگر ایسا کیا تو مال اور معاملہ درست ہے یا نہیں؟

جواب (۱)۔ غیر جس حق کو وصول کر کے اس کو مجبوس کر لے پھر اپنے حق کا مطالبہ کرے
 اگر وہ دیدے تو اس کی چیز واپس کر دے۔

سوال (۲) زید نے اپنے موروثی کاشتکار سے یہ کہدیا کہ جو زمین موروثی تو مبلغ ص
 لگان پر کاشت کرتا ہے، اب تم کو ماہ لگان پر کاشت کرتا ہوگا اگر تو اس قدر لگان پر
 رضا مند نہیں ہو تو اراضی کو چھوڑ دے، کاشتکار بوجہ موروثیت کے زمین چھوڑتا، اور نہ
 مبلغ ماہ لگان ادا کرتا ہے، کیا زید کو یہ حق ہے کہ کاشتکار سے بقیہ مبلغ ص امکانی صورت
 میں خواہ سود سے خواہ نقد یا اس کے سامان سے جس طرح ممکن ہو وصول کرے، جب کہ
 زید قانون حکومت کی وجہ سے اراضی پر قبضہ کرنے سے مجبور ہے۔

جواب (۲)۔ روپیہ وصول کرنے کا تو حق ہے، جس طرح وصول ہو سکے اور دوسری
 چیز میں حق عیس ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، ۳ فروری ۱۳۱۶ء (تمہ خامسہ ص ۱۸۹)
 عدم جواز استغناء از اراضی موروثی | سوال (۴۶۵) زمین موروثی کا کاشتکار زمیندار سے کہتا
 باوجود رضائے مالک زمین کہ اپنی زمین لے لو، اور زمیندار کہتا ہے کاشتکار سے کہ تم موروثی
 مت چھوڑو، کیونکہ اگر تم چھوڑ دو گے تو ہمارا کچھ نفع نہیں ہونے کا، یا تو اس زمین کو تمہارے
 چچا بڑے گے، یا تمہارے بھائی لوگ تیں گے، مجھے ملے گی نہیں، بلکہ زمیندار یوں کہتا ہے کہ
 زمین کی میری طرف سے اجازت تو تم خود بہر تو او کچھ لگان زیادہ کر دو، یعنی تین روپے کی جگہ
 چار روپے کر دو یا پانچ کر دو، مگر میری طرف سے خوشی سے برتو، اور سخت مجبور ہو کر زمیندار
 نے ایسا کیا ہے، اس زمین کا برتنا جائز ہے یا ناجائز؟

مفتی یہ قول پر غیر جس سے بھی اپنا حق وصول کرنا جائز ہو قال فی العلایۃ لیس لہی الحق ان یاخذ غیر جس حق
 وجوزہ الشافعی وہو الاصح فی الشایۃ قدمنا فی کتاب الحرجان عدم الجواز کان فی زمانہم ما الیوم قال الفتوی علی الجواز۔
 (شایعہ ۵) ریحانہ مدنی

الجواب ہے چونکہ اس صورت میں یہ یقینی امر نہیں کہ یہ رضا مندی زمیندار کی ہمیشہ رہے گی، یا اگر خاص اس کا شکر رکے حق میں بھی تو یہ یقینی نہیں کہ اس کی اولاد ورثہ کے حق میں ہمیشہ رہے گی، اسی طرح یقینی نہیں کہ اس زمیندار کے ورثہ کی بھی اسی طرح رضا مندی رہے گی پس اگر رضا مندی مذکور جو کہ شرط ہے حلت استغفار کی، آئندہ نہ ہوئی، اور کا شکر کرنے اس وقت زمین چھوڑنا نہ چاہا تو ظاہر ہے کہ زمیندار مجبور ہوگا پس اس وقت کی رضا مندی کی بنا پر قیاض رہنا آئندہ کے ظلم کی بنا ڈالنا ہے، اور ظلم جس طرح مباشرۃً حرام ہے، اسی طرح تسبباً بھی جب کہ تسبب مظنون ہو، اور یہاں واقعات سے یہ تسبب یقیناً مظنون ہے، اس لئے اس وقت کی رضا مندی سے منتفع نہ ہونا چاہئے، اور گو اس وقت اس کے چھوڑنے سے دوسرے ظالم لے لیں گے، مگر اس ظلم کا سبب یہ تو نہ ہوگا، اس کا قصد تو اپنا تبریہ ہے، ۵ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ (تمہ خامس ص ۲۰۱)

سوال - (۴۶۶) زید سکین و نابینا است و قوت کسب ہم ندارد اور حکم منافع اراضی | **خرید شد الخ** | قطعہ زمین از راه وراثت بدست آمدہ است لیکن مورث متوفی او حین حیات خود از شخصے ہندو مذہب چند نقد غصب کردہ بود پس آن ہندو در سرکار انگریز مقدمہ برآں مورث کردہ بود و مقدمہ او ناتمام بہ شد لیکن زید یہ یقین یا ظن میداند کہ مورث او زمین مذکور یاں نقد منصوب خریدہ بود حالانکہ زید را پیدایش آن زمین خوردن جائز است یا نہ۔

الجواب - حکم این چنین غلہ تصدق است بر مسکین پس زید تا وقتیکہ مسکین بحیثیت مسکین بودن اگر منتفع شود گنجائش است نہ بحیثیت وارث بودن کہ مال حرام الزورات حلال نمی شود و ہر گاہ مسکنت و حاجت نہ اندلان المال غادرانچہ باز بر مسکینان تصدق نماید۔ ۱۱ رجب ۱۳۳۹ھ

سوال (۴۶۷) زید حالت صغریں لوگوں کے باغ تفصیل ضمان تلفات در عمرنا بالغی | سے بلا اجازت کبھی کبھی میوہ کھاتا تھا یہ تو ظاہر ہے کہ حالت صغریں مکلف نہ تھا، لیکن دریافت کرتا اس امر کا ہے کہ بعد بلوغ کے صاحب ثمر سے معاف کرالینا زید پر واجب ہوگا یا نہیں، باغ اس قسم کا تھا کہ اہتمام سے اس کی حفاظت نہیں ہوتی تھی کیونکہ صاحب باغ کو باغ سے چنداں معتد بہ نفع حاصل نہیں ہوتا تھا، لیکن جب کبھی کسی کو باغ

میں دیکھتا تھا منع کرتا تھا، اور اس سے رنجیدہ ہوتا تھا،

الجواب - فی الدار المختار وان تلفوا ای طو لاء المحجورون من العبد المجنون
والصبی سواء عقلوا ولا در شیئاً مقوماً من مال ونفس ضمنوا اذ لا حیو فی الفعل
لکن ضمان العبد بعد العتق علی ما مرو فی الاستبابة الصبی المحجور مؤاخذ باقتل فیضمن
ما اتلفه من المال للحال واذا قتل فالدية علی عاقلته الا فی مسائل لو اتلف ما
اقترضه وما اودع عنده بلا اذن ولیه وما اعير له وما بیع منه بلا اذن اه وفي رد المحتار
تحت قوله مواخذ بافعاله هذا من باب خطاب الوضع وهو لا یتوقف علی التکلیف لان
الخطاب نوعان خطاب وضع وخطاب تکلیف کما فی جمع الجوامع وفيه تحت قوله لو
تلف ما اقترضه وفي قول ابی یوسف هو ضامن ثم قال ولو اتلف مال غيره بلا سبق
ابداع او اقراض ضمن بالاجماع (ج ۵ ص ۱۲۰، ۱۲۱) وفي رد المحتار ولو اقراض صبیا و
عبداً محجورین لا ضمان فی الحال ولا المال بلا خلاف وقیل القرض علی الخلاق -
شر بن لای ج ۵ ص ۱۲، ان عبارات سے جو میں سمجھا ہوں وہ یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں ضمان
تو لازم ہوا، مگر بطور خطاب تکلیف کے نہیں، بلکہ بطور خطاب وضع کے یعنی اتلاف کو وقت
اگر اس بھی کی ملک میں کچھ مال ہوتا تو اس میں سے اس متلف کا ضمان دینا ولی پر واجب تھا
اور اگر ولی نہ دیتا اور اسی حالت میں وہ بالغ ہو جاتا، اور وہ مال بھی جس سے ضمان کا تعلق
ہو گیا تھا باقی رہتا تو اس پر بعد بالغ ہونے کے اس ضمان کا ادا کرنا واجب ہوتا، لتعلق حق
الغیر بماله اور ادا نہ کرنے سے عاصی اور اگر اس وقت مال نہ تھا، یا وہ مال قبل بلوغ کے
ہلاک ہو گیا تو اس کے ذمہ اس متلف کا کوئی مواخذہ نہیں، لانعدام خطاب التکلیف
لعدم البلوغ وانعدام خطاب الوضع لعدم محل تعلقه ای المال فقط، اور قرض
میں جو ایک قول عدم ضمان حالاً ومالاً کا ہے، اس پر اس کو قیاس نہ کیا جاوے کیونکہ اقراض
مالک کی طرف تسلیط پائی گئی تھی، اور یہاں نہیں پائی گئی، لیکن مسائل کو چاہئے کہ دوسرے
علماء سے بھی تحقیق کر لیں۔ یکم رجب ۱۳۳۵ھ (تمتہ ثالثہ ص ۷۴)

جواز وصول مصارف | سوال (۴۶۸) دو ریلوے پارسل ریلوے کمپنی نمبر ۱ کے ذریعہ
درگم شدہ پارسل سے فیروز پور بھیجے گئے، اتفاقاً اس شخص نے جس کے لئے وہ بھیجے گئے
تھے نہیں لئے تو پھر کمپنی نمبر ۳ کو فیروز پور لکھا کہ وہ پارسل واپس کر دو۔ اس نمبر ۳ کمپنی نے

پارسل واپس کئے اور یہ لکھا کہ کمپنی نمبر ۱ سے اپنے پارسل لے لو، جب کمپنی نمبر ۱ سے پارسل لینے گئے تو وہاں بجائے دو کے ایک ہی پارسل تھا، اور ایک گم ہو گیا تھا۔ جب اس سے بہت خط و کتابت کی تو اس نے لکھا کہ ہم نے کمپنی نمبر ۱ سے ایک ہی پارسل پایا، تم اپنے گم شدہ پارسل کا مطالبہ کمپنی نمبر ۲ سے کرو، حالانکہ پارسل نمبر ۱ سے گم کیا تھا، مگر کمپنی نمبر ۱ نے کمپنی نمبر ۲ کا غلط حوالہ دیا، بہر حال ہم کمپنی نمبر ۲ سے دو برس تک خط و کتابت کرتے رہے، اس نے کوئی معافی بخش جواب نہیں دیا بلکہ وقت اپنی غفلت اور لاپرواہی سے ضائع کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وقت انوتا، ہم کمپنی نمبر ۱ یا نمبر ۲ سے جو پارسل لانے اور لیجانے والی ہیں کسی قسم کا مطالبہ نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے ہم نے کمپنی نمبر ۲ الف اصل مالینٹ کی ب اس کے سود کی جہ خطوط کے مصارف کی بحساب فی خط عام نالاش کر دی، عدالت نے باوجود فریق ثانی کی سخت جدوجہد کے ہمارا کل مطالبہ تسلیم کر کے ڈگری دیدی اور اس کی رقم سرکاری خزانہ میں کمپنی نمبر ۲ سے وصول کر کے داخل کر لی، اور اب ہماری درخواست پر ہمیں سرکاری خزانہ سے وہ رقم ملے گی۔ دریافت طلب یہ ہے کہ مذکورہ نالاش سے ہم اپنا روپیہ لے سکتے ہیں۔ نیز سود کے نام کی رقم جو ایک جہی سے وصول ہوئی ہے اور جس پر پہلے گورنمنٹ متولی ہو گئی ہے اور اسی طرح ار کے خط کا علم یہ سب جواب ہمیں گورنمنٹ کے ہاتھوں سے ملے گا، کسی طور پر ہم اس کے مستحق ہو سکتے ہیں، کمپنی نمبر ۲ کا وکیل یہ بھی کہتا تھا کہ جو روپیہ ہم نے نہیں دیا ہے، یہ ہم کمپنی ۱ سے وصول کر لیں گے، سود کی رقم اس لئے مجبوراً لگانا پڑتی ہے کہ عدالت سی پور آخر چہ نہیں ملتا، اور خرچہ وصول کرنے کا سوائے سود کے اور کوئی حیلہ بھی نہیں ہے۔

تشریح

ابتداءً جسے پارسل دیا گیا تھا وہ کمپنی نمبر ۱ سے، اور اس کمپنی نے وہ پارسل کمپنی نمبر ۲ کے سپرد کیا۔ پھر نمبر ۲ نے ہماری درخواست پر نمبر ۱ کو واپس کیا، یہ نمبر ۱ کی غلطی تھی کہ ہمیں بجائے اس کے کہ یہ ہدایت کرتی کہ تم اپنا گم شدہ پارسل کمپنی نمبر ۱ سے لو، یہ لکھ دیا کہ نمبر ۲ سے لو، ہم نے اسی تحریر کی بنا پر جس کی غلطی اب دوران مقدمہ میں ثابت ہوئی، کمپنی نمبر ۲ سے مطالبہ کیا، اس کمپنی نمبر ۲ کا یہ فرض تھا کہ یہ ہم سے صاف کہہ دیتی کہ اس پارسل سے ہم کو کچھ تعلق نہیں ہے بلکہ بجائے صاف جواب کے ہم سے ہمارے مال کا بل (حساب) مانگا، جس سے ہمیں

اپنے مطالبہ کے جائز اور وصول ہو جانے کا یقین ہو گیا۔ تالش کپنی نمبر ۱ یا نمبر ۳ پاس لئے نہیں ہو سکتی کہ تالش کے لئے چھ ماہ کے اندر ہونے کی شرط ہے، اب جبکہ دوسرے شخص کپنی نمبر ۲ کی غفلت و لاپرواہی سے گزر گئے۔ اس لئے ہم نے اس پر تالش کی، غالباً باہمی تعلقات کپنیوں میں یہ ہیں کہ ایک کپنی دوسری کپنی کے ٹکٹ یا پارسل کا لین دین بطور وکالت بلا اجرت کرتی ہے۔ بطور اجرت کے چند پیسے جو کبھی ایک آنہ زائد نہیں ہوتے جسے وہ حق تحریر کہتے ہیں۔

الجواب۔ اصل مصارف وصول کرنا جائز ہے، اور خرچہ ضروری بھی اصل مصارف کے ساتھ ملحق ہے، جن میں خطوط کے ٹکٹ بھی داخل ہیں، اور سود لینا جائز نہیں نہ فی خط عم لینا البتہ اگر یہ خرچہ بدوئے عنوان سود کے وصول نہ ہو تو بمقدار اس کے بعنوان سود بھی وصول کر سکتے ہیں زائد نہیں، اور حربی کا مال جو عقود فاسدہ سے مباح ہوتا ہے، اس میں اس کی رضا شرط ہے، اور استیلا جو موجب ملک ہے وہ ہے جو بہ نیت تملک کے ہو، اور یہاں استیلا، صرف مستغنیث کے حق کی حفاظت کے لئے ہے، لہذا حق سے زائد صلال نہ ہونی۔

۳۳۹ سوال (حوادث خامسہ ۴۲)

تیسرے ضامن دو واقعہ مذکورہ سوال | **سوال (۴۶۹)** شہر رنگون کا ایک تازہ واقعہ یہ کہ زید کی بلا اجازت بکرنے زید نے نام وی پی پارسل ڈاک اپنے پاس سے روپیہ دے کر وصول کر لیا، پھر بکرنے وہ پارسل عمرو کے ہاتھ سے زید کے قیام لب سڑک بالا خانہ بر جس میں دوسرے لوگ بھی رہتے ہیں، اس کی عدم موجودگی میں پہنچا دیا جس کو زید کے خاص عزیز خالد نے رکھ لیا تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص نے آکر خالد سے یہ کہا کہ زید بکر کی دوکان میں بیٹھا ہوا ہے، اور وہ آیا ہوا پارسل مانگتا ہے، اس لئے بکر نے مجھ کو بھیجا ہے، خالد نے یہ گمان کیا کہ آیا ہوا شخص بکر کا ملازم ہے بکر نے زید سے کہا ہو گا کہ میں تمہارا پارسل چھڑا کر تمہارے جلے قیام پر دے آیا ہوں اس لئے زید نے پارسل کھول کر پارسل کی چیزیں بکر کو دکھانے کے لئے منگایا ہو گا، لیکن چونکہ خالد بکر کے نوکر کو پہچانتا تھا، اس لئے احتیاطاً وہ خود پارسل کو اپنے ہاتھ میں لے کر اس آنے والے شخص کے ہمراہ ہو گیا، جب بالا خانہ کی سیرٹھیوں سے نیچے سڑک پر اترتا تو وہ پارسل اس شخص کے ہاتھ میں دیکر خود اس کیساتھ ہو لیا، بیس پچیس قدم دونوں ساتھ رہے، جب چوراہے کی چوڑی سڑک پر جس پر موٹر

گھوڑا گاڑیاں وغیرہ بکشت چلتی ہیں دونوں پہنچے تو آیا ہوا شخص پارسل ہاتھ میں لئے ہوئے بکر کی دکان کی جانب ہلکی رفتار سے دوڑا، خالد بھی تیز رفتاری سے اس چوڑی سڑک کو قطع کر کے کچھ قدم اس کے پیچھے دوڑا، چودا ہے سے تقریباً سو قدم پر بکر کی دکان لب سڑک تھی، اس قدر فاصلہ طے کرنے میں لوگوں کے هجوم کے سبب وہ شخص نظر سے غائب ہو گیا، بکر کی دکان تک پہنچنے پر جب خالد بکر سے دریافت کیا کہ آپ کا کوئی آدمی ابھی پارسل لے کر آیا ہے؟ اس نے کہا کوئی آدمی ابھی نہیں آیا، غرض یہ ہے کہ اس طور پر اتنے وقفہ میں وہ آیا ہوا شخص پارسل لیکر غائب ہو گیا۔ پس ارشاد ہو کہ مذکورہ بالا میں آیا زید خالد پر ضروری ہے کہ پارسل مذکور کی قیمت بکر کو ادا کرے اگر ضروری ہے تو دونوں میں سے کون شخص قیمت ادا کرے گا؟ ذمہ دار ہے، بینوا تو ہوا

الجواب تجار سے تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ وی پی کے ضائع ہونے کی صورت میں عرفاً مرسل الیہ سے قیمت کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا۔ اگر یہ صحیح ہے تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عملہ ڈاک کا بائع کا وکیل ہوتا ہے۔ اور ثبوت بیع کا وصول کے وقت بطور تعالیٰ ہوتا ہے۔

اس مقدمہ کے بعد جواب مسئلہ کا ظاہر ہے کہ زید نے جب نہ وصول کیا نہ وصول کو جائز رکھا تو یہ بیع زید کے ہاتھ نہیں، بلکہ یہ پارسل بکر کے ہاتھ میں مرسل کی امانت رہی جو اس کے پاس سے خالد کے پاس چلی گئی۔ آگے خالد کی بے احتیاطی سے ضائع گئی، پس اصل ضمان اس بکر کے ذمہ ہے جو کہ قیمت ادا کرنے سے بائع کے پاس پہنچ گیا، اب بکر اس ضمان کو خالد سے وصول کرے گا، البتہ اگر اس پارسل کی قیمت مع خرچہ کے اس مقام پر وی پی کی رقم سے کم ہو تو یہی مقدار خالد کے ذمہ ہوگی، اور اگر بکر کے وصول کی خبر نہ زید نے اس وصول کو جائز رکھا ہو تو یہ بیع زید کے ذمہ لازم ہوگی، اب خالد اس زید کا امین ہوگا۔ اور خالد سے زید ضمان لے گا

وہذا لکھ ظاہر، بتدبیر المقدمۃ المذكورۃ، ۸ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ (حوادث خامہ ص ۴۶)

سوال (۴۷۰) ایک شخص نے پھادہ کے کنارے ضمان تلف برحاضر بنا حق یعنی تلف شدہ کا

ضمان ناحق گردھا کھودنے والے پر میں اپنے مکان کے احاطہ اور اطراف میں نالی کھودی، اپنی نزاع کی حفاظت کے لئے اور وہ جگہ چراگاہ بیلوں کی ہے، اس نالی میں ایک شخص کا بیل گر کر مر گیا، صاحب بیل صاحب نالی سے قیمت بیل کی طلب کرتا ہے کہ معاملہ ہتھلاک کا سمجھ کر شرعاً قیمت اس بیل کی لینا جائز ہوگا یا نہیں، اور اس نالی والے پر قیمت بیل کی دینی پڑے گی، یا نہیں تحریر فرمادیں کہ اس میں جانہین کا بہت فساد برپا ہو رہا ہے، وہ نالی بہت تنگ ہے

کہ صاحب نالی کہتے ہیں کہ نالی میں گائے بیل گرنے سے از خود نہیں اٹھ سکتا، یہ کہ بار بار
ایسا ہو گیا، اور جس زمین میں اس نے نالی بنائی تھی وہ حق عامہ تھی، اور اس نے نالی خود بنائی تھی
حاکم کی اجازت سے نہیں؟

الجواب، چونکہ یہ حفر ناحق ہوا ہے اس لئے حفر کو سب ہلاک کہا جاوے گا، اور
حافر سے قیمت اس ہلاک ہونے والے بیل کی دلائی جاوے گی۔

۳ رمضان ۱۳۳۳ھ (حوادث ثالثہ ص ۱۵۲)

آب پاشی یا گیل آوردن | سوال (۴۷۱) جو تالاب کہ جنگل میں خود بخود ہو جلتے ہیں ان
از تالاب کے سے پانی بارش کا جو جمع ہو جاتا ہے وہ بغیر اجازت مالک کے کھیت
کو دیتا جائز ہے یا نہیں، اور بلا اجازت مالک کے اس کی مٹی لانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، فی الدر المختار فصل الشرب ولا سقی ارضه و شجره و زرعہ
و نصب دد لآب و نحوہا من نہر غیرہ و قناتہ و بئیرہ الا باذنہ لان الحق لہ فیتو
علی اذ نہاہ، اس سے معلوم ہوا کہ بغیر اجازت مالک کے اپنے کھیت کو پانی دینا یا مٹی لانا
جائز نہیں، ۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۳ھ (امداد ج ۲ ص ۱۶۱)

استعمال گھیکوار کہ از زمین غیر | سوال (۴۷۲) کسی شخص نے اپنی زمین میں بہت سا گھیکوار
حاصل کردہ باخذ واسطے دوا کے بونہا ہے، اگر کوئی شخص اس کو بدون اجازت
مالک کے لاکر دوائیں ڈال دے تو درست ہے یا نہیں، اور اگر اس کے مالک سے پوچھیں تو
لیتے نہیں دیتا اور گھیکوار کا کم گھاس جیسا ہے یا نہیں، کیونکہ گھیکوار ساق دار و ذرت
نہیں اور اس دوا کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، فی الدر المختار فصل الشرب و حکم الکلاء حکم الماء فی رد المحتار
و هو ما ینبسط و ینتشر ولا ساق لہ کالاذخر و نحوہ و الشجر مالہ ساق فعلى هذا الشجر
من الشجر الى قوله و اخص من ذلك کله و هو ان یجتث الکلاء و انبتہ فی ارضہ فہو
ملک لہ و لیس لاحد اخذہ بوجہ لحصولہ بکسبہ ذخیرہ و غیرہا، جلد ۵ ص ۳۵
اس سے معلوم ہوا کہ اول گھیکوار کے گھاس ہونے میں کلام ہے، دوسرے اگر گھاس بچا
ہو تب بھی اگر گھاس کو خود کوئی اپنی زمین میں بونے تو اس کی ملک ہو جاتا ہے، دوسرے کو بون
اس کی اجازت کے لینا اور استعمال کرنا حرام ہے، پس ایسی دوا کا استعمال جائز نہیں واللہ اعلم
۲۹ ذیقہ ۱۳۳۳ھ (امداد ج ۲ ص ۱۶۸)

عدم جواز استعمال چیزے بدون اذن مالکین | سوال (۴۷۳) ایک دوکان تھی جس میں نصف

روپیہ میرے والد کا تھا۔ اور نصف میں میں اور ایک شخص شریک تھے اور وہی شخص کام کرتے تھے، وہ دوکان نہ چلی حتیٰ کہ کل سامان میرے مکان میں آگیا اور کوئی اس کا خریدار بھی نہیں ہوتا اور والد صاحب نے سکوت اختیار کر لیا، نہ بوجہ ناراضگی بلکہ دوکان نہ چلنے اور اس کے سامان فروخت نہ ہونے سے گویا صبر کر لیا اس طرف وہ شخص مجھ سے کہہ گئے کہ ہم صبر کرتے ہیں اور سامان کو سب تمھارے والد کو دیتے ہیں وہ چاہے جو کریں ان کو اختیار ہے، اب نہ والد صاحب کچھ

کہتے ہیں اور نہ وہ شخص اور سامان خراب ہوا جاتا ہے، اکثر خراب ہو گیا، تھوڑا شہید ہے، اگر میں اس میں سے کھالوں یا جو چیز خراب ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو کام میں لے آؤں تو لیرستے، یا نہیں؟

الجواب: تعجب یہ ہے ایسی موٹی بات میں شبہ ہوا، جب روپیہ مشترک تھا مال دونوں شریکوں میں مشترک ہے، سکوت اسباب خروج عن الملك ہے نہیں، غیر مالک کو استعمال کیسے جائز ہو گا جب تک دونوں مالکوں سے تصریحاً اجازت نہ لے۔ وہ اگر آپ کے قبضہ میں ہو امانت ہے

۱۳ شعبان ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۶۴)

قبضہ کردن زمینداران بر مبله | سوال (۴۷۴) زمینداروں میں دستور ہے کہ جس وقت کاشتکار کا کاشتکاران وقت گذشتن سکوت موضع سے سکونت ہٹائے تو چھپر، اُپلے، کوارڈ وغیرہ غرض جو چیز بھی وہ چھوڑ جائے وہ زمیندار کی ہوگی، زمیندار اس کو اپنے صرف میں لائے گا۔

الجواب: اس کا لینا بھی ناجائز ہے کہ حق غیر ہے، اور اس کا چھوڑنا دلیل رضا نہیں کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر میں لیجا ناچا ہوں تو زمیندار مزاحمت کرے گا،

۲۶ سوال ۱۳۳۳ھ (حوادث ثالثہ ص ۸۸)

مدرس کو اسکول کی روشنائی اور قلم سے خطوط لکھنا | سوال (۴۷۵) اکثر اوقات اسکول اور پکیٹ یا پارسل کے اندر خط لکھنا، سے ملی ہوئی روشنائی و قلم سے خطوط لکھنے کا اتفاق ہوتا ہے یہ امر کیسا ہے، آیا متعارف میں داخل ہو کر جائز سمجھا جاسکتا ہے، اگر ناجائز ہے تو اب تک اس فعل کے ارتکاب کا تدارک کیونکر کیا جاوے؟

۲۷ پکیٹ یا پارسل یا لقاہ کے اندر کچھ ٹکٹ بھینبا (دو چار آنہ کا) جائز ہوگا ہوگا یا نہیں پکیٹ کے اندر کوئی خط رکھ دینا کیسا ہے؟

الجواب، میں نے سنا ہے کہ روشنائی و تسلیم چونکہ ایک انداز سے ملتا ہے اگر بیچ رہے
والپی کا مطالبہ نہیں اگر کسی رہے تو ذمہ داری نہیں، اگر صحیح سنا ہے تو اس سے خط لکھنا
جائز ہے۔ اور پیکٹ کے اندر خط یا ٹکٹ سنا ہے کہ قانوناً ممنوع ہے، اور پارسل کے
اندر جائز ہے۔ اگر صحیح سنا ہے تو اسی تفصیل سے حکم شرعی ہے۔
۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ (تمہ اولیٰ ص ۲۰۶ و حوادث ۱، ۲ ص ۴۴)

کتاب الرهن

عدم جواز انتفاع برہون | سوال (۴۷۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس میں کہ تمہن
کو انتفاع مرہون سے باذن راہن جیسا آج کل بلیکوں میں رائج و شائع ہو جائز ہے یا نہیں؟
الجواب: انتفاع مرہون سے اگر مشروط یا معروف ہو جیسا کہ آجکل ہے ربوا
حرام ہے اور ربوا اذن سے حلال نہیں ہوتا۔ قال فی المنع وعن عبد اللہ محمد بن المسلم
السمرقندی وکان من کبار علماء سمرقند انہ لا یحل لہ ان ینتفع بشئ منہ بوجہ
من الوجہ وان اذن لہ الراہن لانہ اذن لہ فی الریال انہ یستوی فی دینہ کا ملا متبقی
لہ المنفعۃ فضلاً فیکون رباً و ہذا امر عظیم (وقال بعد اسطر) قال لطحاوی قلت و
الغالب من احوال الناس انہم انہما یزیدون عند الدفع الانتفاع ولو کلا لہما اعطاء
الدراہم و ہذا بمنزلۃ الشرط لان المعروف کا لمشرط و هو مما یعلین المنع واللہ تعالیٰ
اعلم انتہی، شامی جلد خامس مطبوعہ مجتبیٰ ص ۳۱۰، ۳۱۱ واللہ اعلم شمس امداد ص ۳۱۰
مرہن کے بعض درجہ کا مرہون | سوال (۴۷۷) زید بڑا عمرو چھوٹا دونوں حقیقی بھائی حصہ کے
میں سو اپنے حصہ کو فک کر لینا | تقسیم برابری سے ہو گئے تھے۔ عمرو اپنے حصہ کا مختار زید اپنے
حصہ کا، زید نے ہندو کے یہاں نوکری کر کے اصل تنخواہ سے بھی تحویل سے بھی خرچ کر ڈالا
یعنی تغلب و تصرف بیجا میں بعد حساب و کتاب مامعہ نکلا، زید نے اپنا حصہ اپنے آقا ہندو
کے یہاں مامعہ پر رہن رکھ دیا، عمرو نے دوسری جگہ سے روپیہ لیکر اس سے فک رہن
کر کر منتقل کر دیا۔ اور تھوڑے زمانہ کے بعد اپنا حصہ بھی اس کے یہاں رہن رکھ دیا،
زید کے لڑکوں کو عمرو کہتا رہا کہ تم اپنا چھوٹا الو، مگر چالاکی سو اپنا حصہ کا بھی روپیہ دلانا چاہا، اسی

اشتراک میں زید دو لڑکے ایک لڑکی اول بی بی سے اور ایک عورت منکومہ اور ایک لڑکی اس عورت سے چھوڑ کر فوت ہوا، بعد تھوڑے دنوں کے زید کا بڑا لڑکا چار لڑکے اور عورت چھوڑ کر فوت ہو گیا، اب زید کا چھوٹا لڑکا اور لڑکی اپنے اپنے حصہ کا روپیہ دے کر اپنے چچا سے حصہ لینا چاہتے ہیں، کس قدر حصہ لازم آتا ہے، اور اس طریق سے اپنے حصہ کا مدعی بننا اور لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

مسئلہ

بالنصف

مسئلہ

زید

مسئلہ

زوجه ثانیہ	ابن	ابن بنت	بنت	زوجه	ابن	ابن	ابن	ابن
الف	ب	ج	د	ر	س	ص	ط	ع
۹۶	۱۳	۲۲۲	۱۱۳	۲۸	۲۹	۲۹	۲۹	۲۹
المبلغ ۴۶۸								

الاحد	ج	د	ر	ش	ص	ط	ع	ف
۹۶	۲۲۲	۱۱۳	۱۱۳	۲۸	۲۹	۲۹	۲۹	۲۹

بعد تقدیر ما یتقدم علی المیراث کل ترکہ زید کا اس طرح تقسیم ہوگا کہ زید کی زوجہ ثانیہ کو (۹۶) اور زید کے پسر کو (۲۲۲) اور زید کی دونوں دختروں میں سے ہر ایک کو (۱۱۳) اور زید کے پسر متوفی کی زوجہ کو (۲۸) اور اس کے چاروں پسروں میں سے ہر ایک کو (۲۹) ملیں گے اور چونکہ زمین رہن رکھنے سے ملک سے خارج نہیں ہوتی، اس لئے زید کی وہ زمین مرہونہ ان ہی سہام کے موافق اس کے ورثہ بالا میں منقسم ہوگی، اور زید رہن ملنے پر ملک رہن سے انکار جائز نہیں البتہ اصل مرہن کو یہ اختیار تھا کہ جب تک اپنا مرہن پورا نہ لے لے، رہن نہ چھوڑے، خواہ ایک وارث دیدے یا سب مل کر دیدیں۔ کما فی الہدایۃ قبیل باب وضع الرهن علی ید العدل وان دهن رجلان بدین علیہما رجلا رهنًا واحدًا فهو جائز ود

لہ تخریج مذکور فی الجواب اس صورت میں ہے کہ جب اس بڑے لڑکے کی ماں اول مرحلہ ہو ۱۲

الرهن رهن بكل الدين وللمرتهن ان يمسكه حتى يستوفي جميع الدين، لیکن چونکہ عموماً رهن کو فک کر اگر دوسری جگہ رهن کر چکا۔ اس لئے عموماً متبرع ہے۔ اور متبرع کو حق مجلس حاصل نہیں، لہذا عموماً پروا جب ہے کہ ورثہ زید کی چیز ان کو فوراً دیدے لیت و عمل کرنا ظلم اور حرام ہوگا فقط

۲۹ محرم ۱۳۲۶ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۹۷)

حکم فک رهن زمین ضبط نمودہ سرکار | سوال (۴۷۸) (یہاں سوال نقل نہیں کیا گیا جواب سے خود ظاہر ہے)

حکم فک رهن جائداد مرہونہ کہ سرکار بعلت بتاؤ رهن ضبط کر دنیلا نمود

جب سرکار نے زید راہن کی جائداد ضبط کیلی، تو مثل اصل راہن کے اس جائداد کے مالک مرہن کی مقروض ہوگئی، کیوں کہ تسلط سے ملک اور مالک کو قرضہ سویری کر کے خود اپنے ذمہ لینے سے مقروضیت ثابت ہوئی، پھر جب عموماً نے وہ جائداد سرکار سے خرید لی، تو یہی حال عموماً کا ہو گیا، جو کہ سرکار کا تھا، کہ جائداد کا مالک بھی ہو گیا، اور مرہن کا مقروض بھی ہو گیا، جس کے مقابلہ میں وہ جائداد مرہن کے پاس مجبوس ہے، جو حاصل ہے رهن کا، غرض عموماً راہن ٹھیرا اور جو مرہن تھا وہ بدستور مرہن رہا، پس رهن کا جو حکم ہے کہ جب راہن زید رهن ادا کر دے مرہن پروا جب ہوتا ہے کہ روپیہ لے کر نئے مرہن کو چھوڑ دے وہ حکم اس راہن اخیر اور مرہن کے درمیان بھی ثابت ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۸ صفر ۱۳۲۲ھ (امداد ج ۳، ص ۸۸)

تقدم حق مرہن بر مہر | سوال (۴۷۹) زید جائداد موروثی پر قبضہ اور زوہ منکوحہ وغیرہ در ترکہ : اور چار لڑکی چھوڑ کر فوت ہو گیا، اور بھی اس کے ذمہ دین مہر مقدم ہے تو متوفی کی جائداد مرہونہ سے اس کی منکوحہ قبل ادائے قرضہ کے دین مہر وصول کر سکتی ہے یا نہیں مگر یہ کہ متوفی کی منکوحہ نے نکاح ثانی بھی کر لیا ہے، تو اس صورت میں دین مہر کی سابق شوہر متوفی کی جائداد سے مستحق ہے یا نہیں؟

الجواب، فی الدار المختار بیدامن تركة المیة الخالیة عن تعلق حق الغیر بعینہا کالرهن الی قوله تمہیدہ ثم دیونہ الخ، فی المختار قوله کالرهن مثال للعین التي تعلق بها حق الغیر فاذا رهن شیئاً وسلمہ ولم یترك غیروہ فدين المرتهن مقدم علی التجهیز

فان فضل بعد شیء صرف الیہ۔ اہ پس صورت مسئلہ میں جس جائیداد پر قرضہ ہے اگر وہ مرہون
اس قرضہ کے عوض میں ہو، اور مرہن کی مقبوضہ بھی کرا دی گئی تھی۔ تب یہ دین رہن دین مہر سے
مقدم ہے، اس کو ادا کر کے اگر کچھ بچے یا متوفی کے پاس اور ترکہ بھی ہو تو اس میں سے مہر
ادا کیا جاوے گا اور اگر مرہن کا قبضہ اس پر نہیں ہوا تھا تو وہ اور مہر برابر میں اور دین
رہن کی وہ مقدار معتبر ہوگی جس قدر اصل قرض بذمہ رہن ہے۔ اور اگر مرہن کچھ سود لے چکا ہو
یا مرہن اس لئے مرہون سے کچھ آمدنی حاصل کر چکا ہو کہ وہ بھی سود ہے، تو یہ سود اور آمدنی
منہا کیے جو باقی رہے گا وہ قرضہ شمار کیا جاوے گا۔ اور نکاح ثانی کرنے سے دین سہر قسط
نہیں ہوا، واللہ تعالیٰ اعلم وعلیہ التمام، ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ (امداد ج ۳ ص ۱۲۱)

سوال (۴۸۰) زید نے اپنی جائیداد رہن کر کے
عمر و سے کچھ روپیہ قرض لیا، بشرطہ کہ یہ تھے میعاد اس رہن کی صرف ایک مہینہ قرار پائی
ہے، بعد انقضائے میعاد مذکور فوراً باوائے کل زر رہن یکمشت جائیداد مرہونہ کو فک رہن کرالوگا
اگر منقر بعد انقضائے میعاد ایک ماہ فوراً زر رہن ادا کر کے جائیداد کو فک نہ کرالوں تو یہی
دستاویز رہن تادمہ بجائے بیع نامہ کے اور یہی زر رہن بجائے زر ثمن کے متصور ہوگا، اور
جائیداد مرہونہ بیع شدہ سمجھی جاوے گی، اور اسی وقت قرضہ جائیداد مرہونہ پر مرہن کا مارگا
ہو جاوے گا، اور مرہن مثل میرے ان تمام حقوق کے مالک کامل مشتریانہ ہو جاویں گے
جو مجھ کو جائیداد مرہونہ میں اس وقت حاصل ہیں۔

لہذا یہ چند کلمے بطور دستاویز بالوفا کے لکھ دیئے، بعد اس رہن کے عمر و مرہن کا قبضہ
جائیداد مرہونہ پر ہوا۔ اور جائیداد مرہونہ کا کرایہ عمر و مرہن کرایہ داروں سے وصول کرتا رہا۔ مگر
جزو جائیداد مرہونہ پر زید راہن کا قبضہ رہا، اور زید راہن بھی عرصہ تک کرایہ اس جزو جائیداد
مرہونہ جس پر اس کا قبضہ تھا، عمر و مرہن کو ادا کرتا رہا، ساڑھے چار برس کے بعد عمر و مرہن نے
زید راہن کو ایک نوٹس دیا جس کا مضمون عبارتہ یہ ہے، بموجب دستاویز بیع بالوفا
مورخہ (تاریخ و ماہ و سنہ) آپ نے مبلغ (تعداد کل زر رہن) یہ رہن املاک واسطے میعاد
ایک ماہ کے قرض لئے اور چونکہ معاملہ رہن کا با قبضہ تھا اس وجہ سے بعض املاک مرہونہ کو
بکرایہ آپ نے اپنے قبضہ میں رکھا، چنانچہ اب مبلغ (تعداد کل زر رہن) اصل زر رہن اور مبلغ
(تعداد) بابت زر کرایہ لغایت (ماہ سنہ) جملہ (تعداد روپیہ) آپ کے ذمہ واجب الادا ہیں،

لیکن آپ نے ادا نہیں فرمایا، اندر میعاد پندرہ یوم ادا رہے باقی کر دیجئے۔ (یہ صورت واقعہ کی ہے۔ آپ حضرات علمائے کرام مدظلہم سے یہ سوالات بکمال ادب ہیں)

۱۔ صورت مذکورہ میں جائیداد مرہونہ بیع ہو گئی یا نہیں۔ ۲۔ جو کرایہ جائیداد مرہونہ کا کرایہ داروں اور نیز زید راہن سے عمر و مرہن کو وصول ہوتا رہا وہ اصل زر رہن میں ادا ہوتا گیا یا نہیں، ۳۔ عمر و مرہن کو اب اسی قدر اصل روپیہ رہن کا حلال ہے جو بعد مچرا کر لے کر ایہ وصول شدہ کے باقی ہو یا کل زر رہن بدون وضع کرایہ وصول شدہ کے لینا حلال ہے، ۴۔ جس وقت زید راہن اس قدر روپیہ جو بعد کرایہ وصول شدہ کے عمر و مرہن کا اصل زر رہن میں باقی ہوا دے کر دے تو عمر و مرہن پر جائیداد مرہونہ چھوڑ دینا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب۔ فی فتح القدیر کلا یجوز تعلیق البیع کان یقول اذا دخلت الدار فقد بعثک کذا بمائۃ فقبل الآخر لا یشیت البیع عند الدخول فی کفایۃ عن الزہری از اہل الجاہلیۃ کانوا یرتقنون ویشترون علی الراہن انہ ان لم یقض الدین الی وقت کذا فالرہن مملوک للمرہن فابطل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذلک بقولہ لا یغلق الرهن وقیل لسعید بن المسیب اهو قول الرجل انہ لم یأت بالدين الی وقت کذا فالرهن بیع بالدين فقال نعم و فی الدر المختار و بیع الوفاء ذکرته ہنا تبعا للدر و صورته ان یبیع العین بالف علی انہ اذا رد علیہ الثمن رد علیہ العین و فی الدر المختار عن الاشباہ کل قرض جہ نفعاً فهو حرام فکرة للمرہن سکنی المرہونۃ باذن الراہن و فی الدر المختار نقل عن التھذیب انہ یرکب للمرہن ان ینتفع بالرهن وان اذن له الراہن قال المصنف و علیہ یجمل ما عن محمد بن اسلم من انہ لا یجمل للمرہن ذلک ولو باذن لانہ ربوا قلت و تعلیلہ یقید انها تحرمیۃ فناملہ و فی الدر المختار اباح للمرہن ان یوجرہ قال لا یقل فلو اجرہ و مضت المدة فالاجرۃ له او للراہن قال له ان اجرہ بلا اذن وان باذنه فللمالك و بطل الرهن و فی الدر المختار و یبطلہا رای الشفیعۃ منہ منہا علی عوض و علیہ رد لانہا رشوة ام و فی الہدایۃ المکتاتبۃ و الاجارۃ و الرهن بمنزلۃ البیع لانہا تبطل بالشروط الفاسکہ ان روایات مذکورہ بالا سے معلوم ہوا ۱۔ صورت مسئلہ میں یہ جائیداد بیع نہیں ہوئی کیونکہ تعلیق بیع باطل ہے، بلکہ یہ صورت غلق رہن کی ہے جو کہ حرام اور باطل ہے، اور بیع بالوفا کی یہ صورت نہیں ہے، بلکہ اس میں فی الحال بیع ہوتی ہے، اور اقالہ کا وعدہ جس میں خود ہی کلام ہے، سو یہاں

یہ صورت نہیں ہوتی، لہذا یہ رہن ہے اور رہن بھی فاسد کیونکہ اس میں شرط فاسد لگائی گئی ہے ۱۷ اور چونکہ کرایہ ملک راہن کی ہے، اور مرہن کو بوجہ اشتراط فی الزہن اس کا لینا حرام ہے، لہذا یہ واجب الزہن ہے، ۱۸ اس لئے جس قدر روپیہ کرایہ میں مرہن کو وصول ہوا ہے، اس مقدار میں مقاصد ہو گیا، یعنی ذمہ راہن سے ساقط ہو گیا، بقیہ روپیہ کا مطالبہ راہن سے کرنا مرہن کا حق ہے۔

مکمل جب اس باقی روپیہ کو راہن ادا کر دے گا۔ مرہن کا دین رہن ادا ہو جاوے گا۔ پھر جائداد مرہونہ کا چھوڑ دینا مرہن پر واجب ہوگا، ۲۰ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۱ھ
الجواب صحیح "بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (امداد ج ۳ ص ۸۹)

رعایت راہن مرہن را | سوال (۴۸۱) نمبر راہن بالقبض میں اگر راہن نے بلا منشا سود ایک رقم مرہن کو معاف کر دی ہے اور یہ کہا ہے کہ باقی منافع سے تم اپنا قرض ادا کر لو تو جائز ہے یا نہیں؟ نمبر ۲۔ راہن نے ایک رقم خود لی، باقی مرہن کو معاف کر دی، اور یہ کہا کہ باقی منافع تم لو جب میں یہ قرض ادا کر لوں گا منفک کر لوں گا، مثلاً راہن نے ایک ہزار روپے کی جائداد یا پنچہزار میں مکفول کی۔ شرط یہ ہوئی کہ سالانہ ایک ہزار میں سے دو سو مجھے دیا کرو، باقی تمہارا جب میں پانچ ہزار ادا کر لوں گا منفک کر لوں گا یہ دوسویں رقم قرض میں نہیں ادا ہو رہی ہے، بلکہ مرہن کی جیب میں جاتی ہے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ چونکہ یہ یقینی بات ہے کہ یہ دونوں رعایتیں قرض کی وجہ سے ہیں اس لئے ناجائز ہیں اور کل قرض جرنفعاً کے کلیہ میں داخل اگر عقد رہن میں مشروط ہیں، تب تو ظاہر ہی ہے، اور اگر مشروط بھی نہ ہوں، لیکن چونکہ متعارف ہیں اس لئے حسب قاعدہ المعروف کالمشروط کے علاوہ بھی ناجائز ہے، البتہ بلا اشتراط و بلا تعارف ایسی رعایتیں جائز ہیں اللہ اعلم
۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ج ۳ ص ۹۱)

جلد تحصیل مصلحت عقد رہن | سوال (۴۸۲) رہن لینے میں جو آسانی ہوتی ہے اس کی کوئی صورت شرعاً پیدا ہو سکتی ہے یا نہیں (کیونکہ فرض کیجئے کہ ایک موضع میں میرا حصہ بندہ آنے ہیں، ایک آنہ والا حصہ دار ضرورت قرض لینا چاہتا ہے، مجھ سے رہن بالقبض یا بلا قبض کی درخواست کرتا ہے، اگر میں نہیں لیتا تو دوسرے کے قبضہ میں جاتا ہے جس سے پھر ملنے کی امید نہیں، اور گویا مجموعی انتظام میں ہزاروں طرح کے رخنے پڑنے کا احتمال ہو یا مثلاً

کوئی زیادہ قیمت کی جائداد تھوڑے روپیوں میں ہمارے پاس رک جاتی ہے، جسے ہم سمجھتے ہیں کہ راہن میں ادا کرنے کی قوت نہیں ہے۔ بھینس جانے پر رفتہ رفتہ ہم قیمت ادا کر دیں گے اور اس طرح ہمارے پاس ایک معقول جائداد ہو جاوے گی، آسانی صرف اس قدر ہوتی کہ یکمشت قیمت نہ دینی پڑی)

الجواب، صرف اس قدر ممکن ہے کہ مدت رہن کے اندر جو منافع حاصل ہوں انکو امانت جمع رکھے، اور جب وہ زمین فروخت ہو جاوے تب وہ امانت اس راہن کو واپس کر دی جائے، زمین بھی آسانی سے آجاوے گی، اور منافع رہن کے استعمال سے بھی محفوظ رہے گا، البتہ اس صورت میں اتنا امر کھٹکتا ہے کہ اگر اس صورت میں راہن کو اطلاع ہو جاوے کہ اتنا واپس ملے گا تو امید ہے کہ وہ فک کر سکے، تو اطلاع نہ کرنا یہ ایک قسم کا دھوکہ ہے، جس میں گناہ کا اندیشہ ہے، البتہ سود کھانے کا گناہ اس کو نہیں ہوا واللہ اعلم، ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ج ۳، ص ۹۱)

ار تہان بضرب اہل و شرط انتفاع | سوال (۳۸۳) زید نے زمین بکر کے پاس پانچ برس کو رہن رکھی اور یہ اقرار کیا کہ اس زمین کو میں جو توں گا، اور جو منافع رہن صریح ہو گا وہ میں لوں گا۔ پہلے مدت سے اگر راہن روپیہ ادا کرے تب بھی نہ دوں گا۔ نفع پیداوار زمین مرہونہ کا مباح، یا حرام؟

الجواب، اس رہن میں دو فساد ہیں۔ ایک تو مدت پانچ برس مقرر کرنا، کہ اس سے پہلے فک پر قدرت نہ ہو۔ کیونکہ معنی رہن کے شرع میں یہ ہیں کہ کسی شے کا دین کے بدلے میں مجبوس کرنا۔ فی الدر المختار مجبوس شئی مالی بحق کیمن استيفاره منہ کالدین، پس جب مجبوس بوجہ دین کے ہے تو جس وقت راہن دین ادا کر دے گا مرتہن کو حق مجلس باقی نہ رہے گا، خواہ پانچ برس سے پہلے ہو یا بعد ہو۔ اب یہ شرط ٹھہرانا کہ اگر راہن روپیہ بھی ادا کر دے تب بھی نہ دوں گا شرط فاسد ہے، دوسرا فساد شرط انتفاع کی لگانا کیونکہ بمقتضائے حدیث کل قرض جر منفعة فہو رب ما تہن کو انتفاع مرہون سے بالکل جائز نہیں خصوصاً جبکہ مشروط ہو اس وقت تو ربوا صریح ہے۔ اگرچہ راہن اذن دیدے کیونکہ ربوا اذن سے حلال نہیں ہوتا۔ لا یجوز لہ ان ینتفع بشئ من الوجوہ وان اذن لہ الراہن لانہ اذن لہ فی الربوا، شافعی

مجتبائی ج ۵ ص ۳۱۰، (امداد ج ۳، ص ۹۲)

سوال (۴۸۴) ایک شخص زید کی زمین عمرو مہاجن دینے اور اس کا شت کی آمدنی کا حکم کے پاس رہن ہو تو عمرو مہاجن کا شت نہیں کرتا ہے، تو عمرو مہاجن نے زید ہی کو وہی رہن زمین بٹائی پر دیدی ہے، اور ہمارے یہاں بٹائی کا دستو پانچ من میں تین من کاشت کرنے والے کا ہے، اور دوسن اصل مالک کا ہے، اب اگر زید اس اپنی زمین میں سے جو عمرو کے پاس رہن ہے، اناج چرالیوے، تھوڑا سا یا بہت تو کچھ مواخذہ ہوگا یا نہیں، میری دلیل یہ ہے کہ عمرو کے پاس جتنا اناج جائے گا سب سود ہے، یہ جتنا ہے وہ سب موجود ہے، چرالینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ قبضہ مرتہن کا شرائط رہن سے ہے، جب راہن کے قبضہ میں آگئی شرعاً رہن جاتا رہا، اس لئے راہن نے اپنے تخم سے جتنا حاصل کیا ہے وہ سب ملک رہن کی ہے، اگر سب رکھ لے گناہ نہیں، بلکہ جتنا مرتہن کو دے گا سود دینے کا گناہ ہوگا۔

۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ (تمہ اولیٰ ص ۱۸۹)

سوال (۴۸۵) دیگر یہ ہے مثلاً اسی عمرو مہاجن کا شت پر دینا اور اس کی آمدنی کا حکم نے اصل مالک کو بٹائی پر نہیں دی، کسی اور شخص کا شت کا کو دیدی ہے وہ بھی چرالیوے یا نہ؟

الجواب۔ یہاں رہن باقی ہے اور نما رہن کا مرہون ہے، اس لئے مرتہن کے حصہ میں جتنا غلہ آوے گا مرہون ہونے کی وجہ سے اس پر مرتہن کو قبضہ کا استحقاق ہو، پھر فک رہن کے وقت اس کی واپسی راہن کی طرف واجب ہے، پس چونکہ مرتہن کو قبضہ کا استحقاق ہے اس لئے اس صورت میں راہن کو اس مرتہن کے حصہ میں لینا جائز نہیں فقط

۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ (تمہ اولیٰ ص ۱۹۰)

سوال (۴۸۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین حق انفکاک کی بیع کا عدم جواز اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی حقیقت زمینداری بکر

کے پاس اس شرط پر مبلغ دو سو روپے پر رہن بالقبض کیا کہ جب روپیہ ادا کر دیا جاوے جائدار فک رہن ہو جاوے اور ایام رہن میں ۷ سالانہ منافع مرتہن لیا کرے، بکرفت ہو گیا۔ بدریعہ ترک حقیقت مرہونہ پر اس کی زوجہ ہندہ قابض ہوئی بعد اس کے زید نے حقیقت مرہونہ کا انفکاک رہن کو عزیز وغیرہ کے باپ عبید کے پاس بعوض سو روپیہ

بیع کر دیا تھا، اگرچہ زید نے بیعنامہ کی حرب بڑی کسی مصلحت سے کرادی۔ اور سب چیزوں کے رد برو زمرن کے وصول ہونے کا اقرار بھی مصلحتاً کر لیا، مگر واقع میں زید کو زمرن اب تک نہیں ملا زید اور عبید کے درمیان ایام رہن میں یہ معاہدہ ہو کر اقرارنامہ لکھا گیا کہ عبید نے حق انفکاک رہن بیع شدہ کو بحق زید واپس کر دیا، اس شرط سے کہ اگر زید ایک یا دو سال میں دو سو روپیہ مذکور عبید کو ادا کر دیوے تو حق انفکاک رہن بیع شدہ کا مالک زید ہوگا۔ اگر زید ادا نہ کر سکے تو عبید بدستور سابق مشتری حق انفکاک رہن مذکور کا متصور ہوگا، چنانچہ وعدہ گذر گیا اور زید نے حق انفکاک رہن کو فک نہیں کرایا تو ایسی صورت میں بلا امداد قاضی کے بیع ہوگی یا نہیں۔ اسی اقرارنامہ میں عبید نے یہ اقرار بھی لکھا تھا، کہ میں عرصہ قلیل میں درخواست پر بکرو زید کا نام داخل خارج میں چڑھوا دوں گا، مگر اس نے درخواست نہ دی۔ اور خلاف معاہدہ قابض رہا۔ اور اسی حالت میں وفات پا گیا، اس کے بعد عزیز وغیرہ اس کے وارث قرار پائے، ہندہ کے فوت ہونے پر حقیقت مرہونہ مذکورہ عمرو کو ترکہ میں ملی۔ شرواٹھارہ سال تک اس پر قابض رہ کر مبلغ دو سو سولہ روپے بحساب عرصہ سالانہ وصول کر کے اپنے تصرف میں لایا۔ اب یہ مبلغ مارے روپے منافع جو عمرو اپنے تصرف میں لایا شرعاً جائز ہے یا نہیں، اگر ناجائز ہے تو اصل زمرن میں مجرا ہو کر عرصہ زید کو واپس ملنا چاہئے یا نہیں، پھر بعد وفات عمرو کے اس حقیقت پر خالد اس کا لڑکا قابض ہوا۔ اتفاق سے خالد نے حقیقت مرہونہ مندرجہ صد کا مبلغ دو سو روپے زمرن مذکورہ عزیز وغیرہ کو معاف کر دیا، اور جائیداد پر قابض کر دیا، تو ایسی صورت میں زمرن منافع اس کا جب شرعاً ناجائز ہوا اور حسب صورت بالا اصل زمرن زمرن منافع ادا ہو کر عرصہ زید کا نکلا تو خالد کو اس دو سو روپے ادا شدہ کو عزیز وغیرہ کے حق میں معافی کا حق حاصل ہے یا نہیں، اگر نہیں ہے، اور خالد نے زمرن مذکورہ عزیز وغیرہ کو معاف کر دیا، تو عزیز وغیرہ کو اس کا منافع لینا اور تصرف کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- زید راہن نے بکرو زمرن سے یہ شرط کی، مگر ہن ایام رہن میں با زمرن عرصہ سالانہ منافع لیا کرے شرطاً باطل ہے، صرف زمرن میں اس کا حق ہے، پس بعد وفات بکرو اس کے ورثہ کا جس میں زوجہ ہندہ بھی ہے۔ صرف زمرن ہی میں حق ہے، سوال میں صرف ہندہ کا ذکر کیا ہے مگر حق شرعی بکرو کے سب ورثہ کا ہے، اور حق فک رہن کا زید

کو حاصل ہے، زید کا اس حق فک کو عبید پر عزیز وغیرہ کے ہاتھ بیع کرنا شرعاً باطل ہے اس بیع سے عبید کا کوئی حق نہیں ہوا، اگر عبید سے روپیہ بھی وصول ہو جاتا تب بھی زید پر واجب تھا کہ وہ روپیہ عبید کو واپس کر دیتا، کہ یہ روپیہ رشوت ہے اور جبکہ روپیہ بھی عبید سے وصول نہیں ہوا، تب تو کسی قسم کا بھی حق عبید کو حاصل نہیں ہوا، اور جو اقرار نامہ لکھا گیا محض لاشع ہے، اس کا کوئی اثر نہیں، اگر زید کو روپیہ بھی مل جاتا اور زید میعاد کے اندر روپیہ عبید کو واپس بھی نہ کرتا، اور میعاد بھی گزر جاتی اور کوئی قضا بھی اس بیع باطل کے نفاذ کا حکم کر دیتا۔ تب بھی حق فک زہن زید ہی کو حاصل رہتا اور سائل کا یہ کہنا کہ عبید خلاف معاہدہ قابض رہا سمجھ میں نہیں آیا، کیونکہ جائداد مرہونہ کا اول بکر کے قبضہ میں پھر ہندہ کے قبضہ میں رہتا اور پرسوال میں مذکور ہے، بہر حال اگر اس پر بھی عبید کا قبضہ ہو جاتا تب بھی حکم مذکور انفا میں کچھ تغیر نہ ہوتا، عبید کو غاصب و قابض بالباطل کہا جاتا، جب عبید کا اس میں کوئی حق نہیں تو اس کے مرنے کے بعد عزیز وغیرہ اس کے وارثوں کا بھی اس میں کوئی حق نہیں ہوگا، پھر جب ہندہ کی وفات ہوئی تو عمر و اگر اس کا یا بکر کا شرعی وارث ہے تو اس کا بھی مثل اصل مرتہن کے صرف واپسی زہن ہی میں حق ہے، اسی طرح اگر بکر کے یا ہندہ کے اور ورثہ شرعی بھی ہوں، تو بھی یہی حق واپسی زہن سب میں مشترک ہے، اب عمرو نے اس جائداد سے دوسو روپے جو وصول نہیں کیا تو اس رقم وصول شدہ سے سولہ روپیہ زید کو واپس کئے جائیں گے اور دوسو روپیہ بکر مرتہن سب ورثہ شرعیہ کو موافق ان کے حق میراث کے تقسیم کیا جاوے گا، اور جائداد مرہونہ چھوڑ دینا واجب ہوگا اور اگر بکر یا ہندہ کو بھی کچھ وصول ہوا تھا، تو وہ بھی ہندہ اور بکر کی جائداد سے وصول کر کے زید کو واپس دیا جاوے گا، یا ان کے حصہ میں تقسیم کے وقت اتنی کمی کر دیں گے اور اس دوسو روپے میں سے وہ وصول کردہ ہندہ و بکر بھی زید کو واپس کیا جاوے گا، جب جائداد میں وارثان مرتہن کا کوئی حق نہ رہا تو اب خالد کا قبضہ محض باطل ہے، اسی طرح جب زہن وارثان مرتہن کے پاس پہنچنے سے بدمرہ راہن یا وارثان راہن دین نہیں رہا تو خالد کا معاف کرنا بھی باطل ہے۔ خاص کر ایسے اشخاص کو یعنی جو شرعاً کبھی دائن یعنی مستحق وصول دین نہیں ہوئے، جیسا اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ عبید و عزیز کا کوئی حق شرعاً ثابت نہیں ہوا۔ پس عزیز وغیرہ کا قبضہ اس جائداد پر باطل ہوگا، اور انتفاع اس سے حرام ہوگا۔

بلکہ سب پر واجب ہے کہ اپنا قبضہ اٹھا کر زید راہن یا اس کے ورثہ کے قبضہ میں دیدیں فقط۔
(حوادث ۲ ص ۲۲۴ تتمہ اولی ص ۱۹۰)

جواب حدیث بیچ انتفاع از شے مرہونہ | سوال (۴۸۷) آجکل اراضی مرہونہ سے انتفاع

حاصل کرنے کا مرض عام طور سے پھیلا ہوا ہے، اور میں حتی الوسع اپنے احباب مقتدین کو روکتا رہتا ہوں، مگر ایک غیر مقلد انتفاع کی ترغیب دلاتا ہے اور کہتا ہے کہ جب گائے بھینس مرہونہ کا دودھ بعض چارہ کے مرہن کے لئے حلال ہے تو ارض مرہونہ کی آمدنی بعض محنت کش کاری کے کون حرام کہہ سکتا ہے، اس کا جواب کافی مدلل مختصر غایت ہو۔
جواب مسئلہ ظاہر اور یقینی ہے باقی جواب حدیث کا یہ ہے کہ اول تو وہ حدیث

مہم ہے اور محرم کو مقدم ہونا چاہئے مہم پر، دوسرے اگر حدیث کی احادیث کو معمول بہ کہا جاوے تو اس عام میں سے اس کو خاص کیا جاوے گا۔ تاکہ دلائل شرعیہ میں تعارض نہ ہو۔ تیسرے مقیس علیہ اور مقیس میں تماثل نہیں، پس قیاس مع القاری ہے۔ وجہ فرق ظاہر ہے کہ مقیس علیہ میں خاص مرہون کو بھی نفع پہنچ رہا ہے جو کہ نفع راہن کا بھی ہے اور اس کا خیر بچتا ہے، مقیس میں یہ بات کہاں، نیز مقیس علیہ میں مؤنت مرہون کی بذمہ راہن تھی، اور منفعت بھی اسی کی تھی، حساب میں بعض اوقات خلجان ہوتا ہے، بطور صلح یہ صورت تجویز فرمادی بشمطیکہ معروف یا مشروط نہ ہو، کما ہو مقتضی النصوص الاخری پس یہ حکم کلی حلت کا بالکل نہیں، ۱۳ ربیع الاول ۱۳۲۶ھ (تتمہ خامس ص ۴۶)

عدم جواز انتفاع از زمین موردی مرہونہ | سوال (۴۸۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس

مسئلہ میں کہ زید مثلاً ایک بگہ موردی زمین کا کاشتکاری جس کا زمیندار خالد ہے، زید نے بایں خیال کہ یہ زمین موردی کاشتکاری ہے، اور زمیندار کو وقتاً تو نا تخلیہ و ربید علی کا اختیار نہیں، بکرے کے کچھ روپیہ قرض لے کر اس زمین کو زمین رکھ دیا اور بخوشی اس کو اجازت دیدی کہ بجائے میرے تم زراعت کرتے رہو، اور جو لگان میں زمیندار کو دیا کرتا تھا تم اس کو دیا کر بکر اس زمین پر قبضہ کر کے زراعت کرنے لگا، اب بکر کو یہ خیال ہو رہا ہے کہ زمین اگرچہ شرعاً مرہون نہیں ہوئی، کیونکہ کاشتکار شرعاً مالک زمین نہیں ہے، مگر چونکہ مجھ سے کاشتکار نے قرض بھی لیا ہے، شاید یہ انتفاع سود نہ ہو، دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید کاشتکار نے جو زمین مذکور بطور زمین کے بکر کو حوالہ کر دیا ہے اور زراعت کی اجازت دیدی ہے اور

بکر سے کچھ قرض بھی لیا ہے، آیا وہ انتفاع واستقراض دونوں تبرع قرار دے کر جائز سمجھے جائیں یا حکماً زہن قرار دے کر انتفاع ناجائز سمجھا جائے، کاشتکار چونکہ شرعاً مستاجر ہے اور بکر دان اس کا قائم مقام ہے، اگر یوں کہا جائے کہ اصل مستاجر یعنی زید نے اپنے اجارہ کو تبرعاً بکر کو دیدیا ہے۔ اور بکر نے تبرعاً زید کو قرض دے دیا ہے تو شرعاً ممکن ہے یا نہیں؟ بینوا التوجروا
الجواب۔ بکر کو یہ انتفاع جائز نہیں گو عدم جواز کی بنا پر یہ نہیں، کہ یہ عقد زہن ہے کیونکہ زید کو اس زہن رکھنے کا کوئی حق نہیں، لیکن تاہم بکر کو اس زمین سے جو انتفاع ہوگا وہ اس قرض ہی کے سبب ہوگا، چنانچہ ظاہر ہے اور تبرع کا احتمال دونوں جگہ غلط ہے چنانچہ یقینی امر ہے کہ اگر ان متعاقدان میں سے ایک کو بھی معلوم ہو جاوے کہ اس نفع رسانی کے عوض میں مجھ کو انتفاع نہ ہوگا تو وہ کبھی اس نفع رسانی پر راضی نہ ہو تو تبرع کیسے ہوا۔ دوسری وجہ اس انتفاع کی حرمت کی وہی ہے جو خود زید کے لئے تھی، یعنی غیر کی چیز سے بلا اذن شرعی منتفع ہونا، غرض بکر کے لئے یہ انتفاع دودجہ سے حرام ہے، ایک مالک کا اذن نہ ہونا، دوسرا مجرور بالقرض ہونا، یکم صفر ۱۳۳۷ھ (تمتہ خامسہ ص ۱۰۵)

حکم صورت زہن مذکورہ سوال | **سوال (۴۸۹)** ایک سول مکان پختہ احمد کا محمود نے سولہ برس کے لئے مبلغ دو ہزار روپے میں مجری کیا ہے، جس کا کرایہ سسہ ماہوار ہے اور شرائط ذیل ہیں نمبر ۱، مرمت شکست و ریخت بدمر راہن ہے، نمبر ۲، قبضہ مرتہبنا نہ دے کر اختیار دیدہ یا ہے کہ چاہے خود رہے یا کرایہ پر اٹھاوے، نمبر ۳، سولہ برس کے اندر بے باقی مقرر پا کر جائیداد مرہونہ فلک زہن ٹھہری ہے، نمبر ۴، صرف پوتائی و صفائی و گل اندازی سقف بدمر متہن ہے۔ نمبر ۵، اگر راہن کوئی جزو جائیداد مرہونہ کا کرایہ پر لے گا تو اس کا کرایہ نامہ با ضابطہ لکھنا چنانچہ جو کرایہ پر اس کو دیا گیا ہے وہ علاوہ سسہ کے ہے اور شرط دفعہ نمبر ۴ کا متحمل راہن کو کر دیا گیا، نمبر ۶، اندر میعاد سولہ سال بلا رضامندی مرتہن اختیار انفکاک زہن ہے، نمبر ۷، شکست و ریخت میں جو روپیہ مرتہن صرف کرے وہ ہم راہن ان ادا کریں گے، اگر نہ ادا کریں تو بعد سولہ سال کے بحساب ما صسہ سال تا بے باقی زر لاگت مرتہن اور قبضہ رکھنے کا مستحق ہوگا۔

محمود کا یہ خیال ہے کہ فی الحال گو مکان کرایہ داران کو کرایہ پر سسہ ماہواری کا اٹھا ہوا ہے، مگر احتمال یہ بھی ہے کہ آئندہ نہ اٹھے، اور خالی رہے، یہ معاملہ سودی نہیں شرعاً جائز ہے

الجواب۔ شریعت میں ربو یعنی سود کچھ زیادہ وصول کرنے ہی کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ ہر عقد باطل و فاسد ربو ہے۔ اور اگر کوئی اپنی اصطلاح میں اس کا نام ربو نہ رکھے تو احکام کا مدار نام پر نہیں ہے، بلکہ حقیقت ہے، اور حرمت صرف ربو کے ساتھ خاص نہیں جو عقد کہ شرائط جواز کا قاعدہ ہو وہ بھی حرام ہے، صورت مسئلہ میں اصل عقد رہن ہے، اور اس کا مقتضا صرف یہ ہے کہ جب راہن زبرد رہن مرتہن کو ادا کر دے، مرتہن اس رہن کو چھوڑے اور اس درمیان میں اس سے جو آمدنی ہوئی ہو وہ مرتہن کے پاس امانت ہے، جسے مرتہن کے ساتھ اس کو بھی واپس کر دے اور ظاہر ہے کہ صورت مسئلہ میں بعض شرائط اس مقتضائے عقد کے خلاف ہیں۔ اس لئے یہ معاملہ حرام ہے گو سود نہ ہو۔

۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ (تمتہ خامسہ ص ۱۵۹)

سوال (۴۹۰) ایک ہندو کی زمین مسلمان کے پاس مزاعت در زمین مرہونہ مملوکہ کافر | **جواب**۔ اب مرتہن سے مزاعت پر لے لی جاوے یا نہ، یہ بھی معلوم ہے کہ نفع یہ شخص ہی اٹھاوے گا۔ بعض علماء کے قول پر ریلح مال الحرب رضاء ولو بعقد فاسد جائز ہے۔

۲۲ رجب ۱۳۳۱ھ (حوادث ۲۰۱ ص ۱۰۶)

کتاب الہیہ

ثبوت ہبہ بقرائن | سوال (۴۹۱) زید نے بلا تصریح و اعلان شرع و دین کے کسی قدر زید عمر و عم حقیقی اپنے کو دیا، کہ ایک نشت گاہ اندر زمین اپنی کے بنا لو، عمر و نے اس روپے سے اپنی زمین مملوکہ میں اپنی خشت سے ایک مکان بنا لیا۔ اب زید وارثان عمر و سے بعد وفات عمر و طالب اس زر کا ہے جو مزدوری مزدوران و معماران میں صرف ہوا ہے پس عند اللہ و عند الرسول استرداد اس روپیہ کا زید کو وارثان عمر و سے آتا ہے یا نہیں؟

الجواب۔ صورت مسئلہ میں زید نے جو عمر و کو روپیہ دیا ہے عند الشرع ہبہ ہے، اگرچہ کوئی تصریح نہیں مگر ظاہر قرینہ ہبہ پر دلالت کرتا ہے اور ہبہ میں قرینہ بھی تملیک کیلئے کافی ہے قلت فقد اذ ان التلفظ بالایجاب والقبول لا یشرط بل تکفی القرائن الدالۃ علی التملیک لکن دفع الی الفقیر شیئاً و قبضہ ولم یتلفظ واحد منهما بشیء انھی درمختار

اور جب پہنچتا ہو گیا اور عمر و وفات پا چکا ہے اب زید کو وارثان عمرو کے کچھ دعویٰ نہیں پہنچتا، اور استرداد اس کا ہرگز جائز نہیں، کیونکہ موت احد المتعاقدين مانع رجوع ہیہ ہے۔ والہیم موت احد المتعاقدين، درمختار با شامی ص ۵۱۶، واللہ اعلم (امداد ج ۳ ص ۹۳) ثبوت ہیہ بقرائن | سوال (۴۹۲) عمرو زید ہر دو ایک مکان مشترک میں رہتے تھے۔ لیکن قبضہ دار مسکن ہر فریق کا جدا گانہ طور پر تھا، حصہ عمرو با اعلان نصفی مکان بحالت بقا و وفات حاکم وقت نیلام ہو گیا زید نے بوقت نیلام روپیہ اس کے نیلام کا عمرو کو بلا تصریح کسی امر کے کہ وہ چچا اس کا حقیقی بھی تھا دیا، کہ وہ نیلام خرید کر لے، عمرو نے وہ مکان اپنے نام پر خرید کر لیا اور تاحیات عمرو کے قبض و تصرف میں رہا اور بعد وفات عمرو اس کے وارثان کے اور اس قسم کے تبرعات زید عمرو کے ساتھ اکثر کرتا رہا۔ اب زید وارثان عمرو سے دعویٰ اس امر کا کرتا ہے کہ مکان میرے روپیہ سے خرید ہے، شرعاً یہ دعویٰ زید کا جائز ہے یا ناجائز اور استرداد اس روپیہ کا زید کو پہنچتا ہے یا نہیں؟

الجواب۔ صورت مسئلہ میں زید نے جو روپیہ عمرو کو واسطے خریدنے نیلام کے دیا، اور عمرو نے اپنے نام پر خریدا۔ اور قبضہ میں عمرو ہی کے رہا۔ پس یہ روپیہ دینا ہیہ ہے۔ اگرچہ تصریح نہیں کی، مگر قرائن ظاہرہ ہیہ پر دلالت کرتے ہیں، اور وہ ملکیت عمرو کی ہے، اور جب عمر مر گیا اب رجوع ہیہ کا نہیں ہو سکتا۔ فقط (امداد ج ۳، ص ۹۹) حصہ خود گذاشتن وارث | سوال (۴۹۳) میت کے تین وارثوں میں سے ایک وارث نے کہا کہ میرا حصہ بقیہ دونوں کو دید و میں خود لے لیا کروں گا، یہ نہیں کہا کہ میں اپنا حصہ چھوڑا، اپنا حصہ میں نہ لوں گا، تو اس طرح کہنے سے بھی یہ تخارج ہو جاوے گا، یا یہ ہیہ ناجائز ہے، وہیہ مشاع ہو جاوے گا؟

الجواب۔ اگر خود ان وارثوں سے کہا کہ میں نے تم کو دیا تو ہیہ ہے۔ اور جو اور کسی سے کہا کہ دید تو یہ تو کیل بالہیہ ہے، بہر حال یہ تخارج نہیں جس کی حقیقت تصالح علی الاقرار ہے جو حکم بیح میں ہے، اور چونکہ ہیہ مشاع کا ہے لہذا جہاں مشاع ہوتا مانع صحت ہو وہاں جائز نہ ہوگا (امداد، ج ۳ ص ۹۳)

بودن روپیہ اشیاء غیر منقسمہ | سوال (۴۹۴) روپیہ اشیاء غیر منقسمہ میں سے ہے یا منقسمہ یعنی دو شخصوں کو ہیہ کرنا درست ہے یا نہ، چونکہ چاندی آجکل ارزاں ہے لہذا روپیہ منقسم

کر دینے سے وہ نفع نہیں رہ سکتا، لہذا یہ بھی غیر منقسم ہوئے لیکن اگر چاندی گراں ہو جائے تو کیا اس وقت حکم بدل جاوے گا؟

الجواب۔ روپیہ اشیاء منقسمہ میں سے ہے خواہ چاندی ارزاں ہو یا گراں کیونکہ اس کا نفع موضوع رہ باقی نہیں رہتا، وہو المراد ببقا، نفعہ وعدمہ، درمختار میں جزء یہ مذکور ہے (فرع) قبیل باب الرجوع فی الہبۃ وھب الرجلین درھمان صحیحاً صحواً مغشوشاً لاندہما بقسم لکونہ فی حکم العروض فقط والشاغل، (امداد ج ۳، ص ۹۳)

تحقیق قرائن ہبہ زوجہ را | سوال (۴۹۵) زید ملازم پادشاہ وقت تھا، جب اس کو تنخواہ ملتی تھی وہ سب کی سب لاکر اپنی بیوی ہندہ کو حوالہ کر دیتا تھا، اور ہندہ جو چاہتی تھی وہ کرتی تھی وہ اصلاً پرماں نہیں ہوتا تھا بلکہ حالت یہ تھی کہ زید کو اگر آئے دو آنہ یا روپیہ دو روپیہ یا کچھ کم و بیش کی حاجت ہوتی تھی تو ہندہ سے مانگتا تھا، اگر ہندہ نے دیدیا تو خرچ کیا، ورنہ چپ ہو رہتا تھا، پس اسی تنخواہ کے روپے سے ہندہ نے زید کی حیات میں جائیداد اپنے نام سے خریدی اور وقت خرید سے اس وقت تک وہی اس پر قابض ہو، اور زید نے اس سے اصلاً تعرض نہیں کیا، اب عرصہ چار پانچ سال کا ہوتا ہے کہ زید انتقال کر گیا، پس یہ جائیداد علی مافی الشامی وغیرہ ہبہ میں صرف قرائن والہ علی التملیک کے بھی کافی ہونے کی وجہ سے ہندہ کی قرار پاوے گی یا زید ہی کی سمجھی جا کر اس کے کل ورثہ اس میں حصہ پاویں گے۔

الجواب۔ ہر چند ہبہ قرائن سے ثابت ہو جاتا ہے لیکن صورت مسئلہ میں اسی میں کلام ہے کہ یہاں قرائن ہبہ کے ہیں یا نہیں، سو جہاں تک غور و تامل کیا گیا یہ دینا ہبہ نہیں معلوم ہوتا بلکہ بی بی کو محض تحویلدار سمجھتے ہیں، اور محض اس وجہ سے سب کماٹی سپرد کر دیتے ہیں کہ اس کو امور خانہ داری میں تجربہ کار سمجھتے ہیں تو اس کو دیدینا ایک گونہ انتظام کی سہولت سمجھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جو عورتیں سلیقہ شعار نہیں سمجھی جاتیں ان کو اس طرح کے اختیارات نہیں دیے جاتے اسی طرح اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ اپنے رشتہ دار کو دیتی ہے، تو یقیناً شوہر ناخوش ہوتا ہے ان سب قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہبہ نہیں محض توکیل دیا جا رہا ہے، رہا نہ پوچھنا اور تعرض نہ کرنا یہ اس وجہ سے نہیں کہ اس کو مالک کر دیا ہے، بلکہ اس وجہ سے ہے کہ روجہ پر اعتماد ہے کہ بے موقع صرف نہ کرے گی، بہر حال روپیہ بچا ہوا تو شوہر ہی کی ہلک ہوگا، جب اس نے جائیداد خریدی گو یا مضمون روپے سے خریدی۔ لہذا جائیداد زوجہ کی ملک

ہوگی اور یہ روپیہ ترکہ زوجہ سے وصول کر کے سب ورثہ زید کو تقسیم ہوگا، جس میں خود زوجہ بھی داخل ہے، پس بقدر اس کے حصہ کے ساقط ہو جاوے گا، بقیہ روپیہ بقیہ ورثہ کے لئے وصول کیا جاوے گا۔ البتہ اگر شوہر کو یقیناً یہ معلوم ہو کہ یہ میرے ہی روپے سے خریدی گئی ہے اور بی نے اپنے ہی لئے خریدی ہے، اس میں میرا کوئی حق نہیں، یہ سکوت البتہ دلیل ہیہ کی ہے، مگر جب تک یہ احتمال باقی ہو کہ شاید شوہر کو اس کی اطلاع نہ ہو کہ یہ میرے روپے سے خریدی گئی ہے، یا یہ کہ اطلاع ہو مگر اس نے یہ سمجھا ہو کہ گوا اپنے نام خرید لی ہے مگر اس کو میری ہی سمجھتی ہے اور میرے بعد میرے ورثہ کو محروم نہ کرے گی، یا اس لئے وہ خاموش ہو گیا ہو کہ اس کے نام ہونے سے جائداد محفوظ رہے گی، میرے پاس شاید کوئی نیلام قرضہ میں کرالیوے تو ان احتمالات سے ہیہ ثابت نہ ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ جب تک مجموعہ قرائن کی تفتیش و تعین نہ ہو حکم ہیہ کا مشکل ہے، واللہ اعلم

۲۷ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ (امداد ج ۳ ص ۹۴)

سوال (۴۹۶) زلیور صرف کردن زوجہ ب عبارت زوج | بروقت تعمیر اور مکان تیار ہونے کے بعد حاجی صاحب مرحوم نے بہت دفعہ کہا کہ یہ مکان مسماۃ زوجہ ثانیہ کے لئے بنوایا گیا ہے، اور اسی وجہ سے چار سو روپیہ کا زیور مسماۃ مذکور کا حاجی صاحب نے فروخت کر کے اس میں لگایا، آیا اس مکان میں میراث جاری ہوگی یا اور سب وارثوں میں تقسیم ہوگا یا مسماۃ کا ہوگا؟

الجواب: اگر اس کو ہیہ مان لیا جاوے تو ہیہ اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب ہیہ کر فیوالا بالکل اس مکان کو اپنی چیزوں سے خالی کر کے موہوب لہا کو قبضہ کرادے، اگر ایسا ہوا ہے تو بعد اقامت شہود ہیہ صحیح ہوگا ورنہ نہیں۔ فی الدر المختار وتتم الہیہ بالقبض الكامل ولو الموهوب شلاً بملك الواهب لا مشغولاً بملی قولہ فلو وهب جراً یا فیہ طعام الواهب اود اراقہا متاع اود ابة علیہا سرجہ وسلمہا کذا لک لا تصح وبعکسہ تصح اہ اور زلیور اس میں لگانا غایۃ مافی الباب قرینہ ہیہ کا ہوگا، مگر ہیہ میں جو شرط ہے وہ دیکھنے کے قابل ہے، جیسا اوپر بیان ہوا پس جب تک ہیہ صحیح نہ ہوگا وہ زلیور بطور احسان زوجہ کی طرف سے سمجھا جاوے گا، فقط واللہ اعلم (امداد ج ۳، ص ۹۵)

سوال (۴۹۷) تفصیل بعضے اولاد در عطا | کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع اس مسئلہ میں کہ زید کی اولاد میں چند لڑکے اور لڑکیاں ہیں، ان میں سے کبیرین اولاد کی تعلیم اور شادی

وغیرہ میں حسب لیاقت روپیہ صرف کر چکا ہے اور صغیر سن اولاد کی نہ تعلیم ہوئی ہے اور نہ شادی اب زید اپنے بڑھاپے کی وجہ سے اپنی حیات میں ورثہ کو شرعی طور پر مال و اسباب تقسیم کرنا چاہتا ہے تو دریافت طلبتہ امر ہے کہ صغیر سن اولاد کی تعلیم اور شادی وغیرہ کا صرف ان کو مثل اولاد کبیر سن کے علاوہ ترکہ کے شرعاً دے سکتا ہے یا نہیں، بینوا تو جبروا۔

الجواب فی الدر المختار قبیل باب الرجوع فی الہبۃ عن الخانیۃ کلابا من تفضل بعض الاولاد فی المحبۃ لانہا عمل لقلب وکذا فی العطا یا ان لو یقصد بہ الاضرار وان قصده سوی بینہم یعلی البنت کالابن عند الشافعی وعلیہ الفتویٰ فی ردالمحتار ای علی قول ابی یوسف من ان التنصیف بین الذکر والانثی افضل من التثلیث الذی ہو قول محمد رملی، چونکہ صورت مسئلہ میں بعض اولاد کو بغرض شادی و تعلیم کے زیادہ دینے سے مقصود دوسری اولاد کو ضرر پہنچانا نہیں، بلکہ ایک ضرورت و مصلحت سے زیادہ دیتا ہے، بنا بر روایت بالا اس میں کچھ حرج نہیں، اس زائد کے علاوہ اور جو کچھ ترکہ ہو سب اولاد ذکر و اناث کو برابر تقسیم کر دینا چاہئے لیکن صحت تقسیم کے لئے ہر حصہ کا جدا کرنا اور بالغین کا قبضہ بھی کرادینا ضروری ہے، اور آخر میں جو پوچھا ہے کہ جن کی حفاظت میں الح، ان سے مراد اجنبی ہے یا وارث اس وقت جواب ہو سکتا ہے، واللہ اعلم، ہم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ (امداد، ج ۳، ص ۹۵) نقض بعض اولاد بر بعض در عطایا **سوال** (۴۹۸) ہم زید میخواید کہ متولی اول را از کار و بار خود نصف عطا سازند و دیگران را نصف پس ہمیں غیر تعدیل میان اولاد ذکر و خود را عطا جائز است یا نہ واضح باد کہ فرق میان متولی اول و متولی دیگر این قدر است کہ متولی اول از دیگران در کار تجارت فی الحال ہمارے دارد؟

الجواب۔ حکمش در نمبر ۴۲۵ یعنی جلد دوم ص ۵۲۵ گذشت و ایضا فی الدر المختار و یقسم بینہم بالسوبۃ ان لم یرتب البطون وان قال للذکر کانشیین فکما قال مع ردالمحتار ۳۶ ص ۴۹ ہر گاہ بلا تفاوت فی العمل تفاوت در صلہ نافذست پس مع التفاوت فی العمل بدرجہ اولیٰ نافذ باشد، محرم ۱۳۳۲ھ دتمہ ثانیہ، ص ۱۰۹

سوال (۴۹۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ محروم کردن بعض را ایک عورت کی کوئی جائداد مملوکہ بلا شرکت غیرے ترکہ مادری یا پدری سے ہے اور اس عورت کے ایک پسر و دختر موجود ہیں، اگر وہ عورت بحالت صحت و رضا و رغبت

۱۔ کیونکہ مرض الموت میں کسی وارث کو نہیں دے سکتا اور اجنبی کو ثلث سے زائد نہیں دے سکتا ۲۔ منہ

اپنی کل جائداد اپنی دختروں کو ہبہ کر دے۔ اور بوجہ ناراضی کے پسر کو بے حق کر دے اور کچھ نہ دے، اہل پسر صاحب جائداد بھی ہے تو آیا شرعاً اس امر کا اختیار رکھتی ہے یا نہیں اور وہ پسر دعویٰ دار ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب۔ وہ عورت اختیار رکھتی ہے کہ اپنی زندگی میں بحالت صحت کل جائداد اپنی دختروں کو ہبہ کر دے۔ اور پسر کو کچھ نہ دے، پسر کو کچھ دعویٰ نہیں پہنچتا، باقی گناہ ہونا نہ ہونا دوسری بات ہے، اگر کسی وجہ شرعی سے مثل نافرمانی و ایذا رسانی و فسق و ظلم وغیرہ پسر کو بے حق کیا ہے گناہ بھی نہ ہوگا، اگر بے وجہ کیا تو گناہ ہوگا، مگر حاکم دونوں صورتوں میں اس تصرف کو جائز و نافذ رکھے گا۔ رجل دهب فی صحۃ کل المال للولد جاز فی القضاء و یكون اشما فیما صنع کذا فی فتاویٰ قاضیخان دان کان فی ولدہ فاسق لا ینبغی ان یعطیه اکثر من قوتہ کیلا یصیر معینا فی المعصیۃ کذا فی خزائن المفتین ولو کان ولدہ فاسقا و اراد ان یشرف مالہ الی وجہ الخیر و یحرم عن المیراث ہذا خیر من ترکہ کذا فی الخلاصۃ عالمگیری نو لکثوری ج ۳ ص ۱۰۶۲، ۱۰۶۵، والشاعلم، فقط، ۳ ص ۱۰۶۲، (امداد ج ۳ ص ۹۹)

سوال (۵۵۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و توقف صحت ہبہ برقبضہ و شرائط رجوع درہبہ؟
مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمیٰ زید نے مسمیٰ خویلد کو اپنے مال کا ہبہ کیا اور اس کی تحریر بھی کر دی ہے لیکن تحریر ہبہ نامہ میں مال و اسباب و جائداد منقولہ و غیر منقولہ کا مفصل ذکر نہیں کیا بلکہ صرف لفظ کل مال و زیور و برتن کا تحریر ہے، اس زیور و برتن سے قدرے مال خویلد کے پاس ہے، باقی کل مال و اسباب و جائداد منقولہ و غیر منقولہ زید کے قبضہ میں ہے اور مکان میں بھی اب تک زید ہی رہتا ہے۔ اب زید اس ہبہ سے رجوع کر کے اپنا مال جو خویلد کے پاس ہے واپس لینا چاہتا ہے آیا زید کا اس ہبہ کی طرف رجوع کرنا درست ہے یا نہیں بموجب حکم شرع شریف مفصل تحریر فرماویں، بینوا تو جروا؟

الجواب۔ جس قدر خویلد کے پاس اس کا ہبہ صحیح ہو گیا، اور جس قدر زید کے قبضہ میں ہے اس کا ہبہ صحیح نہیں ہوا، اور جس کا ہبہ صحیح ہو چکا اس کا رجوع کرنا اس وقت درست ہے کہ مولع رجوع بھی نہ پائے جاوے اور خویلد بھی رضامند ہو جاوے یا کوئی حاکم دلاوے اور اگر نہ حکم حاکم ہوا اور نہ خویلد واپس کرنے پر راضی ہو تو زید کو رجوع کرنا حرام ہے، اور اگر اس طرح رجوع

کرے گا غاصب ہوگا، فی الہدایۃ ولا یصح الرجوع الالبتر اضیمہما اوجکملہما
قال العینی لو استردھا بغير قضاء ولا قضاء کان غاصبا فلو هلك فی یدک یضمن
قیمۃ للہوضوب لہ واللہ اعلم، ۸ رمضان ۱۳۳۵ھ (امداد ج ۳، ص ۹۶)

دلیل خفیہ در مانعیت محرمیت از رجوع ہے | سوال (۵۰۱) جاء فی الحدیث قال رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اھب الحق بھبۃ ما لم یثب منھا کذا فی القسط لان
پس امام صاحب کے نزدیک قرابت محرمیہ میں رجوع کس دلیل سے جائز نہیں؟
الجواب، وہ دلیل یہ ہے قال علیہ السلام اذ كانت الھبۃ لذی رحم
محموم لم یرجع منھا رواہ البیہقی والدارقطنی فی سننہما والحاکم فی المستدرک
کذا فی حاشیۃ الھدایۃ عن علی القاری شرح نقایہ،

۱۴ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (امداد ج ۳، ص ۹۷)

دفع تعارض در عبارات فقہیہ در اسقاط | سوال (۵۰۲) اوصی لرجل بثلث مال و
وارث حق خود را مع بعض احکام ہبہ
مات الموصی فصالح الوارث من الثلث بالسدس
جاز الصلح و ذکر یجتمل السقوط بالاسقاط الخ شاعی جلد ۴ کتاب الصلح فی
التخارج قول اول اشباہ والنظائر میں ہے جس کا حوالہ قول مذکور میں دیا ہے ولو قال
الوارث ترک حق لم یبطل حقہ اذ الملك لا یبطل بالترك ص ۵۶، مطبوعہ مکتبۃ اس کی
شرح حموی میں ہے۔ اعلیٰ ان الاعراض عن الملك ضابطۃ انہ ان کان ملکا لازما لہ
یبطل بذلک کما لو مات عن ابنین فقال احدھما ترک نصیبی عن المیراث لم یبطل
لانہ لازمہ لا یتروک بل ان کان عینا فلا ید من التملیک وان کان دینا فلا ید من الالباء
بظاہر دونوں عبارتوں میں تعارض ہے، تعجب یہ ہے کہ شامی نے خود اشباہ کا حوالہ دیا ہے۔
جو اس کے خلاف ہے، قیاس کے مطابق قول اشباہ معلوم ہوتا ہے۔ البتہ یہ کہ جب تکملیک
ہے تو چونکہ تملیک مجاز ہے۔ اس لئے ہبہ میں داخل ہونا چاہئے، اور شرائط مثل قبض و عدم
شیوع شرط ہوگا، البتہ اگر وہ شے قابل تقسیم نہ ہو تو بظاہر ہبہ صحیح ہونا چاہئے۔ شبہ یہ ہے
کہ اگر متروک میت میں سے ایک ایک چیز مختلف جنس سے ہے، مثلاً ایک الماری ہے،
ایک کرسی ہے، یا اور کوئی چیز جس کو ملا کر تقسیم کئے جانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، اور ہر چیز کو
علیحدہ علیحدہ تقسیم کرنے سے وہ شے منتفع بہ نہیں رہتی ایسی چیز اگر ایک وارث دوسرے کو ہبہ کرے

تویہ ہیہ صحیح ہو گیا یا نہیں، ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ صحیح ہو جاوے کیونکہ مثلاً اس کا الماری میں علیحدہ حصہ ہے، اور وہ بھی قابل تقسیم نہیں، پس شیوع مانع صحت ہیہ نہ ہوا، علیحدہ کرسی کرسی میں علیحدہ حصہ ہے، اور وہ بھی قابل تقسیم نہیں، اگر یہ تمام باتیں صحیح ہیں تو پھر یہ اور جواب طلب ہے، کہ کتبہائے مختلفہ خواہ ایک فن کی ہوں مثلاً شرح وقایہ، ہدایہ، یا مختلف فن کی ہوں ان کا کیا حکم ہے، مثلاً ایک مولوی نے انتقال کیا اور اپنا کتب خانہ چھوڑا، تمام ورثہ نے اپنا اپنا حصہ خاص ایک وارث کو دے ڈالا۔ تو یہ ہیہ بطریق سابق صحیح ہو سکتا ہے اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر کتاب میں تمام ورثہ کا حصہ ہے، اور چونکہ ہر کتاب علیحدہ قابل تقسیم نہیں، اس لئے وہ ہیہ صحیح ہو گیا، البتہ اگر کتاب کے دو نسخے ہوں تو صحیح نہ ہو، کیونکہ قابل تقسیم ہے، اور آیا عدم صحت ہیہ جب کہ کتاب کے دو نسخے ہوں اسی وقت ہوگا جبکہ دو وارث ہوں، اور زائد ہونے سے پھر یہ کہا جاسکتا ہے کہ کتابیں صرف دو ہیں، اس لئے قابل تقسیم نہیں، یا کہ تمام کتابوں کو ایک ساتھ شامل کر کے سب کو ایک نوع قرار دیدیا جاوے اور ہر صورت میں ہیہ صحیح نہ ہوگا۔ اس مسئلہ کی نسبت بڑا تردد، اور پریشانی ہے، توضیح کی وجہ سے تطویل ہو گئی؟

الجواب، میرے نزدیک دونوں میں تعارض نہیں، کیونکہ لم یطبل حقہ الخ اس صورت میں ہے جب بالکل دست بردار ہو جاوے، جیسے ہندی بہنیں اپنا حق بھائیوں سے نہیں لیتیں اور محتمل السقوط اس صورت میں ہے کہ جب اپنے حق سے کم پر صلح کرے چنانچہ جازا صلح کی دلیل میں بیان کرنا اس کا قرینہ ہے، اور حاجت بیان یہ ہے کہ اپنے حق سے کم پر صلح کرنے کا جواز مخصوص معلوم ہوتا ہے دین کے ساتھ، اور یہاں صلح عن لعین، پس محتمل تھا عدم جواز کو اس لئے تصریح کر دی، اب تدافع نہ رہا اور حین امور کو لکھ کر اپنے لکھا ہے کہ اگر یہ تمام باتیں صحیح ہیں الخ سو واقع میں یہ سب باتیں صحیح ہیں اور ظاہر یہی ہے کہ کتب مختلفہ اجناس مختلفہ ہیں۔ اور ایک کتاب کے مختلف نسخے جنس واحد کے مختلف افراد ہیں، مگر جب وارث زیادہ ہوں اور نسخے کم ہوں تو مجموعہ قابل تقسیم نہ ہوگا، واللہ اعلم، ۱۰ رجب ۱۳۲۵ھ (امداد، ج ۳، ص ۹۸)

ردہ ہیہ یا عاریت | سوال (۵۰۳) زید کو ایک دربارے تعلق تھا، اس کے صلہ خدمت میں وہاں سے بطور راضی وغیرہ کے بہت کچھ العمام بلا۔ بعد اذن آقا و نوکر کے درمیان میں

مخالفت واقع ہوئی، پس آقائے جو کچھ دیا تھا واپس لے لیا، زید بھی ناخوش ہو کر دوسری جگہ چلا گیا۔ بعد مدت دراز کے اولاد زید سے دولہ کے پھر اسی بستی میں گئے، اور اسی سرکار میں لوکر ہوئے، اور منجملہ عطیہ مذکورہ پھر ان کو دیا گیا اب اس میں باقی زید کی اولاد شریک ہو سکتی ہے یا نہیں، اور یہ ہبہ جدید ہے یا قدیم، بعد اس کے سرکار کی عادت یوں ہی رہی کہ دو چار برس کے لئے وہ زمین چھوڑ دیا کرتی، پھر ضبط کر لیا کرتی اور پھر مہینہ دو مہینہ بعد چھوڑ دیتی، آخر کاریہ بات ہوئی کہ ان دونوں بھائیوں میں سے ایک بھائی کی تنخواہ میں لکھدی، اب اس کا مالک کن ہو؟

الجواب، اگر آقائے زید کو بطور عاریت اراضی مذکور دی تھی تو استرداد جائز ہے۔

لقولہ عم العاریۃ موداة والمنحة مودودة رواہ الترمذی اور اگر بطور ہبہ دی تھی، جو بعد وجود شرائط جواز ہبہ بحکم حاکم یا رضائے زید استرداد جائز ہے، اگرچہ مکروہ تحریمی ہے، اور بلا حکم حاکم یا بلا رضائے زید استرداد ناجائز، ولایصح الرجوع الا بتراضیہما او بحکم الحاكم للاختلاف فیہ در مختار، اور کوئی یہ وہم نہ کرے کہ آقائے واہب اگر خود حاکم ہے، تو رجوع بحکم حاکم پایا گیا، کیونکہ حکم حاکم کا اس کے نفع کے لئے نافذ نہیں ہوتا۔ و فیہا لا یقضی القاضی لنفسہ ولولده در مختار، البتہ اگر واسطے حکم کے کسی کو نائب کر کے اس سے فیصلہ کراتا، تو نافذ ہو جاتا، اذ وقع للقاضی حادثۃ اولولده فانا ب غیوہ نقضی نائب القاضی لہ اولولده جاذقضاءہ در مختار علیٰ ہذا القیاس زید کے دولہ کوں کو جو دیا گیا، اس میں بھی یہی تفصیل ہے، اگر عاریتہ دیا تو استرداد جائز اور اگر ہبہ بدون تقسیم دیا تب بھی استرداد جائز، کیونکہ ہبہ غیر مقسوم کا صحیح نہیں، و ہب اثنتان دار الواحد صح و بقلبہ لکبیرین کا در مختار البتہ اگر وہ دونوں محتاج ہوں تو بدون تقسیم بھی صحیح ہے۔ قولہ لکبیرین ای غیر فقیہین والا کانت صدقة فتصح شامی اور اگر بجد تقسیم دیا تو بحکم حاکم یا برضا ہر دو شخص استرداد جائز ورنہ ناجائز، پس صدقہ ہائے مذکورہ میں سے جس صورت میں زید سے استرداد جائز نہیں، اس صورت میں اگر زید زندہ ہے تو ورنہ اس کے ورثہ مالک اس کے علی قدر الحصاص الشرعیہ ہوں گے، نہ تخصص ہر دو پسران کی نہ اس کی جس کی تنخواہ میں لکھدیا اور جس صورت میں زید سے استرداد جائز تھا لیکن ان لوں کوں سے جائز نہ تھا اس صورت میں وہی دونوں

۱۔ اگر حکومت مسلمہ میں ایسا ہوا تو تفصیل ہوگی اور اگر حکومت غیر مسلمہ تھی تو استیلا، کافر کی وجہ سے بہر حال استرداد صحیح ہوگا ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

مالک ہیں نہ ورثہ زید کے مستحق ہیں نہ وہ خاص جس کی تنخواہ میں لکھ دیا، اور جس صورت میں ان سے بھی استرداد جائز ہے اس صورت میں صرف وہی مالک ہے جس کی تنخواہ میں لکھ دیا گیا والٹر اعلم، ۸ صفر ۱۳۳۵ھ (امداد، ج ۳، ص ۱۰۰)

سوال (۵۰۴) زید نے عمرو کی ایک چیز چرائی اور بکر کو ہبہ دیدی اور مال مسروقہ ہو گیا۔ بکر نے خالد کو ہبہ کر دی اب معلوم ہوا کہ زید نے چوری کی تھی اس حالت میں شے مسروق کا ادا کرنا کس کے ذمہ واجب ہوگا۔

الجواب۔ جس کے پاس اب ہے اس پر رد واجب ہے اور اگر اس کو خبر نہ ہو تو جس کو خبر ہو اس پر خبر کرنا واجب ہے اور اگر اس صاحب خبر کو ہبہ میں بھی دخل ہے تو اس پر استخلاص و استرداد میں بھی سہمی واجب ہے۔

سوال (۵۰۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مادر حقیقی نے اپنی ایک دختر کو کل جائداد ازان خاص منقولہ اور غیر منقولہ بمقابلہ اعوار و اقرباء کے جمع کر کے ہبہ کر دیا اور بعض جائداد اس میں جو منقولہ تھی جیسے ڈگری عدالت وغیرہ اس کے کاغذات سپرد ہو ہو ب لہ کے کر دیئے گئے، اور بہ نسبت جائداد غیر منقولہ جیسے حصص دیہات وغیرہ اس کی تحصیل پندہ برآمدنی اور ادائے مالگذاری سرکار وغیرہ کا رضوری متعلق زمینداری سپرد ہو ہو ب لہ کر دیا گیا، اور اجازت عام دیدی، کہ تم جانو اور یہ جائداد جو شے ہو ہو ب لہ ہے جانے میں تم کو دے چکی تو ایسی ہبہ لسانی شرعاً جائز ہے کہ نہیں، اور ہو ہو ب لہ نے ہو ہو ب کو قبول کیا۔

الجواب۔ روپیہ کا ہبہ محض کاغذات کے دینے سے صحیح نہیں ہوا۔ کیونکہ ہو ہو ب کا موجود ہونا ضروری ہے، تم لیک الین، بلکہ اس کو روپیہ وصول کر کے مالک ہو جانے کی اجازت دی ہے، پس یہ توکیل بالاقضاء ہے، پس اگر قبل معزول ہونے کے روپیہ وصول کر کے اس پر قبضہ کرتی جاوے تو مالک ہو جاوے گی، اور بعد عزل مالک نہ ہوگی، اور معزول ہونے کی کئی صورتیں ہیں مغلہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ وہ مؤکلہ معزول کر دے یا مؤکلہ مر جاوے۔ ان دونوں صورتوں میں وہ وکیلہ معزول ہو جاوے گی، اور وصول کرنے کی مجاز نہیں بلکہ سب ورثہ اپنے حصص میں برابر استحقاق رکھتے ہیں۔ واما تم لیک الدین من غیر من علیہ الدین فان امرہ بقبضہ صحت در مختار ای یکون وکیلہ عند فیہ ۱۲ شامی فہمؤکل العزل متی شاء ۱۲ وینعزل بموت احدھما ۱۲ یہ جب ہے کہ حالت

صحت و اہبہ میں وصول کر کے قبضہ کر لیا ہو، اور اگر واہبہ کے مرض الموت میں یا بعد الموت قبضہ کر لیا تو بدون اجازت وراثہ صحیح نہ ہوگا، و بیطل اقرار و وصیت و ہبتہ لابنہ کافرا ان اسلحہ، اور دیگر اشیاء موجودہ منقولہ یا غیر منقولہ جو ہبہ کی میں اس میں دیکھنا چاہئے کہ یہ لڑکی صغیرہ یا بالغہ ہے یا کبیرہ بالغہ، اگر نا بالغہ ہے تو دیکھنا چاہئے کہ کس کی تربیت میں ہے۔ اگر باپ دادا یا ان کا وصی موجود نہیں، یا موجود ہے لیکن سفر میں ہے اور بالفعل ماں کی ولایت میں ہے تب تو محض زبانی کہہ دینے سے ہبہ صحیح ہو گیا۔ اور اگر بالغہ ہے یا نا بالغہ ہے لیکن باپ دادا یا وصی موجود ہے تب یہ ہبہ زبانی کہہ دینے سے تام نہ ہوگا، تا وقتیکہ قبضہ باپ دادا کا یا لڑکی یا اس کے نائب کا نہ ہو۔ و ہبتہ من لہ و ولایتہ علی الطفل فی الحملۃ تم العقد ۱۲ وان ذهب لہ اجنبی یتول بقبض ولیہ و هو احد اربعة الاب ثم وصیہ ثلثا لجد ثلثا وصیہ وان لم یکن فی جھود و عند عدلہم ولو بالغیبتہ للنقطۃ یتول بقبض من یعولہ اور جس صورت میں ماں کا قبضہ کافی نہیں اس میں یہ بھی شرط ہے، کہ جو چیز قابل تقسیم ہو اس کو جدا کر کے اس کو یا اس کے ولی نائب کو قابض کر دے۔ اور قبضہ محض حساب و کتاب دینے سے نہیں ہوتا تا وقتیکہ تسلط تام نہ ہو جس کو عرف و قانون میں دخیلانی کہتے ہیں و تتحرر الہبتہ بالقبض الكامل و کل الموهوب لہ لرجلین لقبض الدار فقضاہا جازۃ خانیتہ، جو چیزیں قابل تقسیم نہیں اس میں اشتراک و اشاعہ مضر نہیں فی محوہ مقسوم و مشاع لا یقسم ولا یتما یقسم ولولشہر یکہ والروایات کلہا من الدر المنقار واللہ اعلم، فقط

(امداد ج ۳، ص ۱۰۱)

داخل خارج سبب ہبہ ہے یا نہیں | سوال (۵۰۶) بی بی کا قبضہ بحیثیت داخل خارج کا غذات سرکاری میں ہو گیا، اور اس کی بی بی وصول تحصیل لگان کرتی ہے۔

الجواب۔ اگر قرائن سے معلوم ہو کہ خاوند کو یہ جائیداد بی بی کو دیتا ہی

مقصود ہے تو یہ ہبہ ہو گیا، ۱۴ شعبان ۱۳۳۳ھ (تمہ اولیٰ ص ۱۹۳)

وقت ہبہ موصوب کا مشاع ہونا | سوال (۵۰۷) جائیداد وقت تحریر بیعنامہ کے اور بعد میں تقسیم ہو جانا، | مشترک تھی، لیکن بعد میں تقسیم ہو کر جدا گانہ محال ہو گیا۔

الجواب۔ اگر اس تقسیم کے بعد بی بی کے قبضہ پر خاوند راضی ہے تو ہبہ تام ہو گیا،

۱۴ شعبان ۱۳۳۳ھ (تمہ اولیٰ ص ۱۹۳)

تمتہ سوال بالا | سوال تہتمہ سوال بالا (۵۰۸) اور اس جائداد کی آمدنی خاوند کے پاس رہتی ہے، بلا اجازت بی بی کے خرچ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب، نہیں۔ ۴ شعبان ۱۳۳۳ھ رتمہ اولیٰ ص ۱۹۳

سوال (۵۰۹) زوج اگر اپنی زوجہ کو زیور نقدی یا طلائی و عدم تصریح مالک نمودن اور حکم اعطاء زوج زیور را بر زوجہ خود دے اور اس کی تصریح نہ کرے کہ یہ زوجہ کی ملک ہے تو بعد انتقال زوج آیا وہ زیور کل متروکہ میں شمار کیے سب ورطہ کو بقدر حصہ شرعی ملیگا، یا خاص زوجہ کا ہی مملوک سمجھا جائے گا بعد انتقال شوہر زوجہ کہتی ہے کہ شوہر نے میری ملک کر دیا تھا، اور دیگر ورثہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر نہیں، تو قول زوجہ معتبر ہوگا یا نہیں؟

الجواب ہمہ قرائن سے ثابت ہوتا ہے، اگر ایسے قرائن موجود ہوں زوجہ کی ملک ہے، ورنہ متوفی کا، اور بعد وفات زوج اگر زوجہ ملک کا دعویٰ کرے اس سے ثبوت کا مطالبہ ہوگا، اگر کافی ثبوت نہ ہو تو ورثہ سے عین علی السلم لی جاوے یعنی یہ قسم کھاویں کہ ہم کو علم نہیں کہ متوفی نے زوجہ کی ملک کیا ہو، ۴ رمضان ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۰۰) زمین موہوبہ بالعوض میں واجب کا یہ شرط کرنا کہ اگر تم اس کو فروخت کرو تو چوتھائی قیمت مجھ کو دینا پڑے گی شخص امیر کبیر لقب اس کا جو فرنگنگ ہے، اور اس کے ماتحت چند گاؤں ہیں۔ سرکار عالی یعنی انگریزوں نے اس کو اس دیہات کا والی و مالک بنا دیا، اور یہ بھی کاغذ میں رجسٹری کر دیا کہ ہر سال میں اتنا روپیہ خزانہ سرکار عالی میں لینی انگریزوں کو دینا پڑے گا۔ اور یہ دیہات جو تمہارے تحت میں ہے اس کو بھی تم بیع و فروخت کرنے کے مختار ہو یعنی اگر کسی کو بیچ ڈالو گے۔ سرکار انگریزی اس سے مانع نہیں ہے، اور جس کو فروخت کرو گے اس کو بھی میرے یہ سب حکم ماننے پڑیں گے۔ اور تمہارے مرنے کے بعد تمہاری اولاد کے لئے بھی یہ حکم جاری ہے، یعنی وہ بھی اس کو بیع و فروخت کرنے کے مختار ہیں۔ لیکن تیس برس بعد سرکار انگریزی کی طرف سے جو حکم صادر ہوگا ماننا پڑے گا۔ یعنی اگر خراج وغیرہ افزود ہو جاوے اس کا حکم مان لینا پڑے گا۔ پس جو فرنگنگ مذکورہ عیت کو جو اس کے زیر حکومت ہے، ایک کاغذ چند روپیہ نذرانہ لے کر چند بگیکہ زمین دیتے ہیں اور یہ لکھ دیتے ہیں کہ فلاں طرف کی

فلاں زمین مثلاً چار بیگہ زمین تم کو دیا، بشرطیکہ فی سال فی بیگہ للہم خرّاج دینا پڑے گا اور اس زمین کو صدقہ وہبہ اور بیع و فروخت کرنے کے بھی تم با اختیار ہو۔ اور تمہارے مرنے کے بعد تمہارے وارثوں کو بھی اس کا اختیار ہے۔ لیکن جو زمین تمہارے تصرف میں ہے اس کو اگر فروخت کرو گے اس کا چوتھائی قیمت مجھے دینا پڑے گا۔ یعنی اگر سو روپے کی زمین فروخت کرو گے پچیس روپے مجھے دینا ہوگا اور جس کو فروخت کرو گے اس کو بھی فی بیگہ تمہارے حساب سے خرّاج دینا پڑے گا۔ اور سرکار انگریز جو حکم تیس برس کے بعد کرے گا، تم اور ہم دونوں کو اس کا حکم بجالانا پڑے گا، پس رعیت کو اس زمین کا مالک کہا جائے گا یا نہیں، اور اگر جو فرنگ گنگ مذکور نے کسی رعیت سے جبراً زمین چھین کر دوسری رعیت کو نذرانہ لے کر زمین دیدی تو رعیت اول اس زمین کا مالک ہوگا یا رعیت ثانی اور کس کو ان دونوں میں سے اس زمین میں تصرف کرنا جائز ہوگا اور کس کو نہیں۔ اور دوسرے شرع شریف کے؟ باوجود کہ سرکار انگریز میں ایک رعیت سے چھین کر دوسری اور کسی رعیت کو دینے سے یا جو فرنگ گنگ کو خود اس زمین میں تصرف کرنے سے منع ہے۔

الجواب۔ فی رد المحتار عن غایۃ البیان قال اصحابنا ان العوض الذی یسقط بہ الوجوع ما شرط فی العقد الی قولہ ولیس کذلک اذا شرط فی العقد لانه یوجب ان یصلح کو العقد حکم المیع ویتعلق بہ الشفعۃ ویرد بالعیب الخ ص ۹۹

چونکہ جو فرنگ گنگ کو جو سرکار سے ملا ہے وہ تو بوجہ ہبہ صحیح کے اس کی ملک ہو گیا، کما ہو ظاہر آگے جو فرنگ گنگ نے بشرائط مذکور کسی اور کو دیا ہے ظاہر صیغہ سے یہ ہبہ بالعوض معلوم ہوتا ہے اور ہبہ بالعوض حکم بیع میں ہے، جیسا روایت مذکورہ سے ثابت ہوا، اور اگر بیع ان شرائط سے ہو وہ فاسد ہے، اور بیع فاسد میں جیسا فقہار نے تصریح کی ہے۔

قیمت متعارفہ واجب ہوتی ہے۔

نیز بیع فاسد میں مشتری اگر قبضہ کرے مالک ہو جاتا ہے، نیز بیع فاسد میں اگر مشتری نے اس کو کسی اور شخص کے ہاتھ بیع صحیح نہ کیا ہو یا ہبہ کر کے تسلیم نہ کیا ہو یا وقف نہ کر دیا ہو یا رہن نہ کر دیا ہو۔ (من التصرفات الّتی ذکرہ فی الدر المختار باب بیع الفاسد) اس وقت تک بائع کو حق فسخ و استرداد حاصل ہے، اور جو مشتری سے لیا ہے اس کا واپس کرنا بھی واجب ہے، اس لئے صورت مسئلہ میں جو فرنگ گنگ نے جس شخص کو زمین

دی ہے اگر وہ قبضہ کر لے گا تو مالک ہو جاوے گا، اور جو شرائط ٹھہرائے ہیں سب لغو ہوں گے، البتہ اس زمین کی جو قیمت مروجہ ہوگی وہ واجب ہوگی۔ اور حیب تک اس زمین لینے والے نے تصرفات مذکورہ منقولہ عن الدر المختار نہ کئے ہوں جو فرنگنگ اگر واپس کر لے جائز، لیکن جو فرنگنگ نے جو اس شخص سے لیا ہو وہ واپس کرے اور اگر ان تصرفات میں سے کوئی تصرف کر لیا ہو تو جو فرنگنگ زمین واپس نہیں کر سکتا

۲۸ سوال ۳۸۰ (تمتہ اولیٰ ص ۱۵۶ و حوادث ۲، ص ۲۹)

۲۸ شوال ۱۳۲۸ھ (تمتہ اولیٰ ص ۶۷ و حوادث، ص ۲۹)

عدم خرجی شے ادا ملک بنا مرد کردن دیگرے | (نوٹ) یہ مسئلہ بایں عنوان و حوالہ کتاب الدعویٰ میں آچکا ہے
صحیح ہبہ للصغیر بدون اقبض | سوال (۵۱۱) مورث نے کچھ زیور نقری و طلائی و برتن
وغیرہ اس نیت سے تیار کر لئے کہ بوقت شادی اپنی فلاں لڑکی کو بطور جہیز دیں گے۔
وقتاً فوقتاً کسی کسی زیور کو جو تیار ہو کر آتے رہے اپنے اعراب کو یہ کہہ کر دکھایا بھی
کہ فلاں لڑکی کو بطور جہیز بوقت شادی دینے کے لئے بنوایا ہے منجملہ اشیاء مسطورہ
بالا بعض اشیاء دختر مذکورہ کے زمانہ عدم بلوغ میں تیار ہوئی تھیں اور بعض بعد بلوغ
قطعی طور سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کون کون سی قبل از بلوغ تیار ہوئی تھیں اور کون سی
بعد بلوغ، بعد بلوغ دختر مذکورہ مورث داندازیک سال زندہ رہے، اور کل اشیاء
بدستور بحالت موجودہ بقبضہ مورث رہیں اور مورث نے دختر مذکورہ کی شادی سے قبل
انتقال کیا۔ اس صورت میں اشیاء متذکرہ بالا شرعاً متروکہ متوفی قابل ورثہ متصور
ہوں گی، یا تنہا ملک دختر اور مورث کی محض نیت ہبہ یا وصیت کی حد تک پہنچتی ہے یا
نہیں، بینوا التوجروا۔

الجواب - في الدار المختار اتخذ لولده اولتلميذه ثيابا ثم اراد دفعها

لغيره ليس له ذلك ما لم يبين وقت الاتخاذ انما عارية في رد المحار قوله لولده
اي الصغير واما الكبير فلا بد من التسليم كما في جامع الفتاوى ج ٢ ص ٢٠٠، وهـ،
وفي الهداية اذا وهب الاب لابنه الصغير هبة ملكها الابن بالعقد في العناية
والقبض فيها باعلام ما وهبه له وليس الاشهاد شرط الا ان فيه احتياطا
للتحرز عن جحد الورثة بعد موته او جحوده بعد ادراك الولد آه،

ان روایات سے امور ذیل مستفاد ہوئے۔ نمبر (۱) جوزیور وغیرہ اس دختر

کی نابالغی کے زمانہ میں بتا ہے، وہ اسی کی ملک ہو گیا، جن وارثوں کو یہ بات معلوم ہو، یا معلوم نہ ہونے کی صورت میں اس پر شرعی گواہ قائم ہوں۔، اُن کو اس زیلوغیر میں دعویٰ حرام ہوگا، نمبر (۲) جو اس دختر کے بلوغ کے بعد تیار ہوا ہے وہ مورث کی ملک ہے، اور سب ورثہ کا اس میں حق میراث ہے، نمبر (۳) البتہ اگر دختر یا وکیل کا اس پر بھی قبضہ ہو گیا ہو تو وہ بھی اس کی ملک میں داخل ہو جائے گا، اور اگر مصنوع قبل البلوغ و مصنوع بعد البلوغ متمیز نہ ہوں باہم صلح کے ساتھ متمیز کر لیں۔

۳۔ محرم ۱۳۳۵ھ (تمتہ رابعہ ص ۱۱)

حکم آنچه اطفال را میدهند از عطیات | سوال (۵۱۲) نابالغ بچوں کو ان کے ناتایا دادا کچھ عطا کریں تو اس عطا کو بچوں کے ماں باپ ان بچوں پر کس طرح سے صرف کریں، اگر روٹی کپڑے میں صرف کیا جائے تو یہ ماں باپ کے ذمہ ہے، تا وقتیکہ بالغ ہوں، تو اس عطا کو امانہ جمع کریں بلوغ تک یا شیرستی و بالائی میں خرچ کر دیویں، کیا دستور کریں،

الجواب :- فی الدار المختار و لطفلة الفقیر الحر لان نفقة المملوک علی ملکہ والغنی فی مالہ الحاضر۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ جو نابالغ مالک کسی مال کا ہوا اول نفقہ اسی مال میں ہوگا۔ مال کے ہوتے ہوئے باپک واجب نہ ہوگا، پس صورت مذکورہ میں یہ عطیات اس نابالغ کے ضروری نفقات میں صرف کر دیئے جائیں،

۲۴ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (امداد ج ۲ ص ۸۰)

انعام کا زندہ اجزاء | سوال (۵۱۳) اگر ایسی آمدنی سے کوئی رقم کا زندہ کو بطور انعام گرفتاری ملزم یا سلمہ کا رگزاری ملے تو کا زندہ کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- نہیں وہ مالک اپنے پاس سے دے۔

۲۶ جمادی الثانی ۱۳۳۵ھ (حوادث او ۲ ص ۱۰۰)

حکم انعام گرفتن از درت افسرن | سوال (۵۱۴) چھتر پور سے بجا و ایک مقام ہے۔ بلا اطلاع گورنمنٹ اس میں ایک تارنیا لگاتا تھا۔ اس کے خرچہ کی منظوری گورنمنٹ

سے آٹھ سو روپے کی تھی، اور وہ کام چار سو روپے میں ہو گیا۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جو کہ ہمارے ہمراہ تھا اس نے کہا ہم تم کو بیس روپے انعام دیتے ہیں، اور پانچ روپے دوسرے آدمیوں کو دیتے ہیں اور شاید اس نے خود بھی کچھ لیا ہوگا تو یہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب - یہ بتلائے کہ اس ڈیٹی سپرنٹنڈنٹ کو سرکار سے ایسے اختیارات دیئے گئے ہیں یا نہیں، اور اس انعام کی اطلاع اگر گورنمنٹ کو ہو وہ جائز رکھے گی یا نہیں جواب اس پر موقوف ہے۔ ۲۲ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (حوادث اود ۲ ص ۱۳۴)

عدم جواز قبول انعام پر سرکار کا رائے سرکار | **سوال** (۵۱۵) اس انعام کی اطلاع اگر بغیر اجازت سرکار

گورنمنٹ کو کی جاوے تو امید غالب ہو کہ شاید نہ

منظور کرے فقط۔

الجواب - بس تو جائز نہیں، ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (حوادث اود ۲ ص ۱۳۵)

تفصیل ہدیہ مشرکین بالخصوص درودیالی وغیرہ | **سوال** (۵۱۶) (نمبر ۱) ہندو اپنے تہواروں میں اگر مسلمانوں کو ہدیہ کچھ دیں مثلاً دیوالی کہ اس میں اکثر ہندو مسلمانوں کے یہاں مٹھائی وغیرہ لایا کرتے ہیں، قبول کرنا جائز ہے یا نہیں (نمبر ۲) اور اگر کوئی شخص قول کر کے کسی دوسرے کو کھلانا چاہے تو اس شخص کو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں (نمبر ۳) اگر کفار خاص اپنے تہوار کے لئے کوئی خاص مٹھائی بنائیں مثل کھلونے وغیرہ کے تو اس کا دوکان سے خریدنا جائز ہے یا نہیں (نمبر ۴) مہاوادی متعلقہ بین المسلم والکافر جائز ہے یا نہیں (نمبر ۵) یہ مشہور ہے کہ خاص اس رات کو کھانا جائز نہیں آیا یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب، فی العالمگیریت ولا یاس بضيافة الذمی وان لم یکن بینہما الامعة کذا فی الملتقط فی التفاریق لا یاس بان یقیف کافر القرباۃ والحاجة کذا فی الترتیبی ولا بالذہاب الی ضیافة اهل الذمۃ ہکذا ذکر محمد ثقفیہا ولا یاس بان یصل الرجل المسلم المشرک قریباً کان او بعید امحارباً کان او ذمیاً واراد بالمحارب المستأمن واما اذا کان غیر المستأمن فلا ینبغی للمسلم ان یصلہ بشئ کذا فی المعیط و ذکر القاضی الامام رکن الاسلام علی السقدی اذا کان حربیاً فی دار الحرب وکان الحال حال صلح ومسالمۃ فلا یاس بان یصلہ کذا فی التاتارخانیۃ ہذا ہوا الکلام فی صلۃ المسلم المشرک وجئنا الی صلۃ المشرک المسلم فقد روی محمد فی السیر الکبیر اخباراً معتبرۃ فی بعضها ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل ہذا یا المشرک و فی بعضها انہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یقبل فلا بد من التوفیق واختلف عبارة المشائخ رحمہم فی وجہ التوفیق فعبارة الفقیر ابی جعفر الہندی فی انہ ما روی انہ لم یقبلہا محمول علی انہ انما لم

یقبلها من شخص غلب علی ظن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لندوقع عند ذلك الشخص ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما یقاتلہم طمعا فی المال لا لاعلاء کلمۃ اللہ ولا یجوز قبول الہدیۃ من مثل هذا الشخص فی زماننا وما دوی انہ قبلہا محمول علی آن قبل من شخص غلب علی ظن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ وقع عند ذلك الشخص ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما یقاتلہم لاعزاز الدین ولا لاعلاء کلمات اللہ العلیاء لا لطلب المال وقبول الہدیۃ من مثل هذا الشخص جاز فی زماننا ایضا ومن المشائخ من دفن من وجہ اخر فقال لہ یقبل من شخص علم انہ لو قبل منہ یقل صلابۃ وعزتہ فی حقہ ویلین لہ بسبب قبول الہدیۃ لو قبل من شخص علم انہ لا یقل صلابۃ وعزتہ فی حقہ ولا یلین بسبب قبول الہدیۃ کذا فی المحيط ج ۶ ص ۲۳۲، ان روایات سے مہادات مسئول عنہا کے احکام کی تفصیل معلوم ہو گئی کہ اگر کوئی ضرر دینی نہ ہو تو کفار و کفار سے ہدایا کا لین دین جائز ہے اور اس سے اکثر سوالوں کا جواب حاصل ہو گیا، صرف دو جزو خاص قابل تعرض کے باقی رہ گئے، ایک یہ کہ ہدیہ دیوالی کا شاید اس تہوار کی تعظیم کے لئے ہو جس کو فقہار نے سخت ممنوع کھا ہے، دوسرا یہ کہ اس میں تصاویر بھی ہوتی ہیں، ان کا اقتناء و احترام مستلزم للتعظیم و استعمال لازم آتا ہے اور بعض فروع میں تصاویر کے تعظیم کی نفی کی گئی ہے، تو اس میں اس حکم شرعی کا بھی معارضہ ہے جو اب اول کا یہ ہے کہ یہ عادت و معلوم ہو کہ اس ہدیہ کا سبب مہدی لہ کی تعظیم ہے نہ کہ تہوار کی تعظیم، اور جواب ثانی کا یہ ہے کہ مقصود اہل اس صورت نہیں بلکہ مادہ ہے، البتہ یہ واجب ہے کہ مہدی لہ فوراً تصاویر کو توڑ ڈالے، یکم محرم ۱۳۳۳ھ (تمتہ رابعہ ص ۸)

ہدیہ دادن در تعلیم یتیم از مال یتیم | سوال (۵۱۷) یتیم مالدار را حامیش پیش صاحب ہنر برائے آموختن ہنر سپردہ آن حامی می گوید کہ از مال یتیم گاہ گاہ آن ہنر مند را ہدیہ دادن تاکہ برغبت و الفت ہنر بیا موزند و اندر و است یا نہ و بغیر از اہدایہ راغب نحو اہد شد و دریں چنین معاملہ تعیین عقد جاریہ مروج نیست، و اگر بالفرض اجارہ منعقد شود پس اجرت از مال یتیم در آموختن حرفت دادن جائز یا نہ؟

الجواب، فی البدایۃ کتاب المآذون ولا یتحب بعرض ولا بغیر عرض و کذا الا

یتصدق والا ان ھدی الیسیر من طعام او یتصدق من مآذون و راء التجارۃ استجلا

لقلوب المجاهزين بخلاف المحجور عليه لانه لا اذن له اصلا فكيف يثبت ما هو من
ضرداته اذ من روايت هو يد اشد كذا اذن بالشيء اذن بلوازم اوست وولى يتيم ما ذون ست
ياتفاق ، در مصالح تعليم يتيم و اين اهدار مسئول عنه عادة از لوازم اوست پس ہاں ہم
ما ذون خواہد بود ، ۵ ذی الحجہ ۱۳۳۵ (تمتہ خامسہ ص ۶۰۸)

بلا عذر ہدیہ قبول نہ کرنے کا منکر ہونا | سوال (۵۱۸) ایک بات میں بندہ نے بہت خوض
کیا ، مگر کت ابوں سے یا اس ملک کے اور صاحبوں سے حل نہ ہونے کی وجہ سے پریشان
ہوں ، اور بارگاہ عالی میں عرض کیا جاتا ہے کہ ایک آدمی کسی دوسرے آدمی کو کچھ تحفے یا روپے
پیسے نہایت خوشی سے دینے لگے ، جس کو دینے لگے وہ شخص نا منظور کرنے لگے ، دینے والے
نے کہا یہ تحفے نہیں لینے سے میں نہایت ناخوش ہوتا ہوں لینے والے نے کہا میں اس کو نہیں
لینے سے بہت خوش ہوتا ہوں ، اب ہر دو ناخوش اور ناراض ہیں ، اس صورت میں کیا کرنا
چاہئے ، بالتفصیل تحریر کریں گے ، حالانکہ یہ تحفے کچھ عیب شرعاً نہیں ہے فقط ۔

الجواب ، جب اس ہدیہ قبول کرنے سے کوئی امر مانع شرعی نہیں تو لینے والے
کا یہ کہنا کہ میں اس کو نہیں لینے سے بہت خوش ہوتا ہوں سحت غلطی اور شعبہ کبر کا ہے ، جو سنت
کے بالکل خلاف ہے حدیث میں تہاد و اتحا بوا صریح حکم ہے ، اگر بلا عذر مہدی الیہ انکار کرے
تو تہاد و اپر عمل کس طرح ہوگا فقط ، ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۳۵ (تمتہ اولیٰ ص ۲۰۳)
دہم واضح ماند کہ پدران | سوال (۵۱۹) دہم واضح ماند کہ پدران را میرسد کہ میان
رامی رسد کہ میان الخ اولاد ذکور خود در اعطاء امتیاز سازند یا نہ بر صورت

اول در دار آخرت عند اللہ قابل مواخذہ شوند یا نہ ۔ وقواعد تصرف مال موقوفہ وصیت
ویچہ صورت صحیح گردد و بیچہ صورت غیر صحیح از حوالہ کتب معتبرہ فقہیہ احادیث نبویہ بالتفصیل
جواب ہر سوال ارقام نمودہ تاقشہ لباب را از سحاب جواب با صواب مترقی و آسودہ
گردانند ۔

الجواب ۔ فی الدر المختار عن الخاتبة لابأس بتفضیل بعض الاولاد فی
المحبة لانها عمل القلب و کذا فی العطا یا ان لم یقصد به الاضرار و ان
قصدہ یسوی بینہم یعطى البنت کلا بن عند الشانی و علیہ الفتوی ولو
وہب فی صحۃ کل ولد جاز و اثم فی رد المختار و علیہ الفتوی ای علی قولہ ^{سف}

من ان التصیف بین الذکر والانشی الفصل من التثلیف الذی هو قول
محمدرملى ج ۳ ص ۳۷۷، وفي الدر المختار کتاب الوصیة، وتثبت باقل منه
ولو عند غنی ورثته او استغناؤهم بحصتهم کترکها ای کما ندب ترکها الخ
فی رد المحتار فی آخر الحاشیة علی قوله ولو عند غنی ورثته مانصه -

تنبيه قال فی الحادی القدسی من لا وارث له فلا دین علیہ فلا ولی
ان یوصی بجمیع ماله بعد التصدیق پیدا ج ۵ ص ۶۱۱ الی روایات مستفاد شد
این تفاوت در عطایا یا حرماں بعضی یا تنقیص نصیب بعضی ہر گاہ کہ قصد اضرار ایشاں باشد
یا موجب ضرر ایشاں باشد موجب گناہ است اگرچہ نافذ باشد و اگر مخدور مذکور نباشد
مضانقہ نیست و کذلک الوقف اگرچہ تصرفات مذکورہ اسلہ بالا ہمہ نافذ صحیح باشند
کما ذکر فی الاجوبہ لاکن اگر بحیلہ دعوی نیست قربت ورثہ را محروم کردن منظورست و قفا
مقبول نباشد و اللہ اعلم و آنچه سوال کردہ شدہ است کہ قواعد تصرف مال موقوف
چلیست و بچہ صورت صحیح گردد و بچہ صورت غیر صحیح پس آنچه سوال کردنی باشد جزئاً سوال
کرده شود۔ ۷، محرم ۱۳۳۱ھ

ہبہ بالعوض میں بھی شرائط الخ (تمتہ جلد ۱۳ ص ۱۹۶) حتی کہ ہبہ بالعوض میں بھی وہ شرائط ضروری
ہیں ۱۲ ایں علی الاطلاق مسلم نیست نعم اذا کان بکلمتہ علی هذا اذا قال وهبتک علی
ان تعوضنی کذا اما لو قال وهبتک کذا فهو بیع ابتداءً وانتهاءً ۱۲ الدر المنقار۔

کتاب الشکر

عدم برآة مستقرض با دار | سوال (۵۲۰) ہندوستان کے عام رواج کے موافق زید
بعض ورثہ مشترکین | اور اس کے تمام ورثہ ایک ہی گھر میں رہتے بہتے کھاتے پیتے ہیں، عمرو
نے زید سے کوئی چیز خریدی اور ابھی قیمت نہیں دی تھی کہ زید کا انتقال ہو گیا۔ انتقال کے بعد
عمرو نے قیمت ورثہ زید سے ایک وارث کو دیدی، ہر ہر وارث کو ان کے حصوں کے موافق نہیں
دی، تو کیا عمرو اپنے بارے سے سبکدوش نہیں ہوا۔ اور کیا دوبارہ ہر وارث کو ان کے حصوں کے موافق
دینا چاہیے، زید کے ورثا اب تک بدستور سابق ایک ہی گھر میں رہتے بہتے کھاتے پیتے ہیں اور ان کے

اموال باہم مشترک ہیں، اور زید کے بعد اسی اشتراک اور ایک گھم میں ہونے کے سبب زید کچھ ترک تقسیم نہیں ہوا اور نہ آئندہ ہونے کی امید ہے۔

الجواب، یہ شرکت املاک ہے، شرکت عقد نہیں، جس میں ہر شریک دوسرے شریک کا وکیل ہوتا ہے، پس جب شرکت املاک میں وکالت نہیں تو ایک وارث کو دینے سے دوسرے وارث کا مطالبہ اپنے اپنے حصہ کا باقی رہے گا، البتہ اگر رب مل کر اس وارث کو اذن دیدیں یا میت اس وارث کو اپنا وصی بنا گیا تھا، تب البتہ اس کا قبض رب کا قبض ہے، البتہ اگر دوسرے وارث عمر سے مطالبہ کریں تو عمر واس وارث سے یا شتار اس کے حصے کے بقیمہ رقم واپس لے سکتا ہے،

۲۴ محرم ۱۳۲۲ھ (امداد جلد ۳ ص ۱۰۳)

سوال (۵۲) مجھے کچھ روپیہ قرض لینے کی ضرورت پڑ گئی ہے، ایک صاحب روپیہ دینے پر تیار ہیں، مگر کہتے ہیں کہ تجارت میں مجھ کو بھی

شریک کر لو بہت سے امور ایسے ہیں جن کی وجہ سے میں کسی کی شرکت پسند نہیں کرتا، لیکن اس وقت ایسی مجبوری ہو گئی کہ لامحالہ مجھے اس کو منظور کرنا پڑا، مگر خواہش یہ ہے کہ شرکت ایسے طریقے سے کی جائے کہ روپیہ جلدی ادا ہو کر علیحدگی ہو جائے، لہذا اس کے واسطے میں نے یہ صورت تجویز کی ہے کہ جس قدر روپیہ کی مجھ کو ضرورت ہو وہ میں لے لوں، اور جن کتابوں کی خواہش ہو ان کو خرید کر لوں، اور اپنی کل تجارت میں ان صاحب کو شریک کر لوں، تاکہ روپیہ جلدی ادا ہو جائے اور میں سکدہ ش ہو جاؤں ورنہ اگر چند کتابوں میں شریک کروں گا تو زور بہت دنوں میں ادا ہو گا۔ اور فی روپیہ ۲ نفع طے پایا ہے، مثلاً میں نے ۱۰ روپیہ لے کر کتابیں منگوائیں، اب ۲ کے حساب سے ۴ میں ۸ نفع کے ہوئے۔ اصل و نفع ملا کر ۱۲ ہوئے اب اگر ۱۰ لے کر کتابیں علیحدہ دو چار رکھی جاویں تو مدت میں نکلیں گی، اس لئے روپیہ لے کر کتابیں اپنی ضرورت کی منگواؤں گا، باقی اس خیال سے کہ روپیہ جلدی ادا ہو جائے، اپنی کل کتابوں میں ان کی شرکت کئے لیتا ہوں اور اس امر کی اطلاع ان کو کر دی گئی ہے، وہ اس پر راضی ہیں، اگر یہ صورت شرعاً جائز ہو تو اجازت مرحمت فرمائی جاوے۔ اور اگر ناجائز ہو تو کوئی ایسی آسان صورت سے اطلاع فرمائی جاوے کہ میری ضرورت بھی نکل آوے اور روپیہ آسانی کے ساتھ جلدی ادا ہو جاوے، کل تجارت سے میرا یہ مقصود ہے کہ جو کتابیں میرے پاس پہلے سے موجود ہیں اور جو کتابیں اس روپیہ کے ساتھ خریدوں گا دونوں کو ایک ہی میں

ملا کر شرکت کر لوں، قدیم و جدید دونوں ذمیرے ایک کر دیئے جائیں،
جواب۔ فی الدر المنقار کتاب الشریک و شرطہا ای شرط العقد کوز المعقود
 علیہ قابلاً للوكالة وعدم ما یقطعها اکثر شرط وراہم مستقاة من الربح لاحد ہما لانہ قد لا یوجہ غیر
 المستفی وفيہ واما اعنان الی قولہ ومع التفاضل فی المال دون الربح وعکسہ و ببعض المال
 دون بعض وفيہ ولا یصم مفاوضۃ وعنان بخیر النقدين والفلوس النافقة والتبر والنقرۃ
 آہ ان روایات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ یہ صورت شرکت عمان کی ہے، اور شرکت عمان میں
 دو شرطیں ہیں وہ یہاں نہیں ہیں، کیونکہ ایک مال نقد ہے، دوسرے کی کتابیں، اور نقد والے
 کا نفع معین ہے لہذا یہ شرکت ناجائز ہے۔ اور یہ نفع معین سود ہے جو ایک حیلہ سے قرض لینا
 مقصود ہے۔ ۱۳ رجب ۱۳۲۲ھ (امداد، جلد ۳، ص ۱۰۴)

القصص السنی فی حکم حصص کمپنی

بعد الحمد والصلوة میرے پاس ایک مقام سے کمپنی ہائے متعارفہ تجارت کے حصول
 کے متعلق جن کو عرف میں شیر کہتے ہیں سوال آیا، چونکہ سوال میں ان کی مفصل حقیقت نہ لکھی تھی
 اس لئے میں نے ضروری تنقیح کے ساتھ واپس کر دیا۔ پھر خیال آیا کہ ایسی کمپنیوں کی مختلف صورتوں
 کے متعلق ایسے سوال اکثر آتے رہتے ہیں ان کے ضروری جوابوں کو بشکل ایک رسالہ کے
 ایک جگہ جمع کر دینا اہل معاملہ کے لئے تحقیق حکم میں مفید ہوگا، اس لئے اس رسالہ کی ایک
 ایک فصل میں کثیر الوقوع صورتوں میں سے ایک ایک صورت کا حکم لکھ دینا مناسب معلوم
 ہوتا ہے اور اپنے پرانے فتاویٰ میں سرسری مطالعہ سے اگر کوئی جزو اس مجموعہ کے مناسب
 نظر پڑ گیا اس کو بھی بشکل فصول اس کا ضمیمہ بنا دیا جاوے گا۔

فصل اول سوال (۵۲۱) جس امر کے متعلق میں نے (سابق میں) استفسار کیا تھا
 (اور آپ نے اس میں تنقیحات کی تھیں) اس کی صورت یہ ہے کہ جس قدر بینک ہیں سب کی صورت
 تقریباً ایک ہی ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔

ایک شخص کچھ کاروبار کرنا چاہتا ہے، اور ایک دکان کی شکل قائم کرتا ہے لیکن اس دکان
 میں سب نقد ہوتا ہے، یعنی نقد ہی سے نقد کمانا چاہتا ہے۔ اور اس کا اعلان کرتا ہے اس
 کے کچھ ممبر مخلوق کے اطمینان کے لئے بنا لیتا ہے، لوگوں کو اس امر کی طرف ترغیب دلاتا ہے

کہ ہمارے یہاں روپیہ جمع کرو، اور جس کو حاجت ہو، ہم سے قرض (بھی) لو، جس کو قرض دیا جاتا ہے اس سے سود لیا جاتا ہے، اور جو شخص رقم جمع کرتا ہے اس کو بھی سود دیتا ہے، رقم مجتمہ پر کم سود دیتا ہے اور جو رقم بطور قرض دیتا ہے اس پر زیادہ سود لیتا ہے اس میں کوئی قید نہیں، قرض لینے والا اور رقم جمع کرنے والا خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں، یہ بینک عموماً غیر مذہب کی کمپنیوں کے ہوتے ہیں، ایسے بینک میں رقم جمع کرنا اور اس کا سود لینا جائز ہے یا نہیں، اگر سود نہ لیا جائے تو وہ کمپنی والے جو یقیناً عیسائی یا یہودی یا ہندو ہیں اس سود کے مالک بن جاتے ہیں، اور بعض بینک ولے اس رقم کو اپنے مذاہب مذکورہ کی اشاعت میں دیدیتے ہیں۔ اگر رقم جمع نہ کی جائے، اور اپنے گھر میں محفوظ رکھیں تو سرقہ وغیرہ کا ظن غالب ہے، ایسی صورت میں رقم بینک میں جمع کرنا جائز ہے یا کیا، اور اس سود کو لیا جائے یا نہیں، سود لیکر کیا کیا جلیے، آیا اپنے ذاتی مصارف میں لاسکتا ہے یا نہیں، یا فقراء مساکین کو تقسیم کیا جائے، ایسی تقسیم پر کوئی ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب۔ واقعات اور احکام میں غور کرنے سے حقیقت اس معاملہ میں یہ معلوم ہوتی ہے کہ جو لوگ ایسے بینک میں روپیہ جمع کرتے ہیں وہ اس دوکاندار کے شریک یعنی بینک کے حصہ دار نہیں بلکہ اس دوکاندار کو وہ قرض دیتے ہیں اور وہ انکو اس قرض پر سود دیتا ہے تو یہ رقوم کے جمع کرنے کی حقیقت ہے، باقی جو لوگ اس بینک سے روپیہ لیکر اس کو سود دیتے ہیں۔ اس کا قرض ہونا تو بالکل ظاہر ہے، پس اگر یہ دوکاندار مسلمان ہے خواہ ایک ہو یا جماعت ہو گو ایسا عاۃً غیر واقع یا کم واقع ہو تب تو رقم جمع کرنے کا حکم ظاہر ہے، کہ مالکان رقوم مسلمان سے سود لیتے ہیں، اور اگر یہ دوکاندار حربی ہے (اور اسلامی ریاستوں کے باشندے غیر مسلم حربی نہیں ہیں) تو یہ سود لینا حربی سے ہے، جس کا مختلف فیہ ہونا مشہور ہے، یہ تو ایک جزو پر کلام ہوا باقی دوسرا جزو سو حقیقت تو اس کی اوپر مذکور ہو چکی، کہ مستقر ضین بینک سے روپیہ لیکر سود دیتے ہیں۔ اور حکم میں تفصیل ہے کہ اگر مقرر ض اور مستقر ض دونوں مسلمان ہیں تو حکم ظاہر ہے، کہ ایک مسلمان اخذ ربا کا مرتکب ہو اور دوسرا عطار ربا کا اور اگر دونوں حربی ہیں تو مستفتی کو اس کا حکم پوچھنا ہی مقصود نہیں، اور اگر مقرر ض مسلمان ہو اور

مستقرض حربی تو اس میں وہی ربوانی دار الحرب کا مسئلہ جاری ہوگا جو اوپر مذکور ہوا اور اگر مقرض حربی ہے اور مستقرض مسلمان تو حسب تصریح فقہاء، گواخذہ ربوامن الحربی میں تو گنجائش ہے، ولو مع الاختلاف، مگر اعطاء ربو الحربی میں گنجائش نہیں، اور جن صورتوں میں مع الاختلاف اخذ میں گنجائش ہے، ترک سے اخذ بہتر ہے، اور جو مجوزین نے اس کے مصارف میں کوئی قید نہیں لگائی، لیکن احوط یہ ہے کہ فقراء و مساکین پر صرف کر دے اور نیت میں بھی احوط یہ ہے کہ ثواب کا قصد نہ کرے، صرف اخراج عن الملك کا قصد کرے پھر مالک ثواب کو اختیار ہے خواہ ثواب بھی دیدے، کیونکہ ہر ثواب قصد پر موقوف نہیں، باقی سرفہ کے غالب ظن کا دعوے محض دہم ہے، ہزاروں سرمایہ دار بینک میں جمع کرنا پسند نہیں کرتے اپنے ہی گھر رکھتے ہیں، اور کیا ایسے بینک میں دیوالہ نکلنے کا احتمال نہیں، اور کیا جائز تجارت کی کمپنیاں نہیں؟ فقط (النور حبیبہ ص ۷۳) فصل ثانی، اس میں سہارنپور کی ایک بجلی کی کمپنی کے واقعات ہیں، جو میرے استدعا پر ایک دوست نے لکھ کر بھیجے جس میں میرے بعض سوالات کے جواب بھی ہیں، وہ تحریر ذیل میں درج ہے۔

سیری و مولائی دامت برکاتہما، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، والا نامہ صا در ہوا، قبل اس کے کہ سوالات کا جواب عرض کروں، کمپنی کی ہیئت ترکیبی کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، جس سے جوابات پر زیادہ وضاحت ہونے کی امید ہے، قانون کمپنی کے موافق دس یا دس سے زیادہ اشخاص کچھ روپیہ اپنے پاس سے فراہم کر کے کمپنی کا کوئی نام تجویز کرتے ہیں، اور کمپنی کے مقاصد و اغراض تحریر کر کے اس نام سے اور ان اغراض کے لئے رجسٹری کراتے ہیں، رجسٹری کراتے وقت ان کو اختیار ہے کہ جس قدر سرمایہ کے لئے چاہیں رجسٹری کرائیں، اور جو سامان ان کو بتانا ہے، فروخت کرنا ہے، وہ تحریر میں پیش کرتے فرض کیجئے کہ ایک لاکھ روپیہ کے سرمایہ کے لئے اور بجلی اور دیگر اشیاء کے لئے رجسٹری کرائی، اس وقت تھوڑا سا روپیہ کافی ہے، جس پر کام کرنے کا سرٹیفیکٹ مل جاتا ہے، مثلاً ایک لاکھ تک کے سرمایہ سے کام کرنے والوں کو دس ہزار روپیہ فراہم کر لینے پر کام کرنے کا سرٹیفیکٹ مل جائیگا اور وہ لوگ جنہوں نے روپیہ فراہم کر کے رجسٹری کرائی کمپنی کو ترقی دینے والے کہلاتے ہیں اب یہ لوگ ایک لاکھ روپے کے ایک ہزار حصص فی حصہ سو روپیہ قائم کرتے ہیں، اور حصص

فروخت کرنا شروع کرتے ہیں ان کو اختیار ہے کہ پورے ایک ہزار حصص فروخت کر دیں، یا صرف پانچ سو حصص فروخت کر کے اپنا کام شروع کریں۔ اور بقیہ حصص فروخت کرنا بند کر دیں اور ایک کام کے ساتھ اگر پھر ان کو دوسرا کام جاری کرنا ہو جس کی اجازت شروع میں حاصل کر لی گئی تھی تو بقیہ حصص میں سے جس قدر حصص چاہیں فروخت کر کے دوسرا کام جاری کریں اس تحریر سے حضرت اقدس کے پہلے سوال کا جواب آگیا، یہ ضروری نہیں ہے کہ اول کل حصص فروخت کر کے تب کام شروع کریں، اگر کام میں صرف پچاس ہزار روپے صرف آویں اور حصص اس سے زیادہ فروخت ہو جاویں تو زائد روپیہ بیکار پڑا رہیگا۔ اس کو بنک میں جمع کر کے بہت کم سود ملے گا اور منافع ان کو بھی تقسیم ہوگا تو حصہ داران کو منافع کم ملے گا۔

دوسرا سوال (۵۲۲) بجلی کی طاقت کے متعلق میں یہ نہیں عرض کر سکتا کہ وہ کوئی مادہ ہے، برقی قوت کی تعادیں قدر ہے، اس کے لئے حساب ضرور ہے جیسے یہ کہا جاوے کہ انجن میں دس گھوڑوں کی طاقت ہے، ایک معیار مقررہ سے اس کی قوت کا اندازہ کیا جاتا ہے۔

تیسرا سوال۔ جو لوگ بجلی کی طاقت کمپنی سے لیتے ہیں وہ جملہ سامان اپنے صرف سواپنے گھر میں لگاتے ہیں اور قہقہہ وغیرہ جہاں ان کو ضرورت ہو لگا لیتے ہیں، کمپنی سے بجلی کی طاقت لیتے ہیں، اور اس بات کے لئے کہ ایک ماہ میں کس قدر بجلی کی طاقت ایک گھر میں صرف آئی ایک لکھ ہے جس کو کمپنی قیمت سے دیتی ہے، اور یا بازار سے خرید جاوے، اور اس کی جانچ بجلی کمپنی کا انجنیر کرے گا، کہ صحیح ہے یا نہیں، اس سے یہ معلوم ہو جاوے گا کہ کل طاقت کس قدر صرف میں آئی، اور اسی حساب سے قیمت مقررہ یعنی ۸ روپیہ یونٹ جو ایک معیار خاص قوت کے لئے مقرر ہے وصول کر لی جاوے گی،

زکوٰۃ کے متعلق التماس ذیل ہے، جو منافع حصہ دار کو بلا اس کا تعین تو ظاہر ہے جو رقم زائد بطور پس انداز کمپنی کے پاس رہتی ہے وہ ہر حصہ دار معلوم کر سکتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ کل حصص کس قدر فروخت ہوئے، جس سے پس انداز روپے میں اپنا حصہ قائم کر سکتا ہے۔

اب سوال متعلق سود کوئی کمپنی اس وقت ایسی نہیں کہ جس کو سود لینا دینا نہ پڑے اگر کسی جگہ سے کسی وقت کمپنی قرضہ لے گی سود دینا پڑے گا، اور بعض وقت اپنے روپے پر جو

کسی کی طرف واجب ہو تو سود لیتی ہے اس سے کسی کمپنی کو مفر نہیں،
 تحریر ایک مولوی صاحب کی بتائید بعض اجزاء سوال، کمپنی کے حصوں کے متعلق
 میں نے ایک بہت معتبر اور واقف کار صاحب سے جو معلومات حاصل کئی تو انہوں نے کہا کہ صرف
 یہی نہیں کہ کوئی چھوٹی بڑی کمپنی ایسی نہیں جو سوئی کاروبار نہ کرتی ہو، بلکہ بلا اس کے چل ہی
 نہیں سکتی، مثلاً فنانوں کی رو سے اپنا کچھ فی صدی سرمایہ آفات ارضی و سماوی کے لئے بنک
 میں سود پر محفوظ رکھنا پڑتا ہے، اسی طرح ہر کمپنی کا جتنا روپیہ ہوتا ہے اس سے بہت زیادہ
 اس کے کاروبار میں لگنے کے رکھنا پڑتا ہے، جس کا معاملہ بنک سے ہوتا ہے اور وہ سود لیتا ہے
 اس کے علاوہ کوئی حصہ دار اپنے حصہ کارو پیہ واپس نہیں لے سکتا، البتہ بازار میں اپنے حصہ کو
 کم یا زیادہ پر چھپا کر فروخت کر سکتا ہے، اس میں تو غالباً کوئی شرعی قباحت نہیں۔
الجواب تحقیق حکم حقیقت اس معاملہ کی شرکت ہے یعنی متعدد حصہ دار اپنا سرمایہ
 جمع کر کے تجارت کرتے ہیں، اور جو اس سے نفع ہوتا ہو وہ باہم تقسیم کر لیتے ہیں، اور تحریر
 بالا میں جو یہ عبارت ہے کہ یہ لوگ ایک لاکھ روپے کے ایک ہزار حصے، فی حصہ سو روپے قائم
 کرتے ہیں، اور حصص فروخت کرنا شروع کرتے ہیں الخ اس کو اصطلاحاً فروخت کرنا کہا جاتا
 ہے، ورنہ درحقیقت شرکت ہے، اور کارکنان کمپنی تمام کاروبار میں ان حصہ داروں کے وکیل
 ہیں اور اس شرکت کے دو چیز ہیں، ایک چیز یہ کہ جو اخیان و سامان اس کارخانہ میں موجود ہوتے
 رہتے ہیں، ہر شریک بواسطہ کارکنان کمپنی کے حصہ رسد اس سامان کا مالک ہو جاتا ہے، یعنی
 مثلاً اگر کسی نے سو روپے داخل کئے تو گویا سامان موجودہ کا ہزارواں حصہ خرید لیا، دوسرے
 جزو یہ کہ آگے جو کاروبار میں نفع ہوگا وہ حصہ رسد ہر شریک کی ملک ہوگا، اور اگر اس حصہ کے
 داخل کرنے کے بعد کچھ سامان خریدا گیا اسی نسبت یہ حصہ دار مذکور اس کا بھی مالک ہوتا رہے گا
 حتیٰ کہ سب شرکا تمام سامان کے برابر کے مالک ہوتے رہیں گے، اور جو اوپر کہا گیا ہے کہ
 ہر شریک بواسطہ کارکنان کمپنی کے حصہ رسد اس سامان کے مالک ہوتا جاتا ہے الخ اس میں
 تفصیل ہے کہ جو چیز حصہ داخل کرنے کے بعد خریدی جاوے گی، اس میں تو وہ کارکنان حصہ
 کے وکیل ہوں گے، اور جو سامان قبل سے موجود ہے اس میں وہ کارکنان خود بائع اور حصہ
 مشتری ہوگا، اور یہ بیع تعاظمی ہوگی، جس میں بائع ثمن پر بلا واسطہ قابض ہو گیا، اور مشتری
 مبیع پر بلا واسطہ بائع کے کہ وہ اس کا وکیل بھی ہے قابض ہو گیا۔

اس واقعہ میں صرف ایک جزو سمجھ میں نہیں آیا، جو اس عبارت میں مذکور ہے، اور ڈاکٹر کرمان جس قدر روپیہ کی ضرورت سمجھیں اسی حد تک حصے فروخت کر کے سرمایہ فراہم کرتے ہیں اور غالباً مراد یہ ہے کہ اس کمپنی کے جاری کرنے کے لئے جتنے روپے کی ضرورت سمجھتے ہیں مثلاً ایک لاکھ روپیہ اس کا اعلان کرتے ہیں، اور جو شخص اس کمپنی میں شریک ہونا چاہیں وہ اس کمپنی میں روپیہ داخل کرے ہیں، اس روپیہ کو داخل کرنے کو خریداری حصہ سے اور کارکنان کمپنی کے اس اخل کے منظور کر لینے کو فروخت حصہ سے تعبیر کیا ہے، پس حاصل یہ کہ عام لوگ اس کمپنی میں شرکت کرتے ہیں، حتیٰ کہ وہ ایک لاکھ روپیہ مثلاً جمع ہو جاتا ہے، پھر اس کے بعد کاروبار جاری ہو جاتا ہے جس کی تفصیلی بعد کی عبارت میں آخر تک ہو۔

اب اس کا حکم لکھا جاتا ہے کہ حقیقت شرعیہ اس معاملہ کی شرکت ہی یعنی روپیہ داخل کرنا اس تجارت کے شرکار ہیں اور کارکنان کمپنی تمام کاروبار میں ان کے وکیل ہیں، اور چونکہ یہ تجارت یعنی بجلی تیار کر کے اہل حاجت کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے، اس لئے اس کا نفع وغیرہ بھی حلال ہے، رہا وہ امر خلاف شرع جو اخیر میں لکھا ہے اس عبارت میں کہ بعض اوقات قرضہ الی قولہ وصول کرتی ہے، سو جس حصہ دار کو حصہ داخل کرتے وقت اس کی اطلاع نہ ہو اس نے تو کارکنان کمپنی کو ان دو امر کا وکیل ہی نہیں بنایا، اس لئے کارکنوں کا یہ فعل اس کی طرف منسوب ہوگا اور جن کو اطلاع ہو وہ تصریحاً اس سے ممانعت کر دیں، گو اس ممانعت پر عمل نہ ہوگا مگر اس ممانعت سے اس فعل کی طرف نسبت تو نہ ہوگی، یہ کلام تو منسوب ہونے نہ ہونے میں ہے، لیکن یہ سوال اب بھی باقی ہے کہ کمپنی جو سود وصول کرے گی حصہ داروں پر وہ بھی تقسیم ہوگا تو سود سے یہ حصہ دار منتفع ہوئے سو اس میں کسی حالت میں ہیں، ایک تو یہ کہ اس کا وقوع لازم تو ہو نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ کمپنی کا کسی کے غمہ قرضہ ہی نہ ہو، اس لئے سود لینے کی نوبت ہی نہ آئے، اور اصل صورت تجارت کمپنی کی حلال تھی، تو شک سے حرمت کا حکم نہ کریں گے، اور تفیش ایسے امور میں واجب نہیں، نہ تفیش سے ہر شخص کو اس جزو کا وقوع یا عدم وقوع معلوم ہو سکتا، دوسری حالت یہ ہے کہ کمپنی نے یہ سود غیر مسلم سے لیا ہے، تو اس میں ربوا من الحربی کا مسئلہ

یہ سوال ہذا سے قبل جو سوال آیا اس میں یہ عبارت تھی اور سوال ہذا میں بھی یہی مضمون اس عبارت میں مذکور ہے
حصص فروخت کرنا شروع کرتے ہیں ۱۲

بعض جملے بظاہر مکرر آگئے ہیں، مگر سیاق کی وجہ سے جو کہ مقصود ہیں وہ لائے گئے ہیں ۱۳

جاری ہوگا، جس کا مختلف فیہ ہونا معلوم ہے۔ اس لئے مبتلا کو اس میں تنگی نہ ہوگی، اور جو سود کمپنی نے دیا ہے اس میں شرکار کا سود سے استفادہ محتمل ہی نہیں، یہ تو تحریر پیش کردہ کا جواب ہو گیا اب بعض چیزیں اس کے متعلق قابل تحقیق رہ گئیں ان کو بھی عرض کرتا ہوں، ایک یہ کہ بعض شریک حصہ دار اپنا حصہ دوسروں کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ اس میں بدلین کا یہ تبدل تقابض نہیں ہوتا، صرف حساب میں بائع کا نام خارج ہو جاتا ہے، دوسرے بعض اوقات بلکہ اکثر اوقات بدلین کی مقدار برابر ہی نہیں ہوتی، مثلاً کسی کا حصہ سو روپے کا ہے وہ ایک سودس میں فروخت کرتا ہے، سو یہاں تماثل و تساوی بھی نہیں، سود دوسرے محدود کا تو جواب ظاہر ہے، اس لئے کہ بائع دو چیزوں کا مالک ہے، ایک تو کھیموں اور تاروں کا اور عمارت وغیرہ سامان کا، دوسرے کچھ روپے کا جو وہاں داخل ہے سو وہ ایک سودس روپیہ کے عوض میں نہیں ہے، بلکہ کچھ سامان کے عوض میں ہے، کچھ روپے کے عوض میں، اور جس روپے کے عوض میں ہے وہ غالباً و عادتاً اس کی مقدار ایک سودس کی نہیں، اگر ایک روپیہ بھی کم ہو تو دوسرا محدود لازم نہیں، مثلاً وہاں اگر اس بائع کا ایک سو نو روپیہ ہو تو مشتری کے ایک سودس روپے میں سے ایک سو نو تو اس ایک سو نو روپیہ کے مقابلہ میں ہو گیا اور ایک روپیہ دوسرے سامان کے عوض میں ہو گیا، رہا قصہ تقابض کا سو اس کا ایک جیلہ ہو سکتا ہے، وہ یہ کہ مشتری بائع سے یوں کہے کہ تمہارا جتنا روپیہ کمپنی میں ہے میں اپنے اس زرگن میں سے تم کو اس قدر دیتا ہوں، اور تم اس قرض کا حوالہ اس کمپنی پر کرو، کہ اس سے وصول کروں یا کسی کام میں لگوادوں اور جو زرگن میں اس روپے سے کچھ زیادت ہے، اس کے عوض تمہارے حصہ کا سامان از قبیل عوض خریدتا ہوں، اسی جیلہ سے وہ محدود بھی دفع ہو گیا، البتہ اس پر ایک سوال ہوگا کہ اس روپیہ کی مقدار تو معلوم نہیں جس کے عوض یہ قرض دیتا ہے تو مجھوں کا قرض کیسا، اس کا حل منقول تو دیکھا نہیں لیکن قواعد و نظائر میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر جہالت مضر نہیں بلکہ صرف وہ جو مفضی الی النزاع ہو اور یہاں یہ احتمال نہیں، لہذا گنجائش ہو سکتی ہے۔ دوسرا امر قابل تحقیق یہ ہے کہ حصہ داروں کے ذمہ ان رقم کی زکوٰۃ ہو یا نہیں؟ سو زکوٰۃ کا وجوب تو ظاہر ہے لیکن اس تفصیل سے جو کہ سامان از قبیل نقد نہیں جیسے کہنے وغیرہ ان پر زکوٰۃ نہیں، صرف نقد روپیہ پر زکوٰۃ ہے، جس کے حصہ دار ہیں، ایک حصہ وہ جو اس شخص کو نفع میں ملا دوسرا وہ جو کمپنی میں بچا لیا گیا، اس کی مقدار صحابین

کمپنی سے بہت آسانی سے معلوم ہو سکتی ہے، تیسرا امر یہ کہ بجلی کیا مال مقوم ہے جس کی بیع و شراء کی جاتی ہے، اس کے دو جواب ہیں، ایک وہ جو تکریر فصل ثانی نمبر ۳ میں آتا ہے، وہاں ملاحظہ کیا جاوے۔ دوسرا یہ کہ اس کو بیع و شراء مجاز کہا جاتا ہے، اور حقیقت اس کی کرا یہ ہے، یعنی روشنی کا انتظام و اہتمام کر دو، اس کی اجرت ملے گی، اور ظاہر ہے کہ اس اہتمام میں مشقت بھی ضروری ہے، قلم لگاتا، تار کا ملانا خاص پابندی سے روشنی کا پہنچانا وغیرہ وغیرہ رہا یہ شبہ کہ اجارہ تو محض منافع پر ہوتا ہے، اور یہاں ایک مادہ بھی صرف کیا جاتا ہے، جو عین ہے، اگرچہ لطیف ہے، سو اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک کرا یہ ہر چند کہ منافع پر ہوتا ہے، مگر تعامل کی وجہ سے بعض صورتوں میں منافع کی ساتھ عین بھی معقود علیہ کا جزو ہوتا ہے، جیسے رنگرین کارنگ اس تاویل سے اس کی اجازت ہو سکتی ہے۔ فقط،

تکریر الفصل الثانی بعبارة اخرى استكتبة من بعض اعزتی اور دقید من الروایات
الكثيرة التي لو تكن فی جوابی. کیا فرماتے ہیں علمائے دین صورت ذیل میں کہ

(۱) قانون کمپنی کے موافق دس یا دس سے زیادہ اشخاص کچھ روپیہ اپنے پاس سے فراہم کر کے کمپنی کا کوئی نام تجویز کرتے ہیں، اور کمپنی کے مقاصد و اغراض تحریر کر کے اس نام سے اُن اغراض کے لئے کمپنی کو رجسٹری کراتے ہیں، رجسٹری کے وقت اُن کو اختیار ہے کہ جس قدر سرمایہ کے لئے چاہیں رجسٹری کرائیں، اور جو سامان بھی اُن کو بنانا ہے فروخت کرنا ہے وہ تحریر میں پیش کر دیں، اگر ایک لاکھ روپیہ سرمایہ کے لئے اور بجلی فروخت کرنے اور دیگر اشیاء کے لئے رجسٹری کرائی گئی، تو یہ ضرور نہیں کہ اسی وقت ایک لاکھ روپے موجود ہو بلکہ اس وقت تھوڑا سا روپیہ فراہم ہوتا بھی کافی ہے، جس پر کام کرنے کا سرٹیفکیٹ مل جاتا ہے، مثلاً ایک لاکھ روپے تک سے کام کرنے والوں کو دس ہزار روپیہ فراہم کر لینے پر کام کرنے کا سرٹیفکیٹ مل جاوے گا، اور یہ لوگ جنھوں نے اول روپیہ فراہم کر کے کمپنی کو رجسٹری کرایا ہے، کمپنی کو ترقی دینے والے کہلاتے ہیں، اب یہ لوگ ایک لاکھ روپیہ کے ایک ہزار حصص فی حصہ سو روپیہ (مثلاً) قائم کرتے ہیں، اور حصص فروخت کرنا شروع کرتے ہیں یہ ہے آج کل کمپنیوں کی ہیئت ترکیبی

اس کے متعلق سوال یہ ہے کہ جو لوگ کمپنی کے شیر ذر (حصص) خریدتے ہیں، شرعاً ان کی اس خریداری کی حقیقت کیا ہے؟

نیز یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کمپنی قائم ہو جانے کے بعد جو لوگ اس کے حصص خریدتے ہیں

وہ اعیان و نقد و دونوں میں شریک ہوتے ہیں، یعنی کمپنی میں اس وقت جو سامان از قسم مال تجارت اور اس کے لئے جس قدر عمارت ہے ہر خریدار اس میں بھی شریک ہے، اور جو نقد سرمایہ کمپنی کے پاس ہے اس میں بھی شریک ہے، غرض یہ شرکت اعیان میں بھی ہے اور نقد میں بھی یہ صورت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۲۔ جب کمپنی کے مقررہ حصص فروخت ہو جاتے ہیں تو آئندہ کے لئے حصص کی فروخت بند کر دی جاتی ہے، اس وقت اگر کوئی کمپنی میں داخل ہونا چاہے تو وہ پہلے خریداروں میں سے کسی کا حصہ خرید لیتا ہے، یہ بیع و شرائط صحیح ہے یا نہیں؟ کیونکہ اس وقت سارا معاملہ زبانی اور خط و کتابت سے طے ہوتا ہے، باہم تقابض طرفین سے نہیں ہوتا۔ اور چونکہ یہ شرکت نقد میں بھی ہے اور اعیان میں بھی، تو نقد میں کمی بیشی کا بھی احتمال ہے۔

۳۔ ایک کمپنی گورنمنٹ سے بجلی خرید کر دوسروں کے ہاتھ فروخت کرتی ہے، یہ بیع و بیع درست ہے یا نہیں، اور اس کمپنی میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟ کمپنی جس کے ہاتھ بجلی فروخت کرتی ہے، اس کے گھر میں ایک آلہ لگاتی ہے جس سے معلوم ہوتا رہتا ہے کہ اس شخص نے کتنی بجلی خرچ کی۔

۴۔ عموماً سب کمپنیاں سود لیتی بھی ہیں اور دیتی بھی ہیں، اس صورت میں ہر شریک کے حصہ میں سودی روپیہ بھی آتا ہے تو شریک کو کمپنی سے اپنے حصے کا منافع لینا جس میں سودی رقم بھی شاید مخلوط ہو جائز ہے یا نہیں؟

۵۔ کمپنی ہر حصہ دار کو پورا منافع نہیں دیتی، بلکہ ہر حصہ دار کی رقم منافع میں سے کچھ رقم پس انداز کرتی ہے، پس جو منافع حصہ دار کو ملا اس میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ اور جو رقم پس انداز ہوئی اس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

الجواب الشرع الموفق للحق والصواب

۱۔ بظاہر اس عقد کی حقیقت شرکت عیان ہے، کیونکہ جو لوگ کمپنی قائم کرتے ہیں وہ دوسروں کو شریک کرنے کے وقت خود کو بھی کمپنی کا ایک حصہ دار قرار دیتے اور اپنی عمارت مملوکہ متعلقہ کمپنی اور جملہ سامان و مال تجارت کو نقد کی طرف محمول کر لیتے ہیں، مثلاً ان لوگوں نے دس ہزار روپیہ کمپنی قائم کرنے کے عمارت و سامان وغیرہ میں لگایا تو وہ اپنے کو کمپنی کے

سوحصوں کا حصہ دار ظاہر کریں گے، البتہ اس صورت میں کمپنی قائم کرنے والوں کی طرف سے شرکت بالنفقة نہ ہوگی، بلکہ بالعروض ہوگی، سو بعض ائمہ کے نزدیک یہ صورت جائز ہے۔
فیجوز الشریک والمضاربة بالعروض بمجعل قيمتها وقت العقد راس المال عند احمدا
فی روایۃ وهو قول مالک وابن ابی لیلیٰ کما ذکرہ الموفق فی المغنی (ص ۱۲ ج ۵)
پس ابتداء عام کی وجہ سے اس مسئلہ میں دیگر ائمہ کے قول پر فتویٰ دے کر شرکت
مذکورہ کے جواز کا فتوے دیا جاتا ہے۔

۲۔ قال فی الدربیع البراءات التي یکتبها الدیوان علی العمال ولا یصح بخلاف
بیع حظوظ الائمة لان مال الوقف قائم ثمة (ای فی بیع حظوظ الائمة) ولا کذاک هنا
اشباه وقنیة ومقادة انه يجوز للمستحق بیع خبزه قبل قبضه من المشرق
(ای المباشرا لذلک یتولی قبض الخبز بخلاف الجندی اھ مع الشامیة (ص ۱۹ ج ۴)
وحاصلہ جواز بیع الحقوق الموجودة قبل القبض دون المعدومة، پس یہ صورت
بھی بیع حظوظ کے مشابہ ہے، کیونکہ جو خریدار اپنا حصہ بیع کرتا ہے وہ معدوم یا غیر مملوک
کی بیع نہیں کرتا، و فی الاشباہ بیع البراءات التي یکتبها الدیوان علی العمال لا یصح
(وسمیت براءة لانه یبرء بدفع ما فیہا طشامی) فاوردان ائمة بخاراجوزوا بیع
حظوظ الائمة ففرق بینہما بان مال الوقف قائم ثمة ولا کذاک ہنا کذا فی
القنیة الخ ص ۱۹ ولم یتعقبہ الحموی بشئ فلا یضرنا ما تعقبہ بہ فی النہر کما
فی الشامیة (ص ۱۹ ج ۴) لاسیما وفتویٰ ائمة بخارامؤیدة بالاشرف قد اخرج
البیہقی فی باب بیع الارزاق التي ینخرجها السلطان قبل قبضها "من طریق سفیان
عن معمر عن الزہری عن ابن عمرو زید ابن ثابت انہما کانا کایریان بیع الرزق
بأساھ (ص ۳۱۲ ج ۵) اور ظاہر ہے کہ صورت مسئلہ میں ایک شریک جو اپنا حصہ دوسرے
کے ہاتھ بیع کرتا ہے، یہ بیع حظوظ ائمہ کے مشابہ ہے، نہ بیع برأت کے واللہ تعالیٰ اعلم،
ہاں یہ ضرور ہے کہ بائع حصہ جس قدر نقد روپیہ خریدار حصہ سے لے رہا ہے، کمپنی میں اس کا
نقد روپیہ اس مقدار کے کسی قدر کم ہو اور اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کیونکہ خریداروں کی رقم کا زیادہ حصہ
مال تجارت لگ کر بصورت عروض منتقل ہو جاتا ہے، نقد کم ہوتا ہے۔

لانه لا یتحق الا لاجروہودین غیر عین ولا یجوز بیع الدین من غیر من ہو علیہ ۱۲ ظ

۳۔ بظاہر یہ بیع و شرائع محض روشنی کی نہیں ہے بلکہ یہ ایسا ہے جیسے کسی کی بوتل میں تیل بھر دیا جائے اور بجلی کا نظرنہ آنا اس کے جوہر نہ ہونے کو مستلزم نہیں کیونکہ بعض جوہر غیر مرئی بھی ہیں جیسے ہوا، البتہ بیع کے لئے بیع کا مقدر تسلیم ہونا ضروری ہے تو ہر شے پر قبضہ اور قدرت تسلیم اس کے مناسب ہوا کرتی ہے، بجلی کا کرنٹ اور میٹر وغیرہ جو خریدار کے گھر میں لگایا جاتا ہے، یہ اس کے مناسب قبضہ اور تسلیم ہے اور آلہ سے اس بات کا اندازہ لگانا کہ اس شخص نے کتنی بجلی خرچ کی ہے اس کے جوہر موجود اور حجم ہونے کی دلیل ہے، پس یہ ایسا ہے جیسے کسی کے تکیہ یا موٹر اور سائیکل کے پہیہ میں ہوا بھر کر اجرت لی جائے۔ والبیع مبادلۃ مال بمال والمال ما هو مرغوب فیه ولا یخفی کون البرق والهواء مما یرغب فیه فکل منهما بعد القدرة علیہ والقبض مال کالماء فی القربۃ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴۔ قال الموفق فی المغنی اذا اشترى الوکیل لمؤکله شیئاً باذنہ انتقل الملك من البائع الی الموکل ولو یدخل فی ملک الوکیل وبهذا قال الشافعی وقال ابو حنیفۃ یدخل فی ملک الوکیل ثم ینتقل الی الموکل لان حقوق العقد تتعلق بالوکیل بدلیل انہ لو اشتراه باکثر من ثمنه دخل فی ملکہ ولم ینتقل الی الموکل، یدیفرع عن هذا ان المسلم لو وکل ذمیاً فی شراء خمر او خنزیر فاشتراه لم یصح الشراء وقال ابو حنیفۃ یریم ویقع للذمی لان الخمر مال لہ ولا تہرب یتہولونها ویبایعونها فصح توکیلہم فیہا کسائر اموالہم (۲۶۳ ج ۵) وفیہ ایضاً ولیس للمضارب ان یشتری خمر او خنزیر اسواء کانامسلمین او کان احدهما مسلماً والاخر ذمیاً فان فعل فعلیہ الضمان وبهذا قال الشافعی وقال ابو حنیفۃ ان کان العامل ذمیاً صح شراؤه للخمر وبیعہ ایاہا لان الملك عندہ ینتقل الی الوکیل (۱۶۳ ج ۳) وفی المبسوط یکرہ للمسلم ان یدفع الی النضرانی مالاً مضارباً وهو جائز فی القضاء (ص ۱۲۵ ج ۲۲) وفیہ ایضاً ابو حنیفۃ یقول الذی ولی الصفقة هو الوکیل والخمر مال متقوم فی حقہ یمک ان یشتریکہا لنفسہ فہذا ان یشتریکہا لغيرہ وهذا لان المہتمم ہنا بسبب الاسلام هو العقد علی الخمر لا الملك فالمسلم من اهل ان یمک الخمر لا تری انہ لو تخمر عسیر المسلم یمک مالکہ ثم اذا تخلل جائزہ بیعہ واکلہ اذ مات قریبہ عن خمر یمکھا بالارث فان اعتبرنا جانب العقد فالعقد من اہلہ وهو فی حقوق العقد کالعقد لنفسہ وان اعتبرنا جانب

الملک فالمسلم من اهل ملک الخریفیصح التوکیل ام (ص ۲۱۶ ج ۱۲) فان قيل
 ذکر فی الہندیۃ فی باب المضاربة بین اهل الاسلام و اهل الکفر اذا دفع المسلم الی
 النصرانی ما لا مضاربة بالنصف فهو جائز الا انہ مکروه فان اتجر فی الخمر و الخنزیر
 فربما جاز علی المضاربة فی قول ابی حنیفۃ و تنبغی للمسلم ان يتصدق بحصته من
 الربح و عندہما يجوز علی المضاربة وان اربی قاشتری درہمین بدرہم کان
 البیع فاسدا و لکن لا یصیرضا من مال المضاربة و الربح بینہما علی الشرط ام رخص
 ج ۵) قلنا قولہ ینبغی للمسلم ان يتصدق بحصته محمول علی الورع کما هو الظاہر و
 ان حمل علی الوجوب فهو اذا کان قد اتجر فی الخمر و الخنزیر و لم یتجر فی غیرہما
 والا فحملہ ما یسجی فی الخلوط و قولہ فی صورة ارباء الوکیل کان البیع فاسدا الا
 یضرنا فان الوکیل بالبیع کالعائد لنفسہ و فساد البیع فی حق الذمی لا یتلزم حرمة
 الربح علی المسلم فان تبدل الملک یدفع ثبث الفساد و اما علی قول من جوز الربا
 بین المسلم و الکافر فی دار الحرب فالامر واسع، پس صورت مذکورہ میں مال مستفاد میں
 حرمت نہ ہوگی، جب کہ کمپنی قائم کرنے والے کافر ہوں، البتہ کفار کی کمپنیوں میں شرکت خود
 مکروہ ہے، جیسا مبسوط کے قول سے معلوم ہوا، اگر مسلمانوں کی کمپنیاں بھی سودی لین دین
 کرتی ہوں جیسا آجکل غالب یہی ہے تو کفار کی کمپنیوں کی شرکت مسلم کمپنیوں کی شرکت سے
 اہون ہے، ولتذکر بعد ذلک حکم المال المختلط بالحرام والحلال قال قاضی خان
 ان کان غالب مال لمہدی من الحلال لا یاس بان یقبل الہدیۃ و یا کل مالہ
 یتبین عندہ انہ حرام لان اموال الناس لا تخلو عن قليل حرام فیعتبر الغالب
 و اذا مات عامل من عمال السلطان و اوصی ان یعطى الختطہ للفقراء قالوا ان کان
 ما اخذہ من اموال الناس مختلطاً بالکلاباس بہ وان کان غیر مختلطاً لا یجوز
 للفقراء ان یاخذوہ اذا علموا انہ مال الغیروان لم یعلموا اخذ انہ من مالہ و مال
 غیرہ فهو خلل حق یتبین انہ حرام و قیہ ایضاً ان کان للسلطان مال و دینہ عن ابناء
 یجوز اخذ جائزہ فقیل لہ لو ان فقیراً یاخذ جائزۃ السلطان مع علمہ ان السلطان
 یاخذہا غصباً یحل لہ ذلک قال ان کان السلطان خلط الدراہم ببعضہا
 ببعض فانہ لا یاس بہ وان وضع عین القصب من غیر خلط لم یجوز اخذہ قال

الفقیہ ابو اللیث ہذا الجواب يستقیم علی قول ابی حنیفہ لان عندہ اذا غصب الدراہم من قوم و خلطہ ببعضہا ببعض یملکہا الغاصب اما علی قولہما لا یملکہا ویكون علی ملک صاحبہا اہم ما خصاص ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، فاذا خلط الوکیل دراہم الربوا ببعض الدراہم التي اخذها من حلال يجوز اخذ الربح منها لكون الخلط مستهلكاً عند الامام لا سيما اذا كان الوکیل كافراً، لا سيما والتقسيم مطهر عندنا كما اذا بال البقر في الحنطة وقت الدياسة، فاقسمها المال لكل واحد اكلها مع التيقن بكون الحنطة مختلطة بالطاهر والنجس ولكن القسمة ادرثت احتمالات حصته كل واحد من الشركاء فحکمتا بطہارة نصيب كل واحد منهم فكذا اھمنا اذا ربي الوکیل بالتجارة و خلط الدراہم ببعضہا ببعض ثم قسمها علی الشركاء، يحکم بعمل نصيب كل واحد منهم والله تعالى اعلم، واخرج البيهقي في سننہ فی باب کراهية مبايعة من اكثر مالہ من الربا او ثمن المحرم من طریق شعبة عن مزاحم عن ربيع بن عبد الله ان سماع رجلاً سأل ابن عمر ان لي جار ياكل الربا او قال خبيث الكسب وربما هاني لطعامه افاض بيده قال نعم، ومن طريق مسعر عن جواب التيمي عن الحارث بن سويد قال جاء رجل الى عبد الله يعني ابن مسعود فقال ان لي جار ولا اعلم له شيئاً الا خبيثاً او حراماً وانهم يدعونني فاخرج ان اتيه واتخرج ان لا اتيه فقال انتہ او اجه فانما وزره علي قال البيهقي جواب التيمي غير قوي وهذا اذا لم يعلم ان الذي قدم اليه حرام فاذا علم حراماً لم ياكله (ص ۳۳۵ ج ۲) قلت جواب التيمي وثقنا بن حبان ويعقوب بن سفيان كذا في التهذيب (ص ۱۲۱ و ۱۲۲ ج ۲)

۵۔ مال تجارت پر زکوٰۃ ہے، جب کہ بقدر نصاب ہو، اور بجلی بھی مال ہے، جیسا مذکور ہوا۔ تو اس میں بھی بوقت تجارت زکوٰۃ ہے، اور جو نقد پس انداز ہو اس میں بھی زکوٰۃ ہے جب کہ بقدر نصاب ہو، اور حوالان حول ہو گیا ہو، اور جو رقم منافع میں آتی ہے، اس پر بھی زکوٰۃ ہے، جب کہ مال تجارت اور منافع کا مجموعہ بقدر نصاب ہو، یا خریدار کے پاس پہلے سے سونا یا پانندی یا نقد بقدر نصاب موجود ہو اور اثباتے حول میں یہ بھی اس کے ساتھ مل جائے تو مجموعہ پر سال تمام پر زکوٰۃ واجب ہوگی وعلیٰ ہذا ظاہر و اللہ تعالیٰ اعلم،

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۵ شوال ۱۴۳۵ھ

تتمہ من الجیب

على ما ذكرنا من احكام الخلط قاعدة اذا اجتمع الحلال والحرام
غلب الحرام ولكن صرح في الاشباه بانه خرجت عن هذه القاعدة مسائل عشرة الاولى
من احد ابويه كتابي والاخر مجوسى فانه يحل نكاحه وذبيحته ويجعل كتابا وهي يقتضى
ان يجعل مجوسيا وبه قال الشافعى ولكن اصحابنا تركوا ذلك نظرا للصغير فان المجوسى
شهر من الكتابي فلا يجعل الولد تابعا له بل يتبع خيرا الابوين والثانية الاجتهاد في الاولاد
اذا كان بعضها طاهرا وبعضها نجس الاقل نجس فالتحرى جائز. الثالثة الاجتهاد في ثياب مختلطة
بعضها نجس وبعضها طاهر جائز سواء كان اكثر نجسا او لا والفرق انه لا خلف لستر العورة وللوضوء
خلف وهو التيمم والرابعة لو سبق شاة خمر او ذبحها من ساعته فانها تحل بلا كراهة ومقتضى ثالثة
التحرى وكذا ابو علفها علفا حرام لم يحرم لبنها ولحمها (الاستهلاك) الخامسة ان يكون الحرام مستهلكا فلما
كل المعصوم شيئا قد استهلك فيه الطيب فلا فدية رقلت ويدخل فيه مسئلة
الخلط ايضا فانه استهلاك عند الامام ولكنه ذكرها على حدة ايضا فقال الثامنة
اذا كان غالب مال المهدى حلالا فلا بأس بقبول هديته واكل ماله ماله انه يتبين
انه راي المهدى اسد مفعول من حرام وان كان غالب ماله الحرام لا يقبلها ولا ياكل
الا اذا قال انه حلال ورثه او استقرضه وعن الامام ان المبتلى بطعام سلطان
والظلمة يتحرى فان وقع في قلبه حله قبل واكل والا لا يقوله عليه الصلوة والسلام
استفت قلبك الحديث العاشرة قال في القنية من الكراهة غلب على ظنه ان
اكثر مبيعات اهل السوق لا تخلو عن الفساد فان كان الغالب هو الحرام تنزه عن
شراءه ولكن مع هذا لو اشتراه يطيب له اه قال الحموى ووجهه ان كون الغالب
في السوق الحرام لا يستلزم كون المشتري حراما لجاوزه من الحلال المغلوب والاصل
الحل اه (ص ۹۱ و ۹۲) فلما ثبت خروج هذه المسائل عن القاعدة فلا اشكال والله اعلم
يقول اشرف على ان هذا التوسع كله في امثال هذه المعاملات لمن ابتلى بها او

اضطر اليها داما غيره فالتوقى الورع فقط المنتصف شوال ۱۳۵۵

فصل ثالث اس میں ایک کپڑے کی خالص مسلمانوں کی کمپنی کے قواعد اور احکام ہیں

(قواعد ضروریہ) یہ قواعد کمپنی کے مینجنگ ڈائریکٹر کی تحریر سے معلوم ہوئے

ہیں اور انہوں نے اس کا قصد ظاہر کیا ہے، کہ کمپنی کے قواعد جو انگریزی میں ہیں، اور جس کا

صرف ایک نسخہ لکھا ہے اس کا ترجمہ کر کے شائع کیا جائے اس کو دیکھ کر اگر ضرورت ہوئی اس فصل میں اضافہ کر دیا جائے گا، جو قواعد اس وقت معلوم ہوئے ہیں وہ نقل کئے جاتے ہیں۔
۱۔ مینجنگ ڈائریکٹر کو پورا اختیار ہے کہ کمپنی کے مفاد کے لئے جو امور ضروری ہیں ان کو عمل میں لائے اس میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ کمپنی کے روپے کو مناسب طور اور نفع کے لئے کہیں اور لگائے اور کمپنی کی طرف سے لین دین کرے (بلا سودی)

۲۔ کمپنی کا تمام روپیہ حسب ضرورت بینک میں رکھنا ناگزیر ہے تاکہ آسانی سے دوسری جگہ روپیہ بھیجا جاسکے۔

۳۔ حسابات سال میں ایک بار ہوں گے، اور منافع فی صدی جو ڈائریکٹروں نے ملے کیا ہو تمام حصہ داروں کو تقسیم کیا جائے گا۔

۴۔ زکوٰۃ سال پورے ہونے پر جو اپریل میں ختم ہوگا ادا کی جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔
۵۔ اگر کوئی حصہ دار اپنا روپیہ وصول کرنا چاہے، تو اس کی یہ صورت ہے، کہ دوسرا اسی رقم کا حصہ دار تلاش کیا جائے وہ ان حصص کو خرید لے، پھر کمپنی نئے حصہ دار سے روپیہ وصول کر کے پُرانے حصہ دار کو ادا کر دے، تلاش خریدار اور رجسٹروں کی درستی وغیرہ کا معاوضہ کچھ فی صدی لیسکر باقی روپیہ پہلے حصہ دار کو ادا کیا جاسکتا ہے، اور یہ تبادلاً اس وقت تک نہیں لگتا جب تک کہ ڈائریکٹروں کی رضامندی نہ ہو، ڈائریکٹروں کی اجازت کے بعد ہر حصہ کی تبدیلی پر صرف ایک روپیہ فیس عائد کی جائے گی۔

(احکام مبنیہ بر قواعد مذکورہ نمبر وار) ان امور اور تصرفات کے جواز و عدم جواز کے موافق احکام جاری ہوں گے، اور یہ ظاہر ہے کہ جو لوگ بعد میں شریک ہوں گے ان کی شرکت میں ایک بدل عرض ہوں گے، سو اس کی تحقیق تکمیل فصل ثانی میں گندھکی ہے اور بلا سودی کی قید سے یہ کمپنی دوسری اکثر کمپنیوں سے اقرب الی الخیر ہو گئی۔

۲۔ بینک کے معاملات میں علماء کا اختلاف مشہور ہے اور فصل ثانی میں مذکور۔

۳۔ اگر نفع کی مقدار معین ہوتی تو وہ ربا ہوتا۔ اب اس میں کوئی شبہ نہیں۔

۴۔ بلا قید یہ معمول جائز نہیں، البتہ اگر اس تفصیل سے قاعدہ مقرر کیا جائے تو جائز ہے کہ نابالغ کے حصہ کی زکوٰۃ تو کسی کی اجازت سے بھی جائز نہیں، اور بالغین میں جس کا حصہ نصاً سے کم ہو، یا حصہ دار اتنا مقروض ہو کہ منہائی قرض کے بعد اس کا حصہ نصاب سے کم رہ جائے

اس کی زکوٰۃ اس کی اجازت سے جائز ہے، لیکن چونکہ ان لوگوں کے ذمہ واجب نہیں، لہذا ان کو اس عدم وجوب کی اطلاع کر دینی چاہئے، پھر اجازت دینے نہ دینے کا ان کو اختیار ہے یا اگر کسی کے ذمہ واجب بھی ہے مگر وہ کمپنی کو ادا کرنے کی اجازت نہیں دیتا، اس کے حصہ میں سے بھی دینا جائز نہیں، چونکہ اس تفصیل پر عمل سخت دشوار ہے، لہذا زکوٰۃ کی اس دفعہ کو نکال ہی دینا مناسب ہے، نیز اس میں ایک اور فروگزاشت بھی ہے، وہ یہ کہ زکوٰۃ قمری سال کے حساب سے واجب ہوتی ہے، اور ان دونوں حسابوں میں ایک سال میں تقریباً دس روز کا فرق پڑتا ہے تو چھتیس سال میں ایک سال کا فرق ہوگا، تو اگر شمسی حساب سے ادا کرتا رہے تو چھتیس سال میں ایک سال کی زکوٰۃ اس کے ذمہ واجب رہ جائے گی، اور یہ اپنے کو سکروش سمجھے گا۔

۵۔ اس مبادلہ کے احکام اور تصحیح کا طریق فصل دوم میں مفصلاً مذکور ہے، اور اس صورت میں جو رجسٹروں کی درستی وغیرہ کا کچھ معاوضہ مثلاً فی صدی ایک روپیہ یا کم زیادہ لیا جائے وہ اجرت ہے اہل دفتر کی اس کا کچھ حرج نہیں، اور احقر کے نزدیک منی آرڈر کی قیس بھی اسی توجیہ سے جائز ہو سکتی ہے، ہذا اما حضرت فی ہذا الحین، دنی کل امر بہ نستعین

ضمیمہ فصل ثالث متعلق دفعہ زکوٰۃ ۱

یہاں سے زکوٰۃ کے متعلق جب جواب گیا تو کمپنی کے ڈائریکٹر کا خط آیا، کہ واقعی میری ناقص نظر ان امور پر نہ تھی جس کے متعلق حضور والا نے تحریر فرمایا ہے، مگر بعض شبہات مجھے اب پیدا ہو گئے ہیں جو حضور والا سے عرض کرتا ہوں، تاکہ ازالہ ہو جاوے۔ اس وقت تک جو رقم بارہ تیرہ ہزار اس کمپنی میں لگائی گئی ہے وہ ہر دست تقریباً ڈیڑھ چنڈ ہو گئی ہے، مگر چونکہ علاوہ فرنیچر اور الماریوں اور دیگر اشیاء ضروری کے سب چیزیں اشیاء تجارت میں سے ہیں اور ان پر سال گزرنے والا ہے، لہذا اگر ان کی زکوٰۃ نہ نکالی جاوے تو جس شخص نے ایک سو روپے کے حصص خریدے ہیں اور وہ مقروض بھی نہیں ہے اور صاحب تصاب بھی ہے اس کا مشترکہ حصہ بصورت مال تجارت ڈیڑھ سو روپیہ ہو گیا ہے، اب وہ زکوٰۃ کی ادا کرے، اگر ایسی صورت میں کمپنی اپنی ذمہ زکوٰۃ کا ادا کرنا لازم کرے، تو سب مال تجارت کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، مگر واقعی اس صورت میں

جیسا حضور والا نے تحریر فرمایا ہے ان حضرات کی طرف سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی جن کے ذمہ زکوٰۃ واجب نہیں، اب جو صورت حضور والا تحریر فرمادیں اسی کے مطابق عمل کیا جائیگا

انشاء اللہ تعالیٰ۔ تہ السوال

اس کا جواب حسب ذیل گیا، تخمینہ سے ادا کی جائے گی۔ اور حصہ داروں کو تو تخمینہ کرنا دشوار ہے سہل صورت یہی ہے کہ ختم سال پر جب حصہ داروں کو منافع کی رقم تقسیم کی جائے اس کے ساتھ ہی آپ تخمینہ کر کے اس کی بھی اطلاع ان کو کر دیں اور مسئلہ بتلا دیں کہ آپ کے ذمہ اس کی زکوٰۃ واجب ہے علماء سے پوچھ کر ادا کر دی جاوے۔ پھر ان کو اپنے واجب کے ادا کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے۔

مسئلہ ثان زید تا وقت النظر الثاني الادلى منى والثاني من المولى محمد شفيق
الدیوبندی فی جواب سوالی بعد عدة اشهر، فالاولی فی الدرر سببه رای وجوب
الزکوٰۃ ملک نصاب علی الخ فی ردالمحتار فلا زکوٰۃ فی سوا اللہ الوقف والخیل المسئلة
عدم الملك الخ قلت وكذا فی دراهم الوقف لا شتر الك العلة قلت ایضا و دلیل المسئلة
من الحديث قوله عليه السلام لها اخبر بئتم خالد الزکوٰۃ اما خالد فانكم تظلمون خالد
قد احتبس ادراعه واعتد في سبيل الله الحديث للشيخين و ابی داود والنسائی عن
ابی هريرة كذا فی جمع الفوائد بیان وجوب الزکوٰۃ واثمه تاركها، والثانية فی
صورة السؤال والجواب، (النور ص ۱۰ - سوال ۳۵۹ ھ)

السوال (۵۲۳) ایک ضروری سوال حل طلب ہے، جس کا منشاء چند فروع
فقہیہ ہیں، اول وہ فروع نقل کرتا ہوں پھر وہ سوال لکھوں گا، اور چونکہ وہ فروع محض یاد
سے لکھی ہیں، اس لئے ان کے صحیح یا غلط یا دہونے کی بھی تحقیق مقصود ہے، وہ فروع یہ ہیں
۱۔ دراهم و دنیا نیر کا وقف کرنا متاخرین کے قول پر صحیح ہے، اس صورت سے کہ اصل سرما
باعتیار مقدار کے محفوظ رہے، اور اس کو بذریعہ تجارت بڑھا کر اس کے منافع کو مصارف
وقف میں صرف کیا جائے۔

۲۔ واقف کو منافع وقف سے تا حیات خود اپنی ذات کے لئے انتفاع کی شرط
ٹھہرانا جائز ہے، باقی دوسرے شرائط صحت وقف کا تحقق ہر حال میں ضروری ہے۔
۳۔ وقف میں زکوٰۃ واجب نہیں، کیونکہ اس کے وجوب کے لئے دلیل کو ملک محل کی شرط ہے

اور اس علت کا مقتضایہ ہے کہ دراہم موقوفہ اور اس کے بیچ میں بھی زکوٰۃ واجب نہ ہو یہ مقتضائیات سے لکھا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر دراہم موقوفہ بشرط انتفاع النفس کی آمدنی پر اپنے خرچ میں لانے کے لئے قبضہ کر لیا تو کیا اسی نیت سے قبضہ کرنے سے وہ رقم اس کی ملک میں داخل ہوئی یا داخل نہیں ہوئی، صرف اباحت کے طور پر اس سے انتفاع جائز رہے گا، دوسری صورت میں یہ سوالات متوجہ ہوں گے، کہ اگر قبل استہلاک اس پر حوالان حول ہو گیا تو اس پر زکوٰۃ ہونا چاہئے۔ نیز اگر واقف مرگیا تو اس میں میراث جاری نہ ہونا چاہئے، پھر کیا اس صورت میں واقف پر واجب ہو گا کہ اس کے متعلق وصیت کر جاوے اور کیا اس حالت میں اس کا مصرف اس وقف کے مضار مقصودہ ہوں گے، اور اگر اس کو دوسرے مال میں مخلوط کر دیا تو خلط سے مالک ہو کر کیا اس کا ضمان واجب ہو گا اور پہلی صورت یعنی تملک میں یہ سوالات تو متوجہ نہ ہوں گے، لیکن ایک علمی خرمکال رہے گا، کہ جب منافع وقف کے بھی وقف ہیں جس کے لوازم سے عدم تملک ہے یہ لازم اس سے کیسے منفک ہو گیا؟ بینوا تو ہوا،

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب :- فروع مذکورہ جن پر سوال مبنی ہے سب صحیح اور کلام فقہاء میں مصرح ہیں فروع ۱۷ عالمگیری کتاب الوقف باب دوم صفحہ ۲۰۲ میں نیز درمختار و شامی میں مصرح موجود ہے، اور فروع ۱۸ بھی عالمگیری، شامی، درمختار اور عامہ متون و شروعی میں مصرح موجود ہے، اور فروع ۱۹ کے متعلق شامی کی تصریح درمختار کے قول سببہ ملک نصاب کے تحت میں بالفاظ ذیل ہے، فلا زکوٰۃ فی سوائہ الوقف والخیل المسبلة لعدم

الملک (شامی ص ۵ ج ۲)۔

اب جواب سوال دو مقدموں پر موقوف ہے، اول یہ کہ منافع وقف وقف نہیں ہوتے (جیسا سوال کے آخر میں کہا گیا ہے) بلکہ واجب التصدق والاتفاق فی حصارہ ہوتے ہیں دوسرے یہ کہ جن لوگوں کو منافع وقف سے حصہ یا جاتا ہے، وہ بطور تملیک ہوتا ہے بطور اباحت نہیں، رہاں اگر واقف اس کی تصریح کر دے کہ بطور اباحت خرچ کیا جاوے تو یہ دوسری بات ہے کہ پابندی اس کی بوجہ اتباع شرائط واقف کے ضروری ہو جائے گی، نہ کہ اصل وقف کو اعتبار سے دلیل مقدمہ ثانیہ کی عبارات ذیل ہیں (۱) فی الدار المختار فی تعریف الوقف هو لغت

الحبس وشرعاً حبس العین علی حکم ملک الواقف والتصدق بالمنفعة ولو فی الجملة
 (الی قولہ) عندہ وعندہما ہو حبسہا علی حکم ملک اللہ تعالیٰ وصرف منفعہا علی من حبسہ
 قال شامی فی قولہ فی الجملة فیدخل فیہ الوقف علی نفسه ثم علی الفقراء وکذا الوقف
 علی الاغنیاء ثم الفقراء (شامی ص ۲۹۷ ج ۳) ومثله فی العالمگیریۃ (ص ۲۰۲ ج ۲)
 (۲) والصدقة کالہبۃ بجامع التبرع وحينئذ لا تصح غیر مقبوضۃ ولا فی مشاء
 یقسم در مختار مع شامی (ص ۴۱۸ ج ۲) (۳) وفی البدائع مستدل علی وجوب
 التملیک فی الصدقات مانص ولایتاء هو التملیک ولذا سمي الله تعالی الزکوة
 صدقة بقولہ عن وجل انما الصدقات للفقراء والتصدق التملیک (بدائع ص ۲)
 عبارات مذکورہ میں منافع وقف کو صدقہ قرار دیا گیا ہے اور عبارت میں صدقہ کا مثل ہے
 ہونا مصرح ہے، اور یہ کہ مہربوب لہ کی ملک تام ہونا معلوم و معروف ہے، اور عبارت میں
 عین التصدیق کا عین تملیک ہونا بصراحت مذکور ہے، اس مجموعہ سے ثابت ہوا کہ منافع وقف
 جن لوگوں کو بطور صدقہ دیا جاتا ہے وہ بطور تملیک ہے بطور اباحت نہیں، اور اغنیاء کو یا خود
 واقف کو جو حصہ دیا جاتا ہے وہ اگرچہ حقیقتہً صدقہ نہیں بلکہ ہبہ ہے، مگر اس کو بھی بلفظ تصدیق
 تعبیر کیا گیا ہے کہا فی تنقیح الحامدیۃ، التصدیق علی الغنی ہبۃ وان ذکر لفظ الصدقة
 وعلی الفقیر صدقة وان ذکر لفظ الہبۃ (تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ ص ۴۹ ج ۲)
 الغرض صدقہ ہو یا ہبہ دونوں پر متصدق علیہ اور مہربوب لہ کا قبضہ قبضہ مالکانہ ہوتا ہے
 اباحت نہیں، واللہ اعلم،

اور دلیل مقدمہ اولی (یعنی اس امر کی کہ منافع وقف وقف نہیں ہوتے) عبارات قبل ہیں
 را، عبارت مذکورہ سابقہ میں منافع وقف کو بخلاف اصل وقف کے صدقہ قرار دیا ہے۔
 (۲) متولی المسجد اذا اشترى من غلته داراً او حاقوا قریہ الدار و هذه الحاقوت، هل
 تلحق بالحوانیت الموقوفة علی المسجد ومعنا دہل تصید وقفاً مختلفاً لمشاغ فیہ قال
 الصدر الشہید المختار انہ لا تلحق ولكن تصیر مستغلاً للمسجد وهذا الان الشرائط
 الستی یتعلق بها لزوم الوقف وصحتہ حتی لا یجوز فسخہ ولا بیعہ لم یوجد شیء من ذلك
 ہہنا فلم یبصر وقفاً فیجوز بیعہ فی اسم عشر من وقف الذخیرۃ (فتاویٰ نقویہ)
 ص ۱۱۱ ج ۱) عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ منافع وقف وقف نہیں بلکہ اکران و وقف است

کوئی جائیداد بھی خرید لی جاوے تو وہ جائیداد بھی وقف نہیں ہوتی (یہ دوسری بات ہے کہ واقف نے تصریح کر دی ہو، کہ وقف کی آمدنی کے کل یا جزو سے کچھ جائیداد خرید کر وقف کے ساتھ ملحق کر دی جاوے تو اتباع شرائط واقف کی وجہ سے وہ بھی وقف ہو جائے گی کما یتفاد من القواعد) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

اب خلاصہ جواب یہ ہے کہ درہم موقوفہ علیٰ نفسہ کے منافع پر جب خود واقف نے حسب شرائط وقف اپنے صرف میں لانے کے لئے قبضہ کر لیا تو یہ قبضہ ملک ہے، اگر اس طرح بقدر نصاب روپیہ جمع ہو گیا تو حوالان حول کے بعد اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور بعد ازاں مالک اس میں میراث جاری ہوگی، اور چونکہ منافع وقف کا وقف نہ ہونا بلکہ واجب التصدق مثل قیمت چرم قربانی وغیرہ کے ہونا عبارات مذکورہ سے مستفاد ہے اس لئے یہ شبہ نہ رہا کہ منافع وقف ملک میں کس طرح داخل ہو گئے واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم (النور ص ۱۰، ذیقعدہ ۱۳۵۹ھ)

ضمیمہ ملتقطہ از فتاویٰ علیقہ احقر موعود خطبہ رسالہ ہذا یعنی المقصود لسنی

فصل رابع سوال (۵۲۴) ایک بڑے اور روٹی بنانے والوں کے شیر یعنی حصص کمپنی مذکورہ کے خریدنا درست و جائز ہے یا نہیں، ۱۔ اور ٹرام ریلوے کے حصص خریدنا درست ہے یا نہیں، ۲۔ مذکورہ بالا کمپنی نے دو ہزار روپے کے اگر حصص خریدے تو اس کی آمدنی کے اوپر زکوٰۃ دینا واجب ہے یا دو ہزار روپے مذکورہ کے اوپر بھی زکوٰۃ دینا واجب ہے یا آمدنی اور مذکورہ دو ہزار روپیہ پر بھی زکوٰۃ دینا واجب ہے۔ ۳۔ دارالحرب میں بعض لوگ سیونگ بینک میں پیسہ رکھتے ہیں اور سالانہ سود بھی لیتے ہیں کیا مسلمان کے لئے یہ جائز ہے۔

الجواب (۱) و (۲) اگر حصص صرف نقد روپیہ تھا، تب تو اس کے خریدنے کے لئے برابر سراسر ہونا شرط ہے، اور اگر حصص میں آلات کا جزو بھی ہے تو بدون اس شرط کے بھی درست ہے۔ (۳) زکوٰۃ اصل و نفع دونوں پر واجب ہوتی ہے۔ (۴) یہ فعل محصیت ہے، مگر اس سے جو مال حاصل ہوا وہ منہج ہو سکتا ہے، اور اس مسئلہ میں اختلاف بھی ہے (النور ص ۱۰، ذیقعدہ ۱۳۵۹ھ)

تحقیق بعض معاملات پتلی گھر سوال (۵۲۵) کانپور کی میونسپلٹی کے مینجمنٹ نے حسب قاعدہ مروجہ ایک اشتہار کمپنی قائم کرنے کا دیا۔ اور اس کے مجوزہ سرمایہ کے مطابق پندرہ لاکھ روپیہ

جمع ہو گیا جس سے کاروبار شروع کیا گیا۔ اور ہر سال نفع تقسیم کرتا رہا، اور جیسے کہ عموماً کمپنیوں کا قاعدہ ہے کہ ہر سال کے نفع میں سے کچھ بچا کر تقسیم کیا جاتا رہا کہ اتفاقی حوادث کے وقت وہ نفع کام دے، چونکہ شرکاء میں کمی بیشی کمپنی میں نہیں ہو سکتی۔ اس واسطے رقم نفع میں کچھ بلکہ کل تک اگر بچا رکھا جاوے تو قواعد شرعیہ کے کچھ خلاف بھی نہیں ہے، ہر سال وہ نفع کی رقم بچتے بچتے اس قدر بچ گئی کہ اصل سرمایہ کے برابر یعنی پندرہ لاکھ کو پہنچ گئی اس وقت یمنجر نے یہ مناسب سمجھا کہ اب اس رقم کو شامل اصل کر دیا جاوے، اس لئے اس نے تمام شرکاء کو اطلاع دی کہ یا تو لوگ اپنی رقم نفع جو بچکر اصل کے برابر پہنچ چکی ہے اس کو واپس لے لیں، اور یا اس کو اصل میں شامل کر دیں، اس تقدیر پر اس کی اصل دہنی سمجھی جاوے گی لیکن تقسیم نفع کی نسبت اس نے یہ شرط کر لی ہے کہ جدید حصص پر نفع خواہ کسی قدر ہو سیکڑہ سے زائد تقسیم نہ کرے گا، اور جو اس سے زائد نفع ہوگا وہ قدیم حصص پر تقسیم کیا جاوے گا فرض کیا جاوے کہ اصل میں ایک شخص نے سو روپے دیئے تھے، اور اب رقم منافع ملا کر اس کے دوسو کا حصہ سمجھا گیا، تو اگر کمپنی میں نفع اس قدر ہوا کہ ہر سو پر ۲ تقسیم ہو سکتا ہو تو وہ اس شخص کو ۱۲۰ روپے دے گا، اصل روپے پر ۲۰ اور زائد پر ۲۰ روپے اگر اس قدر نفع ہوا کہ ہر سو پر ۲۰ روپے صحیح تقسیم ہو سکتا ہے تو وہ اصل پر آٹھ آنہ دے گا، اور رقم نفع پر ۲۰ لیکن اگر نفع اس قدر زائد ہو کہ ہر سو پر ۱۰ روپے صحیح تقسیم ہو جاتے ہیں تو وہ رقم نفع پر ۲۰ روپے کر باقی ۲۰ رقم اصل کے نفع دیدئے گا۔

خلاصہ یہ کہ رقم نفع میں نفع کی کمی مقدار کو مقرر نہیں، بلکہ اگر نقصان ہو تو بھی لیا جاوے گا لیکن زائد میں مقدار نفع مقرر کر دی ہے کہ ۸ سے زائد اس کو نفع میں کوئی حق نہیں ہے، بلکہ وہ تمام زیادتی صرف قدیم رقم کے متعلق سمجھی جاوے گی، چنانچہ اس اشتہار کے مطابق اکثر لوگوں نے اپنا روپیہ اس کمپنی میں جمع کر دیا۔ اور بعض نے واپس بھی منگوا لیا، چنانچہ پندرہ لاکھ رقم نفع میں تیرہ لاکھ سے کچھ اوپر اس میں رکھ کر شامل اصل کر دی گئی، اور تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپیہ لوگوں نے واپس کر لیا،

اب سوال یہ ہے کہ یہ معاملہ جائز ہو یا نہیں، اور اگر کوئی شخص اپنے حصص رقم اصل یا حصص رقم نفع دوسرے کے ساتھ فروخت کرے تو اس سے خریدنا جائز ہو یا نہیں، اور آیا زائد اذن تقسیم نہ کرنے کی شرط جو حصص قسم ثانی میں ہو اس سے اس شرکت میں فساد آتا ہے یا نہیں

شرکت میں حسب تصریح فقہار کی پیشی کی شرط ہو سکتی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ وہی شرط ہونا چاہئے جس میں تعیین مقدار نہ ہو، اور یہاں آٹھ آنے سے زائد ملنے کی معین شرط ہے، اور آیا فساد آوے گا تو صرف حصص قسم ثانی میں یا اس کا اثر اول قسم تک بھی پہنچ جاوے گا۔ اس وجہ سے کہ جب قسم ثانی میں یہ شرط فاسد ہوئی تو شرکت فاسدہ میں نفع راس المال کے مطابق تقسیم ہونا چاہئے، اور یہاں مالکان حصص قسم اول کو اگر نفع زائد ہو تو وہ سے زائد مل سکتا ہے، اور حالانکہ وہ مطابق راس المال تقسیم ہونا چاہئے، تو گویا قسم ثانی کا نفع جو ان کا حق تھا وہ قسم اول کے مالکان کو ملا جاتا ہے، اس لئے وہ نفع لیتا قدیم حصص کے مالکان کو جائز نہ ہو، یا کہ دونوں قسموں کو اس بنا پر جائز کہا جاوے کہ دونوں قسم کے حصص کا مجموعہ نفع غیر متعین ہے اور مالک دونوں کا ایک ہی شخص ہے، نہ علیحدہ علیحدہ، البتہ جو صرف حصص قسم ثانی کسی سے خریدے گا تب اس کو جائز نہ ہوگا، یا کہ صرف قسم اول کے حصص کوئی خریدے تو اس کو جب سے نفع زائد ملے گا تو بسبب تعلق حصص قسم نفع زائد ازہ میں وہ زیادتی جائز نہ ہو، لیکن جو شخص دونوں قسم کے حصص کا مالک ہو یا دونوں قسم کے حصص خریدے اس کے لئے نفع جائز ہو جاوے، علی الخصوص اس وقت جبکہ دونوں قسم کے حصص برابر ہوں، اس لئے کہ اس وقت اگر کسی پیشی ہوئی ہے تو اس سے اسی کو ملتا ہے نہ کہ دوسرے کا مال آتا ہے، یقین ہے کہ علیٰ محض اس پر توجہ فرما کر جواب باصواب تحریر فرمائیں گے؟

الجواب، میں نے پوری توجہ سے اس سوال کو پڑھا، میرے نزدیک یہ شرط مفسد عقد نہیں، کیونکہ قسم ثانی کے نفع کی مقدار اکثر متعین ہے، مگر اس سے زائد کو دوسرے شریک کے لئے شرط نہیں ٹھیرایا، اگرچہ کسی شریک کے فعل خاص سے کہ وہ اپنا جزو حصہ کسی اجنبی کے ہاتھ بیچ ڈالے یہ امر کہ ایک کے حق کا نفع دوسرے کو مل جاوے لازم آجاوے، لیکن اصل عقد میں تو یہ شرط نہیں بلکہ مجموعہ منافع متعلقہ ہر دو قسم ایک ہی حصہ دار کا حق ہے کہ اس کے جزو کو ایک قسم کے متعلق قرار دیدیا، اور ایک جزو کو دوسری قسم کے متعلق، البتہ جو از نفع اسی کیلئے ہے جو مجموعہ ہر دو قسم حصص کا مالک ہو، یا مجموعہ ہر دو قسم حصص کو خریدے، بشرطیکہ دونوں قسم کے حصص برابر ہوں، اور اگر کم و بیش ہوں گے تو بوجہ اُن مفاسد کے جو سوال میں مذکور ہیں عقد میں فساد آجاوے گا، واللہ اعلم اسی طرح اگر ایک حصہ ایک کا ہو اور دوسرا حصہ دوسرے کا تو یہ

صورت بھی جائز نہیں، للہ و مالمفسدۃ المذكورۃ فی السؤال واللہ اعلم ۶ رذی الحجہ ۱۳۲۶ھ
(تمہ اولیٰ ص ۱۹۳، حوادث ۲۱ ص ۲۴۴)

فصل سادس، سوال (۵۲۶) آجکل بعض انگریزی تجارتوں کا یہ حال ہے کہ کاغذ فروخت کرتے ہیں اور اس میں چار ٹکٹ لگے ہوتے ہیں جس کو وہ شخص اسی قیمت کو مثلاً ایک روپیہ پر چار اشخاص کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے، اور ان اشخاص سے وہ روپیہ وصول کر کے اور ان کا پتہ کمپنی کو لکھ کر بھیج دیتا ہے، صاحب کمپنی ایک گھڑی اس شخص کو بھیجتا ہے، اور ان چار اشخاص کے نام ایک ایک کاغذ لیا ہی بھیج دیتا ہے جس میں ویسے ہی ٹکٹ بھی ہوتے ہیں، جن کو وہ چاروں شخص لوگوں کے ہاتھ اسی قیمت کو مثلاً ایک روپے کو پھر بیچ ڈالتے ہیں جب روپیہ ان لوگوں کے پاس آجاتا ہے تو وہ لوگ بھی صاحب کمپنی کے نام اور جن کے ہاتھ وہ ٹکٹ فروخت کئے ہیں ان کا پتہ وغیرہ لکھ کر بھیج دیتے ہیں، صاحب کمپنی ایک ایک گھڑی ان کے نام بھیج دیتا ہے، اور ایک ایک کاغذ لیا ہی جن کے نام انھوں نے ٹکٹ فروخت کئے ہیں، صاحب کمپنی کو فروخت کر دیتا ہے، پھر وہ لوگ بھی ویسا ہی عمل کرتے ہیں، اور اسی طرح اجراء ہوتا ہے، ہاں البتہ جس شخص کے ٹکٹ فروخت نہ ہوں گے وہ البتہ نقصان اٹھاویگا تو شرعاً یہ بیع جائز ہے یا نہیں، اور شرعاً ایسا کرنا کیسا ہے؟

الجواب۔ حاصل حقیقت اس معاملہ کا یہ ہے کہ بائع مشتری اول سے بلا واسطہ اور دوسرے مشتریوں سے بلا واسطہ مشتری اول یا ثانی یا ثالث وغیرہم کے یہ معاہدہ کرتا ہے کہ تم نے جو روپیہ بھیجا ہے اگر تم اپنے خریدار پیدا کر لو تو اس روپے مرسلہ کے عوض ہم نے تمہارے ہاتھ گھڑی فروخت کر دی، ورنہ تمہارا روپیہ ہم ضبط کر لیں گے، سو اس میں دونوں شرطیں فاسد باطل ہیں دوسرے خریداروں کے پیدا کرنے کی تقدیر پر فروخت کرنا بھی کہ وہ تبخیر بیع کے وقت (مقرر بشرط فاسد مخالف مقتضائے عقد ہونے کی وجہ سے) عقد فاسد حکم ربوا اور تعلق کیوتہ تعلیق الملک علی الخطر ہونے کی وجہ سے) قمار ہے، اور ربوا اور قمار دونوں حرام ہیں، اسی طرح دوسری شرط یعنی خریدار نہ پیدا کرنے کی تقدیر پر روپیہ کا ضبط ہو جانا بھی کہ صریح اکل بالباطل ہے، اور یہ تاویل ہرگز مقبول نہیں ہو سکتی کہ روپے کے عوض ٹکٹ دیا ہے، کیونکہ ٹکٹ بیع نہیں ہے، ورنہ بعد خرید ٹکٹ معاملہ ختم ہو جاتا، ٹکٹ فروخت کر کے گھڑی کا استحقاق ہرگز نہ ہوتا جیسا تمام عقود میں یہی ہوتا ہے، پس صاف ظاہر ہے کہ ٹکٹ بیع نہیں بلکہ روپیہ رسید ہے، جب دونوں شرطوں کا فاسد اور باطل ہونا ثابت ہو گیا تو ایسا معاملہ بھی بالیقین حرام اور مضمن ربوا اور قمار اور اکل بالباطل ہے، اور کسی طرح اس میں جواز کی گنجائش نہیں،

قال الله تعالى احل الله البيع وحرم الربوا، وقال الله تعالى انما الحرام والميسر الى قوله رجس من عمل الشيطان الآية وقال الله تعالى ولا تاكلوا اموالكم بينكم بالباطل الآية، وقال صلى الله عليه وسلم كل شر طليس في كتاب الله تعالى فهو باطل ونهى عليه السلام عن بيع وشرط، وفي جميع الكتب الفقهية صرحوا بعدم جواز بيع مشروط بما لا يقتضيه العقد ولا يلازمه وفيه نفع لاحد مما كمال لا يخفى على من طالعها والله اعلم، (النور ص ۹ - ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ)

فصل سابع - سوال (۵۲۴) یہ مسئلہ استفسار طلب ہے کہ حضور والا کو معلوم ہوگا کہ ہندوستان میں اکثر کمپنیاں (جماعت تجارت) ایسی ہیں جو جان و مال کا بیمہ کیا کرتی ہیں، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ جماعت تجارت کو جو مشترک قائم ہیں وہ مال منقولہ و غیر منقولہ پر ایک کمیشن سالانہ لیا کرتی ہیں، اور اگر اندر سال کے وہ مال صرف بذریعہ آتشزدگی تلف ہو جاوے تو جس قدر تعین مال پر انہوں نے کمیشن لیا ہے۔ اس قدر تعین یکمشت مالک مال تلف شدہ کو دیدیا کرتے ہیں، اکثر لوگ اپنی جائیداد کا بیمہ کرایا کرتے ہیں۔ یہ طریقہ اس قدر رائج ہے کہ غالباً اس سے آنجناب بھی واقف ہوں گے، پس آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ یہ طریقہ بیمہ شرعاً جائز ہو سکتا ہے یا نہیں، مثلاً یہ بھی عرض کرتا ہوں کہ اکثر لوگ نوٹ وغیرہ بذریعہ جبری شدہ لفافہ کی ڈاک کی معرفت روانہ کیا کرتے ہیں، جس سے مقصود صرف حفاظت نوٹ ہوتی ہے، پس اگر بیمہ کرایا جاتا جائز ہوگا تو غالباً جبری کر کے نوٹ روانہ کرنا بھی خلاف شرع شریف ہوگا۔ امید کہ سمع خراشی معاف فرمائی جاوے؟

الجواب - ان اشتہاری اور تجارتی بیموں میں کمپنیاں جو مالک کو خاص صورتوں میں معاوضہ دیتی ہیں۔ صورتہ تو وہ عوض ہے اس مال تلف شدہ کا، مگر واقع میں عوض ہے اس رقم کا جو ماہانہ یا سالانہ داخل کی جاتی ہے، کیونکہ ان کو مقصود وہی ہے، ورنہ مال ضائع سے اس کو کیا نفع ہو سکتا ہے، پس باعتبار صورتہ کے تو یہ قمار ہے، لہذا تعلیق المساواة فی الجانبین فیما جب فیہ المساواة، اور قمار اور سود دونوں حرام ہیں، پس یہ معاملہ یقیناً حرام ہے، اسی طرح جان کا بیمہ وہ صورتہ رشوت ہے لان المال عوض من غیر متقوم وهو النفس اور حقیقتہً سود ہے، لعین ما مر فی المال، رہا بیمہ زیور وغیرہ کا جو ڈاک خانہ میں کرایا جاتا ہے، اس کی حقیقت اور ہے کیونکہ ڈاک خانہ والے اس چیز کو پہنچاتے ہیں اور

اجرت لیتے ہیں، پس یہ معاملہ عقد اجارہ ہے اور غلہ ڈاک اجیر ہیں اور بیمہ زیادہ اجیر ہے، اور ان کی یہ ذمہ داری تاوان کی اشتراط ضمان علی الاجیر ہے جس کو بعض فقہار نے جائز کہا ہے، بخلاف مذکورہ بیموں کے کہ کمپنی اس مال یا جان میں کوئی عمل نہیں کرتی اس میں یہ تاویل محتمل نہیں، فی الدال المحتال باب الودیعة، واشتراط الضمان علی الامین الخ وفي رد المحتار وانظر حاشیة الفتاویٰ قد یفرق بانه ههنا مستاجر علی الحفظ قصد اختلاف الاجیر والمشتري فانما مستاجر علی العمل تامل وفي الدال مختار باب ضمان الاجیر ولا یضمن ما هلك فی یداه الی قوله خلافا لا تشباه فی رد المحتار ای من اتما ان شرط ضمانه ضمن اجماعا وهو منقول عن الخلاصة وعزاه ابن الملك للجامع قلت وفي هذا البیمة یتاجر بالزیادة علی الحفظ قصد فكان اولی بالجواز من الاجیر المشترك یضمن علی العمل والله اعلم ۵ ار رمضان المبارک ۱۲۲۶ھ

(النور، ص ۱۰، ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ)

فصل ثامن سوال (۵۲۸) زید نے ایک میل کمپنی کے حصے خریدے، ایک ... میں خریدا، آج وہ حصہ ۴۰۰ میں بکتا ہے، اصل حصہ سو روپے کا ہے، اس کی آمد سالانہ کبھی سو کبھی کم کبھی زیادہ ہے زید زکوٰۃ کس طرح دے، اور مفصل گزارش یہ ہے کہ کمپنی کی جائداد یعنی عمارت اور اس کی مشینیں ساپنے وغیرہ یہ کل پچیس لاکھ روپے کی ہیں اور روپیہ جمع پچیس لاکھ ہیں، زید کے حصہ میں اگر یہ جائداد روپیہ جمع ہوا تقسیم ہووے تو دوسو روپے آنے کی امید ہے، یہ تو جواب ہے اب بندہ پھر تفصیل سے عرض کرتا ہے، شروع کمپنی جب ہوئی تو ایک حصہ ایک سو روپے کا تھا، ایسے دس ہزار حصے کے خریدا لوگ ہوئے جس سے دس لاکھ روپیہ جمع ہو گیا اس کی ایک عمارت بنائی اور کچھ مشینیں لاکر نصب کر دی گئیں، پہلے سال سو روپے پر اس کمپنی نے نفع ۵۰ روپے تقسیم کیا تو ایک حصہ جو سو کا تھا دو سو روپے میں پہلے خریدار سے عمر نے خریدا، دوسرے سال بیس روپے ایک حصہ جو کہ سو کا تھا، اس پر تقسیم کئے، جس کی وجہ سے حصہ کی قیمت ۳۰۰ کی ہو گئی، عمر سے ایک حصہ بکرنے ۳۰۰ میں خریدا ایسے ہی زیادہ نفع ہونے سے قیمت بڑھ گئی، اور بکر سے خالد نے ۴۰۰ میں خریدا پھر خالد سے زاہد نے ۶۰۰ میں خریدا، پھر زاہد سے اب زید نے ۷۰۰ میں خریدا، اب اس سال وہی ۴۰۰ میں بکتا ہے، سرمایہ اور عمارت وغیرہ جمع کی جادے تو زید کو ۲۰۰ روپے حصہ میں آسکتے ہیں، اور سالانہ نفع کبھی سو روپے کبھی دو سو روپے کبھی ڈیڑھ سو روپے اب سوال یہ کہ آمدنی سالانہ پر زکوٰۃ دیتے یا سرمایہ و جائداد کی قیمت بکر کے

جو حصہ جس قدر زیادہ حصہ میں آوے اس مقدار پر زکوٰۃ دے۔ یا اصل حصہ منہا تھا اس مقدار پر زکوٰۃ دے۔ یا آجکل اس کی قیمت... ہم کی ہوگئی ہے، اس مقدار پر زکوٰۃ دے، تحریر فرمائیے۔
الجواب، جواب سے پہلے یہ مقدمات سن لینا چاہئیں۔

۱۔ تجارت کی اصل اور نفع دونوں پر زکوٰۃ واجب ہے۔

۲۔ عمارات و آلات حرفہ پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

۳۔ مال حرام پر اگر وہ اپنی ملک میں مخلوط ہو جاوے زکوٰۃ ہے، مگر بقدر حق غیر دین ہونے کی سبب زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہو جاوے گا۔

ان مقدمات کے بعد اب سمجھنا چاہئے کہ ابتدائی شرکت میں اصل شریک کا جو مثلاً سو روپے کا تھا، اس میں سے کچھ حصہ تو عمارات و آلات میں لگ گیا، اس کی زکوٰۃ واجب نہیں تھی اور کچھ حصہ تجارت میں لگا، اس پر مع نفع کے زکوٰۃ واجب ہونی، خواہ وہ نفع پورا اس شریک کو مل گیا ہو خواہ کچھ تقسیم ہو کر بقیہ سرمایہ میں شامل ہو گیا، مثلاً سو روپے میں بیس تو عمارات و آلات میں لگ جاویں، اور اسی تجارت میں لگ جاویں، اور اسی پر پندرہ روپے نفع ہو جس میں دس تو شریک کو ملے، اور پانچ سرمایہ میں داخل کر دیئے گئے، اب زکوٰۃ پچاس روپے پر واجب ہوگی، پھر جب یہ حصہ مثلاً کسی نے خریدنا تو حقیقت عقد کی یہ ہوگی کہ پچاسی روپے تو پچاسی روپے کے عوض میں ہو گئے۔ اور ایک سو پندرہ حصہ آلات و عمارت کے عوض میں کیونکہ بدون اس تاویل کے یہ بیع جائز نہ ہوگی، اب شبہ رہا تقابض کا، سو آلات عمارات کے حصہ میں تو تقابض شرط ہی نہیں، اب حصہ پچاسی کا رہا، سو بیع صرف کی بنا پر تو تقابض فی المجلس ضرور تھا، جو یہاں ممکن نہیں، اس لئے اس کی صحت کا یہ حیلہ ہو سکتا ہے کہ جو شخص صورتاً بائع ہے وہ مشتری کے حصہ سے پچاسی روپے قرض لے لے، پھر اس پچاسی روپے کا حوالہ اس پچاسی روپے سے کر دے، جو کہ کارخانہ میں اس کے امین یعنی مینجر کے قبضہ میں ہے، اور اب یہ مشتری اپنی طرف سے وکیل و امین بناتا ہے، پس حوالہ مع قبض الا مین سے وہ پچاسی روپے اس مشتری حصہ کی ملک میں آگیا، اور معاملہ مکمل ہو گیا۔ اب یوم ملک سے حوالان حول ہونے پر حساب کرنے سے دیکھا جائے گا کہ علاوہ آلات و عمارات کے کل سرمایہ کتنا ہے، اور اس پچاسی روپے والے کا اس میں اصل اور نفع بلا کر کتنا ہے، اس مجموعہ پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اس قیمت کا اعتبار نہ ہوگا جس کے عوض میں یہ حصہ خریدا ہے، اسی طرح اگر یہ حصہ

کسی اور نے خریدا، یہی تفصیل تاویل اور احکام کی اس میں ہوگی، اور اگر بلا اس تاویل کے خریداری ہوئی، تو اگر قیمت کی مقدار حصہ سے زائد ہے، تو گو یہ عقد ناجائز ہے، مگر اس حصہ میں کسی کا حق نہیں، اس لئے زکوٰۃ صرف حصہ میں ہوگی، اور اگر قیمت کی مقدار حصہ سے کم ہے تو عقد بھی ناجائز ہے، اور زائد حصہ دوسرے شخص یعنی بائع کا حق ہے، مگر چونکہ اس مشتری کے قبضہ میں اور اس کی ملک میں مخلوط ہے، اس لئے زکوٰۃ مجموعہ میں ہوگی، مگر بقدر حق مذکور کے شخص مدیون ہے، اس لئے اس حیثیت سے یہ مقدار زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوگی، البتہ اگر صاحب حق معاف کرے تو پھر باوجود خبث مال کے بوجہ دین نہ ہونے کے پھر مجموعہ پر زکوٰۃ ہوگی اور یہ بائع حربی ہے تو بنا بر روایت اہل احتیاط زیادہ من الحربی یہ زائد حصہ حق غیر بھی نہ ہوگا۔ امیر ہے کہ اس تقریر سے سوال کے سب اجزاء کا جواب ہو گیا، واللہ اعلم ۳۳ سوال ۳۳۳۱۱

دوسرے علماء کو بھی دکھالینا یا خود غور کر لینا ضروری ہے۔

(النور، ص ۷، محرم الحرام ۱۳۳۶ھ)

فصل تاسع سوال (۵۲۹) کپاس کی ایک مشین ہے، اس میں کچھ ہے، اس کا منافع ہر سال ملتا ہے، جو منافع ملتا ہے اس کی تو زکوٰۃ برابر دیدی جاتی ہے، اور جو روپیہ مشین میں لگا ہے اس روپے کی زکوٰۃ دینے کی ضرورت ہے یا نہیں، کیونکہ مشین لوہے کی ہے، اس میں ہر سال مرمت بھی ضرورت پڑتی ہے، اور اس مشین میں بہت سے آدمیوں کا حصہ ہے چندہ سے ہے اس میں ہندو اور مسلمان دونوں شریک ہیں۔

الجواب۔ وہ مشین آلہ صنعت ہے، مال تجارت نہیں لہذا اس میں زکوٰۃ نہیں،

۱۷ جمادی الثانی ۱۳۳۶ھ

تمت لضمیمہ بتامہا

تَمَّتْ رِسَالَةُ الْقَصَصِ لِسَيِّدِ تَوْفِيقِ الْقَادِرِ الْغَفِيِّ

محض قرائن سے شریک پر خیانت کا الزام نہ آدینگا | سوال (۵۳۰) کیا فرماتے ہیں علماء دین
بلکہ نقصان اگر ہوگا تو خسارہ سمجھا جاوے گا | اس معاملہ میں کہ ایک شخص نے اپنے لڑکے کو دوسرے
شخص کے شریک کیا، اور لڑکے کے والد نے اس شریک سے یہ کہا کہ تم ہوشیاری سے کام
کرو، اور لڑکے سے ہوشیار رہو، اور تالی صندوقچہ اور دوکان کی تالیاں اور حساب
و کتاب تمہارے قبضہ میں رہے، مگر اس کے والد نے یہ نہیں کہا تھا کہ تم کہیں جاؤ تو ہمارے
لڑکے کو دوکان پر چھوڑ کر نہ جانا، چنانچہ وہ شخص کھانا کھانے گیا یا نماز پڑھنے گیا، یا دہلی
گیا تو دوکان ان کے لڑکے پر چھوڑی گئی۔ ڈیڑھ سال تک ایسا ہی برتاؤ رہا، تو بسبب
کم فرصتی کے سالانہ حساب نہ کیا گیا۔ ماہواری منافع کو جو روزمرہ کی بکری سے زیر قلم
ہوتا رہا، جوڑ کر ہر ماہ تقسیم کر کے وہ شخص تولیتا رہا، کیونکہ وہ شخص غریب تھا منافع میں
دوسرے روپے اس کے جمع بھی ہو گئے تھے، دوکان میں چونکہ اس کے لڑکے کی شادی ہوئی
اس نے وہ روپے منافع کے لئے، اور ان کے جمع ہوتے رہے، ڈیڑھ برس میں جو حساب
دوکان کا کیا گیا.. ۹ عدد جوڑے قیمتی ایک ہزار ایک سو انیس روپے کے کم ہوئے تو اس کی
جانچ کی گئی تو معلوم ہوا کہ اس شخص کے لڑکے نے تمنا بھینسی کی، جو شخص شریک تھا اس کو ڈیڑھ
سال تک یہ نہ معلوم ہوا کہ اس قسم ہے، جب پھر اس کے والد نے یہ کہا کہ تم تالی صندوقچہ اور
تالیاں دوکان کی ہمارے لڑکے کے سپرد کر دو، چنانچہ جو تیاں شمار کر کے اور لکھ کر کے اپنے لڑکے
کے قبضہ میں کیں برائے آزمائش کے سو ماہ کے بعد جو تیاں جوڑی گئی سو سے کمی آئی اور
ص، ایک دوکاندار کے ہاں لے کر گیا اس کے ہاں نہ دیئے، چنانچہ وہ مجرا نہیں دیتا ہے، اس
طرح سے سو سے کمی آتی ہے، اب از روئے شرع شریف کے اس کمی ایک ہزار روپے
کا کون مستحق ہوتا ہے۔ بہت جلد مطلع فرمائیے گا، اور داخل حسنت ہو جائے گا، فقط۔

الجواب، خیانت محض قرائن سے ثابت نہیں ہوتی اگر شہادت کا فیہ یا اقرار ملتا
کا ہو تو خائن سے ضمان لیا جاوے گا، ورنہ دوکان میں خسارہ سمجھا جاوے گا، اور اس لڑکے
کے والد سے ضمان نہ لیا جاوے گا، اول تو اس نے مطلع کر دیا تھا دوسرے اس نے کچھ کفالت
نہ کی تھی۔ ۲۴، جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۹۵)

سوال (۵۳۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع
مجرای یا عدم مجرای منافع محصلہ بعض
شرکاء متعلقین شان از جہاد مشترک
متین اس مسئلہ معروضہ ذیل میں، بینوا تو جبروا،

ایک ریاست مشترکہ ہے، جس کی ہندہ زوجہ مورت اور چار سپران نابالغ و تین دختران بالغ وارث ہیں، ہندہ منقسم ریاست اور زید کا زندہ کار پر دوازہ جانب ہندہ ہے خاندان ہندہ میں دختران کا ترکہ پدری اپنے برادران کے حق میں بخوشی متا کر دینے کا رواج تھا اور دختران کے ساتھ کافی طور پر امداد ہمیشہ ہوتی ہے، اسی خیال سے ہندہ نے اپنی دختران کے ساتھ مراعات جاری رکھیں، عمرو ایک داماد ہندہ جو پسر زید کا زندہ ہندہ کا ہے، اس کو ہندہ نے ریاست کا کام کرنے کی اجازت دی، عمرو نے تحصیل وصول کا کام کیا، اور اکثر رقوم اپنے اور اپنی اہلیہ کے تصرف میں لگائیں، اور سفر حج کے واسطے ہندہ سے زر نقد بھی لیا، اب عمرو اپنی اہلیہ یعنی دختر ہندہ کے منافع کا مطالبہ کرتا ہے، ہندہ کا یہ عذر ہے کہ میں نے جو رقم بطور مرقا دیں، اور جو رقوم عمرو نے وصول کیے اپنے تصرف میں لیں اور جو زر نقد سفر حج کے واسطے لیا گیا، یہ جملہ رقوم منافع میں منہا و محسوب ہو کر باقی ادا کروں، عمرو کا یہ عذر ہے کہ ہندہ نے جو کچھ اپنی دختر کو بطور مراعات دیا ناقابل مجرائی ہے، اور جو زر نقد سفر حج کے واسطے لیا، وہ اس وجہ سے ناقابل مجرائی ہے، کہ عمرو نے اپنے پدر زید سے لیا، زید کا یہ بیان ہے کہ جو رقوم جمع خرچ ریاست مشترکہ میں بنام عمرو درج ہوئیں، ان کو ہندہ نے بارہا وقت تذکرہ منافع زوجہ عمرو میں مجرائینے کا ذکر کیا جس کا علم خود عمرو کو ہے، نہ زید کی وہ رقوم تھیں نہ زید نے عمرو کو دیں، صورت مسئلہ بالائیں جو رقوم ہندہ نے بطور مراعات دیں، اور جو رقوم عمرو نے خود وصول کر کے خرچ کیں، اور جو ہندہ سے عمرو نے سفر حج کے واسطے حاصل کیں، یہ سب ہندہ کو منافع زوجہ عمرو سے مجرایا نیکا حق ہے یا نہیں، نیز دوقاب ریاست اور ملازمان سے جو مالکانہ طور پر عمرو نے کام لیا، اور سائر خرچ اور پیداوار باغ سے جو تمتع مالکانہ طور پر حاصل کیا اس میں بقدر تصرف عمرو کے ہندہ خرچ میں حصہ پاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب۔ اگر زوجہ عمرو کی جو کہ مورت کی دختر اور حقدار میراث ہے، خود ریاست مشترکہ سے کچھ لیتی، یا اپنے شوہر کو وکیل بتاتی تو اس کا وصول کیا ہوا مال زوجہ عمرو کے حصہ میں مجرایا جاتا، لیکن عمرو خود حقدار نہیں ہے، اس لئے اس نے جس قدر ہندہ کی خوشی سے لیا وہ ہندہ پر پڑے گا، اور جس قدر زید سے بلا اذن ہندہ کے لیا وہ زید کے ذمہ سب ورثہ کا مشترک قرضہ ہے اور جس قدر عمرو نے خود لیا کہ نہ زید سے اجازت لی اور نہ ہندہ سے، اور ہندہ نے اس کو جائز بھی نہ رکھا ہو وہ عمرو کے ذمہ مشترک قرضہ سب ورثہ کا ہے، ان صورتوں میں زوجہ عمرو کے

حصہ میں مجرا نہیں ہو سکتا، زوجہ عمر و اپنا پورا حق لے گی، پھر ہندہ یا ورثہ زیدہ کی عمر و سے جس کے ذمہ بھی جس کا قرضہ ہو وہ اس سے مطالبہ کرے گا۔ اور ہندہ کے خرچ میں حصہ پانے کا جو سوال کیا گیا ہے یہ میری سمجھ میں نہیں آیا، اگر تقریر بالاسے سائل کو اس جزو کا جواب سمجھ میں نہ آیا ہو تو مکرر واضح کر کے پوچھ لیں۔ ۳۲ رجب ۱۳۲۵ھ (تمہ ثانیہ ص ۴۹)

حکم مال اہل بیت کہ ایشان کسب کنند | سوال (۵۳۲) ایک استفتا، آیا ہے جس کا جواب دہ مال کسب راکے علیحدہ نہی دارد | یہ سمجھ میں آتا ہے لیکن دو متضاد روایت قیل قیل کر کے لکھا ہے کس کو ترجیح دی جائے۔ شامی فاروقی ص ۳۴۹ فصل فی الشریکۃ الفاسدۃ (تنبیہ)

یؤخذ من هذا ما افتى به في الخيرية في زوج امرأة وابنها اجتماعا في دار واحدة واخذ كل منهما يكتسب على حدة ويجمعان كسبهما ولا يعلم التفاوت ولا التساوى ولا التميز فاجاب بانه بينهما سوية الخ، چند سطر کے بعد لکھا ہے فقيل هي للزوج وتكون المرأة معینة له الا اذا كان لها کسبا على حدة فهو لها وقيل بينهما نصفان زیادہ و اسلام؟

الجواب۔ میرے نزدیک ان دونوں روایتوں میں تضاد نہیں، وجہ جمع یہ ہے کہ حالات مختلف ہوتے ہیں جن کی تعیین کبھی تصریح سے کبھی قرائن سے ہوتی ہے، یعنی کبھی تو مراد اس کا سب ہوتا ہے اور عورت کے متعلق عرفاً کسب ہوتا ہی نہیں وہاں تو اس کو معین سمجھا جاوے گا اور کہیں گھر کے سب آدمی اپنے اپنے لئے کسب کرتے ہیں، جیسا اکثر بڑے شہروں میں مثل دہلی وغیرہ کے دیکھا جاتا ہے وہاں دونوں کو کا سب قرار دے کر عدم امتیاز مقدار کیسوت علی السوۃ نصف نصف کا مالک سمجھا جاوے گا۔ واللہ اعلم ۱۵ رمضان ۱۳۲۵ھ (تمہ ثانیہ ص ۶۹)

اشترائط تفاوت در ربح در میان شرکا | سوال (۵۳۳) چار شخصوں نے ملکر تجارت کی، اور باہم یہ بات قرار پائی کہ ایک سال دو شخص مال تجارت لیکر پردیس کو جاویں اور دو شخص پدر وطن میں مکان پر رہیں اور دوسرے سال دو شخص جو مکان پر وطن میں رہے تھے وہ مال تجارت لیکر پردیس کو جاویں اور جو پردیس کو مال لے کر گئے تھے وہ وطن میں مکان پر رہیں، اب من دو ہی شخص مال تجارت لیکر پردیس کو جاتے ہیں اور دو شخص اپنے وطن میں مکان پر رہتے ہیں اب تحقیق طلب یہ بات ہے کہ جو شخص پردیس کو مال تجارت لے کر جاتے ہیں وہ ان دو شخصوں سے جو مکان پر رہتے ہیں اور مال تجارت لے کر پردیس کو نہیں جاتے متانہ زیادہ لیے کے ستمی ہیں یا نہیں، اگر منافع زیادہ نہیں لے سکتے تو اپنا حق الممخت پردیس جائے بطور تنخواہ کے

لے سکتے ہیں یا نہیں، اگر اس سوال میں کوئی اور شق بھی رہ گئی ہو تو اس کا جواب بھی حمت فرما دیا جاوے، تاکہ تکمیل جواب ہو جاوے۔ اور حضور والا کو مکمل تکلیف نہ دی جاوے؟

الجواب، فی الدار المختار کتاب الشریک، وشرطها کون المعقود علیہ قابلاً

للوکالة فلا تقیم فی مباح کا احتطاب وعدم ما یقطعها کشرط دراهم مسماة من الربح لاحد ههنا لانه قد لا یرجع غیر المسمی وحکمها الشریکة فی الربح فی رد المختار تحت قوله وحکمها الشریکة واشتراط الربح متفادنا صحیح فیما سید کر، ج ۳ ص ۵۲۰ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ باہر جاتے ہیں وہ منافع زیادہ لے سکتے ہیں، مگر تنخواہ معین کر کے نہیں لے سکتے اور منافع جو زیادہ لیں گے وہ نسبت سے ہونا چاہئے، مثلاً دو ٹلٹ یہ لیں گے اور ایک ٹلٹ دوسرے شریک جو باہر نہ جاویں گے، مثلاً، اور یہ جائز نہیں کہ بیس بیس روپے ماہوار لیا کریں گے، ۴۴ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۸۰)

سوال (۵۳۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان
عدم رجوع شریک بر شریک دیگر
بمنفق بلا اذن قاضی

شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسی زید نے جائداد کثیر زمانہ شاہی میں چھوڑی، اس کے بعد اغیار قابض جائداد ہو گئے۔ اور قریب سو برس کے اغیار قابض رہے، بعد انگریزی ہو کے کے زید مذکور کی اولاد میں سے صرف چند نے دعویٰ کیا اور باقی اولاد نے کوئی دعویٰ وغیرہ نہیں کیا، جن چند نے دعویٰ کیا انہوں نے منجملہ کل جائداد کے ایک بہت بڑے جزو کی ڈگری پائی، جو ان کے حق سے بھی بہت کم ہے، ڈگری کے بعد سے ڈگری شدہ جزو پر وہ لوگ تنہا قریب پچاس سال سے قابض ہیں۔ اب دیگر اولاد زید مذکور میں سے بعض لوگ ڈگری یا فرنگیان سے متقاضی حساب نہیں ہیں۔ تو آیا شرعاً یہ لوگ مستحق حساب نہیں ہیں، باوجودیکہ حصول جائداد میں ان لوگوں نے باوجود علم کے نہ کوئی کوشش کی، نہ کچھ خرچ، اور ان لوگوں کے جواب میں مورثوں نے عملاً ڈگری داران کو قابض جائداد تسلیم بھی کر لیا، مینو اتو جروا؟

الجواب، فی الدار المختار المشترك اذا ائتمم قابی احد ههنا العمادة ان

احتمل القسم لا جبر و قسم والا بنی ثمر اجرة لیرجع بما اتفق لوبامر القاضی والا فبقیمۃ البناء دقت البناء ج ۵ ص ۲۶۴، مع رد المختار اس نظیر سے معلوم ہوا کہ صورت مسئلہ عنہا میں مدعی بھی حصہ جائداد کے مستحق ہیں، اور ان مدعی پر کوئی خرچ نہ پڑے گا، جو متخلاص

جائداد میں صرف ہوا ہے ۱۶ فریقہ ۳۳۳ (تمتہ ثالثہ ص ۹۹)

عام اختیار بعض شرکاء بعض را **سوال** (۵۳۵) اگر وہ اثنا عشریہ اہل کتاب و اہل قبلہ ہیں یا اردن درگورستان مشترک نہیں ان کو بلامدت اور بلاخر نے دوسرے گورستان کے نکال دینا از روئے شرع شریف انصاف ہو یا نہیں، اور تا وقتیکہ دوسرا گورستان نہ خریداجاے اس وقت تک یہ اپنے مردے کہاں رکھیں، چنانچہ ان کی جائے زر خرید نہیں ہے، اور سرکاری جائے پر دفن کرنا خلاف قانون سرکار ہے۔ اس حالت میں ان کے لئے جو حکم کتاب الشریعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو بہت جلد تحریر فرمادیں؟

الجواب۔ جب وہ زمین فریقین کے مشترک روپے سے خرید کی گئی ہے تو بقدر نسبت باہمی ہر دو رقم کے وہ زمین دونوں فریق میں شرعاً مشترک ہوگی، یعنی دونوں فریق اپنا اپنی حصہ رقم کے موافق اس زمین کے مالک ہوں گے، اور ہر مالک کو اپنی ملک میں تصرف کر ٹیکا حق حاصل ہو، کوئی کسی کو نہیں روک سکتا، نیز اہل تشیع سب خارج از اسلام بھی نہیں تا وقتیکہ وہ ضروریات دین کا انکار نہ کریں اس پر بھی اگر مصلحت یہی ہو کہ فریقین کے اموات مختلط طور پر مدفون نہ ہوں تو بقدر حصص اس زمین کو تقسیم کر لیا جاوے، اور درمیان میں حد قائم کر دی جائے، تاکہ دونوں کا قبرستان الگ الگ ہو جاوے۔ گویا ہم مجاورت ہے، اور اگر یہ زمین خرید کر سب مالکوں نے یا ان کے وکیلوں نے صریح لفظوں سے وقف کر دی ہو تو دوبارہ سوال کیا جائے اور وہ الفاظ وقف کی بھی سوا میں لکھے جاویں، اس وقت جواب دیا جاوے گا، ۹ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ (تمتہ رابعہ ص ۱۵)

فاسد بودن عقد شرکت از شرط **سوال** (۵۳۶) زید، بکر، عمرو تین شخصوں نے مساوی روپیہ لگا کر تجارت کی اور یہ قرار پایا کہ اس تجارت کو زید کرے، جو نفع ہوا اس کا نصف لے لے کوٹے گا، اور نصف میں آدھا آدھا بکر اور عمرو کو، اور جو نقصان ہو اس کو تینوں شخص برابر برداشت کریں، یعنی نفع ایک روپیہ ہو تو آٹھ آنے زید کے اور چار چار آنے بکر و عمرو کے، اور نقصان ایک روپیہ ہو تو سوا پانچ آنے ہر شخص برداشت کرے۔ تو آیا یہ صورت جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب، یہ شرکت ہر اور باوجود مساوات سرمایہ کے نفع میں تفاوت کی شرط بھی جائز ہے مگر

۱۔ ایک شریک پر عمل کی شرط جائز ہے اور شرط تفاوت ربح میں یہ تفصیل ہو کہ اگر عمل یا کثرت عمل علی اعداء الجاہلین مشروط فی العقد ہو تو عیدیم العمل یا قلیل العمل کے لئے قدر اس المال کو زیادہ کی شرط صحیح نہیں، یہ شرط باطل ہوگی اور بقدر اس المال منافع میں شریک ہوگا عامل یا کثیر العمل کیلئے زیادہ ربح کی شرط صحیح ہے البتہ اگر عمل من اعداء الجاہلین عقد میں مشروط نہ ہو بلکہ جبراً ایک شخص عمل کر رہا ہو تو غیر عامل کے لئے بھی زیادہ ربح کی شرط جائز ہے (رد المحتار ۱۲ رشید احمد عفی عنہ)

کام ایک شریک کے ذمہ ڈالنے کی شرط ناجائز ہے، اس لئے یہ شرط فاسد ہوئی، نفع سب کو برابر ملے گا۔
ایضاً | سوال (۵۳۷) زید، عمرو، بکر نے مساوی روپیہ لگا کر تجارت کی، اور یہ کل رقم زید کو دیدی کہ تم کام کرو اور نفع میں تم چار آنے حق محنت پاؤ گے اور بارہ آنے حصہ مساوی بلحاظ روپیہ تینوں میں تقسیم ہوں گے، اور اگر نقصان ہوگا تو نقصان تینوں مساوی برداشت کریں گے، نفع چار آنے میں تم مضارب ہو اور بارہ آنے میں شریک، تو آیا یہ صورت جائز ہے، کہ ایک شخص شرکار میں مضارب بھی ہو اور شریک بھی ہو؟

الجواب۔ ایک معاملہ میں دوسرے معاملہ کی شرط مفسدہ عقد ہے ایک معاملہ الگ ہو دوسرا اس طرح الگ ہو کہ وہ قبول و عدم قبول میں مختار ہو۔ اور حساب دونوں رقموں کا الگ رہے یہ جائز ہے، (تمہ خامسہ ص ۳۶۶)

شرکت مال حرام در تجارت | سوال (۵۳۸) والد صاحب قبلہ نے پہلے غلہ کی تجارت کی تھی اس میں بہت نقصان ہوا، اب بجائے اس کے نمک کی سوداگری کی ہے، اور فیضہ صورت اچھی معلوم ہوتی ہے، ایک شخص شریک ہونا چاہتے ہیں، یہ صاحب پہلے پولیس میں ملازم تھے۔ اب معزول ہو گئے ہیں، مال ان کا مشکوک بلکہ غالب خراب ہے، ان کی شرکت کی نسبت کیا حکم ہے، نمک کی خریداری اس طرح ہوتی ہے کہ روپیہ سرکاری خزانہ میں ہر جگہ جمع کیا جاسکتا ہے، وہاں سوریسید کے سرکاری پرمٹ گودام واقع جمیل سانہر کو بھیج دی جاتی ہے، اور نمک وہاں سے آجاتا ہے، یا نوٹ خرید کر کسی آرٹنی کو بھیج دیے جاتے ہیں، وہ نمک خرید کر بھیج دیتے ہیں، ان صورتوں میں خراب روپیہ شامل کرنے میں کیا حکم ہے؟

الجواب، جن کا مال خراب ہے وہ کسی سے قرض لیکر شرکت کر لیں، پھر وہ قرض اپنے ذخیرہ سے ادا کر دیں، اور بدوین اس تدبیر کے خزانہ میں جمع کرنا یا نوٹ خریدنا اس خرابی کا رافع نہیں ہو سکتا، لان البدل فی حکم البدل عنہ بخلاف القرض فانہ لیس بمبادلہ کما لا یخفی۔

(امداد جلد ۳ ص ۲)

مع سوال سابق کے جواب کا حاشیہ ملاحظہ ہو ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

کتاب القسمة

تقسیم مشترک | سوال (۵۳۹) عمرو زید ہر دو ایک مکان مشترک میں رہتے ہیں، اور ہر فریق کی تعمیر جداگانہ قبضہ وار علیحدہ علیحدہ ہے، اور صحن مکان وزینہ و پائخانہ و دروازہ مشترک ہے اور صحن مشترک جنوباً شمالاً گز ہے اور شرقاً غرباً گز، اور مکان ہر فریق کے جنوباً شمالاً بنے ہوئے ہیں، زید چونکہ ایک تو نگر آدمی ہے، بغرض ایذا رسانی عمرو کے یہ کہتا ہے کہ نصف صحن میں ایک دیوار کر لو اور دروازہ و پائخانہ وزینہ بھی تقسیم کر لو، چونکہ زید کے پاس بوجہ امارۃ و دولت ظاہری اور مکان بھی ہیں، لہذا بعد تقسیم زید کو تنگی مکان مضر ہوگی، اور عمرو کے پاس بجز اس مکان کے کوئی دوسرا مکان نہیں، اس کو تنگی صحن باعث ایذا و مضر صحت ہوگی، زید کا تقسیم پر مصر ہونا بغرض ایذا رسانی عمرو شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

الجواب بمغلة شرائط تقسیم کے ایک شرط یہ بھی ہے کہ بعد تقسیم کے اُس شے مشترک کی منفعت مقصودہ فوت نہ ہو، پس اس صورت میں صحن کی تقسیم تو جائز ہے، کیونکہ بعد تقسیم بھی منفعت صحن کی باقی رہتی ہے، اور پائخانہ اور وزینہ اور دروازہ کی تقسیم جائز نہیں کیونکہ بعد تقسیم ان کی منفعت باقی نہیں رہ سکتی۔ و شرطها عدم فوت المنفعة بالقسمة و كذلك لا يقسم نحو حائط و حمام در مختار و قال لشارح تحت قوله المنفعة ای المعهودة و هی ما كانت قبل القسمة اذ الحمام بعد ما ينتفع به كنحور بيط الدواب شامی ص ۱۶۱ ہاں اگر دونوں شریک تقسیم چاہیں تو درست ہے، فقط ایک کے اصرار پر جائز نہیں، اما اذ ارضی الجميع صحت شامی ص ۱۶۱ فقط (امداد ج ۳، ص ۱۰۵)

تقسیم ماہی مشترک بلا وزن | سوال (۵۴۰) مچھلی کے بچے سا جھے میں خرید کر کے تالاب و تحلیل تفاوت از جانبین میں چھوڑ دیئے گئے، جب بڑے بڑے ہوئے پکڑ واکر اندازے تقسیم کر لئے جاتے ہیں، اور دونوں اس بات پر راضی ہیں کہ اگر کسی کے حصے میں کچھ زیادہ گیا، تو وہ معاف ہے۔ اس کا دعویٰ نہیں، ایسی تقسیم جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب چونکہ سمک عرفاً موزوں ہے۔ اور متجانس ہونا ظاہر ہے، اس لئے بلا وزن کے تقسیم اس کی جائز نہیں، فی رد المحتار کتاب الاضحية تحت قوله لا حرجا فاما نص

لان القسمۃ فیہا معنی المبادلة ولو حلل بعضہم بعضا الى قوله واما عدم جواز التحلیل
فلان الربوا لا یمتثل للحل بالتحلیل الخ ص ۳۱۰ ج ۵، اشرف علی، ۲۸ شعبان ۱۳۳۵ھ
(تمتہ ثالثہ ص ۱۴۵)

کتاب الزراعة

عدم استحقاق زمیندار درختان کاشتکار | سوال (۵۲۱) جو درخت کہ کاشتکار لگاتے ہیں ان کے
لاپتہ ہو جانے یا مرجانے پر زمیندار کو کوئی حق مثل قبضہ و فروخت ثمر حاصل ہو یا نہیں؟ اور
جائز ہے بھی یا نہیں؟

الجواب چونکہ درخت کا مالک وہ شخص ہے جو اس کو لگاوے، لہذا ایسے درخت
زمیندار کی ملک نہ ہوں گے، البتہ زمیندار کو یہ اختیار ہر وقت حاصل ہے کہ کاشتکار کو مجبور کرے
کہ ہماری زمین خالی کروا کر وہ نہ مانے یہ اکھاڑ کر پھینک سکتا ہے، اگر لگانے والا مرجا دے
اس کے وارث مالک ہوں گے، اور اگر کوئی وارث بھی نہ ہو یا خود وہ بے نشان ہو جاوے
تو پہلی صورت میں وہ مساکین کا حق ہے، اس کو یا ثمر کو جب فروخت کریں گے دام مسکین
کو دینے ہوں گے، اور اگر زمیندار خود کھاوے گا تو بھی اس کے دام لگا کر خیرات کرنا ضروری
ہوگا، اور دوسری صورت میں یعنی جب بے نشان ہو جاوے اس کو نوے سال کی عمر تک کا انتظام
کر کے اب کہیں گے کہ وہ مر گیا اگر اس کے وارث ہوں تو ان کا حق ہے، ورنہ پھر مساکین کا،
واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ج ۳، ص ۱۰۵)

سوالات متعلقہ جواب بالا | سوال (۵۲۲) نمبر ۱ کاشتکار جو درخت لگاتے ہیں اس کی
صورت یوں ہے کہ انھوں نے زمیندار سے یہ کہہ کر زمین حاصل کی کہ آپ کوئی زمین بتا دیجئے
جس پر میں چار درخت لگا دوں، جس کا مطلب رواجاً یہ ہے کہ درخت لگانے والا اپنی زندگی
تک اس کا پھل کھائے گا اس کے مرنے یا لاپتہ ہونے پر زمیندار کو اس پر قبضہ کا حق حاصل ہے
یہ جائز ہے یا ناجائز؟

نمبر ۲، اگر زمیندار لگائے ہوئے درخت پر بجز قبضہ کرے تو یہ گوارا ہو سکتا ہے بمقابلہ اس
جبر کے کہ دس بارہ برس تک جن درختوں کو کاشتکار نے تہایت جانفشانی و بچوں کی طرح پرورش

کی ہو اس سے زمین خالی کرالی جائے، اگرچہ کاشتکار کو دبانے کا یہ جائز طریق ہو، لیکن اس کی نقصان رسانی کی منشاء کے ساتھ بضرورت ہی ایسا کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

جوابات۔ نمبر ۱، غایۃ مافی الباس کا حاصل یہ ہوگا کہ ایک مروجہ فی الواقع

پر زمیندار کے مالک ہونے کو معلق کیا ہے، سو تملیکات میں اس تعلیق کی صلاحیت نہیں ہوتی قمار کی حقیقت شرعاً یہی ہے، البتہ اگر کاشتکار تصریح وصیت کی کوشش کرے جب میں مر جاؤں یہ درخت زمیندار کے ہیں تو یہ وصیت ہو جاوے گی، اور جس قدر احکام وصیت کے ہیں

سب جاری ہوں گے مثلاً ہر وقت کاشتکار کو اس وصیت کے واپس لینے کا اختیار حاصل ہوگا، اور مثلاً اس زمیندار کے اول مرجانے سے یہ وصیت باطل ہو جاوے گی، اور مثلاً ثلث ترکہ سے زائد میں جاری نہ ہوگی اور مثلاً یہ تبرع محض ہے، اس میں جبر یا شرط لگانا جائز نہ ہوگا، اور مفقود کا حکم اس کی نوے سال کی عمر ہونے سے پہلے احیا رکا ہے، اس کا مال مانت رہے گا، اور بعد اس مدت کے وہ میت ہے اس وقت وصیت کے احکام مندرجہ بالا ملحوظ ہوئے

نمبر ۲۔ جب زمین کا خالی کرالینا جائز ہے واقع میں جبر ہی نہیں، اگر کاشتکار اس کو جبر ناگوار سمجھے اس کا کوئی اعتبار نہیں اور جبر قبضہ کر لینا چونکہ ناجائز ہے اجازت تو اس لئے نہیں رہا کاشتکار کا اس کو گوارا کر لینا یہ دلیل طیب خاطر کی نہیں، کیونکہ حقیقتاً اس کو گوارا نہیں بلکہ واقع میں تو ناگوار ہی ہے، لیکن دوسری ناگواری سے یہ ناگواری کم ہے، جب ناگواری ثابت ہے اس لئے ناگواری کو علت اجازت نہیں قرار دے سکتے، البتہ اگر سچ گوارا ہے تو صاف لفظوں میں کہہ دے کہ میں آپ کو بخوشی ہبہ کرتا ہوں، بشرطیکہ قرآن سے معلوم بھی ہے کہ واقع میں طیب خاطر ہے، اور یہ عبارت سمجھ میں نہیں آتی "لیکن کیا اس کی نقصان رسانی الے قولہ یا نہیں" اگر اس جواب کے بعد بھی شبہ باقی ہو اس کو ذرا واضح عبارت سے مکرر پوچھا جاوے شاید یہ مطلب ہو کہ گویہ طریق جائز ہو، لیکن اگر نیت نقصان رسانی کی ہے تب بھی جائز ہے یا نہیں، اگر یہ مطلب ہے تو جواب یہ ہے کہ طریق مروت کے خلاف ہوگا مگر گناہ بالکل نہ ہوگا واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۵ھ (امداد، ج ۳ ص ۱۰۶)

سوال (۵۳۳) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اما بعد
تحقیق عدم جواز شرکت فی البذر
بین المزارع واہل الارض
معروض خدمت اقدس ہے کہ رسالہ المنور ماہ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ
کے صفحہ ۹ میں ہے۔ "السوال، نیزہ اور پھونس اور کڑب کا ہمارے یہاں یہ دستور ہے کہ

زمیندار اگر کسان کو نصف تخم دے تو نصف غلہ اور نصف پھونس لے اگر زمیندار تخم نہ دے تو پھونس کا حصہ کسان نہیں دیتا۔
الجواب - جائز ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مزارعت میں شرکت فی البذر بین المزارع واهل الارض ہی، بدائع ج ۶، ص ۸۰ مطبوعہ جالیہ مصر میں ہے منها ان یشرط فی عقد المزارعة ان یکون بعض من قیل احد هما والبعض من قبل الاخر وهذا لا یجوز لان کل واحد منهما یرید مستاجراً صاحباً فی قد ریدہ فیجتمع استیجار الارض والعمل من جانب واحد وانه مفسداً اه اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ شرکت فی البذر جائز نہیں، دونوں میں تطبیق کیا ہے؟

الجواب - اللام علیکم، النور اور بدائع کو دیکھا آپ کی دونوں نقلیں صحیح ہیں واقعی مجھ سے جواب میں غلطی ہوئی، کیونکہ آنور ہی میں اس سے متصل اوپر کی سطروں میں مزارعت کی جائز صورتوں کو ضبط کیا گیا ہے، اور یہ صورت اُن کے علاوہ ہے، تو اس میں جواز کا شبہ ہی نہیں ہو سکتا، اتنا قریب نہ ہوں ہو جانا عجیب ہے، واللہ اعلم، ذہن کو کیوں غلط ہوا، بہر حال اس سے رجوع کرتا ہوں، اور انشاء اللہ تعالیٰ مستفتی مسئلہ مذکورہ کو بھی اطلاع کر دی جاوے گی، اور ترجیح الراجح کے سلسلہ میں شائع بھی کر دیا جائے گا، احتیاطاً اس مقام کے متعلق درمختار و رد المحتار سے بھی بقدر ضرورت نقل کرتا ہوں تاکہ اس صورت کا حکم بھی معلوم ہو جاوے اور جس قید کے ساتھ اس صورت میں جواز منقول ہے وہ بھی معلوم ہو جاوے،

نصہما فی الدار المختار دفع رجل ارضه الی اخر علی ان یزرعها بنفسه وبقره والبذر بینہما نصفان والخارج بینہما کذلک فعلا علی هذا فالزراعة فاسدة ویكون الخارج بینہما نصفین ولیس للعامل علی رب الارض اجر لشرکتہ فیدہ والعامل یجب علیہ اجر نصف الارض لصاحبہا الفساد العقد الی قوله لا شرطہ الاعارة فی المزارعة عادیة فی رد المختار قوله فالزراعة فاسدة لما سید کرہ من اشتراط الاعارة قوله لا اشتراط الاعارة فی المزارعة ای اعارة بعض الارض للعامل فافهم الی قوله واذا فسدت فالخارج بینہما علی قدر بذرہما وسلم لرب الارض ما اخذ لانه تمام ملکہ فی ارضہ

ویطیب للعامل قدر بذره ویرفع قدر اجر نصف الارض وما اتفق ایضا ویصدق
بالفضل لحصول من ارض الغير یعقد قاسد ولو كانت الارض لاحدهما والبذر بينهما
وشرط العمل علیها علی ان الخارج نصفان جازکان کلا عامل فی نصف الارض ببذر فکانت
اعادة لا بشرط العمل بخلاف الاول لانه ای فلو تکن مزارعة حتی یقال شرط فیها اعادة
کما افاده فی الفصولین وتتمام هذا المسائل فی الخاتمة فراجعها۔

۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۳ھ (النور، ص ۷، جمادی الاخریٰ ۱۳۵۳ھ)

زراعت میں تخم ریزی اور کھیت کا ٹٹا وغیرہ | سوال (۵۴۴) شخصے زمین خود را بکشت کار
کا شتکار کے ذمہ ہونے کی شرط
باین شرط داد کہ تخم و خصاد و خرمن کو بی ہم بر ذمہ زراعت
بود بعد ازاں آپتہ حاصل آید نصف زراعت راست و نصف اہل زمین را این معاملہ درست
است یا نہ؟

الجواب۔ درست است فی الدلہ المختار و صح اشتراط العمل کخصاد و دیاس و نصف علی لکما
عند الثانی للتعامل و هو الاصح، ج ۵، ص ۲۷۵ (تمتہ اولیٰ ص ۱۹۶)

چند صور مزارعت و شرکت | السؤال (۵۴۵) زید نے بکر کو ایک بیل کا شتکاری کے لئے خرید
کر دیا، اور اپنی ہی ملک رکھا، اور شرائط یہ قرار پائیں کہ بیل کی خوراک اور نصف لگان زید کے
ذمہ ہوگا، باقی اخراجات بکر کے ذمہ ہوں گے، مثلاً کھیتی کا ٹٹا، ہل چلاتا، بیل کی خدمت
وغیرہ اور آمدنی غلہ وغیرہ نصف نصف مابین زید و بکر ہوگا، یہ رواج ہمارے یہاں اس معاملہ کا
عام ہے حضور ارشاد فرما دیں کہ یہ معاملہ درست ہے یا نہیں، اگر نہیں ہے تو کس صورت
سے معاملہ کیا جائے؟

الجواب۔ یہ بات اس میں رہ گئی کہ زمین کس کی ہے۔ اب میں قاعدہ کلیہ بتلائے دیتا ہوں
کہ اگر زمین کسی تیسرے شخص کی ہو تب تو یہ شرکت ہو، اور اس صورت میں ہر چیز دونوں کی ہونی چاہئے
اور اگر زمین کسی ایک کی ہے تو صرف تین صورتیں اتفاقاً اور ایک صورت اختلافاً جائز ہے، باقی ناجائز
نمبر ۱، زمین اور تخم ایک کا ہو اور بیل اور عمل ایک کا، نمبر ۲ زمین ایک کی اور عمل و بیل
اور تخم ایک کا، نمبر ۳۔ زمین اور تخم اور بیل ایک کا اور عمل ایک کا، نمبر ۴، زمین اور بیل ایک کا
اور تخم اور عمل ایک کا اس میں اختلاف ہے، کذا فی الہدایہ ۱۱ شنبان ۱۳۵۲ھ (النور ص ۸۔ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ)
گھاس پھوس کا نصف پر معاملہ | سوال (۵۴۶) نیز اور پھوس اور کرب کا زبیرہ اور پھوس کرب سے

مراد مویشیوں کا چارہ ہے) ہمارے بیان یہ دستور ہے کہ زمیندار اگر کسان کو نصف تخم دے تو نصف غلہ اور نصف پھونس لے اگر زمیندار تخم نہ دے تو پھونس کا حصہ کسان نہیں دیتا؛ سائل **الجواب**، جائز ہے، تاریخ مذکور (النور ص ۹ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ)

باوجود تخم نہ دینے کے بھوسہ مقرر کرنا **سوال (۵۴۷)** اگر زمیندار اور کسان کے مابین باوجود تخم نہ دینے کی حالت میں پھونس کا کوئی حصہ مقرر کر لیا جائے جس پر کسان بھی رضا مند ہو جائے تو زمیندار کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب اگر ثلث یا ربع وغیرہ مقرر کر لیا جاوے جائز ہے، اور اگر اس طرح مقرر ہو کہ اتنے من یا اتنے پیمانے تو جائز نہیں، تاریخ مذکور (النور ص ۹ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ) **درخت لگانے میں بٹائی** **السوال (۵۴۸)** زمیندار نے اپنی زمین کاشتکاری کے لئے کسان کو دیدی، اور اسی زمین میں کچھ درخت پھل دار اور بے پھل دار مثلاً نیم، کیکر، شیشم وغیرہ جن کی لکڑی کا رآمد ہو، زمیندار لگوانا چاہتا ہے کسان کے ہاتھ سے، اگر چوتھا یا پانچواں حصہ رختوں کا بھی اور پھل کا بھی کسان کا مقرر کر دیا جاوے تو یہ صورت درست ہے یا نہیں؟ سائل بالا۔

الجواب۔ درست ہے، اگر کوئی مدت معین کر دے، ورنہ درست نہیں، کذا فی رد المحتار تحت قول الدر المختار دفع ارضا بیضاء الخ باب المساقاة، اشعبان ۱۳۲۹ھ

(النور ص ۹، ربیع الاول ۱۳۵۸ھ) **سوال (۵۴۹)** اگر باغ کا پھل غیر خجہ اس طرح دیا جائے کہ اس کی دفع شمار عام بر شرط خدمت و شکرہ نصفاً نصف برداشت تیرے اور پیرے جو پیداوار ہوگی نصاً نصف کی جائیگی، یہ کیسا ہے؟ **الجواب**، جائز ہے فی الدر المختار ہی (رای المساقاة) دفع الشجر الی من یصلحہ بحر معلوم من ثمرہ ہی کامل المزارعة الخ، ۲۸ رمضان ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثانیہ، ص ۷۹)

تحقیق جواز کاشت افیون **سوال (۵۵۰)** افیون کی کاشت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، جائز ہے (حوادث ۱ و ۲ ص ۱۹)

سوال (۵۵۱) اگر چند شریک زراعت کریں، ان میں سے بعض کے حکم پیداوار کاشت بزرگاؤ خرید کردہ بمال حرام یا بل بقیہ حلال خرید کئے ہوں، اور بعض کے بقیہ حرام، تو جس کا بل حلال قیمت سے اس کی شرکت کرنا جائز ہے یا نہیں، یعنی غلہ مشترک جو کہ زراعت سے حاصل ہوا ہے تقسیم کے بعد حلال ہوگا یا حرام؟

الجواب۔ اگر بیل حرام مال کے بھی ہوں، مگر چونکہ وہ پیداوار کا آلہ ہے جزو نہیں ہے اس لئے پیداوار میں حرمت نہ آوے گی، اور غلہ مشترک حلال ہوگا، ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۹۹) صورت جواز سود از کاشتکار موروثی | **السوال (۵۵۲)**، پوپی کے اضلاع میں قانون موروثی جاری ہے یعنی کاشتکار کو حق دیا جاتا ہے کہ زمیندار کی زمین سے اپنی کاشت نہ چھوٹے، لیکن اس کا لگان غیر موروثی زمین کے مقابلہ میں بہت ہی کم دلایا جاتا ہے، لیکن نالاش کی صورت میں گورنمنٹ لگان پر سود دلاتی ہے، پس اگر زمیندار موروثی زمین کے لگان کی کمی کو سود کے نام سے کاشتکار پر نالاش کر کے کاشتکار سے وصول کر لے تو شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب، منافع کا تقوم موقوف ہے عقد جاریہ پر، اور صورت مسئول عنہا میں عقد پایا نہیں گیا، لہذا بنا رہندہ کور فی السوال پر لینا جائز نہیں صرف ایک صورت جواز کی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ کاشتکار سے تصریحاً کہیں کہ موجودہ لگان پر (مثلاً دس روپے) ہم زمین دینے پر رضی نہیں اگر اتنا لگان (مثلاً بیس روپے) دیتا ہو تو زمین کاشت کرو ورنہ چھوڑ دو۔ اگر اس کے بعد کاشت کر لیا، تو بیس روپے کے لگان کو وہ تسلیم کر لیا، اور اس پر بیس روپے واجب ہو جاویں گے اس وجوب کے بعد پھر اپنا حق واجب جس عنوان سے بھی ہو وصول کرے گا، وہ رقم مباح ہوگی ۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۳ھ (النور ص ۱۰، بابت ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۳ھ)

زراعت بیع و شراء زمین ہندوستان | سوال (۵۵۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں :-

نمبر ۱۔ صوبہ یوپی میں زمیندار بیان اور اراضیات صدہا سال سے زمینداروں کی اس طرح ملکیت میں ہیں کہ وہ بیع، ہبہ، تملیک، وراثت، وقف وغیرہ کے ذریعہ سے ہر حکومت کے عہد میں بطور جائز ہمیشہ منتقل کرتے رہے ہیں، اور زمینداران اپنی اراضیات میں دوسروں سے کاشت کر کے پیداوار میں سے یا نصف غلہ اور جلس کی بٹائی کر لیتے ہیں، یا نقد مقرر کر کے وصول کرتے رہتے ہیں، سوال یہ کہ مذکورہ بالا ملکیت کی صورت اور کاشت کا طریقہ جو یوپی میں رائج ہے، اسلام کی پہلی صدیوں میں اس کا وجود ملتا ہی یا نہیں، زید کا خیال ہے کہ اس سسٹم (طریقہ) کا پتہ اسلام میں نہیں ہے،

نمبر ۲۔ اس قسم کی اراضیات کی ملکیت اور اس طریقہ سے دوسروں سے کاشت کرنا شریعت اسلامیہ اور فقہ کی رو سے جائز ہے یا نہیں، اور پیداوار میں سے مالک کے حق کی مقدار شریعت مقدسہ نے کس قدر مقرر کی ہے؟

نمبر ۳، اگر یہ ملکیت اور یہ طریقہ جائز ہے تو مالک اراضی کے لئے اپنے حقوق ملکیت کو اور اس قدر مفاد کو جس قدر کہ فقہ میں جائز قرار دیا گیا ہو محفوظ رکھنے کی نفس کو شش کرنا درست ہے یا ناجائز؟
نمبر ۴۔ زید کے اس دعویٰ کو صحیح فرض کرتے ہوئے کہ زمیندار انگریزی شاہتھاہیت کی پیدا کردہ جماعت ہو اور انگریزوں نے اپنی حکومت کو مضبوط اور پائیدار بنانے کے لئے اس کی بنیاد ڈالی ہو ارشاد فرمایا جائے کہ موجودہ زمینداریاں اور ان کے حقوق مالکانہ جواب ارشاد یا نہ یا مستولیا نہ یا وہ جائز طور پر ہیں یا ناجائز طریقہ سے اور ان کا منافع از روئے شرع شریف جائز و حلال ہو یا حرام، اور اس منافع کو صدقات و کارہائے خیر میں صرف کرنا صحیح ہے یا نادرست؟

نمبر ۵، زید کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ زمینداریاں مثل شراب کے ٹھیکہ کے ہیں جس طرح شراب کا ٹھیکہ فسخ ہوتا ہے اسی طرح زمینداروں کو ان کی مملوکہ زمینداریاں و اراضیات بھی نکال کر کانسٹابان وجود کی ملکیت یا ان کے قبضہ مستقل مالکانہ مخالفت میں دی جاسکتی ہیں، اب فرمایا جائے کہ سوال نمبر ۲ کے اندر مذکور زمینداروں کی شراب کے ٹھیکہ سے مثال دینا کیا صحیح اور جائز ہے، اور آیا مذکورہ زمینداریاں مالک کی مرضی کے خلاف بالکل مفت یا واقعی اور بازاری قیمت سے کم معاوضہ میں شرعاً منتقل ہو سکتی ہیں یا نہیں؟

نمبر ۶، مذکورہ بالا اراضیات کو مصارف خیر کے لئے وقف کرنا صحیح ہے یا غیر صحیح، اور ان اوقاف کا بھی جبریہ انتقال جائز ہے یا نہیں؟

نمبر ۷، ایسے انتقالات کرنے والوں میں اگر کوئی عالم یا غیر عالم مسلم بھی شامل ہو تو اسکو شرعاً اس حق تلفی کی مخالفت کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب، یہ تعامل تصرفات مالکانہ کا جب کوئی دلیل معارض نہ ہو، شرعاً خود دلیل مستقل ہے بلکہ کی اور جب تمام حکومتوں نے نیز حکومت حاضر نے ان تصرفات کو قانوناً بھی جائز رکھا تو یہ ان کی طرف سے اس ملکیت کا اقرار اور تسلیم ہے، اور بتصریح فقہاء اقرار و جوع کرتا ہوں رضائے مقررہ کے جائز نہیں اور یہ حکم اس قدر ظاہر ہے کہ اس پر دلائل قائم کرتے بھی شرم آتی ہے، لیکن تبرعاً دلائل کی طرف بھی اجمالی اشارہ کرتا ہوں، وہ دلائل ابواب بیع و ہبہ مزارعت و یم غنائم و وقف وغیرہ کی احادیث و روایات و فقہاء غیرہ کے مسائل فقہیہ ہیں، جن کی قدر مشترک نفاذ اجماعاً قطعی ہے، ثبوتاً بھی اور دلالتاً بھی، اور جو جواز شرعی کے متنازع تاریخی پر بھی دال ہیں، بلکہ ان عقود میں جو صورتیں قاسدیں یا امام صاحب نے مزارعت میں کلام فرمایا ہو وہ بھی

دلیل ہیں ملک کی، کیونکہ اس فساد کی علت عدم ملک نہیں کی گئی، بلکہ بعض عوارض سے فساد کا حکم کیا گیا، اور جب مالکوں کا حق صحیح ثابت ہو گیا تو اس کے لئے کوشش کرنا یقیناً جائز بلکہ بعض صورتوں میں طاعت واجب یا مستحب ہے، اور اس میں کوتاہی کرنے کو ناپسند فرمایا گیا ہے کما یدل علیہ حدیث ابوداؤد عن عوف بن مالک ان ابنی صلی اللہ علیہ وسلم قضیٰ بین رجلین فقال المقضیٰ علیہ لما ادبر حبسی اللہ ونعم الوکیل فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ یلوم علی العجز. ولكن عليك بالکس فاذا اُغلبک مرفقل حبسی اللہ ونعم الوکیل رباب الا قضیۃ و الشہادات حتی کہ اس کی حفاظت میں جان جاتے رہنے کو شہادت فرمایا گیا ہے، حدیث من قتل دون ماله فهو شهيد اس میں نص ہے اور جب ان کی ملک صحیح ہے تو اس سے انتفاع کے حلال و طیب ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے الا تعارض، اور اول تو کثرت سے وہی اراضی ہیں جو ملکوت حال سے پہلے سے زمینداروں کے پاس ہیں، انگریزوں کی دی ہوئی نہیں، لیکن جو انگریزوں کی بھی دی ہوئی ہیں دینے کے بعد ان کی ملک ہو گئیں، اور جب وہ مالک ہیں تو ملک اور ٹھیکہ کیسے جمع ہو سکتے ہیں، اس کو ٹھیکہ کہنا اور اس پر ٹھیکہ کے احکام کو متفرع کرنا خود باطل ہے اسی طرح جب وہ مالک ہیں تو ان کی مرضی کے خلاف اس میں کسی کا کسی قسم کا تصرف کرنا خواہ بعوض ہو یا بلا عوض خود حرام اور ظلم ہے، اور جب اراضی مملوکہ میں جو کہ فی نفسہ قابل انتقال ہیں ایسے تصرفات حرام ہیں تو اوقاف میں جو کہ قابل انتقال بھی نہیں ایسے تصرفات بدعہ اولیٰ حرام ہوں گے، اور ایسے ظلم کرنے والوں کے ساتھ اول تو شرکت ہی جائز نہیں، اور جو غلطی و شرکت ہو گئی ہو تو ان منظام کے علم کے بعد جدا ہو جانا واجب ہے اور جدا ہونے کے قبل بھی اُن پر تکلیف واجب ہے کما قال تعالیٰ لا تعاونوا علی الاثم والعدوان، وکما قال تعالیٰ لولا انہما المرءایون والاحبار الایہ، واللہ اعلم. کتبہ اشرف علی ۱۲ رجب ۱۳۵۶ھ رالنورین بتامہ شعبان ۱۳۵۶ھ

سوال (۵۵۴) کاشتکار سے کاغذ صرف غلہ گندم کیلئے چھوڑنے کا حکم

لکھا گیا تھا، اور زبانی اس سے یہ معاہدہ کر لیا تھا کہ اگر ہم کو اپنی خواہش سے ضرورت چھوڑہ (دھان) لینے کی پیش آئی تو جس قدر ہم چاہیں گے خریف میں حسب ضرورت چھوڑہ لے لیا کریں گے، اگر ہمیں ضرورت نہ ہوئی چھوڑہ لینے کی تو کل غلہ گندم لیا کریں گے جس قدر چھوڑہ لیا کریں گے فصل خریف میں اسی قدر گندم وضع ہو جائے گی۔

۱۲۔ اس تقریر مختصر و جامع سے ساتوں سوالوں کا جواب حاصل ہو گیا ۱۲

فصل ربیع میں اب ہماری خواہش اور مرضی پر ہے، مدت سے چھوڑ لےنے کا کوئی اتفاق بھی نہیں ہوا، کاشتکار ہمیشہ خواہش کرتا ہے، اگر فصل خریف چھوڑ لے لیا جاوے، تو دوسری فصل ربیع میں اس کو آسانی ہو جاوے۔

الجواب۔ یہ تو متعلق معاہدہ ہے، جو دونوں کی مرضی پر ہے، یعنی یہ طے نہیں ہوا کہ ہم گندم کی عوض ضرور چھوڑ لیں گے اور اس کاشتکار کی اس خواہش اور درخواست کا بھی کچھ ڈر نہیں کہ چھوڑ لے لو۔ (النور ص ۷ بابت ماہ رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ)

تمتہ السؤال (۵۵۴) کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر فصل ربیع میں پیداوار کم ہو، غلہ چارہ باقی کچھ جزوہ گیا تب بھی زمیندار کو اختیار ہے وہ اپنی خواہش کو اگر ضرورت ہو بقا غلہ میں کل چھوڑ لے لے اگر چھوڑنے کی ضرورت نہ ہو تو فصل ربیع ہی میں اپنا غلہ پورا لے لیوے؟

الجواب۔ اس کا بھی کچھ حرج نہیں، (النور ص ۷ بابت ماہ رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ)

تمتہ السؤال (۵۵۵) اور اگر جگہ یہ عام رواج ہے، پانی پت میں سب جگہ ہی، جس قدر غلہ کاشتکار سے طے ہو جاتا ہے فصل خریف کی پیداوار میں کمی یا چھوڑ ایک ثلث اور ربیع کی فصل میں غلہ گندم دو ثلث، اگر کاشتکار فصل خریف بوجہ عدم پیداوار کی یا چھوڑ ایک ثلث نہ ادا کر سکے تو فصل ربیع میں کل گندم ہی پورا ادا کرے گا۔

الجواب، کیا غلہ سے گندم مراد ہے، اور لینے کے وقت کمی یا چھوڑ لیتے ہیں، یا یہ کہ طے اسی طرح ہوتا ہے جیسے تفصیل لکھی ہے، ہر صورت کا حکم جدا ہے عبارت صاف نہیں (النور رمضان ۱۳۵۶ھ)

تمتہ السؤال (۵۵۶) اب دریافت طلب یہ ہو کہ اپنی ضرورت سے کل غلہ گندم کے بجائے اسی قدر برابر چھوڑ لے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب، لے سکتے ہیں، ایک شرط سے وہ شرط ذیل میں آتی ہے، (النور رمضان ۱۳۵۶ھ)

تمتہ السؤال (۵۵۷) یا حسب ضرورت پانچ من چھوڑ خریف میں وصول کیا، باقی ربیع میں پانچ من غلہ چھوڑہ وضع کر کے برابر باقی غلہ وصول کیا جاوے یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ یہ بھی جائز ہے اسی شرط مذکور سے، وہ شرط جواز کی یہ ہے کہ جس مجلس میں بات طے ہوئی ہے کہ مقرر شدہ گندم کے عوض کمی یا چھوڑ لیں گے، خواہ کل گندم کے عوض یا جزو گندم کے عوض اسی مجلس میں اس کمی یا چھوڑہ برفیقہ ہو جائے، یہ نہ ہو کہ طے تو ہوا ایک مجلس میں اور قبضہ ہو دوسری مجلس میں، اگر فرض کیجئے کہ جس مجلس میں یہ مبادلہ تجویز ہوا ہے اس وقت گندم یا کمی موجود نہیں اور

اس لئے قبضہ نہیں ہو سکتا تو ایسا کرنا چاہئے کہ اس مجلس میں صرف وعدہ ہو جائے کہ ہم اس طرح لے لیں گے، پھر جب کاشتکار دینے کے لئے مکی یا چھوڑ لائے اُس وقت زبان سے پھر کہا جائے کہ ہم یہ مکی یا چھوڑہ اتنے گندم کے عوض دیتے ہیں اور زمیندار کہہ دے کہ میں منظور کرتا ہوں یہ بہت آسان بات ہے، ۱۲ رجب ۱۳۵۵ھ (النور ص ۸ بابت ماہ رمضان ۱۳۵۵ھ)

جوابات متعلق استعفار از کاشتکاری | سوال (۵۵۵) آجکل ایک فتویٰ حضرت کے دست مبارک کا لکھا ہوا خادم کے مطالعہ سے گذرا، جس میں سائل نے حضرت سے کاشتکاری کے متعلق سوال کیا تھا اور استعفار کے متعلق چند عذر بیان کئے تھے جن کو ذیل میں درج کرتا ہوں۔
۱۔ اگر میں استعفار دیدوں گا زمیندار کو نہ ملے گا، جو شریک کاشت ہو وہ لے لیگا، قانوناً تو مستحق ہوگا؟

۲۔ اس کاشت کے نو زمیندار ہیں۔

۳۔ استعفار میں پچیس روپے میرے خرچ ہوں گے،

۴۔ گھروالے یعنی شریک کاشت دشمن ہو جائے گا،

۵۔ مقدمہ لڑے گا تو میں تھانہ بھون نہ آ سکوں گا تا فیصلہ یہیں رہنا پڑے گا۔

۶۔ زمیندار کہتا ہے آپ استعفار نہ دیں، کچھ لگان مقررہ سے زیادہ دیدیجئے، میں بخوشی اجازت کاشت دیتا ہوں، ان سب عذروں کے بعد حضرت نے تحریر فرمایا کہ اس صورت میں گناہ نہ ہوگا دریافت طلب جواب میں یہ بات ہے کہ صورت مسئلہ میں باضابطہ استعفار کی ضرورت نہیں محض زبانی معاملہ کر لینا کافی ہوگا؟

الجواب فی نفسہ کافی ہے، مگر عارضی و نفی کفایت کی ہو سکتی ہے (تمتہ خامہ ص ۵۸)
سوال (۵۵۶) اور عذروں کے متعلق یہ امر دریافت طلب ہے کہ کس عذر پر یہ حکم متفرع ہے؟

الجواب، نمبر ۶ پر (تمتہ خامہ ص ۵۹)

سوال — اور عذر مندرجہ نمبر (۱) کے متعلق یہ گزارش ہو کہ اگر مستغنی کی شہادت وغیرہ زمیندار کو مل سکے تو مقدمہ کی زیریاری مستغنی اٹھائے اور شہادت دے یا نہیں؟
الجواب — ضرور دے (تمتہ خامہ ص ۵۹)

سوال — اور عذر نمبر ۲ کے متعلق یہ عرض ہے کہ اگر ایک ہی زمیندار ہو تو کیا کرنا چاہئے؟
الجواب — رضا پر مدار ہے، تعدد پر نہیں (تمتہ خامہ ص ۵۹)

سوال — اور عذر نمبر ۳ کے متعلق یہ عرض ہو کہ اگر خرچہ استغفار زمیندار کے تو کیا حکم ہے؟

الجواب — پس یہ عذر نہ رہے گا، (تمتہ خامسہ ص ۵۹)

سوال — اور عذر نمبر ۴ کے متعلق یہ عرض ہے کہ استغفار حکم شرعی ہے، اس میں

گھروالوں کی مخالفت کا خیال کیا جائے گا؟

الجواب، نہیں، مگر یہ مستقل عذر نہیں، (تمتہ خامسہ ص ۵۹)

سوال — اور عذر نمبر ۵ کے متعلق یہ گزارش ہے کہ اگر کوئی شریک کاشت

نہ ہو اور مقدمہ لڑنے والا کوئی نہ ہو، اس صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب — اس واقعہ کو دخل نہیں (تمتہ خامسہ ص ۵۹)

سوال — اور عذر نمبر ۶ کے متعلق یہ عرض ہے کہ زمیندار جو اس بات پر

راضی ہو کہ استغفار نہ دیا جائے اور کچھ بیشی مقرر کر لی جائے اس وجہ سے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر دیدیا جائے گا تو مجھے تو ملے گا نہیں، شریک کاشت لے لیگا، تو بہتر یہی ہے کہ کاشتکار سابق کے پاس رہے، کہ ان سے کچھ تو مجھے بیشی مل جائے گی،

الجواب — جو رضا طیب خاطر سے نہ ہو کالعدم ہے (تمتہ خامسہ ص ۵۹)

سوال — اور اس عذر کے متعلق ایک نئی بات اور دریافت کرتا ہوں کہ

اگر زمیندار اس خیال سے کہ ان کو نکال کر کچھ فائدہ نہ ہوگا دوسرا ہی لے لیگا، لگان سابق ہی پر راضی ہو گیا تو یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب — اس کا ملحد وہی طیب خاطر ہے (تمتہ خامسہ ص ۵۹)

سوال — اور اس مسئلہ کے متعلق اتنی اور عرض ہے کہ حضرت نے سفر عظیم گدھ

بمقام بھاگلپور میں فرمایا تھا کہ استغفار کا شتکار ضروری ہے تاکہ اس کی اولاد اس کے بعد مدعی کا شتکاری نہ ہو، صورت مسئلہ میں اس صورت پر نگاہ نہ کی جائے گی؟

الجواب، ضرور کی جائے گی، انتقال الی الاولاد کے قبل باضابطہ استغفار ضروری ہے

نمبر ۶ میں غاضب سے ایسے امور میں ان سائل کو یہ سبب نمبر سمجھا دیجئے، (تمتہ خامسہ ص ۵۹)

سوال — (نمبر ۱) ایک مسئلہ اور دریافت کرتا ہوں

وہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں کا دستور ہے کہ لوگ غیر آباد زمین میں انہ و جامن کے درخت لگاتے ہیں

اور زمیندار کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی، اور نہ پھل وغیرہ کچھ لیتا ہے، ہاں جب

درخت لگانے والا درخت کو فروخت کرتا ہے تو قیمت میں سے زمیندار چارم یعنی چوتھائی قیمت لیتا ہے، اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ اس کا پھل وغیرہ درست ہے یا نہیں، اگر نہیں درست ہے تو کیا کیا جاوے زمیندار سے اجازت لے لی جاوے۔ یا درخت خرید لیا جائے۔

نمبر ۲۔ اور اس دستور کے موافق زمیندار کی زمین پر بلا اجازت درخت لگانا جائز یا نہیں
نمبر ۳۔ اور اگر بلا اجازت لگا دیا تو درخت کس کا ہوگا؟

جواب نمبر (۱) پھل کھانا درست ہے، اگر زمیندار کی اجازت ہو صراحۃً یا دلالتاً،

نمبر (۲) بلا اجازت درست نہیں، لیکن اجازت عام ہے صراحت و دلالت کو۔

نمبر (۳) لگانے والے کا، مگر مالک زمین جب چاہے زمین قالی کر لے، رجب ۱۳۳۳ھ (تمہ غامضہ)

سوال (۵۵) نمبر (۱) زمیندار اگر بطیب خاطر یہ کہے کہ تم اپنی کاشتکاری زمیندار کا شتکار موروثی را پر قابض ہو مجھے کچھ سبب و ملال نہیں، میری مالگنداری مجھے وقت پر دیا کرو۔ پس اسی میں خوش ہوں، اس بات کو کاشتکار کے رد پر بھی کہا، اور غیبت میں بھی اور لوگوں سے کہا یہ کاشتکاری جائز ہے یا نہیں؟

نمبر ۲، اور اس کے مرنے کے بعد بھی دوسرے زمیندار کے وقت میں یہ کاشتکاری جائز رہے گی یا اس کی رضامندی لیتا ہوگا؟

نمبر ۳۔ اور اس کا یہ کہنا کہ میں نے ہمیشہ کے لئے دیدیا، یہ کچھ کام کرے گا یا نہیں؟
الجواب، نمبر (۱) یہ کہنا اس لئے کافی نہیں کہ مستقبل میں رضامندی اس شخص کی مقیم ہوتی ہے کہ جب چاہے اپنے اس تبرع سے رجوع بھی کر سکے، اور یہاں اس پر قدرت نہیں، اس لئے اس کی ضرورت ہے کہ یہ کاشتکار ایک دفعہ باقاعدہ استغفار دیدے کہ وہ موروثیت ٹوٹ جاوے اور پھر کرایہ پر لے جائز ہے،

نمبر (۲) خود اصل ہی کے لئے وہ کہنا کافی نہیں اس کے لئے تو کیسے ہوگا، اور اگر اصل کے لئے بھی فرضاً کافی ہوتا تب بھی اس کے لئے ناکافی تھا، جیسا ظاہر ہے۔

نمبر (۳) بالکل لغو ہے، ۹ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ (تمہ ثالثہ ص ۱۳۲)

کتاب الشرب

منع آب خیر کہ دران ماہی مملو کہ باشند | سوال (۵۵۸) اکثر ملاح مچلی کے بچے دریائے پکڑ کر بیچتے ہیں اور لوگ خرید کر گڑھے میں پالتے ہیں، جن میں آسمانی پانی جمع ہوتا ہے، تو مچلی کی حفاظت کے لئے پانی روکنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ اگر یہ زمین اپنی ملک ہو اور دوسرا پانی قریب ہو تو روکنا جائز ہے، جبکہ اس کے لینے سے مچلی کو ضرر ہو، ۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ (تمتہ ثانیہ ص ۲۶)

منع آب حدیث عظیم کہ دران ماہی | سوال (۵۵۹) اور ایسے ہی اگر بڑے تال میں مچلی پالیں مملو کہ دیگر مملو کہ باشند | جس میں قدرتی مچلی بھی ہو تو اس میں بھی مچلی روکنا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب، نہیں، تاریخ بالا، (تمتہ ثانیہ ص ۲۶)

کتاب الذبائح والضحیۃ والصید والعقیقۃ

حکم قربانی از میت | سوال (۵۶۰) گائے یا اونٹ کی قربانی میں دو تین آدمی شریک و حکم لحم آن اھیجہ | ہوں ان میں سے ایک نے یا ایک سے زائد نے یہ خیال کیا کہ جب سات آدمی تک گائے یا اونٹ کی قربانی میں شریک ہو سکتے ہیں تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اور کسی بزرگ کی طرف سے یا اور کسی اپنے عزیز قریب دوست کی طرف سے خواہ وہ زندہ ہیں یا ان کا انتقال ہو چکا ہے شریک ہو جاؤں اور سات حصے پورے کربوں اور ان کی طرف سے بقدر حصہ قیمت ادا کروں یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، جائز ہے کیونکہ حی اور میت کی طرف سے قربانی کا یکساں حکم ہے فی الدار المختار وان مات احد السبعة وقال لودثة اذا بجوا عنه وعنکم صح الی قوله لقصد القربة من الكل اه، والله اعلم۔ ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (امداد ج ۲، ص ۱۱۲)

ایضاً | سوال (۵۶۱) میت کی طرف سے اگر قربانی کی جائے تو اس کے گوشت کی تقسیم کا کیا حکم ہے؟

الجواب فی الدار المختار فرع ۲ من ضحی عن المیت یضع کما یضع فی اضحیۃ نفس من التصدیق والاکل والاجر للمیت والملك للذابح قال الصدوق المختار ان یا مرامیبت لایاکل منها والایاکل بذاتیہ وسینکر فی النظم ۱۵ اس روایت سے معلوم ہوا کہ قربانی میت کی طرف سے دو طور پر ہے، ایک یہ کہ میت اپنے ترکہ میں سے قربانی کرنے کی وصیت کرے اس قربانی کا تمام گوشت مساکین کو دینا واجب ہے، دوسرے یہ کہ کوئی شخص اپنے مال سے تبرعاً میت کی طرف سے قربانی کرے، اس میں قربانی کرنے والے کو اختیار ہے جتنا چاہے کھائے جتنا چاہے دے خواہ خود کل کھالے، فقط واللہ اعلم، ۸ اذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (المجلد ۲ ص ۱۱۵)

ایضاً سوال (۵۶۲) متوفی کی طرف سے قربانی کرنے کا کیا مطلب ہے آیا اپنی طرف سے ایک حصہ قربانی کر کے اس متوفی کو ثواب پہنچا دے، یا مثل دیگر شرکاء چندہ کے اس کا نام حصہ پر قرار دے کہ قربانی کر لے فقط

الجواب۔ دونوں طرح درست ہے، فقط یکم ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ تتمہ خامسہ ص ۵

سوال (۵۶۳) اس حکم چرم قربانی و حکم صرف کردن آن در مدارس و حکم چرم دادن غنی را اکثر لڑکے مسکین و غریب کے بڑھتے ہیں اور کچھ طلباء یا ہر کے بھی ہیں مدرسہ میں پڑھتے ہیں اور غنی کے بھی لڑکے پڑھتے ہیں، مگر بعض لوگ جو غنی ہیں مدرسہ میں چندہ بھی دیتے ہیں، مگر چندہ کافی نہیں ہو سکتا زیادہ پائدار قربانی کی کھال ہی سے معلوم ہوتی ہے، تو آیا قربانی کی کھال فروخت کر کے مدرس کی تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں، اور مدرسہ کے دوسرے مصرف میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں، اور مدرسہ کے کس کس مصرف میں جائز ہے، یا کسی میں جائز نہیں، جیسا آپ تحریر فرمائیں ویسا کیا جائے، اور غنی کو قربانی کی کھال دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ فی الدار المختار فان بیع الجلد للحم بہ ای بستمہ لک او بدراہم

تصدق بشئ فی رد المختار و سکت عن بیع اللحم بہ ای بما یتقی عینہ للتحلف فیہ الی قولہ والصحیح انہما سواء الخ، ان روایتوں سے دو امر معلوم ہوئے، ایک یہ کہ کھال کے دام کا تصدیق واجب ہو پس غریب طلباء کی اعانت کے سوا دوسرے مصارف میں صرف کرنا جائز نہیں، دوسرا امر یہ کہ غنی کو کھال بے عینہ دیدینا جائز ہے، لیکن اگر اس سے یہ غرض حاصل کرنا ہو کہ اہل قربانی غنی کو دیدیں پھر وہ غنی بیچ کر جہاں چاہے صرف کرے، سو اس کی صحت کے لئے دو شرط ہیں، اول یہ کہ دینے والے اسی کو مالک بنانے کی نیت سے دیں، ایسا نہ ہو کہ ایک بار اس طریق کے مشہر

کرنے کو کافی سمجھا جاوے، کیونکہ جب تک دینے والے لفظی تصریح نہ کریں، کہ ہم خاص تم ہی کو دیتے ہیں تم مالک ہو اس وقت تک ظاہر اور غالب عوام کی حالت سے یہی ہے کہ وہ نیت مدرسہ میں صرف کرنے کے دیں گے، اور اس صورت میں غنی مالک نہ ہوگا، بلکہ کیل ہوگا، جس کی بیع بمنزلہ صاحب قربانی کے ہے، اور پھر تصدق واجب ہوگا، جس کی وجہ سے بحر طلباء وغیرہ کے دوسرے مصارف مندرجہ سوال میں صرف کرنا درست نہیں، دوسری شرط یہ ہے کہ مالک بھی حقیقتاً بتایا جائے صرف حیلہ نہ ہو جس کی علامت اور امتحان یہ ہے کہ اگر یہ غنی اس کو بیع کر کے اپنے خاص حوائج میں خرچ کرے تو اہل عطار کو ناگوار اور گراں نہ ہو اور اس کی شکایت و مذمت یا دل میں اس سے کدورت و انقباض نہ کریں، اور اگر ان دو شرطوں میں سے ایک بھی مفقود ہوگی تو وہ غنی مالک ہی نہ ہوگا، بلکہ کیل ہوگا جس کا حکم بضمین بیان شرط اول گذر چکا ہے، خوب سمجھ لیا جائے اور مدرسہ چلانے کی ضرورت سے نامشروع افعال کی طرح مشروع و مباح نہیں ہو سکتے واللہ اعلم، ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ (امداد ج ۲ ص ۱۱۴)

مسئلہ بالا | سوال (۵۶۴) قربانی کی کمال کی قیمت سے مدرس کو تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو اس کا ثبوت کیا ہے؟

الجواب فی الدر المختار ویتصدق بجلدھا الی قولہ فان بیع اللحد والحدال بحد بدراھم تصدق بثمانیۃ فیہ والصدقة کالہبتا بجامع التبذیر وحینئذ لا تصم غیر مقبوضاتہ ان روایات سے معلوم ہوا کہ قیمت چرم قربانی کا تصدق بطور تبرع کے واجب ہے، اور ظاہر ہے کہ مدرسین کو تبرعاً نہیں دیا جاتا، لہذا تصدق واجب ادا نہ ہوگا، اس لئے جائز نہیں، علیٰ ہذا جس میں تملیک قبض نہ ہو، جیسے مساجد وغیرہ میں خرچ کرنا یہ بھی جائز نہیں، جیسا دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم، ۲ ربیع الاول ۱۳۲۳ھ (امداد ج ۲ ص ۱۱۵)

سوال (۵۶۵) چرم قربانی مدارس میں دینا یا اس کی قیمت جائز ہے یا نہیں اور در صورت جواز متولی کو مدرسہ کی ضرورت کے واسطے چرم کو بیچ کر کتابیں، فرش وغیرہ بنانا یا خریدنا بلا تملیک جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، مدارس میں مصارف مختلف ہیں، مصرف جائز میں صرف کرنے کے لئے مدارس میں دینا درست ہے اور متولی کیل ہے مالک کا جو تصرف مالک کو درست ہے متولی کو بھی درست ہے

جس کی تفصیل یہ ہے کہ یا تو کھال کسی حاجت مند طالب علم کو مثلاً دیدے یا خود کھال کی کوئی چیز بنوا لیا جو بے جیسے کتابوں کی جلدیں یا ڈول وغیرہ بنوالے یا خود کھال کے عوض اگر مل سکے ایسی چیز بدلے جو باقی رہ کر کام آ سکے، جیسے فرش و کتاب و لباس و امثال ذلک اور یہ صوبے قبل بیع ہیں، اور اگر کھال کو بعض روپیہ کے بیچ ڈالا تو اس وقت بجز اس کے کہ کسی حاجت مند کو تملیک دے دیدے اور کسی محل میں صرف کرنا اس کا جائز نہیں، سو ان داموں سے کتابیں یا فرش وغیرہ خریدنا درست نہ ہوگا، اور اگر ایسا کیا تو ان چیزوں کا تصدق واجب ہوگا، اور اگر تصدق کے وقت کسی وجہ سے ان کی قیمت کم ہو جائے تو اس کی اپنے پاس سے ضمان دینا ہوگا، اور وہ ضمان بھی تصدق کیا جائے گا۔ فی الدر المختار ویتصدق بجلد ہا وعل منہ نحو غریبال وجواب تریبہ وسفرة ودلوا ویدلہ بما ینفع بہ یا قیا کما مر لا یمسئک الخ ولحم ونحوہ کذا لہم فان بیع اللحم والجلد بہ ای یمسئک او بدراہم تصدق بثلثینہ فی ردالمختار

کما مر ای فی اضیحة الصغیر وقال فی اضیحة الصغیر وما بقی یدل بہا ینتفع الصغیر بعبید کثوب وخف فی ردالمختار ظاہر انہ لا یجوز بیعہ بدراہم ثم یشتری بہا ما ذکرہ ویقیدہ ما تذکرہ عن البدائم و فی ردالمختار قبیل باب الجوع فی الہبة والصدقة کا الہبة وقال فی الدر المختار فی بدء کتاب الہبة ہی تملیک لعین مجانا اہ قلت قافاد اشتراط التملیک فی الصدقة فحیث ما وقع التصدق یمجب فیہ التملیک فقط والشرع اعلیٰ، ہ جادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ رانداج (ص ۱۶۱)

سوال (۵۶۶) بعض جگہ دستور ہے کہ قربانی کی کھالیں مسجد کے خادم نمودن وغیرہ یا سقوں کو دیدیتے ہیں اگر نہ دی جائے تو جھگڑا ہوتا ہے اس صورت میں قربانی میں تو کوئی فرق اور قربانی تو نہیں آتی۔

الجواب۔ قربانی میں تو کسی حال میں فرق نہیں آتا مگر یہ امر کہ فعل جائز ہی یا نہیں سو اس کا یہ حکم کہ اگر یہ کھالیں بہ عوض خدمت دی جاتی ہیں اس طرح کہ مشروط یا معروف ہے تو جائز نہیں کیونکہ یہ مبادلہ ہے بمقابلہ متافع خدمت کے جس میں معنی بیع کے ہیں اور بیع اسی عوض سے منہی عنہ ہے اور اگر تبرعا دی جائے تو جائز ہے چونکہ تبرعات میں جبر حرام ہے اس لئے جھگڑنا جائز نہیں۔ فقط والشرع اعلیٰ

ایضاً سوال (۵۶۷) قربانی کی کھالوں کا روپیہ آیا ہوا تنخواہ مدرسین میں دینا جائز ہے یا نہیں اور طلبہ کو بطور انعام کے دینا جائز ہے یا نہیں، ہندو ہوں یا مسلمان غنی ہوں یا فقیر فقط

الجواب فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ جب تک کھال فروخت نہ ہو پھر شخص کو اس کا دیدینا اور خود بھی اس سے منتفع ہونا جائز ہے، اور جب فروخت کر دی تو اس کی قیمت کا تصدق کرنا واجب ہے، اور تصدق کی ماہیت میں تملیک ماخوذ ہے، اور چونکہ یہ صدقہ واجب ہے اس لئے اس کے مصارف مثل مصارف زکوٰۃ کے ہیں، پس مدرسین کی تنخواہ میں اس کا صرف کرنا جائز نہیں، البتہ غریب مسلمان طالب علم جو زکوٰۃ کا مصرف ہو سکے، اس کو بطور انعام یا امداد خوراک پوشاک تملیک دیدینا جائز ہے اور ہندو اور غنی اس کے مصارف نہیں، فقط

(امداد جلد اول ص ۱۶۸)

ایضاً سوال (۵۶۸) جناب کے رسالہ بہشتی زیور حصہ سوم صفحہ ۵۴ میں قربانی کے مسائل کے سلسلہ میں تحریر ہے کہ قربانی کی کھال یا تو یوں ہی خیرات کر دے یا بیچ کر اس کی قیمت خیرات کنے حضور کی اس تحریر کے موافق ہمارے ملک میں عوام الناس قربانی کی کھال بیت خیرات فروخت کر کے خیرات کر دیتے ہیں، لیکن امسال ایک شخص حضور کے اس فرمان کی مخالفت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ قربانی کا چمڑا بیت خیرات فروخت کرنا مکروہ تحریمی ہے، لہذا جواب سے جلد متفید فرماویں فقط۔

الجواب۔ قال النبی فی شرح الکنز ولا یبیعہ بالدر اھم لینفق الدر اھم علی نفسہ و عیالہ والمعتی انہ لا یتصرف علی قصد التمول واللحم بمنزلۃ الجلد فی الصحیح حتی لا یبیعہ بما لا ینتفع بہ الا بعد الاستھلاک ولو باعھا بالدر اھم لیتصدق بها جازک انہ قرینۃ کا تصدق باللحم والجلد اھم یہ عبارت نص ہے بہشتی زیور کے مسئلہ کی صحت میں اور مخالفت کے قول کی عدم صحت میں، واللہ اعلم

۵ محرم ۱۳۵۳ھ (النور ص ۷، جمادی الاولیٰ ۱۳۵۳ھ)

حکم ذبح فوق العقدہ | سوال (۵۶۹) عقدہ کے اوپر جانور ذبح ہو یا درمیان تو کھانا اس جانور کا حلال ہے یا حرام؟

الجواب۔ اس میں علامہ شامی نے بہت سا اختلاف نقل کر کے یہ فیصلہ کیا ہے، کہ

تجربہ کاروں سے دریافت کرنا چاہیے کہ فوق العقدہ ذبح کرنے سے تین رگیں منجمہ چار رگ
یعنی حلقوم و مری و ودجین کے قطع ہو جاتی ہیں یا نہیں، اگر قطع ہو جاتی ہوں تو حلال ہے
ورنہ حرام، ۱۴ رمضان ۱۳۲۸ھ (امداد ج ۲ ص ۱۱۳)

ایضاً سوال (۵۷۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ عروق ذبح کون کون ہیں اور
ذبیحہ کی کل عروق قطع نہ ہو ورنہ تو ذبیحہ درست ہے۔

الجواب، عروق ذبح ایک حلقوم ہے، یعنی سانس آنے جانے کی راہ جس کو نثرخا
کہتے ہیں، دوسری مری یعنی طعاس و شراب کی راہ، تیسری چوتھی ودجین یعنی دونوں شہ
رگ جو حلقوم اور مری کے چپ و راست ہیں، و عروق الحلقوم والمری والودجان و منخار
اگر کل عروق قطع نہ ہوں تو تین کا کٹ جانا کافی ہے و حل مذیوح بقطع ای ثلاث

منہا، درمختار (امداد ج ۲ ص ۱۱۶)

ایضاً سوال (۵۷۱) مذبوحہ فوق العقدہ کا کیا حکم ہے، حلال یا حرام یا مکروہ؟

الجواب مذبوحہ فوق العقدہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، بعض کے نزدیک مطلقاً
حرام ہے، بعض کے نزدیک مطلقاً حلال ہے، چنانچہ طحاوی نے یہ سب اختلاف نقل کئے ہیں
اور جانہین کے دلائل ذکر کئے ہیں لیکن ترجیح حرمت کو دی ہے اور کہا ہے کہ احتیاطاً متفق
علیہ میں ہے، یعنی مذبوحہ تحت العقدہ بالاتفاق حلال ہے، اسی کو حلال کہنا چاہیے، اور
مختلف فیہ سے احتراز واجب ہے، قال صاحب المواہب يتعين الذبح بين الحلق
اللبنة تحت العقد وقيل مطلقاً وكن اقال ابن كمال باشا لم يحز فوق العقد دافق
بعضهم بالجواز وما للزيلعي الى تعيين الذبح تحتها وكذلك الشنقي وذكر نحوه ملا علی
وذكره الشربلانی عن الزیلعی وقره وقال الاتقانی عن الرستغفنی ويجوز اكلها سواء
يقیت العقدہ مہایلی الراس او مہایلی الصدر وشنع علی من افق بالحرمۃ فی ذلك
والذی ظہری ان الحق قول الزیلعی ومن معه وعلی کل فالاحتیاط فی المتفق علیہ طحاوی
مختصر الکلتی، ج ۲ ص ۱۵۰ واللہ اعلم۔ ۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۸ھ (امداد ج ۲ ص ۱۱۷)

ایضاً سوال (۵۷۲) اگر کسی بکرے... کا ذبح کرتے وقت ٹیٹو اسب کا سب

دھڑکی طرف چلا جاوے تو ایسے ذبیحہ کا کھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، اگر فوق العقدہ ذبح کرنے میں مری اور حلقوم اور ودجین کٹ جاویں تو ذبیحہ

حلال ہے، یہ بات اہل تجربہ سے تحقیق کرنا چاہئے، اور جس نے اس صورت میں حرام کہلے اس بنا پر کہ اس طرح ذبح کرنے میں عروق نہیں کٹتے، پس اگر یہ بنا صحیح ثابت نہ ہو تو حرمت کا حکم ثابت نہ ہوگا، ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۰۴)

ایضاً سوال (۵۴۳) ہدایہ میں ہے الذکاۃ وہی اختیاریۃ کا لجرح فیما بین اللبۃ واللبجین اور قاضی خاں میں ہے محل الرزکاۃ فی المقدور ذبحہ اہلیا کان او وحشیاً الحلق کلمہ بقولہ علیہ الصلوۃ والسلام الذکاۃ مابین اللبۃ واللجین، اور سراجیہ میں ہے موضع الذکاۃ الاقتیاد مابین اللبۃ واللجین،

ان عبارتوں میں سے میں نے یہ سمجھا ہے کہ حالت اختیاریہ میں محل ذبح کا جس ہڈی پر دندان قائم ہو اس کے نیچے سرسینہ تک، اب عرض کرتا ہوں کہ یہ سمجھ میری صحیح اور مفتی بہ ہے یا نہیں فقط الجواب، آپ عبارتوں کے معنی صحیح سمجھے ہیں، مگر گفتگو یہ ہے کہ یہ مابین مطلق ہے، یا مخصوص اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اس پر توسب کا اتفاق ہے کہ عروق خاصہ کٹنا ضروری ہے، مگر بعض نے اپنے مشاہدہ سے دعویٰ کیا ہے کہ فوق العقدہ کٹنے سے یہ عروق نہیں کٹتیں اس لئے انھوں نے اس مابین کا مصداق تحت العقدہ کہا ہے، تو اس کی تحقیق تشریح عروق سے ہر شخص کر سکتا ہے فقط ۶ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۳۴)

ایضاً سوال (۵۴۴) جناب حضرت مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ مطلب کہ آنچہ دربارہ مذکورہ فوق العقدہ فتویٰ اوشان باشند ان مطلع فرمودہ باشند و از مولانا خلیل احمد صاحب نیز جواب خود استاینزہ شد است، دانند دیوبند شریف نیز جواب باین الفاظ (اقول باللہ التوفیق حل المذبح فوق العقدہ ہو الرزح روایت و درایت فقط واللہ تعالیٰ اعلم، کتبہ الاحقر عویذ الرحمن عفی عنہ مفتی دارالعلوم دیوبند) آمدہ است اکنون آنچہ بنظر اوشان موجب شریعت عواء آمدہ است ارسال داشتہ باشند تا عند الناس مشکور بودہ باشند،

نقل تحریر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مدظلہ العالی

مکرم محترم جناب حاجی شیر محمد شاہ صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ، گرامی نامہ مع تحریر فریقین سئلہ ذبح العقدہ میں پہنچا، اس مسئلہ میں مجھ کو سالہا سال سے تحقیق کا اتفاق ہوا ہے، اور میں نے اس کی تحقیق کے لئے خود گائے کا سترنگا کر دیکھا ہے، میرے نزدیک محرمین جو یہ کہتے ہیں کہ

اگر ذبح فوق العقدہ ہوگا تو حلقوم اور مری قطع نہیں ہوں گے، صحیح نہیں ہے، منشا اس کا عدم تجربہ ہے دیکھو حلقوم عقدہ پر پہنچتی نہیں ہو گیا، بلکہ سر کی طرف عقدہ سے اوپر تک چلا گیا، ہذا یہ دعویٰ کہ اگر ذبح فوق العقدہ واقع ہوگا تو حلقوم اور مری قطع نہ ہوں گے، نہایت تعجب انگیز ہے، اور یہ ایک ایسا قول ہے کہ نہ اس کی کتاب اللہ سے تائید ہوتی ہے نہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بلکہ حدیث الزکوة مابین اللبۃ واللحین خود اس کو مصدق ہے اس کے متعلق جس قدر روایات مولانا محمد سعد اللہ صاحب انصاری مفتی خیر پور نے لکھی ہیں کافی و کافی ہیں، مجھ کو اس سے زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں لیکن صرف آپ کے اطمینان کے لئے امام شمس الائمہ سرخسی کی مبدی سے نقل کرتا ہوں، وان نحر البقرة حلت و یکرہ ذلک کما یلین ان السنة فی البقر الذی قال اللہ تعالیٰ ان اللہ یا مکرہ ان تذبحوا بقرة بخلاف الابل فالسنة فیہ النحر و هذا الان موضع النحر من البعیر لا لحم علیہ وما سوی ذلک من حلقہ علیہ لحم غلیظ فکان النحر فی الابل اسهل فاما فی البقر اسفل الحلق و اعلاھا فاللحم علیہ سواء کما فی الغنم فالذبیحہ فیہ ایسر المقصود تسئیل الدم والعروق من اسفل الحلق الی اعلاھا فالمقصود بالقطع فی ای موضع کان منہ فلهذا اخل وهو معنی قوله علیہ السلام الذکوة مابین اللبۃ واللحین ولكن ترک الاسهل مکروه فی کل جنس لما فیہ منہ زیادة ایلام غیر محتاج الیہ مبسوط جز ۲ کتاب الذبائح،

الجواب من اشرف علی

حلت و حرمت دونوں قولوں میں اختلاف کا معنی صرف یہ ہے کہ ذبح فوق العقدہ میں حلقوم اور مری قطع ہوں گے یا نہیں، سو یہ امر مشاہدہ کے متعلق ہے، مشاہدہ کے بغیر اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں۔ اور چونکہ مشاہدہ قطع کا روایت ثقات سے محقق ہو چکا اس لئے حلت کا حکم دیا جاوے گا، مدت ہوئی کہ احقر نے اس کی حرمت کا فتویٰ کتب فقہ سے نقل کیا

تھا، اب اس سے رجوع کرتا ہوں، ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ (ترجمہ خامس ص ۱۲۲)

سوال (۵، ۵) جو جانور صدقہ نافلہ کی نیت سے

ذبح کیا جائے اس کی کھال میں جو فقرار اور مساکین کا حق

ہے اس طور پر تصرف کرنا کہ کھال بچیکر کھال کے داموں سے دوسرا جانور صدقہ کی نیت سے

لیا جاوے اور اس کو ذبح کر کے کھال کی قیمت کی بجائے فقرا اور مساکین کو گوشت تقسیم کیا جائے درست ہے یا نہیں۔

صدقہ نافلہ کے لئے چند لوگوں نے چندہ کر کے جانور خریدا، اور چندہ دینے والوں میں بعض لوگ فقیر اور محتاج بھی ہیں، تو اب اس جانور کا گوشت ان فقرا اور محتاج لوگوں کو جو چندہ میں شریک ہیں دینا کیسا ہے، اگر درست نہیں ہے تو یہ حیلہ جواز کے لئے کافی ہو سکتا ہے یا نہیں کہ مثلاً پانچ آدمی ایک ایک روپیہ کے شریک ہیں تو گوشت کے پانچ حصے کر کے ایک حصہ مثلاً زید کا ایک عمرو کا ایک فلاں کا ایک فلاں کا علیحدہ علیحدہ کیا گیا، اور زید کے حصہ سے عمرو کو اور عمرو کے حصہ سے زید کو گوشت دیا گیا؟

الجواب، درست ہے! قبل تقسیم اگر ایسا کیا تو اس میں جس قدر خود اس شخص کا حصہ ہے جس کو گوشت دیا گیا ہے وہ صدقہ نہ ہوگا، اور بعد تقسیم اگر ایک نے دوسرے کو دیدیا سب کا صدقہ ادا ہو جاوے گا، لیکن اگر پہلے سے یہ شرط ٹھہرائی تو اب کی امید نہیں، بلکہ اگر اس شرط کے خلاف کرنے سے جبر یا نزاع کا احتمال ہو تو معصیت ہوگی،

۵ اشوال ۳۳۲ھ (امداد ج ۱ ص ۱۵۶)

سوال (۵، ۶) قیمت چرم قربانی حجاز ریلوے میں دینا کیسا
در حجاز ریلوے ہے، درست ہے یا نا درست؟

الجواب۔ چونکہ قیمت چرم قربانی میں تملیک واجب ہے، اور چندہ ریلوے میں تملیک نہیں ہوتی اس لئے اس میں دینے سے ادا نہ ہوگا، ۶ رذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (امداد ج ۲ ص ۱۱۳)
سوال (۵، ۷) بکری کا بچہ جس نے سدر کے دودھ سے
پرورش یافتہ ہے یا نہیں اور اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں

الجواب فی الدر المختار کما حل اکل جدی غدی بلبین خنزیر کان لحمہ لا یتعدو ما غدی بہ، بصیرو مستہلکا لا یبقی لہ اثر فی رد المختار ان ابن المبارک قال معاً اذا عتلف ایا ما بعد ذلک کالجلالت وفي شرح الوہابیۃ انہ یحل اذا ذبح بعد ایاہ والا، ان روایات سے معلوم ہوا کہ وہ بچہ حلال ہے، لیکن کئی روز تک اس کو دوسرا چارہ دینا چاہئے اس طرح قربانی بھی درست ہے، فقط واللہ اعلم

۷ اررمضان ۱۳۳۲ھ (امداد ج ۲ ص ۱۱۳)

سوال (۵، ۸) نیلام کابنجی ہاؤس سے کوئی جانور خریدنا حکم قربانی جانور خرید کر دہ از نیلام کابنجی ہاؤس حکم ادخال جانور دران اور اس کی قربانی کرنا جانور کو کابنجی ہاؤس بھیجتا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، فی الدر المختار وان غلبوا راه اهل الحرب علی اموالنا واحرزوها بدمهم ملوکھا، اور عملہ کابنجی ہاؤس نائب ہیں مستولین کے پس اس استیلا تملک سے وہ جانور ملک سرکار کی ہو جائے گا، لہذا بیع کے وقت اس کو خریدنا جائز ہے، اور جب یہ بیع صحیح ہو ملک میں داخل ہو گیا قربانی بھی اس کی درست ہے، البتہ عرفاً بدنامی کا موجب ہے اس لئے بلا ضرورت بدنام ہونا بالخصوص مقتدا کے لئے زیبا نہیں اور کابنجی ہاؤس میں جانور کو داخل کرنا اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی جانور کھیت میں خود گھس گیا ہے اس کا داخل کرنا تو بالکل جائز نہیں کیونکہ اس میں مالک پر ضمان نہیں تو اس سے کچھ لینا یا لینے میں اعانت کرنا ظلم ہے، اور اگر کسی نے قصداً جانور کو کھیت وغیرہ میں داخل کر دیا ہو اس پر بقدر اتلاف ضمان ہے، اس مقدار تک اگر کابنجی ہاؤس میں یا ویسے ہی اس کو وصول کیا تو جائز ہے اور اس کو زندہ بطور جرمانہ کے ناجائز ہے کیونکہ یہ تغیر بالمال ہے، اور ضمیمہ کے نزدیک منسوخ ہے، کما صرحا بہ فی الدر المختار اخرجنا جانیۃ البرہیمۃ ادخل غنما وثورا وفرسا وحمرا فی ذرع او کرم ان سائقا ضمن ما تلف والا لاقیل یضمن وقال الشامی مرجحاً للقول الثانی اقول ویظهر ارجحیۃ هذا القول لموافقتہ لما مر اول لباب من انہ یضمن ما احدثتہ الدابة مطلقا اذا دخلها فی ملک غیرہ بلا اذنتہ لتعدیتہ واما لو لم یدخلها ففی الہدایۃ ولو ارسل بھیمۃ فافست ذرا علی فورھا ضمن المرسل وان مالت بھیمتا او شمالا ولم طریق الاخر لا یضمن لما مر

۵ محرم ۱۳۲۳ھ (امداد ج ۲ ص ۱۱۳)

ایضاً سوال (۵، ۹) مویشی نیلام شدہ کابنجی ہاؤس کے جو مالک کے پاس سے خواہ بطور آوارگی یا بذریعہ چوری کابنجی ہاؤس میں بند کی گئی ہے، چوری کی تشریح یہ ہے کہ کوئی چور مویشی لایا، اور اس نے کسی الزام سے بچنے کی غرض سے کابنجی ہاؤس میں کر دی، گورنمنٹ مالک کو کسی ذریعہ سے اطلاع نہیں دیتی، پندرہ روزہ کابنجی ہاؤس میں رکھ کر اپنے اختیار سے نیلام کر دیتی ہے، اول اس کی قیمت خود سرکار رکھ لیتی ہے ایسے مشتری نیلام کو جائز ہے کہ وہ اس مویشی کو قربانی کر لے یا؟

الجواب، ان دونوں حالتوں میں شرعاً قیمت کا تصدق واجب ہے، خود رکھنا درست نہیں جب بالغ کی نیت قیمت خود رکھنے کی ہو اور مشتری کو معلوم ہو تو اس کا خریدنا اعانت علی الغیر

المشروع ہے اس لئے درست نہیں، اور استیلاء کا مسئلہ یہاں غامض ہے،

۲۲ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ (حوادث ج ۵ ص ۴۶)

سوال (جس گائے کا ایک سینگ کی خول اتر جائے
حکم قربانی کا دے کر پوست
شاخص دور شدہ یا شد
اور گودے سینگ کی نہ ٹوٹے تو اس کی قربانی درست ہو یا نہیں؟
الجواب۔ ایسی گائے کی قربانی درست ہو کذا فی الدر المختار و معجم المحتار والیٰ علیہ السلام۔

۱۵ رمضان ۱۳۳۳ھ (امداد، ج ۲ ص ۱۱۴)

سوال (۱) سینگ ٹوٹنا داخل عیب
قربانی کے جانور کے سینگ کا ٹوٹنا عیب ہے یا نہیں؟
حضرت علی کی حدیث میں کسر قرن کا عیب مذکور ہے اس کے معنی
قربانی ہو یا نہیں؟ اگر ہو جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ
کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے تو ہر سینگ میں کس قدر شکست داخل عیب ہے، اور ہر سینگ کا مستقل
محافظ ہو گا یا مجموعہ کا کرنا پڑے گا؟

الجواب، ۱) نہیں، کذا فی رد المحتار، ۲) وہ حدیث محمول ہو اولیت پر یا مکسور الیٰ
المخ پر۔ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ (تمہ اولیٰ ص ۱۳۷)

سوال (۲) قاضی خاں جلد چہارم صفحہ ۳۳۴ میں
سینگ اگر مغز تک ٹوٹ گیا ہو
تو اس قربانی کا عدم جواز
لکھا ہے: یجوز الجاء فی الاضحیۃ وہی التی لا قرن
لها خلقة وکذا لک مکسور القرن اس عبارت کا مطلب میں نے یہ سمجھا کہ جس جانور کا
سینگ بالکل یعنی مغز سمیت ٹوٹ گیا ہو قربانی اس کی بلا کر اہت درست ہو یہ سمجھ میری درست
ہے یا نہیں بتلادیجئے۔

الجواب۔ آپ کا یہ سمجھنا بوجہ اس کے کہ اس کے خلاف کتب میں مصرح ہے صحیح نہیں،

فی رد المحتار فان بلغ الکسر الی المخ لہ یجز قہستانی ج ۵ ص ۳۱۵

۹ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ

سوال (۵۸۳) ایک گاوے واسطے قربانی کسے ہے، کہ جس کے
سینگ دونوں جڑ سے ٹوٹ گئے ہیں اور اندر کے گودے یعنی
عدم جواز قربانی کا دے کہ
شاخص ازینج رقتہ باشد
ہڑی نہیں ٹوٹی ہے، تو ایسے جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، فی رد المحتار و بعضی بالجاء ہی التی لا قرن لها خلقة وکذا العطاء
التي ذهب بعض قرنها بالكسر و غایره فان بلغ الکسر الی المخ یجز قہستانی و فی البدائع

ان بلغ الكسر المشامش لا يجرى والمشامش رؤس العظام مثل الركبتين المرفقين
جب گائے کے سینگ ٹوٹ گئے تو اندر کی جو ہڈی جوڑ کی ہے، جس کے اندر مغز ہے، وہاں
تک شکستگی پہنچ گئی، پس بروایت مذکورہ اس کی قربانی جائز نہیں، گو اندر کی ہڈی
نہ ٹوٹی ہو، واللہ اعلم، ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۲۵ھ (امداد ج ۲، ص ۱۱۵)

عدم وجوب قربانی برفیقہ بہ نیت قربانی درجائے دومین **سوال** (۵۸۴) ایک شخص غیر صاحب
نصاب نے موسم قربانی میں ایک جانور قربانی کیا، اور ایک بزنغالہ جو اس کی ملک تھا اس کے
اشارہ کے کہا کہ بال آئندہ انشاء اللہ اسے قربانی کروں گا، آیا یہ نیت منعقد ہوگئی، اور اس
جانور کی قربانی واجب ہوگئی یا اس کے بدلے دوسرا بھی کر سکتا ہے؟

الجواب، فی رد المحتار تحت قول الدر المختار و فقیر مشراہا لہا ما نصہ فلو كانت
ملکہ فتویٰ ان یضیحا واشتراھا ولم ینوالاضحیۃ وقت الشراء تعزونی بعد ذلک
لا یجب لان النیت لم تقارن الشراء فلا تعتبر بدائع، بتا براس روایت کے صورت مسئلہ
میں اس شخص پر اس بزنغالہ کی قربانی واجب نہیں، فقط یکم جمادی الثانیہ ۱۳۲۵ھ (امداد ج ۲، ص ۱۱۶)
سوال (۵۸۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ذبیحہ کافر کتابی
ذبیحہ مسلم تارک الصلوٰۃ اور فروختہ ہندو کیسا ہے؟

الجواب، ذبیحہ کتابی کا بفس قرآنی حلال ہے۔ قال اللہ تعالیٰ و طعام الذین
ادوا الکتاب حل لکم ای ذبائح الیہود والنصارى جلالین، مگر شرط یہ ہے کہ غیر خدا
کے نام سے ذبح نہ کرے ورنہ حرام ہے۔ فی الدر المختار اذا سمع منه عند الذبح ذکر
المسیح علیہ السلام، اور بعض فقہار نے شرط لگائی ہے کہ کتابی یہودی معتقد الوہیتہ
عزیر علیہ السلام و نصرانی معتقد الوہیتہ عیسیٰ علیہ السلام نہ ہو، مگر عام روایات مطلق ہیں مگر
احتیاط یہ ہے کہ موضع اختلاف سو تحریر کریں، ہکذا حقہ السلامۃ الشامی فی رد المحتار، ذبیحہ
تارک الصلوٰۃ کا حلال ہے، کیونکہ نماز شرائط جواز ذبح سے نہیں، فی الدر المختار و شرطون
الذابح مسلما الخ من غیر تفتیدہ بالمصلی، ذبیحہ فروختہ ہندو حلال نہیں، اگرچہ وہ کہے کہ
اس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے، واصلہ ان خبر الکافر مقبول بالاجماع فی معاملات لانی
الدیانات در مختار و فی رد المحتار عن التاتاریخانیۃ عن جامع الجوامع لابی یوسف
من اشترى لحما فعلم انه مجوسی و اراد الرد فقال ذبیحہ مسلم یکرہ اکلہ و مفادہ

ان مجرد کون البائع مجوسیا تثبت الحرمۃ اھ البیتہ اگر وقت ذبح سے وقت اشترار تک کوئی مسلمان اس کو دیکھتا رہے اس وقت حلال ہے، (امداج ۲ ص ۱۱۶)

ایضاً سوال۔ (۵۸۶) حق تعالیٰ کا ارشاد ہے و طعام الذین اوتوا الكتاب حل لکم ای ذبايحهم کما اجمع علیہ المفسرون تو کیا بلاد یورپ کے سفر کرنے والے مسلمانوں کو وہاں کے خلال مویشی کا ذبیحہ کھانا درست ہے یا نہیں۔

الجواب، اس مسئلہ میں کئی مقام پر کلام ہے، مقام اول یہ کہ آیت اہل کتاب کے باب میں ہے، اور اہل کتاب کسی قوم کا نام نہیں، بلکہ اس مذہب والوں کا لقب ہے جو کسی نبی مرسل کی تصدیق کرتے ہوں کسی کتاب منزل کا اقرار کرتے ہوں، کذا فی الدلائل کتاب النکاح، اور آجکل جو اہل یورپ کے حالات مسموع ہوئے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں اکثر ایسے ہیں جو محض قوم کے اعتبار سے عیسائی سمجھے جاتے ہیں، لیکن مذہب کے اعتبار سے وہ عیسائی بالکل نہیں بلکہ خود وہ لوگ نفس مذہب ہی کہ بیکار بتلاتے ہیں اور محض الحاد و دہریت کے خیالات رکھتے ہیں جو کہ ان میں سائنس کے اشتغال و انہماک سے یا ایسے لوگوں کی صحبت سے پیدا ہو گئے ہیں، چنانچہ ان کی تقریرات و تحریرات اس پر شاہد ہیں، پس ان لوگوں کا قوم عیسائی سے شمار کیا جانا یا ان کا اپنے کو بہ مصلحت تمدنی عیسائی کہہ دینا کافی نہیں، جب عیسائی نہیں تو ایسے شخصوں کے احکام بھی مثل اہل کتاب کے نہ ہوں گے، پس ذبیحہ بھی ان کے ہاتھ کا حلال نہ ہوگا، اور جب اکثر ایسے ہی ہیں تو تا وقتیکہ بالیقین کسی خاص ذبیحہ کے ذابح کا اعتقاد کتابی ہونا بالیقین نہ ثابت ہو جاوے ان ذبائح سے عموماً احتیاط و احتراز واجب ہے، فی الدر المختار مسائل شتی غنم مذبوحۃ ومیتۃ فان کانت المذبوحۃ اکثر تحری واکل والا بان کانت المیتۃ اکثر ادامتویا لا یتحری اھ۔

مقام ثانی کتابی کے ذبیحہ کے حلت کی یہ بھی شرط ہے کہ اس نے ذبح کرنے کے وقت اس پر اللہ کا نام بھی لیا ہو، اگر عیسیٰ علیہ السلام کا نام لے یا کچھ بھی نہ کہے تو وہ حلال نہ ہوگا، فی الدر المختار کتاب الذبائح و کتاب بیاد میا و حویلیا الا اذا سمع منه عند الذبح ذکر المسیح اھ بلکہ بعض نے تو اعتقاد تثلیث کو بھی مانع حل ذبیحہ کہا ہے، اور بعض نے گو اس قاعدہ کو مانع نہیں کہا ہے، مگر اولیٰ ہر حال میں عدم اکل ہی کو کہا، کذا فی الدر المختار، لیکن

اگر ان اخیر کے دونوں قولوں پر عمل نہ بھی کیا جائے تب بھی یہ تو اجما غا شرط ہو کہ اس ذبیحہ پر اللہ کا نام لیا گیا ہو، جب یہ شرط ہے اور وہاں اس کا بھی اطمینان نہیں، بلکہ حالات سننے سے معلوم ہوتا ہے کہ ذابحین اس کا التزام نہیں کرتے یہ بھی مانع حلت ہوگا، غرض نہ ذابحین کا کتابی ہونا معلوم اور نہ ذبح کے وقت تسمیہ کا التزام معلوم، لہذا ان ذبائغ کے حلت کی کوئی صورت نہیں۔

مقام ثالث، اگر ذبح بشرائط مذکورہ بھی ہوا ہو لیکن یہ امر کہ یہ ذبیحہ کتابی کے ہاتھ کا ہے نہ مشاہدہ سے معلوم ہوا اور نہ کسی مسلم عادل کی خبر سے تب بھی بوجہ اس کے کہ دیانات میں منجز کا اسلام اور عدالت شرط ہے، کما صرح الفقہاء، اس صورت میں حلت کا حکم نہ ہوگا، البتہ اگر سب شرطیں حلت کی متحقق و متیقن ہوں یعنی مشاہدہ یا معتبر ناقل مسلم سے یہ امر متیقن ہو جاوے کہ جس شخص نے ذبح کیا ہے اس نے تصدیق و اقرار نبوت عیسیٰ علیہ السلام و انجیل کا کیا ہے، اور ذبح کے وقت محض اللہ تعالیٰ کا نام بھی لیا ہے تو ایسا ذبیحہ حلال ہو جاوے گا، لیکن ایسی صورت بہت نادر و نادر ہو سکتی ہے، بعض لوگوں کو شرط ثانی یعنی وجوب تسمیہ پر ابو داؤد کی ایک روایت کے شبہ ہو گیا ہے، روایت یہ ہے، عن ابن عباس قال فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ ولا تاكلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ فسنم و استثنی من ذلك فقال طعام الذین ادتوا الکتب حل لکم اور شبہ یہ ہے کہ ابن عباس کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ کتابی کا ذبیحہ بلا تسمیہ بھی حلال ہے سو اس سے شبہ کا جواب سمجھنا ضروری ہے مگر اس جواب سے پہلے چند مقدمات معلوم کر لینے چاہئیں ایک یہ کہ قطعی اور ظنی میں جب تعارض ہو تو قطعی پر عمل کیا جاوے گا اور ظنی متروک یا مؤول ہوگا دوسرا مقدمہ یہ کہ نسخ فرع ہے تعارض کی جب تعارض دوسری طرح مرتفع ہو سکے تو نسخ کے قائل ہونے کی ضرورت نہیں، اب جواب سنئے حضرت ابن عباس کا ظاہر قول جو کہ دلیل ظنی ہے معارض ہے ظاہر آیت فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ ولا تاكلوا الخ کے پس ابن عباس کے قول میں اگر تاویل نہ کی جاوے تو ظاہر آیت کو ترجیح دے کر ابن عباس کے قول کو چھوڑ دیں گے بحکم مقدمہ اولیٰ اور متروک قابل حجت نہیں ہوتا، پس شبہ کا نتیجہ یہ ہو گیا، لیکن چونکہ حضرت ابن عباس کی نسبت معارضہ قرآن کا قائل ہونا بھی جائز نہیں اس لئے ان کی اس تفسیر کی یہ تاویل کی جاوے گی کہ وہ آیت فکلوا الخ ولا تاكلوا الخ میں منکم کی قید لگاتے ہیں جس سے حاصل آیت کا یہ ہوگا کہ جس ذبیحہ پر مسلمان کی زبان سے تسمیہ نہ ہو اس کو کھانا درست نہیں اور قرینہ اس تفسیر کا خود فاعل کلو و لاتا کلو کا ہو سکتا ہے، اس طرح سے کہ فعل مجہول کو تعین فاعل میں تابع فعل معروف کا کر دیا جاوے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مشرکین کے ذبائغ بالاجماع

بلکہ اسی طرح اور بھی تمام شرائط ذبح کا پایا جائے ضروری ہو، اگر ایک بھی نہ ہوگی تو حلت نہ ہوگی، مثلاً نہ لیا ہو کہ وہ لوگ مذبح پر نہ کر رہے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو یہ بھی مانع حلت ہے ۱۲ منہ

حرام ہیں اور حرمت بلا دلیل ہوتی نہیں، اور حرمت ذبائح مشرکین کی کوئی دلیل مستقل پائی نہیں جاتی، اس لئے بہتر ہے کہ اس کو اس آیت لا تا کلو ایں داخل کیا جاوے، اور ظاہر ہے کہ آیت وطعام الذین اولوا الکتاب کے قبل ذبائح اہل کتاب بھی حرام تھے، اور وہ بھی اس دلیل سے اس آیت لا تا کلو ایں داخل ہوگا پس اس آیت میں ایسی قید ضروری ہے جو ان دونوں حکموں کو مشتمل ہو اور وہ منکم یعنی من المسلمین ہی ہے پھر اس میں سے اہل کتاب مستثنیٰ ہو گئے، اور مشرکین باقی رہے، جس طرح لا تکفوا المشرکات ولا تکفوا المشرکین، اہل کتاب مشرکین دونوں کو ثابت ہے اور المحصنات من الذین اولوا الکتاب نے کتابیات کو مستثنیٰ کر دیا، اور مشرکات اور مشرکین و کتابیین اپنے حکم سابق پر رہے گو یہ قرآن قطعی نہیں، پہلا تو ظاہر ہے، اور دوسرا اس لئے کہ ممکن ہو کہ عبدالرزاق کی حدیث کو جو کہ در باب مجوس سنوا یھرم سنۃ اھل الکتاب غیونا کجی نساھم ولا اکل ذبائحھم دلیل حرمت ذبائح مشرکین کہا جاوے پس آیت موصوفہ کے عموم کے قائل ہونے کی ضرورت ہی نہ رہی، یا یہ کہا جاوے کہ اصل دما و فریح میں حرمت ہے، جب حلت ذبائح مشرکین کی کوئی دلیل نہ ہو یہ بھی حرمت کے لئے کافی ہے، غرض بعد اعتبار قید منکم کے اب آیت طعام الذین اولوا الکتاب اس سے معارض ہوگی، پھر چونکہ سورہ مائدہ جو کہ مدنی ہے سورہ النعام سے جو کہ مکی ہے متاخر ہے، اس آیت وطعام الذین اولوا اس جزو خاص یعنی تقید مذکور میں نسخ اس کی ہوگی یعنی تسمیہ کہنے والے کا خاص مسلم ہونا ضروری نہ ہوگا، یعنی کتابیہ کا تسمیہ بھی مفید حلت ہو جاوے گا، اور یہ کسی دلیل سے لازم نہ آیا کہ نفس تسمیہ کی بھی حاجت نہیں، بلکہ اس میں لا تا کلو الخ اپنے عموم و اطلاق پر باقی رہے گا اور یہ اس صورت میں ہے کہ دونوں آیتوں میں نسخ کو مان لیا جاوے، ورنہ واقع میں خود اسی کی حاجت نہیں کیونکہ دونوں میں تعارض ہی ثابت نہیں، بلکہ آیت فکلو اولوا تا کلو اخل ذبیحہ کی ایک شرط کو تیار ہی ہے کہ ذابح کا غیر وثنی ہونا ہے، پس تعارض نہ رہا، تو فریح بھی نہ ہوگا بحکم مقدمہ دوم پس کسی دلیل سے تسمیہ کا ساقط ہونا ثابت نہیں ہوا، اور شہہ زائل ہو گیا، فقط واللہ اعلم

۳۳ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ (حوادث اول ۱۳۷)

حکم ذبیحہ غیر مزی | سوال (۵۸۷) ذبیحہ جس کی زکات ثابت نہ ہو کیسا ہے؟

الجواب، نہیں معلوم مراد سائل کی لفظ زکات سے کیا ہے، یہ لفظ بذال معجز تو بمعنی ذبح کے ہو سبب دون ذبح شرعی کے حقیقی ہو یا حکمی حلت ثابت نہیں ہوتی، اور اگر مراد زکوٰۃ دینا ہے سو جو شخص زکوٰۃ نہیں دیتا ہو مگر فرض جانتا ہو اس کا ذبیحہ حلال ہو، ورنہ باوجود مسلمان ہونے کے

فرض نہیں جانتا وہ مرتد ہے، اس کا ذبیحہ حرام ہے لایجل ذبیحہ وثنی و مبعوسی و مرتد

درمختار، (امداد ج ۲ ص ۱۱۶)

تعیین مکان ذبح | سوال (۵۸۸) ذبیحہ کی جگہ مقرر کرنا تبرک جان کر سوائے عید گاد کیسا ہے؟

الجواب، اگر تعظیم غیر اللہ کی مقصود نہ ہو تو تعین مکان ذبح جائز ہے مگر ضروری نہ جانے

فی مشکوٰۃ عن ثابت الضحاک قال تذر رجل علی عهد رسول اللہ صلعم ان یخواب لیوماً

فأتی رسول اللہ صلعم فقال هل فیها دثن من اوثان اهل لجاهلیۃ یعبدون قالوا لا قال

فهل کان فیها عید من اعیادهم قالوا لا قال رسول اللہ صلعم اوف بتذکرہ رواہ

ابوداؤد، (امداد، ج ۲ ص ۱۱۶)

بیان آلہ ذبح و اجداد سکین | سوال (۵۸۹) کس کس اشیاء سے ذبح جائز ہے، اور چھری

کب تیز کرے؟

الجواب، جس سو گیس کٹ جائیں اور خون بھی بہہ جائے اس سے ذبح جائز ہو و حل کل ما قوی الذمہ

وانهر الدم ولا سنا و ظفرًا قاضین - درمختار - لا جانور کے لٹانے سے پہلے تیز کرنا

چھری کا مستحب، فی الدلائل المختار و ندب اخذ اشقوة قبل الاضجاع (امداد ج ۲ ص ۱۱۶)

وجوب تسمیہ بر ذبح | سوال (۵۹۰) ذبیحہ کے ذبح میں بسم اللہ التبارک و تعالیٰ کو بھی چاہئے اگر نہ کہے

تو کیسا ہے؟

الجواب، تسمیہ فقط واسطے ذابح کے ہے و شرط التسمیۃ فی الذابح، درمختار (امداد)

حکم تسمیہ بر اعانت کنندہ ذبح | سوال (۵۹۱) مالا بدمنہ کے اخیر میں سالۃ اضحیہ لگا ہوا ہے، اس میں

لکھا ہے بحوالہ در مختار کہ ذابح کے معین پر تسمیہ واجب ہے، اگر معین نے تسمیہ نہ کیا تو اس کا کھانا حرام ہوگا و لکھا ہے

الجواب - فی الدلائل المختار کتاب الاضحیۃ فوضع یدہ مع ید القصاب فی الذبح و اعانتہ

علی الذبح سہی کل وجوب الخ اس سے ثابت ہوا کہ مطلق معین پر تسمیہ واجب نہیں بلکہ خاص اس معین

پر جو کہ ذابح ہونے میں شریک ہو، مثلاً چھری کو دونوں پکڑ کر چلاتے ہوں -

۱۴ صفر ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۱۹)

جواب ثبہ واروہ بر عبارت اغلاط العوام | سوال (۵۹۲) آپ نے اغلاط العوام میں تحریر

فرمایا ہے کہ ذابح کے معین پر تسمیہ واجب نہیں، اور ترجمہ فتاویٰ عالمگیری جلد چہارم ص ۲۴۱

کتاب الاضحیہ میں یہ عبارت تحریر ہے (ایک شخص نے قربانی کرنی چاہی پس اس نے قصاب کے

ہاتھ کے ساتھ اپنا ہاتھ بھی لگایا تاکہ دونوں کی مدد سے اچھی طرح ذبح ہو جاوے، تو شیخ امام ابو بکر بن الفضل نے فرمایا کہ دونوں میں سے ہر ایک پر تسمیہ واجب ہوگا، حتیٰ کہ اگر دونوں میں سے ایک نے تسمیہ چھوڑ دیا تو جائز نہ ہوگی، یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے، تو محلہ کی مسجد کے امام صاحب میری معرفت آنحضرت سے ”اغلاط العوام“ کی عبارت کے صحیح ہونے کی کسی معتبر کتاب سے دلیل چاہتے ہیں؟

الجواب، میں نے معین کا حکم لکھا ہے، اور یہ شخص تو شریک ذبح ہے،

۲۴ رجب ۱۳۸۵ھ (ترجیع خامس ۱۵۷)

سوال (۵۹۳) ذبیحہ عورت اور نابالغ کا جائز ہے یا نہیں، اور سوائے اس کے کون کون ذبیحہ جائز اور کون نا جائز ہے، بینوا تو حرام؟

الجواب، ۱۔ ذبیحہ عورت اور نابالغ کا بشرطیکہ ذبح کر سکتا ہو اور بسم اللہ کہے جائے ہے اور امرأۃ اوصبیاً یعقل التسمیۃ والذبح ویقدر، درمختار

۲۔ سوال کی کوئی صورت معین کرنا چاہئے تاکہ جواب دیا جائے، یوں بہت سے جائز بہت سے ناجائز ہیں، (امداد ج ۲ ص ۱۱۶)

سوال (۵۹۴) کیا ہے حکم شرع کا اس میں کہ کھال قربانی کی قصاب کو اجرت میں دینا یا قیمت جائز میں محسوب کرنا جیسا فی زمانہ اکثر لوگ کرتے ہیں، اور جو لوگ بطع قلیل دیتے ہیں یا لیتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ (المستفتی جناب خاندان کا پیور)

الجواب۔ قربانی کا کوئی جز کھال ہو یا گوشت اجرت قصاب میں دینا یا قیمت میں مجری کرنا سخت ممنوع ہے، فی الدر المختار ولا یعطی اجواجزاً منہا لانه کبیم و استفیدت من قوله علیہ السلام من باع جلد اضحیۃ فلا اضحیۃ، ہدایہ اور جوگ ایسا کہ دینا کے نفع کو آخرت کے ثواب پر ترجیح دینے میں ان کے عتاب کے لئے یہ آیت ہے بل تو شرون الحیوۃ الدنیا والآخرۃ خیر وابقی، والشراعلم، ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۰۳ھ

(امداد ج ۲ ص ۱۱۸)

سوال (۵۹۵) میری بستی میں فقیر مسجد کا ہمیشہ پانی بھرتا ہے اور قربانی دراجسرت اس کو یعوض اجرت زمین دی گئی ہے اور چمڑے قربانی کے بھی دے اسی حق میں شمار کرتا ہے اور اکثر لوگ دیتے بھی ہیں مگر میں نہیں دیتا ہوں بلکہ فروخت کر کے غریب و مساکین کو تقسیم کر دیتا ہوں تو ایسے فقیر کو چرم قربانی دینا جائز ہے یا نہیں

اور قربانی کامل طور سے ادا ہوگی یا نہیں۔

الجواب۔ اجرت میں جلد قربانی کی دینا جائز نہیں گو قربانی میں خلل نہیں آتا لیکن بقدر قیمت جلد کے اس شخص پر مساکین کو تصدق کرنا واجب رہے گا، واللہ اعلم
رمضان ۱۴۳۳ھ

سوال۔ (۵۹۶) قربانی کے بقرہ کا کلمہ شرکار آپس میں رضی
چیزے راقبل از تقسیم، ہو کر قبل تقسیم گوشت کسی شخص کو ملے ویدیں قربانی جائز ہو یا نہیں
الجواب، اگر سب نے کسی فقیر کو وید یا غنی کو دیا، لیکن شرکاریں کسی نے قربانی کی
نذرہ کی تھی، تو جائز ہے، کیونکہ تقسیم واجب نہیں، کہ ترک واجب سے کوئی محذور لازم آئے
اور اگر اس میں کوئی ناذر تھا اور غنی کو دیا تو جائز نہیں، کیونکہ تقسیم کر کے ناذر کا حصہ فقرا
پر تصدق کرنا واجب ہے، پس قربانی تو جائز ہو جائے گی لیکن ناذر پر قیمت اپنے حصہ منجملہ کلمہ کے
تصدق کرنا واجب ہے، فی الخطاوی انظر هل هذه القسمة متعينة او لاحق لو اشتر
لنفسه ولزوجته ولاولاده الکبارید نذرا ولم یقسموها تجزیهما ولا والظاہر انها
لا تشترط لان المقصود منها الراقۃ وقد حصلت فی فتاوی الخلاصۃ والقیض
تعلیق القسمة علی ارادہم وهو توئید ما سبق غیر انہ اذا کان فیہم فقیر والباقی
اغنیاء یتعین علیہ اخذ نصیبہ لیتصدق بہ ۱۲ فی الدار المختار ولا یأکل الناذر
منہا فان اکل تصدق بقیمۃ ما اکل ۱۲ قلت نفسه وطعام الغنی سواء ۱۲ واللہ اعلم
(امداد الفتاویٰ ج ۸ ص ۱۱۸)

سوال (۵۹۷) خسی تین طرح کے ہوتے ہیں ایک کے خصے
کی قربانی جائز ہے | مل دیتے ہیں، اور دوسرے کے چڑھا دیتے ہیں، اور تیسرے کے
نکال دیتے ہیں، ان تینوں میں کون درست یا ہر سہ درست ہیں، اور جبکہ خسیہ بکل گیا، تو
تہانی سے زیادہ عنمولکہ ثابت عضو جاتا رہا۔

الجواب، تینوں درست ہیں اور یہ عضو چونکہ مقصود نہیں، بلکہ اس اخصا
سے گوشت اور بھی عمدہ ہو جاتا ہے، لہذا اس کا ذہاب مضر نہیں جیسا عالمگیری میں مجبوب
کی قربانی کا جواز مصرح ہے۔ ۸ رجمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ (تمہ اولیٰ ص ۱۳۴)
ایضاً **سوال** (۵۹۸) جب خسی جانور کی قربانی جائز ہے تو سوال یہ ہے کہ آہ

کرنے کے عموماً دو طریقے ہیں، ایک یہ کہ رگ مخصوص کو کوٹ کر یا مسل کر دوسرے ٹکاف دیکر
عضو مخصوص کو قطعی نکال کر ان میں قربانی کی کون سی صورت جائز ہے؟

الجواب، فقہاء کی اطلاق سے دونوں صورت جواز کی ہیں، اگر دوسری صورت میں قوت
عضو کا شبہ ہو تو قوت وہ مانع ہے جو منقص قیمت ہو، اور اس سے قیمت اور بڑھ جاتی ہے، لہذا
مقرر نہیں، ۱۸ محرم ۱۳۳۲ھ (تمتہ خامسہ ص ۱۵۰)

ایضاً | سوال (۵۹۹) لوگ کہتے ہیں کہ قربانی کے بارے میں چیرا ہوا بکرا درست ہے
اور میں کہتا ہوں ملا ہوا یعنی جس کے کوئی عضو نہ نکلا ہو، وہ درست ہے،

الجواب، خستی جانور کی قربانی درست ہے خواہ عضو چیر کر نکال دیا ہو یا بل کر بیکار کر دیا
ہو، لا اطلاق الفقہاء من غیر تقييد و تفصيل، ۳ شوال ۱۳۳۲ھ (تمتہ خامسہ ص ۳۷۰)

سوال (۶۰۰) ذبیحہ سارق کے بارہ میں کیا حکم ہے، حلال یا حرام؟
الجواب، حلال بمعنی ماذکر اسم اللہ علیہ ہے، اور حرام بوجہ ملک غیر ہونے کے اگر بعد ذبح
۹ مالک اجازت دیدے کھانا جائز ہے بخلاف مالم یذکر اسم اللہ علیہ کے کبھی مباح ہو نہیں سکتا،
۹ رمضان ۱۳۳۲ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۳۵)

سوال (۶۰۱) قربانی کا گوشت کفار کو دینا جائز ہے یا نہیں، بینوا
کفار کو دینا | **الجواب**، بالبحر واللیل توجروا بالاجر الذیل،

الجواب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ، قربانی گو خود واجب ہو مگر گوشت تقسیم کرنا
واجب نہیں، پس وہ ہدیہ ہو گا یا صدقہ ناقلہ اور حربی مصالح حکم مستامن میں ہے، لہذا اس کو
دینا جائز ہے، البتہ جس قربانی کا گوشت تقسیم کرنا واجب ہو اس میں سو دینا جائز نہیں،
۲۲ رذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۳۵)

سوال (۶۰۲) علماء کا اس شہر میں جلد اضحیہ کے متعلق اختلاف ہے، گو خادم
واجب الصدق ہے | **الجواب**، کو یقین ہو کہ جلد اضحیہ کی بیع کے بعد اس کا پیسہ مرمت مسجد میں صرف نہ کرنا چاہئے

بلکہ فقرا ہی اس کے مستحق ہیں، مگر مجوزین کا خیال یہ ہو کہ فتاویٰ بزاز میں ہے لہذا ان یبعھا بالذلہم
لیتصدق بہا لان ینتفع بالدرہم اذ ینفقہا علی نفسہ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے

۱۵ یعنی جب مسروقہ کو ذبح کیا ہو سوال سے ہی سمجھا گیا، اور اگر مذکور میں کوئی خرابی نہ ہو تو صرف ذابح کے سارق ہونے
سے حرمت نہیں آتی کیونکہ ذابح کا فاسق ہونا مقرر نہیں ۱۲ منہ

تمول اور نفع کے لئے بیع ناجائز ہے، اور اگر کوئی بیع کرے تو اس کا تصدق واجب ہوگا، جیسا کہ عینی میں ہے فاذا تمولتہ بالبیع وجب التصدق اور اگر بیع اس نیت سے کرے کہ صدقہ کر دوں گا تو بیع جائز ہے جیسا کہ بزازیہ میں ہے، اب اگر کوئی یہ نیت کرے کہ مسجد کی مرمت میں اس کی قیمت صرف کر دوں گا اس نیت سے بیع جائز ہوئی لیکن وجوب صدقہ ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ عبارت بزادیہ لدان یبعمہا بالدر اھم یتصدق بہا میں عموم ہے اور چونکہ نفس تصدق جلد مندوب ہے بعد بیع بھی مندوب رہیگا، لہذا مرمت مسجد بوجہ صدقہ مندوبہ ہونے کے جائز ہوگی، عبارت بزازیہ کا یہ مطلب لیتا کہ تصدق واجب ہے، اس عبارت کے ثابت نہیں ہوتا، لہذا عرض ہو کہ کلام فقہار جمہم اللہ میں ایسے مقام پر جہاں یہ نیت تصدق بیع جائز لکھا ہو اس کے ساتھ کوئی لفظ وجوب تصدق جس سے ثابت ہوا اگر مل جاوے تو مجوزین کے اسکات کے لئے کافی ہوگا، قادم نے بہت تلاش کیا نہیں ملا، صرف بقصد تمول اگر بیع ہو تو اس میں وجوب التصدق کا لفظ ملتا ہے، لہذا انھیں تحریر فرمادیں فقط

الجواب، شبہ ہی کی تقریر میری سمجھ میں نہیں آئی درمختار وغیرہ کی عبارت فان بیع اللحم والجلد او بدراہم تصدق بثلثہ میں بیع عام ہے، ہر بیع کو خواہ بہ نیت تمول ہو یا یہ نیت تصدق ہو، دونوں صورتوں میں تصدق بثلثہ کا جس کا مدلول وجوب تصدق ہی حکم ہوگا، اور یہ بحث دوسری ہو کہ آیا یہ بیع مکروہ ہے یا غیر مکروہ، پس نیت تصدق انتفا کر اہت کی شرط ہے نہ کہ وجوب تصدق کے لئے مانع، بلکہ وجوب تصدق کا موجب حسب روایت بالانفس بیع بالمستہلک بالدر اھم ہے مطلقاً، اس کے بعد جو شبہ کرنا ہو اس کی تقریر کافی و واضح جس میں تقریب بھی تام ہو کیجئے، واللہ اعلم، ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۲۵ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۳۵)

بعد گزرنے ایام قربانی کے قیمت چرم قربانی | **سوال** (۶۰۳) قربانی جس کے ذمہ واجب تھی اس نے کی اپنی اصول فردع یا کافر پر تصدق کر لیا حکم | اپنی سستی سے ایام قربانی میں نہ کی، بعد ایام گزرنے کے جب وہ قیمت قربانی خیرات کرے تو اصول یا فردع یا کافر کو خیرات کر سکتا ہے، اگر وہ مفلس اور عاجم ہو تو نہیں؟

الجواب، فقہار کے کلام میں اس باب میں یہ الفاظ ہیں تصدق بقیمتہا جودال ہو وجوب تصدق پر اور صدقہ واجبہ کا مذکورین فی السؤال پر صرف کرنا جائز نہیں، اور درمختار کتاب الاضحیہ میں ایک جزئیہ ہے، جس میں ایسے وکیل بذبح الاضحیہ پر جس نے عمدتاً تسمیہ ترک کیا ضمان لازم کیا ہو، اس میں تصریح ہے تصدق بقیمتہا علی الفقرا رج ۵ ص ۳۶۶، اور صدقہ واجبہ کے مصارف فقراء ہوتے

ہیں ان سے مذکورین فی السؤال خارج ہیں، اور رد المحتار میں ایک جزئیہ ہے جس میں اضحیٰ مشترکہ کو بعد ایام تضحیہ کے ذبح کرنے کی صورت میں لکھا ہے، لا یحیل لہ الاکل متہا اذا اذبحہا کما لا یجوز لہ حبس شی من قیتہا، ج ۵، ص ۳۱۴، اور جس چیز کا خود کھانا خرچ کرنا جائز نہیں مذکورین فی السؤال کو دینا بھی درست نہیں، ۳ محرم ۱۳۳۷ھ رتنمہ اولیٰ ص ۱۳۶

یعین جلد اضحیٰ کا اصول و فروع | سوال (۶۰۳) کمال قربانی کا جو تصدق کر نیک اختیار ہے اس کو اور کافر کو دینا جائز ہے | اصول یا فروع یا کافر کو دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب، ہاں دے سکتا ہے، فی الہدایہ واللحم بمنزلۃ الجلد فی الصبح، جب دونوں کا حکم ایک ہے اور لحم دینا ان سب مذکورین فی السؤال کو جائز ہے پس عین جلد بھی دینا درست ہے،

۳ محرم ۱۳۳۷ھ رتنمہ اولیٰ ص ۱۳۷

بلی سے چھڑائی ہوئی مرغی یا کسی اور جانور کو | سوال (۶۰۵) مرغی کو بلی نے پکڑ لیا مگر گردن درست ذبح کیا اور خون نکلا مگر حرکت نہیں کی اسکا حکم | اس کو چھڑا کر جو ذبح کیا تو خون بکثرت نکلا مگر مرغی نے کچھ حرکت نہیں کی، فقط؟

الجواب، حلال ہوگئی، کنز فی الدر المختار و رد المحتار، ج ۵ ص ۳۰۱ (رتنمہ اولیٰ ص ۱۳۷) ایضاً | سوال (۶۰۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک بھینس بیمار تھی جس وقت زیادہ تکلیف ہوئی تو ذبح کرتے وقت اس سے خون قطرہ دو قطرہ نکلا اور اعضا حرکت کر رہے تھے۔

۲ ایک بیل بیمار تھا، جس وقت زیادہ تکلیف ہونے لگی، اس کو ذبح کیا، اس میں سے خون تو نکلا مگر کسی اعضا نے ذرا بھی حرکت نہ کی، تو دونوں جانور درست ہو گئے یا نہیں۔

الجواب، فی الدر المختار ذبح شاة مریضۃ فتحوک و اخرج الدم حلت والا

لان لم تدرب حیاتہ عند الذبح وان علم حیاتہ حلت مطلقا وان لم تتحرك ولم یخرج الدم فی رد المحتار قوله فتحوک ای بغیر مد نحو رجل و فتم عین مہالا یدل علی الحیاءۃ کما یاتی قوله و اخرج الدم ای کما یخرج من الحی الی قوله و هو ظاہر لروایتہ ج ۵ ص ۳ اس روایت سے یہ تفصیل مفہوم ہوئی کہ اگر ذبح کے قبل متصلاً کی حیات یقینی ہو تب تو ذبح سے وہ حلال ہوتا ہے خواہ حرکت کرے یا نہ کرے اور خواہ خون نکلے یا نہ نکلے اور اگر حیات یقینی نہ ہو تو اسکا حکم یہ ہے کہ اگر اس کو ایسی حرکت ہو جو علامات حیات کی ہو جیسے منہ کا بند کر لینا یا آنکھ کا بند کر لینا یا

پاؤں کا سمیٹ لینا یا بال کھڑے ہو جانا رکمانی اللہ المختار یعنی یا اتنا خون نکلے جیسا زندہ کے نکلتا ہے تب تو حلال ہے، ورنہ حرام، ۶ ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۳۴)

سوال (۶۰۷) چرم قربانی و زکوٰۃ کا روپیہ چندہ ہلال اجموں دینے کا حکم روانہ کرتا حدیث میں تو یہ آیا ہے کہ کوئی عمل اللہ کے نزدیک ان ایام میں قربانی سے بہتر نہیں، استثنائے فرائض کا تو خود سمجھ میں آتا ہے، لہذا مطلب یہ ہے کہ مقدار فرض کے دینے کے بعد نیز جب یہ فرض ہوگا تو جن اشخاص نے صرف زکوٰۃ ہی دی ہے وہ زکوٰۃ ہی دی ہے وہ زکوٰۃ ان کی کیسے ادا ہوگی، اشتہار میں اس کی تصریح ہونی چاہئے کہ مقدار فرض کے دینے کے بعد درنا زکوٰۃ کا جائز ہے، نیز لوگوں کی طرف سے اطمینان کافی تسلیم کا نہیں معلوم ہوتا تھا۔

الجواب، قیمت چرم قربانی کا دینا چونکہ سہل ہے، اس لئے اس کو تجویز کیا گیا، البتہ تسلیم کا انتظام خود کر کے دینا چاہئے، نقل قربانی کا ترک چونکہ جائز ہے اس لئے بعض علماء کی یہ بھی تجویز ہے اور فضیلت ہر عمل میں جدا قسم کی ہے، فقط

۸ ربیعہ ۱۳۳۳ھ یوم سہ شنبہ (تمتہ اولیٰ ص ۲۱۲)

سوال (۶۰۸) وہ صاحب نصاب جس کا روپیہ تجارتی کمپنی میں ہے اس پر قربانی کا حکم تجارتی کمپنی میں ہے اس پر قربانی کا حکم ہیں مگر روپیہ ایک تجارتی کمپنی میں دیا ہے، اور بغیر ایک سال گزرے روپیہ مل نہیں سکتا، غرض کہ بیکر کے قبضہ میں نہیں ہے، اور بیکر اس وقت حالت افلاس میں ہے، قربانی کرنے کو روپیہ نہیں ہے نہ قرض مل سکتا ہے تو کیا کیا جاوے، فقط

الجواب، اگر کوئی چیز ضرورت سے زائد فروخت کر کے قربانی کر سکے تو واجب ہوگی ورنہ نہیں، فی رد المحتار مال مشہور مال غائب فی ید مضارب، ادشریکہ ومعدن الحجرین اومتاع البیت ما یضمی بہ قلوٰم، ج ۵ ص ۵-۳، ۲ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۳)

سوال (۶۰۹) قربانی کا گوشت فروخت کرنے کا حکم اور تحقیق اس کی کہ اس کے خریدنے سے قربانی ادا ہوگی یا نہیں خاوند کے قربانی میں ایک حصہ خرید لیا اور قیمت بھی دیدی جس وقت گوشت حصہ کا گھر آیا اس کے خاوند کو قصہ قربانی معلوم ہوا اس نے ناراضگی ظاہر کی اور خفا بہت ہو کر اس حصہ کو کہا فروخت کر دو اس عورت نے وہ حصہ دوسری عورت کے ہاتھ فروخت کر دیا، اور قیمت لے لی، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ جس نے حصہ خرید لیا، اس کو قربانی کا ثواب ہوا یا نہیں، پہلی عورت جس نے شروع میں حصہ خرید لیا تھا، شاید قدر

ریور کی مالک ہے بلکہ وہ بھی خاوند ہی کی ملک ہو تحقیق نہیں، اگر عورت حنا صفا ہو تو کیا صورت مسئلہ ہے اور غیر نصاب کی کیا صورت فقط؟

الجواب، جس دوسری عورت نے گوشت کا حصہ خریدا ہے اس کی قربانی نہیں ہوتی، اور پہلی عورت نے جب حصہ خرید کر ذبح کر دیا اس کی طرف سے قربانی ہو گئی خواہ وہ غنی ہو یا فقیر اور ہر حال میں اس کو گوشت فروخت کرنا جائز نہیں تھا، اور جب گوشت فروخت کر دیا اس کے دام جو وصول ہوئے، حق مساکین کا ہے اور چونکہ اس نے مساکین کو نہیں دیا اس لئے اب دینا واجب ہوگا فقط ۲۶ رذی الحجہ ۱۳۳۹ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۳۷)

قربانی کی نذر کرنے سے سوال (۶۱۰) ایک شخص بیمار ہوا اس کے لواحقین نے کہا کہ خداوند قربانی واجب ہے یا تصدق اگر یہ مریض صحت پاوے تو تین گائے مسلم قربانی کروں بفضلہ تعالیٰ مریض نے صحت پائی، اور ذی الحجہ کے ہینے میں گائے ذبح ہوگی یہ قربانی کے حکم میں، یا صدقہ کے؟

الجواب، قربانی کے کذا فی رد المحتار (تمتہ اولیٰ ص ۱۳۸) سوال (۶۱۱) اور اس گوشت کے مصارف کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب، مساکین کو دینا چاہئے، کذا فی رد المحتار تحت قولہ ویاکل من لحم الاضحیۃ ہذا فی الضحیۃ الواجبة والسنۃ سوار اذالم یکن واجبة بالنذر وان وجبت فلا یاکل منها شیئاً ولا یطعم غنیاً، ج ۵ ص ۳۲۰، (تمتہ اولیٰ ص ۱۳۸)

قربانی کی نذر کی صورت میں اگر قیمت سوال (۶۱۲) اور گائے کی قیمت تخمینہ کر کے روپیہ کسی مدرسہ میں دیڈ تو بری الذمہ ہو گا یا نہیں؟

الجواب، ایام قربانی اگر گزر جاویں تو مساکین کو دام دینا چاہئے، فقط

۲۴ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۳۸)

ترک مجرمین کے لئے چندہ میں قیمت قربانی دینے سے قربانی کا سوال (۶۱۳) کیا فرماتے ہیں علمائے اداۃ ہونا اور پوست قربانی کی قیمت اس چندہ میں دینے کا طریقہ

دین اس بارہ میں کہ جو جنگ آج کل خلافت عثمانیہ اور ریاستہائے بلقان میں جاری ہے، اور جس کا منشا قطعی طور پر سولے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ عیسائی سلطنتیں اسلام کو (خدا نخواستہ) مٹانا چاہتی ہیں۔ اور اگر اس لڑائی میں تم کوں کو شکست ہوگی تو بظاہر حالات پھر حریم شریفین کی حفاظت کی اور کوئی صورت نظر نہیں آتی کیا ایسی حالت میں یہ جائز ہے کہ عید البقر کے موقع پر بجائے قربانی کرنے کے اضحیہ کی قیمت ترکوں کے

امدادی سرمایہ میں دیدی جائے، اگر ایسا کیا جاوے تو کیا مسلمان فرض قربانی سے سبکدوش ہو سکتے ہیں، اور جو لوگ قربانی کریں اُن کو اس موقع پر قربانی کے پوست سرمایہ مذکور میں دینا بہتر ہے یا مدارس اسلامیہ میں دینا افضل ہے، بیتہ التوجروا۔

الجواب۔ خود قربانی کی قیمت دینے سے تو واجب قربانی ادا نہ ہوگی، اگر کسی نے ایسا کیا گتہ گار ہوگا، لان الابدال لا تنصب بالرأی کما صرح بالفقہاء، البتہ قیمت چرم قربانی اس وقت مدارس میں دینے کی نسبت اس چندہ میں دینا بہتر ہے، ہاں ضرورت شدیدہ مستثنیٰ ہے، لیکن اس قیمت چرم کا دینا اس طرح ہوتا چاہئے کہ اول کوئی مسکین کوئی خاص مقدار روپیہ کسی سے قرض لیکر اس چندہ میں داخل کرے پھر قیمت چرم اس مسکین کو بطور مالک دیدی جائے اور وہ مسکین اس سے اپنا قرضہ ادا کر دے، اگر قیمت چرم براہ راست اس چندہ میں دیدی جاوے گی ادا نہ ہوگی،

۳۲ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ (تمہ اولیٰ ص ۱۳۸)

سوال (۶۱۳)۔ بضرورت چندہ ہلالِ حمر

علمائے حنفی المذہب کے جو فقہے شائع ہوئے ہیں

ان میں عموماً یہ صراحت فرمائی گئی ہے کہ جن لوگوں پر

باوجود قدرت کے قربانی کو چھوڑنا اور بجائے اس کے

قیمت چندہ مجروحین ترک میں دینے کے جواز پر ہدایہ کی عبارت

سے استدلال کا جواب

قربانی واجب ہے انھیں قربانی ہی کرنی چاہئے، قربانی کی قیمت دینے کی شریعت اجازت نہیں دیتی، مگر بعض

علماء کہتے ہیں کہ قیمت کا دیدینا بھی جائز ہے، گو افضل یہی ہے کہ قربانی کی جائے، ثانی الذکر علماء کا استدلال

ہدایہ کی عبارت ذیل ہے، وایام النحر ثلثة (الی ان قال)، والتضجیۃ فیہا افضل من

التصدق بثلث الاضحیۃ (ہدایہ جلد داہم ص ۱۷۰) ہدایہ کی اس عبارت کے متعلق صاحب

کفایہ نے کچھ حوالہ قلم نہیں فرمایا اور صاحب ہدایہ نے افضلیت تضحیہ کی ایک دلیل یہ لکھی ہے لاہتا

تقع واجبة او سنة والتصدق قطوع محض فتفضل علیہ، اس پر نہ معلوم کس کتاب سے ایک تو بین اسطور

کسی موقع پر یہ حاشیہ لکھا ہے، وان کان یسقط عنہ الواجب، دوسرے عنایہ سے ایک بڑی عبارت

تقل کر کے تصدق ثمن پر تضحیہ کی افضلیت ثابت کی گئی ہے، جس کا ماہصل یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ

ایام نحر میں قربانی افضل ہے، لیکن تصدق قیمت بھی جائز ہے، اور ایسا کرنے سے واجب ساقط

ہو جاتا ہے، یہ صورت جہور علمائے حنفی المذہب کے موجودہ فتوؤں کے خلاف ہونے کے علاوہ

مسلمانان ہندوستان کی تمدنی حالت کے بھی خلاف ہے اس لئے ہدایہ اور اس کے حواشی متذکر

صدر کی کیا تاویل ہونی چاہئے، اس سے مشرف باطلاع فرمایا جاوے،

الجواب، لفظ افضل سے ترک یا ابدال کے جواز پر استدلال کرنا محض غلطی ہے جبکہ اس کے ساتھ ہی تفسیح کو واجب یا سنت بھی کہا ہے، کہ اس کو مراد بھی مؤکدہ ہے جو قریب واجب کی ہے، مگر دوسرا کہہ کر یہاں اصطلاح واجب نہ ہونے سے لفظ سنت اختیار کیا گیا ہے، بہر حال نہ کوئی واجب کے ترک یا ابدال کو باوجود قدرت علی الاعمال کے جائز کہتا ہے، نہ ایسی سنت کے ترک یا ابدال کو، پس دلیل میں اس کے وجوب سنت کی تصریح خود ان کے دعوے کو معارض ہے، راجح الفعل عواماً کو غیر جائز سے افضل کہنے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے اس کو دوسری شق کا فاضل یا جائز ہونا لازم نہیں آتا، کیا بعولتہن احق برودہن سے غیر بعولتہن کا مستحق رد ہونا لازم آ سکتا ہے، رہا یہ کہ مفہوم تصانیف مجتہد ہوتا ہے، سوا دل تو اس کا مفہوم ہونا مسلم نہیں، جیسا اوپر بیان ہوا، پھر یہ جب ہے کہ اس کے خلاف کی تصریح نہ ہو، اور تصریح اس کے وجوب و سنت کی اوپر مذکور ہو چکی ہے، رہا یہ کہ لفظ افضل موہم ضرور ہے، سو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو بعد تصریح کے ایہام مضر نہیں، پھر اس میں نکتہ یہ ہے کہ اراۃ دم میں بوجہ اس کی عبارت غیر معقولہ ہونے کے عقلاً شبہ عدم جواز کا تھا، محتم مادہ شبہ کے لئے ترقی کر کے لفظ افضل اختیار کیا گیا، یعنی صرف جائز ہی نہیں بلکہ اس میں فضیلت بھی ہے، اور فضیلت بھی بہت زیادہ اور آگے اس کی وجہ بتلا دی کہ واجب یا سنت ہے اور کبریٰ مطوی ہے کہ واجب اور سنت کی کمال فضیلت مسلم و ثابت ہے، پس مادہ شبہ کا بالکل قطع ہو گیا، اور بین السطور کا حاشیہ مجہول ہے، کچھ تحت نہیں، اور بفرض محال اگر سقوط ثابت بھی ہو جاتا تب بھی مفید نہ تھا، اس لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ جمعہ کے روز صلوٰۃ طہر سے جمعہ ساقط ہو جاتا ہے لیکن ترک جمعہ اور صلوٰۃ طہر کی رائے دینا کیا حرام نہیں ہے، حضرت مولانا خلیل الرحمن نے ایک مبسوط مضمون اس کے متعلق لکھا ہے، اس کی نقل سہارنپور سے ضرور منگالیجئے، ۲۱ ذیحجہ ۱۳۳۳ھ (تمتہ اولیٰ) ۱۳۹

طریق ذبح اضطراری | سوال (۶۱۵) کوئی جانور جگہ حلالی سے مٹی یا بوجہ میں دیا ہوا ہے اور جب تک نکالا جاوے اندیشہ مرنے کا ہے تو اس کو حلال کس جگہ سے کیا جاوے، اور اگر وہ جانور بے موقع دیا ہوا ہے آدمی نہیں جاسکتا ہے تو دور کھڑا ہو کر برہمی تکبیر پڑھ کر مارے اور وہ خون بہہ جاوے تو وہ حلال درست ہے یا کہ نہ؟

الجواب، درست ہے، ۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثانیہ ص ۲۵)

قدم ہناردن برگردن ذبیحہ | سوال (۶۱۶) قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت گردن پر قدم رکھ کر ذبح کرنا کوئی سنت کہتا ہے کوئی مستحب کوئی مکروہ کوئی حرام کہتا ہے، اب بندہ کی عرض

یہ ہے کہ ان اقوال میں سے کون سا قول حق قابل قبول ہے ؟

الجواب ، فی مشکوٰۃ عن انس قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکبشین الملحین اقرنین ذبحھما بیدہ وسمی وکبر قال رأیتہ واضعا قدمہ علی صفا حہا ویقول بنسہ اللہ واللہ اکبر متفق علیہ فی اللغات قولہ صفا حہما جمع صفحہ بالفح وسکون الفاء قیل ہوا لجنب وقیل الوجہ مطبوعہ انصاری ص ۱۱۹ ج ۱ قلت ہذا الدلیل السمعی واما الحکمۃ العقلیۃ فیہ فہو انہ امکن للذبح فیستحب کما استحب ذبح بعض الحیوانات مضطجعا بمثل ہذہ الحکمۃ کما فی العالمگیریۃ والستہ فی الشاة والبقرۃ ان تذبح مضطجعة لانہ امکن بقطع العروق ویستقبل القبلة فی الجمیع کذا فی الجوہرۃ النیرۃ ، ج ۶ ص ۱۹۳ (تمتہ ثانیہ ص ۱۸۱)

اصطیاد سگ بخراپین | سوال (۶۱۷) اکثر لوگ کچھوؤں ہی سے مچھلی کا شکار کرتے ہیں اور شکار ہی کو ذریعہ گزربسر بتاتے ہوئے ہیں آٹے سے مچھلی کم ہٹنے کے باعث کچھوؤں ہی سے مچھلی پکڑتے ہیں پس بوجہ اس سلسلے و محتاجی سالن پیدا کرنے کے لئے ان کو کچھوؤں سے شکار کرنا جائز ہوگا کہ نہیں ،

الجواب ، اگر کچھوے کو اول مار دیا جاوے پھر اُس سے شکار کیا جاوے جائز ہے ، اس وقت ایک شکاری نے بیان کیا کہ مردہ کچھوے سے بھی ایسی ہی مچھلی آتی ہے (۱۳ شعبان ۱۳۳۳ھ) کشتن خراپین برائے | سوال (۶۱۸) فتویٰ حضور عالی سن کہ مریدان حضور یا بندہ ہیں مگر اصطیاد ماہی رنج | تفہیم کے لئے ادباً عارض کہ زندہ کچھوے جو گل پر لگائے جاتے ہیں اُن کو مچھلی لٹل جاتی ہے وہ اس کے پیٹ میں جا کر مر جاتے ہیں ہم اگر کچھوؤں کو پانی اور مٹی میں نہ رکھ کر دھوپ میں رکھ کر مار دیں گے تو دونوں صورتوں میں اٹلاف جان مردہ محقق ہوتا ہے غرض شکار ماہی کے لئے مردہ جانور کی جان کے اٹلاف کا جواز شرعاً کس درجہ پر مبنی ہے اُس سے بصراحت ارشاد ہو تو راہ نمائی ہوگی اور دونوں صورتوں کا فرق بہ وضاحت ارشاد ہو تو احسان ہے کہ ایسا سوال پیش آنے پر ہم بوجہ بے علمی جواب نہ دے سکے۔

الجواب ، دھوپ میں مارنا جائز نہیں بلکہ کسی ایسے آلے سے ماریں کہ فوراً مر جاویں تاکہ ایلام و تعذیب بلا ضرورت نہ ہو ، اسی طرح کانٹے میں چھوٹنے سے ایلام و تعذیب بلا ضرورت ہے اور محض اٹلاف جان اس کی علت نہیں ۔ ۱۰ رمضان ۱۳۳۳ھ

تحقیق علت متروک التسمیہ ناسیاً | سوال (۶۱۹) ایک شخص قربانی کرتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہتا بھول گیا، جب دمگے پر چھری چلا چکا اور چھری بکری کی گردن میں رکھی ہوئی ہے، پھر یاد آئی تو اس نے بسم اللہ اکبر کہہ لیا، اور وہ غریب مسلمان تھا اور نمازی اب قربانی اس کی ہوئی یا نہیں؟

الجواب، متروک التسمیہ ناسیاً حلال ہے، لہذا ذبیحہ بھی حلال ہے اور قربانی بھی درست ہے۔ (تمتہ ثانیہ ص ۲۰۰)

عدم تنفل بہ ذنح در محل غیر منقول | سوال (۶۲۰) جیسا کہ نفل نماز اور روزہ جب چاہے ادا کرے ثواب ہوتا ہے اسی طرح اگر فیکجہ کی دسویں، گیارہویں، بارہویں تاریخ کے علاوہ اور تاریخوں میں یا دوسرے مہینوں کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے واسطے اللہ تعالیٰ کے نام پر بغیر وجوب کے بکرا ذبح کرے تو ثواب ہوگا یا نہیں؟

الجواب، عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا فرع ولا عتیرۃ قال والفرع اول تنابج کان یتنبج لہم کانوا یدبحونہ بطواغیتہم والعتیرۃ فی رجب متفق علیہ وعن محنف بن سلیم قال کنا وقوامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعرفۃ فسمعتہ یقول یا ایہا الناس ان علی کل اہل بیت فی کل عام اضحیۃ وعتیرۃ هل تدرون ما العتیرۃ ہی القیسموھا الرجبیہ رواۃ الترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ وقال الترمذی ہذا حدیث غریب ضعیف الاسناد وقال ابوداؤد والقیثی منسوخۃ کذا فی مشکوٰۃ قولہ لا فروع وفی شرح السنۃ کانوا یدبحون لالہتم فی الجاہلیۃ وقد کان المسلمون یفعلون فی بداء الاسلام ای اللہ سبحانہ ثم نسخت ونفی عنہ للتشبہ کذا فی المرقاۃ قولہ ولا عتیرۃ ہی شاة یدبح فی رجب یتقرب بہا اہل الجاہلیۃ والمسلمون فی صدر الاسلام قال الخطابی و ہذا ہوالذی یشبہ معقول الحدیث ویلیق بحکم الدین الی قولہ فی النہایۃ کانت بالمعنی الاول فی صدر الاسلام ثم نسخت وفی شرح السنۃ کان ابن سیرین یدبح العتیرۃ فی رجب اھم ولعلہ ما بلغ النسخت ذکرہ مولانا علی القادی کذا فی الحاشیۃ علی الحدیثین المذکورین، ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ بجز دما، منقولہ کے کہ ان میں سے حقیقہ بھی ہے، دوسرے دما، سے تقرب غیر مشروع ہے نیز ان میں تشبہ بھی ہے مشرکین کے ساتھ کہ وہ تقرب کے لئے ایسا کرتے ہیں، نیز ہمارے علماء نے

تصریح فرمائی ہے کہ اراۃ دم قرۃ غیر معقولہ یعنی خلاف قیاس ہے، پس قاص ہوگی وارث کے ساتھ اور صورت مسئلہ عنہا وارد نہیں لہذا بدعت ہے، ۴ ارذیحہ ۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ ص ۲) تحقیق توجہ ذبیحہ یا ذابح ہوئے قبلہ | سوال (۶۲۱) ذبح میں ذبیحہ کا منہ قبلہ کی طرف ہونا شرعاً ضروری ہے یا ذبح کا منہ یا دونوں کا، اگر کوئی شخص جانور کا منہ قبلہ کی طرف یعنی پیچم کی طرف سر، دم پورب کی طرف کر کے لٹا دے۔ اور خود دھن کی طرف کھڑا ہو کر ذبح کر کے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، ظاہراً کلام فقہائے معلوم ہوتا ہے کہ ذابح کا منہ قبلہ کی طرف ہونا سنت ہے اور سنت بھی سوکدہ اس کا ترک بلا عذر مکروہ ہے، کذا فی الدر المختار و رد المحتار، باقی ذبیحہ کے متعلق کہیں نظر سے صریحاً نہیں گذرا، ۲۵ رذی الحجہ ۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ ص ۲۰۳) حکم قربانی بقوۃ عقیقہ و بقوۃ حاملہ | سوال (۶۲۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل مندرجہ ذیل میں۔

نمبر ۱۔ سبائجہ گائے جس کو یہاں پر پہلا گائے کہتے ہیں، اور اس کی دو قسمیں ہوتی ہیں، ایک وہ جو کہ شروع ہی سے نہیں جنتی، دوسرے وہ کہ ایک بچہ جن کو پھر نہ جنتے تو ایسی گائے کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

ضمیمہ سوال اول نمبر ۲۔ ایک گائے قربانی کی نیت سے خریدی گئی بعد خریدنے کے معلوم ہوا کہ یہ تو گاجن ہو اور گاجن گائے کی قربانی کو عالمگیری میں مکروہ لکھا ہے، تو اس کے عوض میں دوسری گائے خرید کر قربانی کر دے یا اسی کو رہنے دے اور سال آئندہ اس کو مع اس کے بچے کے قربانی کر دے اور قربانی کرنے والا غنی بھی ہے اور زمانہ قربانی کا بھی موجود ہے؟

الجواب، نمبر ۱۔ درست ہے،

نمبر ۲، اگر بچہ میں جان نہ پڑی ہو تب تو شبہ ہی نہیں، ورنہ بہتر ہے کہ دوسری کر لے اور اس گاجن کو جو چاہے کرے، البتہ اگر دوسری گائے کم قیمت ہو تو بقدر تفاوت قیمت کفیرات کرے

ضمیمہ سوال نمبر ۳، اور اگر دوسری گائے کی تلاش میں زمانہ قربانی کا گذر گیا اور دوسری گائے نہ ملے اور وہ گاجن گائے اس کے پاس موجود رہے، یہاں تک کہ اس نے بچہ دیا تو اس کا دودھ کھانا درست ہے یا کفیرات کر دے؟

الجواب نمبر ۳ دودھ کھانا درست ہے اور اس کی قیمت کا تصدق بجائے قربانی کے واجب ہے

اگر قربانی نہ کی ہو، محرم ۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ ص ۴)

تحقیق عدم ذبیحہ یا ہیمہ برسا فر | سوال (۶۲۳) مسافر جو مکان میں صاحب نصاب ہے و وجوب صدقہ فطر برآں!

اس کو حالت سفر میں اگر قربانی و فطرہ دینے کی قدرت ہو تو اس قربانی یا فطرہ واجب ہو گیا یا نہیں، لیکن فی الحال سفر میں مقدار نصاب مال ساتھ نہیں ہے، لیکن بوقت ضرورت منگاتے پر قادر ہے ایسے شخص پر کیا حکم ہے؟

الجواب، فی الدار المختار باب الصرف وابن السبیل و هو کل من لم یل مال لا معنی رد المختار عن الفتح ولا یحل له ای لابن السبیل ان یأخذ اکثر من حاجتہ ۶۲ ص ۹۹ و فی الدار المختار باب صدقة الفطر علی کل حر مسلم ولو صغیرا مجنوناً ذی نصاب فاضل حاجتہ الاصلیۃ وان لم یتیم به ای بهذا النصاب تحم الصدقة و تجب الاصلیۃ و شرائطها الاسلام والاقامة والیسار الخ۔ ان روایات سے یہ امور مستفاد ہوئے۔

۱۱ ایسے مسافر پر نہ صدقہ فطر واجب ہے اور نہ قربانی، کیونکہ وجوب صدقہ و حرمت اخذ صدقہ مجتمع نہیں ہوتے، اور اس شخص کو زکوٰۃ لینا جائز ہے، پس صدقہ فطر و قربانی واجب نہیں، ۱۲ ایسے شخص کو زکوٰۃ لینا گوارہ و درست ہے، مگر حاجت سے زیادہ نہ لے، اور دینے والا بھی اس سے تحقیق حاجت کی کر لے، زیادہ حاجت سے نہ دے۔

۱۳ اور اگر اس مسافر کے پاس نصاب ساتھ ہی موجود ہو تو قربانی تو پھر بھی واجب نہیں مگر صدقہ فطر واجب ہے۔

۱۴ لیکن اگر ایام قربانی میں مقیم ہو گیا تو پھر قربانی واجب ہو جاوے گی۔

۱۵ سفر سے مراد سفر شرعی ہے، ۶۲ سوال ۱۳۲ (تمتہ ثانیہ ص ۸۰)

سوال (۶۲۴) چرم قربانی بر غنی جواز تصدق چرم قربانی بر غنی نہیں اور وہ غنی بعد فروخت کرنے کے قیمت اپنے تصرف میں لا سکتا ہے یا نہیں،

الجواب، جلد کا حکم مثل لحم کے ہے، جس طرح لحم اضحیہ کا غنی کو دینا جائز ہے، اسی طرح جلد بھی غنی کو دینا جائز ہے، جب کہ اس کو تیر عادی یا جاوے، اس کی کسی خدمت و عمل کے عوض میں نہ دیا جاوے اور جب اس غنی کی ملک کر دیا جاوے اس کو فروخت کر کے اپنے تصرف میں لانا بھی مثل دیگر اموال مملوکہ کے جائز ہے۔ ۲۸ ردی الحجۃ ۱۳۳ (تمتہ ثانیہ ص ۱۰۵)

سوال (۶۲۵) متولی یا امام مسجد جو غنی ہے اس کو یہ نیت عمارت مسجد متولی یا امام مسجد یا مصالح مسجد دیدیتا اور اس کا بعد فروخت کرنے کے عمارت یا مصالح مسجد میں خرچ کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر اس کو مالک بنا دیا ہے تو حکم اس کا اوپر گزرا لیکن اگر وہ متولی یا امام مسجد میں صرف نہ کرے تب بھی جائز ہے، اور اگر اس کو مالک نہیں بنایا بلکہ کیل بنا یا ہے تو اس کوئی ایسا تصرف کرنا جائز نہیں جو کہ مؤکل کے لئے ناجائز ہو، اس لئے اس کا تصرف مذکور فی اموال درست نہ ہوگا،

۸ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ (تہذیب ثانیہ ص ۱۰۵)

سوال (۶۲۶) (۱) قربانی کے بے بینہ چمڑے کو یہ کہہ کر کوئی مہتمم
معہ چند سوالات و جوابات
 مدرسہ یا متولی مسجد کو دینا جائز ہے یا نہیں کہ اس کو بیچ کر دام یا جس طرح سے ہو سکے مدرسہ کی بنایا مسجد کی بنائے اور اس کی دلیل یا نقل کیا ہے؟

(۲) اس پر کیا دلیل ہے کہ مصارف قیمت جلود اضافی بے بینہ مصارف زکوٰۃ ہیں درحالیکہ کتابوں کے اندر ہو کہ بعد فروخت تصدق واجب ہے یعنی خود تصرف کرنا جائز نہیں ہے نہ کہ یہ صدائیں ہے کہ یہ صدقہ واجب ہے؟
 (۳) کل صدقہ میں قبض یا تملیک شرط ہے، یا فقط واجب ہے اگر سب میں ہے تو صدقہ جاریہ میں تو ممکن نہیں اس کا کیا جواب اور دلائل ہیں؟

(۴) یہ چمڑے کے فروخت سے جو کراہت آتی ہے وہ تحریمی ہے یا تنزیہی اگر تحریمی ہے تو علماء اس کا خلاف کیوں نہیں کرتے، اگر تنزیہی ہو تو اس سے جو روپیہ آئے گا وہ مال خبیث ہوگا یا نہ تیز مالی خبیث سے اگر کوئی مدرسہ بنا یا جائے تو اس کا کیا حکم ہوگا بدلائل مطلوب؟
 (۵) کہیں صدقہ واجبہ و نافلہ کا تفصیل وار بیان ہے یا نہ، اگر ہے تو کون کتاب میں، ساکد دلائل و شواہد حنفی مسلک پر ہونا چاہئے۔

الجواب (۱) یہ صریح تو کیل ہوا اور کیل کو وہی تصرف جائز ہے، جو مؤکل کو جائز ہے اور
صرف مذکور فی السوال خود مؤکل کو بھی جائز نہیں، لہذا اوکس کو بھی جائز نہیں۔

(۲) صدقہ واجبہ کے تو یہی معنی ہیں کہ تصدق اس کے ساتھ واجب ہے کیونکہ صدقہ تو اعیان سے ہے اور وجوب صفت ہو فعل کی تو اعیان کا اس کے ساتھ موصوف ہونا مجازاً ہی حقیقت اسکی فعل پس یہ کا وجوب ہے پس جب تصدق کو واجب مان لیا، اسی سے اس صدقہ کا واجب ہونا بھی بالمعنی المذكور لازم آگیا، اور بجز اس کے تو کوئی معنی ہی نہیں پس صدقہ واجبہ ہونا اس کا ثابت ہو گیا تو اب اس کے صدقہ واجبہ کے مصارف میں کیا شبہ رہا، یہی دلیل اس پر کافی ہے۔

(۳) چونکہ عین تو جاری ہے نہیں اس کے منافع جاری ہیں اور وہ محل ملک میں جیسا اجارہ میں تملیک منافع بعض اور عارہ میں بلا عوض کی تصریح کی گئی ہے، پس تخلف ملک صدقہ کی کیا لازم آیا،

فقہاء کا علی الاطلاق یہ کہنا الصدقة کا لہجہ لا تصح غیر مقبوضۃ ولا فی مملک، پھر ہبہ کی تعریف میں تملیک العین کہتا (والروایتان فی الدر المختار وغیرہ) صاف دلیل ہے کہ مطلق صدقہ میں تملیک شرط ہے اور اگر واجب ہی کے ساتھ بھی خاص کیا جاوے تو اس کا واجب ہونا بھی اوپر ثابت ہو گیا، (۴) عینی شرح کنز میں ہے ولو باعہا بالدرہم لیتصدق بہا جائز الخ اس سے معلوم ہوا کہ اس نیت کے بیع کرنے میں کچھ کراہت نہیں۔

(۵) در مختار باب مصرف الزکوۃ میں بقدر ضرورت یہ احکام مذکور ہیں، ہم محرم ۱۳۳۲ھ (تمہ ثانیہ ص ۱۸۰) جواز قربانی غنم متعدہ از اشخاص | سوال (۶۲۷) زید اور عمرو دو بھائی ہیں، ان کا مال ایک جگہ متعدہ بالاشتراک جمع ہے اور کھانا پینا علیحدہ ہی، یہ ہمیشہ اس مال میں سے قربانی کرتے ہیں مگر اس طریق سے کرتے ہیں کہ حصہ مقرر نہیں کرتے، صرف دو حصے ہوتے ہیں اور کبھی چار ہو جاتے ہیں کہ ایک ماں کا ایک باپ کا، بس، آیا اس طریق سے قربانی کرنا درست ہو جاوے گی یا نہیں، اگر اس طریق سے درست نہ ہو تو طریق بتلا دیجئے

الجواب۔ فی العالمگیریۃ عن الاصحاحی للزعفرانی اشتری سبعة نفر سبع شیاہ بینہم ان یضربوا ہا بینہم ولعولیم لکل واحد متہو شاة بعینہا فضحوا ہا کذا لک فالقیاس ان لا یجوز فی الاستحسان یجوز فقوله اشتری سبعة نفر سبع شیاہ بینہم محتمل شراء کل شاة بینہم ویحتمل شراء شاة علی ان یکون لکل واحد شاة ولكن لا بعینہا فان کان المراد هو الثانی فما ذکر فی الجواب باتفاق الروایات لان کل واحد منهم یصیر مضحیا شاة کاملۃ وان کان المراد هو الاول فما ذکر فی الجواب علی احد الروایتین فان العنوا اذا كانت بین رجلین مضحیا بها ذکر فی بعض المواضع انه لا یجوز کذا فی المحيط شاتان بین رجلین ذبحا ہما عن نسکھما اجزا ہما بخلاف العبدین بین اثین اعتقہما عن کفار تہما لا یجوز اھ ج ۶ ص ۲۰۵، اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئلہ میں قربانی درست ہو جاوے گی، باقی بہتر یہ ہے کہ ہر جانور پر ایک خاص شخص کا نام لگا دیا جاوے کہ یہ فلانے کی طرف سے ہے اور وہ فلانے کی طرف سے۔

(۳) سوال ۱۳۳۲ھ (تمہ ثانیہ ص ۱۷۶)

حکم تضحیم باقط القرع | سوال (۶۲۸) ایک گائے جس کا ایک ٹھن گر گیا ہے اور تین باقی ہیں، قربانی کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، فی رد المحتار و فی الذیل والیقین ذہبت واحدة یجوز اوانتہان کم
ج ۵ ص ۳۱۴، اس سے معلوم ہوا کہ ایسی گائے کی قربانی جائز ہے، ۲۳ ذیقعد ۱۳۳۲ھ (تمہ ثانیہ ص ۱۹۲)
حکم اکل و طعام اغنیا | **سوال** (۶۲۹) اضحیہ مندورہ سے ناذر کو کھانا اور غنی کو کھانا جائز ہے
از اضحیہ مندورہ - یا نہیں بظاہر تو اراقت دم سے نذر کا ایفا ہو گیا، اب لحم کا مثل اضحیہ مطلقہ کے
حکم ہونا چاہیے، جو تحقیق ہو ارشاد فرمائیں۔

الجواب فی العالمگیریۃ، نذران یضی ولم یسم شاة فعلیہ شاة ولا یاکل منها وان اکل
علیہ قیمتہا کذا فی النوجیز للکھ ۶ ج ۱۹۸ و قہان وجبت بالنذر فلیس لصاحبہا ان
یاکل منها شیئا ولا ان یطعم غیرہ من الاغنیاء سواء کان الناذر غنیا او فقیرا لان
سبیلہا التصدق و لیس للمتصدق ان یاکل صدقۃ ولا ان یطعم الاغنیاء کذا فی التبین
ج ۶ ص ۲۰۱، ان روایات سے ثابت ہوا کہ اضحیہ مندورہ سے نہ خود ناذر کو کھانا جائز ہے اور نہ غنی کو کھانا
جائز ہے، ۶ رذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (تمہ ثانیہ ص ۱۹۲)

سوال (۶۳۰) بندہ نے ایک بکرہ لیکر ہلا بکرے قربانی کر چو تکہ بند
صاحب نصاب نہیں تھا، اس واسطے ایک مولوی صاحب نے فرمایا کہ تم اس بکرے کی قربانی سے خود گو
نہیں کھا سکتے کیونکہ تم صاحب نصاب نہیں ہو، اور یہ بکرہ تمہارا بارادہ قربانی خرید کیا ہوا بجائے
نذر معین کے سمجھا جائے گا، میں نے ایک دوسرے مولوی صاحب سے جا کر استفتاء کیا تو انھوں نے
ارشاد فرمایا کہ کچھ حرج نہیں تم بلا شک کھا سکتے ہو بجز الہ کتب معتبرہ مسئلہ حق و مطلع فرما کر ممنون و مشکور ہو
الجواب، فی العالمگیریۃ، لان ید خرا کل لنفسہ فوق ثلثۃ ایام الا ان اطعمھا

والتصدق بہا افضل الا ان یكون الرجل ذا عیال و غیر موسع الحال فان الافضل لہ
حیث ان یدعہ لعیالہ ویوسع بہ کذا فی البدائع ان وجبت بالنذر فلیس لصاحبہا
ان یاکل منها شیئا ولا ان یطعم غیرہ من الاغنیاء سواء کان الناذر غنیا او فقیرا
ج ۶ ص ۲۰۱، اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب زبان سے نذر کر لے اس کا کھانا تو خود جائز
نہیں اور جو نذر نہ کی ہو گوشت نذر کے اس پر واجب ہو گیا ہو اس کا کھانا جائز ہو کما یدل علیہ قولہ غیر موسع الحال
۱۸ رذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (تمہ ثانیہ ص ۲۰۱)

سوال (۶۳۱) یہاں چرم قربانی قصاب کو دیتے ہیں اور ان سے بعض چرم
قربانی محرم میں گوشت لے کر خود کھاتے ہیں اور کھلاتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب۔ جن بلاد میں چرم وزن سے فروخت ہوتا ہے وہاں تو یہ بیع ہی درست نہیں، کہ مہادلہ مؤن کا وزن سے نسبتاً ہوا ہے، اور جن بلاد میں عدداً فروخت ہوتا ہے وہاں یہ بیع تو درست ہے، جب گوشت کی مقدار اور صفت پورے طور سے بیان کر دی جائے، لیکن اس کے عوض میں جو گوشت آویگا اس سب کا خیرات کرنا مساکین پر واجب ہے اگر خود کھا دیکھا یا غنی کو کھلا دیکھا اتنی مقدار کی قیمت کا تصدق واجب ہوگا فی الدار المتخار لہ مستہلک کحل و لحم و نحوه کدرہم فان بیع اللحم والجلد لے مستہلک او بدرہم تصدق بثلثہ احد قلت ولا تغلط مما فی رد المحتار عن القتیۃ شتری لمجہا ما کولاً قالہ لم یجب علیہ التصدق بقیۃ استخانا اھ ج ۵ ص ۳۶۱، لای مخصوص باللحم دون الجلد والفرق ان اللحم ما کول دون الجلد فاقیم ما کول مقام الماکول دون غیر الماکول، ۲۵ ذی الحجۃ ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثانیہ) تحقیق بودن ذبح انعام | سوال (۶۳۲) ذبح کرنا گائے بھینس وغیرہ کا کب سے جاری ہوا ہے از عہد آدم علیہ السلام | اس معاملہ میں قرآن مجید و حدیث شریف جو ہوں مطلع فرمادیں؟

الجواب، جب سے حضرت آدم علیہ السلام زمین پر تشریف لائے جب ہی سے ان جانوروں کا ذبح کرنا حکم الہی جاری ہے، حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں ہابیل وقابیل کا قصہ قرآن شریف میں مذکور ہے کہ ہابیل نے قربانی کی تھی، اور اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہوئی اور وہ جانوران کی قربانی کا یا اونٹ تھا یا مینڈھا علی اختلاف روایات التفسیر قال اللہ تعالیٰ اذ قربا قربانا فقبل من احدهما ولم یتقبل من الآخر الا یہ و ہابیل صاحب ضرع وقرب جملہ مینا، بیضاوی ۱۲ و ہوبکبش ہابیل، جلالین ۱۳ اور جب سے اب تک سب امتوں میں ان جانوروں کا ذبح کرنا جاری و مشروع رہا۔ قال اللہ تعالیٰ لبتی اسرائیل ان اللہ یرکم ان تذبحوا بقرة الا یہ وقال تعالیٰ امتنا نا علینا اللہ انذی جعل لکم الانعام لترکبوا منها و منها تاکلون الا یہ، ۱۲ محرم ۱۳۳۳ھ واللہ اعلم (امداد ج ۳ ص ۱۵۵) حکم تسمیہ برعانت کنندہ در ذبح | سوال (۶۳۳) کتاب احکام العیدین مصنفہ نواب قطب الدین

خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں ایک مسئلہ دیکھا جس سے سخت تردد ہوا، اس لئے بغرض اطمینان خدمت والا میں ارسال کرتا ہوں، امید ہے کہ جواب ثانی سے جلد سرفراز فرمایا جاوے، اول انہوں نے ایک حدیث نقل کی ہے و هو ہذا و عن ابی الاسد الاسلمی عن ابیہ عن جدہ قال کنت سابع سبعة مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رثم بعد کلام طویل فامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاخذ رجل برجل ورجل ورجل ورجل ورجل بقرون مررجل بقرون وذبھا السابعة وکبرنا جمیعاً رواہ احمد، اس کے ترجمہ کے بعد نواب صاحب نے

ایک فائدہ تحریر کیا ہے وہ بھی بعینہ منقول کرتا ہوں۔

ف، اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو ذبح کرے قربانی کو اور بچے شخص قربانی کے ہاتھ پاؤں وغیرہ پکڑے ہوئے ہوں سب تکبیر کہیں، اور اپنے استاد مکرم حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب سنا میں نے، کہ فرماتے تھے ضرور ہے قربانی کے گلے یا ہاتھ پاؤں وغیرہ پکڑنے والے کو کہ وہ بھی ہم لشکر کہے، اگر نہ کہے تو وہ جانور حرام ہوتا ہے اھ مجھے تو یہ یاد تھا کہ اگر دو آدمی یا زائد ذبح میں شرکت کریں کہ چھری پر سب ہاتھ ڈالیں تو ہر ایک پر تسمیہ واجب اور اگر ذبح میں شرکت نہ کریں تو محض ہاتھ وغیرہ پکڑنے والوں پر تسمیہ واجب نہیں بلکہ اس صورت میں تسمیہ صرف ذابح کے ذمہ واجب ہے، اور وہی کافی ہے شامی میں صورت اول یعنی شرکت الاثنین فی الذبح کا حکم وجوب علی کل واحد تولیٰ گیا۔ مگر صورت ثانیہ کا حکم یعنی جب کہ ذابح صرف ایک شخص ہو اور دوسرے آدمی ہاتھ پیر پکڑنے والے ہوں نہیں بلا فیدینوا بالتفصیل ولکم عند اللہ اجر الجزیل۔

الجواب، عالمگیریہ وقاضی خاں و درمختار وغیرہ میں جہاں وجوب تسمیہ علی المعین بشرط اسلامیہ کو لکھا ہے، وہاں ہی اعانت کی تفسیر الفاظ سے کی ہے وضع صاحب الشاة علی السکین یدہ مع ید القصاب حتی یعافوا علی الذبح او عجز عن مد قومه فاعانہ علی یدہ مجوسی او اخذ مجوسی بید المسلم فذبحه والسکین فی ید مسلم اس سے صاف ظاہر ہے کہ جس پر تفسیر صادق نہ آتی ہو وہ شخص معین واجب علیہ التسمیہ نہیں، وقد صرحوا بان مقامیم الکتاب الفقہیۃ حجتہ، پس صرف ہاتھ پاؤں پکڑنے والے پر تسمیہ واجب نہیں، فتاویٰ سعدیہ قلمی صفحہ ۱۱ میں اس پر کافی بحث ہے، پس نواب صاحب کی تحریر معینی ہے اشتباہ پر کہ معین کو مطلق سمجھ گئے، اور تفسیر پر باعتبار قید احترازی نظر نہیں فرمائی، شاید پیشل سمجھا ہو، اور حضرت استاد جیسے جو نقل فرمایا ہے ممکن ہے کہ اس کا بھی یہی منشا رہو، یا یاد میں غلط ہو گیا ہو یا عدم تدبیر فی الحدیث سبب ہوا ہو احتجاج بالحیث کا، ورنہ تمہودا سا غور کرنے سے صاف ظاہر ہے کہ حدیث سے صرف وقوع تسمیہ کا ثابت ہے اور وقوع متکرم وجوب نہیں، ممکن ہے کہ یہ وقوع بطور استحباب ہوا ہو، اور استحباب کے انکار کی کوئی وجہ نہیں، اور لفظ امر کا معمول حدیث میں اخذ ہے نہ کہ تکبیر فقط، قرب ۳۳۶ ھ رتمہ خامہ ص ۳۹

سوال (۶۳۴) میں بہشتی (یورحہ تیسرا) دیکھ رہا
علت وجوب ذبح مشترکہ ثانیہ بغیر ذبحی
ہوں صفحہ ۴۴ بیان قربانی مسئلہ ۱ کی یہ عبارت ہے، اگر قربانی کا جانور کہیں گم ہو گیا اس لئے

دوسرا خرید پھر وہ پہلا بھی مل گیا اگر امیر آدمی کو ایسا اتفاق ہوتا تو ایک ہی جانور کی قربانی اس پر واجب ہوگی، یہ عبارت ۱۷۱ کے مسئلہ صفحہ ۳۴۳ بہشتی زیور میں درج ہے یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ غریب پر دونوں جانوروں کا بار اور امیر پر صرف ایک جانور کا بار۔

الجواب۔ اس بار کی وجہ خود اس غریب کا دوسرا جانور خرید کر لینا ہے، اگر یہ دوسرا جانور نہ خریدتا تو اس کے ذمہ کچھ بھی نہ تھا، پھر اگر پہلا بھی مل جاتا تو اس کے ذمہ وہی ایک رہتا کہ وہ بھی خریدنے ہی سے واجب ہوا تھا، سو جب اس نے دوسرا خرید لیا وہ بھی واجب ہو گیا اور امیر آدمی پر خود شرع سے قربانی واجب ہے گو نہ خریدے تب بھی خریدنا واجب ہے اور یہ واجب ایک ہی پس خواہ یکتے ہی خریدے وہ ایک ہی واجب رہیگا، اور اگر پہلا نہ ملتا تو دوسرا خریدنا واجب ہوتا اور غریب آدمی جتنے خریدتا جائے گا سب واجب ہوتے جائیں گے، ۴ رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ (تمتہ ثالثہ ص ۷۱)

سوال (۶۳۵) احقر نے قربانی کے مسائل کو گجراتی زبان میں کیا ہے آپ نے جو مسائل بہشتی زیور کے تیسرے حصہ میں درج کئے ہیں اس کے متعلق وہی ہونڈا، مسئلہ ۱۷۱ قربانی کی کھال یا تو یوں ہی خیرات کر دے الخ مسئلہ ۱۷۱ اس کھال کی قیمت کو مسجد کی مرمت الخ یہ عرض ہے کہ یہ کہاں سے لئے گئے ہیں اور کون سی کتاب کے ہیں، مجھ کو اپنی گجراتی زبان میں اس کا حوالہ دینا ہے، کیونکہ لوگ یہاں اس مسئلہ میں مختلف ہیں، آپ مہربانی فرما کر حوالہ اس کا مرمت فرماویں۔

الجواب۔ یہ احکام مختلف ابواب سے لئے ہیں، فی الدر المختار فان بیع اللحد والجلد به ای بمسئہ لک اوبدا و اھم تصدق بثمانہ و فیہ کتاب الہیۃ و صدقۃ کا الہیۃ لا تصح غیر مقبوضۃ و فیہ ہوا ای الہیۃ تملیک العین مجانا و فیہ باب المصرف للزکوۃ و جازت التطوعات من الصدقات و غلت الادق الخ، ان روایات سے ثمن جلد کے تصدق کا وجوب اور تصدق میں اشتراط تملیک اور صدقات واجبہ کا مصرف مثل زکوۃ کے ہونا ثابت ہوا اور اس مجموعہ سے وہ احکام مجموعی ثابت ہوئے، ۴ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ (تمتہ ثالثہ ص ۹۷)

سوال (۶۳۶) کھال قربانی کے عین سے انتفاع جائز ہے تحقیق وقف چرم قربانی در مسجد | اس اسی طرح اگر کسی غنی کو یا سید کو دیدیا جاوے تو بظاہر جائز معلوم ہوتا ہے، البتہ فرد

کر کے غنی کو یا سید کو دینا جائز نہ ہوگا کہ تصدق واجب ہے، اب بعد عین کے ہبہ کر دینے کے سید اور غنی کو فروخت کر دینے کا اور قیمت اپنے مصرف میں لانے کا اختیار ہے یا نہیں، ظاہر شق اول ہے۔ پس اگر یہ صحیح ہے تو اگر کوئی شخص مسجد میں وقف کر دے تب بھی جائز ہوگا، پھر متولی مسجد کو اختیار ہوگا کہ بعد فروخت کے اس کی قیمت جس مصرف میں چاہے خرچ کر دے، البتہ اگر متولی کو کیل بنائے اور وہ وکالتی ہے اور پھر اجازت سے مسجد میں صرف کرے تو بوجہ عدم تملیک درست نہ ہوگا، علیٰ ہذا اگر خود ہی بطریق نیابت عن الفقراء فروخت کر ڈالے تب بھی بظاہر تصدق واجب کے شرائط ضروری معلوم نہیں ہوتے یعنی سیدوں کو غیرہ کو دینا جائز معلوم ہوتا ہے بلکہ اس طریق سے تو حجاز ریلوے میں بھی دینے کی گنجائش نکلتی ہے، اور مدارس میں جو کھالیں آتی ہیں ان کا ہتھم کو بعد فروخت تمام ضروریات مدرسہ میں خرچ کرنا جائز ہوگا خواہ تملیک پائی جائے یا نہیں؟

الجواب، فی الدر المختار تعریف الوقف حبسها علی حکم ملک اللہ تعالیٰ وصف منفعتها علی من احب وفیہ فاذا تم ولزم لا یملاک ولا یملاک وفیہ وکما صرح ابن قف کل منقول قصد اقیہ تعامل للناس کفاس وقدم یل ووداھم ودنا ینرونی ردالمحتا ان الدراھم لا تعین بالتعین وان کانت لا ینتفع بها مع بقاء عینھا لکن یدلھا قائم مقامھا لعدم تعینھا فکانتھا باقیۃ اھد وفیہ یدفع الدراھم مضارۃ ثم یتصدق بها فی الوجہ الذی وقف علیہ الخ وفیہ فوقف الدراھم متعارف فی بلاد الروم دون بلادنا ووقف الفاس والقدم کان متعارف فی زمن المتقدمین ولم یسمع بہ فی زماننا فانظاہر انہ لا یصح الآن ولئن وجدنا دوالا یعتبرلھا علمت من ان التعامل هو الاکثر استعمالا قفامل اھ، اس عبارت سے چند امور متفاد ہوئے۔

۱۔ وقف میں جس عین ضروری ہے حقیقتہً یا حکماً اس طرح کہ اس کا بدل باقی رکھا جاوے
۲۔ وقف منقول ان ہی اختیار کے ساتھ خاص ہے جس میں اس کا عرف ہو۔ ۳۔ بجز وجہ موقوف علیہ کے دوسرے مصرف میں صرف کرنے کا متولی کو اختیار نہیں۔

اب دیکھنا چاہئے کہ اول تہ مساجد میں جو لوگ کھال دیتے ہیں ان کا قصد وقف کا نہیں ہوتا دوسرے اگر قصد بھی ہو تو بوجہ عرف نہ ہونے کے صحیح نہیں اور شاذ و نادر کسی کا عمل پایا جاتا قابل اعتبار نہیں، تیسرے اگر صحیح بھی ہو تو اس چرم قربانی کا باقی رہنا شرط ہوگا، حقیقتہً مثلاً ڈول یا جانماز بتالی جائے یا حکماً کہ اس کو فروخت کر کے بقدر اس کے ثمن کے ہمیشہ باقی

رکھا جاوے اور اس کی منفعت وجہ خیر میں صرف ہوتی رہے، چوتھے منفعت بھی اس کو اسی مصرف میں ہو سکے گی جس میں واقف نے تعیین کی ہے نہ یہ کہ متولی جہاں چاہے، اور ان سب امور کا فقدان ظاہر ہے، پس مسجدیں وقف صحیح نہیں، اور واقع بھی نہیں، بلکہ مقصود تو کسلی ہی ہوتا ہے اور نیابت کے لئے اول تو انابت کی حاجت ہے اور اگر اس میں وسعت کر لی جائے تاہم ضرور ہے کہ فقرار ہی کو دے، کیونکہ انھوں نے حکماً و تقدیراً اپنی منفعت کے لئے نائب بنایا ہے، نہ کہ حجاز ریلوے وغیرہ کے لئے اور اگر اس تاویل سے سیدوں کے لئے گنجائش نکالی جائے تو بھی مشکل ہے کیونکہ واقع میں تو نہیں ہوتی تعریف کراہت بیع کیلئے تاویل کی جاسکتی ہے، سو اس سے مصرف ختم کا نہیں بدل سکتا و ہذا ظاہر کلمہ متال، واللہ اعلم اور مضمون وقف سے پہلے سوال میں جتنا مضمون ہے سب صحیح ہے،

۱۶ محرم ۱۳۲۵ھ (امداد، ج ۲ ص ۱۰۷) **سوال** (۶۳۷) ایک بکر اید الاضحیٰ تک آٹھ یوم عدم جواز تضحیہ در صورت کمی عمر یک ہفتہ کم ایک سال کا ہوگا ویسے وہ نہایت فریبہ اور تیار رہو گیا ہے، جو ان ہر دانت بھی کر لئے ہیں مگر سال سے آٹھ یوم کم کی اس کی عمر بقدر عید تک ہوگی وہ بکر قربانی اس عید پر ہو سکتا ہو یا نہیں **الجواب**۔ فی العالمگیریۃ و تقدیر ہذا الاسنان بما قلنا یمنع النقصان ولا یمنع الزیادۃ حتی لوضعی باقل من ذلک شیئاً لا تجوز و لوضعی بالکثر من ذلک شیئاً یجوز و یكون افضل ج ۶ ص ۱۹۹، اس روایت میں لفظ شیئاً میں تصریح ہے کہ صورت مسئلہ میں اس کی قربانی درست نہیں، ۲ رفی الحجۃ ۱۳۲۵ھ (تمتہ ثالثہ ص ۱۱۳)

ایضاً سوال (۶۳۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قربانی کا جانور مثلاً بکر اگر پورا سال ہونے میں ایک آدھ روز کم ہو اس کی قربانی ہوتی ہے یا نہیں، علیٰ ہذا القیاس گائے کے دو سال پورے ہونے میں بھی اگر ایک دو روز کم ہوں قربانی ہو جاوے گی یا نہیں؟

الجواب۔ نہیں ہوگی۔ فی العالمگیریۃ و تقدیر ہذا الاسنان بما قلنا یمنع النقصان ولا یمنع الزیادۃ حتی لوضعی باقل من ذلک شیئاً لا تجوز ج ۶ ص ۱۹۹ قلت قولہ شیئاً یعم یوماً او یومین، ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ (تمتہ خاتمہ ص ۳۱۵) **سوال** (۶۳۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مکرم ذبح بطور نذر یا شکر

اس مسئلہ میں کہ زید نے نذر مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا اور مجھے اس میں کامیابی ہو گئی تو میں اللہ کے نام پر ایک بکرا یا گائے ذبح کروں گا یا نذر تو نہیں مانی، مگر یوں ہی کسی مطلب برآری کے شکر یہ میں کوئی جانور ذبح کر کے اس کا گوشت مساکین اور غرباء کو تقسیم کر دیا تو آیا اس کی یہ نذر یا اس کا فیصل جائز بھی ہے یا نہیں۔ مع حوالہ کتب و نقل اسناد جواب مرحمت فرمائیے، مینو التوجروا

الجواب۔ فی الدر المختار و لوقال ان برئت من مرضی هذا ذبحت شاة او علی شاة اذبحها غیر علی کا یلزمہ شیئا لان الذبح لیس من جنسہ فرض بل واجب کا ضمیمہ ولا یصح الا اذا زاد ما تصدق بلحمها فیلزمہ لان الصدقة من جنسها فرض وهی الزکوة (فتح و مجراہ) وفي رد المختار عن الخانية قال ان برئت من مرضی هذا ذبحت شاة ويرى لا یلزمه شی الا ان یقول قلله علی ان اذبح شاة اه ثم قال لان قوله ذبحت شاة وعد لا تذبح قال ثم یجب رای الصوم) مالم یقل الله علی وفي الاستحسان یجبا اه ج ۳ ص ۱۰، ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اگر اس طرح نذر کی کہ میں ذبح کر کے مساکین کو کھلا دوں گا، یا دیدوں گا تب تو یہ نذر بالاتفاق معتقد ہو جاوے گی، اور اگر مساکین کو کھلانے یا دینے کا ذکر نہیں کیا، صرف اتنا ہی کہا کہ ذبح کروں گا تو اس نذر کی صحت میں اختلاف ہے، مگر علامہ شامی نے ترجیح صحت کو دی ہے، کہا قال بعد العبارة المذكورة ویؤیدہ ایضا ما قد متاه عن البدائع ویہ یعلم ان الاصم ان المراد بالواجب ما یشمل الغرض والواجب الاصطلاحی لا خصوص القرض فقط اه قال الصمد الذی اسرف علی نفسه ویرد علیہ ان من شرائط صحة النذر كون التذوبریه قربیه مقصودة وقد صرح الفقهاء بان الاراقة غیر معقولة فحققة بزمان مخصوص یلزم منه كون الاراقة فی غیر ذاك الزمان غیر قریۃ فکیف انعقد التذوبریه واجاب عنه بعض احبابی بانه لعل المراد اعم من ان یکون نفس المنذر وریہ قریۃ او یکون جنس المنذر وریہ قریۃ قال الاراقة فی غیر زمان مخصوص وان لم یکن قریۃ لکن الاراقة فی زمان مخصوص التی هی من جنسها قریۃ فیصح التذوبریه وعرض اولاً بانہ خلاف الظاهر فیحتاج الی نقل صریح وثانیاً بانہ معارض بنقل صریح وهو ما فی الدر المختار وکان من جنسہ واجب وهو عبادة مقصودة فی رد المختار الضمیر راجع الی

المنذ ربیعنی المنذ ورائہ فی فتم القدا یرمما هو طاعة مقصودة لنفسها ومن
جنسها واجب ج ۳ ص ۳۷۳ و فی رد المختار بعید العبارة المذكورة فهذا اصرا یح فی ۲
الشرط كون المنذ و بنفسه عبادة مقصودة لاما كان من جنس ج ۳ ص ۱۰۲ ثم یبد
الی جواب وهو اننا سلمنا ان القیاس یقتضی عدم صحته هذا المنذ كما قاله المورد
لكننا تركنا القیاس بالنص وهو ما رواه ابو داود فی سننہ ان رجلا قال یا رسول
الله انی نذرت ان انحر بيو انتم قال اهناء و ثن من اوثان المشركین ادعی من
اعیادهم قال لا قال قاوف بتذرك الحديث كما ان المنذ ربذ یح الولد قلنا یصح
وانما یجب فیہ شاة مع كون ذیح الولد غیر قربة ومعصية لكننا تركنا القیاس بالنص
كما فی الدر المختار تذران یدیم ولد فعلیه شاة القصه الخلیل علیه السلام ج ۳ ص ۳
رد المختار ص ۱۰۶، یہ کلام تو نذر میں تھا اور اگر بلا نذر بطور شکر کے ذبح کرے، اس میں دو قصور
ہیں ایک یہ کہ خود ذبح مقصود نہیں بلکہ مقصود اعطایا الطعام مساکین ہے، اور ذبح محض اس کا
ذریعہ ہے سہولت کے لئے، اور علامت اس تصدیق کے مقصود ہونے اور ذبح کے مقصود نہ ہونے
کی ہے کہ اگر اتنا ہی اور ویسا ہی گوشت کسی دکان سے مل جائے تو انشراح خاطر سے اس پر اکتفا
کرے ذبح کا اہتمام نہ کرے، تب تو یہ ذبح جائز ہے، اور دوسری صورت یہ ہے کہ خود ذبح ہی مقصود
ہو اور ذبح ہی کو بخصو صہ طریقہ شکر و قربت سمجھے، سو قواعد سے یہ درست معلوم نہیں ہوتا،
لما ان الاسراقة فی غیر محال داردة لم یعرف قربة وهذا المرید فیہ نقل كما قد علمت
فی تقریر الابرا د والحواب عنما و یہاں تک جواب ہو گیا اجزا ای سوال کا اور اس کے ایک اور
صورت کا حکم بھی معلوم ہو گیا، جس سے استفتاء میں تو تعرض نہیں کیا گیا، مگر سائل کے خط
میں اس کا بھی ذکر ہے، اس عبارت سے کہ جہاں کوئی ایسی ویسی بات پیش آئی، اور بھیر یا بکری
ذبح کر کے صدقہ کر دیا، محض اللہ کے نام پر الخ اور اس عبارت کے بعد کسی عالم کا جن کی تعیین نہیں
کی، قول بھی نقل کیا کہ یہ فعل قطعاً ناجائز ہے الخ اسی طرح خصوصیت کے ساتھ اکثر عوام بلکہ
متنازل لوگوں میں یہ رسم ہے کہ مرضی کی طرف سے جانور ذبح کرتے ہیں یا وبا وغیرہ کے دفع کے لئے ایسا
ہی کرتے ہیں، سو چونکہ قرآن قویہ سے ان مواقع پر بھی معلوم ہوتا ہے کہ خود ذبح ہی مقصود ہے
اور اسی کو مؤثر فی دفع البلاء، خصوص مرض کی حالت میں اس ذبیحہ کو من حیث الذبح فدیہ سمجھتے
ہیں، سو اس کا حکم بھی قواعد سے عدم جواز معلوم ہوتا ہے۔ لما من قولہ ان الاسراقة فی غیر

محال دارادة الخ ولا یقاس علی العقیقة لانه غیر معقول فلا یتعدی، بلکہ اعتقاد مؤثر
یا فدایت کی حالت میں تو نذر بھی صحیح نہیں معلوم ہوتی، لانه اعتقاد من غیر دلیل نیکو
العمل معہ بدعت و بالبدعت لا یتعقد النذر، البتہ اگر یہاں بھی ذبح مقصود نہ ہو
محض اعطاء اور اطعام مقصود ہو جس کی علامت اوپر مذکور ہو چکی تب جائز ہے، لکنہ بعید
من حال عوام الناس فالاحوط منہم مطلقاً من مثل هذا، اسی طرح اگر یتبع سے
کسی موقع پر شکم فیہا سے کسی روایت کا ورود ثابت ہو جائے وہاں اس نص کے مقابلہ میں
قیاس کو ترک کر کے جواز کا حکم کر دیں گے، بشرط سلامت اعتقاد من المؤثریۃ وغیر
کما نقل فی التفسیر المظہری عن عمرہ انما ذبح ناقۃ غالیۃ الثمن لما ختم البقرۃ
شکر اللہ تعالیٰ فلو ثبت بدلیل صریح صحیح ان مقصودہ کان الشکر بخصوص
طریق الذبح فی حکم علی مثله بالجواز ایضاً لکن محض الاحتمال لا ینفی لصحة الحكم
بالجواز لان الاصل وهو کون الاسراقة غیر معقول لا یعدل عنہ لمحض الاحتمال
بل الغالب بشهادة الذوق من مثل عمرہ ان مقصودہ کان الاطعام وكان
تخصیص الذبیحة لطیب لحمها وعلاء ثمنها، هذا ما عندی فی هذا الباب
واللہ اعلم بها عنده من الصواب۔ کتبہ اشرف علی، اسر شوال ۱۳۳۳ھ
(تمہ ثالثہ ص ۱۵۵)

سوال (۶۳۰) فی العالمگیریۃ لا یجوز التضحیۃ بالشاة
الخنثی لان لحمها لا ینظم آہ و فی الدر المختار وکذا بالخنثی لان لحمها لا ینضج آہ
یہ روایت صحیح ہے یا نہیں، اگر کسی نے اتفاقاً خنثی بکری کی قربانی کر لی اور وہ علت عدم جواز کی
نہ پائی گئی، یعنی گوشت اچھی طرح سے پک گیا، تو قربانی جائز ہو گئی یا نہیں؟ خنثی سے مطلق خنثی
مراد ہے یا خنثی لشکل؟ یہاں کے علماء اس باب میں دو فریق ہو گئے، حضرت کے جواب کے لئے
سب منتظر ہیں،

الجواب۔ در مختار کے قول مذکور کے تحت میں صاحب رد المختار نے کہا ہے وبهذا لتعلیل
اندفع ما أورده ابن وهبان من انها لا تخلو امان تكون ذكرا وخنثی و علی کل تجوز آہ
۶۵۳ ص ۳۱، اس تقریر سے دو امر مستفاد ہوئے، ایک یہ کہ لان لحمها الخ علت، حکمت
نہیں، اور ظاہر ہے کہ علت کے ارتقاء سے حکم مرتفع ہو جاتا ہے، پس جب گوشت اچھی طرح پک گیا

تو قربانی کو صحیح کہا جاوے گا، دوسرا امر یہ مستفاد ہوا کہ غنئی سے مراد غنئی مشکل ہی، مطلق غنئی نہیں
 کہا بدل علیہ قولہ لا تخلوا امان تکون ذکرا ادا غنئی، ورنہ ظاہر ہے کہ غیر مشکل کا ذکر کیا تھا
 ہونا متعین ہے، اور اس تقریر سے سوال کے دونوں جزو کا جواب ہو گیا۔

۱۵ صفر ۱۳۲۵ھ (تمتہ خامسہ ص ۵)

تحقیق بعض مصارف جلد اضمیہ رحمہم | **سوال (۶۴۱)** کیا فرماتے ہیں علمائے دین سوالات میں
 (۱) ایک شخص نے ایک مدرسہ کا اہتمام اس شرط پر لیا کہ سابقہ چرٹھی ہوئی تنخواہ مدرسین کا
 میں ذمہ دار نہیں ہوں، اور نہ اس وقت مدرسہ میں کچھ تو فیر تھی (۲) اگر مصلحت شرعی ہو گوشت
 قربانی فروخت کیا جاوے تو کیا حکم ہے، صدقہ واجبہ کا یا غیر واجبہ کا، اور اس کو مدرسین کی تنخواہ میں
 دے سکتے ہیں یا نہیں یا کسی حیلہ سے۔ بینوا تو جروا؟

جواب پہلے سوال میں صرف واقعہ لکھا ہے اور یہ نہیں لکھا کہ مقصود بال سوال اس
 واقعہ میں کیا ہے، لہذا جواب سے مسدوری ہے،

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ حکم کا حکم مثل جلد کے ہے، اگر فروخت کیا جاوے گا
 تو اس کا حکم صدقہ واجبہ ہے اور مدرسین کی تنخواہ چونکہ دین ہے اس میں بیامنی قبول ہے، لہذا جائز
 نہیں، اور گو وہ تنخواہ اس دینے والے کے ذمہ نہ ہو، اور شاید سوال اس کی طرف اشارہ ہے، مگر
 جب دیا جاوے گا من حیث الدین دیا جاتا ہے، اور اس سے دین ہی ادا ہوتا ہے، گو متبرع بادر الدین
 من علیہ الدین سے حق رجوع نہیں رکھتا لیکن اور سب احکام دین ہی کے ہوں گے، جیسے فراغ ذمہ دلیوں
 عدم استحقاق مطالبہ ان اس لئے ان احکام میں مثل غیر متبرع کے ہوگا، اس لئے یہ رقم تنخواہ میں نہیں
 دی جاسکتی اور حیلہ ظاہر کیا جاوے تاکہ اس کا حکم لکھا جاوے، (تمتہ خامسہ ص ۲۴)

عدم جواز استعمال روغن کہ بوض | **سوال (۶۴۲)** حضرت نے دعویٰ فرمایا تھا جس کا مطلب
جرم قربانی حشریدہ شود، میں یہ سمجھا ہوں کہ کھال قربانی یا اس کے عوض دوسری چیز قابل استعمال
 بدل کام میں لاسکتے ہیں مگر روپیہ یا ایسی چیز جیسا کہ تیل کہ جس کو خود استعمال نہیں کر سکتے، بلکہ اس کو جلا کر
 روشنی سے نفع اٹھا سکتے ہیں، یا روپیہ سے کوئی اور چیز خرید کر نفع اٹھا سکتے ہیں ایسے تبادلہ کا استعمال جائز
 نہیں بلکہ وہ تیل اور روپیہ خیرات کیا جاوے، اس کے متعلق عرض ہے کہ اگر تیل سر میں لگایا جائے کسی چیز سے
 یا لکڑی کے دروازوں وغیرہ کے ملنے کے کام میں لایا جائے تو یہ تبادلہ اور استعمال جائز ہوگا یا نہ، فقط
الجواب، نہیں، کیوں کہ یہ انتفاع اس کے بقدر کی ساتھ نہیں ہے، بلکہ وہ کھپ کر فنا ہو گیا،
 یکم ذی الحجہ ۱۳۲۵ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۴)

جواز تبادلہ چرم خام قربانی با چرم پختہ | سوال (۶۴۳) قربانی کے اصل چمڑے خام سے چمڑے پختہ بشرطیکہ ایک جانب ہمراہ چرم قیمت شامل نکند | کا تبادلہ برابر یا کچھ قیمت کا جزو خام کے ہمراہ شامل کر کے لینا جائز ہے یا نہیں اور ایسے تبادلہ کے وقت دونوں چمڑوں کی قیمت کا خیال تبادلہ کنند ضرور کیا کرتا ہے فقط جواب۔ جائز ہے مگر پختہ کے ساتھ قیمت کا شامل ہونا جائز نہیں، فقط تاریخ بالا۔

(تمتہ خامہ ص ۷۴)

جواز استبدال چرم پختہ | سوال (۶۴۴) اس تبادلہ پختہ چمڑہ کو مثل ڈول موڑی وغیرہ بوسن چرم قربانی - اپنے کام میں لانا جائز ہے یا نہ فقط سائل بالا۔

جواب۔ جائز ہے، فقط تاریخ بالا، (تمتہ خامہ ص ۷۴)

واجب بودن تصدق بقیمت چرم پختہ | سوال () اور اگر وہ کسی وقت فروخت کیا جاوے گا و چرم قربانی بدل کردہ شدہ است | تو کیا اس کی قیمت خیرات کرنا چاہئے؟

جواب۔ ہاں خیرات کرنا چاہئے تاریخ بالا (تمتہ خامہ ص ۷۵)

جواز شریک کردن چند اموات | سوال (۶۴۵) اگر فوت شدہ عزیزوں یا اہل بیت یا خاص دریک حصہ قربانی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کی جائے تو اس کا کیا طریقہ ہے، آیا مثل دیگر شرکار ہر ایک شخص کی طرف سے ایک ایک حصہ ہی میں چند کو شریک کرے فقط جواب۔ ایک ہی میں سب کو ثواب بخش سکتے ہیں، فقط تاریخ بالا (تمتہ خامہ ص ۷۵)

ایضاً | میں نے گزشتہ سال زبانی فتویٰ دیا تھا کہ جس طرح اپنی طرف سے قربانی کرنے میں ایک حصہ دو شخص کی طرف سے جائز نہیں، اسی طرح غیر کی طرف سے تبرعاً نفل قربانی کرنے میں خواہ زندہ کی طرف سے یا میت کی طرف سے، ایک حصہ دو شخص کی طرف سے جائز نہیں، مگر روایات سے اس کے خلاف ثابت ہوا اس لئے میں اس سے رجوع کر کے اب فتویٰ دیتا ہوں، کہ جو قربانی دوسرے کی طرف سے تبرعاً کی جاوے چونکہ وہ ملک ذریعہ کی ہوتی ہے، اور صرف اس دوسرے کو ثواب پہنچتا ہے، اس لئے ایک حصہ کسی کی طرف سے بھی ہو سکتا ہے، جیسا کہ مسلم میں ہے کہ اپنی طرف سے ایک حصہ قربانی کر کے متعدد کو ثواب پہنچانا جائز ہے، پس یہ بھی ویسا ہی ہے، والروایاتہ فرع من ضحی عن المیت یصنع کما یصنع فی اضحیۃ نفسه من التصدق والا کل الازجوللمیت والملک للذابح قال الصدرو المختار ان باصر المیت لایاکل منها والایاکل یزاد فیہ مع تبرع کی قید سے وہ صورت نکل گئی کہ میت نے اپنے مال سے قربانی کرنے کی وصیت کی ہو اس صورت میں ایک حصہ ایک ہی کی طرف سے جائز ہے ۱۲ منہ

وسید کر فی النظر ردالمحتار ص ۳۱۸ ج ۵ وعن میت ای لوضعی عن میت وارثه
بامره الزمه بالتصدق بها وعدم الاكل منها وان تبرع بها عنه له الاكل لا ينقع
على ملك الذابح والثواب للمیت ولذا لو كان على الذابح واحدة سقطت عنه
اضحية كما في الاجتناس قال الشرنبلالی لكن في سقوط الاضحية عنه تأمل اقول
صرح في فتح القدير في الجمع عن الغير بلا امرانه يقع عن الفاعل فيسقط به الفرض عنه
والاخر الثواب فراجع رد المحتار ج ۵ ص ۳۲۸ وفي الدر المختار وان مات احد
للسبعة المشتركين في البدنة وقال العدة اذ بجوا عنه وعنكرهم عن الكل
استحسانا قال القصد القرية من الكل مثلاً في رد المحتار قوله لقصد القرية من الكل
هذا اوجبه الاستحسان قال في البدائع لان الموت لا يمنع التقرب عن المیت
بدليل انه يجوز ان يتصدق عنه ويحج عنه وقد هم ان رسول الله صلى الله عليه
وسلم ضحى بكبشين احدهما عن نفسه والاخر عن لويذ بن جهم من امته وان كان
منهم من قد مات قبل ان يذبحهما ص ۳۱۸، قلت وقد دل الحديث على جواز
التضحية عن الحي تبرعاً وعلى جواز الصلوة الواحدة عن الكثيرين اوراسی وقوع الذبح
عن الذابح وحصول الثواب للغير کی فرع یہ ہے کہ اس تضحیہ تا فله عن الحي تبرعاً میں اس حی کے
اذن کی ضرورت نہیں میں اس ضرورت بھی تبطلتا تھا اس سے بھی رجوع کرتا ہوں، بخلاف
زکوٰۃ وصدقات واجبه وتضحیہ واجبه کے کہ اس میں اذن غیر کا شرط ہے، قرب ۳۲۵۔

(ترجیح خامس ص ۲۴)

عدم سقوط قربانی واجب از ذمیریت | سوال (۶۴۶) اگر کسی متوفی کے ذمہ واجب
بسبب قربانی کردن از جانب او | قربانی رہی ہوئی ہو تو کیا اس ثواب سانی سے ساقط
ہو جائے گی فقط؟

جواب، نہیں، فقط، یکم ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ (تمہ خامس ص ۵۵)

بہ ساقط شدن قربانی از ذمیریت | سوال ۶۴۷ قربانی اپنی طرف سے کر کے ثواب میت کو پہنچانے
پر قربانی کرنے والے کو ثواب ملے گا یا میت کی طرف سے حصہ رکھ کر قربانی کرنا بھی ثواب دیتی
کنندہ کو ملے گا۔ فقط

الجواب۔ یہ آخرت کے متعلق ہے یہ مسئلہ نہیں اس کی تحقیق کے لئے قیاس و

اجتہاد کافی نہیں نقل و روایت ہونا چاہئے اور وہ نظر سے نہیں گزری فقط

یکم ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

عدم وجوب قربانی از طرف تہا العنان | سوال (۶۴۸) تہا بلخ بچوں کی جانب سے قربانی کرنا
بذمہ مادر و پدر ایشان | ان کے باپ کے ذمہ ہے یا نہ فقط؟

جواب۔ نہیں، فقط تاریخ بالا، (تمتہ خامسہ ص ۷۵)

تحقیق بودن نیت زیادتی ثواب | سوال (۶۴۹) اگر واجب قربانی سے زائد کوئی شخص نذر
ورضائے الہی از قربانی تافلہ | کرے کیا اللہ میاں اس سے راضی ہو جائیں گے یا محض ثواب میں زیادتی ہوگی
جواب۔ ان دونوں میں مقابلہ ہی کیا ہے، کیا ثواب کی زیادتی خدا تعالیٰ کی رضا نہیں، فقط،

تاریخ بالا، (تمتہ خامسہ ص ۷۵)

جواز استعمال چرم قربانی کہ خریدہ شود | سوال (۶۵۰) قربانی کا چمڑا اگر شریک پنچھہ علاؤ دہری
خرکارسان کے حصے خرید لے تو پھر وہ تمام چمڑا خرید کنندہ شریک اپنے استعمال میں لا سکتا ہے۔
جواب، لا سکتا ہے، ۵ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ (تمتہ خامسہ ص ۷۶)

جواز آوردن در مصرف خود قیمت چرم قربانی سوا حصہ قیمت | سوال (۶۵۱) اگر ایک شریک دو سکر شریک کا سو
خود اگر ایک شریک کل چرم خرید کردہ فروخت یا شد | کھال قربانی خرید کر خود فروخت کرے تو کل قیمت
خیرات کرنا ہوگی، یا کل قیمت اپنے مصرف میں لا سکیگا، یا بقدر اس حصہ کے جو خریدا تھا اپنے مصرف میں لا سکیگا
اور باقی خیرات کرے گا، اس کی اجازت وغیرہ اجازت کی تفصیل مطلوب ہے؟

جواب، ہاں یہی تیسری صورت ہے، ۵ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ (تمتہ خامسہ ص ۷۶)

آوردن قیمت چرم قربانی در مصرف خود | سوال (۶۵۲) اگر خام کھال قربانی کا تبادلہ پنچہ چمڑہ غیر قربانی
اگر بعض چرم پنچہ خرید کردہ فروخت | سے جائز ہو تو پنچہ چمڑا دے کر خام چمڑا قربانی والا جس شخص کے پاس تبادلہ
میں پہنچا وہ شخص اس قربانی کے چمڑے کو فروخت کر کے دام اپنے مصرف میں لا سکتا ہے یا نہ؟
جواب۔ لا سکتا ہے، ۵ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ (تمتہ خامسہ ص ۷۶)

بعد الحمد والصلوة احقر اشرف علی عرض رسا ہے کہ میں آغاز ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ میں گورکھپور
تھا، ایک روز جناب مولانا عبدالغفار صاحب نے ایک سوال دکھلایا جو گاؤ کشی کے متعلق تھا، میں نے
مولانا سے اس کا مبسوط جواب لکھنے کے لئے درخواست کی جس کو علامہ موصوف نے منظور فرمایا

پھر میں وسط جمادی الاولیٰ میں جب وطن پہنچا تو میرے پاس وہی سوال آیا جس کو میں نے جواب
کے لئے مولانا حبیب احمد کیرانوی کے سپرد کر دیا۔ دو وجہ سے، ایک اس لئے کہ مجھ کو فرصت نہیں تھی،
دوسرے اس لئے کہ وہ مجھ سے اچھا لکھیں گے، جب جواب ثانی تیار ہوا، اسی اثنا میں جواب اول کی
نقل بھی میرے استدعا پر میرے پاس پہنچ گئی، چونکہ یہ دونوں جواب اشارۃً کافی وافی شافی تھے، اس لئے
دونوں کو جمع کر کے امداد الفتاویٰ کا جزو بنادینا مناسب معلوم ہوا اول جواب کا لقب "اعتصام بحبل شعائر الاسلام" ^{میں}
دوسرے کا لقب "تصلیۃ سقر لما یفیع تضحیۃ البقر"

الجواب الاول الملقب باعتصام بحبل شعائر الاسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم ————— تحمدہ نصلی علی رسولہ الکریم

رسالۃ اعتصام بحبل شعائر اسلام | سوال (۶۵۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہنود کے
خوش کرنے اور اتفاق پیدا کرنے کے خیال سے گلے کی قربانی یا روزمرہ کے لئے گائے کا ذبح بنا کر دینا
کیسا ہے، ہندوستان کی حالت ملاحظہ فرماتے ہوئے حکم شرع سے مطلع فرمائیں۔
الجواب محض ہنود سے اتفاق پیدا کرنے اور ان کے خوش کرنے کے لئے گائے کی قربانی کو موقوف
کر دینا اور ہمیشہ کے لئے گلے کی قربانی کا گوشت چھوڑ دینا درست نہیں، اس لئے کہ گائے کا ذبح
کرنا قربانی کے لئے ہو یا محض کھانے کے لئے شعائر اسلام سے ہے، اور گلے کا ذبح نہ کرنا اور اس کے
گوشت سے نہ ہی حیثیت سے نفرت کرنا شکار کفر سے ہے، اسلامی شعائر کو چھوڑ کر کفر کے شعائر کو
اختیار کرنا اور اس خیال سے خود ذبح کو چھوڑ دینا اور کسی کو ترغیب نہ دینا بلکہ ترک کی رغبت
دلانا کہ مخالفین اسلام خوش رہیں مدارۃً ناجائز اور مدافعت فی الدین ہے، ہماری شریعت مطہرہ نے
ہرگز اس کی اجازت نہیں دی ہے،

یہاں تک تو اصل سوال کا جواب تھا اب میں اس کی دلیل مختصر طور پر عرض کرتا ہوں، پہلے
تمہیدی مقدمات ملاحظہ فرمائیے،

تمہیدی مقدمات

اول، یہ امر تو مسلم ہے کہ بعض ماکولات و ملبوسات محض مباح ہیں، ان میں اسلامی شعائر
ہونے کو دخل نہیں، جیسے چانول، دال، آٹا، دودھ، مہی، گھی وغیرہ کھانا، اور سوئی اوٹی کپڑا پہننا

یہ چیزیں ایسی ہیں کہ ہر ملت اور ہر مذہب کے لوگ استعمال کرتے ہیں ان کو اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، تاکہ شعائر اسلام سے کہے جائیں،

دوم، بہت چیزیں شعائر اسلام سے ہیں، ان کو اسلام کے ساتھ خاص تعلق ہے، اور بہت چیزیں شعائر کفر سے ہیں جن کو اہل کفر کے ساتھ خاص تعلق ہے، شعائر اسلام کی تمثیلیں یہ ہیں، ختنہ کرنا، نماز کے لئے اذان کہنا، گائے کی قربانی کرنا، گائے کے گوشت سے بحیثیت مذہبی نفرت کرنا، زنا پر پہننے کو بڑی معصیت سمجھنا، ہندو کی طرح سر پر چوٹی رکھنا، وغیرہ اور شعائر کفر کی تمثیلیں یہ ہیں زنا پر پہننا، سر پر خاص طور سے چوٹی رکھنا، گائے کو معبود یا مقدس و معزز سمجھ کر ذبح نہ کرنا۔ گائے کے گوشت سے بحیثیت مذہبی نفرت کرنا، اور اس کے ذبح کو روکنا، اور رک جانے سے بحیثیت مذہبی خوش ہونا، بت خانہ بنانا، اور اس کی تعظیم کرنا، مسلمانوں کے ساتھ چھوٹ کا برتاؤ کرنا وغیرہ۔

سوم ذبح کا اسلامی ذبیحہ بلکہ شعائر اسلام سے ہونا شرعی دلائل سے ثابت، واللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ارشاد فرمایا ہے ومن الانعام حمولة وفرشا كلومما رزقكم الله ولا تتبعوا

خطوات الشيطان انه لكم عدو مبين ثمانية انواع من الضان اثنين ومن المعز اثنين قل الذکرین حرام الانثیین اما اشتملت علیہ ارحام الانثیین نیثوثی بعلم ان کنتم صادقین ومن الابل اثنتین ومن البقر اثنتین۔ اس آیت سے حلت گائے کی بیوی صریح ثابت ہے کسی اہل حق کو چون و چرا کی گنجائش نہیں اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ازواج مطہرات کی جانب سے گائے کی قربانی کی ہے، عن جابر قال ذبح رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم عن عائشة بقرة رداه مسلم كذا في المشكوة،

وعن جابر قال نحو النبي صلی اللہ علیہ وسلم عن نسائه بقرة في حجة رداه مسلم كذا في المشكوة،

اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے گائے کی قربانی کی عام اجازت بھی دی ہے، اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے عام طور پر گائے کی قربانی کی ہے۔

چنانچہ صحیح مسلم میں ہے، عن جابر ان النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال البقرة عن سبعة والجزور عن سبعة،

اور ترمذی و نسائی و ابن ماجہ میں ہے عن ابن عباس قال كنا مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم في سفر فحضر الاضحية فاشتركت في البقرة سبعة وفي البعير عشرة۔

اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عام طور پر گناؤں کے ذبح کرنے اور اس کے گوشت کھانے کا تعامل بھی تھا صحیح مسلم میں ہے عن عائشہ قالت اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلحسا بقرۃ تصدق بہ علی بربوۃ فقال ہولہا صدقتہا ہدیۃ ،

اور گناؤں کی حلت پر اجماع امت بھی ہے، چنانچہ علامہ دمیری شافعی حیوۃ الحیوان میں تحریر فرماتے ہیں۔ ویحل اکلہا رای البقرۃ و شرب البانہا بالاجماع ام

اور قیاس بھی یہی چاہتا ہے اگرچہ قرآن و حدیث میں منصوص ہونے کے بعد قیاس کی ضرورت نہیں بلکہ خاص گناؤں کا ذبح کرنا اسلامی ذبیحہ میں داخل ہو، اس لئے کہ اکثر اسلامی احکام تعلیم توحید اور اعلائے حق پر مبنی ہیں، چونکہ بنی اسرائیل میں گوسالہ پرستی (جو سر اسر شرک ہی جاری ہو گئی تھی) اور گوسالہ پرستی کے شرک میں امت سابقہ مبتلا ہو چکی تھی جس کا ذکر قرآن شریف میں یوں کیا گیا ہے، وجادنا ببنی اسرائیل البحر فاتوا علی قوم یعکفون علی اصنام لہم قالوا یموسیٰ اجعل لنا الہا کما لہم الہۃ قال انکم قوم تجہلون۔

تفسیر کبیر میں ہے قال ابن جریر کانک تلك الاصنام تماثیل بقرۃ ام اور تفسیر و منشور میں ہے، اخراج ابن جریر وابن المنذر عن ابن جریر فی قولہ تعالیٰ فاتوا علی قوم یعکفون علی اصنام لہم قال تماثیل بقرۃ من نحاس فلما کان یحل السامری شہ لہم انہ من تلك البقرۃ فذلک کان اول شان العجل ام اس شرک کو شریعت الہی نے یوں مٹایا کہ ذبح گناؤں اور اس کی قربانی کو مشروع کر دیا اور گناہوں کو یوں تعلیم دی کہ اے نالائقو! کائے کی مورت کو معبود اور مقدس کیوں سمجھتے ہو، اور اس کی پرستش کیوں جائز خیال کرتے ہو، دیکھو گائے کی تصویر کی کیا ہستی ہے، خود گائے ہی میں صلاحیت معبود ہونے کی نہیں ہے، بلکہ وہ معمولی ماکولات سے ہے، بکری، بھیڑ، دنبہ وغیرہ کی طرح اس کے گوشت پوست انسان کے لئے ناپاک گئے ہیں، وہ معبودیت کے لئے ہرگز قابل نہیں، بلکہ وہ معبود حقیقی پر نثار اور قربان کرنے کے قابل ہے اس کو یا اس کی تصویر کو معبود یا مقدس خیال کرنا سخت جہالت ہے، پس معلوم ہوا کہ ذبح گناؤں کی مشروعیت ایک شرک جلی کے ابطال اور توحید کے اجراء و البقاء پر مبنی ہے اس لئے اس کا منطقی قیاس کے ہونا ضرور قابل تسلیم ہے۔

یہاں تک تو گائے کے اسلامی ذبیحہ ہونے کا ثبوت تھا، اب میں اس کے اسلامی شعار ہونے کے متعلق گفتگو کرتا ہوں۔

ذبح بقرا سلامی شعا ہے اس کا ثبوت

صحیح بخاری میں ہے عن انس انه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلتى صلواتنا واستقبل قبلتنا واكل ذبيحتنا فذلك المسلم الذي له ذمة الله وذمة رسوله فلا تخفروا الله في ذمته رواه البخاري كذا في المشكوة۔

غور کرنا چاہئے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جو انصاع العرب والعجم اور صاحب جوارح کلم (تھے) جملہ واکل ذبیحتنا کیوں اضافہ فرمایا۔ اور ذبیحہ کو مقید یا ضافت کیوں کیا۔ بجائے ذبیحتنا کے ذبیحہ کیوں نہ ارشاد فرمایا اور واو عطف کے ساتھ وصل کیوں کیا، یا درکھئے یہ تینوں امر نکتہ اور فائدہ سے خالی نہیں، مجھ سے سنئے، اس جملہ سے سبق دیتا ہے کہ خاص اسلامی ذبیحہ کا کھانا مثل اولئے اسلامی نماز و استقبال اسلامی قبلہ کے شعار اسلام سے ہے، ان میں سے کسی کو مدارات غیر مذہب کے لئے نہیں چھوڑ سکتے اور ذمہ داری اللہ اور رسول کی ان تینوں امر کے ساتھ وابستہ ہیں، اگرچہ وہ دونوں عملاً فرض ہیں، اور اکل ذبیحہ فرض نہیں، مگر شعار ہونے کی حیثیت سے سب متساوی ہیں، ولا منافاة بین کون الامرین متغائرین بوجه دہلین کو غما متحدین بوجه انحراف اور یہی مناسبت من حیث شعاریت عطف کرنے کا باعث ہے (لان الوصل باعطاف لا بد فیہ من المناسبتہ بین المعطوف علیہ کما هو مصرح فی علم المعانی)

اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ذبیحتنا فرمایا اس سے یہ بتلاتا ہے، کہ مطلق ذبیحہ کھالیتا ذمہ داری خدا و رسول کے لئے کافی نہیں، بلکہ خاص اسلامی ذبیحہ کا کھانا شرط ہے، اور پہلے آپ قرآن و حدیث و تعامل صحابہ و اجماع و قیاس سے معلوم کر چکے ہیں کہ گاؤ اسلامی ذبیحہ میں داخل ہے، پس گلے کا ذبح کرنا اور اس کا گوشت کھانا بلاشبہ اسلام کے علامات سے ٹھہرا، اور ہم اسلامی علامات ہی کو شعار اسلام اور شعار دین اور شعار اللہ کہتے ہیں، الغرض حدیث نبوی سے ذبح گاؤ کا شکار اسلام سے ہونا بخوبی ثابت ہے۔ وقیہ الکفاۃ لمن لم یدایتا،

پہچانم، ہنود کی مدارات (یعنی خاطر داری) اگرچہ عملاً ہو اعتقاداً نہ ہو اسی قدر جائز ہو سکتی ہے جس سے کوئی شعار اسلام نہ چھوٹ جائے اور مذہبی امور یا مال نہ ہوں، حضرت عبداللہ بن سلام کے واقعہ سے اس کا استدلال ہو سکتا ہے، وہ واقعہ یہ ہے کہ آپ جب یہودیت سے تائب ہوئے مشرف باسلام ہوئے یہ خیال گذرا کہ توریت سے اونٹ کے گوشت کی حرمت ثابت ہوتی ہے، اور

بھی آسمانی کتاب ہے اور قرآن پاک سے اس کی صلت مستحق ہوتی ہے، کیا حرج ہے کہ احتیاطاً ہم انٹ
کا گوشت نہ کھائیں چنانچہ ایسا ہی کر گزرے، اللہ تعالیٰ نے اس احتیاط سے ان کو سختی سے منع کیا، اور
یوں آیت نازل فرمائی۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ**
إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ، غور کیجئے ایسے خطرات و خیالات جو مزاحم و مناقض شریعت ہوں، ان کو اللہ
تعالیٰ نے اتباع شیطان فرمایا، کیوں اس کی وجہ یہی ہے کہ اس سے شعار اسلام کا ترک لازم آگیا،
اور ترک شعار اسلام ممنوع ہے، باوجودیکہ یہود اہل کتاب تھے، اور توریت آسمانی کتاب تھی،
اور اونٹ کے گوشت کی حرمت اس میں مذکور بھی تھی اگرچہ قرآن شریف سے منسوخ ہو چکی تھی اور حضرت
عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بھی تھے یعنی اونٹ کے گوشت کو مباح سمجھتے تھے پھر بھی یہود کی بدلت
یا توریت کے اس حکم کی عظمت و قصداً ہو یا التزاماً، خدا نے جائز نہ رکھی، بلکہ سختی کے ساتھ اس کی ممانعت
کر دی، کیونکہ عملاً حکم منسوخ کی تعظیم آتی تھی، تو ہنود کی (جو اہل کتاب بھی نہیں اور ان کی کتاب آسمانی
بھی نہیں) اتنی مدارا کرنا جو شعار اسلام کے ترک تک پہنچ جائے کب جائز ہو سکتا ہے، امام فخر الدین
رازی تفسیر کبیر میں اس آیت مذکورہ کی شان نزول یوں لکھتے ہیں۔ **وَكَا نَاوَا يَقُولُونَ تَرَكْنَا هَذِهِ
الْأَشْيَاءَ مَبَاحًا فِي الْإِسْلَامِ وَوَجِبَ فِي التَّوْرَةِ فَتَحَنَّنْ فَتَرَكَهَا** احتیاطاً فکرہ اللہ تعالیٰ
ذلك منهم وامرهم ان يبدلوا في السلم كافة اي في شرائع الاسلام كافة ولا
يتمسكون بشئ من احكام التوراة اعتقاداً له وعملية لانها صارت منسوخة ام
جس طرح حضرت عبداللہ بن سلام نے اونٹ کے گوشت کو مباح سمجھا، اور تھوڑی یہ غلطی کی کہ اسکو
شعار اسلام نہیں خیال کیا، اسی طرح گائے کا قصہ ہے، پس جس طرح وہ مورد و غناب ہوئے لوگ
بھی مورد و غناب ہوں گے، اس مقام پر جو شبہ ہو سکتا ہے اس شبہ کا جواب آگے چل کر ہم
اخیر میں لکھیں گے، الغرض ایسی مدارا ہنود کی جو ترک شعار اسلام کا مستلزم ہو جائز نہیں
علامہ علی قاری مرقاة شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں والفرق بین المداھنۃ المنھیۃ
والمداۃ المأمورۃ ان المداھنۃ فی الشریعت ان یری منکر او یقدر علی دفعہ ولم
یدفعہ حفظاً بجانب مرتکبہ او جانب غیر الخوف او طمع او لاستحیاء منہ اولقلۃ مبالاً
فی الدین والمداۃ یتروک حظ نفسه وحق یتعلق ببالہ وعرضہ فیسکت عنه دفعا للشر
وقوع الضرر منه قوله دارهم مادمت فی دارهم ام،

پہنچے کسی امر موہوم یا مشکوک کی توقع پر (اگرچہ وہ امر حسن ہو) ہنود کے ساتھ ایسی

مدارات کرنا جائز نہیں جس سے اسلامی ضرر متبادر اور بین ہوا اس کا ثبوت اس آیت و ذواتہ
 یا ایہا الذین آمنوا لاتخذوا عداوی وعدوکم اولیاء تلقون الیہم بالمودۃ وقد
 کفروا بہما جاء کلم من الحق۔ اس آیت کی شان نزول یہ ہے کہ حضرت عاقل بن بلتہ جو طلیل القدر
 صحابی تھے اور غزوہ بدر و خندق و دیگر مشاہد میں شریک بھی ہو چکے تھے، اور رسول پاک ﷺ
 بھی ان کی مدد کی ہے، ان سے یہ ذلت (ممکن ہے خطائے اجتہادی سے ہوئی ہو) ہو گئی تھی، کہ
 آپ نے مدینہ سے کفار مکہ کو بطور مخبری کے ایک خط لکھ دیا تھا، اس توقع سے کہ ان کے اہل عیال
 مکہ میں تھے، اگر کفار مکہ خوش رہیں گے تو ان کو آرام دیں گے، اور ان کی خبر گیری کریں گے، رسول پاک
 صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی الہام ربانی کی خبر ہو گئی، اور وہ خط پکڑا گیا، اس پر وہ ماخوذ ہوئے
 آپ نے صداقت کے ساتھ اقرار کیا اور خط لکھنے کی وجہ بیان کی اس وقت آیت نازل ہوئی، مگر
 چونکہ آپ بدری تھے اور آپ نے اپنے اعتقاد کامل کا اظہار فرمایا اور یقین دلایا اور وجہ بھی معقول
 بیان کی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی ذلت معاف کر دی، خیال فرمائیے ایسے طلیل القدر
 صحابی کہ ان کی شان میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا ہے ما یدریک
 یا عمر لعل اللہ تعالیٰ قد اطلع علی اہل بدر فقال لہم اعملوا ما اشاءتم فقد غفرت
 لکم اہ کیوں مورد عتاب ہو گئے، اس وجہ سے کہ اسلامی ضرر جو متبادر اور بین تھا اس کا لحاظ
 نہیں کیا، اور اہل و عیال کے فائدہ کے لئے مخبری کر دی، اگرچہ وہ استحصال نفع بذاتہ مذموم نہ تھا
 مگر مذہبی ضرر کی وجہ سے اس کا ترک کرنا لازم تھا، کیونکہ اس نفع کا حصول ناجائز مدارات پر موقوف
 تھا، اس لئے ہمارے فقہائے کرام نے یہ قاعدہ تحریر فرمایا ہے کما فی الاشباہ والنظائر دراء
 المقاصد ادلی من جلب المصالح فاذا تعارضت مقصدہ ومصلحتہ قدم دفع المفسدۃ
 غالب الان اعتناء الشان بالمہیات اشد من اعتناہ بالما مودات ۱۸۔

جب جب مقدمات مہدہ معلوم ہو چکے تو اب میں صورت استدلال عرض کرتا ہوں،
 (الف) مقدمہ اول و ثانیہ و ثالثہ سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ گائے کا ذبح کرنا اور اس کا
 گوشت کھانا محض مباح ہی نہیں بلکہ اسلامی شعار ہے۔

(ب) اور مقدمہ رابعہ سے معلوم ہوا کہ ہنود کی ایسی مدارات جس سے اسلامی شعار چھوٹ
 جائیں ممنوع و قبیح ہے، پس ان مقدمات رابعہ سے یہ نتیجہ نکلا کہ گائے کا ذبح نہ کرنا ہنود کے خوش اور
 اتفاق پیدا کرنے کے لئے جائز نہیں،

(۷۰) اور مقدمہ خامسہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ بالفرض اگرچہ ذبح گاو کا بند کی دینا کسی فائدہ
موجود نہیں ہوتا، ہم جائز نہیں، کیونکہ اس کے دینی و دنیوی نقصانات متبادر اور ظاہر ہیں، اور
در المقاسد اولیٰ من جلب المصلح روشن دلیل ہے۔

ہاں اس جگہ چند شبہات قابل ذکر ہیں، ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ شبہات پیدا ہو جائیں،
پہلا مشبہ، مذہبی حیثیت سے گاو کی قربانی ہم نہیں بند کرتے ہیں، بلکہ تمدنی اور اخلاقی حیثیت
سے، اس نے کہ ہم گائے کے ذبح پر مجبور نہیں، اعتقاداً، ہم اس کو جائز سمجھتے ہیں، اگر ہنود کے خوش
کرنے اور ان سے اتفاق پیدا کرنے کے لئے مباح فعل کو ترک کر دیں تو اس میں کیا حرج ہے، جس
طرح کوئی مسلمان بیماری یا عدم رغبت کے سبب یا کوئی ذکر شاغل کسی خاص وظیفہ کے لحاظ سے کبھی
گائے کا گوشت نہ کھائے اور بجائے گائے کے ہمیشہ بکری، دنبہ، بھیڑ قربانی کرتا رہے، اس پر کوئی
شرعی جرم نہیں عائد ہو سکتا، اسی طرح ہم بھی بے جرم کیوں نہ سمجھے جائیں گے۔

اور حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے اخلاقی اور تمدنی حیثیت سے اونٹ کا گوشت نہیں چھوڑا تھا بلکہ
مذہبی حیثیت سے، کیونکہ ان کا احتیاط کرنا احکام منسوخہ کی توقیر کا مستلزم تھا، اور ہمارا ترک ایسا
نہیں، اس لئے ہمارے عمل کو ان کے عمل پر قیاس کرنا مع الفساق ہے۔

جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ جو شرعاً مذہبی ہے اس کو تمدنی اور اخلاقی حیثیت سے تعبیر کرنا
پھر اس کو چھوڑ دینا کہاں جائز ہے، عنوان اور تعبیر کے بدل دینے سے معنوں میں عین کی حقیقت نہیں
بدل جاتی مثلاً کسی بستی کے لوگ اذان یا ختنہ چھوڑ دیں اور یوں کہتے پھریں کہ مذہبی حیثیت سے
نہیں بلکہ تمدنی حیثیت سے ہم نے چھوڑ دیا ہے، یا کوئی مسلمان کسی بت کی ناجائز تعظیم کرے اور یوں
کہے کہ مذہبی حیثیت سے نہیں بلکہ اخلاقی حیثیت سے، یعنی فلاں راجہ صاحب کے خوش کرنے کے لئے
تعظیم کرایا کیے ہیں۔ تو کیا یہ جائز ہو سکتا ہے ہرگز نہیں اسی طرح گائے کا ذبح کرنا چونکہ شعار اسلام
سے ہے جیسا کہ پہلے ہم ثابت کر آئے ہیں، ہم کو ہرگز مجاز نہیں کہ اس کو اخلاقی اور تمدنی حیثیت سے
سناپچ میں ڈھال کر کسی ہنود کے خوش کرنے کے لئے چھوڑ دیں۔

وہ مثل گھی دودھ کے محض مباح ہی نہیں ہوتا کہ وہ قابل ترک سمجھا جائے۔

لہٰذا یوں کہیں کہ بچوں کو ختنہ سے سونت تکلیف ہوتی ہے اس لئے ہم نے ختنہ موقوف کر دیا اور ہمارے جوار کے
ہنود جو ہمارے ولی دوست ہیں ان کو اذان کی آواز سے بہت تکلیف ہوتی تھی، صبح کی اذان سے صبح کی نیند اور
ظہر کی اذان سے دن کے خواب استراحت میں خلل آتا تھا اس لئے ہم نے اذان بند کر دی ۱۲ منہ

اور کسی مسلمان کا مرض یا عدم رغبت یا خاص وظیفہ کے سبب سے گائے کا گوشت نہ کھانا اور کسی صحیح الاعتقاد مسلمان کا ذبیحہ، بھیڑ کی قربانی پر اکتفا کرنا ہنود کی مدارات اور اتفاق کے لحاظ سے نہیں ہوا کرتا، تاکہ اس پر کوئی شرعی جرم عائد ہو، بخلاف صورت متنازعہ کے کہ ہنود کی ناجائز مداراة پر مبنی ہے، دونوں ترک کو یکساں خیال کرنا ہرگز صحیح نہیں، اگر آپ انصاف کریں گے تو دونوں کی وجدانی حالت بھی متغائر پائیں گے، یعنی مدارات کرنے والے کو عملاً متروک گاؤں سے نفرت ہوگی، چاہے اعتقاد نہ ہو، بلکہ دوسروں کو ذبح کرنا بھی اس پر شاق اور ناگوار ہوگا، کیونکہ مطلقاً ذبح گاؤں کو مداراة اور اتفاق کے خلاف سمجھا ہے، اور اس کی دلی کشش اس جانب ہوگی کہ گلے کا ذبیحہ کہیں نہ دیکھی، بخلاف ان لوگوں کے جو مرض وغیرہ کے سبب سے چھوڑ دیتے ہیں، ان کو نہ کبھی نفرت ہوگی نہ کبھی اس کا خیال ہوگا، فیہنہما یون بعید۔

ربا عبداللہ بن سلام کا واقعہ اس کے متعلق جو شبہ پیدا کیا گیا، وہ بھی صحیح نہیں، کیونکہ یہ تو مسلم ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ صدق دل سے مشرف باسلام ہو چکے تھے اور اعتقاداً ہرگز مخالف اسلام نہ تھے، قرآن شریف کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں یا ایہا الذین امنوا اٰلکم میں لفظ آمنو اور کافۃ ثبوت کے لئے کافی ہے، ہاں مخالفت اُن کی بعض امور میں عملاً تھی۔ اب غور کیجئے فریق اول (یعنی تارکین لحم شتر) اور فریق ثانی (یعنی تارکین لحم بقر مداراة ہنود) عملاً و اعتقاداً مساوی ٹھہرے یا نہیں، جب دونوں مساوی ٹھہرے تو لا محالہ دونوں لا تتبعوا خطوات الشیطن کے حکم میں داخل ہوں گے، باقی رہی حیثیت کی مغایرت وہ بھی مضر نہیں، اس لئے کہ اصل وجہ عتاب کی ترک شعائر اسلام ہے، اسی لئے آیت نازل ہوئی، جو جس طرح لحم شتر شعائر اسلام سے ہے اسی طرح لحم بقر بھی اگرچہ دونوں فریق کے منشاء ترک میں مغایرت ہے، مگر مہتی عنہ ہونے میں دونوں متحد ہیں، کیونکہ فریق اول کے ترک کا منشاء احتیاط تھا، مگر اس سے احکام منسوخہ تو ریت کی تبیت یا عطیت لازم آگئی، جو مہتی عنہ تھی، اور فریق ثانی کے ترک کا منشاء مدارات ہنود ہے، جس سے تعظیم و توقیر شعائر ہنود ہے۔ نیز تقویت عقاید باطلہ ہنود لازم آتی ہے جو مہتی عنہ ہے بل الشانی اقبہ من الاول کما لا یحقی علی من یفطن وتامل چونکہ دونوں منشاء مہتی عنہ ہونے میں مشترک ہیں باوجود تغایر حیثیت کے حکم میں اختلاف نہیں پیدا ہو سکتا، پس معلوم ہوا کہ اس جگہ باوجود تغایر حیثیت کے حکم یکساں ہے وھذا ما ادعیناہ وھھنا اجماع شتی طویت عنہا کشفی الخرابۃ المقام وایجاز الکلام،

علاوہ بریں اہل اسلام خوب جانتے ہیں کہ ہنود کے مذہب میں گائے نہایت مقدس بلکہ دیوتا ہے، اور ان کے جذبات دلی گائے کی عظمت اور پرستش کی جانب مائل ہیں۔ پس لامحالہ ترک ذبح سے ہنود کی خوشی اور مسرت قلبی محض مذہبی حیثیت سے ہوگی، نہ اخلاق اور تمدنی حیثیت سے، کیونکہ ہمیشہ ان کی مانعت مذہبی حیثیت سے ہوا کرتی ہے، نہ تمدنی حیثیت سے چاہے مانعت برزور ہو یا خوشامد و تملق کے طور پر، پس جو لوگ ہنود کی خاطر داری سے متفق الرائے ہو کر ذبح بقر کو بند کر دیں گے تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ لوگ ہنود کے جذبات دلی کے پودے کو سرسبز و شاداب کرتے ہیں، اور اسلامی جذبات کو پامال و پٹہ مردہ،

پہلے شبہ کا جواب تو ہو چکا، اب دوسرا شبہ سنئے،

دوسرا شبہ، حضرت حاطب بن بلتہ کے واقعات پر اس واقعہ کو قیاس کرنا صحیح نہیں اس لئے کہ ان کی مجری ناجائز اور ضرر رساں تھی، اور ہمارا فعل یعنی ترک ذبح جائز اور غیر مضر ہے، کجا وہ اور کجا صحت میں تفاوت رہے از کجا است تا یہ کجا

جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ جائز و ناجائز سے کیا مراد، جواز و عدم جواز شرعی و نفس الامری، یا وہ کہ جس کو مرتکب فعل اپنے ذہن میں بطور فیصلہ کر کے سمجھے، اگر شق اول مراد ہے تو عدم جواز اور ضرر میں دونوں مشترک ہیں، جس طرح وہ مجری ناجائز و مضر اسی طرح متفق الرائے ہو کر شعار اسلام کو ترک کر دینا ناجائز و مضر، اور اگر شق ثانی مراد ہے تو جس طرح آپ نے ترک شعار اسلام کو مداراۃ ہنود کے لئے اپنے ذہن میں خود فیصلہ کر کے جائز سمجھ لیا، اسی طرح حضرت حاطب نے بھی اپنے فعل کو جائز غیر مضر سمجھ لیا تھا، دیکھئے وہ خود رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یوں بیان کرتے ہیں، وقد علمت ان کتابی لن یغنی عنہم رای اہل مکہ شیئا۔

تیسرا شبہ۔ اچھا، ہم اتفاق ہنود و مدارت غیر مذہب کا خیال چھوڑ کر دوسرے نقصانات جو متعارف ہیں، بلکہ بعض مضر تر ہیں ان کی بنا پر ذبح بقر چھوڑ دیں گے، اور اس قاعدہ پر عمل کریں گے اذا تعارض مقصدان دوعی اعظمہما ضرر اباد تکاب اخفہما کما فی الاشیاء۔

جواب۔ یہ شبہ مجتہد سے خارج ہے، آپ جب وہ نقصانات اور بعض کا مضر تر ہونا قوی دلائل سے ثابت کر کے دوسرا سوال پیش کریں گے، اس کا بھی شرعی جواب سن لیں گے، اس وقت اس شبہ کی ضرورت نہ ازالہ کی حاجت۔

باقی رہا منشاء مذایات ہنود یعنی اتفاق، اس سے کیا مراد ہے۔

اول :- اتفاق کل مسلمانوں کا کل ہنود سے۔
دوم :- یا اتفاق کل مسلمانوں کا بعض ہنود سے۔
سوم :- یا اتفاق بعض مسلمانوں کا کل ہنود سے۔
چہارم :- یا اتفاق بعض مسلمانوں کا بعض ہنود سے۔
یہ چار صورتیں ہوئیں، اور ہر ایک کی دو دو صورتیں ہیں، اتفاق دائمی یا اتفاق تا زمان محدث
کل آٹھ صورتیں ہیں، بالقرص اگر مان لیا جاوے کہ جملہ نزاعات و اختلافات فریقین کا قلع قمع فقط
تحرک بقرہ یعنی ہے، تاہم ان اتفاقات مذکورہ سے بجز ایک صورت کے کوئی مفید نہیں۔ وہ کون
صورت ہے، اتفاق کل مسلمانوں کا کل ہنود سے دائمی، اور ظاہر ہے کہ ایسا اتفاق عادتاً ممتنع الوجود
ہے،

..... پس نتیجہ یہ نکلا کہ جو اتفاقات ممکن ہیں اگر ان کا امکان عادتاً مان لیا جاوے، وہ مفید
نہیں، اور جو مفید ہے وہ عادتاً ممکن نہیں، اس لئے ایسے اتفاق کی بنا پر شعار اسلام کو چھوڑ دینا بتائے
فساد علی القاسم ہے۔ ہذا اما سندھ لی بالبال واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال وعندی
فلیکن شان المؤمن کما قال اللہ تعالیٰ یا ایہا الذین آمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم
اولیاء وجعلنا ما قال

البعیث بن حریش

وَلَسْتُ وَإِنْ قَرَّبْتُ يَوْمًا يَبَاحٍ
وَيَعْتَدُهُ قَوْمٌ كَثِيرٌ تَجَارَةً
خَلَّافِي وَلَا دِينِي ابْتِغَاءَ التَّحَبُّبِ
وَمِنْ عَنِّي عَنْ ذَاكَ دِينِي وَمَنْعِي

وہذا آخر الکلام فالحمد لله علی الاتمام انتہام هذه الرسالة المسماة بالاعتصام بمجمل
شعائر الاسلام والصلوة والسلام علی رسولہ سید الانام وعلی آلہ واصحابہ العزاکم
الی یوم القیام وانا عبده الراجی لطفہ الابدی ابوالنوار محمد عبد الغفار الحققی
النقشبندی الاعظمی المتوی، ۸ جمادی الاولی ۱۳۳۸ھ

الجواب صریح والمجیب نجیح

ذبح البقر کے متعلق مؤلف علام نے جو تحقیق کی اور قوی دلائل سے اس کا اسلامی شعار ہونا
ثابت فرمایا بہت صحیح ہے، اب اس سے زیادہ تحقیق کی چنداں ضرورت نہیں، میں بطور شہادت کے

فقط چار نامی علمائے لکھنؤ کی عبارتیں مجموعہ فتاویٰ جناب مولانا عبدالحی مرحوم و مغفور سے نقل کرتا ہوں، لکھنؤ فرنگی محل کے یہ چاروں مقدس علمائیں، ان کی عبارتیں یہ ہیں۔

اول۔ مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم و مغفور مجموعہ فتاویٰ جلد ۲۲۔ پس ہندو کی ممانعت تسلیم موجب ان کے اعتقاد باطل کی تقویت اور ترویج کا ہوگا، اور یہ کسی طرح شرعاً جائز نہیں اور ایضاً اور گاوکشی کے طریقہ کو کہ اہل اسلام کا طریقہ قدیم ہے ترک نہ کریں،
دوم۔ مولانا عبدالحلیم لکھنوی مرحوم و مغفور جلد ۲۲۔ بہر حال گاوکشی کو کہ شعار مسلمانوں ہے ترک نہ کریں۔ ۱۰

سوم۔ مولانا عبد الوہاب لکھنوی مرحوم و مغفور جلد ۲۲۔ فی الحقیقت قربانی گائے کی ملت اسلامیہ میں شعار اسلام سے واقع ہوئی ہے اس کا موقوف کرنا بسبب ممانعت ہنود و موجب معصیت ہے، بلکہ قائم رکھنے قربانی گائے میں مسلمانوں کو سعی و کوشش لازم ہے۔
چهارم۔ مولانا ابوالغنا محمد عبدالمجید صاحب لکھنوی عم فیضہ جلد ۲۲۔ اس آئین دیرین کو کہ شعار اسلام سے ہے ترک کرنا نہ چاہئے، بلکہ اس طریقہ کے ابقائیں سعی کرنا چاہئے۔ ۱۱
ان چاروں علماء کی تحقیق سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ ذبح گاو شعائر اسلام سے ہے اور اسلامی شعار کا چھوڑنا نہ ہنود کی خاطر داری اور دل جوئی کے لحاظ سے جائز ہے نہ ان کی ممانعت سے، ان کی رعایت وہیں تک کی جاسکتی ہے، جس کی شریعت میں اجازت ہو۔ جناب مولانا اثر علی صاحب دامت برکاتہم اپنی تفسیر بیان القرآن جلد ۱ میں تحریر فرماتے ہیں، اسلام کامل فرض ہو اور اس کا کامل ہونا جب ہے کہ جو امر اسلام میں قابل رعایت نہ ہو اس کی رعایت دین ہونے کی حیثیت سے نہ کی جاوے، اہم واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ احقر العباد محمد عبدالحق سیدواری عفی عنہ، حال مدارس انجمن اسلامیہ گوردکھپور۔

خلاصہ رسالہ

- (۱) گاو کی قربانی اور اس کا ذبح کرنا قرآن و حدیث و تعامل صحابہ و اجماع و قیاس و ثابت ہے۔
- (۲) گاو کا ذبح محض مباح ہی نہیں، بلکہ شعار اسلام سے ہے۔

لفہ مؤلف مجموعہ فتاویٰ و تالیفات کثیرہ ۱۲۔ ۱۳۔ یہ مولانا عبد الباری صاحب لکھنوی فرنگی محل کے والد ماجد تھے ۱۲۔ ۱۳۔ یہ فرنگی محل میں اب تک موجود ہیں ۱۲۔

(۳) چونکہ گاؤ کی قربانی اور اس کا ذبح شعائر اسلام سے ہے ہنود کے اتفاق اور خوشی کے لئے بند کرنا درست نہیں۔

(۴) گاؤ کی قربانی اور اس کے ذبح کو تمدنی اور اخلاقی حیثیت قرار دے کر چھوڑ دینا بھی درست نہیں۔

(۵) کسی فائدہ موموم کی بنا پر بھی اس کو ترک کر دینا درست نہیں،

(۶) اتفاق ہنود جو منشاء ترک قرار دیا گیا ہے، عادت ناممکن ہے۔

(۷) ذبح بقر کے شعائر اسلام ہونے پر نامی علمائے لکھنؤ فرنگی محل کی شہادتیں۔

لخصہ

محمدتین طالب علم مدرسہ انجمن اسلامیہ گورکھپور ناقل رسالہ ہذا،

الجواب الثانی الملقب بہ

تصلیۃ سقر لمانع تضحیت البقر

اقول وبہ نستعین، ہنود کی خوشامد اور ان کے خوشنود کرنے کے لئے گلے کی قربانی کا ترک کرنا یا مطلقاً ذبح گاؤ کو بند کرنا ہرگز جائز نہیں، کیونکہ ذبح بقر شعائر کفار ہے اور مسلمانوں کا جو کہ کرنا اس شعائر کفر کی تردید میں اعانت ہے، اور کسی شعائر کفر کی تردید میں مسلمانوں کی اعانت جائز نہیں ہے۔ دوسرے گواہی جمل محض اس کو مصلحت وقت سمجھ کر چھوڑا جاتا ہے، لیکن اس کے شیوع کے بعد نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمان کے عقیدوں میں خلل آ جاوے گا۔ اور وہ بھی اس کو مثل ہنود کے برا سمجھنے لگیں گے، اور یہ امر شرعاً مذموم ہے جس سے بچنا واجب ہے اس لئے جو امر مذموم کی طرف مفضی ہو اس سے بچنا بھی شرعاً واجب ہے، کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ ہندوؤں کے اختلاط نے نکاح بیوگان پر کیا اثر کیا ہے، اور علماء کو اس رسم قبیح کے مٹانے میں کس قدر وقیف اٹھائی پڑی ہیں اور ایک نکاح بیوگان ہی پر کیا خصوصیت ہے، اور بہت سی ہنود کی رسمیں ہیں جو مسلمانوں میں رائج ہو گئی ہیں جن کے مٹانے کے لئے علماء برسوں سے کوشش کر رہے ہیں، مگر اب تک ان کو پوری کامیابی نہ ہوئی، پس اگر طریقہ گاؤ کشی متروک ہو گیا تو اس کا اثر دوسری رسوم سے زیادہ برا ہوگا، اس لئے اس میں کسی مسلمان کو حصہ نہ لینا چاہئے، تیسرے بہت سے غریب مسلمان ہیں

جو مستقل طور پر پیکر انہیں کر سکتے، بلکہ چند آدمی مل کر ایک گائے ذبح کر لیتے ہیں پس اگر طریقہ گاؤ کشی کو بند کیا گیا تو ان کو نقصان پہنچے گا، چوتھے بہت سے لوگ گائے کے گوشت کے شائق اور عادی ہیں پس گائے کشی کے انسداد میں سعی کرنا ان کو جبراً ان کے جائز حق سے محروم کرنا ہے، پانچویں اگر آج ان لوگوں کی خواہش سے جو صرف گائے کے ذبح کو برا سمجھتے ہیں، گائے کے ذبح کی مانعت کی گئی تو کل کو ہندوؤں کا دوسرا فرقہ جو مطلقاً قتل حیوانات کو برا سمجھتا ہے، ان کی خواہش سے مطلقاً قربانی اور گوشت خواری ترک کرنی پڑے گی اور اس کا ضرر ظاہر ہے، چھٹے اگر اس ضرر کو بھی بالفرض برداشت کر لیا جاوے تو ہندوؤں کو ہماری اذیتیں اور نمازیں اور مسجدیں، بلکہ ہمارا مسلمان ہونا بھی برا معلوم ہوتا ہے، لہذا ان کی خاطر سے ان سب کو بھی خیر باد کہنا پڑے گا، ساتویں گواؤ جمل یہ کہا جاتا ہے کہ ہم ذبح بقر کو ناجائز نہیں سمجھتے، لیکن اس رسم قبیح کے جاری ہونے کے بعد اگر ایک دہاکہ کے بعد مسلمانوں کے عقیدوں میں مزہزل آگیا اور علماء کو اصلاح عقیدے کے لئے کھلچ بیوگا کی طرح اس سنت کے اجبار کی ضرورت ہوئی تو پھر اس مردہ سنت کا جلاتا ناممکن ہوگا، کیوں کہ ہندو اس میں مزاحمت کریں گے، اور جاہل مسلمان ان کے مددگار ہوں گے، الغرض ہندوؤں کے ساتھ ایسا اتفاق ہرگز جائز نہیں، جس سے کسی اسلامی عقیدے میں خلل آئے گا اندیشہ ہو یا کسی شمار اسلامی میں خلل پڑے یا دوسرے مسلمانوں کو اس سے کسی قسم کا نقصان پہنچے یا اس میں کسی شمار کفر کی ترویج ہو، اور گاؤ کشی کے ترک میں یہ سب باتیں موجود ہیں، اس لئے اس میں ہندوؤں کی موافقت کسی طرح جائز نہیں، بلکہ اس میں زوال ایمان کا اندیشہ ہے، لہذا مسلمانوں کو کوشش کرنا چاہئے کہ مسلمانوں کا ایک طریقہ جو ابتداء اسلام سے چلا آرہا ہے اس کو قائم رکھنے میں امکانی کوشش کریں، اور نا عاقبت اندیش اور نادان دوستوں کی بظاہر خوشنما تقریروں اور تحریروں سے ہموکا نہ کھاویں، گاؤ کشی اور قربانی کا وکاس بدلتا نہیں ہے۔ بلکہ پہلے بھی ہندوؤں نے اس میں کوشش کی ہیں۔ مگر اگلے علماء نے اس کی ہرگز اجازت نہیں دی۔ اس وقت چند علماء فرنگی محل کے فتویٰ نقل کئے جاتے ہیں، تاکہ مسلمانوں پر اس مسئلہ کی اہمیت ظاہر ہو، چنانچہ جناب مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی فرنگی محلی تحریر فرماتے ہیں،

”یہ ایک طریقہ قدیمہ ہے، زمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و تابعین و جملہ سلف صالحین سے تمام بلاد و امصار میں اس کی اباحت پر اجماع و اتفاق ہے تمام اہل اسلام کا ایسے امر شرعی مانور قدیم سے اگر ہنود روکیں، اور بنظر تعصب مذہبی منع کریں تو مسلمانوں کو اس سے باز رہنا نہیں

درست ہے، بلکہ ہر گاہ ہنود ایک امر شرعی قدیم کے ابطال میں کوشش کریں اہل اسلام پر واجب ہے کہ اس کے ابقا و اجراء میں سہی کریں، اور اگر ہنود کے کہنے سے اس فعل کو چھوڑیں گے تو گنہگار ہوں گے۔
بقدر حاجۃ منقول از صفحہ ۲۸۳ جلد ثانی مجموعہ فتاویٰ۔

اور جناب مولوی عبدالوہاب صاحب والدین رگوار مولوی عبدالباری صاحب لکھنؤی فرماتے ہیں،

”فی الواقع جن بلاد میں رواج گاؤ کشی بے قصد فتنہ و فساد کے جاری رہا اور اب کوئی قوم ہنود سے مانع ہے ان بلاد میں مسلمانوں کو رسم گاؤ کشی کے باقی رکھنے میں کوشش لازم ہے“ اہ بقدر الحاجۃ فتاویٰ مذکورہ صفحہ مذکور،

اور جناب مولوی عبدالحلیم صاحب فرنگی محلّی تحریر فرماتے ہیں۔

”جن بلاد و امصار و قصبات و قریات و دیہات و مواقعات ہندوستان میں رواج گاؤ کشی کا طریقہ قدیم ہے بلا قصد فتنہ و فساد قدیم الایام سے چلا آیا ہے، اور اب کوئی ہندو پیاس تعصب مذہبی مانع و مزاحم ہے، ایسے مواقع میں مسلمانوں کو پیاس حمت اسلامی ابقا، رسم گاؤ کشی میں کوشش بلیغ لازم ہے نہ یہاں ترک نہ کریں، اور فقرہ منقول عنہا سے یہ مراد نہیں ہے کہ تقلید و اتباع ہنود میں قطعاً گاؤ کشی کہ مانور قدیم ہے اور جس کی اباحت پر اجماع و اتفاق جمیع اہل اسلام کا از سلف تا خلف رہا ہے اور رہے گا، ممانعت و مزاحمت ہنود سے ترک ہو جاوے معاذ اللہ من ذلک، و ہر گاہ فی زمانہ ہنود اہل اسلام سے تعصب مذہبی و عداوت بہت ہے، کہ شعار اسلامیہ سے روکتے ہیں پس دریں صورت مسلمانوں کو پیاس حمت اسلامی روکنے سے ہنود کے واسطے قربانی گاؤ کھانے گوشت کھانے کے طریقہ مانورہ قدیم ہے رکت نہ چاہئے۔ اور ان کی ممانعت کو تسلیم نہ کرنا چاہئے، بہر حال گاؤ کشی کو کہ شعار مسلمانی ہے ترک نہ کریں، احیاناً انکی متارعت میں احتمال فساد فیما بین ہو تو بذریعہ حکام وقت دفع کرنا اس کا بابقا رواج قدیم واجب ہے، اور خوف فساد ہنود قربانی گاؤ سے لوگ باز نہ رہیں، اس میں کوشش بلیغ کو کام فرماویں ورنہ گنہگار ہوں گے۔ ان ینصر کما اللہ فلا غالب لکما اللہ غالب علی امۃ ھد اکما اللہ الی سواء السبیل“ فتاویٰ مذکور، نیز مولوی عبدالحی صاحب دوسرے فتویٰ میں تحریر فرماتے ہیں۔

از انجا کہ کھانے کے ذبح کرنے کا جواز قرآن و حدیث سے ثابت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے زمانہ آنحضرت میں اور بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کو ذبح کیا اور اس کے گوشت کے

حلال ہونے پر اور ذبح کے جائز نہ ہونے پر خواہ بروز عید ہو یا کسی اور روز ہوا اتفاق ہو تمام مسلمانوں کا کوئی مسلمان اس کے جواز و حلت میں شبہ نہیں کرتا ہے، بنا علیہ جب کوئی مسلمان عید الضعی کے روز خواہ کوئی اور روز گائے ذبح کرے اور کوئی ہندو نظر اپنے مذہب کے اس کو روکے تو مسلمان کو باز آنا نہیں درست ہے، اور ہندوؤں کی ممانعت کو جو مبنی ہے اس کے اعتقاد باطل پر تسلیم کر لیا نہیں جائز ہے، ہماری شریعت میں بہ نسبت اور جانوروں کے گائے کی کچھ بھی عظمت نہیں ثابت ہے، بلکہ یہ مثل اور جانوروں کے جواز ذبح میں ہے، جو شخص اس کی عظمت کا خیال کرے اس کے اسلام میں فتور ہے، پس ہندوؤں کی ممانعت کو تسلیم کرنا موجب ان کے اعتقاد باطل کی تقویت اور ترویج کا ہوگا، اور یہ کسی طرح شرعاً جائز نہیں ہے، الی آخر اقبال، مجموعہ فتاویٰ جلد دوم صفحہ ۲۸۵، اس کی تائید اپنے الفاظ میں مولوی عبدالحلیم صاحب نے بھی فرمائی ہے، دیکھو مجموعہ فتاویٰ صفحہ ۳۸۶ جلد دوم، اور مولوی عبدالوہاب صاحب پیر مولوی عبدالباری صاحب نے اس کی تائید میں یہ عبارت تحریر فرمائی ہے۔

”فی الحقیقت قربانی گائے کی ملت اسلامیہ میں شعار اسلام سے واقع ہوئی ہے، اس کا موقوف کرنا بسبب ممانعت ہندو موجب معصیت ہے، بلکہ قائم رکھنے قربانی میں مسلمانوں کو سعی و کوشش لازم ہے، مجموعہ فتاویٰ جلد دوم، اسی مضمون کی تائید مولوی عبدالمجید صاحب فرنگی علی و مولوی محمد نعیم صاحب و مولوی محمد اکرم صاحب نے بھی اپنے الفاظ میں فرمائی ہے، دیکھو مجموعہ فتاویٰ جلد دوم صفحہ ۲۸۵، چونکہ یہ تمام مضامین مجموعہ فتاویٰ میں مطبوع ہو چکے ہیں اس لئے ان کی عبارات کو نقل کرنا موجب تطویل سمجھ کر ترک کیا گیا جس کا جی چاہے مجموعہ فتاویٰ میں دیکھ لے۔

خلاصہ ان تمام فتاویٰ کا یہ ہے کہ کسی ہندو کی خاطر سے کسی ایک شخص یا کسی ایک مقام پر قربانی کا ترک کرنا جائز نہیں ہے چہ جائے کہ تمام ہندوستان سے اس شعار اسلامی کو مٹا دیا جاوے، نعوذ باللہ منہ جو لوگ اس شعار اسلامی کے مٹانے میں ساعی ہیں ان کے استدلال کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ گاؤں کی شریعتاً مباح ہے نہ کہ واجب اس لئے اس کا چھوڑنا جائز ہے، لیکن ان لوگوں کو اتنی خبر نہیں کہ اگر کوئی مباح کسی معصیت کا ذریعہ بن جاوے تو وہ حرام ہو جاتا ہے، پس ترک گاؤں کی شریعتاً مباح اسلام کا مٹانا اور ایک شعار کفر کی ترویج اور مسلمانوں پر ناجائز دباؤ و مجرہ ہیں کیونکہ ترک جائز ہوگی دیکھئے جس طرح قربانی کا ذبح واجب نہیں ہے یوں ہی ہفتہ کے روز مچھلی کا ذبح بھی واجب نہیں ہے، مگر جس وقت حضرت عبدالستین ملام وغیرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین یہودیت کو چھوڑ کر مسلمان ہوئے تو

انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہم کو رہائش دے دیجئے کہ ہم ہفتہ کے ساتھ وہی معاملہ کریں جو ہم یہودیوں کے زمانہ میں کیا کرتے تھے یعنی ہم اس روز بھلی کا شکار نہ کریں، اس پر آیت یا ایہا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافراً ولا تتبعوا خطوات الشیطن انہ لکم عدو مبین نازل ہوئی، کما فی الدر المنثور۔ جس میں ان کو بتلایا گیا ہے کہ اسلام لاتے کے بعد شکار یہود کا اتباع خلاف اسلام اور اتباع شیطان ہے، گو وہ اتباع صرف درجہ عمل میں ہو نہ کہ درجہ اعتقاد میں، پس جب کہ اسلام کے بعد بہت سی عملی تنظیم یعنی اس روز قصداً بھلی کا شکار نہ کرنا خلاف اسلام اور اتباع شیطان ہوا، حالانکہ تعظیم بہت ایک وقت میں مامورین الشرہ چلی ہے، تو ترک گاؤ کشی بقصد موافقت ہندو کیسے جائز ہو سکتی ہے، پس اگر ایک شخص بھی اس قصد کو گاؤ کشی چھوڑے گا تو سخت گنہگار ہوگا، چہ جائیکہ تمام مسلمان گاؤ کشی چھوڑ کر عملاً ہندو بن جائیں مسلمانوں کو ہرگز ایسی جرأت نہ کرنی چاہئے اور ایسے خیالات سے توبہ کرنی چاہئے، مسلمانوں کے لئے کس قدر غیرت اور شرم کی بات ہے کہ ہندو کافر ہو کر اس کو جائز نہیں رکھتے کہ وہ مسلمانوں کی خاطر اپنے غلط خیال یعنی قبیح گاؤ کشی سے دست بردار ہو جائیں یا کم از کم مسلمانوں سے اس بارہ میں تعرض نہ کریں، اور مسلمان باوجود حق پر ہونے کے ہندوؤں کی خاطر اپنے ایک جائز طرز عمل کو چھوڑ کر جس کا جواز قرآن میں یضمن ومن الابل اثین ومن البقر اثین قتل الذکرین حرم ام الاثنین اما اشمیت علیہ ارحام الاثنین ام کنتہ شہداء اذ وصاکم اللہ بھذا الایۃ مذکور ہے ان جلیہ بن جاویں افسوس صد افسوس، اس سے بھی زیادہ عجیب بات اور سنئے، اگر ہندو یہ کہیں کہ ہم تم سے اس وقت اتفاق کریں گے جب تم اپنی جائدادیں اور مکانات وغیرہ ہم کو دیدو یا اپنے حقوق سے جو حکومت میں تم کو حاصل ہیں دست بردار ہو جاؤ تو یہی لوگ جو اس وقت گاؤ کشی کے ترک میں ساعی ہیں کبھی اس صلح پر رضا مند نہ ہوں گے تو کیا شعار اسلامیہ اور احکام الہیہ کی اتنی بھی وقعت نہیں جتنی کہ جائدادوں اور زمینوں وغیرہ کی کہ ان کو دے کر ہندوؤں سے صلح کی جاتی ہے، گو اس قدر تحریر ترک گاؤ کشی کے عدم جواز کے لئے کافی ہو مگر بعض دیگر ضروری مضامین کا افادہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے، سو واضح ہو کہ جس طرح ہندوؤں نے گائے کو جو متجانب اللہ حلال ہے، اپنی طرف سے حرام کر رکھا ہے یوں ہی مشرکین مکہ نے بعض جانوروں کو اپنی طرف سے حرام کر رکھا تھا، حق سبحانہ اس تحریم ناجائز کی تردید فرماتے ہیں، اور کہتے ہیں۔ یا ایہا الناس کلوا مما فی الارض حلالاً طیباً ولا تتبعوا خطوات الشیطان

انہ لکم عدو مبین، انہایا مکرہ بالسوء والفحشاء وان تقولوا علی اللہ ما لاتعلمون
 پس اس آیت میں جس طرح مشرکین مکہ کو حکم ہے کہ تم اپنی طرف سے حلال کو حرام کر کے شیطان کا اتباع
 اور خدا پر افتراء مت کرو، یوں ہی ہندوؤں کو بھی حکم ہے کہ تم گاؤ کشتی کو ناجائز بتلا کر شیطان کی
 پیروی اور خدا پر بہتان نہ باندھو، چونکہ خدا نے اس کو حلال کیا ہے، اس لئے تم بھی حلال سمجھو
 اور کھاؤ پس جبکہ خود ہندوؤں کو یہ حکم ہے، کہ اس کو حرام نہ سمجھیں اور اس کے ساتھ حرام کا سا
 معاملہ نہ کریں، تو مسلمانوں کو کب اجازت ہو سکتی ہے کہ وہ ہندوؤں کی موافقت کر کے عملاً
 افتراء علی اللہ اور اتباع شیطان میں حصہ لیں، اور سنئے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے راہبوں کی روش کا اتباع
 کرتا چاہا تھا، اور گوشت خوری اور نکاح وغیرہ کے ترک کا عزم کر لیا تھا، جناب رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس روش کو ناپسند فرمایا، اور فرمایا کہ کیا ہو گیا ہے لوگوں کو کہ وہ
 ایسا ایسا کہتے ہیں، میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، سوتا بھی ہوں اور قیام
 لیل بھی کرتا ہوں، گوشت بھی کھاتا ہوں، اور نکاح بھی کرتا ہوں (میری سنت یہ ہے) پس جو
 میری روش کو چھوڑے وہ مجھ سے نہیں ہے، اخرجہ البخاری و مسلم کما فی الدال المنثور اور عکرمہ
 وقنادہ سے مروی ہے، کہ اسی واقعہ میں یہ آیت نازل ہوئی: یا ایہا الذین امنوا لا تحموا
 طیبات ما احل اللہ لکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین، اب غور کا مقام ہے
 کہ گوشت خوری وغیرہ تمام امور مباحہ ہیں، واجب ان میں ایک بھی نہیں، مگر عزم ترک
 علی الدوام پر جو کہ عملی تحریم ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو کس قدر
 ڈانٹا اور حق سبحانہ نے کیسی تنبیہ فرمائی، پس جبکہ صحابہ عزم ترک مباحات علی الدوام پر
 جو کہ عملی تحریم ہے ملامت کے مستحق ہوئے تو جو لوگ اصرار ہندو کے لئے گائے کی عملی تحریم
 میں ماعی ہوں وہ کس درجہ حق سبحانہ کے یہاں معتب اور ملام ہوں گے، خدا محفوظ رکھے
 جہل سے، اور لیجئے مشرکین نے کچھ مسلمانوں کو بہکایا تھا کہ تمہارے یہاں یہ مسئلہ ہے کہ اگر
 کوئی جانور اپنی موت مر جاوے تو حرام ہے اور جس کو تم ذبح کرو وہ حلال ہے آخر یہ کیا بات
 ہے کہ جس کو خدا مارے وہ حرام اور جس کو تم مارو وہ حلال، بعض کفر و مسلمان اس دھوکہ
 میں آ گئے، حق سبحانہ ان کو تنبیہ فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں مالکم ان کلتا کلوا مما ذکر اسم
 اللہ علیہ وقد فصل لکم ما حرم علیکم الخ جس کا حاصل یہ ہے کہ جس چیز کو خدا نے
 تمہارے لئے حلال کر دیا ہے تم بھی اعتقاداً و عملاً اس کو حلال سمجھو، اور مشرکین کے

میں نہ آؤ، پس مسلمانوں کے لئے کب جائز ہوگا کہ وہ ہندوؤں کی نفرت کو متاثر ہو کر جس کو خدا نے حلال کیا ہے اس کو عملاً اپنے اوپر حرام کر لیں، اور سنئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من صلی صلوٰتہ واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذلک المسلم الذی لہ ذمتہ واللہ وذمتہ رسولہ فلا تخفروا اللہ فی ذمتہ رواہ البخاری دیکھئے اس حدیث میں صلوٰۃ واستقبال قبلہ کے ساتھ اکل ذبیحہ مسلم کو بھی شعائر و علامات اسلام سے قرار دیا ہے، پس اگر کوئی اس کا اہتمام کرے کہ میں مسلمان کا ذبیحہ نہ کھاؤں گا تو وہ ایک شعار اسلام کا تارک ہوگا، حالانکہ اکل ذبیحہ مسلم فی نفسہ واجب نہیں یوں ہی گو ذبح بقر فی نفسہ واجب نہ ہو مگر چونکہ شعار اسلام ہے اس لئے اس کا باقی رکھنا واجب ہے، اگر کوئی ایک شخص بھی اس کے ترک کا عزم و اہتمام کرے گا تو وہ شعار اسلام کا تارک ہو جائے گا، چہ جائیکہ پوری قوم اور پورا ملک اس کا اہتمام کرے، اور اس کو مطلقاً ترک کر دے۔

پس خلاصہ یہ ہے کہ گائے کا گوشت کھانا اور اس کا ذبح کرنا خواہ قربانی کے لئے ہو یا فقط کھانے کے لئے اور روئے قرآن و حدیث جائز ہے، اور ہندوؤں کی خوشامد میں اس کا ترک کسی حال میں ایک شخص کے لئے بھی جائز نہیں چہ جائیکہ تمام ملک کے لئے، پس جو اس میں ساعی ہوگا وہ ایک شعار اسلام کے مٹانے اور شعار کفر کے رواج دینے اور گافہ پرستی کا عقیدہ مسلمانوں کے دلوں میں جماتے اور ماحل الشک کے عملاً تحریم اور اتباع شیطان و افتراء علی اللہ کا مجرم ہوگا، لہذا مسلمانوں کو ایسے فعل سے احتراز واجب ہے، ہندوؤں کے ساتھ اتفاق کی یہی صورت نہیں کہ مسلمان گاؤں کشتی چھوڑ دیں۔ بلکہ اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ مسلمان اپنے مذہبی شعار پر قائم رہیں، اور ہندو اپنے شعار مذہبی کو قائم رکھیں، یعنی خود گاؤں کشتی نہ کریں، مگر مسلمانوں کی حرمت نہ کریں، اور اگر ہندو اس پر رضامند نہ ہوں تو پھر مسلمانوں کو صاف کہہ دینا چاہئے۔ یا ایہا

الکافرون لا اعبد ما تعبدون ولا انتقم عابدون ما اعبدوا ولا انا عابد ما عبدتم ولا انتقم عابدون ما اعبدوا لکم دینکم ولی دین، کیونکہ مسلمان آزاد نہیں ہیں کہ اپنی مرضی سے اور اپنے خیالی و وہمی منصوبوں کی بنا پر جس سے چاہیں صلح کر لیں، اور جس سے چاہیں جنگ کر لیں، اور جن شرائط پر چاہیں اتفاق کر لیں، بلکہ وہ خدائی فتاویٰ کے ماتحت ہیں اور وہ جو کچھ بھی کر سکتے ہیں، قانون الہی کے تابع ہو کر کر سکتے ہیں، اور قانون الہی ان کو ترک گاؤں کشتی بغرض ارضاء ہندو کی اجازت نہیں دیتا، لہذا ان کو اس میں ہندوؤں کی موافقت جائز نہیں ہے، اور وہ اس کے خلاف کریں گے تو

آخرت میں سخت سزا کے مستحق ہوں گے، اور دنیا میں جو کچھ رسوائی اور ذلت ہوگی، وہ الگ ہے سخت افسوس کی بات ہو کہ اگر خدا کسی مسلمان کو دنیوی وجاہت عطا کرتا ہے، اور کچھ لوگ اس کو بڑا ماننے لگتے ہیں تو وہ حمایت اسلام کے پردہ میں پہلا وادرا اسلام پر کرتا ہے، اور اس کی شاخیں کاٹ کر پھینکنا شروع کرتا ہے، بلکہ جڑ تک اکھاڑنے کی کوشش کرتا ہے، برخلاف ہندوؤں کے کہ جہان کو اپنی قوم میں مقبولیت ہوتی ہے تو وہ مخالفت سی یا موافقت سے جس طرح بن پڑتا ہے اپنے مذہب کو تقویت پہنچانے کی فکر کرتے ہیں، پس مسلمانوں کو خدا و رسول سے شرمنا چاہئے، اور ہرگز کوئی کارروائی اسلام کے خلاف نہ کرنی چاہئے، سنا گیا ہے کہ بعض مقامات پر بعض لیڈران ہندو کے خوش کرنے کے لئے جاہل مسلمانوں نے اپنے ماتھوں پر تلک لگائے، اور بعض دیگر مقامات پر دیگر کفریات کا ارتکاب کیا، پس جبکہ ابتدائے اتفاق میں مسلمانوں کی یہ حالت ہو کہ ماتھوں پر کفر کے نشانات لگاتے ہیں۔ اور دیگر کفریات میں ہندوؤں کی شرکت کرتے، اور شعائر اسلام کو مٹاتے اور شعار کفر کو رواج دیتے ہیں تو آگے چل کر ان کی کیا حالت ہوگی، غرض کہ یہ واقعات نہایت خطرناک ہیں، اور ایک سخت امتحان کا مقام ہے، مسلمانوں کو نہایت احتیاط اور حزم سے کام لینا چاہئے اور اسلام کے نادان دوستوں یا ہوشیار دشمنوں کے خطرہ سے اپنا آپ کو بچانا چاہئے، یاد رہے کہ حقیقی عزت آخرت کی عزت ہے جس کا بدون حق سبحانہ کو خوش رکھے حاصل ہوتا ناممکن ہے، یہی دنیاوی عزت سوا دل کو وہ کوئی چیز نہیں، اور اگر کچھ ہو بھی تو وہ بھی حق سبحانہ کے قبضہ میں ہے، تم ہزار ہندوؤں کی خوشامد کرو اور دنیا کے لئے دین برباد کرو مگر خدا تم کو عزت نہ دینا چاہیں تم کچھ نہیں کر سکتے، اور یہی ہندو جن کی خاطر آج اسلام کی بیخ کنی کی جا رہی ہے، وقت پر تم کو ذلیل کرنے کیلئے آمادہ ہو جائیں گے، پس مسلمانوں کو اپنے اسلام کی بچاؤ کی فکر چاہئے نہ کہ دنیاوی عزت اور رضا، ہندو کی اور ان ینصر کہ اللہ فلا غالب لکم وان یخذ لکم فمن ذا الذی ینصرکم من بعدہ کو پیش نظر رکھنا چاہئے، ہاں اگر اسلام کو محفوظ رکھ کر اور جائز تدبیر سے دنیوی عزت بھی حاصل ہو جاوے تو مضائقہ نہیں، مگر دنیاوی عزت کے واقعی یا خیالی منصوبوں کی بنا پر اسلام کو ضرر پہنچانا اور افعال کفریہ کا ارتکاب کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا، حق سبحانہ ایسے ہی دین فروش اور دنیا خرید لوگوں کی نسبت فرماتے ہیں۔ ایتبتغون عندہم العزۃ فان العزۃ لله جمیعاً وما علینا الا البلاغ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ الرجبی رحمتہ العمد جلیل احمد الکیر النومی مقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

التماس از اشرف علی

اس وقت دینی ضرورت ہے کہ ان جوابوں پر علماء سے دستخط کر کے مسلمانوں میں بکثرت شائع کریں، چنانچہ لوگوں کے خیال میں منسوب الی العلم ہونے کے سبب میں بھی ذیل میں دستخط کرتا ہوں۔
 احقر اشرف علی تھانوی نے یہ دونوں جواب دیکھے، بالکل صحیح اور حق صریح ہیں، قابل غور امر ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد یحلفون باللہ لکم لیرضو کہ واللہ ورسولہ الحق ان یرضوہ ان کانوا مومنین، اور ارشاد ہے۔ یحلفون لکم لیرضو اعنہم فان ترضوا عنہم فان اللہ لا یرضی عن القوم الفاسقین، ان دونوں آیتوں میں تصریح ہے کہ اللہ ورسول کو ناراض کر کے جب مسلمانوں کو راضی کرنا بھی موجب عقاب و عقاب ہے تو اللہ ورسول کو ناراض کر کے کافروں کو راضی کرنا تو کس طرح موجب عقاب و عقاب نہ ہوگا، اس امر کو خفیہ نہ سمجھیں، اس کا شدید ہونا دلائل شرعیہ و ثبوت ہو چکے، تحبیونہ ہینا وھو عند اللہ عظیم، اس فتاویٰ پر عمل کرنا واجب ہے، اور اس کی مخالفت حرام ہے۔

تصحیح دیگر علماء

احقر نے دونوں رسالوں کو دیکھا، بجا اللہ دونوں جواب صحیح اور اثبات مدعا میں کافی وافی ہیں، بیشک گائے کے ذبح کرنے کو ترک کر کے جو کہ شعار دین سے ہے ہنود کی موافقت کو اور اللہ اور رسول کی مخالفت کو کوئی مسلمان گوارہ نہیں کر سکتا،

کتبہ انوار الحق امروہوی، مدرسہ امداد العلوم تھانوی
 بعد الحمد والصلوة یہ محتاج رحمت رب احد احقر الوریٰ بندہ ظفر احمد عفا اللہ عنہ عرض کرتا ہے کہ میں نے رسالہ تصلیہ سقر کو بالتفصیل اور دوسرے رسالہ کو بالاجمال دیکھا، بجا اللہ دونوں جواب صحیح اور مقصود کی توضیح میں کافی و وافی ہیں، اللہ تعالیٰ مجیبین کو جزائے وافر عطا فرماویں، جماعت علماء کو اس وقت اس رائے کا شدت کے ساتھ مقلد اور رد کرنا واجب ہے، جو بعض اتفاق پر تنویر نے ظاہر کی ہے کہ مسلمانان ہند کو گائے کی قربانی ترک کر دینا چاہئے، یہ لوگ محض ہنود کی خوشامدے ایک اسلامی شعار کو باطل کرنا چاہتے ہیں۔ واللہ متمن نوره و نوکرة الکافرون یحلفون لکم لیرضو عنہم فان ترضوا عنہم فان اللہ لا یرضی عن القوم الفاسقین، حق تعالیٰ دین اسلام کی نصرت کے لئے ہر زمانہ میں ایک جماعت کو کھڑا کر دیتے ہیں جو شعائر اسلامی کی حفاظت کرتی ہے، اس لئے

جماعت اہل حق کو اس وقت شعار اسلامی کی حفاظت کے لئے کھڑا ہونا چاہئے اور تقریر و تحریر سے اس رائے کی پوری تردید کرنا چاہئے، بھلا جس اتفاق کی ابتداء اسلامی شعار کے ابطال سے ہو اس میں فلاح و برکت کب ہو سکتی ہے، ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزاً عظیماً والسلام، ۲۰۔ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۵ھ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔

ابا بعد الحمد والصلوة احقر اہل الزمن احمد حسن ملتس خدمت ناظرین ہے کہ صورت مسئلہ میں گناہ کا وزن کتنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ علاوہ مخالفت شعار دین کے اخلاق مامور بہا کے بھی خلاف ہے، جس کا آجکل کے مہذبین نے بڑے زور سے دعویٰ کیا ہے، کیونکہ یہ ایک سخت بے شرمی ہے اور غیرت اسلامی اس خوشامد کی ہرگز اجازت نہیں دیتی اور حیا سے ہاتھ اٹھالینا گوارا ہو تو اختیار ہے، جو دل چاہے کیا جاوے، فقد قال صلی اللہ علیہ وسلم ان مما احذرك الناس من كلام النبوة الاولى اذ لم تستحي ناصنع ما شئت رواه البخاري اور نیز یہ خوشامد غایت پست ہمتی ہے، اور پست ہمتی حق تعالیٰ نیز مخلوق کو ناپسند ہے فقد روى الطبراني في الكبير عن السيد الحسن بن علي مرقوعا ورجاله ثقات كما في العريزي ان الله تعالى يحب معالي الامور واشرفها ويكره سفسافها اه نیز یہ امر مخلوق سے طع بھی ہے، اور طامع محبوب عند الناس نہیں ہو سکتا فقد ذوى ابن ماجه وغيره وسنداه حسن كما في بلوغ المرام عن سهل بن سعد قال جاء رجل الى النبي صلی اللہ علیہ وسلم فقال يا رسول الله دلني على عمل اذا عملته احبني الله واحبني الناس فقال انزه في الدنيا يحبك الله وازهد فيما عند الناس يحبك الناس اه حاصل یہ ہے کہ بے شرمی اور پست ہمتی اور افعال ناپسندیدہ عند الخالق والمخلوق کا ارتکاب کر کے مقصود پورا ہونے کی ہرگز امید نہیں، لہذا ہر مسلمان کو اتباع شریعت بطریق کمال اختیار کر کے حق تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا چاہئے اور شیطانی وساوس کے اتباع کو ترک کرنا چاہئے۔ کتبہ احمد حسن (تمتہ خامسہ ص ۱۲۷)

علم وادب چرم قربانی | سوال (۶۵۴) کسی معلم کو قربانی کی کھال بطور تصدق دیدی جاوے اور معلم را تبرعاً وہ معلم ملازم نہ سمجھا جاوے، کوئی فتاویٰ اور دور ملازمت کا دم برتا جاوے بلکہ اس کی خوشی پر رکھا جاوے اور وہ علم غریب کی حالت میں ہوا اور متوکل ہو، اور متعلین بھی غریبا مساکن ہوں تو یہ صورت جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب، اگر یہ معلم باکل کام نہ کرے تب بھی دینے والے اس کو دیں گے یا نہیں،

۲۶۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ (تمتہ خامسہ ص ۱۲۰)

سوال (۶۵۵) اور اگر مویشی کی کھال جل جانے کی وجہ سے اس پر جواز قربانی جائز ہوئے سوختہ |
 بال نہ جے ہوں اور زخم و غیرہ نہ ہو اور تمام اعضا صحیح و سالم ہوں تو ایسے مویشی کی قربانی درست یا نہیں
الجواب، صریحاً جزئیہ تو بلا نہیں مگر دو جزئیے اور ملے ان سے ان کی قربانی کا بھی جواز معلوم
 ہوتا ہے۔ فی العالمگیریہ وکذا (ای تجزی) المجزوءۃ وہی التي جزئ صوفها کذا فی فتاویٰ قاضی خان
 و فیہا تناسل شرع الاضحیۃ فی غیر وقتہ يجوز اذا کان لها تنقی ای من کذا فی القنیۃ ج ۲ ص ۲۳
 ۶، ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ (تمتہ خامسہ ص ۱۷۱)

سوال (۶۵۶) ایک گھر میں چند آدمیوں کی جانب سے قربانی ہوتی
 درجائے برائے ملت قربانی ہے آیا ایک شخص نماز عید پڑھ کے سب کی جانب سے قربانی کر سکتا ہے اور
 اگر نماز کسی نے بھی نہیں پڑھی مگر شہر کی کسی مسجد میں عید کی نماز ہو گئی ہو اس صورت میں بغیر نماز
 پڑھے قربانی کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب، فی الدر المختار واول وقتها الی قولہ بعد سبق صلوۃ عید و لو قبل
 الخطبۃ لکن بعدھا احب، فی رد المحتار ووضعی بعد ما صلے اهل المسجد ولم یصل اهل
 الجیانۃ اجزاء استحسنانا لانها صلوۃ معتبرۃ حتی لو اکتفوا بها اجزائہم وکذا عکسہ ۵۶
 اس سے ثابت ہوا کہ خود مضمی کا نماز عید سے فارغ ہونا شرط نہیں ہے، جواز اضحیہ کی بلکہ مسجد یا
 عید گاہ میں نماز ہو چکنا کافی ہے، اس لئے سوال کی دونوں صورتوں میں قربانی جائز ہو گئی،
 ۶، ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۰۱)

سوال اول (۶۵۷) قربانی زید پر واجب ہے مگر وہ اس لئے
 بسبب قربانی کردن غیر اطفان | قربانی پر اپنا روپیہ صرف نہیں کرتا کہ اسے یہ علم ہے کہ عمر میری پنجاب سے
 تبرعاً قربانی کر دے گا اگر واقعی عمر قربانی کر دے، تو زید کے ذمہ سے قربانی ادا ہو جائے گی؟

الجواب، فی العالمگیریہ ووضعی بشاۃ عن غیرہ باصرۃ ذلک الخیر او بغیر امر ولا تجوز
 لانہ لا یمکن تجویز التضامیۃ عن الخیر الا باثبات المملک لذلك الخیر فی الشاۃ ذلن یتثبت
 المملک لہ فی الشاۃ الا بالقبح و لم یوجد قبض الامر ہنا لا یتفسد ولا یمتثلہ کذا
 فی الذخیرۃ ج ۲ ص ۲۰۲، اس روایت سے معلوم ہوا کہ زید کے ذمہ سے جو قربانی واجب ہے
 وہ صورت مسئلہ میں ادا نہ ہوگی،

۱۳، ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

سوال دوم بہ تشریح سوال اول (—) قربانی کے متعدد جانور زید نے عمرو کے دیرو پیش کر کے یہ کہا کہ ان میں سے ایک ایک پر ایک ایک کے نام کی قربانی کر دو، زید نے گو خود تعین نہیں کی کہ کس پر کس کے نام کی قربانی کی جائے، لیکن عمرو نے ایک ایک جانور ذبح کیا، اور ہر ایک پر ایک ایک کی بالتعین نیت کر لی تو اس صورت میں قربانی صحیح ہو جائے گی یا نہیں۔

الجواب۔ یہ توکیل مطلق اذن بالتعین بھی ہے، لہذا جس جس کی طرف سے عمرو نے جو جانور ذبح کیا، وہ اس کی طرف سے واقع ہو گیا، اب اگر وہ لوگ جن کی طرف سے قربانی کی گئی ہے، اُن جانوروں کے مالک ہیں، تب تو اُن سب کی طرف سے واجب بھی ادا ہو گیا اور اگر صرف زید ہی مالک ہو تو زید کی طرف سے تو واجب ادا ہوا اور دوسروں کی طرف سے نفل ادا ہوا، اور ان لوگوں کے مالک ہونے کے دو طریق ہیں، ایک یہ کہ قبل اشتراء سبے اشتراء کی اجازت حاصل کیے وکیل بالا اشتراء بن جاوے اور گوشتن اس میں سب کے ذمہ واجب ہوگا، مگر تبرعاً خود دیدے دوسرا طریق یہ کہ مامور بالذبح کو سب وکیل بنا دیں کہ زید جو جانور ہم کو بہہ کرے اس پر تم قبضہ کر لو طریق اول کی صحت کی دلیل یہ روایت ہے۔ وفي الاضاحی للزعفرانی اشتری سبعة نفر

سبع شياه بيهم ان يضعوا بها بينهم ولم يسم لكل واحد منهم شاة بعينها فضعواها كذا قال قياس ان لا يجوز وفي الاستحسان يجوز فقوله اشترى سبعة نفر سبع شياه بيهم محتمل شراء كل شاة بيهم ويحتمل شراء شاة على ان يكون لكل واحد شاة ولكن بعينها فان كان المراد هو الثاني فما ذكر في الجواب باتفاق الروايات لان كل واحد منهم يصير مضحياً شاة كاملة وان كان المراد هو الاول فما ذكر من الجواب على احدي الروايتين فان الغنم اذا كانت بين الرجلين صرحا بما ذكر في بعض المواضع انه لا يجوز كذا في المحيط، عالمگیری ج ۶ ص ۲۰۵ قلت ولما وقع الذبح ههنا على التعيين فيجوز في القياس دم كما هو ظاهر طريق ثانی کی صحت کی دلیل وہ روایت ہے جو اوّل اصل سوال کے جواب میں نقل کی گئی تھی حیث ذکر فیہا لا یمکن تجویز التضمین عن الغیر الا باثبات الملك، كذلك الغیر فی الشاة ولن یثبت الملك له فی الشاة الا بالقبض ولم یوجد قبض الامر ههنا لا بنفسه ولا بتائمه الخ قلت ولما ارتفعت علة عدم الصحة وهي عدم القبض حیث وجد القبض بالتائب ارتفع حکم عدم الصحة كما هو ظاهر،

فأعذرة، ذکر فی العالمگیری بعد هذه الرواية بسطرين ولو ضحى بدنته عز نفسه

وعرسہ واولادہ لیس ہذا فی ظاہر الروایۃ، وقال الحسن بن زیاد فی کتاب الاضحیۃ ان کان اولادہ صغاراً جازعته وعنہم جمیعاً فی قول ابی حنیفۃ وابی یوسف وازکالوا کباراً ان فعل بامرہم جاز عن الکل فی قول ابی حنیفۃ وابی یوسف وان فعل بغير امرہم او بغير امر بعضہم لا يجوز عنہ ولا عنہم فی قولہم جمیعاً لان نصیب من لویا مر صار یحما فصار الکل یحما و فی قولنا الحسن بن زیاد اذا ضحی بدنتہ عن نفسه وعن خمسۃ من اولادہ الصغار وعن ام ولدہا بامرہا او بغير امرہا لا تجوز عنہ ولا عنہم قال ابوالقاسم تجوز عن نفسه کذا فی فتاویٰ قاضیخان اھ وظاہرہ التعارض بین روایۃ الشاة و بین روایۃ البدنتہ فالوجه عندی ان البدنتہ تجوز الہبۃ فیہا مشاعاً بقبض الواهب عنہم بامرہم والامر بالذبح امر بالقبض وبقبضہ عن الصغار بل بامرہم فجاز الشیخان توضیحہا عنہم ثم من لم یجوزہا بظاہر بعضہم وواقعہا بعضہم عن الذابح بخلاف الشاة حیث لم یصح مہنا مشاعاً لکونہا محللاً للقسمۃ وبقید عدم الصحۃ ہذا بکونہا عن الکبار فافہم۔

سوال سوم (۶۵۸) زید کا معمول یہ ہے کہ اپنی بیوہ غریب ماں اور نابالغ اولاد اور بالغ غنیہ بیٹی اور غنیہ بیوی سب کی جانب سے قربانی کے جانور خرید لیتا ہے اور روپے قیمت کے کسی سے نہیں لیتا اور نہ پہلے سے یہ معین کرتا ہے کہ کون جانور کس کے نام کا ہے، ذابح کو سب کے نام بتا کے یہ کہہ دیتا ہے کہ ہر ایک کے نام پر ایک ایک جانور کی قربانی کر دو، ذابح ایک خاص ترتیب سے ایک ایک جانور ایک ایک کے نام ذبح کرتا ہے، اس صورت میں سب کی قربانی صحیح ہو جائے گی یا نہیں، اور بیوی اور بیٹی کو جو خود مالدار ہیں یہی قربانی کافی ہو جائے گی یا اپنی جانب سے علیحدہ قربانی کرنی پڑے گی، یہ ضرور ہے کہ اس قسم کے حالات میں دلالت امر واجازت ہوتی ہے کہ ہماری جانب سے قربانی کر دو۔ اور یہ مامور کا تبرع ہے کہ وہ قربانی کی قیمت نہیں لیتا۔
جواب سوال سوم، اس کا جواب بھی سوال بالا کے جواب سے نکل آیا، کہ اس سے دوسروں کا واجب ادا نہیں ہوگا، کیونکہ قبضہ نہیں پایا گیا، اور محض قربانی کا امر قبض کی تکمیل نہیں ہے۔ اور تبرع بالقیمت کی وہ صورت معتبر ہے جس کو سوال بالا میں طریق اول سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۱۹ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۰۵)

سوال (۶۵۹) قربانی کے لئے ایک شخص سے بچہ خریدتا تھا وہ اس کا وزن کلم قربانی جانور مسروقہ کہ بلا علم خرید کر وہ شد رہنے والا بچہ اور قسم کھاتا تھا کہ یہ چوری کا نہیں، جس سے لیا پھر بعد میں معلوم ہوا کہ چوری کا ہے معتبر آدمی سے پختہ طور پر، قربانی درست ہوگی یا نہیں پھر کریں قربانی؟
جواب: فی العالمگیریۃ عن المنتقی دو غصب اضحیۃ غیرہ ودمجہا عن نفسه وضمن

القيمة لصاحبها اجزاء ما صنع لان، لملكها سابق الغصب كذا فی الخلاصة لو غصب من رجل شاة فضحی بها لا يجوز وصاحبها بالخيار ان شاء اخذها ناقصة وضمنه النقصا وان شاء ضمنه قيمتها حية فتصير الشاة ملكا للعاصب من وقت الغصب فيجوز الاضحیۃ استحسانا، وكذا لو اشترى شاة فضحی بها ثم استحقها رجل فان اجاز البيع جاز وان استرد الشاة لم يجوز كذا فی الشرح الطحاوی ج ۶ ص ۲۰۳

خلاصہ جواب یہ ہے کہ یہ استحقاق کی صورت ہے اور استرداد نہیں ہوا، اور وجوب ضمان سے قربانی جائز ہو جاتی ہے، اصل مالک اگر مل جاوے تو اس کو اطلاع کر دے۔ اگر وہ اس سے تاوان لے تو یہ اپنے بائع سے زہم واپس کر سکتا ہے، ۱۵ محرم سنہ ۱۳۳۵ھ (۱۹۱۶ء) میں اختلاف دردادن گوشت قربانی ہوندا | **سوال (۶۶۰)** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ قربانی کا گوشت ہندوستان کے کفار کو جو ذمی نہیں ہیں دینا جائز ہے یا نہیں، اور ذمی کفار کی تعریف کیا ہے، اور بیان القرآن میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ کافر ذمی یعنی غیر عربی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، اور دوسرے صدقات واجبہ و نفل جائز ہیں، اس سے واضح نہیں ہوتا ہے کہ یہاں کے کفار کا کیا حکم ہے اور اگر تکلیف نہ ہو تو مذکور عبارت لمحات الترجمة کا حاصل اردو میں عام فہم لکھئے۔ تقدیرہ ان حاصل تھیہ صلی اللہ علیہ وسلم کان سلبا کلیا وحاصل الایۃ الامجاب الجزئی المتحقق ببعض الصدقات فلا یرد ان الایۃ عامۃ فی کل الصدقات فان محط الفائدة العصور المصروف لا عموم المصروف ببینوا توجروا۔

الجواب فی الدر المختار اما الحری ولو مستا منا فجميع الصدقات لا تجوز لہ اتفاقا محر عن الغایۃ وغیرہا لکن جزم الزیلعی بجواز التطوع لہ اہم وانظر ما علق علیہ فرد المحتاج ۲۳ ص ۱۰۸، اس روایت سے معلوم ہوا کہ کفار ہند کو قربانی کا گوشت دینے کا کہ صدقہ تطوع یا ہدیہ ہے) جواز مختلف فیہ ہے، مگر معمول ہمارے علماء کا اس کا جواز ہے، یہ تو اصل سوال کا جواب ہو گیا، باقی بیان القرآن کی عبارت کے متعلق یہ امر قابل تنبیہ ہے کہ صدقات واجبہ کے

جواز کا مضمون کسی قدر محتاج تفصیل ہے، جو کتب فقہ میں مذکور ہے، اور اس کے ملحقات ترجمہ کی عربی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ نہی نبی عن الصدقات علی الکفار کے بعد جو آیت نازل ہوئی اس کا ظاہراً جمع صدقات کا عموم معلوم ہوتا ہے جو زکوٰۃ کو بھی شامل ہے، پھر نہی عن الزکوٰۃ آیت کے خلاف ہے، لایرد الخ میں اسی اشکال کی تقریر ہے، جواب اس کا یہ ہے کہ مقصود آیت سحسہ کی نہی کا منسوخ فرمانا ہے، اور آپ کی نہی کا حاصل یہ تھا کہ کافر کو کوئی صدقہ مت دو، سلب کلی نہ ہی مراد ہے، اور آیت کا حاصل یہ ہے کہ کفار کو بعض صدقہ دینا چاہئے، ایجاب جزئی سے ہی مراد ہے اور ظاہر ہے وجہ جزئیہ نقیض اور معارض ہوتا ہے رالیہ کلیہ کا، پس نسخ صحیح ہو گیا، پھر اگر کوئی کہے کہ آیت ظاہراً تو عام ہے، اور تمہاری تقریر پر آیت عام نہیں رہتی بلکہ بعض صدقات کے ساتھ خاص ہے، اس کا جواب اس میں ہے فان محط الفائدة الخ یعنی آیت عام بیشک ہے لیکن عموم اس کا باعتبار مصرف یعنی صدقہ کے نہیں ہے، تاکہ زکوٰۃ وغیرہ سب کو شامل ہو، بلکہ عموم باعتبار مصرف کے ہے یعنی مطلق صدقہ کا مصرف مسلم و کافر دونوں میں نہ کہ صرف مسلم، جیسا کہ نہی منسوخ کا حاصل تھا، انتہی حل الملحقات اور یہ عموم مصرف اس قول پر تو ظاہر ہے جس میں حربی کو صدقہ تطوع دینا جائز ہے، باقی دوسرے قول پر عموم باعتبار مسلم کے ہے، یعنی صدقہ خاص نہیں مسلم کے ساتھ، ارذی الحجۃ ۳۲ (تمتہ قلمہ ص ۲۲۹)

ثبوت حرمت گرفتن قیمت | سوال (۶۶۱) حضور نے بہشتی زیور میں تحریر فرمایا ہے کہ قربانی کی کھا چرم قربانی اغنیار | کی قیمت کو فقیر مسکین کے سوا اور کوئی نہیں لے سکتا ہے، ایک مولوی نے کہا کہتے ہیں کہ مالدار و فقیر سب کو لینا درست ہے اور کہتے ہیں کسی عربی کتاب میں دکھلائیں؟

الجواب، فی خلاصۃ الفتاویٰ عن مجموع النوازل قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لا تحل الصدقة لغنی لا لفقیر بنی ہاشم ماحمول علی الصدقة الواجبة اما النفل فیجوز عن ابی یوسف یجوز ان یعطوا من صدقة الاوقاف لکن هذا اذا سمی بہ الاغنیاء وبنو ہاشم اما اذا اطلق لفظ الصدقة ففی صدقة واجبة ج ۱ ص ۲۴۵ صدقة واجبة کا غنی اور بنی ہاشم کے لئے حلال نہ ہونا، اور اغنیاء و بنی ہاشم کے لئے صدقہ وقف حلال نہ ہونے کی بنا اس کے صدقہ واجبہ ہونے کو برقرار دینا اس عبارت میں مصرح ہے وفي البحر الرائق وقید بالزکوٰۃ لان النفل یجوز للغنی کما للہاشمی واما بقیہ الصدقات المقرضہ والواجبة كالعشر والكفارات والندور وصدقۃ الفطر فلا یجوز صرفہا للغنی لعموم قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

لا تحل صدقة لغنی خرج النفل منها لان الصدقة علی الغنی هبة کذا فی البدائم ج ۲ ص ۲۳۵
اس میں خلاصہ سے زیادہ اس کی تصریح ہے، اور ثمن جلد اضمحیہ کے تصدق کا وجوب بھی مصرح ہے،
پس ان روایات کی بناء پر اس ثمن کا محل تصدق خاص فقیر ہوگا جو بنی ہاشم میں سے نہ ہو، اور وقف
سے شیعہ نہ کیا جاوے، کیونکہ اس کا لزوم تالیج التزام کے ہے تو بحسب التزام ہوگا اور بحوث عنہ
میں لزوم شرعی ہے۔ (تمتہ خامسہ ص ۲۵۰)

حلت ذبیحہ کہ گفتہ شود وقت سوال (۶۶۲) جس جانور کے اوپر بسم اللہ اللہ اکبر کی جگہ بسم اللہ سنت
ذبح بسم اللہ سنت ابراہیم خلیل اللہ ابراہیم خلیل اللہ کہہ کر ذبح کیا جائے آیا وہ شرع کے اندر جائز ہو یا نہیں
یہاں پر چک نمبر ۴۴ میں جو کہ راجعوت مسلمان خانپور وغیرہ کے باشندے آباد ہیں، یہاں پر ایک
قصائی ہے جو کہ ایک فقیر سے اس طریقہ پر ذبح کراتا ہے اور وہ ہمارے کہنے سے بسم اللہ اللہ اکبر کہتے ہیں
مانتا، اس کا کہنا شرع کے اندر درست ہے یا نہیں؟

جواب۔ فی الدار المختار وان ذکر مع اسمہ تعلیٰ غیروہ فان وصل بلا عطف کرہ کہ قولہ
بسم اللہ اللہ تقبل من فلان اومنی اومنتہ بسم اللہ محمد رسول اللہ بالرفع
لعدم العطف فیکون مبتداء لکن یرکب للوصل صوبۃ ولو بالحراد والتصب حرم مد
قیل هذا اذا عرف التحو والوجه ان لا یعتبر الاعراب بل یحرم مطلقا بالعطف لعلما
الحوق زیلعی الخ، اس روایت سے معلوم ہوا کہ جو عبارت وہ شخص پڑھتا ہے اس سے ذبیحہ حرام
نہیں ہوتا، البتہ اس طرح پڑھنا خود مکروہ ہے، ۹ ریح الثانی ۱۳۳۵ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۶۶)
سوال (۶۶۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس
حکم قربانی جانور کے حصہ
دادہ بود۔ برائے پرورش امر میں کہ کوئی گائے وغیرہ پرورش کے لئے اس شرط پر اجرت دیدیجاوے
کہ بعد پرورش پانے کے نصفاً نصفی یا تہائی وغیرہ حصہ اجیر کا ہو باقی مالک کا ہو ایسی مویشی کو مالک
اس کے حصہ کی قیمت دے کر خرید لے تو اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب۔ درست ہے، کیونکہ اس فعل سے مالک کی ملک میں کوئی خبث نہیں آیا، البتہ
پرورش کنندہ سے نہ خریدنا چاہئے۔ ۶ رذی الحجہ ۱۳۳۵ھ (تمتہ خامسہ ص ۱۷۱)

سوال (۶۶۴) کیا بوقت خرید جانور منغلہ دیگر عیوب کی
واجب بودن تحقیق برائے جانور قربانی بوقت خرید
کہ بر حصہ دادہ شدہ است یا نہ وقتیکہ شیعہ قوی باشد جانچ کے اس حصہ وغیرہ کی جانچ خریدار پر واجب ہوگی؟

جواب۔ ہاں جہاں شیعہ قوی ہو، ۵ رذی الحجہ ۱۳۳۶ھ (تمتہ خامسہ ص ۱۷۶)

غلط بودن نسبت رجوع صاحب فتویٰ اور اضحیٰ
از شمول لفظ ضان ہر دو قسم دبھیر و دنیہ را
سوال (۶۶۵) بہشتی زیور مصنفہ جناب میں چھ
مہینہ کی موٹی تازی دبھیر قربانی میں جائز لکھی ہے، اور
کتب لغت میں بھی ضان کے معنی ذوات الصوف یا خلاف المحرر لکھے ہوئے ملتے ہیں۔ چنانچہ
مجمع البحار منتہی العرب، صرح ان میں معنی مذکور الصدر بیان ہوئے ہیں، علاوہ ازیں مظاہر حق
مصنفہ نواب قطب الدین خاں صاحب مرحوم میں بھی دبھیر اور ذنبہ میں کچھ فرق نہیں بتایا، بلکہ
دونوں کا ایک حکم تحریر ہوا ہے، لیکن شرح وقایہ کی باب الاضحیٰ میں ضان کی شرح مالہ الیہ کی گئی ہے،
ادھر ایک شخص جناب کی طرف منسوب کرتا ہے کہ مولانا نے ایک کتاب بہشتی در تصنیف فرمائی ہے،
اس میں اس مسئلہ سے رجوع کیا ہے، اور لکھا ہے کہ حکم ضان کا ذنبہ کی طرف راجع ہے، آیا یہ کتاب
جناب کی تصنیف سے ہے اور ایسا جناب نے تحریر فرمایا ہے؟ دوسری عرض یہ ہے کہ لغت
میں تفرد شارح وقایہ کا معتبر ہے یا نہیں، اور عرب میں دبھیر ہوتی ہے یا نہیں، اور دبھیر کب و جہ
کی جنس سے شمار کیا جاوے جیسا کہ مولانا عبدالحی مرحوم عمدة الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ باب زکوٰۃ
الاموال میں فرماتے ہیں الضان لفتح الضاد المبعثرة ذوات الصوف ومنه مالہ الیہ یا معز بکری میں
شمار کیا جاوے؟

الجواب: بہشتی در نام ہی آج سلسلے میری کسی کتاب کا یہ نام نہیں، اور نہ مجھ کو اس
مسئلے سے رجوع کرنا یاد ہے، بلکہ غالباً معاملہ بالعکس ہے کہ اول کسی سوال کے جواب میں ضان کو
ذنبہ کے ساتھ خاص کیا تھا، پھر اس سے رجوع کیا، بہر حال اگر اس راوی کے پاس کوئی سند
ہو دیکھا دے اس میں نظر کروں، عرب میں دبھیر ہونا نہ ہونا تو یاد نہیں، لیکن لغت حجت کافی
ہے، اور عبارت شرح وقایہ کو عمدة الرعایہ کی عبارت کے ساتھ ماقول کیا جاوے، جس کا حاصل
تعریف بعض الاصناف ہے، جیسے کوئی کہے المرأة من لہا ثدیان نابدان، ۲، محرم ۱۳۲۷ھ

(تمتہ خامسہ ص ۲۳۰)

سوال (۶۶۶) ایک شخص کا لڑکا بیمار تھا اس نے ایک بکری
کہ نیت قربانی آرکودہ باشت پر لڑکے کا ہاتھ پھرا کر نیت کی ہے کہ بعد صحت قربانی کروں گا، چنانچہ
لڑکا اچھا ہو گیا، وہ بکری پروردہ گھر کی ہے وہ چاہتے ہیں کہ اس کے عوض میں دوسری بکری
یا بکرا یا گائے و سبیل قربانی کریں۔ اور وہ بکری گھر میں رہے لہذا اس بارہ میں کیا مسئلہ ہے و سبیل
ہو سکتی ہے یا نہیں؟

جواب، بلکہ دوسری زیادہ بہتر ہے اور اگر اس وقت یہ خیال تھا کہ جان کے بدلہ جان صرف کرنے کی نیت کرنے سے نصی کی جان بچ جائے گی تو خواہ کوئی سا جانور ذبح کیا جاوے اس کے جواز کی تحقیق دوسرے علماء سے کرنا چاہئے، مجھ کو شبہ ہے، ۹ رجب ۱۳۹۹ء (تمتہ خامسہ ص ۱۹۱)

عدم تحقیق آنکہ در قربانی کردن از طرف | سوال (۶۶۷) قربانی اپنی طرف سے کر کے ثواب میت
میت قربانی کنندہ را ہم ثواب با ضیاء | کو پہنچانے پر قربانی کرنے والے کو ثواب ملے گا یا میت کی طرف
سے حصہ رکھ کر قربانی کرنے کا بھی ثواب قربانی کنندہ کو ملے گا، فقط

جواب، یہ آخرت کے متعلق ہے، یہ مسئلہ نہیں، اس کی تحقیق کے لئے قیاس و اجتہاد کافی نہیں، نقل و روایت ہوتا چاہئے، اور وہ نظر سے نہیں گذری فقط یکم ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (تمتہ خامسہ ص ۱۹۱)
سوال (۶۶۸) نصرانیوں کا ذبیحہ جس طرح وہ کرتے ہیں اس کو تو میں خود بھی حرام سمجھتا ہوں، کیونکہ وہ ایک حربہ سے جانور کو مار ڈالتے ہیں، جس سے کبھی خون باہر نکلتا ہو، اور کبھی اندر ہی رہ جاتا ہے، لیکن یہودیوں کا ذبیحہ میں نے خود جا کر دیکھا ہے، وہ جانوروں کے گلے پر چھری پھیر کر خون نکال دیتے ہیں، دریافت کرنے پر یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ ذبح کرتے وقت خدا کا نام لیتے ہیں، اگر کوئی خاص ضروری باریکیاں مذہب اسلام میں نہیں تو ان کا ذبیحہ دیکھنے میں ہمارے ذبیحہ جیسا معلوم ہوتا ہے، آیا ان حالات میں جب کہ دوسرا ذبیحہ نہیں مل سکتا تو یہودیوں کا ذبیحہ کھانا جائز ہے یا نہیں، ہماری طرح یہود بھی خنزیر کا گوشت نہیں کھاتے۔

الجواب۔ اگر یہ یہودی موسیٰ علیہ السلام کو بھی اور توریت کو آسمانی کتاب مانتے ہوں دہری نہ ہوں تو بحالت مذکورہ سوال کہ وہ اللہ کا نام بھی لیتے ہیں گو کسی زبان میں لیتے ہوں انکا ذبیحہ حلال ہے (تمتہ خامسہ ص ۱۸۸)

سوال (۶۶۹) غیر مقلدین از ذبیحہ و از دعوت حق المذہب حکم تحریر از طعام ذبیحہ اہل بدعت | نفرت دارند یعنی دعوت قبول نمی کنند و ذبیحہ نمی خوردند دریں صورت اگر از ذبیحہ و دعوت ایشان مایا متنفّر شویم چه حرج ؟

الجواب پچو این تنفر غیر مقلدین ادمباح و حلال خلاف مشروع ہست و زجر بر غیر مشروع ہست لہذا اگر زجر آنکہ اعتقاداً از ایشان تنفر کردہ شود مضائقہ نیست،

۸ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۳۵)

سوال (۶۰) سوال از انگلستان از اخبار مدینہ منورہ کہ بجنوریکم فروری ۱۹۱۱ء
جدید کہ بذریعہ آئہ می شود خیال یہ پیدا ہو رہا ہے کہ جانور کو ذبح کے وقت بہت ہی کم تکلیف پہونے

اور ذبح کا کوئی ایسا طریق اختیار کیا جائے جس میں یہ امر حاصل ہو جائے اس غرض کے لئے ایک
رائل سوسائٹی بنائی گئی ہے، اور ذبح ہونے والے جانوروں کو تکلیف سے بچانے کے لئے ایک
آلہ ایجاد کیا گیا ہے جس سے جانور کو بے ہوش کر دیا جائے، اور بے ہوشی کی حالت میں اس کو
ذبح کیا جائے۔ اگر کوئی مسلمان اس حالت کے بعد جانور کو اپنے طریق پر ذبح کرے تو کیا
ایسا جانور ذبح سمجھا جائے گا، جانور کے بے ہوش کئے جانے سے جانور مر نہیں جاتا اس کی نبض
برابر قائم رہتی ہے، اگر مر جائے تو دل کی حرکت بند ہو جانے سے نبض بند ہو جائے گی، اور
خون کا حصہ جسم میں رہ جائے گا، لیکن ایسا نہیں ہوتا لہذا اسی حالت میں ذبح کرنے والا
شاہ رگ کو کاٹ کر خون خارج کر سکتا ہے، ایسے جانور بھی ذبح ہوئے ہیں جو بذریعہ آلہ کی منٹ
تک بیہوش پڑے رہنے کے بعد ذبح کئے گئے، اور کافی خون نکلا، بہر حال استفتاء کی صورت
یہ ہے آیا اگر کوئی جانور ذبح کرنے سے پہلے بے ہوش کر لیا جائے یعنی اس کو درد کا احساس نہ رہے
اور اس کے بعد ذبح کیا جائے، ایسی صورت میں کہ اس کے دل کی حرکت بھی قائم رہے
اور نبض بھی اس کی چلتی رہے، اور ذبح بھی اسلامی طریق پر کیا جائے تو کیا ایسا جانور ذبح
سمجھا جائے گا، ممکن ہے کہ عنقریب یہاں یعنی انگلستان اس کا یہ قانون ہو جائے کہ کوئی جانور
ذبح نہ ہو جب تک اس کو آئہ مذکور سے بے ہوش نہ کیا جائے، اس امر کی ابھی پوری اطلاع نہیں
کہ وہ آلہ کس قسم کا ہے، اور اس کو کس طرح استعمال کیا جاتا ہے، آیا اس سے جانور کے کسی حصہ
پر ضرب لگائی جاتی ہے یا کسی منشی چیرے سے اسے بے ہوش کیا جاتا ہے۔

الجواب، یہاں دو مقام پر کلام ہے، ایک یہ کہ ایسی حالت میں ذبح کرنے سے
جانور حلال ہو گا یا نہیں، سو چونکہ یہ فعل کسی شرط حلت کے منافی نہیں اور حیات پورے
طور پر رہتی ہے اس لئے جواب یہ ہے کہ جانور حلال ہو جاوے گا۔ فی الدال المنقار ذبح
شاة مریضة فحقک او خرج الدم حلت والا فلا ان لم قدر حیاتہ عند الذبح وان
علم حیاتہ حلت مطلقا وان لم یخرج الدم وهذا یتأتی فی مدغنة ومرتویة
ونطیحة والقی فقر الذئب بطنها فذکاة هذه الاشياء تحلل وان كانت حیاتها خفیفة
وعلیہ الفتوی لقولہ تعالی الاما ذکیتہ من غیر فصل فی ردالمحتار قولہ فحقک ای بغیر

نحو مد رجل وفتح عین ممالا یدل علی حیوة قوله او خروج الدم ای کما یتخرج من الحی الی قوله عند الامام وهو ظاهر الروایۃ قوله وعلیہ الفتویٰ خلافا لهما۔ ص ۳۰۱ ج ۵

دوسرا کلام یہ ہے کہ خود یہ فعل جائز ہے یا نہیں، سو اس میں تفصیل یہ ہے کہ یہ دیکھنا چاہئے کہ اس آلہ سے آیا اس جانور کے کسی حصہ پر ضرب لگائی جاتی ہے یا کسی نشہ آور چیز سے اس کو بیہوش کیا جاتا ہے جیسا کہ سائل نے اس میں تردید ظاہر کیا ہے اور غالب طریق ثانی ہے، سو اگر ایسا ہو تو یہ فعل حرام ہے۔ اما الطريق الاول قلما فی رد المختار مکروهات الذبیح ولا ینفی بلوغ السکین النخاع وهو عرق ابیض فی جوف عظم الرقبة وکره کل تعذیب بلا قائدة مثل قطع الراس والسلخ قبل ان یبرد ای تسکن من اضطراب فی رد المختار وقل ان النخاع ان یسکن من یظهر مذبحه وقل ان یکسر عنقه قبل ان یسکن عن الاضطراب فان العمل مکروه لما فیہ من تعذیب حیوان بلا قائدة ھذا یرج ۵ ص ۲۸۸ و ۲۸۹ واما الطريق الثانی قلما فی الدار المختار وحرم الانتفاع بها ولو یسقی دواب ۵ ص ۲۴۲ اور اگر یہ دونوں طریقے نہیں بلکہ کسی مباح طریق سے اس جانور کے عا سہ کو معطل کر دیا جاتا ہے، تو وہ بھی دو وجہ سے ناجائز ہے اول اس وجہ سے کہ قبل بے ہوش ہونے کے اس کے حواس سالم تھے، اور بعد بے ہوش ہونے کے حواس کا بطلان یقینی نہیں، بلکہ ممکن ہے کہ اس آلہ سے حرکت باطل ہو جاتی ہو مگر حواس باقی ہوں اور بطلان حرکت بطلان حس کو مستلزم نہیں، ممکن ہے کہ اس آلہ کا اثر صرف جوارح معطل کر دینے میں ایسا ہو جیسے کسی شخص کے ہاتھ زور سے پکڑ کر اس کا گلا گھونٹ دیا جاوے تو اس کو حرکت نہ ہوگی مگر احساس ہوگا، پس پہلے سے ذی حس ہونا یقینی، اور اب زوال حس میں شک ہو گیا، اور عقلی و شرعی قاعدہ ہے کہ الیقین لایزول بالشک، پس بقا حس کی صورت میں یہ آلہ زیادت تعذیب کا سبب ہوگا، اس لئے ناجائز ہے، اور خود حیوان متکلم نہیں جو اپنا حال بیان کر سکے اور انسان پر امتحان کرنے سے دھوکا نہ کھایا جاوے۔ کیونکہ انسان اور بہائم کے بہت سے خواص باہم متفاوت ہوتے ہیں، دوسرے اس وجہ سے کہ ایسا کرتے والا اس طریق کو طریق مشروع سے جس میں بے ہوش نہیں کیا جاتا یقیناً نیا دہ مستحسن سمجھ کر طریق مشروع کو ناقص و مرجع سمجھے گا، اور مخترع کو منصوص پر ترجیح دینا قریب بکفر ہے ان دو وجہ سے خود یہ طریق بدعت سیئہ و تحریف فی الدین ہونے کے سبب خلاف شرع ہے، پس ایسا قانون بنانا خلاف مذہب اسلام ہے، واضعان و حاکمان قوانین کو اطلاع دے کر درخواست کی جاوے کہ اہل اسلام کے لئے ایسا قانون مقرونہ کریں جیسا کہ معاہدہ ہے، ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ (ہجری ۱۳۳۵ھ)

فتح سے پہلے جانور کو بے ہوش کرنے کا حکم | سوال (۶۷۱) جانور ذبح کئے جاتے ہیں ان جانوروں کو ذبح کی تکلیف نہ ہونے کی خاطر ایک باریک سوئی کی طرح تیز باریک چیز کو پیشانی کے سامنے کی رگ پر چھبوا دیا جاتا ہے، چھبوتے کے ساتھ ہی وہ جانور مست و مدہوش ہوتا ہے، پھر اس کو ذبح کریں تو جانور کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی اور تھوڑی دیر میں خون سارے بدن کا نکل جاتا ہے، آیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہ بینوا تو جروا؟

الجواب، دو امر قابل تنقیح ہیں، ایک یہ کہ اس سوئی چھبوتے سے جانور کو کتنی اذیت ہوتی ہے دوسرے یہ کہ اس سوئی چھبوتے سے جانور کے گوشت میں تو کسی قسم کا اثر نہیں پہنچتا۔

جواب تنقیح، جو جانور ذبح کئے جاتے ہیں ان جانوروں کی ذبح کی تکلیف محسوس نہ ہونے کی خاطر ایک باریک سوئی کی طرح کی تیز باریک چیز کو پیشانی کے سامنے کی رگ پر چھبوا دیا جاتا ہے، اس چھبوتے سے جانور کو اذیت نہیں ہوتی، صرف وہ مست و مدہوش ہو جاتا ہے، سانس چلتی رہتی ہے، اور تھوڑی دیر میں سارے بدن کا خون نکل جاتا ہے، آیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہ بینوا تو جروا؟

تنقیح، کیا ان روایات کا ماخذ کسی ماہر کا قول ہے،

جواب تنقیح، خاکسار نے جو کچھ عرض کیا ہے اس کا تجربہ ماہر ڈاکٹروں نے کیا، اور ان کا مشاہدہ ہے اور اس کو ہمارے محترم احباب نے بحیثیت خود دیکھا ہے،

الجواب، اگر یہ دونوں دعوے تجربہ سے صحیح بھی مان لئے جائیں تب بھی اس میں کچھ کلام باقی رہ جاتا ہے، بعض تو میرے قدیم فتوے میں مذکور ہے جس کا بالکل اخیر حصہ یعنی اعتقاد ترجمہ غیر منقول علی المنقول کا قح خاص طور پر قابل نظر ہے، (یہ فتویٰ مرقومہ، اربع الثانی ۱۳۳۵ھ حوادث الفتاویٰ حصہ پنجم صفحہ ۵ پر مذکور ہے) اور بعض اس موقع پر ذکر کرتا ہوں، وہ یہ کہ شریعت نے جو ذبح کو حلال ہونے کی شرط ٹھہرائی ہے اس کی علت جیسا کہ نصوص سے واضح ہے یہ ہے کہ خون سائل ذبیحہ کے بدن سے خارج ہو جاوے اور قواعد سائنس سے اس کا قوی احتمال ہے، کہ جانور کی طبیعت اس کے ہوش کی حالت میں قوی ہوتی ہے، اور بے ہوشی جس درجہ کی ہوگی، اسی قدر طبیعت اس کی ضعیف ہوگی، اور خون کا خارج کرنا یہ فعل طبیعت کا ہے پس جس قدر طبیعت میں قوت ہوگی خون زیادہ خارج ہوگا، اور جس قدر طبیعت میں ضعف ہوگا خون کم خارج ہوگا، پس قصداً طبیعت کو ضعیف کرنا قصداً خون کو کم نکلنے دینے کا اہتمام کرنا ہے جو صریح مزاحمت ہے مقصود شارع کی یہ تو شرعی

مخدور ہے، اور خون بدن میں کافی موجود ہونے کے بعد جب کم نکلے گا تو وہ گوشت ہی میں منتشر ہوگا جب خنق وغیرہ سے پورا خون منتشر ہوتا لحم کے خواص مطلوبہ طب نبوی کا مفوت ہے، تو کچھ منتشر ہونا ان خواص کا منقص ہے یہ طبی مخدور ہوگا۔ اور اگر کسی صورت میں تقلیل خروج دم بلا تدبیر اختیار ہو اس میں مکلف معذور ہے اس سے حرمت یا کراہت کا حکم نہ کیا جاوے گا، ان مجموعہ وجوہ مذکورہ فتویٰ سابقہ و فتویٰ ہذا کا مقتضایہ ثابت ہوا کہ یہ فعل جائز نہیں، واللہ اعلم،

۵ اجادی الثانی ۱۳۵۲ھ (النور ۹ محرم ۱۳۵۲ھ)

حکم ذبیحہ شیعہ | سوال (۶۷۲) ذبیحہ رافضی کے ہاتھ کا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، شیعہ کے ذبیحہ کی حلت میں علماء اہل سنت کا اختلاف ہے، راجح اور صحیح یہ ہے کہ حلال ہے۔ قال الشافعی وکیف ینبغی القول بعدم حل ذبیحۃ مع قولنا بحل ذبیحۃ الیہود و

والنصارى، ج ۵ ص ۱۸۹ واللہ اعلم، ۲۵ یوئح الاول ۱۳۵۲ھ (امداد، ج ۲ ص ۱۳۷)

حلت ذبیحہ بکلمۃ ان الشہو العلیٰ الکبیر | سوال (۶۷۳) بعد سلام مسنون التماس ہے کہ اہل قرآن ذبیحہ کہ اہل قرآن اغترع کردہ اند پر بجائے بسم اللہ الشاکبر کے آیت ان الشہو العلیٰ الکبیر پڑھتے ہیں اس تکبیر سے ذبیحہ حلال ہو جاتا ہے یا کچھ شک و شبہ رہ جاتا ہے، اور اس تکبیر قدیمی بسم اللہ الشاکبر سے قریح ہونے کو حلال نہیں جانتے، حرام جانتے ہیں اور لفظ الشاکبر کو شرک کہتے ہیں، اگر ان الشہو العلیٰ الکبیر سے اول بسم اللہ بھی کہہ کر ذبح کریں تب ذبیحہ کیسا ہے؟ فقط بینوا تو جروا۔

الجواب، صرف ان الشہو العلیٰ الکبیر سے بھی اور اس کے قبل بسم اللہ کہنے سے بھی ذبیحہ حلال ہو جاتا ہے، اگرچہ اللہ اکبر کو شرک سمجھنا جہل عظیم ہے۔ فی الدر المنقار والشرط فی التسمیۃ هو الذکر الخالص عن شوب الدعاء وغیرہ فلا یحل بقوله اللهم اغفر لی لانه دعاء وسوال بخلاف الحمد لله او سبحان الله مرید ابہ التسمیۃ فانه یحل اہم فی ردالمقار یا اسم کان مقرونًا بصفة كالله اکبر او اجل او اعظم او لا كالله او الرحمن وبالتہلیل و التسمیۃ الخ ج ۵ ص ۲۹۳ ۴ شعبان ۱۳۵۲ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۵۶)

اضحیۃ نفل غری کی جانب سے جائز ہے | سوال (۶۷۴) حضرت والا سلامت السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، الشرفی حضور کی واثا بابرکات کو ہم عاجزوں کے سروں پر دائم وقائم رکھے، احقر نے گذشتہ عید الاضحیٰ کے موقع ہمارے قرانی کی گلے میں ایک حصہ حضرت کی طرف سے لیا تھا، اس وقت اس کی اطلاع حضور کو نہیں کی تھی، اس کی بابت اس وقت مسئلہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اطلاع کرنی

چاہے تھی یا نہیں، اب بہشتی زیور سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص یہاں موجود نہیں اور دوسرے شخص نے اس کی طرف سے بغیر اس کے امر کے قربانی کر دی تو یہ قربانی صحیح نہیں ہوتی، اور اگر کسی غائب کا حصہ کسی جالور میں بدون اس کے امر کے تجویز کر لیا تو اور حصہ داروں کی قربانی بھی صحیح نہ ہوگی۔
ص ۲۰۲ جلد ۶ عالمگیری بہشتی زیور حصہ ۳،

اس عبارت سے احقر نے یہ سمجھا ہے کہ حضور کی طرف سے جو حصہ لیا تھا احقر کو چاہئے تھا کہ اس کی اطلاع حضور کو دیتا، مگر تاواقفی کی وجہ سے اطلاع نہیں دی، تو وہ قربانی صحیح نہ ہوتی، اور جتنے لوگ اس گائے میں شریک تھے، ان میں سے کسی کی بھی قربانی درست نہیں ہوتی، رفع ظہان کے لئے حضور اس بات سے آگاہ ہی بخشیں کہ احقر نے عبارت سے جو کچھ سمجھا ہے وہ صحیح ہے یا غلط صحیح ہے تو اس وقت حضور کو اطلاع دینے سے قربانی درست ہو سکتی ہے یا نہیں، اگر درست ہو سکتی ہے تو احقر حضرت سے اطلاعاً عرض کرتا ہے۔

الجواب۔ بہشتی زیور میں جو مسئلہ مذکور ہو وہ اضحیہ واجبہ کے متعلق ہے، اضحیہ تطوع کے متعلق نہیں، اور اس کی دلیل عالمگیری کا یہ جزیئہ ہے۔ (وضعی بدنتا عن نفسه وعمره واولاده ليس هذا في ظاهر الرواية وقال الحسن بن زياد في كتاب الاضحية ان كان اولاده صغاراً جازعته وعنهم جميعاً في قول ابی حنیفۃ وابی یوسف وان كانوا كباراً از فعل یا مرهم جازع عن الكل في قول ابی حنیفۃ وابی یوسف وان فعل بغیر امرهم او بغیر امر بعضهم لا تجوز عنهم في قولهم جازعاً لان تصيب من لویا مرصاً ربحاً فصار لكل لحماً وقال ابوالقاسم (الصفار) تجوز عن نفسه كذا في فتاویٰ قاضیخان (ص ۲۰۲، ۶ ج) قلت وقول ابوالقاسم هو الراجع عندنا وفي رد المحتار ووضعی عن اولاده الكبار ووجبة لا يجوز الاباء عنهم وعن الشافعی انما يجوز استحساناً بلا اذ هم بزازية قال في الذخيرة و لعله ذهب الى ان العادة اذا جرت من الرب في كل سنة صار كالاذن منهم فان كان على هذا الوجه استحسن ابو یوسف فهو مستحسن اه (ص ۳۰۸ ج ۵) قلت واما التضحية عن الغير تطوعاً فتجوز بالاذن وبدونه لما صرحوا به من انہ لو تبرع بها عن الميت له الاكل منها لا تدريهم على ملك الذابح والشوايب للميت ولهذا لو كان على الذابح واحدة سقطت عنه اضحية كما في الزنجاس قال بن عابد بن وقدا صرح في فتح القدير في الحج عن الغير بلا امره انه يقع عن القاعل فيسقط به المهر من عنده والاخر ثواب فراجع اه (صفحہ ۲۱۲)

خلاصہ یہ ہے کہ اضمحیہ واجبہ میں چونکہ دوسرے کے ذمہ سے ادائے واجب کا قصد ہوتا ہے وہ تو بدون اس کی اجازت کے درست نہیں، البتہ اپنے متعلقین کی طرف سے بدون اس کی اجازت کے بھی درست ہے، جبکہ ان کی طرف سے قربانی کرنے کی عادت ہو اور اگر قربانی کرنے کی عادت نہ ہو تو ان کی طرف سے بھی قربانی صحیح نہ ہوگی، رہا یہ کہ ذابح کی طرف سے ہو جائے گی یا نہیں تو حسن بن زیاد رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت یہ ہے کہ ذابح کی طرف سے بھی صحیح نہ ہوگی، اور ابو القاسم صفار کا قول یہ ہے کہ ذابح کی طرف سے صحیح ہو جائے گی، ہمارے نزدیک یہی راجح ہے، کیونکہ حج عن الغیر میں تصریح ہے کہ غیر کی طرف سے بلا امر کے حج کیا جائے تو وہ اس شخص کی طرف سے یعنی حج کرنے والے کی طرف سے ہو جائے گا، اور غیر کو ثواب ملے گا، اور اگر دوسرے کی طرف سے تبرعاً تطوعاً بلا اذن کے قربانی کی جائے تو وہ مطلقاً درست ہے خواہ اس کی طرف سے قربانی کی عادت ہو یا نہ ہو اور اس کو عادت کی اطلاع ہو یا نہ ہو، کیوں کہ تبرعاً عن الغیر میں قربانی ذابح کی ملک پر ہوتی ہے دوسرے کو محض ثواب پہنچتا ہے، قربانی اس کی ملک پر نہیں ہوتی، والھی والمیت فی ذلک سواء والله تعالیٰ اعلم۔

کتبہ ظفر احمد عفا عنہ بامر سیدہ حکیم الامتہ دام مجدہم۔

۸۔ ارجاء دی الاول ۱۲۵۴ھ والنور ۱۲۵۴ھ

سوال (۶۷۵) زید مدرس کے پاس پوست قربانی کے روپے ۱۰ روپے چوری ہو جانا۔
 صرف طلبہ آئے، زید نے اس کو اپنی حویلی میں ایک کبس غیر مقفل میں رکھا اور اپنا روپیہ زید کا علیحدہ اسی کبس میں تھا، قفل کی ضرورت کبس میں خیال نہ کی گئی کہ کوئی غیر شخص حویلی میں نہ آتا تھا، فقط زید کی زوجہ و ابن و ابن و ابن الاخت رہتے تھے، ابن الاخ مبلغ نو روپے منجملہ چالیس روپے قیمت پوست قربانی کے جو کہ کبس میں علیحدہ زید کے ذاتی روپے سے رکھے ہوئے تھے، لیکر وطن کو فرار ہو گیا، اور یہ ابن الاخ بھی منجملہ طلبہ میں سے ایک طالب علم تھا، اور نام اس کا مدرسہ کے رجسٹر میں درج تھا، اور مدرسہ میں پڑھتا تھا، اور خوراک مدرسہ کی جانب سے اس کی مقرر تھی۔ اور اس نے پہلے اس سے ایسا کام نہ کیا تھا، تاکہ اس کو احتیاط کی جاتی، اس صورت میں مدرسہ پر پورا کرنا اس امانت کا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب، فی الدر المختار واللموع حفظہا بنفسہ و عیالہ وھم من یکن معہ حقیقۃً او حکماً، بنا بر روایت مذکورہ زید پر اس روپیہ کا ضمان نہیں، البتہ اس لینے والے پر ضمان واجب ہے، اور زید کے ذمہ واجب ہے کہ بقدر اپنی ضرورت کے اس کو ضمان

لینے میں کوشش کرے فقط، اور ایک امرزید کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ جن جن لوگوں کی رقم ضائع ہوئی ہے ان کو اطلاع کر دے۔ کیونکہ ان کے ذمہ یہ رقم واجب التصدیق رہ گئی ہے، وہ لوگ مساکین کو ادا کریں، جبکہ چور سے وصول نہ ہو، فقط والشراعلم، ۳۲۷ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۷۱)

سوال (۶۷۶) قربانی کے جانور کو علی العموم سب لوگ لکھتے چلے آئے ہیں، کہ بکری ایک سالہ اور گائے دو سالہ اور اونٹ پانچ سالہ ہونا چاہئے، اس سے کم عمر والی کی قربانی جائز نہیں، چنانچہ حضور والائے بہشتی زیور حصہ سوم میں یہی ارقام فرمایا ہے اور ہدایہ ص ۳۳۳ جلد چہارم میں ہے، ویجزی من ذلک کلہ الثنی قصاعدا الا الضأن فان الجذع منہ یجزی سے معلوم ہوتا ہے کہ ثنایا ہونا چاہئے۔ لقولہ علیہ السلام ضحوا بالثنایا الا ان یصر علی احدکم فلیذبح الجذع من الضأن وقال علیہ السلام نعمت الاضحیۃ الجذع من الضأن سے معلوم ہوا کہ تنگی کے وقت جذع من الضأن جائز ہے، اور جذع کی تفسیر علی الاختلاف چھ یا سات مہینہ ہے اس پر بھی جب ثنایا میں ملا دیا جائے اور تاظرین کو شبہ ہو جائے تو جائز ہے، اور حدیث دوسری نعمت الاضحیۃ الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جذع ہی بہت اچھا ہے اور الثنی کی تفسیر ہدایہ میں کی ہے والثنی منہا ومن المعزین سنۃ ومن البقرین سنتین ومن الابل ابن خمس سنتین اس سے معلوم ہوا کہ ایک سالہ اور دو سالہ اور پنج سالہ ہونا چاہئے جیسا کہ اوپر لکھ چکے ہیں کہ ہر شخص یہی لکھتے ہیں، اور مشکوٰۃ میں حدیث ہے وعن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تذبحوا الا مسنة الا ان یعر علیکم الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسنہ ہونا چاہئے، اور شرح وقایہ جلد اول ص ۲۱۲ مطبع یوسفی لکھنؤ میں ہے، والمسنة الذی تقر علیہ الحولان والمسنۃ انتاہ اور حاشیہ عمدة الرعایۃ میں مسن کے معنی دانت نکلے ہوئے کے لکھا ہے، قولہ المسن بضم المیم وکسر السین المہملۃ وتشدید التون ماحوۃ من الاسنان وهو طلع السن۔ ان سب عباراتوں سے معلوم ہوا کہ دانت نکلنا ضروری ہے اور ثنایا کہ معنی غیاث اللغات میں ہے کہ چار دانت نکلے ہوں، دو اوپر کے دو نیچے کے تو باقتیارت لغت کے بھی معلوم ہوا کہ دانت نکلنا ضروری ہے، اور ایک حدیث بخاری میں ہے چونکہ بخاری موجود نہیں، اس لئے صرف اشارہ کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ غالباً ابی بردہ کو آپ نے فرمایا تھا کہ مسنہ کر لو دوسرے شخص کے لئے نہیں اس سے بھی معلوم ہوا کہ مجبوراً آپ نے ابو بردہ کو مسنہ کرنے کی اجازت دی ہے، اس کے ساتھ ہی دوسرے

کے لئے منع فرما دیا، اور مشکوٰۃ والی حدیث میں جو مسئلہ آیا ہے وہ عام ہے کہ مسئلہ ہونا چاہئے، اگر مسئلہ کے معنی برس کے لئے جاویں تو اونٹ گائے بھی ایک ہی برس کی کافی ہے اور اگر مسئلہ کے معنی دانت کے لئے جاویں تو اونٹ گائے بکری کے اپنی پوری عمر پر دانت نکلیں گے، تو اس بنا پر ایک سالہ دو سالہ پانچ سالہ کی قید نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ بہت سے خصیوں کے ایک سال بعد پر مثلاً چودہ پندرہ ماہ پر دانت نکلتے ہیں، اور یہی حال گائے میں بھی ہے، غرض کہ ایک ہی برس پر دانت نکلتا کوئی ضروری نہیں ہے۔ اگر دوسری حدیث سے صاف طور پر ظاہر ہو کہ بکری ایک سالہ ہونا کافی ہے تو وہ حدیث ارقام فرمائیے، ہدایہ میں نقل نہیں ہے، خلاصہ یہ کہ مجھ کو صرف دریافت طلب یہ ہے کہ قربانی میں دانت نکلتے کی شرط ہے یا صرف بکری کو ایک سالہ ہونا کافی ہے، اگر شقی ثانی ہے تو حدیث مسئلہ اور ثنایا اور لغت کے اعتبار سے غلط ہوتا ہے، اور بخاری والی حدیث کا کیا جواب ہے، اور مولانا عبدالحی صاحب مرحوم کے حاشیہ عمدۃ الرعایہ کا کیا جواب ہے، اور ہدایہ کی عبارت سے کیا ثابت ہوتا ہے، اور اگر شقی اول لی جاوے تو اس وقت تمام لوگ یہی عقیدہ رکھتے ہیں، کہ بکری ایک سالہ ہونا چاہئے۔ چنانچہ امسال بھی بہت سے لوگ قربانی کے لئے خصی ایک سالہ جس کا دانت نہیں نکلا ہے رکھے ہوئے ہیں لیکن درمیان میں ایک ملانے دانت کی قید لگا کر شبہ میں ڈال دیا۔ اور سب لوگوں کو قربانی کمنے سے روکتے ہیں اس بنا پر ان سب عبارات پر شبہ ہوا، اس لئے جواب ضروری طلب ہے، جس کا خلاصہ مع مخالف کا جواب کافی و شافی تحریر فرمائیے۔

الجواب، حاصل سوال کا بجا وجود بے ربطی عبارت کے یہ امور ہیں، اول یہ کہ بعض دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ بجز صنان کے کہ اس میں جرم بھی کافی ہے اور انعام اضمیہ میں مسئلہ ہونا چاہئے اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ ثلیہ ہونا چاہئے اور یہ تعارض ہی ثانی یہ کہ مسئلہ کی تفسیر میں بعض دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ دانت نکلتا ضروری ہے، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر خاص کافی ہے، اور یہ تعارض ہے، ثالث یہ کہ بعض دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ جذع صنان کا علی الاطلاق جائز ہے، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مسئلہ میسر نہ ہو اس وقت جذع جائز ہے، اور یہ تعارض ہی، رابع یہ کہ بعض دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ کا جواز صرف ابو بردہ کے ساتھ خاص تھا، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ سب کے لئے عام ہے اور یہ تعارض ہے، پس ان چار تعارضات کا شبہ ظاہر خلاصہ ہے سوال کا اب جواب لکھا جاتا ہے۔

شبہ اول کا جواب یہ ہے کہ شیخ نے حاشیہ مشکوٰۃ میں لکھا ہے ویجو من جمیع ہذہ الاقسام الشنی وہو المراد من المسنة جب دونوں کے ایک ہی معنی ہیں تو یہ تعارض نہ رہا، شبہ ثانی کا جواب یہ ہے کہ تفسیر معتبر و مدار حکم عمر خاص ہی کے ساتھ ہے، مگر چونکہ اس عمر خاص میں اکثر دانت بھی طلوع ہو جاتے ہیں اس لئے اہل لغت طلوع سن سے تفسیر کر دیتے ہیں ورنہ دانت نکلنے پر مدار حکم نہیں ہے، شیخ موصوف ہی نے بعد دعویٰ اتحاد سنہ و ثنیہ کے لکھا ہے، وہو من الابل ما تکمل خمس سنین و طعن فی السادسة و من البقر ما تکمل سنتین و من الغنم صنانا کان اور معز اما تکمل ستة هكذا فی الهدایہ، چنانچہ بعض اوقات خود اہل لغت بھی عمر ہی کے ساتھ تفسیر کر دیتے ہیں، چنانچہ تلخیص النہایہ میں ہے کہ و الحسن من البقر ما دخل فی السنة الثالثة ارج ۲ ص ۲۰۳، اور اس سے یہ توہم نہ کیا جاوے کہ سن بمرہا گیا ہے، سن یکم معنی دندان ہے لیکن طلوع دندان چونکہ عادتاً اس عمر میں ہوتا ہے اس لئے عمر کے ساتھ تفسیر کر دی خواہ دانت طلوع ہو یا نہ ہو، اور جب کہ فقہاء تصریح کرتے ہیں کہ اکثر دانتوں کا ہونا یا اتنے دانتوں کا ہونا جس سے گھاس کھا سکے جواز قضیہ کے لئے کافی ہے، تو کسی خاص دانت کے نکلنے پر کیسے مدار ہوگا، فی الدر المختار ولا بالتہما، التی لا استمان لہا و کیفی بقاء اکثر و قیل ما تعلقت شبہ ثالث کا جواب یہ ہے کہ جمع بین الاحادیث کی ضرورت ہے کہ ایک حدیث میں بلا شرط ہے نعمت الاھیمة الجذع من الضان رواہ الترمذی عن ابی ہریرۃ مرفوعاً اور دوسری حدیث میں ہے لا تذبحوا الا مسنة الا ان یسر علیکم فتذبحوا جذعة من الضان رواہ مسلم عن جابر مرفوعاً استثناء جو حدیث ثانی میں ہے واقع ہے بیان افضل پر مبنی افضل مسنہ ہی ہے ہر جانور میں، لیکن اگر افضل نہ مل سکے تو جذع ضان اس کے قائم مقام ہو جاوے گا، اور حدیث اول میں تو نعمت آیا ہے، وہ بیان نفس فضیلت کے لئے ہے یعنی نفس فضیلت سے وہ بھی کسی حال میں خالی نہیں، چنانچہ ایک حدیث میں نص بھی ہے عن مجاہد من بنی سلیم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول ان الجذع یوفی مایوفی مسنة الشنی رواہ ابو داؤد و النسائی وابن ماجہ کذا فی مشکوٰۃ ہشبہ رابع کا جواب یہ ہے کہ ابو بردہ کی حدیث میں مسنہ نہیں ہے جذع ہے معز کا، اس وقت بخاری تو پاس نہیں مگر لمعات شیخ سے نقل کرتا ہوں کما جاز فی حدیث بردہ فی جذع المعز اذ بھا و لن تجزی عن احد بعدک۔

ان تعارضات اربعہ کا تو جواب ہو گیا، اس کے بعد سائل کے ایک جملہ کا کہ وہ بھی ایک شبہ پر مشتمل ہے، کہ وہ شبہ خامس ہے جواب لکھا جاتا ہے۔ قولہ اگر کوئی دوسری حدیث سے صاف طور سے ظاہر ہو کہ کبریٰ ایک سالہ الخ قول جہاں معانی شریعیہ معانی لغویہ کے علاوہ ہوں وہاں تو نص شارع

کی ضرورت ہے، اور جہاں معافی لغویہ کے متعلق حکم ہو وہاں اس کی ضرورت نہیں ورنہ یہ سوال بھی متوجہ ہوگا کہ آیت تحریم نکل نساء میں جواہرات و نباتات و اخوات وغیرہ الفاظ آئے ہیں ان کے معنی قرآن و حدیث میں ہونا چاہئے جب حدیث میں لاتذبحوا الا مسنہ مصرح ہے اور مسنہ ثلثہ ایک چیز ہے، اور نیز حسب نقل ہدایہ خود بتایا ہوتا شرط ہے اور ثنیہ کی تفسیر ہر بہیمہ میں جدا جدا ثابت ہے تو مسنہ کا اسی طرح ثنیہ کا حدیث میں مذکور ہونا بعینہ بکری میں ایک سالہ شرط ہونے کا مذکور ہونا ہے، اب تائید تفسیر فقہاء کے لئے بعض کتب لعنت سے ثنیہ معزز کی تفسیر نقل کی جاتی ہے، مجمع البحار میں ہے عند احمد من المعزز فی الثانیہ تھا یہ میں ہے، و علی مذہب احمد بن حنبل ما دخل فی السنۃ الثانیۃ، یہ جواز عن سوال نقل کیا گیا، اب تبرعاً جذع غنم شامل للمعزز والضأن کی تفسیر موافق قول فقہاء کے نیز کتب لعنت و نقل کے دیتا ہوں، کہ اس میں بھی عدم نقل لغوی کا شبہ بعض کو ہو جاتا ہے، مجمع البحار میں ہے ومن الضان ماتت لہ سنۃ وقیل اقل منها آہ و ہذہ التفاسیر اللغویہ کلہا من کشاف اصطلاحات الفنون الامتار الصالح میں تفسیر جذع شاة میں ہے وقیل ولد النعۃ انہ یجذع فی ستۃ اشہار، اس سے معلوم ہوا کہ بعض اہل لعنت نے یہ بھی تفسیریں کی ہیں اور حنفیہ نے ان تفاسیر کو اس لئے اختیار کیا کہ جس جس پر ثنی و جذع کا اطلاق ہوتا ہے اطلاق حدیث سے سب کو حکم شامل ہو جاوے، ولم یذہب احد الی اقل مما قال بہ الفقہاء، الامام فی الخزانۃ فی تفسیر الشنی من الاہل بما اتی علیہ اربع سنین ولعلہ لم یثبت عندہم،

۹ ردی الحجۃ ۱۳۳۸ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۹۶)

تمتقدیر رسالہ جیورکھشا | سوال (۶۷۷) رہنمائے گمراہان، ہادی دین متین حضرت مولانا سلام علیکم آج جناب کو تکلیف دہی کا ایک موقع ہے جس کے بغیر چارہ کار نہ تھا، کیونکہ بغیر جناب کے عقدہ کشائی کے یہ معاملہ طے نہیں ہوتا تھا، براہ کرم میرا استغاثہ سن کر فیصلہ کیجئے، وہو ہذا۔

جناب والا نیاز مند نے غرض ہو کہ ایک کتاب موسوم بہ جیورکھشا لکھی تھی، جس کی ایک کاپی ہمرشتہ ہذا ابلاغ ہے۔ اس کے نسبت میرے متعلق مخالف ازراہ کوتاہ اندیشی مجھ پر یہ الزام عائد کرنے کی سعی کر رہے ہیں کہ میں نے یہ کتاب اہل ہندو کی حمایت اور اسلام کی اہانت میں لکھی ہے، اگرچہ جناب کا گرامی وقت اس کے مطالعہ میں ضائع ہوگا، مگر ایک مسلمان کے لئے انصاف کرنے میں سوائے اس کے کوئی صورت نہیں ہے، لہذا التماس ہے کہ اگر جناب والا تمام و کمال کتاب کو مطالعہ نہ فرمائیں تو صرف اس قدر حصہ جس کو میں نے سیاہ خط سے محدود کر رکھا ہے، ملاحظہ کریں کہ فرقہ ہندو کے مذہبی عقائد اور رسم و رواج کا کس طرح نمونہ دکھلایا ہے، اور خاص کر مسئلہ اوگوت اور گنہ ماتا سے ہمدردی کی اصلی

حالت کیا ہے، تمام اوراق کے ملاحظہ سے جناب پر واضح ہو گا کہ مصنف کا اصل مقصد کیا ہے، اور وہ اسلام کی حمایت میں ہے یا اہانت میں، براہ کرم قدیمانہ اپنی رائے کے چند الفاظ بطور تنقید تحریر فرما کر مشکور کیجیے،

جواب۔ مکرمی سلمہم اللہ تعالیٰ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ، میں نے رسالہ جیورکشا اول سے آخر تک بنظر مابین الاجمالی و تفصیلی دیکھا، ایسے رسالہ کے مصنف سے اگر بالکل تعلق نہ ہو تو مجبلاً بھی اپنا خیال ظاہر نہ کرتا کہ تجربہ سے بالکل مفید نہیں، اور اگر بے تکلفی کے درجہ تک تعلق ہوتا تو مفصلاً خیال ظاہر کرتا کہ توقع مفید تام ہونے کی تھی، اب آپ سے تعلق بھی ہے اور بے تکلفی نہیں، اس لئے تفصلاً تو ظاہر نہیں کرتا، مگر اجمالاً ظاہر کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ سارے رسالہ کا خلاصہ یہاں کی تفصیل انسان پر اور اعتراضات احکام اسلام پر اور پیشوایان ہنود کی مدح اور پیشوایان اسلام پر قدح ہے، اس خلاصہ سے ہر شخص کو رائے قائم کرنے میں سہولت ہو سکتی ہے۔ اور گو ہنود پر بھی تعریض کی گئی ہے لیکن دوسرے کے گھر کی ایک کوٹھری گرا دینے سے اپنے گھر کو پورا ڈھا دینے کا تدارک نہیں ہو سکتا۔

اندکے پیش تو گفتم غم دل تریدم : کہ تو آزدہ شوی ورنہ سخن بسیت

(تمتہ خامسہ ص ۵۸۲)

سوال (۶۷۸) اکثر دستور ہے کہ قربانی کی کھال بچہ کے بدلے میں بچہ کو تصدق کر دیتے ہیں یا مالدس اسلامیہ میں بھیج دیتے ہیں اور ہتم بچہ کو تصدق کر دیتا ہے۔ نیابتہً للخصی اور ہدایہ آخر صفحہ ۴۴۸ میں ہے قولہ علیہ السلام من بلع جلد اضحیٰ فلا اضحیٰ لہ محشی لکھتا ہے، رواہ الحاکم فی المستدرک فی تفسیر سورۃ الحج ۱۲ اور محشی نے یہ بھی لکھا ہے فاذا تحولت بالبیع وجب التصدق لان هذا لثمن حصل بفعل مکروہ فیکون خبیثاً فجب التصدق ۱۲ عبارات مذکورہ سے کراہت بیع نکلتی ہے اب یہ امر دریافت طلب ہے کہ اگر جلد اضحیٰ کو اس نیت سے روپے کے بدلے فروخت کیا جائے کہ روپیہ کو تصدق کر دیا جائے گا، چنانچہ اسی نیت سے فروخت کرتے ہیں، آیا یہ فروخت کرنا بھی مکروہ ہے مطابق حدیث مذکور، یا مکروہ نہیں، اور جلد کا تصدق و بیع کر دینا روپیہ کا تصدق دونوں برابر ہیں، اور اطلاق حدیث کی تفسیر کی کیا ضرورت ہے، امید کہ جواب شافی جلدی مرحمت ہو۔

الجواب۔ بہ نیت تصدق ثمن جلد اضحیٰ کا بیع کرنا مکروہ نہیں ہے، کما فی العالمگیریۃ ولا بیعہ بالدرہم لینیفق الدرہم علی نفسه و عیالہ والحم بمنزلۃ الجلد فی الصبح حتی لا یبیعہ بما لا ینتفع بہ الا بعد الاستہلاک ولو باعہا بالدرہم لیتصدق بہا جائز لانه قرۃ کا تصدق کذا فی النیین ج ۶ ص ۲۰۲، اور فقہاریں

کسی نے اس کی کراہت کا حکم نہیں کیا، اور جو حاشیہ مشعرہ کراہتہ سوال میں نقل کیا ہے وہ اول تو اس کے متعلق ہی نہیں ایک کو دوسرے پر قیاس کر کے اس حاشیہ سے استدلال کیا جاوے گا، اور قیاس کرنے کا ہم کو منصب نہیں، دوسرے صحت قیاس کو تسلیم کرنے کے بعد کہا جاتا ہے کہ خود اس عبارت میں استدلال کا جواب موجود ہے، حیث قال فاذا تمولتہ الخ پس اس کو کراہت بیع بقصد تمول کے ثابت ہوتی ہے، نہ کہ بیع بقصد التصدق بالتمن کی، باقی یہی بات کہ قد شأ کی تنقید کی کیا دلیل ہے، یہ سوال البتہ قابل توجہ ہے، سوال اول بطور مقدمہ کے یہ سمجھ لینا چاہئے، کہ کسی نص کو کسی قاع محل پر محمول کرنا جیسا کبھی کسی دلیل جزئی سمعی سے ہوتا ہے، اسی طرح کبھی ذوق اجتہادی سے ہوتا ہے، جو مستفاد و متاخذ ہوتا ہے قواعد کلیہ شرعیہ سے، مثال اس کی حدیث صحیح ہے لایبولن احدکم فی الماء الا کد ملول یغظی حدیث کا یہ ہے کہ بول فی الماء الا کد منہی عنہ ہو، اور القاء البول فی الماء یا لغوط فی الماء منہی عنہ ہو، چنانچہ بعض اہل ظاہر اس طرف گئے بھی ہیں لیکن مجتہدین نے باجمہم اس کو معطل بالتذنیف سمجھ کر سب صورتوں کو عام کہلایا ہے، اور ظاہر ہے کہ اس تمیم کی کوئی دلیل جزئی نہیں، بجز ذوق اجتہادی کے اور یہی معنی ہیں قول امام ترمذی کے الفقہاء ہم اعلم بمعانی الحدیث اور اس کو تمام علماء وائمہ نے مستبر اور معمول بہ رکھلایا ہے، جب یہ مقدمہ مہمد ہو چکا تو اب سمجھئے کہ حدیث من باع الخ کا ظاہر کو مطلق ہے مگر فقہاء نے اسی ذوق اجتہادی سے اس کو معطل سمجھا بقصد تمول کے ساتھ وحیث لا علۃ فلا معلول، پس کسی کو فقہاء سے اس میں مزاحمت نہیں پہونچتی اور جن قواعد سے یہ ذوق متاخذ ہوتا ہے یہ ہیں کہ کسی چیز کی بیع جو متہی عنہ ہوتی ہے، استقراء و تتبع سے اس کے تین سبب ہوتے ہیں، یا تو وہ شے محل بیع کا نہ ہو، جیسے بیع باطل، اور یا باوجود محل بیع ہونے کے کوئی مقصد صلب عقد میں داخل ہو گیا ہو، جیسے بیع فاسد یا بشرط الفاسد اور یا کوئی وجہ کراہت باوجود صلب عقد میں داخل نہ ہونے کے خارج سے مقارن ہو گئی ہو، جیسے بیع وقت اذان الجموع، اب دیکھنا چاہئے کہ اس بیع سے جو متہی فرمائی ہے ان اسباب ثلاثہ میں سے یہاں کون سا سبب پایا جاتا ہے؟ اول تو یقیناً منتفی ہے کیوں کہ کسی شے کے محل بیع نہ ہونے کا سبب اس شے کا محل تملیک نہ ہونا اس لئے جو محل بیع نہ ہو گی محل ہیہ بھی نہ ہو گی، اور جلد اٹھمہ محل ہیہ ہے تو محل بیع بھی ہے اور ثانی کا انتفاء مشاہد ہے، کیونکہ کلام اس صورت میں ہے جب کوئی شرط فاسد نہ ہو، پس ثالث متعین ہوگا، پس اب کوئی وجہ کراہت کی معلوم کرنا چاہئے، سو حدیث لا تعط الحزرا منہا شیئاً سے تصرف بقصد تمول کا نہ ہونا صاف معلوم ہوتا ہے، پس یہ مرجع

ہے، مانع فیہ میں بھی اس کے مدار ہونے کا، پس حدیث من باع الخوکو اسی پر محمول کر لیا، اور چونکہ شیار مستہلاک بھی دراہم کے مثل ہیں توقف الانتفاع علی الاستہلاک میں اس میں بھی اس حکم کو متعدی کر دیا، یا یہ کہ اس کو بھی لفظ بیع کے عموم میں داخل کر لیا، بخلاف بدل باقی کے، کہ اس میں عدم استہلاک قارح ہے، اور اس سے استبدال بقصد تمول نہیں ہے، بلکہ وصف بقا میں ذی مثل عین جلد کے ہے، اس لئے اس سے استبدال کرنے کو مثل بقا عین جلد کے قرار دے کر جائز قرار دیا گیا، مگر جب اس کو بیچا جاوے گا پھر اس کے ثمن کا تصدق بھی واجب ہوگا، فقہار نے اس کی تصریح فرمائی ہے، البتہ جو اس نہی کو خلاف قیاس کہتے ہیں، ان پر یہ تقریر رجحان نہ ہوگی، ان کو اس بیع کے باطل کہنے کی گنجائش ہے، مثل وقف کے، واللہ اعلم،

۴، ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۹۴)

سوال (۶۷۹) دریں جائے شخص برطرف ہندوان گرویدہ یک
منع کند و با حدیث ضعیف استدلال کند کتاب بنام قول رسول عرف گنور کیا تصنیف کردہ است و دران
نوشته است کہ بقول پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خوردن گوشت مادہ گاو منع و نارد است و در حجت
ایں حدیث آورده است علیکم بالبان البقر و سمنانھا و ایاکھ و لحومھا فان البانھا
و سمنانھا داء و لحومھا داء و دیگر احادیث از جامع صغیر و عدی و مستدرک و کنز العمال
و کنوز الحقائق و حیوة الحیوان و غیرہ نیز آورده است کہ الفاظ آن ہمان طور است کہ نوشته شد
و در آن کتاب نوشته است کہ ایں حدیث قولی است و حدیث جابر فعلی است و قولی حدیث از
فعلی اقوی است و دیگر نوشته است کہ حدیث فعلی بحدیث قولی منسوخ است اکنون عرض
است کہ آن حدیث کہ دران این لفظ است کہ ایاکھ و لحومھا داء ناسخ است مرتعش
ذبح و اکل رایانہ، و آن احادیث کہ دران حکم ذبح و اکل است ہم قولی اندیانہ و آن حدیث کہ دران
لفظ ایاکھ و لحومھا داء است موافق حکم قرآن است یا نہ، و بر سازندہ آن کتاب از خوردن
گوشت گاو منع کردہ است و خوردن گوشت گاو را تاردانی گوید شرعاً چہ حکم است۔

جواب۔ ایں کس محرف دین است و نسخ فرع تعارض است و تعارض در حکمین شرعیین
می باشد احادیث ایاکم الخ اولاً محتاج تصحیح و تحسین سند است ثانیاً آن حکم شرعی نیست حکم طبی
است پس جمیع اشکالات مرتفع شد خصوص بعد ارشاد حق تعالی کلو امارز کلم اللہ الی قولہ و من
البقر اثین کہ اقوی از حدیث قولی است، ۲، جمادی الثانیہ ۱۳۳۲ھ (تمتہ خامسہ ص ۵۷۷)

سوال (۶۸۰) ناجائز مال کے ہتھیار یا گولی سے شکار مارا ہوا کھانا جائز
کہ از آلات مال حرام ہے یا نہیں؟

الجواب - جائز ہے لیکن گولی میں شرط یہ بھی ہے کہ اُس کو چھری سے ذبح کیا ہو۔

۱۶ ذی قعدہ ۱۳۳۱ھ

فصل فی الصید والعقیقۃ

سوال (۶۸۱) حکم خرگوش کھردار جس کے کھڑھوں، اور یہی بیان کیا جاتا ہے کہ ایسے کھردار خرگوش واقعی ہیں بھی گو ہمارے اس اطراف میں آج تک نظر میں کسی کے نہیں آیا، یہاں جو خرگوش پائے جاتے ہیں، اُن کے نیچے مثل بلی کے پنجوں کے ہیں، دانت مثل چوہے کے دانتوں کے ہیں، ایسے خرگوش حلال ہیں یا کیا تفصیل بیان فرما کر ممنون فرماویں؟

الجواب - باوجود حیوانہ الجوان وغیرہ میں تتبع کرنے کے اس تقسیم کرنے کا حکم مختلف نظر سے نہیں گذرا، اور یہ تقسیم ایسی ہو سکتی ہے جیسے مچھلی کی قسمیں مختلف ہیں، مگر ہر مچھلی حلال ہے اسی طرح اگر اس کی بھی مختلف قسمیں ہوں تب بھی ہر قسم حلال ہو سکتی ہے۔

۳۰ محرم ۱۳۵۵ھ (الذیہ ص ۸ شعبان ۱۳۵۵ھ)

سوال (۶۸۲) رفع شبہ برحلت صید کلب کی نجاست بندریہ دندان دوران خون کے ساتھ تمام گوشت میں سرایت کر جاتی ہے، کیونکہ پاک ہوا، علاوہ انہیں یہ نہ ہر بلا جاتا ہے جس کا نہ ہر وسیلہ دوران دم تمام گوشت میں پہنچ جاتا ہو گا تو اس کا پکڑا ہوا شکار کیونکر حلال ہوگا، حالانکہ نہ ہر حرام ہے۔

الجواب - اگر شبہ کرنے والا مسلمان نہیں تب تو اس وجہ سے جواب لا حاصل ہے کہ کفار سے اصول میں گفتگو ہے فروع میں کیوں تطویل کلام کی جاوے اور اگر وہ مسلمان ہے تو اس کو اتنا جواب کافی ہے کہ دلیل شرعی سے جو امر ثابت ہو ہم کو اس کی لم کی تفتیش اور طبیعیات ظنیہ بلکہ وہمہ کے معارضات کا جواب و تطبیق ہم پر ضروری نہیں، یہ جواب تو سائل صاحب کے لئے ہے باقی میں آپ کا انتظار رفع کرتے کے لئے ایک جواب لکھتا ہوں، وہ یہ کہ

اس تعلیل میں تامل ہے، کیونکہ یہی دلیل ساتب بچھو کے اور لپڑائی کے وغیرہ کے کاٹنے میں بھی جاری ہے حالانکہ مدعی مختلف ہے نیز اس دلیل سے لازم ہے کہ اس وقت تمام افعال طبیعہ معطل ہو جائیں اور تمام جسم کا انتظام درہم برہم بجز بعض کلب موت طاری ہو جاوے حالانکہ یہ خلاف مشاہدہ ہے (نوٹ) یہ عبارت یعنی لفظ "اس تعلیل میں" سے آخر جواب تک تصحیح الاعلاط سے لکھی گئی ہے۔ (امداد، ج ۱ ص ۳)

عدم حل صید از گولی بندوق | سوال (۶۸۳) بندوق سے شکار کھیلنا کیسا ہے؟
کہ در صید خزیو بنگافد وغیر آن | الجواب۔ جائز ہے، لیکن بدون ذبح کے شکار حلال نہ ہوگا،
لأنه یقتل بالشفق لا بالحد، حکم محرم یوم الثلاثاء ۱۳۳۳ھ (تمہ رابعہ ص ۵۹)

ایضاً سوال (۶۸۳) معمولی مرد جب بندوق یعنی چھترہ و گولی سے شکار کرتے ہیں، تسمیہ پر طرہ کر شکار کرے، اور ذبح کی مہلت نہ ملے، تو ذبیحہ جائز ہے یا نہیں، یا شق ہونے والی گولی سے شکار مع تسمیہ کے کئے جانے سے شکار بغیر ذبح کئے ہوئے جائز ہو سکتا ہے یا نہیں، کیونکہ اس گولی کے ٹکڑے دھار دار ہوتے ہیں وہ جا کر لگتے ہیں، مگر اندر گولی جا کر پھٹی ہے، کیونکہ جب کسی چیز سے مس ہوتی ہے تب پھٹی ہے، بینوا تو جروا،

الجواب، لیکن فعل اس گولی کا پھٹنے پر موقوف نہیں، اگر نہ بھی پھٹی تب بھی قاتل ہوتی، اس لئے اس دھار کی طرف زہوق روح کو منسوب نہ کریں گے، لہذا اس کا شکار بدون ذبح حلال نہ ہوگا، ۲ سوال ۱۳۳۳ھ (حوادث اول ص ۱۳)

انتفاع بجز عقیقہ | سوال (۶۸۴) عقیقہ کی کھال سے بھی مثل قربانی کے عقیقہ کرنے والا خود منتفع ہو سکتا ہے، کہ کوئی چیز بنوا کر اپنے کام میں لاوے یا نہیں، اور بعد فروخت کرنے کے قیمت کا صدقہ کر دینا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب۔ چونکہ شرائط واجبہ فی الاضحیہ عقیقہ میں محض مستحب ہیں، اس لئے تصدق بالعتیت بھی مستحب ہوگا اور انتفاع بالجلد کے جواز میں کوئی شبہ نہیں، فقط واللہ اعلم

(امداد ج ۲ ص ۱۱۲)

ایضاً | سوال (۶۸۵) عقیقہ کی کھال کی قیمت کا مصرف کیا ہے اور وہ کھال یا پوتہ قربانی بعینہ غنی یا بنی ہاشم کو دے سکتے ہیں؟

الجواب، بعینہ غنی و بنی ہاشم کو دینا درست ہے، ۴ صفر ۱۳۳۳ھ (تمہ اولی ص ۱۳۸)

تحقیق شکستہ استخراں در عقیقہ | سوال (۶۸۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ عقیقہ میں ہڈی توڑنا درست ہے یا نہیں، اور اوجھڑی کس کو دینی جائے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب، ہڈی توڑنا جانور عقیقہ کی درست ہے۔ فی رد المحتار وھی شاة تصلح للاضحیۃ تذیہ للذکر والانثی سواء فرق لحمہا نیا او طبخت بحدوضۃ او بدونہا مع کسر عظمہا اولاً واتخاذ دعوۃ اولاً ۱۷ھ ج ۵ ص ۲۱۳ اوجھڑی کا کوئی مصرف نہیں جس کو چاہے دے جیسا قربانی میں اختیار ہے فی اشعۃ اللغات و ہرچہ در اضحیۃ معتبرست از شرائط احکام در عقیقہ نیز معتبرست ج ۳ ص ۳۹۵ والہ اعلم (امداد ج ۲ ص ۱۱۸)

حکم عقیقہ گائے | سوال (۶۸۷) گزارش ہے کہ جناب شاہ صاحب ہمارے یہاں ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ عقیقہ گائے کا بھی درست ہے یہ بات اور کبھی کسی عالم نے نہیں کہی، اب عرض کرتا ہوں، اگر لڑکا پیدا ہووے تو دو بکری ذبح نہ کرے ایک گائے ذبح کرے تو عقیقہ درست ہوگا یا نہیں، تحریر فرما کر تسلی فرمادیں، اور یہ بھی عرض کرنا ہے کہ عقیقہ میں بکری ذبح اور گائے ذبح میں سے کون افضل ہے؟

الجواب، گائے کا عقیقہ آثار میں تو مستقول دیکھا نہیں گیا، البتہ فقہاء نے گائے میں عقیقہ کا حصہ لینے کو لکھا ہے تو اس کے جواز کا قائل ہونا بھی ضروری ہے، کہ گائے کا حصہ بدل ہے شاة کا لیکن پوری گائے سے عقیقہ کرنا اس سے فقہاء نے بھی تعرض نہیں کیا، مگر قواعد سے یہ ایسا ہے جیسو سات بکریوں سے عقیقہ کرنا جو ظاہر اسنت سے تجاوز ہے جیسے ظہر کی پانچ رکعت پڑھنا، بہتر یہ ہے کہ اور کسی عالم سے بھی تحقیق کر لیا جاوے۔ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۳۵)

ایضاً | سوال (مختصر کے فتاویٰ امداد الفتاویٰ ص ۲۳۵) حصہ خامسہ عقیقہ میں گائے ذبح کرنے کا عدم جواز مستفاد ہوتا ہے اس کی بابت گزارش ہے کہ معجم طبرانی صغیر ص ۴۵ میں حدیث ذیل مذکور ہے، حدثنا ابراہیم بن احمد بن مروان الواسطی ثنا عبد الملک بن معروف الخياط الواسطی ثنا مسعدة بن اليسع عن حريث بن السائب عن الحسن بن انس بن مالك قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من ولد له غلام فليعق عنه من الابل او البقر او الغنم، حدیث کے بعض رواۃ مجروح ہیں لیکن طبرانی اس کی تخریج میں متفرد نہیں ہیں، بلکہ ابوالشیخ فی بھی اس کو روایت کیا ہے، نہیں کہا جاسکتا کہ ان کی سناد کے رجال کون لوگ ہیں، حافظ بن حجر نے فتح الباری میں اس حدیث کا حوالہ دیا ہے اور کوئی جرح نہیں کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے

کہ ان کے نزدیک کم از کم حسن ہے رکما ینظہرن مقدمۃ الفتح

اس کے علاوہ ابن حجر نے جمہور کا مذہب یہ بیان کیا ہے کہ ذبح بقر عقیدۃ میں جائز ہے،

فتح الباری، مصری باب العقیدۃ ج ۹

الجواب، میں نے اپنے جواب کی عبارت دیکھی اس میں حکم عدم جواز جزا کے عنوان سے نہیں ہے، بلکہ سنت کے تجاوز ہونے کے عنوان سے ہے، جو جواز مع الکراہت کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے، اور تشبیہ خمس رکعات کی ساتھ نفس تجاوز میں ہے، نہ کہ عدم جواز میں، پھر اس میں بھی ظاہراً کی قید ہے، پھر اس کے قواعد ظنیہ پر اور عدم نقل پہنچتی ہونے کی تصریح ہے، نیز دوسرے علماء سے مراجعت کے مشورہ کی بھی تصریح ہے، ان تصریحات کے بعد عبارت مذکورہ سوال کا ان تصریحات کے خلاف کے لئے موہم ہونا ظاہر ہے، سوال کی عبارت یوں مناسب تھی کہ جواب میں تردد فی الکراہت کی بناء عدم روایت نقل معلوم ہوتی ہے، ایک نقل نظر سے گزری ہے، اگر یہ رفع تردد کے لئے کافی ہو غور کر لیا جاوے، اب سوال کو اسی طرح قرع کر کے جواب دیتا ہوں، کہ واقعی تردد مذکور کی بناء عدم روایت نقل ہے اور اسی ضرورت سے قواعد سے استنباط کیا گیا، اب اس نقل کے بعد تردد سے پوری گائے یا اونٹ کے ذبح کے جواز بلا کراہت کے جزم کی طرف رجوع کرتا ہوں، جیسا ظاہر روایت مذکورہ سوال سے متبادر ہے، گو یہ احتمال اب بھی باقی ہے کہ من تبعیضہ ہوا اور غنم سے تعلق من کا تغلیباً ہوا اور مکمل غنم کا جواز دوسرے دلائل سے ثابت ہو، مگر چونکہ کوئی قول اس کے مساعد منقول نہیں ہے اس لئے یہ احتمال مضر نہیں واللہ اعلم،

۴ ربیع الاول ۱۳۵۹ھ (النور ص ۵ جمادی الاخریٰ ۱۳۵۹ھ)

نقل روایت در باب | **السوال** (۶۸۹) تتمہ خامسہ امداد الفتاویٰ ص ۲۳۵، گائے کا عقیدہ آثار میں عقیدہ بقرہ و ابل، تو منقول دیکھا نہیں گیا الخ مولوی حمید اللہ غیر مقلد اپنے رسالہ خطبات التوحید کے صفحہ ۱۳۶ میں یوں لکھ رہے ہیں،

”اور افسوس فی الشرعہ کی روایت سے ایک حدیث میں مرفوعاً یوں بھی ہے کہ عقیدہ میل و نٹ یا گائے وغیرہ بھی ذبح کرنا درست ہو نیل الاوطار جلد ۴ ص ۳۴، میرے پاس نیل الاوطار نہیں ہے اور نہ کہیں سے مل سکی،

الجواب۔ نیل الاوطار کتاب العقیدۃ کے قلمہ مذکورہ اخیر میں اس باب میں ایک اختلاف نقل کر کے کہا ہے، والجمہور علی اجزاء البقرۃ الغنم ویدل علیہ ما عند الطبرانی والبیہقی

من حدیث انس مرفوعاً ملفظاً یعنی عنہ من الابل والبقر والغنم
اس کے بعد اس میں اختلاف نقل کیا ہے، کہ گائے، اونٹ کابل شرط ہے، قالہ احمد یا
اشترک سبعہ یا عشرہ کا بھی جائز ہے، لیکن حدیث کی سند کی تحقیق نہیں کی گئی، مگر بعض مجتہدین
کی تلقی بالقبول ثبوت حدیث کا کافی قرینہ ہے۔ واللہ اعلم پس میرا قول کہ آثار میں منقول نہیں
دیکھا گیا، مرجوع عنہ ہے،

۱۸ رمضان ۱۳۵۵ھ (النورس الجادی الاولیٰ ۱۳۵۵ھ)

سوال (۶۹۰) تالاب کا پانی چند شخصوں نے مول لیا، اس میں
مچھلی نکلی سمجھوں نے تقسیم کر لیا، اگر کوئی شخص اپنے حصہ میں سے کسی کو
مچھلی بھیج دے، تو اس کا کھانا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب، جائز ہے کیوں کہ قبضہ کرنے سے ملک ہو گئی، البتہ پکڑنے سے دوسروں کو
روکنا جائز نہ تھا۔

۱۵ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ (امداد، جلد ۲، صفحہ ۱۸۵)

سوال ۹۱ عقیقہ بڑا انداز منقول کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ
میں کہ عقیقہ میں ایک یا دو گائے یا تیر یا وہ ذبح کرنا کیسا ہے،
الجواب، کہیں جزیئہ تو نظر سے نہیں گزرے لیکن قواعد سے یہ زیادت غیر مشروع معلوم
ہوتی ہے، کیونکہ یہ زیادت منصوص تو ہے نہیں اور قیاس سے دوجہ سے جائز نہیں کہہ سکتے
ایک تو اس لئے کہ ہم لوگ قیاس کے اہل نہیں، دوسرے اس لئے کہ اراقت دم قربت
غیر معقولہ ہے اور غیر معقول محل قیاس نہیں۔

۲۱ صفر ۱۳۳۳ھ

جلد سوم تمام شد

سیر منصور حلاج

حکیم الامت
حضرت مولانا
اشرف علی تھانوی
قدس سرہ العزیز

مسکد وحدت الوجود اور وحدت الشہود ابن منصور کی کرامات
اور تصوف کے بارے میں ان کے نظریات اور تاریخی روایات پر
تنقیدی و تحقیقی نظر سے سیر حاصل تبصرہ اور اس ضمن
میں بہت سے دیگر مباحث پر غور و فکر
کے بعد یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حسین
ابن منصور انا الحق کبار اہل الشریعہ سے تھے
ان پر تمام اہمات والزامات غلط اور بے بنیاد تھے۔

آفت کی عمدہ طباعت
۱۸x۲۳ سائز ۲۵۰ صفحات
قیمت:
روپے

مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴

حیات عثمانی

بحمد اللہ نہایت ہی حسین و دلکش کتابت و
طباعت کے ساتھ منظر عام پر آچکی ہے

تالیف

پروفیسر محمد انوار الحسن صاحب شیرکلی

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی بانیان پاکستان میں سے تھے۔ آپ کے
حالات زندگی اور علمی و عملی کارناموں پر از پیدائش و وفات تک مفصل
بحث کی گئی ہے جو اہل علم حضرات کیلئے سامان بصیرت و رہنمائی ہے۔
کتاب کے شروع میں مفکر اسلام حضرت مولانا محمد عثمانی صاحب
مدظلہ کا پیش الفاظ انت اہل مطالعہ ہے۔

بہارِ آرٹ پریس حسین طباعت ہر پیرا گراف ممتاز اور
مفصل نمبرست اور استفادہ نہایت آسان۔ رنگین و
دلکش ترین جلد۔ قیمت ہر روپے

ناشر:

مکتبہ دارالعلوم کراچی